تسہیل الجلالین

شرح اردو جلالین شریف

1

تالیف

مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی

مدرس مدرسہ شیخ الاسلام شیخوپور اعظم گڑھ یوپی

ناشر

کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

تسہیل الجلالین

(شرح اردو جلالین)

مولف

حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی

ناشر

مکتبہ ضیاء الکتب، خیرآباد، ضلع مئو (یوپی)

پن کوڈ:276403 موبائل:9235327576

تفصیلات

نام کتاب	:	تسہیل الجلالین (شرح اردو جلالین)
مؤلف	:	حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی
باہتمام	:	مولانا ضیاء الحق خیر آبادی
صفحات	:	648
طبع اول	:	مئی ۲۰۱۰ء
قیمت	:	500/=

ای میل: **zeyaulhaquekbd@gmail.com**

ملنے کے پتے

☆ فرید بک ڈپو پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی ۲

☆ کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

☆ مکتبہ الفہیم صدر چوک مئوناتھ بھنجن 9236761926

☆ مولانا قاضی حبیب اللہ صاحب، مدرسہ فلاح المسلمین مدھوبنی بہار

☆ مولانا ابو عبید صاحب، حیدرآباد 9908614090

فہرستِ مضامین

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمدللّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وعلیٰ آلہ وصحبہ أجمعین،

أمابعد! شعبان ۱۳۹۰ھ میں مدرسہ کی رسمی طالب علمی سے اس خاکسار کی فراغت ہوئی، فراغت کے بعد ڈیڑھ دوسال گھر رہنے کا اتفاق ہوا۔ قرآن کریم کی تلاوت، حفظ اور تدبر معانی سے قدرے مناسبت زمانۂ طالب علمی ہی سے تھی، گھر پر رہ کر حفظ قرآن کی تکمیل کی سعادت نصیب ہوئی، اس کے لئے بکثرت تلاوت کی توفیق ہوئی، تو قرآن سے محبت اور تعلق میں رسوخ پیدا ہوا۔ ایک روز اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ تازندگی قرآن کریم سے اشتغال اور اس کی خدمت کی توفیق عطا ہو، پھر راہ آسان ہوئی، چند ذی استعداد حفاظ کو ہلکے پھلکے قواعد کے ساتھ ترجمۂ قرآن پڑھانے کا سلسلہ شروع کیا۔ یہ خدمت سال بھر اپنے وطن اور گاؤں میں چلتی رہی، پھر تدریس کے سلسلے میں باقاعدہ مدرسوں میں آگیا۔ اللہ کا نہایت فضل وکرم شامل حال رہا کہ کسی نہ کسی عنوان سے قرآن کی خدمت نصیب ہوتی رہی، زیادہ تر تفسیر کی ابتدائی اور مختصر کتاب ''جلالین شریف'' زیر درس رہی۔ اس کے علاوہ مساجد میں بیان تفسیر اور اس کی روشنی میں تذکیر وموعظت کا ایک تسلسل قائم رہا، سالہا سال تک رمضان شریف میں اپنے گاؤں میں بعد نماز تراویح ایک بڑے مجمع کے سامنے قرآن کریم کا ترجمہ اور اس کے مضامین کا بیان ہوتا رہا۔ پھر ۱۴۱۰ھ (۱۹۹۰ء) سے اعظم گڈھ شہر کی جامع مسجد میں ہر اتوار کو تفسیر وتذکیر کا سلسلہ شروع ہوا، تو اب تک بغیر کسی انقطاع کے جاری ہے...... خدا کرے یہ سلسلہ قائم رہے...... مجھے قلبی خوشی ہے کہ میری وہ دعا جو اللہ تعالیٰ کے حضور چالیس سال قبل بارگاہِ الٰہی میں پیش کی گئی تھی، بحمد اللہ اس کی قبولیت کے آثار محسوس ہو رہے ہیں۔

یہ خدمت...... جیسی بھی ایک بے مایہ اور بے بضاعت شخص سے بن پڑتی ہے...... بطور تقریر زبانی کے ہوتی رہی، کبھی تصور نہیں آیا کہ یہ خدمت قلم سے بھی انجام پانی چاہئے۔ مجھے قلم اور تحریر سے کچھ زیادہ مناسبت بھی نہیں ہے، اور یہ بات بھی تھی کہ مجمع میں بیان کرنا آسان ہوتا ہے، قلم کی تحریر علماء کے سامنے پیش ہوتی ہے، یہ اندیشہ ہر آن رہتا ہے کہ اللہ جانے کہاں خطا ہو اور لکھنے والا گرفت میں آجائے، اس لئے قلم اٹھانے کی کبھی ہمت نہیں ہوئی۔

میری بعض تحریریں جب دوستوں کے سامنے آئیں، تو ان میں سے کسی کو خیال ہوا کہ اس راہ سے بھی قرآن کی خدمت ہوتی تو بہتر ہوتا، اس کا تذکرہ زبانوں پر آیا، جی تو میرا بھی چاہا، براہ راست قرآن کریم کی تفسیر

لکھنے کا حوصلہ نہ ہوا، تو رائے یہ قرار پائی کہ جلالین شریف کی شرح لکھی جائے۔ قرآن کریم کی خدمت میں بالواسطہ سہی، انگلی کٹا کے شہیدوں کی پچھلی صف میں سہی، نام تو آ جائے گا، پھر یہ خاص طور سے طالب علموں کے بہت کام آئے گی، عام لوگوں کے لئے بھی اس میں استفادے کا سامان ہوگا۔

چنانچہ اس کام کا آغاز کئی برس پہلے کر دیا تھا، جن حضرات نے دیکھا، تحسین فرمائی، ضرورت بیان کی۔ اس کے نمونے ماہنامہ ضیاء الاسلام، شیخوپور میں چھپے، پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھے گئے، پھر تقاضوں کی صدائیں بڑھیں۔ بالآخر تسلسل کے ساتھ تصنیف کا عمل چلا، اور سورۂ نساء کی شرح وتفسیر پر پہلی جلد مکمل ہوئی۔

طریقۂ عمل: جلالین شریف کی شرح میں شارح کے تین کام ہیں:

(۱) تفسیر کا مع متن قرآنی ترجمہ۔

(۲) تفسیری عبارت کی توضیح وتشریح

(۳) تفسیر جلالین کی روشنی میں آیات کے مضامین کا مختصراً بیان۔

ترجمہ اس طرح کیا گیا ہے کہ متن قرآن اور تفسیر کا ترجمہ مسلسل ایک عبارت ہو، اور دونوں کے درمیان امتیاز کے لئے متن قرآنی کے ترجمہ کو قوسین میں لکھا جائے، یہ ترجمہ اس انداز سے کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص صرف قوسین کی عبارت پڑھے، تو وہ قرآن کریم کا مسلسل ترجمہ ہے، اور پوری عبارت پڑھے تو ترجمہ وتفسیر دونوں ہے۔

ترجمہ مکمل ہو جانے کے بعد ''تشریحات'' کے عنوان سے تفسیری الفاظ کی تشریح وتوجیہ کی گئی ہے، پڑھنے کے دور میں اساتذہ نے بتایا تھا کہ جلالین کے حل کرنے کی کنجی، انھیں تفسیری الفاظ کا سمجھنا ہے، ان سے قرآن کی مراد واضح اور متعین ہوتی ہے، قرآن فہمی کی راہیں کھلتی ہیں، اس لئے شرح میں اس کا بطور خاص لحاظ رکھا گیا ہے۔

''تشریحات'' کی تکمیل کے بعد زیر تفسیر آیات کے مضامین کو اجمالاً آسان عبارت میں لکھ دیا گیا ہے، تاکہ بیک نظر زیر تحریر آیات کا مضمون سامنے آ جائے۔ یہ حصہ وہ ہے جس سے عام اردو خواں بھی بطریق معتبر مستفید ہو سکتے ہیں۔

یہ تین کام تو اصل کتاب کی شرح سے متعلق ہیں، کہیں کہیں ضرورت محسوس ہوئی ہے تو مفسر کی تفسیر کے علاوہ دوسرے علماء کی تفسیر وتاویل سے بھی استفادہ کیا گیا ہے، ایسا بہت کم ہوا ہے۔ تاہم کہیں کہیں ہے، مرکز توجہ تفسیر جلالین ہی کو بنایا گیا ہے۔ غرض کہ یہ شرح مستقل تفسیر نہیں ہے، بلکہ تفسیر جلالین اس کی بنیاد ہے، اور اسی کے محور پر یہ شرح گردش کرتی ہے۔

اس شرح میں زیادہ تر بلکہ تمام تر استفادہ جلالین شریف کی عربی شرح **الفتوحات الالٰهية** سے کیا گیا ہے، جو ''جمل'' کے نام سے معروف ہے، لیکن اس کے حوالہ اہتمام نہیں کیا گیا ہے۔ کہیں کسی خاص مصلحت کا تقاضا ہوا ہے تو حوالہ بھی دیدیا گیا ہے، لیکن عموماً حوالہ نہیں ہے۔ ہاں کسی اور کتاب سے استفادہ کیا گیا ہے، تو اس کا حوالہ دیدیا گیا ہے۔

شارح نے کوشش کی ہے کہ تفسیر جلالین کی یہ شرح، شرح ہی کے دائرے میں ہی رہے، اسی لئے عموماً دوسری تفاسیر کو زیر بحث نہیں لایا گیا ہے۔ جلالین سے ہٹ کر تحقیقات بھی نہیں کی گئی ہیں، ہاں اگر کسی مقام پر علماء نے جلالین کی تفسیر میں تسامح محسوس کیا ہے، تو اس کی نشاندہی کر دی گئی ہے۔

خدا کرے عنداللہ یہ شرح مقبول ہو، اور طلبہ کے لئے نیز تفسیر قرآن کے شائقین کے لئے مفید ثابت ہو۔

شکریے اور دعائیں

(۱) میں لکھ چکا ہوں کہ اس شرح کا انحصار زیادہ تر جلالین کی معروف شرح ''**الفتوحات الالٰهية**'' پر ہے، جو جمل کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے علاوہ قرآن کریم کے ترجمے میں زیادہ تر استفادہ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب علیہ الرحمہ کے ترجمہ اور مولانا ابوالکلام آزادؒ کے ترجمان القرآن سے کیا گیا۔ حق تعالیٰ دونوں بزرگوں کے درجات بلند فرمائیں۔

(۲) سورتوں کی آیات کے شمار میں اختلاف ہے، اس کی تفصیل معلوم کرنے کے لئے میں نے سیّد القراء والمجودین حضرت مولانا قاری محمد اسمٰعیل صاحب صدر شعبۂ تجوید مدرسہ ریاض العلوم گورینی، جونپور سے استفادہ کیا ہے، حضرت قاری صاحب تجوید وقرأت کے موضوع پر دورِ حاضر میں سند ہیں۔

(۳) پروف کی تصحیح کے لئے فرزندان عزیز مولانا حافظ محمد عابد و مولانا حافظ محمد راشد **سلّمهما** اور عزیزم مولانا حافظ سلمان احمد اعظمی سلّمہٗ نے بہت کاوش کی ہے، اللہ تعالیٰ ان سب عزیزوں کو جزائے خیر عطاء فرمائیں، اور علم وعمل کی برکات سے نوازیں۔

(۴) اول وآخر دعائیں بھی، اور بہت سا شکریہ بھی عزیزم مولانا حافظ ضیاء الحق خیرآبادی سلّمہٗ کے لئے، کہ انھیں کی تحریک، انھیں کے اہتمام، انھیں کے حسن انتظام اور انھیں کی فکر ولگن سے یہ کتاب منصۂ شہود پر آئی۔ ان کے پڑھنے کے زمانے میں اس تحریر کی ابتداء ہوئی، پھر میری کاہلی اور بیماری کی وجہ سے لکھنے کا سلسلہ بند ہو گیا، تو انھوں نے اس کے کچھ اجزاء ضیاء الاسلام میں شائع کئے، کہ مردہ ارادے میں شاید زندگی کی لہر دوڑے، طباعت کے متعلق ناشرین سے رابطہ قائم کرتے رہے، مگر ارادے کی مردنی تھی کہ اس میں کوئی حرارت پیدا ہوتی ہی نہ تھی، بہر حال ان کے ارادے کی پختگی ہے، کہ مردہ ارادہ میں جان پڑی اور سورۂ نساء کی تکمیل ہوگئی، انھیں نے کتابت کی، اور انھیں کی کوششوں سے چھپ کر اہل علم کے ہاتھوں میں پہونچ رہی ہے، نظر بظاہر اگر ان کا عزم محکم نہ ہوتا، تو میرا حوصلہ نہ تھا کہ یہ کتاب سامنے آتی۔ میں تو خیر دعا گو ہوں ہی، پڑھنے والوں کی طرف سے بھی شکریے اور دعاؤں کے مستحق یہی ہیں۔

اعجاز احمد اعظمی

۲۷ر صفر ۱۴۳۱ھ مطابق ۱۱ر فروری ۲۰۱۰ء

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿خطبة الكتاب﴾

الحمدلله حمداً موافيا لنعمه مكافيا لمزيده والصلوة والسلام على سيدنا محمد و آله و صحبه وجنوده ، اما بعد! فهذا ما اشتدت اليه حاجة الراغبين فى تكملة تفسير القرآن الكريم الذى الفه الامام العلامة المحقق المدقق جلال الدين محمد بن احمدالمحلى الشافعى وتتميم ما فاته وهو من اول سورة البقرة الى آخرة سورة الاسراء بتتمة على نمطه من ذكر ما يفهم به كلام الله تعالىٰ و الاعتماد على ارجح الاقوال واعراب ما يحتاج اليه و تنبيه على القراآت المختلفة المشهورة على وجه لطيف و تعبير و جيز و ترك التطويل بذكر اقوال غير مرضية واعاريب محلها كتب العربية ، والله اسأل النفع به فى الدنيا واحسن الجزاء عليه فى العقبىٰ بمنه و كرمه ۔

سب تعریف اللہ کیلئے ہے، ایسی تعریف جو اس کے احسانات کا حق ادا کرے، اور مزید کیلئے بھی کافی ہو اور درود وسلام نازل ہو ہمارے سردار محمد ﷺ پر اور ان کی آل پر اور ان کے اصحاب پر اور ان کے لشکر پر۔ اما بعد! یہ وہ تکملہ ہے جس کی ضرورت وہ لوگ شدت سے محسوس کر رہے تھے جنھیں شوق تھا کہ علامہ جلال الدین المحلی کی ناتمام تفسیر پوری کی جائے ، اور اس میں جو کچھ ان سے باقی رہ گیا ہے ، اسے مکمل کر دیا جائے ، اور یہ حصہ ابتداء سورہ بقرہ سے آخر سورہ اسراء تک ہے (جسے وہ لکھ نہیں سکے تھے، لوگ چاہتے تھے کہ) تکملہ انھیں کے طرز پر لکھا جائے ، یعنی وہ باتیں تحریر میں لائی جائیں جن سے کلام اللہ کا مفہوم سمجھ میں آ جائے ، اور راجح قول پر اعتماد کیا جائے ، اور ضرورت کے بقدر اعراب کی وضاحت کردی جائے ، اور مختلف مشہور قراءتوں کی جانب بھی اشارہ کر دیا جائے ، اور یہ سب بانداز لطیف اور باختصار تعبیر ہو، اور ناپسندیدہ اقوال کو ذکر کر کے کلام کو طویل نہ کیا جائے ، اور نہ اعراب کی وہ تفصیلات لکھی جائیں جن کا محل کتب عربیہ ہیں، اللہ سے دعا ہے کہ دنیا میں اس سے نفع ہو، اور عقبیٰ میں اس کا بہترین صلہ حاصل ہو، بمنه و كرمه

علامہ جلال الدین محمد بن احمد شافعی محلی المتوفیٰ ٨٦٤ھ نے قرآن کریم کی ایک مختصر تفسیر لکھنے کا آغاز کیا،

اس میں انھوں نے اہتمام کیا کہ کم سے کم الفاظ میں قرآن کریم کی آیات کی ایسی شرح کردی جائے، جس سے اللہ کے کلام کی مراد واضح ہوجائے، اسی اختصار کے پیش نظر انھوں نے تفسیری اقوال جو کتب تفسیر میں بکثرت منقول ہیں، نقل نہیں کئے بلکہ ان میں راجح قول کو لے لیا، اور جہاں اعراب کو بیان کرنے کی ضرورت تھی، اسے بھی ذکر کر دیا، اختلاف قرأت پر بھی موقع بموقع متنبہ کیا، اس طرح یہ کتاب قرآن کریم کی مختصر ترین تفسیر ہے جو اختصار کے باوجود جامع ہے اور سہل بھی، تا کہ قرآن کریم کو سمجھنے کیلئے یہ تفسیر بنیاد کا کام دے، لیکن ابھی شیخ جلال الدین علیہ الرحمۃ اس کی تکمیل نہ کر سکے تھے کہ ان کا وصال ہوگیا، انھوں نے سورہ کہف سے سورہ ناس تک، اور سورہ فاتحہ کی تفسیر لکھی تھی، اور سورہ بقرہ سے سورہ اسراء تک نہیں لکھ سکے تھے، جن لوگوں نے ان کی اس تفسیر کا مطالعہ کیا تھا، ان کی شدید خواہش تھی کہ اسی طرز پر پورے قرآن کی تفسیر تحریر کردی جاتی تو بڑا کام ہوتا، اللہ تعالیٰ نے ایک جلال الدین کے بعد دوسرے جلال الدین یعنی علامہ سیوطی کے دل میں اس کا داعیہ پیدا کیا، اور انھوں نے ٹھیک شیخ محلی کے انداز و اسلوب پر اس کی تکمیل کردی، اس طرح یہ تفسیر دو زبردست علماء کی کاوش کا مجموعہ ہے، اسی لئے اس کا نام عرف عام میں **تفسیر الجلالین** مشہور ہوگیا۔

جلالین کی خصوصیات

(۱) مختصر الفاظ میں قرآن کریم کے مراد کی وضاحت
(۲) بہت سے تفسیری اقوال میں راجح قول کا انتخاب
(۳) ضروری اعراب کی تشریح
(۴) مختلف قرأتوں کا اجمالی بیان

یہ خصوصیات تو خود علامہ جلال الدین سیوطی نے تحریر فرمائی ہیں، ان خصوصیات کے اجمال میں کئی اور خصوصیات بھی پنہاں ہیں، انھیں بھی پیش نظر رکھ لینا چاہئے۔

(۱) کلام کے محذوفات کو بیان کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔
(۲) کلام اللہ کے اجمال کی تفصیل کو اختصار کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔
(۳) کہیں کوئی اشکال محسوس ہوا ہے تو اس کے جواب کی جانب اشارہ کردیا گیا ہے۔
(۴) حسب ضرورت شان نزول کو بھی ذکر کیا گیا ہے۔
(۵) ضمیروں کے مراجع کی تعیین کی گئی ہے۔
(۶) جہاں کہیں اسناد مجازی ہے، اس کے اسناد حقیقی کو بھی ذکر کیا گیا ہے۔

(۷) کہیں کہیں الفاظ کی صرفی تعلیلات بھی بیان کی گئی ہیں۔
(۸) جہاں کہیں جملہ معترضہ آیا ہے، اس کی وضاحت کردی گئی ہے۔
(۹) شرط کی جزا کی تعیین کی گئی ہے۔
(۱۰) مفسر چونکہ شافعی المذھب ہیں، اس لئے تفسیر کا اندازوہ اختیار کرتے ہیں جس سے ان کا مسلک ثابت ہو۔

قابل تنبیہ چند باتیں

ان خصوصیات کے ساتھ کچھ اور باتوں کو بھی دھیان میں رکھنا چاہئے۔
(۱) حضرت مفسر علام نے کہیں کہیں اسرائیلی روایات بھی نقل کی ہیں، جن میں سے بعض بالکل بے سروپا ہیں۔
(۲) بعض جگہوں پر اختصار بحد اغلاق ہوگیا ہے۔
(۳) کہیں کہیں متعدد اقوال نقل کردیئے گئے ہیں، اور ان کی ترجیح کی راہ اختیار نہیں کی ہے، ان مقامات کی نشاندہی متعلقہ جگہوں پر کردی جائیگی۔ انشاء اللہ

سورة البقرة مدنية مائتان و ست او سبع و ثمانون آية

سورۃ بقرہ مدنی ہے، اس میں ۲۸۶ یا ۲۸۷ آیتیں ہیں۔

سورہ، لفظ سور سے ماخوذ ہے جس کے معنی چہار دیواری کے ہیں، قرآنی اصطلاح میں سورہ وہ ہے جو چند آیات پر مشتمل ہو، جس میں ابتداء اور وسط اور انتہاء ہو، قرآن کی سب سے چھوٹی سورہ تین آیت پر مشتمل ہے، یعنی سورہ کوثر۔

بقــرة: اس سورہ کا نام سورہ بقرہ ہے، سورتوں کے نام توقیفی ہیں، یعنی منجانب اللہ یہی نام متعین ہیں، اس میں انسانی رائے اور قیاس کا دخل نہیں۔ اکثر سورتوں کا ایک ہی نام ہے، بعض سورتوں کے متعدد نام ہیں، غور کرنے سے ناموں کے وضع میں مختلف حکمتیں محسوس ہوتی ہیں:

(۱) بعض سورتوں کے نام ان میں آئے ہوئے واقعات و حکایات کی بنیاد پر ہیں، جیسے سورہ بقرہ کہ اس میں گائے سے متعلق ایک عجیب واقعہ ذکر کیا گیا ہے، اور چونکہ بنی اسرائیل کا تذکرہ اس سورۃ میں بکثرت ہے۔ اور بنی اسرائیل کو گائے اور بچھڑے کے متعلق ایک خاص حادثہ پیش آیا تھا، اس طرح اس نام میں ان کی ایک خاص کمزوری کی طرف اشارہ ہے۔
(۲) بعض سورتوں کے نام ان میں آئے ہوئے خاص احکام کی مناسبت سے ہیں، جیسے سورۃ النساء، سورہ انعام،

سورہ طلاق، اورسورہ تحریم وغیرہ۔

(۳) بعض سورتیں انبیاء کے نام سے موسوم ہیں۔

(۴) بعض سورتوں کے نام ان کے ابتدائی الفاظ پر مبنی ہیں، جیسے یٰس، الصفّٰت، ص، طه،وغیرہ

یہ سورہ مدنی ہے: مقام نزول کے اعتبار سے آیات اور سورتوں کی اجمالاً دو قسمیں کی گئی ہیں: مکی، مدنی۔ مکی وہ سورتیں ہیں جو ہجرت سے قبل نازل ہوئی ہیں، اور مدنی وہ سورتیں ہیں جو ہجرت کے بعد نازل ہوئی ہیں۔

مائتان و ست او سبع و ثمانون آیة : اس میں دوسو چھیاسی یا ستاسی آیتیں ہیں۔قرآن کریم کی آیات کے شمار کرنے والے سات مکاتب فکر ہیں، جو سات بزرگوں کی طرف منسوب ہیں۔

(۱) مدنی اول۔ (۲) مدنی اخیر۔ (۳) مکی۔ (۴) شامی۔ (۵) حمصی۔

(۶) بصری۔ (۷) کوفی۔

(۱) مدنی اول وہ شمار ہے جس کو امام نافع اپنے دو استاذوں سے نقل کرتے ہیں، ایک شیبہ بن نصاح، دوسرے یزید بن قعقاع۔

مدنی اول کی بھی دو قسمیں ہیں۔

(۱) مدنی اول شیبی کوفی۔ یہ وہ شمار ہے جسے کوفی حضرات مدینہ والوں سے نقل کرتے ہیں اور کسی کے نام کی تعیین نہیں کرتے، یعنی صرف یہ کہتے ہیں کہ یہ شمار مدینہ والوں سے منقول ہے، لیکن یہ نہیں بتاتے کہ مدنی حضرات میں کون سے سے شیخ سے منقول ہے، اس شمار میں قرآن کریم کی کل آیات چھ ہزار دوسوسترہ یا اٹھارہ یا انیس ہیں۔

۲۔ مدنی اول یزیدی بصری۔ یہ وہ شمار ہے جسے بصرہ والے ورش سے اور وہ نافع سے اور نافع اپنے مذکورہ بالا دونوں استاذوں شیبہ اور یزید سے نقل کرتے ہیں، اس شمار میں کل آیات چھ ہزار دوسوتیرہ یا چودہ یا پندرہ ہیں۔

(۲) مدنی اخیر: یہ وہ شمار ہے جس کو اسماعیل بن جعفر، سلیمان بن حماد سے اور وہ شیبہ اور یزید سے نقل کرتے ہیں، اس شمار میں کل آیات چھ ہزار دوسو چودہ (۶۲۱۴) ہیں۔

(۳) مکی شمار وہ ہے، جو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے۔اس کی تفصیل یہ ہے کہ دانیؒ نے اپنی سند سے، ابن کثیر قاری سے اور انھوں نے مجاہد بن جبیر سے اور انھوں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے، اور انھوں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے اور اُبی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے، اس شمار میں قرآن کریم کی کل آیتیں چھ ہزار دوسو اکیس (۶۲۲۱) ہیں۔

(۴) شامی شمار وہ ہے جسے یحییٰ ذماری اور ان کے معاصرین نے ابن عامر سے، اور انھوں نے ابوالدرداء رضی اللہ عنہ

سے مرفوعاً نقل کیا ہے۔

(۵) حمصی شمار: حمص والوں کا شمار وہ ہے، جسے انھوں نے مشہور تابعی حضرت خالد بن معدان کے مصحف سے لیا ہے، اس شمار میں کل آیات چھ ہزار دو سو بتیس (۶۲۳۲) ہیں۔

(۶) بصری شمار: یہ وہ شمار ہے جس کو عطاء بن یسار نے بڑے درجہ کے تابعین سے لیا ہے، اور عاصم جحدری نے تابعین کی ایک دوسری جماعت سے نقل کیا ہے۔ اس شمار میں کل آیات چھ ہزار دو سو چار (۶۲۰۴) ہیں۔

(۷) کوفی شمار: یہ شمار حضرت حمزہ بن حبیب زیات نے ابن ابی لیلیٰ سے، انھوں نے ابوعبدالرحمٰن سلمی سے اور سلمی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے نقل کیا ہے، نیز سفیان نے عبدالاعلیٰ سے، انھوں نے سلمی سے اور سلمی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا ہے۔ اس شمار میں کل آیات چھ ہزار دو سو چھتیس (۶۲۳۶) ہیں۔

اختلاف شمار کی وجہ:

شمار آیات کے ان سات مکاتب فکر میں اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ کسی امام نے کسی خاص کلمہ پر آیت کا اختتام قرار دیا ہے، دوسرے امام نے اس پر آیت کا اختتام نہیں سمجھا۔ اس طرح باہم اختلاف ہوا، یہ مطلب نہیں کہ کسی کے نزدیک قرآن کریم کے کلمات وحروف زائد ہیں اور کسی کے نزدیک کم، ایسا نہیں ہے۔ کلمات وحروف تو سب کے نزدیک متفق علیہ ہیں، ان کے درمیان اوقاف کی کمی وبیشی ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ سورہ فاتحہ بالاتفاق سات آیتوں پر مشتمل ہے۔ بعض حضرات نے **بسم اللہ الرحمن الرحیم** کو ایک مستقل آیت قرار دیا، تو **صراط الذین** سے آخر تک کو ایک آیت مانا، اور جن لوگوں نے **بسم اللہ** کو سورہ فاتحہ سے الگ تسلیم کیا، ان کے لحاظ سے **انعمت علیھم** پر چھٹی آیت پوری ہوجاتی ہے۔ اسی طرح سے باقی سورتوں میں بھی سمجھ لینا چاہئے۔

آیات دو طرح کی ہیں۔ اول اجماعی جن پر ساتوں اماموں نے آیت شمار کی ہے، یہ چھ ہزار نوے (۶۰۹۰) ہیں۔ دوم اختلافی، جن پر بعض نے آیت شمار کی ہے اور بعض نے نہیں کی، اور وہ دو سو تہتر (۲۷۳) ہیں۔

سورۂ بقرہ میں آیات کی تعداد کوفی شمار کے لحاظ سے ۲۸۶ اور بصری شمار کے اعتبار سے ۲۸۷ ہے۔

(۲) سورۃ البقرۃ

اس سورہ کے کلمات چھ ہزار ایک بیس (۶۱۲۰) اور حروف پچیس ہزار پانچ سو (۲۵۵۰۰) ہیں۔

سورہ بقرہ کی آیات بصری شمار کے مطابق ۲۸۷ر ہیں، اور حجازی وشامی شمار کے لحاظ سے ۲۸۵، اور کوفی شمار میں ۲۸۶ر ہیں۔

آیــۃ : یہ لفظ اصل میں ایّۃ تھا، یاء کی تشدید کو تخفیف کی غرض سے الف سے بدل دیا، جیسا کہ امّا کی تشدید کو بدل

دیتے ہیں اور ایما کہتے ہیں، اس کے معنی علامت کے ہیں، آیت کا نام آیت اسی لئے رکھا گیا ہے کہ وہ ایک کلام کے پورا ہونے کی علامت ہے۔ (لسان العرب) (۱)

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

یہ ایک مستقل آیت ہے، اس کے قرآن کے جز ہونے میں کلام نہیں ہے، لیکن یہ بات مختلف فیہ ہے کہ یہ سورہ فاتحہ اور دوسری سورتوں کا جز ہے یا نہیں؟ اس میں امام شافعی اور بعض دوسرے علماء کا قول ہے کہ یہ سورہ فاتحہ اور قرآن کی ہر سورہ کا جز ہے، بجز سورہ براءۃ، کہ اس کے آغاز میں بسم اللہ نہیں ہے، امام شافعی علیہ الرحمۃ کا دوسرا قول یہ ہے کہ یہ صرف سورہ فاتحہ کا جز ہے، امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ نیز امام اوزاعیؒ کا قول یہ ہے کہ یہ کسی سورہ کا جز نہیں ہے۔ بلکہ سورہ کے شروع میں بطور فصل اور تبرک کے لائی گئی ہے، البتہ سورہ نمل میں **انه من سليمان و انه بسم الله الرحمن الرحيم** اس کا جز ہے۔

﴿الٓمٓ﴾ الله اعلم بمراده بذلك ﴿ذٰلِكَ﴾ اى هذا ﴿الْكِتَابُ﴾ الذى يقرؤه محمد ﴿لَارَيْبَ﴾ شك ﴿فِيْهِ﴾ انه من عندالله و جملة النفى خبر مبتدؤه ذلك والاشارة به للتعظيم ﴿هُدًى﴾ خبر ثان هاد ﴿لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ الصائرين الى التقوىٰ بامتثال الاوامر واجتناب النواهى لاتقائهم بذلك النار ﴿الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ﴾ يصدقون ﴿بِالْغَيْبِ﴾ بما غاب عنهم من البعث والجنة والنار ﴿وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ﴾ اى ياتون بها بحقوقها ﴿وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ﴾ اعطيناهم ﴿يُنفِقُوْنَ﴾ فى طاعة الله ﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَا أُنْزِلَ اِلَيْكَ﴾ اى القرآن ﴿وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ﴾ اى التوراة والانجيل و غيرهما ﴿وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ﴾ يعلمون ﴿اُولٰئِكَ﴾ الموصوفون بما ذكر ﴿عَلٰى هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ وَ اُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ الفائزون بالجنة الناجون من النار .

﴿ترجمہ﴾

(الٓمٓ) اللہ ہی جانتے ہیں کہ اس کلمہ سے ان کی مراد کیا ہے۔ (وہ) یعنی یہ (کتاب) جس کو محمد پڑھتے ہیں (کوئی ریب) یعنی شک (اس میں نہیں ہے) کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے، نفی والا جملہ خبر ہے، اس کا مبتدا ذلک ہے، اور ذلک سے اشارہ کرنا برائے تعظیم ہے۔ (ہدایت ہے) یہ دوسری خبر ہے، یعنی ہدایت دینے والی ہے (اہل تقویٰ کیلئے) یعنی ان لوگوں کیلئے جو احکام کی بجا آوری، اور نواہی سے اجتناب کر کے تقویٰ کی راہ اختیار کرنے والے ہیں، کیونکہ اس کی وجہ سے وہ جہنم کی آگ سے محفوظ رہیں گے (وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں غیب پر) یعنی ان باتوں کی تصدیق کرتے ہیں جو ان سے پوشیدہ ہیں، مثلاً دوبارہ زندہ ہونا، اور جنت وجہنم

وغیرہ (اور نماز کو قائم کرتے ہیں) یعنی اسے اس کے حقوق کیساتھ ادا کرتے ہیں (اور جو کچھ ہم نے انھیں روزی دی ہے) یعنی عطا کیا ہے (اس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں) اللہ کی اطاعت میں (اور وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں، اس چیز پر جو تمہارے پاس نازل کی گئی) یعنی قرآن پر (اور جو تم سے پہلے نازل کی گئی) یعنی توریت وانجیل وغیرہ پر (اور وہ آخرت کے اوپر یقین رکھتے ہیں) یعنی اسے جانتے ہیں (یہی لوگ) جو مذکورہ صفات کے ساتھ متصف ہیں (اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ کامیاب ہیں) یعنی جنت کو حاصل کرنے والے اور جہنم سے نجات پانے والے ہیں۔

﴿تشریحات﴾

اللہ اعلم بمراده بذلک: ضمیر غائب اللہ کی طرف راجع ہے، اور ذلک کا اشارہ الم کی طرف ہے۔

الــم اور اس طرح کے دوسرے کلمات جو سورتوں کے آغاز میں آئے ہیں، جنھیں بطور حروف تہجی کے الگ الگ پڑھا جاتا ہے، انھیں حروف مقطعات کہا جاتا ہے، یہ ان متشابہات میں ہیں، جن کے نہ لغوی معانی معلوم ہیں، اور نہ ان کی مراد کی خبر ہے۔

بعض متشابہات قرآن میں وہ بھی ہیں جن کا لغوی معنی تو معلوم ہے مگر ان کی کیفیت کا قطعی علم بجز اللہ کے کسی اور کو نہیں ہے، جیسے **ید اللہ**، **عین اللہ** وغیرہ، ید اور عین کا معنی معلوم ہے، مگر حق تعالیٰ کے ید اور عین کی کیا کیفیت ہے یہ مجہول ہے۔

حروف مقطعات کا معنی چونکہ معلوم نہیں ہے، اس لئے اس کا کوئی محل اعراب نہیں ہے۔ کیونکہ محل اعراب کا جاننا معنی کے ادراک پر موقوف ہے، لہٰذا نہ وہ معرب ہیں، نہ مبنی، اور اس طرح وہ ایک پوری آیت ہے جس پر وقف تام ہوگا۔ (جمل)

حروف مقطعات میں چودہ حروف استعمال کئے گئے ہیں، جو عربی حروف تہجی کے نصف ہیں، وہ چودہ حروف یہ ہیں۔ الف، ح، ر، س، ص، ط، ع، ق، ک، ل، م، ن، ہ، ی۔ بعض جگہ ایک ہی حرف استعمال ہوا ہے، جیسے ص، ق، ف، کہیں دو حروف استعمال ہوئے ہیں، جیسے **حم**، **طس**، **طه**، **یٰس**، کہیں تین حروف ہیں، جیسے **الم**، **الر**، **طسم**، کہیں چار حرف ہیں جیسے **المر**، **المص**، کہیں پانچ حروف ہیں جیسے **کھیعص**، **حمعسق**.

الف اور لام تیرہ سورتوں کے آغاز میں ہے، حاء اور میم سات سورتوں میں، طاء چار سورتوں میں، کاف، یا، صاد، قاف اور نون ایک ایک سورت میں (جمل)

ای ھذا: ذلک اسم اشارہ بعید کیلئے ہے، لیکن جس کتاب کی طرف اشارہ ہے، وہ قریب ہے، اس لئے مفسر نے فرمایا کہ یہ **ھذا** کے معنی میں ہے جو کہ قریب کیلئے ہے، اس کی مصلحت آگے آرہی ہے۔

یقرء ہ محمد :۔اس لفظ کو لا کر **الکتاب** کا مصداق متعین کیا ہے، کیونکہ کتاب کا اطلاق، دوسری آسمانی کتابوں پر بھی ہے۔

أنہ من عنداللہ :۔قرآن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے **لاریب فیہ** فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن میں کوئی شک نہیں ہے۔سوال یہ ہے کہ کس اعتبار سے شک کی نفی کی جارہی ہے، کیا اس اعتبار سے ہے کہ خود اس کتاب میں شک وشبہہ کی کوئی بات نہیں ہے؟ یا یہ کہ اس کتاب میں کوئی شک اور تردد نہیں ہوسکتا؟ یا اللہ کی طرف سے اس کے ہونے میں کوئی شبہہ نہیں ہے؟ مفسر نے بطور مطابقت کے آخری شق متعین کی کہ اس کے خدا کی طرف سے ہونے میں کوئی شبہہ نہیں ہے، اس شبہہ کی نفی سے التزاماً پہلے دونوں شبہات کی نفی ہوگئی جب خدا کی طرف سے اس کا ہونا یقینی ہے تو لازم ہے کہ اس میں شک وشبہہ کی کوئی بات نہ ہو، اور پھر اس کے بعد کسی کو شبہہ وارد ہو، ایسا بھی ممکن نہیں ہے، اور اگر کسی کو شبہہ واقع ہو تو دراصل اس کے فہم کی کمی ہے، قرآن میں کوئی کمی نہیں ہے۔

وجملة النفی خبر مبتدأہ ذلک والاشارۃ بہ للتعظیم :اور نفی والا جملہ یعنی **لاریب فیہ** خبر ہے، اس کا مبتدا **ذلک** ہے، ترجمہ یہ ہوگا، یہ کتاب، اس میں کوئی شبہہ نہیں

اوپر گذر چکا ہے کہ یہاں اشارہ کیلئے **ھـــــذا** کا محل تھا جو کہ قریب کیلئے ہے، مگر اشارہ کیلئے بعید کا لفظ لائے، اس میں حکمت یہ ہے کہ اس بعد سے اشارہ بُعد مرتبہ کی جانب ہے، یعنی اس کتاب کا رتبہ اتنا بلند ہے کہ ہم اپنی پستی کی وجہ سے اس سے بہت دور ہیں، اس سے اس کی عظمت کا نشان ملتا ہے۔

ھدی .**ذلک** کی دوسری خبر ہے، **ھدی** مصدر ہے، اس کا اطلاق ذات پر نہیں ہوتا، اسی لئے اس کی تفسیر **ھادٍ** اسم فاعل سے کی، مصدر کا استعمال اسم فاعل یا اسم مفعول کے معنی میں عام ہے۔

الصائرین الی التقویٰ بامتثال الاوامر واجتناب النواھی: ۔اس عبارت سے ایک سرسری اشکال کا جواب دیا ہے، اشکال یہ ہے کہ متقی تو اسی وقت آدمی ہوگا جب وہ ہدایت پاچکا ہو۔تو متقی ہونے کے بعد اس کیلئے ہدایت کا کیا سوال ہے کہ قرآن کو متقیوں کیلئے ہدایت کہا گیا؟ یہ تو تحصیل حاصل ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ متقی کا لفظ یہاں مجاز ہے، یہ مجاز **ما یکون** کے اعتبار سے ہے، یعنی وہ لوگ امتثال اوامر اور اجتناب نواہی کے واسطے سے تقویٰ کی راہ پر چل رہے ہیں، اور اس کے نتیجے میں بالآخر متقی ہوجائیں گے، مطلب یہ ہے کہ تقویٰ کی راہ پر چلنے کی وجہ سے انھیں متقی کہا ہے، جیسے کوئی حج کے مقصد سے گھر سے نکل پڑتا ہے تو گو ابھی اس نے حج نہیں کیا ہے، مگر مایکون کے اعتبار سے اسے حاجی کہا جاتا ہے۔

لاتقاء ھم بذلک النار :. ان کو متقی اس لئے کہا گیا ہے کہ متقی کے معنی ہیں بچ جانے والا۔یہ تقویٰ کی وجہ سے آگ سے محفوظ رہیں گے، اس لئے یہ متقی کہلائے۔

یصدقون :. یؤمنون کی تفسیر یصدقون سے کی، مطلب یہ ہے کہ ایمان تصدیق قلبی ہی کا نام ہے۔
بمـا غاب عنهم : بـالغیب کی تفسیر بما غاب سے کر کے مفسر نے بتایا کہ یہاں غیب کو وہ مصدر کے معنی نہیں لے رہے ہیں، بلکہ اسم فاعل کے معنی میں لے رہے ہیں، یعنی جو کچھ نظروں سے پوشیدہ ہے، اور اس کے ادراک کا ذریعہ بجز وحی الٰہی کے کوئی نہیں ہے، اس پر ایمان رکھتے ہیں، مثلاً بعث، حشر ونشر، جنت وجہنم وغیرہ۔
یـاتـون بهـا بحقوقها : ۔یہ اقامۃ صلوٰۃ کی تفسیر ہے، مقصود صرف نماز کا پڑھ لینا نہیں ہے، بلکہ اسے قائم کرنا ہے، اور قائم کرنا یہ ہے کہ اس کے تمام حقوق، آداب و مستحبات، خشوع وخضوع کے ساتھ ان کے اوقات پر ادا کرنے کا اہتمام کیا جائے۔
فی طاعة الله :. انفاق، جس کی مدح کی گئی ہے وہ مطلق انفاق نہیں ہے، ورنہ ہر شخص اپنی ضروریات وحاجات دنیوی میں پیسہ خرچ کرتا ہی ہے، اس سے مراد وہ انفاق ہے جو اللہ کی اطاعت میں ہو، جس کا کوئی دنیوی اور مادی نفع حاصل نہ ہوتا ہو۔
یعلمون :.یـوقنون کی تفسیر یعلمون سے کر کے مفسر نے بتایا کہ علم اور یقین دونوں متلازم ہیں، اور جس علم میں یقین کی کیفیت نہ ہو، درحقیقت وہ علم ہی نہیں، اور جس یقین کے پیچھے علم کی روشنی نہ ہو اسے یقین کہنا غلط ہے، وہ یقین نہیں جہل ہے۔
الفائزون بالجنة :۔مفلحون یعنی کامیاب اللہ کی نظر میں وہی ہیں، جو جنت کے مستحق ہوں اور جہنم سے نجات پالیں۔

☆☆☆☆☆

﴿اِنَّ الَّـذِيۡنَ كَفَرُوۡا ﴾ کابی جهل و ابی لهب و نحوهما ﴿ سَوَاۤءٌ عَلَيۡهِمۡ ءَاَنۡذَرۡتَهُمۡ ﴾ بتحقيق الهمزتين وابدال الثانية الفاً وتسهيلها و ادخال الف بين المسهلة والاخرىٰ و تركه ﴿اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡهُمۡ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ﴾ لعلم الله منهم ذلک فلا تطمع فی ایمانهم والانذار اعلام مع تخويف ﴿ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ ﴾ طبع عليها واستوثق فلا يدخلها خير ﴿وَعَلٰى سَمۡعِهِمۡ ﴾ ای مواضعه فلا ينتفعون بما يسمعونه من الحق ﴿ وَعَلٰۤى اَبۡصَارِهِمۡ غِشَاوَةٌ﴾ غطاء فلا يبصرون الحق ﴿وَلَهُمۡ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ ﴾ قوی دائم ۔

﴿ تـــرجمـــه ﴾

(بیشک جن لوگوں نے کفر کیا) جیسے ابوجہل اور ابولہب اور ان جیسے لوگ (ان کے حق میں برابر ہے خواہ ان کو تم ڈرسناؤ) دونوں ہمزہ کی تحقیق کے ساتھ، اور دوسرے ہمزہ کو الف سے بدل کر، اور اس کی تسہیل کے ساتھ، مسہلہ اور دوسرے ہمزہ کے درمیان الف داخل کر کے، اور بغیر الف کے بھی (یا نہ سناؤ، وہ ایمان نہیں

لائیں گے) کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں یہ بات جانتے ہیں...... کہ وہ ایمان نہ لائیں گے......اس لئے ان کے ایمان لانے کی طمع نہ کرو، اور انذار کا معنی ہے ایسی خبر دینا جس میں خوف کا مضمون شامل ہو (اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کردی ہے) یعنی ان پر ٹھپہ لگا دیا ہے، اور مضبوط باندھ دیا ہے، اس لئے اس میں کسی خیر کے داخل ہونے کی گنجائش نہیں ہے۔ (اور ان کے سننے پر) یعنی سننے کی جگہوں پر، اس لئے جو حق بات وہ سنتے ہیں، اس سے انھیں نفع نہیں ہوتا (اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے)، اس لئے وہ حق کو نہیں دیکھ پاتے (اور ان کیلئے بڑا عذاب ہے) یعنی قوی اور دائمی

﴿تشریحات﴾

کابی جهل و ابی لهب و نحوهما :۔ **ان الذین کفروا** کی تفسیر کے ذیل میں اس مثال کو پیش کرنے کا مقصد ایک سوال کا جواب دینا ہے، سوال یہ ہے کہ قرآن کریم کا نزول اور رسول اللہ ﷺ کی بعثت تو ہوئی ہی ہے، لوگوں کو ڈر سنانے کیلئے، اور اس کے پہلے مخاطب کفار ہی ہیں، پھر اس کا کیا مطلب کہ ان کو ڈرانا نہ ڈرانا برابر ہے؟ اس کا جواب دیا کہ **ان الذین کفروا** سے مراد مطلق کفار نہیں ہیں، بلکہ وہ کفار ہیں جو ابوجہل اور ابولہب کے مثل ہیں، یعنی جن کا کفر پر مرنا مقدر ہے، اور ان کے حق میں ان کے عناد و سرکشی کی وجہ سے ایمان سے محرومی لکھی جاچکی ہے۔

بتحقیق الهمزتین الخ یہاں مفسر **أأنذرتهم** میں مختلف قرأتیں بیان کررہے ہیں، اس لفظ میں پانچ قرأتیں ہیں، لیکن مفسر کی عبارت میں اختصار مخل ہے، اس کی وجہ سے چار ہی قرأتیں معلوم ہوتی ہیں، ہم یہاں پانچوں قرأتوں کو بالترتیب بیان کرتے ہیں۔

(۱) دونوں ہمزوں کی تحقیق ان کے درمیان الف لائے بغیر **أأنذرتهم**

(۲) دونوں ہمزوں کی تحقیق، ان کے درمیان الف داخل کرکے **أاأنذرتهم** (الف بغیر مد کے)

(۳) دوسرے ہمزہ کو الف سے بدل کر **آنذرتهم** (ہمزہ ممدودہ)

(۴) دوسرے ہمزہ کی تسہیل اور دونوں کے درمیان الف لائے بغیر۔

(۵) دوسرے ہمزہ کی تسہیل ان کے درمیان الف لاکر۔

ہمزہ کی تحقیق کا مطلب یہ ہے کہ اس کو اس کے مخرج سے ادا کیا جائے، اور تسہیل کا مطلب یہ ہے کہ ہمزہ کو اس کے مخرج سے مکمل ادا نہ کیا جائے، بلکہ ہمزہ کی حرکت کے مناسب جو حرف علت ہو، اس کے مخرج اور ہمزہ کے مخرج کے درمیان سے ادا کیا جائے، مثلاً یہاں ہمزہ پر فتحہ ہے، اس لئے ہمزہ اور الف کے درمیان پڑھا جائے، اس صورت میں ہمزہ کا ضغطہ ختم ہوجائے گا۔

لعلم الله منهم ذلک فلا تطمع فی ایمانهم : چونکہ اللہ کو یہ بات معلوم ہے کہ یہ ایمان نہیں لائیں گے، اس لئے نہ ان کے ایمان لانے کی امید رکھو، اور نہ اس کی پرواہ کرو، اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ **أأنذرتهم ام لم تنذرهم** ، کہہ کر رسول اللہ ﷺ کو انذار و تبلیغ سے روکنا مقصود نہیں ہے، اور نہ ہی اس کا بے فائدہ ثابت کرنا منظور ہے، جیسا کہ بظاہر نظر شبہہ ہوتا ہے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ ان ازلی کافروں کے ایمان لانے کی توقع آپ ختم کر کے ان کے پیچھے اپنے وقت عزیز اور خاطر عاطر کو نہ لگائیں، بلکہ دوسری سعید روحوں پر توجہ مبذول فرمائیں۔

اے مواضعه : **سمع** مصدر ہے، اس کے معنی سننے کے ہیں، مہر اور بندش کسی جگہ پر لگائی جاتی ہے، معنی مصدری پر نہیں، مفسر نے اس کی توجیہ **مواضعه** کہہ کر کی یعنی سننے کی جگہوں پر، یعنی کانوں پر، پس جب دل پر مہر لگ گئی، تو وہ بند ہو گیا، اب اس میں کسی خیر کی گنجائش نہیں، کانوں پر مہر لگ گئی، تو کسی حق بات کے سننے سے انھیں نفع نہیں ہو سکتا، آنکھوں پر پردہ پڑ گیا تو حق سجھائی نہیں دے گا، یہ ایمان سے حرمان نصیبی کی تعبیر بلیغ ہے۔

قوی دائم : یہ عذاب عظیم کی تفسیر ہے، عظیم کا اطلاق عموماً اجسام پر ہوتا ہے، لیکن کبھی کبھی معانی کو بھی اس سے موصوف کیا جاتا ہے، چنانچہ عذاب کی صفت میں عظیم کو لانا اسی قبیل سے ہے، اور اسی لئے اس کی تفسیر قوی دائم سے کی گئی ہے جو کہ خاص معانی کے اوصاف ہیں۔

☆☆☆☆☆

ونزل فی المنافقين : ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَّقُوْلُ آمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالْيَوْمِ الآخِرِ﴾ اے يوم القيامة لانه آخر الايام ﴿وَمَاهُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ﴾ روعی فيه معنی مَنْ و فی ضمير يقول لفظها ﴿يُخَادِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا﴾ باظهار خلاف ما ابطنوه من الكفر ليدفعوا عنهم احكامه الدنيوية ﴿وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّا اَنْفُسَهُمْ﴾ لان وبال خداعهم راجع اليهم فيفتضحون فی الدنيا باطلاع الله نبيه علی ما ابطنوه و يعاقبون فی الآخرة ﴿وَ مَا يَشْعُرُوْنَ﴾ يعلمون ان خداعهم لانفسهم والمخادعة هنا من واحد كعاقبت اللص وذكر الله فيها تحسين وفی قرأة وَمَا يَخْدَعُوْنَ ﴿فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَرَضٌ﴾ شک و نفاق فهو يُمَرِّضُ قلوبهم اے يضعفها ﴿فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضاً﴾ بما انزله من القرآن لكفرهم به ﴿وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ مؤلم ﴿بِمَا كَانُوْا يُكَذِّبُوْنَ﴾ بالتشديد اے نَبِیَّ اللّٰهِ و بالتخفيف اے فی قولهم آمَنَّا۔

﴿ تـــرجمـــه ﴾

اور منافقین کے بارے میں درج ذیل آیات نازل ہوئیں (اور لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں، جو کہتے ہیں، ہم ایمان لائے اللہ پر اور آخری دن پر) یعنی قیامت کے دن پر، کیونکہ وہی آخری دن ہے۔ (اور وہ ہرگز

مومن نہیں ہیں)ھُمْ اور مومنین کا لفظ لانے میں من کے معنی کی رعایت کی گئی ہے۔اور یقول کی ضمیر میں اس کے لفظ کی (دغا بازی کرتے ہیں، اللہ سے اور ایمان والوں سے) اس طرح سے کہ دل میں جو کفر وہ چھپائے ہوئے ہیں، اس کے خلاف ظاہر کرتے ہیں، تا کہ وہ اپنے اوپر سے کفر کے دنیوی احکام کو دور رکھ سکیں (اور نہیں دغا بازی کرتے مگر اپنے آپ سے) کیونکہ ان کی اس دغا بازی کا وبال انھیں پر پلٹے گا، چنانچہ وہ دنیا میں رسوا ہوں گے، اس طرح کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو اس بات پر مطلع کر دیں گے، جس کو وہ اپنے دل میں چھپائے ہوئے ہیں، اور آخرت میں سزا اور عذاب میں گرفتار ہوں گے (اور وہ نہیں سمجھتے) کہ ان کا یہ دھوکا خود انھیں کے حق میں ہے، اور مخادعۃ اس جگہ ایک ہی طرف سے ہے، جیسے عاقبت اللص، اور اللہ کا ذکر اس میں تحسین ہے، اور ایک قرأت میں وما یخدعون ہے (ان کے دلوں میں بیماری ہے)یعنی شک ونفاق ہے، جو ان کے دلوں کو بیمار بنا تا یعنی کمزور کرتا ہے (پھر بڑھادی اللہ نے ان کی بیماری) قرآن کے واسطے سے، جسے اللہ نے اتارا ہے، کیونکہ وہ اس کا انکار کرتے ہیں (اور ان کیلئے دردناک عذاب ہے) یعنی آفت رسیدہ (اس وجہ سے کہ وہ جھٹلاتے تھے) یُکَذِّبُوْنَ تشدید کے ساتھ باب تفعیل سے، یعنی اللہ کے نبی کو جھٹلاتے تھے اور یکذبون تخفیف کے ساتھ باب ضرب سے یعنی اس لئے کہ وہ اپنے قول آمنا میں جھوٹے ہیں۔

﴿تشریحات﴾

لانه آخر الایام : قیامت کا دن ہماری دنیا کا آخری دن ہے، اس لئے اسے **الیوم الآخر** کہا جاتا ہے۔

روعی فیه معنی من :۔اس جگہ ایک لفظی اشکال ہے، جسے مفسر نے حل کیا ہے، اشکال یہ ہے کہ **یقول** میں ضمیر فاعل من موصولہ کی جانب راجع ہے، اور **وما هم بمؤمنین** کی ضمیر جمع بھی اسی کی طرف لوٹتی ہے، سوال یہ ہے کہ ایک ہی لفظ ضمیر جمع اور ضمیر واحد دونوں کا مرجع کیسے بن سکتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ کلمۂ مَــن لفظ کے اعتبار سے تو واحد ہے، لیکن معنی کے لحاظ سے اس کا اطلاق جمع پر بھی ہوتا ہے، تو ضمیر واحد میں اس کے لفظ کی رعایت ہے، اور ضمیر جمع میں اس کے معنی کی رعایت کی گئی ہے۔

باظهار ما ابطنوه الخ منافقین اہل ایمان کو دھوکہ دیتے ہیں، یہ اس کا بیان ہے، یعنی ان کے دل میں تو کفر چھپا ہوا ہے، لیکن زبان سے ایمان ظاہر کرتے ہیں تا کہ مسلمانوں میں رلے ملے رہیں، اور کافروں کے ساتھ دنیا میں جو برتاؤ کیا جاتا ہے، اس سے بچے رہیں اور اس طرح اہل ایمان ان کی طرف سے دھوکہ میں پڑے رہیں۔

لان وبال خداعهم لانفسهم :قرآن پاک میں اللہ نے فرمایا کہ وہ خود اپنے آپ سے دغا بازی کرتے ہیں ، یہ بات بظاہر محال ہے کہ اپنے آپ سے آدمی دغا بازی کرے، اس کی توجیہ یہ ہے کہ ان کی دغا بازی کا وبال چونکہ انھیں پر پڑے گا، اور اس کی وجہ سے وہ مصیبت میں گرفتار ہوں گے، حالانکہ وہ سمجھ رہے ہیں کہ وہ خود کو محفوظ

کر رہے ہیں، لیکن ان کی یہ چالا کی ان پر الٹ جائیگی، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، دنیا میں اس طرح کہ اللہ تعالیٰ ان کے دلی بھیدوں پر نبی ﷺ کو مطلع کر دیں گے، اور اس کے نتیجے میں علی الاعلان ان کی رسوائی ہوگی، اور آخرت میں اس طرح کہ وہ سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے، اور وہاں ذلیل وخوار ہوں گے، تو سوچا تھا کیا؟ اور ہوگیا کیا؟ اس پورے انجام کو اللہ تعالیٰ نے **وما یخادعون الا انفسھم** سے تعبیر فرمایا ہے۔

یعلمون ان خداعھم لانفسھم :۔ **یشعرون** شعور سے مشتق ہے، بمعنی علم ہے، اس کا مفعول **ان خداعھم لانفسھم** ہے جو کہ محذوف ہے، یعنی انھیں یہ معلوم نہیں کہ ان کی دغا بازی خود انھیں کے حق میں ہے، اس حذف کو حذف اختصار کہتے ہیں، لیکن اس سے بہتر یہ ہے کہ یہاں کوئی مفعول مقدر نہ مانا جائے، کیونکہ یہاں مقصد یہ ہے کہ ان کے شعور وادراک کی مطلقاً نفی کی جائے، اس کے کسی خاص متعلق اور مفعول کے لحاظ سے نہیں، یعنی انھیں سرے سے شعور ہی نہیں ہے، یہ نہیں کہ وہ خاص اس بات کا شعور نہیں رکھتے کہ ان کی دغا بازی خود انھیں کی ذات پر پڑ رہی ہے، بلکہ وہ شعور وفہم سے اصلاً خالی ہیں۔

والمخادعة ھنا من واحد :۔ آیت کریمہ پر غور کرنے والے کو خلجان ہوگا کہ مخادعت باب مفاعلت سے ہے، اس میں مشارکت ہوتی ہے، یعنی ایک دوسرے سے باہم دغا بازی ہوتی ہے، ہر ایک دوسرے کو دھوکا دیتا ہے، اور ظاہر ہے کہ دھوکا دینا ایک مکر وفریب ہے، تو اس کی نسبت اللہ کی جانب تو محال ہے، اور اہل ایمان کی جانب خلاف واقعہ، تو اس مقام پر **یخادعون** کا محل بظاہر نہیں؟

اس کا جواب مفسر نے دیا ہے کہ باب مفاعلة کبھی شرکت سے خالی ہوتا ہے، چنانچہ کہتے ہیں **عاقبت اللص** میں نے چور کو سزا دی، یہ نہیں کہ میں اور چور نے باہم ایک دوسرے کو سزا دی، اس طرح یہاں بھی باب مفاعلت شرکت سے خالی ہے دغا بازی ایک ہی طرف سے ہے۔

سوال: جب دغا ایک ہی طرف سے تو **یخدعون** فرماتے، باب مفاعلت لانے میں کیا مصلحت ہے؟

جواب: اس کی حکمت غالباً یہ ہے کہ اس ایک لفظ میں ان کی دغا بازی کا تو صراحتاً ذکر ہے، لیکن اشارۃً اس کے نتیجے میں خدائی پکڑ بھی سمجھ میں آرہی ہے۔ کیونکہ باب مفاعلت میں شرکت کی جو خاصیت ہے اس کا ظہور کسی نہ کسی درجے میں ہوگا۔ اور اس شرکت کی صورت یہی ہے کہ ایک طرف سے دغا ہو، اور دوسری طرف سے خلاف توقع سزا ہو۔ چنانچہ اس خلاف توقع سزا کو اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ اسی لفظ خداع سے تعبیر کیا ہے۔ ارشاد ہے: **اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ يُخَادِعُوْنَ اللّٰهَ وَ هُوَ خَادِعُهُمْ**، اس سے معلوم ہوا کہ باب مفاعلت میں مشارکت کے معنی کو الگ کر دیا جائے جب بھی اس کی خو بو باقی رہتی ہے، اسی طرح کی تقریر **عاقبت اللص** میں بھی کی جاسکتی ہے۔ **واللہ اعلم**

وذکر اللہ فیھا تحسین :۔ یہ ایک سوال کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ فرمایا گیا ہے، **یخادعون اللہ**۔ یہ لوگ اللہ سے دغابازی کرتے ہیں، اسے دھوکہ دیتے ہیں، دھوکہ تو اسے دیا جا سکتا ہے، جو ناواقف ہو، اور اللہ تعالیٰ تو دل کی باتوں سے واقف ہیں، انھیں کیسے دھوکہ دیا جاسکتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں پر اللہ کا ذکر بطور تحسین کے ہے، یعنی اس میں علم بیان کی ایک خاص صنعت کا استعمال ہوا ہے، اور وہ یہ کہ یہ استعارہ تمثیلیہ کی قبیل سے ہے، یعنی ان کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو معاملہ ہے اسے اللہ تعالیٰ نے دھوکہ سے تشبیہ دی ہے، جو ایک دغاباز دوسرے کے ساتھ کرتا ہے، یعنی جیسے وہ دھوکہ برا ہے، اسی طرح اللہ کے ساتھ ان کا یہ معاملہ بھی برا ہے، استعارہ تمثیلیہ کا مطلب یہ ہے کہ کلام اپنے موضوع لہ میں نہ استعمال کیا گیا ہو، بلکہ دوسرے معنی میں مشابہت کے علاقہ کی وجہ سے استعمال ہوا ہو، یہاں مخادعت اپنے اصل معنی میں نہیں ہے، بلکہ ایسے معنی کیلئے استعمال ہوا ہے، جو مخادعۃ کے مشابہ ہے یا یہ کہ وقوع فعل میں اسے مجاز عقلی قرار دیا جائے، یعنی یخادعون کا جو اصل مفعول ہے، اسے مفعول نہ بنا کر کسی قرینہ کے باعث دوسرے کو مفعول بنا دیا جائے۔ یہاں اصل عبارت یہ ہوگی کہ **یخادعون رسول اللہ**، یعنی اللہ کے رسول کو دھوکہ دیتے ہیں، لیکن رسول کو دھوکہ دینا ایک طرح سے اللہ ہی کو دھوکہ دینا ہے، اس لئے اس کی نسبت اللہ کی طرف کر دی گئی۔

یا یہ کہ اسے توریہ مانا جائے، توریہ کا مطلب یہ ہے کہ ایک لفظ کے دو معنی ہوں، ایک قریب اور دوسرا بعید، اور قریبی معنی مراد نہ ہو، بلکہ بعید معنی مراد ہو، یہاں **یخادعون** کا قریبی معنی تو دھوکہ کا ہے، لیکن اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ دغابازی جیسا معاملہ کرتے ہیں، یہاں یہی مراد ہے۔

و فی قرأۃ و مایخـــدعون :. مفسر نے جو تفسیر کی ہے، **وما یخـــادعون** کی قرأت پر مبنی ہے، جو کہ باب مفاعلت سے ہے، ایک قرأت میں باب فتح سے **وما یخدعون** ہے۔

شک و نفاق :. یہ **فی قلوبھم مرض** کی تفسیر ہے، مطلب یہ ہے کہ اس مرض سے کوئی جسمانی مرض مراد نہیں ہے۔ بلکہ روحانی اور معنوی مرض مراد ہے، یعنی شک وشبہہ اور منافقت! عدم یقین اور منافقت کی وجہ سے دل مریض ہو جاتا ہے۔ یعنی اس میں کمزوری آجاتی ہے۔

فزادھم اللہ مرضا بما انزلہ من القرآن لکفرھم بہ :۔ ان کے دلوں میں شک کا مرض تو تھا ہی، پھر جوں جوں قرآن کا نزول ہوتا جارہا تھا، اسی لحاظ سے ان کے کفر میں بھی اضافہ ہوتا جارہا تھا کہ اگر پہلے وہ پانچ سورۃ کے منکر تھے تو چھٹی سورۃ کے نزول کے بعد اس کے بھی منکر ہوگئے، اسی طرح نزول قرآن کے ساتھ ساتھ ان کے مرض میں اضافہ ہوتا گیا، کیونکہ ان کا کفر اور شک بڑھتا ہی چلا گیا۔

مؤلم :. اسم مفعول ہے ایلام سے، یہ الیم کی تفسیر ہے، اس کے معنی ہے دکھ دیا ہوا، عذاب کی طرف موءلم کی

نسبت مجاز عقلی ہے، کیونکہ مؤلم کا اسناد مفعول کی طرف ہونا چاہئے، یعنی معذب کی جانب، لیکن اس کا اسناد فاعل یعنی عذاب کی طرف کردیا گیا ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے سیل مفعم۔

مجاز عقلی لانے میں حکمت یہ ہے کہ اس سے عذاب کی شدت کا پتہ چلتا ہے، یعنی وہ عذاب اس درجہ موذی اور تکلیف دہ ہے کہ گویا خود وہی تکلیف میں ہے۔

(یکذِّبون) بالتشدید، اے نبی اللہ.. یکذبون میں دو قرأتیں ہیں، ایک تشدید کے ساتھ باب تفعیل سے، اس صورت میں اس کا مفعول نبی اللہ ہے۔ یعنی اللہ کے نبی کو وہ لوگ جھٹلاتے ہیں، اور دوسری قرأت یکذبون بالتخفیف ہے، باب ضرب سے، اس کے معنی جھوٹ بولنے کے ہیں، یعنی یہ دردناک عذاب ان کو اس لئے ہوگا کہ وہ اپنے قول آمنا میں جھوٹے ہیں۔

﴿مضامین آیات وتفسیر﴾

قرآن کریم نے جب اپنی دعوت پیش کی، تو سب سے پہلے مخاطب کے دل ودماغ کو مطمئن کیا کہ جو بات پیش کی جارہی ہے، وہ ہر قسم کے شک وشبہہ اور ریب وتردد سے پاک ہے، اور یہ کہ وہ قطعی طور پر خالق کائنات کی طرف سے ہے، اور اس کے نزول کی غرض یہ ہے کہ اللہ کی رضامندی حاصل کرنے اور اس کے عذاب سے جو لوگ بچنے کا قصد رکھتے ہیں، ان کیلئے رہنما اور دستور العمل ہو۔

پھر یہ بتایا کہ یہ کتاب جب بندوں کے درمیان، ان کے ہاتھوں میں پہونچی ہے تو لوگ تین گروہوں میں منقسم ہوگئے، ایک گروہ وہ ہے، جس نے اس کو اپنا رہنما اور دستور العمل تسلیم کیا، یہ متقین کا گروہ ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کے بنیادی اوصاف وخصائص کا ذکر فرماکر انھیں ہدایت یابی اور فلاح کی بشارت سنائی۔

دوسرا گروہ وہ ہے، جس نے کھلم کھلا اس کا انکار کیا، اور وہ اپنے انکار پر اس طرح جما رہا کہ ہر خیر کی صلاحیت سے ان کے قلوب بند ہوگئے، اور ان پر اللہ کی طرف سے مہر لگ گئی، ان کیلئے مسلسل عذاب ہے۔

تیسرا گروہ، جو زبان سے اقرار اور دل سے انکار کرتا ہے، اس کی خاص خصوصیت دل کا شک اور ارتیاب اور زبان کا جھوٹ ہے، یہ لوگ چھپے ہوئے دشمن ہیں، ان کیلئے دردناک عذاب کی وعید ہے۔

قرآن نے ایک آئینہ پیش کردیا، پڑھنے والا دیکھ لے کہ اس آئینہ میں اس کی کونسی تصویر نظر آتی ہے۔

☆☆☆☆☆

﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ﴾ اے لهؤلاء ﴿لَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ﴾ بالكفر والتعويق عن الايمان ﴿قَالُوْا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ﴾ وليس ما نحن عليه بفساد، قال الله رداً عليهم (اَلَا) للتنبيه ﴿اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ﴾ بذلك ﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ آمِنُوْا كَمَا آمَنَ

النَّاسُ ﴾ اصحاب النبی ﷺ ﴿ قَالُوْا اَنُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ ﴾ الجهال ای لانفعل كفعلهم قال تعالىٰ رداً عليهم ﴿ اَلَا اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ وَلٰكِنْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ ذلك ﴿ وَاِذَا لَقُوْا ﴾ اصله لقيوا حذفت الضمة للاستثقال ثم الياء لالتقائها ساكنة، مع الواؤ ﴿ الَّذِيْنَ آمَنُوْا قَالُوْا آمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا ﴾ منهم ورجعوا ﴿ اِلٰى شَيَاطِيْنِهِمْ ﴾ رؤسائهم ﴿ قَالُوْا اِنَّا مَعَكُمْ ﴾ فی الدين ﴿ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُوْنَ ﴾ بهم باظهار الايمان ﴿ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ ﴾ يجازيهم باستهزائهم ﴿ وَيَمُدُّهُمْ ﴾ يمهلهم ﴿ فِيْ طُغْيَانِهِمْ ﴾ تجاوزهم الحد بالكفر ﴿ يَعْمَهُوْنَ ﴾ يترددون تحيراً حال ﴿ اُولٰئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدٰى ﴾ ای استبدلوها به ﴿ فَمَا رَبِحَتْ تِجَارَتُهُمْ ﴾ ای ما ربحوا فيها بل خسروا لمصيرهم الى النار المؤبدة عليهم ﴿ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴾ فيمافعلوا ۔

﴿ ترجمہ ﴾

(اور جب ان سے کہا جاتا ہے) یعنی ان منافقین سے (کہ فساد نہ ڈالو ملک میں) کفر کر کے اور ایمان کی راہ میں رکاوٹ پیدا کر کے (تو کہتے ہیں ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں) اور جس حال میں ہم ہیں وہ فساد نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر رد کرتے ہوئے فرمایا کہ (جان لو) الا تنبیہ کیلئے ہے (وہی ہیں خرابی کرنے والے، لیکن نہیں سمجھتے) اس کو (اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ جس طرح ایمان لائے سب لوگ) یعنی نبی ﷺ کے اصحاب (تو کہتے ہیں کیا ہم ایمان لائیں، جس طرح ایمان لائے بیوقوف) جاہل، یعنی جیسا انھوں نے کیا ہم ویسا نہیں کریں گے، اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید فرمائی اور فرمایا کہ (جان لو وہی ہیں بیوقوف، لیکن) اس کو (نہیں جانتے، اور جب ملاقات کرتے ہیں) لقوا اصل میں لقیوا ہے ضمہ ثقیل تھا، اسے حذف کردیا، پھر یاء کو حذف کر دیا، کیونکہ واؤ کیساتھ اجتماع ساکنین ہو گیا تھا (مسلمانوں سے، تو کہتے ہیں، ہم ایمان لے آئے ہیں، اور جب) ان سے (تنہا ہوتے ہیں) اور لوٹتے ہیں (اپنے شیطانوں کے پاس) یعنی اپنے سرداروں کے پاس (تو کہتے ہیں کہ بیشک ہم تمہارے ساتھ ہیں) دین میں (ہم تو) ایمان کا اظہار کر کے ان کے ساتھ (ہنسی کرتے ہیں، اللہ ہنسی کرتا ہے ان سے) یعنی ان کو ان کے استہزاء کی سزا دیگا، (اور مہلت دیتا ہے ان کو ان کی سرکشی میں) یعنی کفر کے باعث حد سے تجاوز کرنے میں، حالت یہ ہے کہ (وہ حیران ہو کر بھٹک رہے ہیں) یہ حال ہے (یہ وہی ہیں جنھوں نے مول لی گمراہی ہدایت کے بدلے) یعنی ہدایت کے بدلے میں گمراہی لی، (سو نافع نہ ہوئی ان کی سوداگری) یعنی اس تجارت میں وہ نفع نہ حاصل کر سکے، بلکہ خسارہ میں پڑے کیونکہ وہ اس کی وجہ سے جہنم میں پہونچیں گے، جو ان پر ہمیشہ قائم رہے گی (اور نہ ہوئے وہ راہ پانے والے) اپنے کاموں میں۔

﴿تشریحات﴾

بالکفر والتعویق عن الایمان : یہ فساد کی شرح ہے، فساد کا مطلب یہ ہے کہ کوئی نامناسب حالت پیدا ہو، زمین کا فساد یہ ہے کہ لڑائیاں برپا ہوں، فتنے ابھریں، لوگوں کے احوال خراب ہو جائیں، اور ان سب کا سرچشمہ یہ ہے کہ دنیا میں کفر کا غلبہ ہو، اور جو لوگ ایمان لانا چاہیں، ان کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کی جائیں، یہاں **فساد فی الأرض** سے یہی آخری نقطۂ عروج مراد ہے۔

لیس ما نحن علیه بفساد : ان منافقین کا خیال یہ تھا ہم جو دل میں کفر چھپا کر زبان سے ایمان ظاہر کرتے ہیں، اور اس طرح مسلمانوں اور کافروں دونوں کے درمیان سرخرو بنے ہوئے ہیں، اس میں کوئی خرابی اور برائی نہیں ہے، بلکہ یہی عین اصلاح ہے کہ اس طرز عمل سے ہم مسلمانوں اور کافروں کے درمیان واسطہ کا کام دیتے ہیں، اور اس طرح ہم دونوں کو جوڑنے میں کامیاب ہو جائیں گے، وہ اپنی جہالت کی وجہ سے اسے اصلاح سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ محض فساد ہے۔

بذلک : **یشعرون** کا مفعول باء صلہ کے ساتھ آتا ہے۔

اصحاب النبی : یہ **کما آمن الناس** میں ناس کے مصداق کا بیان ہے، یعنی جیسا کہ صحابۂ کرام کا ایمان ہے، اسی جیسا تم بھی ایمان لاؤ، اس آیت سے معلوم ہوا کہ صحابۂ کرام **رضوان اللہ علیهم اجمعین** ایمان کیلئے معیار ہیں، ان جیسے ایمان کو اللہ تعالیٰ نے مطلوب قرار دیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ صحابۂ کرام معیار حق ہیں۔

الجھّال : **سفهاء** کی تفسیر جاہل سے کی، حالانکہ عام طور سے اس کے معنی کم عقل کے آتے ہیں، لیکن یہاں اس کا ترجمہ جہل سے اس لئے کیا کہ اللہ نے آگے اس کے مقابلے میں علم کو ذکر کیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے: **الا انهم هم السفهاء ولکن لا یعلمون** اور معلوم ہے کہ علم کے مقابلہ میں جہل ہے، اس سے ثابت ہوا کہ جہل اور سفہ دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم ہیں اور اس لفظ کے لانے میں حکمت یہ ہے کہ سفہ کیلئے جہالت لازم ہے، تو گویا ان لوگوں میں حماقت بھی ہے اور جہالت بھی۔

اصله لقیو : اس عبارت میں **لقوا** کی صرفی تعلیل بیان کی ہے، لیکن عبارت قاصر ہے، مفسر نے فرمایا کہ ضمہ ثقیل ہونے کی بنا پر حذف کر دیا گیا ہے، اس کے بعد یاء اجتماع ساکنین کی وجہ سے حذف کر دی گئی، مناسب عبارت یہ ہے کہ یا پر ضمہ کسرہ کے بعد دشوار ہے، اس لئے قاف کے کسرہ کو ہٹا کر اس کی جگہ پر یاء کے ضمہ کو منتقل کر دیا، اب یا بھی ساکن اور واو بھی ساکن! اس لئے یا کو حذف کر دیا۔ **لقوا** ہو گیا۔

واذا خلوا منهم ورجعوا الی شیاطینهم : خلا کا صلہ **الی** نہیں آتا بلکہ من یا عن آتا ہے، یہاں اس کے صلہ میں **الــی** کا لانا اس بات کا قرینہ ہے، اس میں کسی ایسے معنی کی تضمین ہے، جس کا صلہ **الــی** آتا ہے، وہ

یہاں کے مناسب رجوع کا لفظ ہے۔

اب عبارت وہ ہوگی جو اوپر لکھی گئی، یعنی یہ منافقین جب مسلمانوں سے الگ ہوتے ہیں، اور اپنے سرداروں کے پاس جاتے ہیں۔

انما نحن مستهزئون بهم باظهار الايمان :منافقین کے شیاطین اور سرداران پر اعتراض کرتے تھے کہ تم مسلمانوں کے پاس جا کر ان کے سامنے کیوں اظہار ایمان کرتے ہو، اس کا وہ جواب دیتے کہ ہم صرف اوپر سے ایمان ظاہر کرتے ہیں، اور یہ درحقیقت ان کے ساتھ ہمارا مذاق ہے، وہ غریب اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ ہم ان کا مذاق بنا رہے ہیں۔

یجازیهم باستهزائهم : منافقین کے قول **انما نحن مستهزئون** کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ **الله یستهزی بهم**، اللہ ان سے ہنسی کرتا ہے، اس پر اشکال ہوتا ہے کہ استہزاء تو ایک بری چیز ہے اس کی نسبت اللہ کی طرف کیونکر ہو سکتی ہے، اس کا جواب مفسر نے یہ دیا ہے کہ یہاں استہزاء سے مراد ان کے استہزاء کا بدلہ اور اس کی سزا ہے، جیسے فرمایا گیا ہے کہ **جزاء سيئة سيئة مثلها**، اس میں دوسرا سیئہ درحقیقت پہلے **سیئه** کا بدلہ ہے، لیکن چونکہ وہ بدلہ اصل برائی کا ہم شکل ہے، اس لئے اسے بھی مشاکلۃً **سیئه** کہا گیا۔ اسی طرح یہاں بھی استہزاء کے بدلہ کو بطور مشاکلت کے استہزاء کہا گیا۔

یمهلهم :**یمد** کی تفسیر امہال کی سی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ **مدٌّ** سے ماخوذ ہے، یعنی ان کی عمر کو بڑھاتے ہیں، تاکہ وہ مزید سرکشی کریں۔

فی طغیانهم تجاوزهم الحد بالكفر : طغیان کے معنی ہیں حد سے آگے بڑھنا، کفر کرنا، بھی حد سے تجاوز کرنا ہے۔ یہاں طغیان سے مراد کفر ہے۔

یعمهون یترددون :**عمه یعمه** باب سمع سے، متحیر ہونا اور متردد ہونا، اس کا معنی اور **عمی یعمی** کا معنی قریب قریب ہے، عمی یعمی کا معنی عام ہے، آنکھ کا اندھا ہونا، اور رائے اور عقل کا اندھا ہونا بھی، اور عمہ کا معنی رائے کا اندھا ہونا، آنکھ کا نہیں۔ (جمل)

اولٰئک الذین اشتروا الضلالة بالهدیٰ: ای استبدلوها به ، **اولٰئک** کا اشارہ ان منافقین کی جانب ہے، جن کا ذکر **و من الناس** سے اب تک ہوا ہے، اشتراء کی تفسیر استبدال سے کی، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ مجاز ہے اور چونکہ حقیقت و مجاز کے درمیان علاقہ مشابہت کا ہے کہ استبدال کو اشتراء کے مشابہ قرار دیا ہے، اس لئے استعارہ ہے، اور چونکہ مشبہ بہ لفظوں میں مذکور ہے، اس لئے استعارہ تصریحیہ ہے، اور مشبہ بہ کے مناسب معنی ربح کا اس میں تذکرہ ہے، اس لئے استعارہ مرشحہ ہے۔

مـا ربحوا فیها : **فـمـا ربحت تجارتهم** میں اسناد مجازی ہے، ربح کا اسناد تاجر کی طرف ہوتا ہے، تجارت کی طرف نہیں، کیونکہ تجارت مصدر ہے یا معنی مصدر ہے، اسے نفع نہیں حاصل ہوتا، اس کی طرف اسناد کرنا مجاز عقلی و اسناد مجازی ہے۔

☆☆☆☆☆

﴿ مَثَلُهُمْ ﴾ صفتهم فی نفاقهم ﴿ كَمَثَلِ الَّذِیْ اسْتَوْقَدَ ﴾ اوقد ﴿نَاراً﴾ فی ظلمة ﴿فَلَمَّا اَضَاءَ تْ ﴾ انارت ﴿ مَاحَوْلَهٗ ﴾ فأبصر واستدفأ وأمن ما یخافه ﴿ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ ﴾ اطفأه وجمع الضمیر مراعاة لمعنی الذی ﴿ وَ تَرَكَهُمْ فِیْ ظُلُمَاتٍ لَّا یُبْصِرُوْنَ ﴾ ما حولهم متحیرین عن الطریق خائفین فکذلک هٰولاء ، اٰمَنُوْا باظهار کلمة الایمان ،فاذا ماتوا جاء هم الخوف والعذاب هم ﴿صُمٌّ﴾ عن الحق فلا یسمعونه سماع قبول ﴿بُكْمٌ﴾خرس عن الخیر فلا یقولونه ﴿عُمْیٌ﴾ عن طریق الهدیٰ فلا یرونه ﴿فَهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ ﴾ عن الضلالة ۔

ترجمہ: (ان کی مثال) یعنی ان کے نفاق میں ان کی حالت (اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی) اندھیرے میں (پھر جب روشن کر دیا آگ نے اس کے آس پاس کو) پس اسے چیزیں سجھائی دیں، اور اس نے گرمی حاصل کی، اور جس کا خوف ہوسکتا تھا، اس سے مطمئن ہوا (تو زائل کردی اللہ نے ان کی روشنی) یعنی اسے بجھا دیا، اور الذی کے معنی کی رعایت میں ضمیر کو جمع لایا گیا ہے (اور چھوڑا ان کو اندھیروں میں کہ کچھ نہیں دیکھتے) اپنے آس پاس کو، راستے سے بھٹک کر حیران ہیں، خوف میں مبتلا ہیں، یہی حال ان منافقین کا بھی ہے کہ کلمۂ ایمان کا اظہار کر کے قدرے مطمئن ہوئے، پھر جب مرجائیں گے، تو ان پر خوف اور عذاب مسلط ہوگا، یہ حق سے (بہرے ہیں) اسے بطور قبولیت کے نہیں سنتے (گونگے ہیں) خیر سے، اس کا تکلم نہیں کرتے، (اندھے ہیں) راہ ہدایت سے اسے نہیں دیکھتے (سو وہ نہیں لوٹیں گے) گمراہی سے۔

﴿تشریحات﴾

مثلهم صفتهم : **مثل** کا ترجمہ صفت سے کر کے اشارہ کیا ہے کہ اس کے بعد جو کاف حرف جر ہے، وہ اپنے حقیقی معنی میں ہے، یعنی تشبیہ کیلئے ہے، اس طرح ترجمہ یہ ہوگا، ان کی صفت، اس شخص کی حالت اور صفت کی طرح الخ، اور اگر مثل کو تشبیہ کے معنی میں قرار دیا جائے تو کاف کو مجاز زیادۃً ماننا پڑے گا، کیونکہ اس صورت میں کاف اور مثل دونوں کا ایک ہی معنی ہوگا۔ تو لامحالہ کاف کو زائد ماننا ہوگا۔

فی ظلمة : آیت کے اگلے الفاظ **فی ظلمات لا یبصرون** سے سمجھ میں آیا کہ آگ جلانے کا یہ کام اندھیرے میں ہوا تاکہ اندھیری دور ہو۔

فابصر و استدفأ: **دف** کے معنی گرمی، استدفأ کے معنی گرمی حاصل کی، یعنی آگ کی روشنی میں اسے آس پاس کی چیزیں دکھائی دینے لگیں، اور گرمی بھی حاصل ہوئی، نیز اندھیرے میں بہت سے خطرے اور اندیشے ہوتے ہیں، ان سے بھی نجات حاصل ہوگئی، مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے گردوپیش سے مطمئن ہوگیا تھا ۔

ذهب الله بنورهم اطفأه : ناگاہ اللہ نے اس روشنی کو بجھا دیا، اللہ کا بجھانا یہ ہے کہ مثلاً آندھی چلی اور آگ بجھ گئی، یا کسی اور آفت سماوی کی وجہ سے آگ ٹھنڈی ہوگئی۔

بنورهم :۔ میں حرف جر تعدیہ کیلئے ہے، اذهبه اور **ذهب به** دونوں کا مفہوم ایک ہے، جمع کی ضمیر الذی کی طرف راجع ہے، جو لفظاً تو واحد ہے، مگر معنیً جمع ہے۔

وتركهم فى ظلمات لا يبصرون **ظلمات** کا صیغہ جمع لانے میں اشارہ ہے کہ آگ کے بجھنے کے بعد کئی اندھیریاں اکٹھی ہوگئیں، ایک تو رات کی ظلمت، دوسرے گھنی بدلیوں کی ظلمت، تیسرے آگ بجھنے سے ظلمت، کیونکہ اجالے کے بعد اور تیز روشنی کے بعد جب اچانک اندھیرا ہوتا ہے تو کچھ زیادہ شدید ہوتا ہے اور ایسی حالت میں آدمی کی حیرانی پریشانی میں اور خوف وہراس میں مزید اضافہ ہوجاتا ہے۔

فكذلک هؤلاء أمنوا ۔ منافقین کا حال اسی آگ جلانے والے کے مثل ہے، جیسے اندھیرے میں آگ جلانے والے نے آگ روشن کر کے قدرے روشنی حاصل کی، اسی طرح منافقین نے مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی قوت دیکھی تو اپنے اوپر، اپنی جان ومال کے اوپر خوف وہراس کی تاریکی محسوس کی، انھیں اس سے کوئی مفر نہیں ملا، تو زبان سے کلمۂ ایمان کا اقرار کرلیا، اس طرح انھوں نے اپنی جان اور اپنے مال کے بچاؤ کا انتظام کرلیا، مسلمانوں میں رلے ملے رہے، اور مطمئن رہے کہ اب انھیں کوئی اندیشہ نہیں۔ لیکن کلمۂ ایمان کی روشنی اوپر ہی اوپر رہی، پھر جب موت نے آن پکڑا تو زبان کے اقرار سے جو ظاہری روشنی انھوں نے جلائی تھی، وہ ختم ہوگئی اور پھر خوف اور عذاب کی مزید گہری تاریکی میں وہ گرفتار ہوگئے۔

هم (صم) : ۔ صم خبر ہے اور مبتدا هم محذوف ہے، اسی ایک مبتدا کی خبر **صُمٌّ**، **بُكْمٌ**، **عُمْىٌ**، تینوں لفظ ہیں، یہ تینوں الفاظ معنی کے لحاظ سے تو الگ الگ ہیں، لیکن ان کے مجموعہ سے ایک معنی حاصل ہوتا ہے کہ ان میں قبول حق کی صلاحیت نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ان کے حواس ظاہری سامعہ، باصرہ اور ناطقہ کی نفی نہیں مقصود ہے، بلکہ صلاحیت کا فقدان ظاہر کرنا ہے، اسی لئے مفسر نے فرمایا کہ یہ لوگ نہ تو حق کو قبولیت کے واسطے سنتے ہیں، نہ خیر کی بات بولتے ہیں، اور نہ ہدایت کی راہ دیکھتے ہیں، یعنی حواس ظاہرہ تو سب موجود ہیں، مگر حق اور خیر کی صلاحیت کھو چکے ہیں۔

فهم لايرجعون من الضلالة :۔ حق کی راہ پانے کے یہ تین ذرائع تھے، کسی رہنما سے سنتے، یا کسی سے پوچھتے، اور پھر خود راہ کو دیکھتے، جب تینوں باتیں مفقود ہیں تو کوئی صورت نہیں ہے کہ جس راہ سے بھٹک چکے ہیں، اس

پر پھر لوٹ سکیں۔

☆☆☆☆☆

﴿اَوْ﴾ مثلهم ﴿ کَصَیِّبٍ ﴾ اے کاصحاب مطر و اصله صَیوِبٌ من صاب یصوب اے ینزل ﴿ مِنَ السَّمَاءِ﴾ السحاب ﴿ فِیْهِ﴾ ای السحاب ﴿ ظُلُمَاتٌ﴾ متکاثفة ﴿ وَّرَعْدٌ﴾ هو الملک الموکل به و قیل صوته ﴿وَّ بَرْقٌ﴾ لمعان سوطه الذی یزجره به ﴿ یَجْعَلُوْنَ ﴾ اے اصحاب الصیب ﴿ اَصَابِعَهُمْ﴾ ای انامِلها ﴿ فِیْٓ آذَانِهِمْ مِنَ ﴾ اجل ﴿ الصَّوَاعِقِ﴾ شدة صوت الرعد لئلا یسمعوها ﴿ حَذَرَ﴾ خوف ﴿الْمَوْتِ﴾ من سماعها کذلک هولاء اذا نزل القرآن و فیه ذکر الکفر المشبه بالظلمات والوعید علیه المشبه بالرعد والحجج البینة المشبة بالبرق یسدون آذانهم لئلا یسمعوه فیمیلوا الی الایمان وترک دینهم و هو عندهم موت ﴿ وَاللّٰهُ مُحِیْطٌ بِالْکٰفِرِیْنَ ﴾ علماً و قدرة فلا یفوتونه ﴿ یَکَادُ ﴾ یقرب ﴿الْبَرْقُ یَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ﴾ یاخذها بسرعة ﴿ کُلَّمَا اَضَاءَ لَهُمْ مَشَوْا فِیْهِ ﴾ ای فی ضوءہ ﴿ وَاِذَا اَظْلَمَ عَلَیْهِمْ قَامُوْا﴾ وقفوا تمثیل لازعاج ما فی القرآن من الحجج قلوبهم و تصدیقهم بما سمعوا فیه مما یحبون ووقوفهم عما یکرهون ﴿ وَلَوْشَاءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ ﴾ بمعنی اسماعهم ﴿ وَاَبْصَارِهِمْ ﴾ الظاهرة کما ذهب بالباطنة ﴿اِنَّ اَللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ﴾ شاءہ ﴿ قَدِیْرٌ ﴾ و منه اِذهابُ ما ذُکِرَ۔

﴿ ترجمه ﴾

(یا) ان کی مثال ایسی ہے (جیسے زور کی بارش) یعنی جیسے بارش میں پھنسے ہوئے لوگ، صیب اصل صَیُوِبٌ ہے، جو اتر رہی ہے (آسمان سے) یعنی بادل سے (اس میں) یعنی بادل میں (اندھیرے ہیں) گھنے (اور رعد ہے) وہ فرشتہ جو بادلوں پر متعین ہے یا یہ کہ رعد اسی فرشتے کی آواز ہے (اور بجلی) اس کے کوڑے کی چمک جس سے وہ بادلوں کو ہانکتا ہے (دے لیتے ہیں) بارش میں پھنسے ہوئے لوگ (اپنی انگلیاں) یعنی ان کے پورے (اپنے کانوں میں مارے کڑک کے) صواعق: رعد کی شدید آواز ہے، تاکہ اس کو نہ سنیں (موت کے ڈر سے) اس کے سننے سے انھیں موت کا خوف ہوتا ہے، ایسے ہی یہ منافقین بھی ہیں کہ جب قرآن کا نزول ہوتا ہے اور اس میں کفر کا جو کہ ظلمات کے مشابہ ہے، اور اس پر وعید کا جو کہ رعد کے مانند ہے، اور واضح دلائل کا جو کہ بجلی کے مثل ہیں، ان سب کا ذکر اس میں ہوتا ہے، تو یہ اپنے کانوں کو بند کر لیتے ہیں، تاکہ اسے نہ سنیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ اسے سن کر ان کا رجحان ایمان کی جانب اور اپنے دین کے ترک کر دینے کی جانب ہو جائے، اور یہ ان کے

نزدیک موت ہے (اور اللہ احاطہ کرنے والا ہے کافروں کا) علم اور قدرت کے لحاظ سے، لہٰذا وہ لوگ اس سے بچ کر نکل نہیں سکتے (قریب ہے کہ بجلی اچک لے ان کی آنکھیں) خــطف کے معنی ہیں تیزی سے کسی چیز کو لے لینا (جب چمکتی ہے ان پر تو چلنے لگتے ہیں اس کی روشنی میں، اور جب اندھیرا ہوتا ہے تو کھڑے رہ جاتے ہیں) یہ ان کی اس کیفیت کی تمثیل ہے کہ قرآن کے دلائل سن کر ان کے قلوب کے قدم اکھڑ جاتے ہیں اور جو چیزیں اس میں ان کی پسندیدہ ہوتی ہیں، ان کی تصدیق کرتے ہیں، جو چیزیں ناپسند ہوتی ہیں وہاں یہ ٹھہر جاتے ہیں، اس کیفیت کو اس مثال میں ذکر کیا ہے (اور اگر چاہے اللہ تو لے جائے ان کی شنوائی کو) یعنی کانوں کو (اور ان کی) ظاہری (نگاہوں کو) جیسا کہ لے جا چکا ہے ان کی باطنی نگاہوں کو (بیشک اللہ ہر شے پر) جس کو وہ چاہتا ہے (قادر ہے) اور اسی قبیل سے مذکورہ چیزوں کو ختم کرنا بھی ہے۔

﴿تشریحات﴾

او : یہ او تفصیل کیلئے ہے، یعنی منافقین کے حال کی مثال وہ بھی ہے جو پہلے بیان ہوئی اور یہ بھی ہے جواب بیان ہو رہی ہے۔

کاصحاب صیب : صیب کیلئے مضاف اصحاب کو اس لئے مقدر مانا کہ آگے چل کر **یجعلون** جمع کا صیغہ آ رہا ہے، اس کی ضمیر جمع کا مرجع جمع ہی ہونا چاہئے۔ اور اس لئے بھی کہ منافقین کو تشبیہ بارش سے نہیں بلکہ بارش میں پھنسے ہوئے لوگوں سے دی گئی ہے، اس لئے یہاں اصحاب کا لفظ ذکر کر دیا گیا۔

اصلہ صیوب : صیب اصل میں **صیوب** ہے، جیسے سید اصل میں **سیود** ہے، واؤ اور یاء ایک کلمہ میں جمع ہوئے، اور ان میں پہلا ساکن ہے، اس لئے واؤ کو یاء سے بدل کر یا کا اس میں ادغام کر دیا، قاعدہ یہ ہے کہ واؤ اور یاء غیر مبدل، غیر ملحق میں ایک کلمہ میں جمع ہوں اور دونوں میں پہلا حرف ساکن ہو تو واو کو یاء سے بدل کر یاء میں ادغام کر دیتے ہیں، یہ لفظ **صاب یصوب** سے ماخوذ ہے، جس کے معنی اترنے اور برسنے کے ہیں، صیب کے معنی زور کی بارش کے ہیں۔

من السماء السحاب : عربی زبان میں **السماء** ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو سر کے اوپر ہو، مثلاً چھت وغیرہ، یہ **سمو** سے مشتق ہے، جس کے معنی بلندی کے ہیں، یہ اصل میں **سماو** ہے، واو کو ہمزہ سے بدل دیا، یہاں **السماء** سے مراد بادل ہے۔

فیہ ای فی السحاب ظلمات : **السماء** چونکہ مونث ہے، اس لئے ضمیر کا مرجع وہ نہیں ہو سکتا، اس کا مدلول **سحاب** ہے، وہ مذکر ہے، مفسر نے سحاب کی طرف ضمیر کو راجع قرار دیا ہے، مگر مرجع کی یہ تعیین خلاف ظاہر ہے، ظاہر یہ ہے کہ یہ ضمیر صیب کی جانب لوٹتی ہے۔

ظلمات متکاثفۃ : گھنی تاریکیاں، بادل کی تاریکی، بارش کی تاریکی، اور رات کی تاریکی، تینوں کا مجموعہ۔

رعد: اس فرشتے کا نام ہے جو بادلوں پر متعین ہے، یا یہ کہ اس کی شدید آواز کو رعد کہتے ہیں

برق : یہ بادلوں کے فرشتے کی کوڑے کی چمک ہے، جس سے وہ بادلوں کو ہانکتا ہے۔

برق اپنے ظاہر کے اعتبار سے وہ بجلی ہے، جو پانی کے مخصوص تصادم سے پیدا ہوتی ہے، لیکن یہی اس کی کل حقیقت نہیں ہے، اہل سائنس کی پہونچ یہیں تک ہے، دنیا کی ہر تدبیر وانتظام کیلئے غیبی امور کا ایک لامتناہی سلسلہ پھیلا ہوا ہے، ہوائیں چلتی ہیں، بادل اٹھتے ہیں، تہ بہ تہ جمع ہوتے ہیں، گرجتے ہیں، ان میں بجلی کوندتی ہے، پانی کے قطرے گرتے ہیں، پھر ان میں تیزی آتی ہے، اور موسلا دھار بارش ہونے لگتی ہے، پھر بادل سمٹنے لگتے ہیں، بارش کا سلسلہ مدھم ہوتا ہے، پھر بند ہو جاتا ہے، یہ سب مشاہد ہے، لیکن یہ پوری حقیقت نہیں ہے، وحی الٰہی بتاتی ہے بارش کی تدبیر وانتظام کرنے والی غیبی مخلوق فرشتوں کی ہے، یہ فرشتے اللہ کے حکم سے بادلوں کو ہانکتے ہیں، ان سے بارش برساتے ہیں، انھیں فرشتوں کی ہاہمی گرج اور کڑک کی شکل میں سنائی دیتی ہے۔ ان فرشتوں کے ہاتھوں میں آتشیں کوڑے ہوتے ہیں، جنھیں اہل سائنس بجلی کا نام دیتے ہیں، اگر ظاہر بیں نگاہوں کو ان غیبی حقائق کا ادراک نہیں ہے، تو ان کے انکار میں عجلت نہ کریں، کیونکہ ان کے انکار کی کوئی مضبوط بنیاد نہیں ہے۔

یجعلون ای اصحاب الصیب : پیچھے لفظ صیب آیا تھا، یجعلون کا فاعل ضمیر جمع ہے، بظاہر اس کا مرجع موجود نہیں ہے، مفسر نے اشارہ کیا کہ گزر چکا ہے کہ صیب سے مراد اصحاب صیب ہیں، اور وہی ضمیر کا مرجع ہے۔

اصابعھم ای انامل‍ھم : اصابع سے مراد انامل ہے کیونکہ پوری انگلی کان میں نہیں ڈالی جاسکتی، اس کا ایک جز انملہ (پوروا) ہی کان میں ڈالا جاسکتا ہے، یہ مجاز مرسل ہے، اور علاقہ جزئیت کا ہے کیونکہ انملہ اصبع کا جز ہے۔

من اجل الصواعق : من کی تفسیر اجل سے کی، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ من تعلیلیہ ہے۔

لئلا یسمعوھا : یہ یجعلون کی تعلیل ہے، اور حذر الموت، یجعلون کا مفعول لہ ہے۔

کذلک ھولاء الخ: یہاں مفسر نے تشبیہ کو مشبہ پر منطبق کیا ہے، اس کی تقریر یہ ہے کہ جیسے زوروں کی بارش ہو رہی ہو، اور گھپ اندھیرا چھایا ہوا ہو، بادل گرج رہے ہوں، بجلی چمک رہی ہو، اس میں پھنسا ہوا آدمی گھبرایا ہوا ہو، موت سے ڈر رہا ہو، جب کڑک کی آواز سنتا ہے، تو کانوں میں انگلیاں دے لیتا ہے، بجلی چمکتی ہے، اور کچھ روشنی ہوتی ہے، تو چند قدم آگے چلتا ہے، پھر جب وہ روشنی غائب ہو جاتی ہے، تو اندھیرے میں ہکا بکا رہ جاتا ہے، یہی حال ان منافقین کا ہے کہ نزول قرآن کی بارش ہو رہی ہے، اور یہ اس میں گھرے ہوئے ہیں، اس قرآن میں اس کفر کا ذکر کیا گیا ہے جو ان کے دل میں ہے۔ اور یہ مشابہ ہے ظلمات کے اور اس پر وعیدیں ہیں، جن کو رعد (گرج) سے تشبیہ دی گئی ہے، اور روشن دلائل ہیں جن کو برق سے تشبیہ دی گئی ہے، تو جب قرآن کی آیات اترتی

ہیں، جن میں مذکورہ مضامین کا بیان ہوتا ہے، تو وہ اپنے کانوں کو بند کر لیتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ باتیں ان کے کان میں پڑ جائیں اور ان کا رجحان ایمان کی جانب ہو جائے، اور انھیں اپنا دین چھوڑنا پڑے، اور یہ بات ان کے حق میں......ان کے نزدیک......موت ہے۔

تشبیہ کی یہ وضاحت جو حضرت مفسر نے کی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تشبیہ مفرد بالمفرد ہے، جیسا کہ ان کے بیان سے ظاہر ہے، مگر قاضی بیضاوی علیہ الرحمہ نے اسے تشبیہ مرکب قرار دیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی مرکب شے کی مجموعی ہیئت کو دوسرے مرکب کی مجموعی ہیئت سے تشبیہ دی جائے، اور تشبیہ میں اس کے اجزاء علیحدہ علیحدہ مقصود نہ ہوں، اس طرح مذکورہ دو تشبیہوں میں منافقین کے مجموعی حال کو آگ روشن کرنے والے اور بارش میں پھنسے ہوئے شخص سے تشبیہ دینا مقصود ہے۔

واللہ محیط بالکفرین علماً و قدرةً: احاطہ کا مطلب یہ ہے کہ کوئی بڑی شی اپنے سے کسی چھوٹی چیز کو ہر طرف سے گھیر لے، خدا تعالیٰ نے کافروں کا احاطہ کر رکھا ہے، اس احاطہ کی کیا کیفیت ہے، یہ معلوم نہیں، لیکن علم اور قدرت کے لحاظ سے احاطہ معلوم ہے۔ یعنی کفار خدا تعالیٰ کے علم اور قدرت کے احاطہ میں ہیں، اللہ تعالیٰ کافروں کے تمام احوال اور حرکات وسکنات کو ہر وقت جانتے ہیں، وہ مکمل طور پر ان کی قدرت میں ہیں، اس لئے اگر وہ حق تعالیٰ کی پکڑ سے کہیں بھاگنا بھی چاہیں تو ہرگز نہیں بھاگ سکتے۔

مشوا فیہ ای فی ضوءہ: فیہ کی ضمیر برق کی جانب راجع ہے، اور اس سے مراد اس کی روشنی ہے۔ لیکن مفسر نے اوپر برق کی تفسیر **لمعان سوطه** (فرشتے کے کوڑے کی چمک) سے کی ہے۔ اس صورت میں مضاف ضوء کو مقدر ماننے کی ضرورت نہیں ہے۔

تمثیل لازعاج ما فی القرآن یکاد البرق یخطف ابصارھم الخ: سے منافقین کے حال کی مثال بیان فرمائی ہے کہ جب قرآن کے دلائل وبراہین کو سنتے ہیں، تو ان کے قلوب، کفر وانکار سے ڈگمگا جاتے ہیں، اور اس میں جو ایسی باتیں ہوتی ہیں، جو ان کے مطلب کے موافق ہوتی ہیں، مثلاً ایمان کی وجہ سے جان ومال کا محفوظ رہنا، اور جہاد میں مال غنیمت کا حاصل ہونا، تو وہ تصدیق کی جانب چل پڑتے ہیں، اور جب وہ باتیں سنتے ہیں جو ان کے نفس پر گراں ہوتی ہیں جیسے نماز، روزہ، جہاد اور انفاق فی سبیل اللہ وغیرہ تو بس ٹھہر جاتے ہیں، اور ان کی تصدیق وتعمیل سے جان چراتے ہیں۔

بسمعھم بمعنی اسماعھم: **سمع** واحد ہے، لیکن معنی میں جمع کے ہے، کیونکہ **ابصارھم** جمع کا لفظ آیا ہے، اس کے قرینے سے یہ بھی جمع کے معنی میں ہے۔

الظاھرة کما ذھب بالباطنة: **ابصار باطنه** سے مراد دل ہیں، یعنی جس طرح دل اندھا ہے، اللہ تعالیٰ

چاہیں تو ان کی ظاہری آنکھیں بھی ختم کر دیں۔ یہ وعید منافقین کے حق میں ہے، جو کہ مشبہ ہیں۔اصحاب صیب کے حق میں نہیں ہے۔

ان اللہ علی کل شی شاء ہ قدیر : اللہ ہر چیز پر قادر ہے، مگر یہاں مفسر نے شئ کے ساتھ **شاء ہ** کی شرط لگائی ہے، یعنی ہر وہ چیز جسے اللہ چاہے، اس پر قادر ہے، اس قید کو لگا کر ایک سوال کا جواب دیا ہے۔

سوال یہ ہے کہ شے تو اللہ کی ذات وصفات بھی ہیں، تو کیا اللہ تعالیٰ ان کے ابقاء وافناء پر بھی قادر ہیں؟

اس کا **جواب** مفسر نے یہ دیا کہ شے سے مراد وہ ہے جو مشیت کے تحت آئے، اور بعض امور وہ ہیں جواز قبیل محالات ہیں، جیسے ذات وصفات باری تعالیٰ کا افناء واعدام۔ تو یہ امور ایسے ہیں، جن سے مشیئت متعلق ہی نہیں ہوتی، اور نہ یہ تحت القدرۃ ہیں، جواب کی یہ تقریر **علامہ سلیمان بن عمر العجلی الشافعی المعروف بالجمل** نے اپنی مشہور شرح **الفتوحات الالھیہ** میں ذکر کی ہے۔

لیکن اس جواب کو اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے کہ شے کی تفسیر میں **شاء ہ** کہہ کر اشارہ کیا ہے کہ شے، مشیت سے ماخوذ ہے، اس لئے شے کہلانے کی مستحق وہی چیز ہے، جو مشیت کے تحت ہو، واجب الوجود چونکہ تحت المشیت ہے ہی نہیں، اس لئے اس پر شے کا اطلاق نہیں ہوگا، اللہ کو موجود تو کہا جائیگا، مگر شے نہیں، اس لحاظ سے موجود اور شے میں عموم خصوص مطلق کی نسبت ہوگی، کہ ہر شے موجود تو ہے لیکن ہر موجود شے نہیں ہے، اور یہاں اللہ تعالیٰ نے شے پر اپنی قدرت کا اظہار فرمایا ہے، ہر موجود پر نہیں، لہٰذا کوئی اشکال نہیں ہوتا۔

مضامین آیات وتفسیر

اللہ تعالیٰ نے منافقین کے احوال قدرے تفصیل سے ذکر کئے ہیں، کیونکہ یہ فرقہ اسلام کا چھپا ہوا دشمن ہے، بزدلی کی وجہ سے علی الاعلان اسے نہ موافقت کرنے کی ہمت ہے، نہ مخالفت کرنے کی، یہ لوگ دورخے ہوتے ہیں، جدھر طاقت دیکھی، ادھر کی بات کرنے لگے، ایسا کرنے کی ضرورت اسی وقت ہوتی ہے، جب دل میں موافقت نہ ہو، چنانچہ منافقین، دل سے ایمان نہیں رکھتے تھے، مگر طاقت کے آثار کو دیکھ کر اہل اسلام سے بھی اپنی بات بنائے رکھنا چاہتے تھے، اور ادھر کی ادھر کرتے رہتے تھے، یہ لوگ اسلام کی راہ میں خطرناک رکاوٹ تھے، ان کا سارا عمل فساد کا اور خرابی کا تھا، مگر منافقین یہ سمجھتے تھے کہ وہ بناؤ اور اصلاح کا کام کر رہے ہیں، ان سے کہا جاتا کہ سچے مسلمان کی طرح ایمان لاؤ، تو وہ انھیں بیوقوف کہتے اور خود کو چالاک قرار دیتے، لیکن جس چالاکی کا انجام رسوائی ہو وہ کیا چالاکی ہوئی؟ ایمان والوں سے ایمان کی بات، اور کفر والوں سے کفر کی بات! یہی ان کی چالاکی تھی، انھیں یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس چالاکی کو ان پر الٹ دینے والے ہیں، ان کے سامنے ہدایت تھی، مگر اسے چھوڑ کر انھوں نے گمراہی اختیار کی، یہ تجارت، خسارے کی تجارت ہے، یہ زبان سے کلمۂ ایمان کا اقرار

کر کے دنیا میں کچھ روشنی ضرور حاصل کر لیتے ہیں، اور بظاہر مومن شمار ہو جاتے ہیں، لیکن جب موت کا اندھیرا چھائے گا، تو پھر کچھ نظر نہ آئیگا، قرآن کے ذریعے ہدایت کی بارش ہو رہی ہے، مگر یہ محروم القسمت اس بارش کو اپنے لئے بجائے رحمت کے مصیبت بنائے ہوئے ہیں، امید کی کوئی کرن دکھائی دیتی ہے، مطلب کے موافق کوئی بات ہوتی ہے تو تصدیق کا خیال پیدا ہو جاتا ہے، اور جب اپنے نفس پر کوئی گراں بات دیکھتے ہیں تو بدک جاتے ہیں، یہ دل کے اندھے ہیں، انھیں نہیں معلوم کہ وہ ہر طرح سے اللہ تعالیٰ کے احاطہ قدرت میں ہیں، نہ بھاگ کر کہیں جا سکتے ہیں اور نہ عذاب سے بچ سکتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

﴿يٰا اَيُّهَا النَّاسُ﴾ اے اهل مكة ﴿اعْبُدُوْا﴾ وحدوا ﴿رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ﴾ انشأكم ولم تكونوا شيئا ﴿وَ﴾ خلق ﴿الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ بعبادته عقابه ولعل فى الاصل للترجى و فى كلامه تعالىٰ للتحقيق ﴿اَلَّذِىْ جَعَلَ﴾ خلق ﴿لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشاً﴾ حال بساطاً يفترش لا غاية لها فى الصلابة او الليونة فلا يمكن الاستقرار عليها ﴿وَالسَّمَاءَ بِنَاءً﴾ سقفاً ﴿وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ﴾ انواع ﴿الثَّمَرَاتِ رِزْقاً لَّكُمْ﴾ تاكلونه و تعلفون به دوابكم ﴿فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَاداً﴾ شركاء فى العبادة ﴿وَّأَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ انه الخالق ولا يخلقون ولا يكون الها الا من يخلق .

﴿ ترجمه ﴾

(اے لوگو) یعنی اہل مکہ (بندگی کرو) توحید اختیار کرو (اپنے رب کی، جس نے پیدا کیا تم کو) یعنی وجود بخشا، حالانکہ تم کچھ نہ تھے (اور) پیدا کیا (ان لوگوں کو جو تم سے پہلے تھے شاید تم) اس کی عبادت کی وجہ سے اس کے عقاب سے (بچو) اور لعل اصل میں ترجی کیلئے ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے کلام میں وہ تحقیق کیلئے ہے (جس نے بنایا) یعنی پیدا کیا (تمہارے واسطے زمین کو بچھونا) یہ حال ہے، فراش بمعنی بساط، یعنی بچھونا جسے بچھایا جائے، نہ وہ انتہائی سخت ہے اور نہ بالکل نرم کہ اس پر رہائش اور ٹھہراو ممکن نہ ہو (اور آسمان کو چھت اور اتارا آسمان سے پانی، پھر نکالے اس سے میوے تمہارے کھانے کے واسطے) جنھیں تم کھاؤ اور اپنے جانوروں کو کھلاؤ (سو نہ ٹھہراؤ اللہ کے مقابل کسی کو) یعنی عبادت میں شرکت دار (اور تم جانتے ہو) کہ وہی خالق ہے اور دوسرے شرکاء کچھ پیدا نہیں کر سکتے، اور معبود تو وہی ہو سکتا ہے جو پیدا کرتا ہے۔

﴿ تشریحات ﴾

اے اهل مكة : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ **يا ايها الناس** کا خطاب اہل مکہ سے ہے، اور

یا ایھا الذین آمنوا کا خطاب اہل مدینہ سے ہے، قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی علیہ الرحمۃ نے اس کی توجیہ لکھی ہے کہ چونکہ اہل مکہ زمان نزول قرآن میں زیادہ تر کافر تھے، اور اہل ایمان کم تھے، اس لئے ایسے لفظ سے خطاب کیا، جو دونوں فریق کو اپنے احاطہ میں لے لے، اور مدینہ میں چونکہ اہل ایمان زیادہ تھے، اس لئے ان کے عزو شرف کے اظہار کے واسطے ایمان کے عنوان سے خطاب کیا۔ (تفسیر مظہری ص: ۳۵، ج: ۱)

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ قرآن میں جہاں **یا ایھا الناس** آیا ہے، وہ آیت مکی ہے، اور جہاں **یا ایھا الذین آمنوا** آیا ہے، وہ آیت مدنی ہے۔ لیکن اس پر اعتراض ہے کہ سورہ بقرہ، سورہ نساء اور سورہ حجرات تو بالاتفاق مدنی ہے اور ان میں **یا ایھا الناس** آیا ہے، اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ قاعدہ اکثری ہے، کلی نہیں ہے۔ (جمل) لیکن اگر اس کی وہ توجیہ کی جائے جو ابھی تفسیر مظہری کے حوالے سے گذری، تو اس اعتراض کی گنجائش نہ ہوگی، کیونکہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ آیت مکی ہے جس میں **یا ایھا الناس** آیا ہے، بلکہ آیت نزول کے اعتبار سے کہیں کی ہو، اس میں خطاب اہل مکہ سے ہے، کیونکہ وہی مخاطب اول ہیں، اور پھر ان کے بعد سارے جہان کے لوگ ہیں۔

اعبدوا: وحّدوا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے کہ **ما ورد فی القرآن من العبادۃ فمعناہ التوحید**، قرآن میں جہاں کہیں عبادت کا لفظ آیا ہے، اس کے معنی توحید کے ہیں، کفار تو توحید پر ایمان لانے کے مکلّف ہیں، اور اہل ایمان اس پر قائم و دائم رہنے کے مکلّف ہیں۔ (تفسیر مظہری) کیونکہ اصل عبادت توحید ہی ہے۔

انشأکم: یہ **خلقکم** کی تفسیر ہے، اس کا معنیٰ ہے **ایجاد الشی علی غیر مثال سبق**، کسی نمونہ کے بغیر کسی شے کو عدم سے وجود میں لانا۔

لعلکم تتقون بعبادتہ عقابہ: شاید تم اس کی توحید کی بدولت اس کے عذاب سے بچو، تفسیری الفاظ کے اضافہ سے یہ معلوم ہوا کہ یہاں پر تقویٰ اپنے اصطلاحی اور شرعی معنی میں نہیں ہے۔ بلکہ لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے، یعنی بچاؤ۔

ولعل فی الاصل الخ: **لعل** اصل میں ترجی یعنی توقع اور اظہار امید کیلئے ہے، لیکن اللہ کے کلام میں جب یہ لفظ آئے، تو اس کے معنی تحقیق کے ہیں، پس یہاں اظہار امید کا معنی نہیں ہے کہ شاید تم توحید کے اختیار کرنے سے، اس کے عذاب سے محفوظ رہو، بلکہ معنی یہ ہے کہ توحید اختیار کروگے تو اس کے عذاب سے محفوظ رہوگے، اس لحاظ سے یہ لفظ اپنے اصل معنی کے بجائے فاء سببیہ (جزائیہ) کے معنی میں استعمال ہوا ہے، یعنی توحید کا اختیار کرنا عذاب سے بچنے کا سبب ہے۔

سوال: جب یہاں ترجی کا معنی مقصود نہیں ہے،تو حرف ترجی لانے میں کیا حکمت ہے؟

جواب: بڑے لوگوں کے کلام میں جب غور کیا جاتا ہے،تو وہ اپنے چھوٹوں سے بسا اوقات کوئی محکم وعدہ بھی کرتے ہیں،تو یقین کے الفاظ سے نہیں کرتے،بلکہ توقع دلاتے ہیں،تو اللہ تعالیٰ جو احکم الحاکمین ہیں،ان کی شان کے عین مناسب ہے کہ وہ اپنے بندوں سے وعدہ کریں،تو توقع اور امید کے الفاظ سے کریں، اور اس میں راز یہ ہے کہ بندے امید وخوف کے درمیان رہیں گے،اور عبادت و نیازمندی میں زیادہ کوشش کریں گے،اور قطعی الفاظ میں جب وعدہ ہوگا تو مطمئن ہوکر بیٹھ رہیں گے۔ یہ طرز تکلم طبائع انسانی کے لحاظ سے بہت بلیغ اور پر تاثیر ہے،غور کرنے سے یہ حکمت سمجھ میں آتی ہے۔واللہ اعلم (**کذا افادنی بعض اساتذتی**)

اردو کے علماء مترجمین نے لعل کو **لَـکَـیْ** کے معنی میں قرار دیا ہے،اس لحاظ سے اس کا ترجمہ یہ ہوگا کہ ''تاکہ تم متقی ہو،یا عذاب سے بچ جاؤ'' لیکن راقم حروف نے ترجمہ میں ترجی کو باقی رکھا ہے۔

(اَلَّـذِیْ جَـعَـلَ) خَلَقَ (لَکُمُ الْاَرْضَ) :**جَعَلَ** کے اصل معنی تصییر کے ہیں،یعنی کسی موجود شے کو ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل کرنا،اس طرح یہ لفظ متعدی بدو مفعول ہے،لیکن حضرت مفسر نے اسے **خَلَقَ** کے معنی میں قرار دیا ہے،**خَلَقَ** کا معنی اوپر گزر چکا ہے،**خَلَقَ** متعدی بیک مفعول ہے،اس صورت میں **فراشاً** اور **بناءً** بجائے مفعول ثانی بننے کے حال بن جائیں گے۔یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے زمین کو پیدا فرمایا اس حال میں کہ وہ بچھونا ہے۔

اَنْدَاداً: **نِدٌّ** کی جمع ہے،اس کے معنی ہے ہمسر،ضد،اور خلاف،**الند: المقاوم المضاهی سواء کان مثلاً او ضداً او خلافاً**. ند برابر کا مد مقابل،خواہ وہ مثل ہو،یا ضد ہو،یا مخالف ہو۔

☆☆☆☆☆

﴿وَاِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ﴾ شک ﴿مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا﴾ محمد من القرآن انه من عنداللہ ﴿فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّن مِّثْلِهٖ﴾ ای المنزل ومن للبیان ای هی مثله فی البلاغة وحسن النظم والاخبار عن الغیب ، والسورة قطعة لها اول وآخر واقلها ثلاث آیات ﴿وَادْعُوْا شُهَدَاءَ کُمْ﴾ آلهتکم التی تعبدونها ﴿مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ ای غیره لِتُعِیْنَکُمْ ﴿اِنْ کُنْتُمْ صَادِقِیْنَ﴾فی ان محمداً قاله من عند نفسه فافعلوا ذلک فانکم عربیون فصحاء مثله ولما عجزوا عن ذلک قال تعالیٰ ﴿فَاِنْ لَمْ تَفْعَلُوْا﴾ ما ذکر لعجزکم ﴿وَلَنْ تَفْعَلُوْا﴾ ذلک ابداً لظهور اعجازه، اعتراض ﴿فَاتَّقُوْا﴾ بالایمان باللہ وانه لیس من کلام البشر ﴿النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ﴾

الـكـفـار ﴿وَالْحِجَارَةُ﴾ كاصنامهم منها يعنى انها مفرطة الحرارة تتقد بما ذكر لا كَنَارِ الدُّنيا تتقـــد بالحطب ونحوه ﴿اُعِدَّتْ﴾ هيئت ﴿لِلْكَافِرِيْنَ﴾ يعذبون بها جملة مستانفة او حال لازمة ﴿وَ بَشِّرِ﴾ اخبر ﴿الَّذِيْنَ آمَنُوْا﴾ صدقوا بالله ﴿وَعَمِلُوْا الصَّالِحَاتِ﴾ من الفروض والنوافل ﴿اَنَّ﴾ اى بان ﴿لَهُمْ جَنَّاتٍ﴾ حدائق ذات أشجار ومساكن ﴿تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا﴾ اى تحت اشجارها وقصورها ﴿الْاَنْهَارُ﴾ اى المياه فيها، والنهر الموضع الذى يجرى فيه الماء لان الماء ينهره اى يحفره واسناد الجرى اليه مجاز ﴿ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا ﴾ اطعموا من تلك الجنات ﴿ مِنْ ثَمَرَةٍ رِزْقاً قَالُوْا هٰذَاالَّذِىْ﴾ اى مثل ما ﴿رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ﴾ اى قبله فى الجنة لتشابه ثمارها بقرينة ﴿وَاُوْتُوْ بِهٖ﴾ اى جيئوا بالرزق ﴿ مُتَشَابِهاً﴾ يشبه بعضه بعضا لونا ويختلف طعماً﴿وَلَهُمْ فِيْهَا اَزْوَاجٌ﴾ من الحور وغيرها ﴿مُطَهَّرَةٌ﴾ من الحيض وكل قذر ﴿ وَهُمْ فِيْهَا خَالِدُوْنَ﴾ ماكثون ابداً لا يفنون ولا يخرجون۔

﴿ تـــرجمـــه ﴾

(اور گرتم لوگ تر دد میں) یعنی شک میں (ہواس چیز کے متعلق جسے ہم نے اپنے بندے) محمد (پر اتارا ہے) یعنی قرآن کے متعلق کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے یا نہیں؟ (تو اس جیسی ایک سورت لاؤ) یعنی جو کچھ اتارا گیا ہے،اس کے مثل،اور من بیانیہ ہے،یعنی هـى مثـلـه فـى البلاغة کہ وہ بلاغت،حسن عبارت اور مغیبات کی خبریں بتانے میں،اسی کے مثل ہو،اور سورة کلام کا وہ حصہ ہے،جس کیلئے اول وآخر ہو،چھوٹی سے چھوٹی سورہ تین آیت کی ہوگی۔(اور اللہ کے ماسوا اپنے شہداء کو) یعنی ان معبودوں کو جن کی تم عبادت کرتے ہو،(بلالو) تا کہ وہ تمہاری مدد کریں (اگر تم)اس سلسلے میں (سچے ہو) کہ محمد نے یہ سب کچھ خود سے کہہ لیا ہے،اگر ایسا ہے تو تم اسے کر ڈالو،اس لئے کہ تم بھی تو انھیں کی طرح فصیح عربی ہو،لیکن جب وہ اس سے عاجز ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ (پس اگر تم)اس کام کو جسے ذکر کیا گیا،اپنے عجز کی وجہ سے (نہ کر سکو اور) اس کو (ہرگز) کبھی (نہیں کر سکو گے) کیونکہ اس کا معجزہ ہونا بالکل ظاہر ہے،ولن تفعلوا کا جملہ، جملہ معترضہ ہے (تو)اللہ پر ایمان لا کر اور اس بات پر ایمان لا کر کہ یہ بشر کا کلام نہیں ہے (اس آگ سے بچو جس کے جلاون آدمی) یعنی کفار (اور پتھر ہیں) جیسا کہ ان کے بت جو ان پتھروں کے بنے ہوئے ہیں، مطلب یہ ہے کہ وہ انتہائی تیز آگ ہے،جس میں جلانے کی یہ چیزیں وہ ہیں،جنھیں اوپر ذکر کیا گیا، دنیا کی آگ کی طرح نہیں ہے، جو لکڑی وغیرہ سے جلائی جاتی ہے (وہ کافروں کیلئے تیار کی گئی ہے) کہ اس سے ان کو عذاب ہوگا۔ یہ جملہ مستانفہ، یا حال لازمہ ہے (اور

بشارت) یعنی خبر دیدیجئے (ان لوگوں کو جو ایمان لائے) یعنی اللہ کی تصدیق کی (اور جنھوں نے) فرائض اور نوافل کے (اچھے اعمال کئے کہ ان کیلئے ایسے باغات ہیں) جو درختوں اور مکانات پر مشتمل ہیں (جن) کے درختوں اور مکانات (کے نیچے نہریں بہتی ہیں) یعنی ان نہروں میں پانی بہتا ہے، نہر اس جگہ کا نام ہے جس میں پانی بہتا ہے، اس کو نہر اس لئے کہتے ہیں، پانی زمین کو کھود دیتا ہے، نہر کے معنی کھودنے کے ہیں، بہنے کی نسبت نہر کی طرف اسناد مجازی ہے (جب بھی ان کو دیا جائیگا ان میں سے) یعنی ان باغوں میں سے (پھلوں کا رزق تو کہیں گے یہ تو وہی ہے) یعنی اسی کے مانند ہے (جو اس سے پہلے ہمیں دیا گیا تھا) یعنی اس سے پہلے جنت میں دیا گیا تھا کیونکہ جنت کے پھل آپس میں ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہوں گے، اس کا قرینہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ (انھیں وہ) یعنی رزق (ملتا جلتا دیا جائیگا) رنگ میں تو باہم مشابہ ہوں گے، اور لذت میں مختلف ہوں گے (اور ان کیلئے ان میں) حور اور غیر حور کی جنس سے (ایسی بیویاں ہوں گی) جو حیض اور گندگی سے (پاک صاف ہوں گی، اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے) نہ کبھی فنا ہوں گے، اور نہ انھیں نکالا جائے گا۔

تشریحات

من مثلہ ای المنزل : منزل کا لفظ لاکر مفسر نے مثلہ کی ضمیر کا مرجع بتایا ہے کہ وہ ما نزلنا ہے، جو المنزل کا ہم معنی ہے۔

ومن للبیان :من کا اصل معنی تبعیض کا ہے، یعنی وہ شے کے کچھ حصے کو ظاہر کرتا ہے، لیکن یہاں **من مثلہ** میں من تبعیضیہ نہیں ہے، بلکہ من بیانیہ ہے، یعنی پچھلے لفظ کی ترجمانی کرتا ہے، اسی لئے مفسر نے اس کی تشریح میں فرمایا کہ **فاتوا بسورۃ ھی مثلہ** ایک ایسی سورہ لاؤ جو ہو بہو اس کے مشابہ ہو، بلاغت میں بھی، حسن عبارت والفاظ میں بھی، اور پھر اس میں مغیبات کی ایسی ہی سچی اور واضح اطلاعات ہوں جیسی کہ قرآن میں ہیں۔

والسورۃ قطعۃ سورت کلام کا وہ حصہ ہے جس میں ایک ابتداء ہو، اور ایک خاتمہ ہو اور درمیان میں بھی کچھ ہو، اس لحاظ سے سورہ کم از کم تین آیات پر مشتمل ہو گی۔ ایسی سورہ قرآن پاک میں سورہ کوثر ہے۔

آلھتکم : **شھداء** کی تفسیر آلہہ سے کی ہے، **شھداء**، **شاھد** کی جمع ہے، اس کے معنی گواہ، حاضر، اور مددگار کے ہیں، چونکہ کفار اپنے معبودان باطلہ کے حق میں اعتقاد رکھتے تھے کہ وہ اللہ کے پاس ان کی نجات و بخشش کیلئے گواہی دیں گے، اور یہ کہ وہ ہمہ وقت اور ہر جگہ ان کے ساتھ ساتھ رہتے ہیں، اور ان کی مدد کرتے ہیں، اس لئے انھیں ان کے گمان و خیال کے مطابق شہداء کہا گیا۔

فافعلوا ذلک :اس جملہ کو یہاں مفسر نے ذکر کر کے یہ بتایا ہے کہ **ان کنتم صادقین**، جو کہ شرط ہے، اس کی جزا محذوف ہے، اور وہ یہی مذکورہ بالا جملہ ہے، اور اس کے حذف کا قرینہ اس سے ماقبل والی عبارت ہے یعنی

فاتو بسورۃ من مثلہ۔

اعتراض: فان لم تفعلوا کے بعد جزا آنے سے پہلے ولن تفعلوا ، جملہ معترضہ ہے، اور فاتقوا النار ، فان لم تفعلوا کی جزا ہے۔ جملہ معترضہ وہ جملہ ہے جو دو باہم مربوط جملوں کے درمیان لایا جائے کہ لفظوں کی ترکیب کے لحاظ سے ان دو جملوں سے وہ علیحدہ ہو، لیکن معنی کے لحاظ سے اسے ان سے مناسبت حاصل ہو۔

جملہ مستانفہ او حال لازمہ: اعدت للکافرین والا جملہ، دو احتمال رکھتا ہے، اول یہ کہ وہ جملہ مستانفہ ہو یعنی وہ ایک مستقل جملہ ہے جو ترکیب کے لحاظ سے کسی ماقبل کے لفظ کے تحت نہیں ہے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ وہ حال لازمہ ہے، اور ذوالحال فاتقوا النار میں لفظ النار ہو۔

حال لازمہ عموماً حال اپنے ذوالحال کیلئے لازم نہیں ہوا کرتا، بلکہ وہ بدلتا رہتا ہے، مثلاً اگر کسی نے کہا کتب زید قائما تو قیام زید کیلئے کوئی صفت دوامی نہیں ہے، اس کے برخلاف کبھی کبھی حال ایسا ہوتا ہے، جو اپنے ذوالحال کی لازمی صفت ہوتا ہے، اسی کو حال لازم کہتے ہیں، یہاں غور کیجئے اعدت للکافرین ، اگر النار کا حال ہے تو ایسا نہیں ہے کہ وہ کہیں بدل جائے بلکہ اس کا کافروں کیلئے تیار کیا گیا ہونا دائمی اور لازمی بات ہے، اس لئے یہ حال لازمہ ہے۔

وبشر اخبر : بشر بشارۃ سے ماخوذ ہے، اور وہ بشرۃ سے ماخوذ ہے، بشرۃ انسان کی اوپری جلد کو کہتے ہیں، بشارۃ ایسی خبر کو کہتے ہیں جس سے فوری طور پر انسان کا ظاہری بدن متاثر ہو، خواہ وہ خیر کی خبر ہو یا شر کی خبر، اس کو سنتے ہی انسان کی ظاہری جلد متاثر ہو جاتی ہے، لیکن اس کا زیادہ تر استعمال خیر کیلئے ہوتا ہے، یہ علامہ سیبویہ کی رائے ہے، لیکن علامہ زمخشری کے نزدیک بشارۃ صرف خبر خیر کو کہتے ہیں اور شر کیلئے بشارۃ کا لفظ بطور طنز کے استعمال ہوتا ہے۔ (جمل)

ان اے بأن: بشارۃ کیلئے بطور صلہ کے باء استعمال ہوتا ہے، اس لحاظ سے یہاں لفظ باء ہونا چاہئے۔ اسی لئے مفسرین نے بأن کہہ کر اس کی وضاحت کی، لیکن چونکہ أنّ اور أن ان الفاظ میں ہیں جن کے کثرت استعمال کی وجہ سے ان پر آئے ہوئے حروف جارہ کو حذف کرنا کلام عرب میں عام ہے، بلکہ بسا اوقات فصاحت کلام کا وہی مقتضیٰ ہوتا ہے اس لئے اسے حذف کر دیا گیا۔

حدائق ذات أشجار و مساکن : جنت اس باغ کو کہتے ہیں، جو صرف باغ نہ ہو، بلکہ اس میں رہائش کا بھی پورا نظم موجود ہو، محلات ہوں، درخت ہوں، اور اس کی احاطہ بندی ہو وغیرہ۔

ای تحت اشجار : باغ کے نیچے نہر کا بہنا حقیقت نہیں ہے، مجاز ہے، کیونکہ باغ کے اندر نہر بہتی ہے، اس کے نیچے نہیں، وہ فی الحقیقت درختوں اور مکانات کے نیچے بہتی ہے۔

الانھار ای المیاہ: نہر کے معنی ہیں کھدی ہوئی چیز کے، پانی کے بہاؤ کی جگہ میں زمین کھدی ہوئی اور گہری ہوتی ہے، اس لئے اس کو نہر کہتے ہیں، اس معنی کے لحاظ سے نہر کی طرف بہنے کی نسبت کرنا حقیقت نہیں ہے، بہنے والی چیز تو پانی ہے۔ لیکن پانی کا محل چونکہ نہر ہے اس لئے مجازاً اسے بہنے والا کہا گیا ہے۔

مثل ما رزقنا : لفظ مثل ما کو مفسر نے ھذاالذی کی تفسیر میں ذکر کیا ہے، آیت کے ظاہری لفظ کا مطلب یہ ہے کہ یہ بعینہ وہی پھل ہے، جو اس سے پہلے ہمیں عطا کیا گیا تھا، یہ ظاہری مطلب مناسب نہیں ہے، کیونکہ جنت میں بعینہ وہی پھل دوبارہ نہیں دیئے جائیں گے، اس لئے مفسر نے مثل سے اس کی تفسیر کی اور فرمایا مثل مـا رزقنـا، اسی جیسا ہے، جو اس سے پہلے ہمیں دیا گیا تھا تو لفظ مثل یہاں محذوف ہے، اور ایسے مواقع پر اس طرح کے محذوفات ہر زبان میں عام ہیں، لفظ مـا، اسم موصول الذی کے معنی میں ہے، اگر مفسر ما کے بجائے الذی لائے ہوتے، بات زیادہ واضح ہوتی (جمل)

رزقنـا مـن قبل ای قبله فی الجنة : اہل جنت کو جو پھل عطا کئے جائیں گے، ان کے بارے میں وہ کہیں گے کہ یہ تو بالکل ویسے ہی ہیں جیسے ہمیں پہلے عطا ہوئے تھے، اس میں ''پہلے'' سے کیا مراد ہے؟ مفسر نے فرمایا کہ پہلے سے مراد جنت ہی میں اُس خاص عطا سے پہلی والی عطا مراد ہے، یعنی اب سے پہلے جنت میں جو پھل عطا ہوئے تھے، یہ پھل بھی اسی طرح کے ہیں۔

بقرینة واتوا به متشابها : مفسر نے اپنے بیان کردہ مطلب کی دلیل پیش کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا ہے کہ اوتو به متشابها، ان کو جنت میں ملتے جلتے پھل دیئے جائیں گے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ من قبل سے مراد جنت ہی کے پھل ہیں جو انھیں اس سے پہلے دیئے گئے تھے، یہ پھل رنگ اور شکل میں تو باہم مشابہ ہوں گے، مگر ان کی لذت مختلف ہوگی۔

لیکن بعض دوسرے مفسرین نے ''قبـــل'' سے عام معنی مراد لیا ہے، جو دنیا کے پھلوں کو بھی شامل ہے، یعنی یہ پھل ویسے ہی ہیں جیسے دنیا میں ہمیں ملا کرتے تھے، بعض اعتبارات سے یہی معنی راجح معلوم ہوتا ہے۔

اولاً۔ اس لئے اگر اس کو جنت کے ساتھ مخصوص رکھا جائے، تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کلما کا لفظ عام ہے، یعنی جب بھی انھیں پھل ملے گا، تو وہ یہ کہیں گے اسی جیسا پہلے بھی ملا تھا، اس عموم کے لحاظ سے جب پہلی مرتبہ انھیں جنت میں پھل عطا کیا جائیگا، اس وقت یہ کہنا ان کا درست نہ ہوگا، کیونکہ جنت میں اس سے پہلے انھیں کوئی پھل ملا ہی نہ تھا، البتہ اگر اسے دنیا کے پھلوں تک کو عام کر دیا جائے تو ان کا یہ کہنا بجا ہوگا، کیونکہ دنیا میں اس سے ملتا جلتا پھل انھیں دیا جا چکا ہے۔

ثـــانیـــاً۔ اس لئے کہ انسانی فطرت کا خاصہ یہ ہے کہ وہ جانی پہچانی چیز کی طرف لپکتی ہے، اور نامانوس

چیزوں سے اسے وحشت ہوتی ہے، تو جنت میں جو پھل انھیں دیئے جائیں گے، وہ دنیا کے پھلوں کے ہم شکل اور ہم رنگ ہوں گے، اس سے اہل جنت کو ان کی فوراً رغبت ہوگی اور وہ بے ساختہ مثلاً کہہ اٹھیں گے کہ ارے یہ تو وہی آم ہے، وہی سنترہ ہے، وہی سیب ہے، جو ہمیں دنیا میں ملا کرتا تھا، پھر وہ رغبت سے اس کی طرف لپکیں گے اور جب کھائیں گے، تو مزہ میں وہ بدرجہا فائق ہوں گے، اس کے برخلاف اگر انھیں نامانوس شکل کے پھل ملتے تو ابتداء ان سے انس نہ ہوگا بلکہ ایک طرح کی اجنبیت ہوگی، اس لئے مـن قبـل کا تعلق اگر جنت کے پھلوں کے ساتھ دنیا کے پھلوں سے بھی جوڑ دیا جائے، تو اس کی معنویت میں ایک لطیف اضافہ ہو جائے گا۔ واللہ اعلم

من الحور وغیرھا : حور جمع ہے حَوْرَاء کی، یعنی ایسی خوبصورت دوشیزائیں جن کی آنکھوں کی سیاہی گہری سیاہ اور سفیدی خوب سفید ہے، اور وہ بڑی خوبصورت ہیں، یہ عورتیں خاص جنت کی مخلوق ہیں، اور غیـرھـا سے مراد دنیا کی عورتیں ہیں۔

☆☆☆☆☆

ونـزل رداً لـقـول الیهود لما ضرب الله المثل بالذباب فی قوله وان یسلبهم الذباب والعنکبوت فی قوله "کمثل العنکبوت" ما اراداللہ بذکر هذه الاشیاء الخسیسة ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یَسْتَحْیِیٓ اَنْ یَّضْرِبَ﴾ یجعل ﴿مَثَلًا﴾ مفعول اول ﴿مَّا﴾ نکرة موصوفة بما بعدها مفعول ثـان ای أیَّ مثـل کـان او زائـدة لتـاکید الخسة فما بعدها المفعول الثانی ﴿بَعُوْضَةً﴾ مفرد البـعـوض وهـی صغار البق ﴿فَمَا فَوْقَهَا﴾ ای اکبر منها ای لایترک بیانه لما فیه من الحکم ﴿فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَیَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ﴾ ای المثل ﴿الْحَقُّ﴾ الثابت الواقع موقعه ﴿مِنْ رَّبِّهِمْ وَاَمَّا الَّـذِیْـنَ کَـفَرُوْا فَیَقُوْلُوْنَ مَاذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلاً﴾ تـمییـز ای بهـذا المثل وما استفهام انکار مبتـدأ وذا بـمعنی الذی بصلته خبره ای ای فائدة فیه قال الله تعالی فی جوابهم ﴿یُضِلُّ بِهٖ﴾ ای بهـذا الـمثل ﴿کَثِیْراً﴾ عن الحق لکفرهم به ﴿وَیَهْدِیْ بِهٖ کَثِیْراً﴾ من المومنین لتصدیقهم بـه ﴿وَمَـا یُضِـلُّ بِـهٖ اِلَّا الْـفَـاسِقِیْنَ﴾ الخارجین عن طاعته ﴿الَّذِیْنَ﴾ نعت ﴿یَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰـهِ﴾ ما عهده الیهم فی الکتب من الایمان بمحمد ﷺ ﴿مِنْ بَعْدِ مِیْثَاقِهٖ﴾ توکیده علیهم ﴿وَیَقْـطَعُوْنَ مَا اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ اَنْ یُّوْصِلَ﴾ من الایمان بالنبی والرحم وغیر ذلک وان بدل من ضـمیـر بـه ﴿وَیُفْسِـدُوْنَ فِیْ الْاَرْضِ﴾ بـالـمـعـاصـی والتعویق عن الایمان ﴿اُوْلٰئِکَ﴾ الـمـوصـوفـون بـمـا ذکـر ﴿هُـمُ الْخَاسِرُوْنَ﴾ لمصیرهم الی النار المؤبدة علیهم ﴿کَیْفَ تَـکْـفُرُوْنَ﴾ یا اهل مکة ﴿بِاللّٰهِ وَ﴾ قد ﴿کُنْتُمْ اَمْوَاتاً﴾ نطفاً فی الاصلاب ﴿فَاَحْیَاکُمْ﴾ فی

الارحام و الدنیا بنفخ الروح فیکم و الاستفهام للتعجب من کفرهم مع قیام البرهان او للتوبیخ ﴿ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ﴾ عندانتهاء آجالکم ﴿ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ ﴾ بالبعث ﴿ثُمَّ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ تردون بعد البعث فیجازیکم باعمالکم و قال دلیلاً علی البعث لما انکروه ﴿ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَا فِیْ الْاَرْضِ﴾ ای الارض و ما فیها ﴿جَمِیْعاً﴾ لتنتفعوا به و تعتبروا﴿ ثُمَّ اسْتَوٰی﴾ بعد خلق الارض ای قصد ﴿ اِلَی السَّمَاءِ فَسَوّٰهُنَّ ﴾ الضمیر یرجع الی السماء لانها فی معنی الجمع الآئلة الیه ای صیرها کما فی آیة اخریٰ فقضاهن ﴿ سَبْعَ سَمٰوٰاتٍ وَهُوَ بِکُلِّ شَیْئٍ عَلِیْمٌ﴾ مجملا و مفصلاً فلا تعتبرون ان القادر علی خلق ذلک ابتداءً وهو اعظم منکم قادر علی اعادتکم۔

﴿ تـــرجمـــه ﴾

جب اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں مکھی کی مثال بیان فرمائی۔ چنانچہ ارشاد ہے: وان یسلبهم الذباب اگر ان سے مکھی کچھ چھین لے، اور مکڑی کی مثال بیان فرمائی، چنانچہ ارشاد ہے کمثل العنکبوت، تو اس پر یہود نے کہا کہ ان گھٹیا چیزوں کو بیان کرنے سے اللہ کا مقصد کیا ہے؟ تو اس کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی (بیشک اللہ نہیں شرماتا، اس بات سے کہ بیان کرے کوئی مثال) مثلاً مفعول اول ہے، یضرب کا اور ما نکرہ ہے جو موصوف ہے اور بعد والا لفظ یعنی بعوضة اس کی صفت ہے، ما مفعول ثانی ہے، یا یہ کہ ما زائدہ ہے، اس سے خست کی تاکید ہوتی ہے، اس صورت میں اس کا مابعد یعنی بعوضة مفعول ثانی ہوگا (مچھر کی) بعوضة بعوضة کا مفرد ہے، وہ چھوٹا مچھر ہے، یہ مثال مچھر کی ہو (یا اس چیز کی جو اس سے بڑھ کر ہے) یعنی اس کے بیان کو اللہ تعالیٰ نظر انداز نہیں کر سکتے، کیونکہ اس میں حکمتیں ہیں (سو جو لوگ مومن ہیں وہ یقیناً جانتے ہیں کہ یہ مثال (ٹھیک ہے) ثابت ہے، اور اپنے محل پر واقع ہے (ان کی رب کی طرف سے، اور جو کافر ہیں وہ کہتے ہیں کیا مطلب تھا اللہ کا (اس مثال سے) مثلاً تمیز ہے، اور ما استفہام انکاری ہے وہ مبتدا ہے، اور ذا، الذی کے معنی میں اپنے صلہ کے ساتھ مل کر مبتدا کی خبر ہے، مطلب یہ ہے کہ اس مثال سے کیا فائدہ ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا (گمراہ کرتا ہے اس) مثال (سے بہتیروں کو) حق سے، کیونکہ وہ اس کا انکار کرتے ہیں (اور ہدایت دیتا ہے، اس سے بہتروں کو) یعنی اہل ایمان کو کیونکہ وہ اس کی تصدیق کرتے ہیں (اور گمراہ نہیں کرتا اس مثال سے مگر بدکاروں کو) جو اس کی طاعت سے خارج ہیں (جو توڑتے ہیں خدا کے معاہدہ کو) یہ فاسقین کی صفت ہے، معاہدہ سے مراد وہ معاہدہ ہے جو اللہ نے ان سے کتب سابقہ میں لے رکھا ہے۔ یعنی محمد ﷺ پر ایمان لانے کا معاہدہ، اس معاہدہ کو وہ لوگ توڑتے ہیں (اس کو مضبوط کرنے کے بعد، اور قطع کرتے ہیں، اس چیز کو، جسے اللہ

نے ملانے کو فرمایا ہے ملانے کو) یعنی نبی ﷺ پر ایمان لانا، رشتہ داریوں کو قائم رکھنا، وغیرہ، ان یوصل، بہ کی ضمیر سے بدل ہے (اور فساد کرتے ہیں ملک میں) گناہوں سے، اور ایمان کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے سے (وہی ہیں) جن کے یہ اوصاف ذکر کئے گئے (ٹوٹے والے) کیونکہ ان کا ٹھکانا جہنم ہے، جوان پر دائمی ہوگی۔

(کس طرح کافر ہوتے ہو) اے اہل مکہ (خدا تعالیٰ سے، حالانکہ تم بے جان تھے) یعنی باپ کے اندر بشکل نطفہ تھے (پھر جلایا تم کو) شکم مادر میں، اور دنیا میں، یعنی تمہارے اندر روح پھونکی، اور یہ استفہام اس بات پر اظہار تعجب کیلئے ہے کہ باوجود دلائل و براہین کے وہ کیونکر کفر میں مبتلا ہوتے ہیں، یا یہ کہ استفہام توبیخ کیلئے ہے، (پھر مارے گا تم کو) تم لوگوں کی عمر کے پورے ہوجانے کے وقت (پھر جلائے گا تم کو) دوبارہ اٹھا کر (پھر اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے) یعنی دوبارہ زندہ کئے جانے کے بعد اسی کے حضور واپس کئے جاؤ گے، پھر تمہارے اعمال کی تم کو جزا دے گا۔

کفار نے دوبارہ زندگی کا جب انکار کیا، تو اللہ تعالیٰ نے اس پر بطور دلیل کے یہ ارشاد فرمایا (وہی ہے جس نے پیدا کیا تمہارے واسطے، جو کچھ زمین میں ہے) یعنی خود زمین کو اور جو کچھ اس میں ہے (سب) تا کہ تم اس سے فائدہ حاصل کرو، اور تم کو نصیحت ہو، (پھر قصد کیا) زمین کے پیدا کرنے کے بعد (آسمان کی طرف، سو ٹھیک کر دیا ان کو) سَوّٰاهُنَّ میں هُنَّ جمع مؤنث کی ضمیر السماء کی طرف راجع ہے، کیونکہ وہ گو کہ لفظاً واحد ہے، مگر معنیً جمع ہے، کیونکہ بعد میں اسے جمع ہونا ہی ہے، سَوّٰاهُنَّ بمعنی صَيَّرَهُنَّ ہے، اسی معنی میں ایک دوسری جگہ فَقَضٰهُنَّ ہے، یعنی بنا دیا ان کو (سات آسمان اور خدا تعالیٰ ہر چیز سے باخبر ہے) اجمالاً بھی اور تفصیلاً بھی، تو کیا تمہیں سمجھ میں نہیں آتا کہ جو ذات ان چیزوں کو جو تم سے بڑی ہیں ابتداءً پیدا کرنے پر قادر ہے، وہ تمہیں دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہوگی۔

﴿تشریحات﴾

فی قولہ وان یسلبهم الذباب: سترہویں پارے میں سورۂ حج کی آیت کا حوالہ دیا ہے، آیت یہ ہے:

یاایها الناس ضرب مثل فاستمعوا له ان الذین تدعون من دون اللّٰه لن یخلقوا ذبابا ولو اجتمعوا له وان یسلبهم الذباب شیئا لا یستنقذوه منه، ضعف الطالب والمطلوب۔ (آیت: ۷۳)

اے لوگو سنو! ایک مثال بیان کی جاتی ہے خدا کو چھوڑ کر جن کو تم پکارتے ہو وہ ایک مکھی بھی نہیں پیدا کر سکتے، اگر چہ وہ سب اس کے واسطے اکٹھا ہو جائیں، اور اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے تو وہ اس سے چھڑا نہیں سکتے، طالب بھی کمزور اور مطلوب بھی کمزور۔

فی قولہ کمثل العنکبوت: بیسویں پارہ میں سورہ عنکبوت کی آیت: ۴۱ کا حوالہ ہے، آیت یہ ہے: مثل

الـذیـن اتـخـذوا مـن دون اللہ اولیـاء کمثل العنکبوت، اتخذت بیتا وان اوھن البیوت لبیت العـنـکبوت لو کانوا یعلمون ان لوگوں کی مثال جنھوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنا ولی بنا رکھا ہے، مکڑی کی طرح ہے، مکڑی نے ایک گھر بنایا ہے، اور سب سے کمزور گھر مکڑی کا گھر ہے، اگر وہ اسے جانتے۔

مـا أراداللہ بـذکـر ھذہ الاشیاء الخسیسة : یہ یہود و مشرکین کا قرآن کریم پر اعتراض تھا کہ، اگر یہ واقعی اللہ کی کتاب ہوتی، تو اس میں ان حقیر و خسیس چیزوں کا ذکر نہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کو ان معمولی اور گھٹیا چیزوں کو ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس کا جواب حق تعالیٰ نے دیا کہ چونکہ ان مثالوں میں حکمتیں ہیں، کہ ان سے بتوں کی بے بسی اور بے چارگی خوب واضح ہو جاتی ہے، اس لئے کوئی معنی نہیں کہ اللہ کے کلام میں محض اس وجہ سے ان مثالوں کو ترک کر دیا جائے کہ وہ گھٹیا چیزیں ہیں۔

مثـلا مفعول اول : ان یضرب بمعنی ان یجعل ہے، اور یہ متعدی بدو مفعول ہے، پہلا مفعول مثلاً ہے اور دوسرا مفعول ما ہے، جو نکرہ موصوفہ ہے اور اس کی صفت بعوضة فما فوقھا ہے۔

دوسرے یہ کہ مـــا کو زائد قرار دیا جائے۔ اس صورت میں یہ خست اور گھٹیا پن کی تاکید کیلئے ہوگا، لیکن ترکیب میں کچھ نہ ہوگا، مفعول ثانی اس وقت بعوضة فما فوقھا ہوگا۔

فـما فوقھا ای اکبر منھا : مچھر یا اس سے بڑی چیز، یہاں مفسر نے فما فوقھا سے مچھر سے بڑی چیز کو مراد لیا ہے، دوسرے لوگوں نے فـما فوقھا کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ وہ مچھر سے بھی زیادہ پست اور حقیر چیز ہو، یعنی وہ پستی اور حقارت میں مچھر سے بڑھ کر ہو۔

ای لا یترک بیانه : یہ لا یستحیی کی تفسیر ہے، بات یہ ہے کہ حیاء کا جو مفہوم عام طور سے اذہان میں ہے وہ ایک انقباضی کیفیت ہے، جو انسان کو برائیوں اور عیب کی چیزوں کے سلسلے میں لاحق ہوتی ہے، ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کی ان انفعالی صفات سے پاک ہیں، لیس کمثله شئی، اس لئے حیاء کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف کھلی بات ہے کہ اس مذکورہ بالا معنی میں تو نہیں ہو سکتی۔

تو مفسر نے اشارۃً بتایا کہ اس طرح کے انفعالات و تاثرات کا ایک مبدا ہوتا ہے، اور ایک منتہا مثلاً حیاء کا مبدأ تو طبیعت کا وہ انقباض و انفعال ہے، جو مذکور ہوا، مگر اس کا منتہا یہ ہے کہ جن کاموں سے یہ تغیر و انقباض پیدا ہوتا ہے، اسے آدمی ترک کر دیتا ہے، تو ابتداء حیاء کی انقباض ہے، اور انتہا ترک فعل ہے، حق تعالیٰ کی جناب میں حیاء کا معنی اپنی ابتداء کے لحاظ سے مناسب نہیں ہے، البتہ اپنی انتہاء کے اعتبار سے اس میں پایا جا سکتا ہے، یعنی وہ اس قسم کی مثالوں کو ترک نہیں فرماتے۔

الثابـت الـواقـع موقعه : یہ حق کی تفسیر ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے، حـق الامر یعنی ثبت، الـواقـع موقعه کا

مطلب یہ ہے کہ وہ عبث نہیں ہے۔ بلکہ حکمتوں اور اسرار و فوائد پر مشتمل ہے۔(جمل)

تــمـیـز : لفظ مثلاً تمیز ہے، اسم اشارہ ھـذا سے، کیونکہ اس کی نسبت میں ابہام ہے، اصل عبارت یوں ہوگی، **بھذا المثل**، اس مشارالیہ کو ترکیب میں تمیز بنا دیا۔

الـفـاسـقـیـن الـخـارجین عن طاعته : فسق کے معنی ہیں، طاعت و فرمانبرداری سے نکل جانا، یعنی نافرمان ہوجانا۔ اس کے تین درجے ہیں۔ پہلا درجہ تو یہ ہے کہ آدمی سرے سے طاعت کا منکر ہوجائے، یہ کفر ہے، دوسرے یہ کہ نافرمانیوں کا عادی ہوجائے، گو کہ منکر نہ ہو، تیسرے یہ کہ کبھی نافرمانی ہوجائے لیکن اس کو برا سمجھتا ہو۔

ما عهده الیهم فی الکتب : مفسر نے عہد اللہ سے امتوں اور بالخصوص یہود و نصاریٰ کا وہ عہد مراد لیا ہے جو اللہ نے کتب سماویہ میں ان سے لیا تھا، اور یہ عہد تھا جناب نبی کریم ﷺ پر ایمان لانے کا۔

مـن الایـمـان بـالنبی : وہ چیزیں جن کے جوڑنے اور ملانے کا اللہ نے حکم دیا ہے، اور جسے یہ فاسقین توڑتے ہیں، وہ مثال کے طور پر چند چیزیں ہیں، سب سے پہلی چیز تو یہ ہے کہ نبی ﷺ پر ایمان لائیں، دوسرے یہ کہ رشتہ داریوں کو جوڑے رکھیں، اس کے علاوہ مثلاً یہ کہ مومنین سے دلی تعلق رکھیں، سب رسولوں پر ایمان لائیں، ان میں تفریق نہ کریں۔

لـمـصیرھم الی النار الموبدة علیهم : سب سے بڑا خسارہ یہی ہے کہ آدمی جہنم میں گر جائے کہ پھر اس سے نکلنا نصیب نہ ہو۔

نـطفاً فی اصلاب آباء کم : یہ اموات کی تفسیر ہے، مردہ سے مراد نطفہ ہے، لیکن اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ میت تو اسے کہتے ہیں، جس میں زندگی کی صلاحیت ہو، اور وہ زندہ نہ ہو، اس لحاظ سے نطفہ تو ایک جماد ہے، اس میں زندگی کی صلاحیت معدوم ہوتی ہے، اسے میت کہنا بظاہر درست نہیں معلوم ہوتا، اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں مجازاً اسے میت کہا گیا ہے، کیونکہ آگے تقلبات میں اس میں زندگی کی صلاحیت پیدا ہوجائیگی، پس یہ مجاز ما یکون ہے، اور بعض لوگوں نے اسے تشبیہ قرار دیا ہے یعنی **کنتم کالاموات** (جمل)

اے الارض ومـا فیـهـا : آیت میں فرمایا گیا ہے کہ زمین میں جو کچھ ہے، وہ سب تمہارے لئے پیدا کیا گیا ہے، اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ خود زمین کی یہ شان نہیں ہے۔ اس کا جواب مفسر نے دیا کہ **مـا فی الارض جمیعاً** میں خود زمین بھی داخل ہے اس لئے انھوں نے **الارض وما فیها** کا اضافہ کیا ہے۔

لتـنـتفعوا به : یہ **خلق لکم** کی تعلیل ہے، اس اشارہ سے معلوم ہوا کہ **لکم** میں لام تعلیلیہ ہے، یعنی زمین اور جو کچھ زمین میں ہے، وہ سب اس غرض سے پیدا کیا گیا ہے کہ اس سے تم لوگ نفع اٹھاؤ اور اپنے لئے عبرت و نصیحت کا سرمایہ بھی فراہم کرو۔

ثــم استویٰ بـعـد خـلـق الارض ای قصد : استویٰ کے معنی یہاں قصد کے ہیں، یعنی زمین کو پیدا کرنے کے بعد حق تعالیٰ نے آسمان کو پیدا کیا، لیکن اس پر اشکال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے کہ **والارض بـعـد ذلک دحٰھا**، زمین کو آسمان کے بعد بچھایا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین کی تخلیق آسمان سے موخر ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ زمین کا مادہ آسمان سے پہلے پیدا کیا گیا، لیکن اس کو موجودہ صورت میں حق تعالیٰ نے آسمان کے بعد بنایا ہے۔

فسـواھـن الضمیر یرجع الی السماء: سوی ،اور صیر اورقضی ان تینوں کا مفہوم قریب ہی قریب ہے، یعنی بنانا، درست کرنا، یہ متعدی بدو مفعول ہے، ھن کی ضمیر **السماء** کی جانب ہے، لیکن **السماء** واحد ہے، اوراور ھن جمع کی ضمیر ہے، اس کا حل یہ ہے کہ **السماء** بروقت گو کہ واحد ہے مگر چونکہ یہ سات آسمان بننے والا ہے۔ اس لئے ما یکون کے اعتبار سے جمع ہے۔ جیسے آدمی حج کئے ہوئے نہیں ہوتا، مگر حج کی تیاری شروع کردیتا ہے، تو چونکہ آگے چل کر حاجی ہوجائیگا، اس لئے وہ پہلے ہی حاجی کہلانے لگتا ہے، اسی طرح گو کہ قصد کے وقت وہ جمع نہیں ہے، مگر جب بن کر مکمل ہوگا تو سات آسمان ہوں گے، اسی انتہا کے اعتبار سے یہ جمع کے معنی میں ہے۔ اور ھن کی ضمیر اس کی طرف راجع ہے۔

وھو بکل شئی علیم مجملاً ومفصلاً : علیم کے اندر اجمال وتفصیل کی تعمیم کر کے مفسر نے روافض اور معتزلہ کا رد کیا ہے، کیونکہ ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کو اشیاء کا اجمالی علم تو ہوتا ہے، مثلاً یہ کہ یہ شقی ہے، یا سعید، مگر اس کا تفصیلی علم اس کام کے انجام پا جانے کے بعد ہی ہوتا ہے، مثلاً یہ تو معلوم ہے کہ فلاں شخص شقی ہے، لیکن شقاوت کے کیا کیا افعال اس سے صادر ہوں گے یہ تفصیل اس کے ہوجانے کے بعد ہی معلوم ہوتی ہے۔ نعوذ باللہ، مفسر نے فرمایا کہ نہیں، ہر چیز کا اجمالی وتفصیلی علم بیک وقت اللہ کو حاصل ہے۔

﴿مضامین آیات وتفسیر﴾

اس سے پہلے دو رکوع میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی تین قسمیں بیان فرمائی تھیں، یہ تین قسمیں دعوت ایمان کو قبول کرنے نہ کرنے اور قرآن کریم پر ایمان لانے نہ لانے کے اعتبار سے کی گئی ہیں، گویا ایمان وقرآن ہی وہ بنیادی محور ہے، جس پر انسانوں کے گروہ منقسم ہوتے ہیں، یہ تین گروہ اہل ایمان، کفار، اور منافقین کے ہیں:

اب اسی محور پر تین بنیادی باتیں اور بیان کی جاتی ہیں، ایک اللہ کی وحدانیت وقدرت، دوسرے قرآن کا اللہ کی کتاب ہونا، تیسرے انسانوں کا خدا کے حضور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہوکر پہونچنا۔

انسان کا اصل فریضہ یہ ہے کہ ان تینوں باتوں کو اپنی زندگی کا محور ومقصد بنائے، اللہ تعالیٰ نے ان تینوں

باتوں کوایسے ترغیبی اور فطری وعقلی انداز میں بیان کیا ہے کہ فطرت سلیمہ خود بخود قبول کرتی چلی جائے۔ارشادفرمایا کہ:
اے لوگو! صرف اللہ ہی عبادت کرو، اور اس کی وحدانیت کو تسلیم کرو، جس نے تم کو بھی اور تمہاری اگلی پشتوں کو بھی پیدا کیا، اسی نے زمین کو بچھونا، اور آسمان کو چھت بنایا، اوپر سے پانی برسایا، زمین سے غذا برآمد کی، یہ سب تم کو معلوم ہے، تو اب اللہ کے ساتھ کسی کو شریک مت قرار دو۔
پھر اے لوگو! اگر تمہیں قرآن کے بارے میں شبہہ ہے کہ معلوم نہیں اللہ نے اتارا ہے، یا پیش کرنے والے نے خود ہی تصنیف کیا ہے؟ تو آسان بات ہے، تم بھی فصیح ہو، اہل عرب ہو، ایک سورہ اسی جیسی تصنیف کر کے پیش کر دو، جو ایسی ہی فصیح و بلیغ ہو، اس کی عبارت بھی ایسی ہی خوبصورت اور برمحل ہو، اور وہ بھی اسی کی طرح ترجمان غیب ہو، اور اس سلسلے میں خدا کے علاوہ جن کو تم خدا مانتے ہو، انھیں بھی مدد کیلئے بلا لو، لیکن یاد رکھو، یہ بات تم سے ہرگز نہ ہو سکے گی۔ تب تو تم کو اس کے خطرناک انجام...... جہنم...... سے ڈرنا چاہئے، جانتے ہو، وہ جہنم کیا ہے؟ ایسی آگ ہے جس میں جلانے کیلئے آدمی اور پتھر استعمال ہوں گے، اور وہ کافروں کیلئے ہی بنائی گئی ہے۔
اس کے بالمقابل جو لوگ اسے سچے دل سے مانیں گے، اور تعمیل احکام کریں گے، انھیں جنت کی بشارت ہے، جنت کیا ہے؟ ایسے باغ جن کے درختوں اور محلوں کے نیچے جا بجا نہریں بہتی ہیں، انھیں جانے پہچانے پھل عطا کئے جائیں گے، جن سے انھیں مسرت حاصل ہوگی، وہاں انھیں خوبصورت اور پاکیزہ بیویاں بھی ملیں گی اور سب سے بڑی نعمت یہ کہ وہ ان نعمتوں میں ہمیشہ زندہ رہیں گے۔
اور اگر تم کو یہ شبہہ ہے کہ قرآن جب اللہ کا کلام ہے تو اس میں مکھی مچھر جیسی گھٹیا اور خسیس چیزوں کی مثال کیوں آئی ہے؟ اس سے شبہہ ہوتا ہے کہ شاید اللہ کا کلام نہ ہو؟ تو سنو کہ حکمت کی بات جہاں سے بھی اور جیسے بھی سمجھائی جا سکتی ہو، سمجھائی جائیگی، بات سمجھانے کیلئے متکلم اپنی بلندی سے بولے گا تو کون سمجھے گا، وہ تمہاری پستی پر نگاہ کر کے بول رہا ہے تا کہ تم سمجھ جاؤ، جو لوگ مان چکے ہیں، تو وہ خوب سمجھتے ہیں کہ جو کچھ کہا گیا ہے، وہ برحق ہے، اور جو لوگ انکار پر ہی تلے ہوئے ہیں، انھیں بس یہی آتا ہے کہ اللہ نے یہ کیوں بیان کیا؟ وہ کیوں بیان کیا؟ ان کا مقصد صرف چون و چرا ہے، تشکیک وارتیاب ہے تو سن لو کہ اسی قرآن کو سن اور پڑھ کر بہت سے لوگ راہ سے منحرف ہو جاتے ہیں، اور بہت سے لوگ راہ راست پر آ جاتے ہیں، اور منحرف کون ہوتا ہے؟ وہی جس کی طبیعت میں انحراف وطغیان ہو جن کا کام ہی یہ ہے کہ اللہ سے بھی عہد کر لیں تو اسے توڑ دیں اور طبیعت کے فساد کا یہ عالم ہے کہ جو چیزیں انھیں جوڑنی چاہئے اسے توڑتے رہتے ہیں، اور زمین میں خرابی پیدا کرتے رہتے ہیں، ان کا انجام بس خسارہ ہی خسارہ ہے۔
اور رہی آخرت کی بات! تو اس کا انکار تم سے کیونکر بن پڑتا ہے، تم کو معلوم ہے کہ تم اپنی ابتداء میں بے

جان تھے، اللہ نے جان ڈال دی، پھر جان کو نکال لیتا ہے، اتنا تو روز کا تمہارا مشاہدہ ہے، پھر کیا تعجب ہے کہ جان نکالنے کے بعد دوبارہ جان ڈالے اور اپنے پاس بلالے، اور ذرا آگے بڑھ کر دیکھو، زمین اور زمین کی سب چیزیں تمہارے واسطے پیدا کیں، پھر سات آسمان بنادیئے، اور وہ ہر چیز سے باخبر ہے، جو ذات اتنی مخلوقات کو عدم سے وجود بخشتی ہے، اس کے سلسلے میں تمہیں یہ سمجھ میں کیوں نہیں آتا ہے کہ وہ دوبارہ تمہیں پیدا کرسکتی ہے، اتنی واضح بات کا انکار اور کفر تم سے کیوں کر بن پڑتا ہے۔

☆☆☆☆☆

﴿وَ﴾ اذکر یا محمد ﴿اِذْقَالَ رَبُّکَ لِلْمَلائِکَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً﴾ یخلفنی فی تنفیذ احکامی فیها وهو آدم ﴿قَالُوْا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَن یُّفْسِدُ فِیْهَا﴾ بالمعاصی ﴿وَیَسْفِکُ الدِّمَاءَ﴾ یریقها بالقتل کما فعل بنو الجان و کانوا فیها فلما افسدوا ارسل الله إلیهم الملائکة فطردوهم الی الجزائر والجبال ﴿وَنَحْنُ نُسَبِّحُ﴾ متلبسین ﴿بِحَمْدِکَ﴾ ای نقول سبحان الله و بحمده ﴿وَنُقَدِّسُ لَکَ﴾ ننزهک عما لا یلیق بک فاللام زائدة والجملة حال ای فنحن احق بالاستخلاف ﴿قَالَ﴾ تعالیٰ ﴿اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ من المصلحة فی استخلاف آدم وان ذریته فیهم المطیع والعاصی، فیظهر العدل بینهم فقالوا لن یخلق ربنا خلقا اکرم علیه منا ولا اعلم لسبقنا له و رؤیتنا مالم یره فخلق تعالیٰ آدم من ادیم الارض ای وجهها بان قبض منها قبضة من جمیع الوانها ،و عجنت بالمیاه المختلفة و سوّاه و نفخ فیه الروح فصار حیوانا حساسا بعد ان کان جماداً ﴿وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَاءَ﴾ ای اسماء المسمیات ﴿کُلَّهَا﴾ حتی القصعة والقصیعة والفسوة والفسیة والمعرفة بان القی فی قلبه علمها ﴿ثُمَّ عَرَضَهُمْ﴾ ای المسمیات وفیه تغلیب العقلاء ﴿عَلَی الْمَلائِکَةِ فَقَالَ﴾ لهم تبکیتا ﴿اَنْبِئُوْنِیْ﴾ اخبرونی ﴿بِأَسْمَاءِ هٰؤُلَاءِ﴾ المسمیات ﴿اِنْ کُنْتُمْ صَادِقِیْنَ﴾ فی انی لا اخلق اعلم منکم أو انکم احق بالخلافة وجواب الشرط دل علیه ما قبله ﴿قَالُوْا سُبْحَانَکَ﴾ تنزیها لک عن الاعتراض علیک ﴿لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا﴾ ایاه ﴿اِنَّکَ اَنْتَ﴾ تاکید للکاف ﴿الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ﴾ الذی لایخرج شئی عن علمه و حکمته ﴿قَالَ﴾ تعالیٰ ﴿یَا آدَمُ اَنْبِئْهُمْ﴾ ای الملائکة ﴿بِأَسْمَائِهِمْ﴾ ای المسمیات فسمّٰی کل شئی باسمه و ذکر حکمته التی خلق لها ﴿فَلَمَّا اَنْبَأَهُمْ بِاَسْمَاءِهِمْ قَالَ﴾ تعالی لهم موبخاً ﴿اَلَمْ اَقُل لَّکُمْ اِنِّیْ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰاتِ وَالْاَرْضِ﴾ ما غاب فیهما ﴿وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ﴾ تظهرون من قولکم أتجعل فیها الخ ﴿وَمَا

كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴾ تسرون من قولكم لن يخلق الله اكرم عليه منا ولا اعلم ۔

﴿ تـــرجمـــہ ﴾

(اور) یاد کرواے محمد (جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں بنانے والا ہوں زمین میں ایک نائب) اس میں میرے احکام کو نافذ کرنے کیلئے میرا نائب ہوگا، اور وہ آدم ہیں (کہا فرشتوں نے آپ زمین پر ایسی مخلوق کو متعین کریں گے، جو اس میں فساد کرے) گناہوں کے باعث (اور خون بہائے) قتل سے جیسا کہ جنات کی اولاد نے کیا تھا، وہ زمین میں تھے پھر جب انھوں نے فساد برپا کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اوپر فرشتوں کو بھیجا، فرشتوں نے انھیں جزائر اور پہاڑوں کی طرف ہانک دیا (اور ہم پڑھتے رہتے ہیں آپ کی پاکی، آپ کی خوبیوں کے بیان کے ساتھ) یعنی **سبحان الله و بحمده** پڑھتے ہیں (اور یاد کرتے ہیں آپ کی پاک ذات کو) یعنی جو چیزیں آپ کی شان کے مناسب نہیں ہیں، ان سے ہم آپ کی پاکی بیان کرتے ہیں، **لک** میں لام زائد ہے، اور **و نحن نسبح الخ** کا جملہ حال ہے، ان کا مطلب یہ تھا کہ خلافت کے حق دار زیادہ ہم ہیں (فرمایا) اللہ تعالیٰ نے (بیشک مجھ کو وہ معلوم ہے جو تم نہیں جانتے) یعنی جو مصلحت آدم کے خلیفہ بنانے میں ہے، اور یہ کہ ان کی اولاد میں فرمانبردار و نافرمان دونوں طرح کے لوگ ہوں گے اس سے ان میں عدل کا ظہور ہوگا، یہ باتیں مجھے معلوم ہیں، تم نہیں جانتے، اس پر فرشتوں نے کہا کہ خیر ہمارا رب اپنے دربار میں ہم سے زیادہ معزز اور ہم سے بڑھ کر عالم، مخلوق نہیں پیدا کرے گا، کیونکہ ہم اس سے سابق ہیں، اور ہم نے وہ چیزیں دیکھی ہیں جو اس نے نہیں دیکھی ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے زمین کی سطح سے اس کے تمام رنگوں سے ایک مٹھی لی، اور اسے مختلف پانیوں میں گوندھ دیا، اور اس کا ڈھانچہ ترتیب دیا، پھر اس میں روح پھونک دی۔ پھر وہ ایک جاندار حساس آدمی بن گیا، اس سے پہلے وہ ایک جماد تھا (اور سکھلائے آدم کو نام) یعنی اشیاء کے نام (سب) یہاں تک کہ قصعہ (بڑا پیالہ) اور قصیعہ (چھوٹا پیالہ) اور **فسوة** اور **فسية**......ریح خارج ہونے کی ہلکی آواز کا نام......اور ڈوئی۔ وہ سکھانا اس طرح ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سب نام ان کے دل میں ڈال دیئے (پھر سامنے کیا ان سب چیزوں کو فرشتوں کے پھر فرمایا) بطور تبکیت کے (بتاؤ مجھ کو نام ان چیزوں کے اگر تم سچے ہو) اس بارے میں کہ تم سے بڑھ کر عالم کو نہیں پیدا کروں گا، اور یہ کہ تم لوگ خلافت کے زیادہ حقدار ہو، اور شرط کے جواب پر ماقبل کا لفظ دلالت کرتا ہے (انھوں نے کہا پاک ہیں آپ) یعنی آپ پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا (ہم کو تو معلوم نہیں، مگر جتنا آپ نے ہم کو سکھایا، بیشک آپ ہی ہیں اصل جاننے والے حکمت والے) آپ کے علم و حکمت سے کوئی چیز باہر نہیں ہے۔ **انت**، **کاف** کی تاکید ہے (فرمایا) اللہ تعالیٰ نے (اے آدم بتادے ان) فرشتوں (کو ان) چیزوں (کے نام) پس انھوں نے ہر شے کا نام اور اس کی تخلیق کی حکمت بتادی (پھر جب بتادیئے اس نے ان کے نام تو فرمایا) ان سے بطور توبیخ کے (کیا نہ

کہا تھا میں نے تم کو کہ میں خوب جانتا ہوں چھپی ہوئی چیزیں آسمانوں کی اور زمین کی، اور میں جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو) یعنی تمہاری یہ بات کہ **اتجعل فیھا** الخ (اور جو چھپاتے ہو) یعنی تمہاری یہ بات کہ **لن یخلق اللہ اکرم علیہ منا ولا اعلم .**

﴿تشریحات﴾

واذکر یا محمد اذ : مفسر نے **اذ** ظرفیہ کا محل اعراب بتایا ہے کہ یہاں **اذکر** محذوف ہے، اور **اذ** اسی کا مفعول فیہ یعنی ظرف زمان ہے۔

یخلفنی فی تنفیذ احکامی : اللہ تعالیٰ نے جس کو خلیفہ بنانے کا اعلان کیا، اس کا کام مفسر ذکر کرتے ہیں کہ وہ زمین میں اللہ تعالیٰ کے احکام کو نافذ کرنے اور نافذ کرانے میں اللہ کا نائب ہوگا۔ یعنی اس کا منصب یہ ہوگا کہ اللہ کے احکام کو زمین میں نافذ کرنے کا اہتمام و انتظام کرے، یہ خلیفہ جس کے بنانے کا اللہ نے اعلان فرمایا، آدم علیہ السلام ہیں۔ اور پھر ان کے واسطے سے تمام اولاد آدم۔

قالو اتجعل فیھا من یفسد فیھا : فرشتوں کا یہ قول بر بنائے اعتراض نہ تھا، فرشتے حق تعالیٰ پر اعتراض کرنے بلکہ ہر گناہ سے معصوم ہیں، ان کے بارے میں اس کا تصور بھی نہیں ہوسکتا، انھوں نے یہ بات یا تو اس لئے کہی کہ منجانب اللہ اس کا انھیں علم تھا، یا اس سے پہلے جو مخلوق تھی وہ اس کا کارنامہ یہی فساد دیکھ چکے تھے، اس پر قیاس کرکے کہا، اور سوال کی مصلحت شاید یہ رہی ہو کہ حق تعالیٰ اس حکمت کو ظاہر فرمادیں، جس کی بنا پر اس فساد فی الارض اور خونریزی کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنی خلافت و نیابت سے سرفراز فرمانے کا فیصلہ فرمایا، ضرور اس میں کسی خوبی اور کمال کا وصف پایا جاتا ہوگا، اور یہ جو ہم نے عرض کیا کہ اگلی مخلوق پر قیاس کیا ہوگا، اس کی جانب سے مفسر نے **کما فعل بنو الجان وکانوا فیھا** کہہ کر اشارہ کیا ہے۔

انسانوں سے پہلے اس سرزمین پر اولاد جان کی آبادی تھی، جان کا رتبہ جنات میں وہی تھا، جو آدمیوں میں آدم علیہ السلام کا ہے، بعض لوگوں نے کہا ہے کہ وہ ابلیس ہے، بعض دوسرے حضرات نے فرمایا کہ کوئی دوسرا ہے، جسے ابوالجان کہا جاتا ہے، اور ابلیس تو ابوالشیاطین ہے (جمل) ان لوگوں نے جب زمین میں فساد مچایا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر فرشتوں کو بھیجا، فرشتوں نے بہتوں کو ختم کردیا، اور جو بچے انھیں سمندروں کے درمیان جزائر میں اور پہاڑیوں کی طرف رگید دیا۔

فاللام زائدۃ: نقدس لک میں لام زائد ہے، اور کاف مفعول بہ ہے، یعنی **نقدسک**، مشہور مفسر ابوحیان نے فرمایا ہے کہ بہتر یہ ہے کہ اس لام کو فعل کا متعدی بنانے والا قرار دیا جائے جیسے **یسبح للہ** میں ہے۔ (جمل)

والجملۃ حال : یعنی **و نحن نسبح بحمدک ونقدس لک** کا جملہ حال ہے۔ تسبیح و تقدیس دونوں کا

معنی بظاہر ایک معلوم ہوتا ہے، تو اس جگہ دونوں کو جمع کرنیکی کیا مصلحت ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ تسبیح کا تعلق طاعات وعبادات سے ہے، خواہ قولی ہوں یا بدنی، اور تقدیس کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور اس کے افعال کے معارف اور ان کی معرفت سے ہے یعنی ان چیزوں میں غور وتامل کرنے سے **کما هو مبسوط فی الاحیاء** (جمل)

اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ جو مصلحت ہے، وہ میں جانتا ہوں، تم نہیں جانتے، حق تعالیٰ کی طرف سے یہ حاکمانہ جواب ہے، مفسر نے ایک مصلحت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

وان ذریته فیهم المطیع والعاصی : آدم علیہ السلام کی اولاد میں مطیع ونافرمان دونوں طرح کے لوگ ہوں گے، اس سے حق تعالیٰ کی صفت عدل کا ظہور ہوگا، ورنہ فرشتے چونکہ معصوم ہیں، ان پر بجز فضل کے عدل کے ظہور کا کیا موقع ہے۔ اور یہ کتنی بڑی مصلحت ہے کہ حق تعالیٰ کی ایک صفت کاملہ کا یہ انسان مظہر بنے۔

فقالوا الن یخلق ربنا الخ : یہ بات فرشتوں نے اپنے دل میں سوچی، یا اس کا ذکر آپس میں خفیہ طور سے کیا، آگے چل کر مفسر نے **وما كنتم تكتمون** کا مصداق اسی قول کو قرار دیا ہے۔

علم آدم السماء ای اسماء المسمیات : آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے حضرت مفسر کے بیان کے مطابق سطح زمین سے ایک مٹھی لے کر دنیا کے مختلف پانیوں سے اسے گوندھ دیا، مٹی بھی ہر رنگ کی، اور پانی بھی ہر علاقے کا، پھر ان کا پتلہ تیار کیا، اور اس میں روح پھونک کر جیتا جاگتا انسان بنا دیا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے انھیں تمام نام سکھائے، اللہ نے الاسماء فرمایا ہے، جن کے معنی نام کے ہیں کس کے نام انھیں سکھائے، اسے حق تعالیٰ نے ظاہر نہیں فرمایا، مفسر نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کی روشنی میں فرمایا کہ **اسماء المسمیات**، یعنی دنیا کی چیزوں کے نام سکھائے، **حتی القصعه والقصیعة**، ان ناموں کی تعلیم اتنی مکمل تھی کہ چھوٹے بڑے پیالوں اور بغیر آواز کے ریح خارج ہونے کے نام تک سکھا دیئے، اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو یہ نام کس طرح تعلیم کئے؟ اس کا جواب مفسر نے دیا کہ **بان القی فی قلبه علمها** ۔ یعنی یہ چیزیں آدم علیہ السلام کے سامنے آتی گئیں، اور اللہ تعالیٰ ان کے ناموں کو حضرت آدم علیہ السلام کے دل میں اتارتے گئے، دل میں ناموں کے القا کرنے سے ایک بات اور سمجھ میں آئی کہ آدم علیہ السلام کے دل میں ان چیزوں کے علم کی استعداد وصلاحیت تھی، اس لئے یہ نام بے تکلف ان کے ذہن میں آتے گئے، اور بیٹھتے گئے، استعداد کا یہی خاصہ ہے، اس کے برخلاف فرشتے نوری مخلوق ہونے کی وجہ سے ان زمینی چیزوں کو اور ان کے ناموں کو معلوم کرنے اور انھیں یاد رکھنے کی استعداد سے برکنار تھے، اور ظاہر ہے کہ خلافت ارضی کا انحصار علم پر ہے، ورنہ علم ہی نہ ہوگا تو کاروبار خلافت کیونکر سنبھلے گا۔

ثم عـرضهـم اے الـمسميـات : پھر اللہ نے ان کو یعنی ان اسماء کے مسمیات (چیزوں) کو فرشتوں کے سامنے رکھا، ھم ضمیر جمع کا مرجع المسميات ہے، جو اسماء کے ضمن میں سمجھا گیا ہے، کیونکہ اسماء کے ساتھ مضاف الیہ المسمیات مقدر مانا گیا ہے، ضمیر اسی کی طرف لوٹتی ہے۔

وفيـه تغليب العقلاء: یہاں سوال یہ ہے کہ ان اشیاء میں عاقل اور غیر عاقل دونوں ہیں، عاقل کی رعایت کی جائے تو ضمیر ھم کی لائی جائے گی، اور غیر عاقل کا لحاظ کیا جائیگا تو ھا یا ھن کی ضمیر لائی جائیگی، مفسر نے فرمایا کہ یہاں غیر عاقل کو عاقل کے تحت لا کر سب کیلئے ضمیر عاقل ھم لائی گئی، اس طریقہ عمل کو تغلیب کہتے ہیں۔

ان كنتم صادقين في انى لا اخلق الخ : اے فرشتو! اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ تم سے زیادہ دوسرا کوئی جانکار نہ ہوگا، اور یہ کہ تم خلافت کا زیادہ استحقاق رکھتے ہو تو ان ناموں کی خبر دو۔

جـواب الشـرط دل عـلیه ما قبله ان كـنتم صادقين شرط ہے، اس کی جزاء لفظوں میں موجود نہیں، کیونکہ اس سے پہلے انبئونی آچکا ہے، جزاء پر یہی لفظ قرینہ ہے، کیونکہ اگر جزا آتی تو اسی لفظ سے آتی، وہ چونکہ پہلے آچکا ہے، اس لئے یہاں سے حذف کر دیا گیا۔

سبـحـانک لا علم لنا : یہ فرشتوں کی طرف سے ان کے عجز اور قصور کا اعتراف ہے، اور اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ان کا سابقہ سوال بطور استفسار کے تھا، بطور اعتراض کے نہ تھا اور اسی سے ان پر انسان کی فضیلت اور اس کی تخلیق کی حکمت سے بھی واقفیت ہوگئی۔ پھر انھوں نے انتہائی ادب کی رعایت کرتے ہوئے اپنے تمام تر علم کو اصل سرچشمہ علم پر محول کر دیا۔

سبـحـان مصدر ہے، یہ ہمیشہ حالت نصب میں مضاف بن کر استعمال ہوتا ہے، اور اس کا فعل محذوف ہوتا ہے، اس طرح یہ ترکیب میں مفعول مطلق ہوتا ہے، اسی کے مثل **معاذ الله** بھی ہے۔

سبحانک سے کلام کا آغاز کرنا حسن معذرت ہے سوال کی معذرت، حقیقت حال سے عدم واقفیت کی معذرت، یہ درحقیقت ''کلید در توبہ'' ہے، چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے بھی اسی لفظ سے آغاز کیا اور فرمایا **سبـحـنـک تبت اليک**، حضرت یونس علیہ السلام نے بھی عرض کیا **سبحـنـک انی کنت من الظالمين** (جمل)

ما علمتنا اياه : ضمیر **اياه** ما کی جانب راجع ہے، اور **علمت** کا مفعول ثانی ہے۔

آدم : عجمی اسم ہے، کسی مادہ سے مشتق نہیں ہے، اشتقاق کا دعویٰ اس میں قرین صواب نہیں ہے، کیونکہ عجمی اسماء مشتق نہیں ہوا کرتے۔

فسـمـىٰ كل شئی باسمهٖ : فرشتوں نے جب اپنے عجز و قصور کو تسلیم کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو حکم دیا کہ تم فرشتوں کو ان چیزوں کے نام بتاؤ، حضرت آدم علیہ السلام نے تمام چیزوں کے نام اور جس مقصد کیلئے وہ

پیدا کی گئی ہیں، سب بتایا، اس طرح حضرت آدم علیہ السلام فرشتوں کیلئے بمنزلہ معلم واستاذ کے ہو گئے۔

قال تعالیٰ لھم موبخاً: اللہ تعالیٰ نے بطور توبیخ کے فرمایا: یعنی انھیں اس بات پر تنبیہ فرمائی کہ اولیٰ تو یہ تھا کہ وہ لوگ سوال نہ کرتے اور انتظار کرتے تا آنکہ خود بخود حکمت واضح ہو جاتی، اور اگر کرنا تھا تو سوال کا ایسا انداز نہ اختیار کرتے جو بظاہر اعتراض معلوم ہوتا ہے۔

ما غاب فیھا : یہ لفظ غیب کی تفسیر ہے، غیب اسم مصدر ہے اور غائب کے معنی میں ہے۔

ما تبدون : سے مراد فرشتوں کا قول ہے کہ **اتجعل فیھا من یفسد فیھا و یسفک الدماء**

وما کنتم تکتمون : سے مراد ان کا یہ قول کہ **لن یخلق الله اکرم علیه منا و لا اعلم۔**

☆☆☆☆☆

﴿وَ﴾ اذکر ﴿ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلائِکَةِ اسْجُدُوْا﴾ سجود تحیة بالانحناء ﴿فَسَجَدُوا اِلَّا اِبْلِیْسَ﴾ هو ابوالجن کان بین الملائکة ﴿ اَبٰی﴾ امتنع من السجود ﴿ وَاسْتَکْبَرَ﴾ تکبر وقال انا خیر منه ﴿وَکَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ﴾ فی علم الله ﴿ وَقُلْنَا یٰآدَمُ اسْکُنْ اَنْتَ﴾ تاکید للضمیر المستتر لیعطف علیه ﴿وَزَوْجُکَ ﴾ حواء بالمد وکان خلقها من ضلعه الایسر ﴿الْجَنَّةَ وَکُلَا مِنْهَا﴾ اکلا ﴿رَغَداً﴾ واسعا لا حجر فیه ﴿ حَیْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ﴾ بالاکل منها وهی الحنطة أو الکرم أو غیرهما﴿فَتَکُوْنَا﴾ فتصیرا﴿ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴾ العاصین ﴿فَاَزَلَّهُمَا الشَّیْطٰنُ﴾ابلیس اذهبهما و فی قراء ة فازالهما نحاهما ﴿ عَنْهَا﴾ ای الجنة بان قال لهما هل ادلکما علی شجرة الخلد و قاسمهما باللّٰه انه لهما لمن الناصحین فاکلا منها﴿ فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا کَانَا فِیْهِ﴾ من النعیم ﴿ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا ﴾الی الارض اے انتما بما اشتملتما علیه من ذریتکما ﴿بَعْضُکُمْ﴾ بعض الذریة ﴿لِبَعْضٍ عَدُوٌّ﴾ من ظلم بعضهم بعضا﴿ وَلَکُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ﴾ موضع قرار ﴿ وَمَتَاعٌ﴾ ما تمتعون به من نباتها ﴿ اِلٰی حِیْنٍ﴾ وقت انقضاء آجالکم ﴿ فَتَلَقّٰی آدَمُ مِنْ رَبِّهٖ کَلِمَاتٍ﴾ الهمه ایاها وفی قرأة بنصب آدم و رفع کلمات اے جاء ته وهی (رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا الآیة) فدعا بها ﴿ فَتَابَ عَلَیْهِ﴾ قبل توبته ﴿ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ ﴾ علی عباده ﴿ الرَّحِیْمُ ﴾ بهم ﴿ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا ﴾ من الجنة ﴿جَمِیْعاً﴾ کرره لیعطف علیه ﴿فَاِمَّا﴾ فیه ادغام نون ان الشرطیة فی ما الزائدة ﴿ یَاْتِیَنَّکُمْ مِنِّیْ هُدًی﴾ کتاب و رسول ﴿ فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ﴾ فاٰمن بی وعمل بطاعتی ﴿ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴾ فی الآخرة بان یدخلوا الجنة ﴿ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَکَذَّبُوْا بِآیَاتِنَا ﴾ کتبنا

﴿اُولٰئِکَ اَصۡحَابُ النَّارِ هُمۡ فِيۡهَا خَالِدُوۡنَ﴾ ماکثون ابداً لا یفنون ولا یخرجون۔

﴿ تـــرجمـــہ ﴾

(اور) یاد کرو اس وقت کو (جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو) یعنی سجدہ تعظیمی جو محض جھک جانے سے ہوتا ہے (پس انھوں نے سجدہ کیا بجز ابلیس کے) وہ جن کا بابائے اول ہے، جو فرشتوں کے درمیان رہتا تھا (انکار کیا) سجدے سے باز رہا (اور تکبر کیا) اور کہا کہ میں اس سے بہتر ہوں (اور وہ) اللہ کے علم میں (کافروں کی قبیل سے تھا، اور ہم نے کہا اے آدم تم) ضمیر انت اس ضمیر کی تاکید ہے، جو اسکن میں پوشیدہ ہے، اور یہ تاکید اس لئے ہے کہ زوجک کا عطف اس پر کرسکیں (اور تمہاری بیوی) حواء الف ممدودہ کے ساتھ، انھیں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی دائیں پسلی سے پیدا کیا تھا (جنت میں رہو سہو اور اس میں جو چاہو آزادی کے ساتھ کھاؤ) رغـــداً کے معنی وسعت کے ساتھ، جس میں کسی طرح کی رکاوٹ نہیں ہے (اور اس درخت کے قریب مت جانا) یعنی کھانے کیلئے، وہ گیہوں تھا یا انگور تھا، یا کچھ اور (پس تم ظالموں) گنہگاروں کے زمرہ (میں ہوجاؤ گے، پھر شیطان نے ان کو بچلا دیا) یعنی ابلیس نے انھیں بہکا دیا اور ایک قرأت میں فازالھما باب افعال سے ہے یعنی ہٹا دیا (اس سے) یعنی جنت سے، اس نے ان دونوں سے کہا کہ کیا میں تمہیں حیات دوام کا درخت نہ بتادوں اور اس نے اللہ کی قسم کھائی کہ وہ ان کا بڑا خیر خواہ ہے، اس پر ان دونوں نے اسے کھالیا (چنانچہ اس نے ان دونوں کو ان) نعمتوں (سے نکال دیا جن میں وہ تھے، اور ہم نے کہا کہ) زمین پر تم دونوں اپنی اس اولاد سمیت، جو تمہارے ضمن میں ہیں (اتر جاؤ، تم میں کے بعض) یعنی بعض اولادیں (بعض کے دشمن ہوں گے) کیونکہ ایک دوسرے پر ظلم کریں گے (اور تمہارے لئے زمین میں جائے قرار ہے، اور سامان نفع ہے) جس سے تم فائدہ اٹھاؤ گے یعنی زمین کی پیداوار سے (ایک وقت تک) یعنی تمہاری عمروں کے اختتام تک (پس پالیا آدم نے اپنے رب کی جانب سے چند کلمات) اللہ نے انھیں یہ کلمات الہام فرمائے اور ایک قرأت میں آدم کے نصب اور کلمات کے رفع کے ساتھ ہے، اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ آدم کے پاس ان کے رب کی طرف سے کچھ کلمات پہونچے وہ کلمات یہ ہیں، ربنا ظلمنا انفسنا ان لم تغفر لنا وترحمنا لنکونن من الخاسرین ان کلمات کے ذریعہ آدم نے دعا کی (پس اللہ نے ان پر مہربانی فرمائی) یعنی ان کی توبہ قبول فرمائی (بلاشبہ وہ) اپنے بندوں پر (مہربانی فرمانے والے ہے، ان پر (رحم فرمانے والے ہیں ٥ ہم نے کہا کہ اس سے) یعنی جنت سے (سب اتر جاؤ) اس کو مکرر اس لئے ذکر کیا، تاکہ اس پر فاما یاتینکم کا عطف کرسکیں (پس اگر) اما میں ان شرطیہ کے نون کا ما زائدہ میں ادغام ہے (تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت) یعنی کتاب اور رسول (آئے تو جو کوئی میری ہدایت کی پیروی کرے گا) یعنی مجھ پر ایمان لائے گا، اور میری اطاعت کرے گا (

تو ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے) آخرت میں ، کیونکہ وہ جنت میں داخل ہوں گے (اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں) یعنی کتابوں (کی تکذیب کی ،تو یہی لوگ اہل جہنم ہیں ، اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے) نہ کبھی فنا ہوں گے اور نہ اس سے نکل پائیں گے۔

﴿تشریحات﴾

سجود تحیة : اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے روبرو سجدہ کریں، سجدہ کے معنی کسی کے سامنے محبت و تعظیم کے ساتھ ذلت و پستی اختیار کرنے اور جھکنے کے ہیں، شریعت کی اصطلاح میں عبادت کے طور پر زمین پر سر رکھنے کو سجدہ کہتے ہیں، عبادت بجز خدا کے کسی اور کی جائز نہیں ہے، اس لئے یہ سجدہ عبادت نہیں ہوگا، سجدہ تعظیمی ہوگا، اسی کو مفسر نے سجود تحیۃ کہا ہے، یہ سجدہ صرف قدرے جھک جانے سے حاصل ہو جائیگا۔ زمین پر سر رکھنا ضروری نہیں ہے۔لیکن شریعت محمدیہ نے اسے بھی منسوخ کر دیا ہے، اس کے بجائے سلام کو متعین کیا ہے۔

تحیة: مصدر ہے حیّا یحیّ کے معنی زندگی کی دعا کرنا۔

ابلیس : یہ نام عجمی ہے عجمہ اور علمیت کی وجہ سے غیر منصرف ہے، بعض لوگوں نے اسے عربی قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ **ابلاس** سے مشتق ہے، جس کے معنی مایوس ہونے کے ہیں چونکہ ابلیس رحمت حق سے مایوس ہے، اس لئے اس کا نام ابلیس پڑ گیا، لیکن عربی ہونے کی صورت میں اسے منصرف ہونا چاہئے۔

هو ابو الجن كان بين الملائكة : وہ جن کی اصل ہے، یہ تنہا ایک غیر جنس، فرشتوں کے درمیان رہا کرتا تھا، اس لئے تغلیباً اسے فرشتوں میں شامل قرار دے کر اس کا استثناء کیا گیا، اور اسی بنا پر یہ حکم سجود میں بھی داخل تھا۔ بعض حضرات نے اسے فرشتوں ہی کا ایک فرد قرار دیا ہے، مگر غالباً یہ خلاف صواب ہے۔

(ابی) امتنع من السجود : اباء کسی ایسے کام سے انکار کو کہتے ہیں جس میں اپنی ذلت محسوس ہوتی ہو۔

وكان من الكافرين في علم الله : وہ انکار سجدہ سے پہلے ہی کافر تھا، اس پر سوال ہوتا ہے کہ پہلے تو وہ بڑا عابد و زاہد تھا، کافر نہ تھا، کافر تو اب ہوا ہے جب سجدہ سے انکار کیا، اس کا جواب مفسر نے فی علم اللہ کہہ کر دیا کہ اللہ کے علم میں وہ پہلے ہی سے کافر تھا، بعض لوگوں نے **کان** کو یہاں **صار** کے معنی میں قرار دیا ہے۔

اسكن انت وزوجك: **اسکن** میں مخاطب کی ضمیر پوشیدہ ہے اور قاعدہ ہے کہ ضمیر مستتر پر اسم ظاہر کا عطف درست نہیں ہے اور اگر عطف لانا مقصود ہو تو اس ضمیر مستتر کو ضمیر منفصل کی شکل میں ظاہر کر دیتے ہیں ، اور ضمیر منفصل اسم ظاہر کے حکم میں ہے۔ اب اس پر عطف کرنا صحیح ہے، اس لحاظ سے **انت** پر **زوجک** کا عطف ہو رہا ہے، کسی لفظ کے مکرر لانے کو تاکید کہتے ہیں۔

رغداً : رغد یرغد باب کرم سے کشادہ ہونا۔

لاتقربا هذه الشجرة بالاكل منها : **بالاكل** ،**لاتقربا** سے متعلق ہے،مطلب یہ اس کے قریب جانا، مطلقاً ممنوع نہیں بلکہ کھانے کے واسطے قرب سے نہی کی گئی ہے۔

وهى الحنطة او الكرم او غيرها : یہ عبارت لاکر مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ اس درخت کی تعیین نقل صحیح کے ساتھ رسول اللہ ﷺ سے منقول نہیں ہے۔

فتصيرا : یہاں **تكونا** معنی میں **تصيرا** کے ہے، **صيرورة** کا مطلب یہ ہے کہ شی ایک حالت سے بدل کر دوسرے حال میں چلی جائے،یعنی اس کے کھانے سے پہلے مطیع تھے،کھالو گے تو نافرمان شمار ہوگے۔

هل ادلكما على شجرة الخلد : سورۂ حج کی آیت ہے،**هل ادلكما على شجرة الخلد وملك لا يبلىٰ**

وقاسمهما بالله انى : سورہ اعراف کی آیت کی جانب اشارہ ہے، **وقاسمهما انى لكما لمن الناصحين.**

فاكلا منها : تفسیر میں اس لفظ کو ذکر کر کے اشارہ کیا ہے کہ آگے آنے والا لفظ **فاخرجهما** معطوف ہے اس کا معطوف علیہ لفظوں میں موجود نہیں ہے مقدر ہے،اور وہ **فاكلا منها** ، کیونکہ اخراج مسبب ہے،اس کا سبب یہی کھانا ہے۔

اى انتما بما اشتملتما عليه : **قلنا اهبطوا** پر ایک ہلکا سا اشکال ہے،وہ یہ ہے کہ اب تک تو خطاب دو سے تھا،لیکن اس لفظ میں خطاب ایک پوری جماعت سے ہوگیا،تو یہ کون سی جماعت ہے؟ اس کا جواب دیا کہ تم دونوں اپنی ذریت سمیت جو تمہارے ضمن میں موجود ہے،اتر جاؤ،اولادکوان میں شامل کردیا،تو جمع ہوگیا۔

فتاب عليه :**تاب يتوب** کے اصل معنی رجوع کرنے کے ہیں اگر اس کا صلہ **الى** ہوتو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس نے اللہ کی طرف رجوع کیا اور خطا کی معافی چاہی،اور اگر اس کا صلہ علی ہے تو اس کا معنی کسی پر رحمت لیکر پہونچنا ہے۔ **فتاب عليه** اللہ تعالیٰ ان پر مہربانی لے کر پہونچ گئے،یعنی مہربانی فرمائی،اور ان کے رجوع کو قبول کیا۔

التواب :اسمائے حسنیٰ میں ہے،اس کے ساتھ مفسر نے **على** ذکر کر کے اشارہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حق میں بصلہ الی تواب یا تائب نہیں آسکتا۔

الرحيم بهم: **رحم** کا صلہ باءآتا ہے۔

كرره ليعطف عليه فاما :**قلنا اهبطوا منها جميعاً** ۔یہ لفظ پہلے بھی آچکا ہے،لیکن چونکہ دور پڑ گیا ہے، اسلئے دوبارہ اسے ذکر کیا، کیونکہ اس پر **فاما ياتينكم** کا عطف کرنا ہے،اگر یہ نہ لاتے تو **فاما** کا معطوف علیہ تلاش کرنے کیلئے زیادہ پیچھے لوٹنا پڑتا،اس سے اشتباہ پیدا ہوجاتا۔

فاما : اِمّا دولفظوں سے مرکب ہے، ایک ان شرطیہ دوسرے ما زائدہ ان کے نون کاما کے میم میں ادغام کردیا گیا ہے۔ **فامن بی و عمل بطاعتی** : یہ اتباع ہدی کی تفسیر ہے کہ اللہ پر ایمان لائے اور اطاعت گزاری کرے، رہا وہ شخص جو سرے سے ایمان ہی نہیں لایا، اس کا ذکر اگلی آیت میں ہے، یہاں ایک تیسری قسم بھی ہے۔ وہ یہ کہ ایمان تو لائے، مگر اطاعت گزاری نہ کرے، تو مفسر کی تفسیر کے مطابق اس آیت میں ایسے شخص سے تعرض نہیں کیا گیا ہے۔

فلا خوف علیهم ولا هم یحزنون فی الآخرة : مفسر کی تفسیر سے ظاہر ہوتا ہے، خوف وحزن کی نفی آخرت سے تعلق رکھتی ہے، یعنی نہ انھیں قیامت کی ہولنا کیوں کا ڈر ہوگا اور نہ فوت شدہ دنیا پر کوئی افسوس ہوگا۔

خوف، مستقبل کے خطرات سے ڈرنے کو کہتے ہیں، اور حزن، پچھلی زندگی کی ناکامیوں پر افسوس کا نام ہے، اس کا آخرت کے حق میں ہونا تو برحق ہے، لیکن تجربہ یہ ہے کہ اللہ پر ایمان کامل اور پوری اطاعت گزاری سے دنیا کا خوف وحزن بھی معدوم ہو جاتا ہے۔

﴿مضامین آیات وتفسیر﴾

اس سے پہلے والے رکوع میں حق تعالیٰ نے تمام لوگوں کو مخاطب کر کے انھیں توحید و رسالت اور آخرت پر ایمان لانے کی دعوت دی تھی، اور لوگوں پر واضح کیا تھا کہ تم بے جان تھے اللہ نے جاندار بنایا۔ اب زیر نظر رکوع میں یہ بات واضح فرمائی کہ صرف جاندار نہیں، بلکہ تمام مخلوقات میں انسانوں کو شرف بخشا ہے۔ اور انھیں خاص عہدہ دیا ہے، اس عہدہ کا تقاضا یہ ہے کہ ایمان وطاعت سے ایک سرمو انحراف نہ کیا جائے۔ یہ ایسا شرف ہے کہ کسی اور مخلوق کو حاصل نہیں ہوا، نہ عہدہ نہ منصب کے لحاظ سے اور نہ خلقت کے اعتبار سے اور اس تخلیق اور تفویض عہدہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا عنوان اختیار کیا، جس سے انسان کی اہمیت تو خیر ظاہر ہوتی ہی ہے، لیکن اس سے ایک اور عظیم الشان مخلوق کا پتہ چلتا ہے، جس کا وظیفۂ زندگی بجز ایمان واطاعت اور تحمید وتقدیس کے اور کچھ نہیں ہے، پھر اسی کے ساتھ ایک تیسری مخلوق کا بھی سراغ لگا جو صرف شر ہی شر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ابتداءً فرشتوں سے فرمایا کہ میں اس زمین کے اوپر اپنا ایک خلیفہ اور نائب مقرر کروں گا، جو میری عبادت واطاعت کے ساتھ میرے احکام کا نفاذ دنیا میں کرتا رہے، فرشتوں کو ایک مخلوق یعنی جنات کا تجربہ ہو چکا تھا، انھوں نے اندیشہ ظاہر کیا کہ یہ دوسری مخلوق بھی جو صاحب اختیار بھی ہوگی اور صاحب تصرف بھی، نہ جانے کتنا فساد مچائے گی۔ اور کتنی خونریزی کرے گی، اور اگر تسبیح وتقدیس ہی اس کا وظیفہ ہو تو ہم تو یہ کام انجام دے ہی رہے ہیں، یہ اعتراض نہ تھا حکمت ومصلحت کے اظہار کا سوال تھا۔

حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جو کچھ میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے، فرشتے سمجھ گئے کہ اس میں کوئی خاص

حکمت ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے آدم کا پتلا تیار کیا، اس میں روح پھونکی، ان میں علم کی استعداد رکھی، اشیاء کے اسماء انھیں سکھائے، وہ اشیاء فرشتوں کے سامنے بھی تھیں، مگر فرشتوں کو ان سے مناسبت نہ تھی، آدم علیہ السلام کو مناسبت تھی، استعداد تھی، سب نام انھیں یاد ہوگئے، حق تعالیٰ نے ان تمام اشیاء کو فرشتوں کے سامنے رکھ کر پوچھا کہ ان کے نام بتاؤ فرشتے دم بخود ہوکر کہنے لگے کہ یا اللہ! آپ کی ذات ہر عیب واعتراض سے پاک ہے، ہم تو کچھ نہیں جانتے، بجز اس کے جو آپ نے ہم کو سکھایا ہے، جاننے والے اور حکمت والے تو آپ ہی ہیں۔ پھر آدم سے کہا تم ان لوگوں کو بتاؤ۔ انھوں نے سب کچھ بتا دیا، کیا نام ہے؟ کیا کام ہے؟ کیا حکمت ہے؟ نیابت کیلئے سب سے پہلے علم کی ضرورت ہے۔ آدم کا تفوق اس میں ثابت ہوگیا، پھر فرشتوں سے کہا کہ آدم کی تعظیم میں جھک جاؤ، سب جھک گئے، انھیں درمیان ابلیس بھی رہتا تھا، حکم میں وہ بھی شامل تھا، مگر وہ اکڑ گیا اور انکار کا کفر اپنے سر لیا۔

پھر حق تعالیٰ نے آدم سے اور ان کی بیوی حواء سے فرمایا کہ جاؤ جنت میں رہو، اس میں تمہیں کھانے پینے رہنے سہنے کی مکمل آزادی ہے، البتہ ایک درخت ہے، اس کے قریب نہ جانا ورنہ نافرمانوں میں گن لئے جاؤ گے۔ آدم وحواء جنت میں بخوشی رہنے لگے، مگر ابلیس کو کب گوارا تھا، اس نے وسوسہ اندازی کی، اسی درخت کو حیاۃ دوام کا درخت بتانے لگا، اور اس کے ساتھ اللہ کی قسمیں بھی کھائیں۔ بھلا آدم علیہ السلام کو اس وقت کیا خیال ہوسکتا تھا کہ اللہ کا نام کوئی غلط محل پر بھی استعمال کرسکتا ہے، خدا کی محبت میں وہ تو سرشار تھے، اللہ کا نام آیا اور دھوکے میں آگئے۔ جس پھل کی ممانعت تھی، اسی کو چکھ لیا، حکم ہوا کہ اب جنت میں رہنے کی گنجائش نہیں ہے اب زمین پر اترو، اور اس حکم عدولی کا ایک اور اثر تمہاری اولاد میں جاری ہوگا کہ آپس میں دشمنی کریں گے، لطف زندگی غارت ہوگا، پھر وہاں ہمیشہ رہنا بھی نہ ہوگا، ایک وقت سب کا مقرر ہوگا، سب اپنے اپنے وقت تک رہیں گے، حضرت آدم کو سخت صدمہ ہوا، معافی مانگنا چاہتے تھے، مگر کیسے مانگیں، حق تعالیٰ کی مہربانی نے دستگیری فرمائی، ایک دعا سکھائی یوں کہو: **ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا لنکونن من الخاسرین**۔ ان الفاظ نے سہارا دیا، آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے، دل تڑپتا رہا، احساس ندامت میں سر جھک گیا، بالآخر حق تعالیٰ نے رحم فرمایا، توبہ قبول ہوئی، حق تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ دنیا کی زندگی میں غفلت عام ہوگی، اس کو دور کرنے کیلئے میری طرف سے ہدایت پہونچے گی، ہادی آئیں گے، کتابیں آئیں گی، دیکھو اس کی پیروی کرنا، پھر ہر خوف ہر اندیشہ ہر رنج ہر افسوس تم سے دور ہوگا۔ آخرت میں جنت ملے گی، دنیا میں اس کا سایہ نصیب ہوگا۔ (یعنی حیٰوۃ طیبہ) اور اگر غفلت میں پڑ کر تم نے انکار کر دیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلا دیا تو سیدھے جہنم میں گروگے۔ اور دنیا میں بھی اس کا منحوس سایہ تم پر پڑتا رہے گا۔ (**فسنیسرہ للعسریٰ**) اور پھر جہنم سے کبھی نجات نہ ملے گی۔ نہ مر کر، نہ اس سے نکل کر۔

اللہ تعالیٰ نے دوست اور دشمن دونوں سے خبردار کر دیا۔ فرشتے بہر حال خیر خواہ ہیں خدمت گزار ہیں،

کیونکہ ان کو اللہ تعالیٰ کی جناب سے یہی حکم ہے، اور اس حکم کی تعمیل میں انھیں ذرا بھی عار نہیں ہے، اور شیطان بہر حال دشمن ہے، وہ حکم عدولی کر کے راندۂ درگاہ ہوا، تو سب کو اسی راہ پر ڈالنا چاہتا ہے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حکم عدولی کا باطنی اثر آپس کی عداوت ہے، اور فرمانبرداری کا باطنی اثر آپس کی محبت ومودت ہے، راہ کھلی ہوئی، روشن ہے، چلنے والے ہی آنکھ بند کرلیں تو وہ جانیں۔

......بنی اسرائیل سے خطاب......

﴿یٰبَنِیْ اِسْرَائِیْلَ ﴾اولاد یعقوب ﴿اذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ﴾ اے علی آباء کم من الانجاء من فرعون و فلق البحر و تظلیل الغمام و غیر ذلک بان تشکروها بطاعتی ﴿وَاَوْفُوْا بِعَهْدِیْ﴾ الذی عهدته الیکم من الایمان بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم ﴿اُوْفِ بِعَهْدِکُمْ﴾ الذی عهدته الیکم من الثواب علیه بدخول الجنة﴿ وَاِیَّایَ فَارْهَبُوْنِ﴾ خافون فی ترک الوفاء به دون غیری ﴿ وَآمِنُوْا بِمَا اَنْزَلْتُ﴾ من القرآن﴿ مُصَدِّقاً لِّمَا مَعَکُمْ ﴾ من التوراة بموافقته له فی التوحید والنبوة ﴿ وَلَا تَکُوْنُوْا اَوَّلَ کَافِرٍ بِّهٖ﴾من اهل الکتاب لان خلفکم تبع لکم فاثمهم علیکم ﴿وَلَا تَشْتَرُوْا ﴾ تستبدلوا﴿ بِآیَاتِیْ﴾ التی فی کتابکم من نعت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ﴿ثَمَناً قَلِیْلاً ﴾ عوضا یسیراً من الدنیا ای لا تکتموها خوف فوات ما تاخذونه من سفلتکم ﴿ وَاِیَّایَ فَاتَّقُوْنِ ﴾خافون فی ذلک دون غیری ﴿ وَلَا تَلْبِسُوْا ﴾ تخلطوا﴿ الْحَقَّ﴾ الذی انزلتُ علیکم ﴿بِالْبَاطِلِ﴾ الذی تفترونه ﴿وَ﴾ لا ﴿ تَکْتُمُوْا الْحَقَّ ﴾ نعت محمد ﴿ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴾ انه حق ﴿ وَاَقِیْمُوْا الصَّلوٰةَ وَ آتُوْا الزَّکوٰةَ وَارْکَعُوْا مَعَ الرَّاکِعِیْنَ ﴾صلوا مع المصلین محمد صلی اللہ علیہ وسلم و اصحابه .و نزل فی علماء هم وکانوا یقولون لاقربائهم المسلمین اثبتوا علی دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم فانه حق ﴿اَ تَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ ﴾ بالایمان بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم ﴿وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَکُمْ ﴾ تترکونها فلا تامرونها به ﴿ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْکِتَابَ ﴾التوراة و فیها الوعید علی مخالفة القول العمل ﴿ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ سوء فعلکم فترجعون ،فجملة النسیان محل الاستفهام الانکاری﴿ وَاسْتَعِیْنُوْا﴾ اطلبوا المعونة علی امورکم ﴿ بِالصَّبْرِ﴾ الحبس للنفس علی ما تکره ﴿ وَالصَّلوٰةِ﴾ افردها بالذکر تعظیماً لشانها و فی الحدیث کان صلی اللہ علیہ وسلم اذا حزبه امر بادر الی الصلاة وقیل الخطاب للیهود لما عاقهم عن الایمان الشَّرَهُ وحب الریاسة فامروا بالصبر وهو الصوم لانه یکسر الشهوة والصلاة لانها تورث الخشوع و تنفی الکبر ﴿وَاِنَّهَا﴾أی الصلوٰة﴿ لَکَبِیْرَةٌ ﴾ ثقیلة﴿ اِلَّا عَلَی الْخَاشِعِیْنَ﴾ الساکنین الی الطاعة ﴿ اَلَّذِیْنَ

یَظُنُّوْنَ ﴾ یوقنون ﴿اَنَّھُمْ مُّلَاقُوْا رَبِّھِمْ ﴾ بالبعث﴿ وَاَنَّھُمْ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ﴾ فی الآخرۃ فیجازیھم .

﴿ تـــرجمـــہ ﴾

(اے بنی اسرائیل یعنی یعقوب کی اولاد! (یاد کرو میرے احسان کو جو میں نے تم پر) یعنی تمہارے آباء و اجداد پر (کیا) مثلاً فرعون سے نجات، سمندر کو پھاڑ کر راستہ بنا دینا، بدلیوں کا سایہ وغیرہ، یاد کرو کا مطلب یہ ہے کہ میری طاعت و فرمانبرداری اختیار کر کے احسان کا شکر ادا کرو (اور میرے عہد کو) جو میں نے تم سے لیا ہے، یعنی محمد ﷺ پر ایمان لانے کے عہد کو (پورا کرو، میں تمہارے عہد کو) جس کا میں نے تم سے وعدہ کیا ہے، یعنی اس کے عوض میں جنت میں داخلہ کے عہد کو (پورا کروں گا اور مجھی سے ڈرو) یعنی وعدہ پورا نہ کرنے کے باب میں صرف مجھی سے ڈرو اور کسی کا خوف نہ کرو (اور جو کچھ میں نے اتارا ہے) یعنی قرآن (جو اس کتاب کی تصدیق کرتا ہے، جو تمہارے پاس ہے) یعنی توریت کی، کیونکہ یہ کتاب توحید و نبوت کے باب میں اس کے بالکل موافق ہے (اسی پر ایمان لاؤ، اور تم) اہل کتاب کے گروہ میں (اس کے پہلے منکر نہ بنو) کیونکہ تمہارے بعد والے تمہارے تابع ہوں گے، نتیجہ یہ ہوگا کہ ان کا گناہ بھی تم پر پڑے گا۔ (اور نہ خریدو) یعنی نہ لو (میری) ان (آیات کے عوض میں) جو تمہاری کتاب میں محمد (ﷺ) کی صفات کے متعلق ہیں (تھوڑی سی قیمت) یعنی دنیا کا مختصر سا عوض! مطلب یہ ہے کہ ان آیات کو محض اس خوف سے پوشیدہ نہ کرو کہ تم کو تمہارے مریدوں کی جانب سے جو کچھ نفع ملا کرتا ہے، وہ فوت ہو جائیگا (اور مجھی سے ڈرو) یعنی اس سلسلے میں میرا ہی خوف کرو، دوسری کسی چیز کا نہیں (اور) اس (حق کو) جو میں نے تم پر اتارا ہے اس (باطل کے ساتھ) جس کو تم گھڑتے ہو (مت ملاؤ اور حق کو نہ چھپاؤ) یعنی محمد ﷺ کی صفات کو (حالانکہ تم جانتے ہو) کہ یہ حق ہے (اور نماز کو قائم کرو، اور زکوٰۃ ادا کرو، اور رکوع کرنے والوں) یعنی محمد ﷺ اور ان کے اصحاب جو کہ نمازی ہیں، ان نمازیوں کے (ساتھ رکوع کرو) یعنی نماز پڑھو۔

اگلی آیت علماء یہود کے بارے میں نازل ہوئی ہے، وہ لوگ اپنے مسلمان قرابت مندوں سے کہا کرتے تھے کہ دین محمد پر جمے رہو، وہی حق ہے (کیا تم اوروں کو نیکی) یعنی محمد ﷺ پر ایمان لانے کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو) یعنی اپنے آپ کو ترک کر دیتے ہو، خود کو نیکی کا حکم نہیں دیتے (حالانکہ تم کتاب) یعنی تورات (کی تلاوت کرتے ہو) اور اس میں قول و عمل کے تضاد پر وعید ہے (کیا) اپنے اس کام کی قباحت کو (تم سمجھتے نہیں ہو) کہ اس سے باز آؤ، نسیان والا جملہ یعنی تنسون، استفہام انکاری کا محل ہے۔ (اور) اپنے کاموں پر (مدد چاہو صبر سے) صبر کا معنی ہے اپنے آپ کو ایسی چیزوں پر جما کر رکھنا، جو نفس پر گراں ہوں (اور نماز سے) اس کو اس کی عظمت شان کی وجہ سے علیحدہ ذکر کیا، اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو کوئی اہم بات پیش آتی تھی تو آپ نماز کی طرف لپکتے تھے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ خطاب یہودیوں سے ہے، انھیں حد سے بڑھی ہوئی حرص اور حب جاہ نے

ایمان سے روک رکھا تھا۔ اس لئے انھیں صبر یعنی روزہ کا حکم دیا گیا، کیونکہ اس سے شہوت ٹوٹتی ہے، اور نماز کا حکم دیا گیا، کہ وہ خشوع کو پیدا کرتی ہے۔ اور کبر کو ختم کرتی ہے (اور بلاشبہ وہ گراں ہے، مگران لوگوں پر) گراں نہیں ہے (جو خشوع اختیار کرنے والے ہیں یعنی جو طاعات کی طرف لپکتے ہیں، اور اس سے سکون حاصل کرتے ہیں (جو لوگ کہ گمان) یعنی یقین (رکھتے ہیں کہ وہ اپنے رب سے) دوبارہ زندگی پاکر (ملنے والے ہیں اور وہ اسی کی جانب) آخرت میں (لوٹنے والے ہیں) وہ انھیں جزا دے گا۔

تشریحات

اولاد یعقوب : حضرت یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم (علیہم السلام) کا دوسرا نام اسرائیل ہے۔ ان کے بارہ بیٹے تھے، ہر بیٹے کی اولاد میں اللہ تعالیٰ نے برکت دی۔ اور ان سے پوری ایک قوم تیار ہوئی، انھیں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے، جن پر تورات کا نزول ہوا، اور انھیں میں حضرت داؤد علیہ السلام تھے، جن پر زبور نازل ہوئی، انھیں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوئے جن پر انجیل اتاری گئی، یہ خاندان دنیاوی اعتبار سے بھی باوجاہت تھا اور دینی اعتبار سے انبیاء اور صلحاء کی کثرت کی وجہ سے تو اسے پیشوائی کا درجہ حاصل تھا، لیکن عرصہ سے بناؤ کے ساتھ اس خاندان کے افراد میں بگاڑ بھی چلا آرہا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کے دور سے ان کے بگاڑ کا ظہور عام ہونے لگا تھا، بار بار تنبیہات ہوتی تھیں یہ قوم توبہ کرتی تھی، پھر کچھ ناخلف قسم کے لوگ خرابی ڈال دیتے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ان کی سرکشی عروج پر تھی، متعدد پیغمبروں کو انھوں نے قتل کر ڈالا، مختلف حکومتوں میں کئی مرتبہ تاراج و برباد کئے گئے، مگر اللہ نے پھر انھیں موقع دیا۔ مگر وہی حرکتیں دوبارہ ہوئیں، رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں مدینہ میں ان کی خاصی آبادی تھی، جب آپ مدینہ پہونچے تو قدرتی طور پر اہل کتاب ہونے کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کا التفات ان کی طرف زیادہ ہوا کہ کلام الٰہی سے سرفراز ہیں، ان کی کتاب میں آپ کے متعلق متعدد صاف اور واضح پیشین گوئیاں موجود ہیں، اور انھیں عرصۂ دراز سے نبی آخر الزماں کا انتظار بھی تھا، جب آپ تشریف لائے تو فطری طور پر امید تھی کہ یہ لوگ آپ کی طرف از خود کھنچ کر آئیں گے، مگر ان کی بدکرداریوں نے ان کے قلوب کو اس لائق نہیں چھوڑا تھا کہ کوئی خیر کی بات ان میں اثر کرتی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ لوگ مخالفت پر کمر بستہ ہوگئے، اور جن آیات وکلمات میں رسول اللہ ﷺ کے متعلق پیشین گوئیاں تھیں انھیں یا تو چھپانے لگے، یا ان میں تحریف کر کے کچھ کے کچھ معانی بتانے لگے، اس کی وجہ سے ان لوگوں کے ایمان لانے میں بڑی رکاوٹ پیدا ہوئی جو لوگ ان کے اہل علم اور اہل کتاب ہونے کی وجہ سے اپنی نظریں انھیں پر جمائے ہوئے تھے کہ یہ ایمان لائیں، تو ہم بھی آگے بڑھیں، مگر یہ مخالفت ہی پر ڈٹے رہے، اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اتمام حجت کیلئے ان سے بہت کچھ خطاب کیا۔ اپنے احسانات یاد دلائے، ان کی نافرمانیاں یاد دلائیں، انھیں نصیحتیں کہیں، ان کے قلبی

امراض وعوارض کو بیان کیا ان کے نتائج بیان کئے، اس کے علاوہ درحدیث دیگراں کے طور پر مسلمانوں کو بھی تنبیہ کرنا ہے کہ تم بھی صاحب کتاب ہو، دیکھو اہل کتاب، جب ان کے قلوب گناہوں سے زنگ آلود ہوتے ہیں تو ان میں یہ امراض پیدا ہوتے ہیں، تم خیال رکھنا کہیں ان امراض کے نشانہ تم نہ بن جانا ورنہ سابق اہل کتاب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا جو معاملہ رہا ہے، وہ تمہارے ساتھ بھی ہوگا۔

اے علی آبائکم : قرآن پاک میں جن اولاد یعقوب سے خطاب ہے، وہ وہ ہیں جو عہد نبوی میں موجود تھے، اور جن احسانات کا تذکرہ کیا گیا ہے، وہ بہت پہلے ہوئے ہیں، تو گزشتہ احسانات کا حوالہ بعد کی امت کو دینا کیونکر صحیح ہوسکتا ہے؟ اس اشکال کے حل کی طرف مفسر نے اشارہ **علی آبائکم** کہہ کر کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ احسانات تمہارے باپ دادوں اور تمہارے خاندان پر ہوئے ہیں، اور ظاہر ہے کہ خاندان پر کوئی احسان کیا جانا اس کے ہر فرد کی گردن پر احسان مانا جاتا ہے، ان احسانات کی قدرے تفصیل اگلے رکوع میں آرہی ہے۔

بأن تشکروھا بطاعتی : احسانات کا یاد کرنا یہ ہے کہ ان کی شکر گزاری کرو، اور شکر گزاری یہ ہے کہ ان سے متاثر ہو کر میری طاعت و فرمانبرداری کرو، اور اسے اپنا شعار بناؤ۔

اوف بعھدکم : بنی اسرائیل سے عہد لیا گیا تھا کہ آخری پیغمبر جب مبعوث ہوں گے تو ان پر ایمان لانا، اسی عہد کے ایفاء کا حکم دیا جارہا ہے۔

وایای فارھبون : ایا ی ما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر ہے، یہاں عامل فعل مقدر ارھبوا ہے، جس کی تفسیر بعد والا فعل کررہا ہے فعل کے بعد جو ''ن'' ہے یہ نون وقایہ کہلاتا ہے، بحالت موجودہ یہ مکسور ہے، کیونکہ یاء متکلم اس کے بعد تھی۔ اسے حذف کر کے اس کی علامت کے طور پر نون کے اوپر کسرہ باقی رکھا گیا ہے۔

اس نون کو نون وقایہ اس لئے کہتے ہیں کہ وقایہ کے معنی بچاؤ اور حفاظت کے آتے ہیں، یہ نون یاء متکلم پر آتا ہے، تاکہ اس کے پہلے والے حرف کی حفاظت کرے اور وہ اپنی حالت پر باقی رہے، اگر یہ نون نہ ہو تو ماقبل کا حرف متغیر ہوجائے گا، مثلاً یہاں پر اگر **فارھبوی** ہو، تو واو اور یاء کے ایک جگہ جمع ہونے کی وجہ سے واو کو یا سے بدلنا پڑے گا، اور پھر اس کا دوسری یا میں ادغام ہوجائے گا، اور ماقبل کا ضمہ کسرہ سے بدل جائیگا۔ پس وہ **فارھبیّ** ہوجائے گا، نون جب آیا تو واو اپنے مقام پر محفوظ رہ گیا۔

بموافقتہ لہ فی التوحید والنبوۃ : قرآن کریم توریت کی تصدیق کرتا ہے، مفسر علام نے تصدیق کی صورت ذکر کی ہے کہ جو مضامین توحید و رسالت وغیرہ کے توریت میں بیان کئے گئے ہیں، قرآن کریم میں بھی انھیں کے موافق بیان آیا ہے، اس طرح قرآن نے اس کی سچائی کا اعلان و اعتراف کیا ہے۔

ولا تکونوا اول کافر بہ من اھل الکتاب : یہود مدینہ کو اللہ تعالیٰ نے پہلا منکر قرآن بننے سے منع کیا

ہے، اس پر اشکال ہے کہ اول کافر تو کفار ہو چکے ہیں، پھر اہل کتاب کو اول کافر بننے سے منع کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اہل کتاب میں اول کافر نہ بنو کیونکہ اہل کتاب میں سے پہلا خطاب انھیں سے ہوا ہے۔

لا تشتروا (لا تستبدلوا) : اشتراء بمعنی استبدال ہے، اوراس استبدال کو اشتراء اس لئے کہا گیا کہ ان آیات واحکام کے چھپانے اوران میں تحریف کرنے سے انھیں کچھ دنیوی منفعت حاصل ہو جاتی تھی۔

صلوا مع المصلین محمد واصحابه : وارکعوا مع الراکعین کی تفسیر میں صلوا مع المصلین کہہ کر دو باتوں کا حکم دیا ہے، ایک یہ کہ نماز جماعت کے ساتھ ادا کیا کرو، دوسرے یہ کہ یہود کی نماز میں سجدہ تو تھا، رکوع نہ تھا، حکم دیا گیا۔ اب تم وہ نماز پڑھو جس میں رکوع ہے، یعنی رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب والی نماز۔

وتنسون انفسکم تترکونها : اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے فرمایا کہ تم دوسروں کو نیکی اور ایمان کا حکم دیتے ہو ، اوراپنے آپ کو بھول جاتے ہو، یہاں بھولنے کا حقیقی معنی بظاہر صادق نہیں آتا کیونکہ اپنے آپ کو کوئی نہیں بھولتا، اس کا جواب یہ ہے کہ نسیان بمعنی ترک ہے، کیونکہ نسیان کیلئے ترک لازم ہے، تو ملزوم بول کر لازمی معنی مراد لیا ہے، اور ترک کا مطلب یہ ہے کہ اپنے آپ کو نیکی اور ایمان کا مکلّف نہیں سمجھتے ہو اس جگہ ترک کے بجائے نسیان کا لفظ لانے میں حکمت یہ ہے کہ کوئی عاقل اس کام کو اپنے اختیار سے ترک نہیں کرسکتا، ہاں بھول کر ہوتو ہو۔ **فجملة النسیان محل الاستفهام الانکاری. أتأمرون الناس بالبروتنسون انفسکم** میں ہمزہ استفہام انکار کا ہے لیکن یہ خوب سمجھ لینا چاہئے کہ ہمزہ ہمیشہ شروع کلام میں آتا ہے، پس جس لفظ پر داخل ہو، ضروری نہیں کہ استفہام انکاری کا مورد اور محل وہی ہو، اسی اصول کی بنا پر **أتامرون الناس بالبر** پر انکار نہیں کیا گیا ہے، کیونکہ وہ تو ایک اچھا عمل ہے۔ بلکہ **تنسون انفسکم** پر انکار وارد ہے کہ دوسروں کو نیکی کا حکم دیتے ہو، یہ تو ٹھیک ہے لیکن اپنے آپ کو کیوں بھول جاتے ہیں، یہ ایک برا فعل ہے۔

واستعینوا : مفسر کے ارشاد کے مطابق یہ خطاب اہل کتاب سے نہیں بلکہ اہل اسلام سے ہے، کیونکہ جو شخص دین محمدی کا اوراس کے اعمال واحکام کا منکر ہو، اس کو نماز وغیرہ کا امر نہیں کیا جاسکتا۔

الحبس للنفس علی ما تکره : نفس پر جو چیز گراں ہے، اس پر اسے جمائے رکھنا یہ صبر کی اجمالی تشریح ہے، جیسے عبادت میں کوشش، غصہ پی جانا، بردباری، بدسلوکی کرنے والے کے ساتھ حسن سلوک، اور گناہوں سے اپنے آپ کو روکنا، ان مثالوں سے معلوم ہوا کہ صبر کی تین قسمیں ہیں: (۱) مصیبت اور تکلیف پر صبر کرنا (۲) طاعت وعبادت پر جمے رہنا۔ (۳) گناہوں سے بچنے پر صبر کرنا۔ **(۱) صبر علی البلاء (۲) صبر علی الطاعة (۳) صبر عن المعصیة**

وقیل الخطاب للیهود: اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ مفسر کے اشارہ کے مطابق **و استعینوا بالصبر** کا خطاب اہل اسلام سے ہے، لیکن اس صورت میں سیاق کلام بدل جاتا ہے، کیونکہ اس سے پہلے اور اس کے بعد خطاب اہل کتاب سے ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ خطاب بھی یہود ہی سے ہو۔ اسی لئے مفسر نے فرمایا کہ کہا گیا ہے کہ یہ خطاب یہود سے ہے، لیکن اس صورت میں سابق سوال وارد ہوگا کہ یہود تو شرائع اسلام کو مانتے ہی نہیں، پھر انھیں ایمان کا حکم دیا جاسکتا ہے، صبر اور نماز کا حکم کیوں کر دیا جائے گا؟

مفسر فرماتے ہیں کہ یہود کے مزاج میں دو خرابیاں بہت راسخ تھیں، اور انھیں دونوں کی وجہ سے وہ ایمان سے دور تھے، ایک بے جا شہوت و حرص، اور دوسرے جاہ و منصب کی بے تحاشا ہوس، ان دونوں کا علاج اللہ نے بتایا کہ صبر کرو، اور صبر سے مراد روزہ ہے، کیونکہ روزہ شہوت کو توڑ دیتا ہے، اور نماز پڑھو، کیونکہ نماز بڑائی کے جذبہ کو فنا کر کے خدا کے سامنے جھکنا سکھاتی ہے، گویا دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ انھیں اولاً تو ایمان کی دعوت دی گئی (التزاماً) پھر صبر اور نماز کا حکم دیا گیا (مطابقۃً) تا کہ نفس میں جمی ہوئی برائیاں نکل جائیں۔

الخاشعین: خشوع نام ہے اللہ کی جناب میں حضور قلب اور سکونِ اعضاء و جوارح کا۔

یظنون: یوقنون: ۔ لفظ ظن اضداد میں سے ہے، اس کے معنی گمان کے بھی آتے ہیں اور یقین کے بھی، یہاں یقین ہی کا معنی مراد ہے۔

انهم ملاقوا ربهم بالبعث: ۔رب کی ملاقات سے کیا مراد ہے؟ ملاقات کا ظاہری معنی تو حق تعالیٰ کے لحاظ سے ممتنع ہے، اور مجازاً ملاقات تو خود نماز و عبادت وغیرہ میں ہوتی رہتی ہے، کیونکہ سب سے زیادہ قرب بندہ کا اللہ کے ساتھ نماز ہی میں ہوتا ہے۔ لیکن یہاں یہ ملاقات مراد نہیں ہے، بلکہ وہ ملاقات مراد ہے جس میں بندے کو اپنا حساب و کتاب خدا کے سامنے پیش کرنا پڑے گا، اسی کو مفسر نے **بالبعث** کہہ کر بیان کیا ہے۔ یعنی مرنے کے بعد دوبارہ جب زندگی ملے گی اور حق تعالیٰ کا سامنا ہوگا، اس وقت کی ملاقات پر یقین رکھتے ہیں۔

مضامین آیات و تفسیر

عام انسانیت کو دعوت حق دینے کے بعد اللہ تعالیٰ نے انسانیت کے اس طبقہ کو مخاطب بنایا، جو عرصۂ دراز سے اللہ تعالیٰ کے انعام و احسان سے سرفراز رہا ہے، اور اس میں مسلسل انبیاء کرام علیہم السلام کی آمد ہوتی رہی ہے، یہ طبقہ اگر ذرا بھی متوجہ ہوگا، تو راہ اس کے سامنے پہلے سے کھلی ہوئی ہے۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل کی وہ شاخ ہے جس کا آغاز ان کے پوتے حضرت یعقوب علیہ السلام سے ہوتا ہے، یہ بنی اسرائیل ہیں، انھیں اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتیں یاد دلا کر ایمان و اطاعت کی دعوت دی اور فرمایا کہ تم نے مجھ سے جو عہد کیا تھا اسے تم پورا کرو، میں نے جو تم سے وعدہ کیا ہے اسے میں پورا کروں گا۔ اور اس سلسلے میں کسی کا خوف دل میں نہ لاؤ، ڈرنا تو

صرف مجھی سے چاہئے، جس کتاب کا تم کو انتظار تھا، تمہاری خوش قسمتی ہے کہ تمہارے سامنے وہ اتر رہی ہے، اسے مان لو۔ تمہاری نسلیں سدھریں گی اور تم کو اجر ملے گا، اور اگر تم نے انکار کیا تو اول کافر ہونے کی وجہ سے تمہاری نسلوں کا وبال بھی تمہیں پر پڑے گا۔ تمہارے پاس توریت ہے، اس میں جس صداقت کا اعلان کیا گیا ہے، اسے چھپا کر، اس میں تحریف کر کے جو تم دولت دنیا اور جاہ ومنصب برقرار رکھنا چاہتے ہو، اور ڈرتے ہو کہ تمہارے متوسلین تم سے ٹوٹ جائیں گے، ایسا نہ کرو، ان سے کیا ڈرنا، مجھی سے ڈرو اور توریت کی سچی باتوں میں جھوٹی باتیں نہ شامل کرو، اور آخری پیغمبر ﷺ کے متعلق جو چیزیں اس میں ہیں، انھیں نہ چھپاؤ اور اسی آخری پیغمبر کے طریقے پر نماز پڑھو، زکوٰۃ ادا کرو اور جماعت کی نماز کا اہتمام کرو یہ کیا بات ہوئی کہ تم لوگوں کو تو حکم دیتے ہو کہ نیکی اختیار کرو، اور خود اپنے آپ کو بھول جاتے ہو، حالانکہ تم اس کی شناعت اپنی کتاب میں پڑھتے ہو، کیا اتنی موٹی بات تمہاری سمجھ میں نہیں آتی، اللہ کی مدد صبر اور نماز پر آتی ہے، تم ان دونوں کو مضبوطی سے پکڑو، گو کہ نماز ایک بھاری چیز ہے لیکن جو لوگ خدا کی اطاعت کرنا چاہتے ہیں، ان پر کچھ گراں نہیں ہے، وہ جانتے ہیں کہ انھیں اپنے رب کے حضور حاضر ہونا ہے اور لوٹ کر وہیں پہونچیں گے۔

☆☆☆☆☆

﴿يٰبَنِىۡ اِسۡرَائِيۡلَ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتِىَ الَّتِىۡ اَنۡعَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ﴾ بالشكر عليها بطاعتى ﴿وَاَنِّىۡ فَضَّلۡتُكُمۡ﴾ اى آباء كم ﴿عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ﴾ عالمى زمانهم ﴿وَاتَّقُوۡا﴾ خافوا ﴿يَوۡماً لَّاتَجۡزِىۡ﴾ فيه ﴿نَفۡسٌ عَنۡ نَفۡسٍ شَيۡئاً﴾ هو يوم القيٰمة ﴿وَلَا يُقۡبَلُ﴾ بالتاء والياء ﴿مِنۡهَا شَفَاعَةٌ﴾ اى ليس لها شفاعة فتقبل فمالنا من شافعين ﴿وَلَا يُؤۡخَذُ مِنۡهَا عَدۡلٌ﴾ فداء ﴿وَلَا هُمۡ يُنۡصَرُوۡنَ﴾ يمنعون من عذاب الله ﴿وَ﴾ اذكروا ﴿اِذۡ نَجَّيۡنٰكُمۡ﴾ اى آبائكم والخطاب به وبما بعده للموجودين فى زمن نبينا ﷺ اخبروا بما انعم على آبائهم تذكير لهم بنعمة الله ليؤ منوا ﴿مِنۡ آلِ فِرۡعَوۡنَ يَسُوۡمُوۡنَكُمۡ﴾ يذيقونكم ﴿سُوۡءَ الۡعَذَابِ﴾ اشده والجملة حال من ضمير نَجَّيۡنٰكم ﴿يُذَبِّحُوۡنَ﴾ بيان لما قبله ﴿أَبۡنَائَكُمۡ﴾ المولودين ﴿وَيَسۡتَحۡيُوۡنَ﴾ يستبقون ﴿نِسَاءَ كُمۡ﴾ لقول بعض الكهنة له اِن مولودا يولد فى بنى اسرائيل يكون سببا لذهاب ملكك ﴿وَفِىۡ ذٰلِكُمۡ﴾ العذاب او الانجاء ﴿بَلَاءٌ﴾ ابتلاء أو انعام ﴿مِّن رَّبِّكُمۡ عَظِيۡمٌ﴾ ﴿وَ﴾ اذكروا ﴿اِذۡ فَرَقۡنَا﴾ فلقنا ﴿بِكُمُ﴾ بسببكم ﴿الۡبَحۡرَ﴾ حتى دخلتموه هاربين من عدوكم ﴿فَاَنۡجَيۡنٰكُمۡ﴾ من الغرق ﴿وَاَغۡرَقۡنَا آلَ فِرۡعَوۡنَ﴾ قومه معه ﴿وَاَنۡتُمۡ تَنۡظُرُوۡنَ﴾ الى انطباق البحر عليهم ۔

ترجمہ

(اے اسرائیل کی اولاد، میرے اس احسان کو یاد کرو جو میں نے تم پر کیا ہے) اس طور سے کہ میری اطاعت کر کے اس پر شکر گزاری کرو (اور اس بات کو کہ میں نے تم کو فضیلت بخشی) یعنی تمہارے آباء واجداد کو (ساری دنیا پر) یعنی ان کے دور کے اہل دنیا پر (اور ڈرو اس دن سے) جس دن (کوئی جان کسی جان کی طرف سے بدلہ نہ دے گی) وہ قیامت کا دن ہے (اور نہ اس کی طرف سے کوئی شفاعت قبول کی جائیگی) **لا تقبل** یاء سے بھی ہے اور تاء سے بھی، یعنی اس کیلئے کوئی شفاعت ہی نہ ہوگی کہ اسے قبول کیا جائے۔ چنانچہ دوسری جگہ مجرمین کی بات نقل کی گئی ہے **فما لنا من شافعین**، ہمارا کوئی سفارشی نہیں ہے (اور نہ اس کی طرف سے کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا، اور نہ ان کی کوئی مدد کی جائیگی) یعنی اللہ کے عذاب سے ان کے بچاؤ کی کوئی صورت نہ ہوگی۔

(اور) یاد کرو، وہ وقت (جب ہم نے تمہیں) یعنی تمہارے آباء واجداد کو (آل فرعون سے نجات بخشی) یہ اور اس کے بعد کے تمام خطاب ان یہودیوں سے ہیں جو ہمارے نبی ﷺ کے عہد میں تھے، انھیں وہ انعام یاد دلائے گئے جو ان کے باپ دادوں پر ہوئے تھے تا کہ اللہ کے ان انعامات کی یاد تازہ ہو اور وہ ایمان لائیں (وہ تمہیں سخت عذاب چکھاتے تھے) **یسومونکم** کا جملہ **نجیناکم** کی ضمیر کُمْ سے حال ہے (وہ تمہارے بیٹوں کو) جو نومولود ہوئے (ذبح کر دیتے اور تمہاری بیٹیوں کو باقی رکھتے) یہ ماقبل کا بیان ہے، اور ایسا وہ اس لئے کرتے تھے کہ فرعون کو بعض نجومیوں نے بتا دیا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک ایسا شخص پیدا ہونے والا ہے جو تمہاری حکومت کے خاتمہ کا سبب بنے گا (اور اس میں) یعنی اس عذاب میں یا اس نجات بخشی میں (بلا تھی) یعنی ابتلاء تھی یا نوازش تھی (تمہارے رب کی طرف سے بڑی اور) یاد کرو (جب ہم نے تمہارے واسطے سمندر کو پھاڑ دیا) اور تم اپنے دشمن سے بھاگتے ہوئے اس میں داخل ہو گئے (پس ہم نے تم کو) غرق سے (نجات دی اور آل فرعون کو غرق کر دیا) یعنی اس کی قوم کو مع اس کے (اور تم لوگ) سمندر کے ان کے اوپر چھا جانے کو (دیکھ رہے تھے)

تشریحات

بالشکر علیھا بطاعتی: اس کی تشریح اس سے پہلے والے رکوع میں ملاحظہ کریں۔

عالمی زمانھم: قرآن کے الفاظ **و انی فضلتکم علی العالمین** بظاہر مطلق معلوم ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو سارے عالم پر فضیلت بخشی ہے۔ لیکن یہ مفہوم مراد نہیں ہے کیونکہ قرآن ہی میں متعدد جگہ انھیں ملعون و مغضوب قرار دیا گیا ہے، مفسر فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کے دور میں اللہ نے اور سب کے مقابلے میں ان پر فضل وانعام زیادہ فرمایا تھا۔

لیس لھا شفاعۃ: آیت کے الفاظ سے بظاہر یہ سمجھ میں آتا ہے کہ ان کیلئے سفارش تو ہوگی، مگر قبول نہ ہوگی،

لیکن اللہ کے دربار میں اس کا تصور ہی نہیں ہے، کیونکہ وہاں جو سفارش ہوگی اللہ کی اجازت سے ہوگی، بغیر اجازت کوئی شخص سفارش کر ہی نہیں سکتا، تو جب اجازت کی بنیاد پر سفارش ہوگی تو وہ قبول بھی ضرور ہوگی۔ لہٰذا یہاں مطلب یہ ہے کہ کوئی سفارشی ہوگا ہی نہیں، چنانچہ مفسر نے اس کی دلیل میں قرآن کا ایک جملہ نقل کیا ہے، جو مجرمین قیامت کے دن کہیں گے۔ **فما لنا من شافعین**، ہمارا کوئی سفارش کنندہ ہے ہی نہیں۔

انجیناکم ای آباء کم: فرعون سے نجات ان یہودیوں کو نہیں ملی تھی، جو نبی ﷺ کے زمانے میں تھے، بلکہ ان کے باپ دادوں کو ملی تھی، باپ دادوں پر جو احسان ہو چکا ہے، وہ اولاد کی گردن پر بھی ہے، اگر وہ باپ دادے ختم ہوگئے ہوتے، تو ان اولادوں کا وجود کہاں سے ہوتا؟ ان کو پچھلی نعمتوں کو یاد دلا کر انھیں ایمان لانے کی ترغیب دی گئی ہے۔

والجملة حال : یسومونکم سوء العذاب کا یہ جملہ **نجیناکم** میں ضمیر مفعول سے حال ہے۔

لقول بعض الکهنة له: فرعون نے ایک خواب دیکھا تھا وہ یہ کہ بیت المقدس سے ایک آگ نکلی اور اس نے مصر کو گھیر لیا اور اس میں جتنے قبطی تھے، سب کو جلا دیا اور بنی اسرائیل کو چھیڑا تک نہیں، اس نے کاہنوں سے اس کی تعبیر پوچھی، انھوں نے بتایا کہ بنی اسرائیل میں کوئی شخص پیدا ہوگا جو تمہاری حکومت کا خاتمہ کردیگا، اسے بہت غصہ آیا، اس نے حکم دیدیا کہ بنی اسرائیل میں جو بھی لڑکا پیدا ہو، اسے ختم کردیا جائے۔ کہتے ہیں کہ اس نے بارہ ہزار بچوں کو قتل کروادیا، اس وقت ایسا اتفاق ہوا کہ معمر لوگ بھی بکثرت مرنے لگے، تو قبطیوں کے سرداروں نے فرعون سے کہا کہ بچوں کو تو آپ مارے جارہے ہیں، اور بڑے لوگ اپنی موت مرے جارہے ہیں، تو کل ایسا ہوگا، ہمارا کام کرنیوالا کوئی نہیں ملے گا، پھر ہمیں اپنے ہی ہاتھوں اپنا کام کرنا پڑے گا اس پر اس نے اپنے حکم میں کچھ ترمیم کردی کہ ایک سال بچوں کو ختم کیا جائے اور ایک سال نہ ختم کیا جائے۔ حضرت ہارون علیہ السلام اس سال پیدا ہوئے جب قتل کا حکم نہ تھا، اور موسیٰ علیہ السلام اس سال پیدا ہوئے جب بچوں کو ختم کیا جارہا تھا۔ (جمل بحوالۂ خازن)

سوء العذاب: عذاب تو خود برا ہوتا ہے پھر اس کے ساتھ لفظ سوء لانے کی ضرورت کیا پیش آئی۔ **جواب**: عذاب کئی طرح کا ہوتا ہے یہاں شدید عذاب مراد ہے۔

وفی ذلکم العذاب او الانجاء: اس آیت میں بلاء کا مفہوم کیا ہے؟ مفسر نے فرمایا کہ بلاء کے معنی ابتلاء اور مصیبت کے بھی ہیں اور انعام و فضل کے بھی۔ بات یہ ہے کہ **بلاء** کے معنی امتحان کے ہیں، امتحان کبھی خوشحالی اور نعمت دے کر بھی ہوتا ہے کہ بندہ اس پر شکر ادا کرتا ہے یا نہیں اور کبھی مصیبت میں مبتلا کر کے بھی ہوتا ہے کہ بندہ صبر کا حق ادا کرتا ہے یا نہیں؟ اس لحاظ سے بلاء کے اندر مصیبت اور انعام دونوں کا معنی موجود ہے۔ اب اگر

ذلـــکـــم کا اشارہ فرعون کے کاموں کی طرف ہے تب تو بلاء بمعنی عذاب ہے، اور اگر اللہ تعالیٰ کی نجات بخشی کی طرف ہے تو بلاء کے معنی نعمت کے ہیں۔

قومه معه: آل فرعون کے لفظ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ صرف آل فرعون غرق ہوئے، فرعون کا کوئی ذکر نہیں ہے، مفسر نے فرمایا کہ ایسا نہیں ہے، اس طرح کے محاورات میں مضاف اور مضاف الیہ دونوں مقصود ہوتے ہیں، اسی کو فرمایا کہ **قـومـه معه** یعنی ہم نے اس کی قوم کو مع اس کے غرق کر دیا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا فرمایا گیا کہ **لقد کرمنا بنی آدم**، اس میں خود آدم علیہ السلام بھی مراد ہیں اور ان کی اولاد بھی۔

﴿مضامین آیات وتفسیر﴾

اس سے پہلے والے رکوع میں اللہ تعالیٰ نے اجمالاً اپنے احسانات کا تذکرہ کر کے بنی اسرائیل کو ایمان لانے کی ترغیب دی تھی، اس رکوع میں انھیں انعامات کی قدرے تفصیل ہے، انعام دو طرح کے ہیں۔ بعض انعامات تو وہ ہیں جن کا تعلق بنی اسرائیل کی مظلومیت سے ہے، یعنی بنی اسرائیل پر فرعون اور قوم فرعون نے ظلم ڈھا رکھا تھا حق تعالیٰ نے اس سے نجات بخشی۔ اور دوسرے انعامات وہ ہیں جن کا تعلق بنی اسرائیل کی ظالمیت اور شرارت سے اور حق تعالیٰ کے عفو درگزر سے ہے، یعنی بنی اسرائیل نے شرارتیں کیں اور ان شرارتوں کی وجہ سے وہ مستحق عذاب ہوئے مگر حق تعالیٰ نے ان کا تدارک بیان فرمایا اور انھیں معاف کر کے مزید احسان سے نوازدیا۔

زیر نظر آیات میں انعامات کی قسم اول کا ذکر ہے، اور اس کے ساتھ مزید قیامت کے دن کی بے بسی اور بے چارگی کا حوالہ دیا گیا ہے، کہ اس اس دن کوئی بھی شخص جو ایمان نہیں لایا، ایسا نہیں ہو سکتا کہ کسی دوسرے شخص کا ایمان اس کے کام آجائے یا کوئی اس کی سفارش کر دے، یا وہ کسی طرح کا فدیہ دے کر اپنی جان چھڑا لے، دنیا میں مجرمین اپنی نجات کیلئے یہی تینوں طریقے اختیار کرتے ہیں، کسی کو ضامن بناتے ہیں یا سفارش لاتے ہیں، یا مال خرچ کرتے ہیں، قیامت کے دن کافر کے حق میں یہ تینوں دروازے بند ہیں، اس لئے اس بیچارگی اور بے بسی کے دن سے بہت ڈرنا چاہئے۔

پھر انھیں یاد دلایا گیا کہ ایک زمانے میں وہ فرعون کے ظلم وستم کے شکنجے میں کسے ہوئے تھے وہ ان سے بیگار لیا کرتا تھا۔ پوری قوم بنی اسرائیل کی پوری قوم قبط کی غلام تھی۔ قبطیوں کا ہر فرد جس اسرائیلی کو چاہتا پکڑ لیتا، اور زبردستی اس سے کام کرا لیتا اور اجرت نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ پھر مزید یہ کہ اس نے بچوں کے قتل عام کا حکم دے رکھا تھا، یہ ایسا عذاب تھا کہ آج بھی دل ہل جاتا ہے، لیکن اللہ نے اس مصیبت کبریٰ سے نجات بخشی، اور نجات بھی کیسی؟ بنی اسرائیل کے لئے بالکل خلاف توقع لمبے چوڑے سمندر میں خشک راستہ پیدا کر دیا، اور جب فرعون اپنے لشکر سمیت اس پر پہونچا تو سمندر کی موجوں نے اسے اپنے نرغے میں لے لیا۔ بنی اسرائیل کو جو تکلیف

پہونچ رہی تھی اوراس کی وجہ سے وہ شدید رنج وغم اورغصہ میں مبتلا تھے، اللہ تعالیٰ نے دونوں کا علاج کر دیا۔ تکالیف کا خاتمہ تو ہوہی گیا اور ظالموں کو جو اپنے سامنے اپنی آنکھوں سے تڑپتے ،فریاد کرتے، چلاتے اور پھر ڈوبتے دیکھا تو ان کے دل کے غصے کی بھی تسکین ہوگئی۔

☆☆☆☆☆

﴿وَاِذْوٰعَدْنَا﴾ بالف و دونها ﴿مُوْسٰى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً﴾ نعطيه عند انقضائها التوراة لتعملوا بها ﴿ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ﴾ الذى صاغه لكم السامرى الٰها﴿مِنْ بَّعْدِهٖ﴾ اى بعد ذهابه الى ميعادنا ﴿وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ﴾ باتخاذه لوضعكم العبادة فى غير محلها ﴿ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ﴾ محونا ذنوبكم ﴿مِنْ بَّعْدِ ذٰلِكَ﴾ الاتخاذ ﴿لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ نعمتنا عليكم ﴿وَاِذْ آتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ﴾ التوراة ﴿وَالْفُرْقَانَ﴾ عطف تفسير اى الفارق بين الحق والباطل والحلال والحرام ﴿لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ﴾ به من الضلال﴿وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ﴾ الذين عبدوا العجل﴿يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ﴾ الٰها ﴿فتوبوا اِلٰى بَارِئِكُمْ﴾ خالقكم من عبادته ﴿فَاقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ﴾ اى ليقتل البرئ منكم المجرم ﴿ذٰلِكُمْ﴾ القتل ﴿خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ﴾ فوفقكم لفعل ذلک و ارسل عليكم سحابة سوداء لئلا يبصر بعضكم بعضا فيرحمه حتى قتل منكم نحو سبعين الفاً ﴿فَتَابَ عَلَيْكُمْ﴾قبل توبتكم ﴿اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ٥ وَاِذْ قُلْتُمْ﴾ وقد خرجتم مع موسىٰ لتعتذروا الى الله من عبادة العجل و سمعتم كلامه ﴿يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً﴾ عيانا﴿فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ﴾ الصيحة فمتم ﴿وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ﴾ ما حل بكم ﴿ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ﴾احييناكم﴿مِنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ نعمتنا بذلک ﴿وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ﴾ ستر ناكم بالسحاب الرقيق من حر الشمس فى التيه﴿وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ﴾ فيه ﴿الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى﴾ هما الترنجبين والطير السمانى بتخفيف الميم والقصر وقلنا﴿كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ﴾ ولا تدخروا فكفروا النعمة وادخروا فقطع منهم ﴿وَما ظَلَمُوْنَا﴾ بذلک ﴿وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ﴾ لان وباله عليهم ﴿وَاِذْقُلْنَا﴾ لهم بعد خروجهم من التيه ﴿ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ﴾ بيت المقدس او اريحا ﴿فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَداً﴾ واسعاً لا حجر فيه﴿وَادْخُلُوْا الْبَابَ﴾ اى بابها﴿سُجَّداً﴾ منحنين ﴿وَّقُوْلُوا﴾ مسئلتنا ﴿حِطَّةٌ﴾ اى تحط عنا خطايانا ﴿نَغْفِرْ﴾ و فى قرأة بالياء والتاء مبنيا للمفعول فيهما ﴿لَكُمْ خَطَايَاكُمْ وَ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ﴾

بالطاعة ثوابا ﴿فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلاًغَيْرَ الَّذِىْ قِيْلَ لَهُمْ﴾ فقالوا حبة فی شعرة و دخلوا يزحفون علی استاههم ﴿فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا﴾ فيه وضع الظاهر موضع المضمر مبالغة فی تقبيح شانهم ﴿رِجْزاً﴾ عذابا طاعوناً ﴿مِنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ﴾ بسبب فسقهم ای خروجهم عن الطاعة فهلک منهم فی ساعة سبعون الفاً او اقل ۔

﴿ترجمہ﴾

(اور جب ہم نے موسیٰ سے چالیس راتوں کا وعدہ کیا) کہ ان کے ختم پر ہم انھیں توریت عطا کریں گے تاکہ تم لوگ اس پر عمل کرو۔ واعدنا الف کے ساتھ ہے، اور بغیر الف کے بھی ہے۔ (پھر تم نے بچھڑے کو) معبود (بنالیا) جسے سامری نے تمہارے لئے ڈھالا تھا (اس کے بعد) یعنی موسیٰ کے ہمارے وعدے پر چلے جانے کے بعد (اور تم) اس کے اس بنا لینے کی وجہ سے (ظلم کا ارتکاب کررہے تھے) کیونکہ عبادت کا استعمال غلط محل پر کررہے تھے (پھر ہم نے تم سے درگزر کیا) یعنی تمہارے گناہوں کو محو کردیا (اس) بنا لینے (کے بعد شاید تم قدر کرو) ہمارے احسان کی جو تم پر ہوا (اور جب دیا ہم نے موسیٰ کو کتاب) یعنی تورات (اور فرقان) یہ عطف تفسیری ہے، یعنی وہ چیز حق و باطل اور حلال وحرام کے درمیان امتیاز پیدا کرتی ہے (شاید تم) اس کی وجہ سے گمراہی سے نکل کر (ہدایت پر آجاؤ اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم سے) یعنی ان لوگوں سے جنھوں نے بچھڑے کی پوجا کی تھی (اے میری قوم! تم نے اپنے آپ پر ظلم کیا بسبب اپنے بنا لینے کے بچھڑے کو) معبود (پس اپنے پیدا کرنے والے کے حضور) اس کی عبادت سے (توبہ کرو، لہذا اپنے آپ کو قتل کرو) یعنی تم سے جو بری ہے وہ مجرم کو مار ڈالے (یہ) قتل (تمہارے حق میں تمہارے خالق کے نزدیک بہتر ہے) پھر اللہ نے تم کو ایسا کرنے کی توفیق بخشی اور تم پر ایک کالی بدلی بھیج دی، تاکہ کوئی کسی کو نہ دیکھے کہ اسے ترس آئے، یہاں تک کہ تم میں سے ستر ہزار آدمی مار ڈالے گئے (پھر اللہ نے تم پر مہربانی فرمائی) تمہاری توبہ قبول کرلی (بلاشبہ وہ توبہ قبول کرنیوالے، رحم کرنے والے ہیں اور جب تم نے) اس وقت جبکہ موسیٰ کے ساتھ اس واسطے نکلے تھے کہ اللہ کے حضور بچھڑے کی پوجا سے معذرت کرو، اور تم نے اللہ کا کلام سن بھی لیا تو (کہا کہ اے موسیٰ، ہم تمہاری تصدیق اس وقت تک بالکل نہ کریں گے، جب تک ہم اللہ کو عیاناً نہ دیکھ لیں گے پس تم کو ایک کڑک نے آکر فنا کیا) پس تم موت کے گھاٹ اتر گئے (اور تم دیکھ رہے تھے) جو کچھ تم پر پڑ رہا تھا (پھر ہم نے تم کو اٹھایا) زندہ کیا (تمہاری اس موت کے بعد شاید تم) ہمارے اس احسان کا (شکر ادا کرو) اور ہم نے تم پر بادلوں کا سائبان قائم کیا) یعنی میدان تیہ میں تم پر سورج کی گرمی سے ہلکی بدلی کا پردہ قائم کیا (اور تم پر) اس میں (من وسلویٰ اتارا) یہ ترنجبین ہے اور سمانی پرندہ ہے، سمانی میم کی تخفیف اور قصر کے ساتھ ہے اور ہم نے کہا (ان پاکیزہ چیزوں کو کھاؤ) اور ذخیرہ بنا کر نہ رکھو، لیکن انھوں نے

نعمت کی ناشکری کی، اور ذخیرہ بنانا شروع کر دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ یہ آسمانی روزی منقطع ہوگئی (اور انھوں نے) یہ کرکے ہم پر کوئی ظلم نہیں کیا لیکن وہ اپنے آپ پر ظلم کر رہے تھے) کیونکہ اس کا وبال انھیں پر پڑا (اور جب ہم نے ان سے) ان کے میدان تیہ سے نکلنے کے بعد (کہا کہ اس بستی میں داخل ہو جاؤ) بیت المقدس یا اریحا میں (پس کھاؤ وہاں جیسے چاہو، وسعت کے ساتھ) بغیر کسی رکاوٹ کے (اور) اس کے (دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے) یعنی جھکتے ہوئے (داخل ہو، اور کہو) کہ ہمارا سوال (معافی ہے) یعنی یہ کہ ہماری خطاؤں کو معاف کر دیجئے (ہم معاف کردیں گے تمہارے واسطے تمہاری غلطیوں کو) ایک قرأۃ میں **یغفر** یا کے ساتھ اور ایک قرأۃ میں **تغفر** تا کیساتھ ہے، اور یہ دونوں فعل مجہول ہیں (ہم جلد ہی ان لوگوں کو جو) طاعت اختیار کرکے (نیکی کرنے والے ہیں) ثواب کا (بدلہ دیں گے، پھر بدل دیا ان لوگوں نے جنھوں نے) ان میں سے (ظلم کیا، بات کو اس کے علاوہ جوان سے کہی گئی تھی) پس انھوں نے کہا **حبة فی شعرة** - بالیوں میں دانہ چاہئے، اور اپنے سرین کے بل گھسٹ کر داخل ہونے لگے (اس کے نتیجے میں ہم نے ظالموں پر) اس میں اسم ظاہر کو ضمیر کی جگہ پر استعمال کیا گیا ہے، اور مقصد ان کی حالت کی قباحت کو خوب واضح کرنا ہے (عذاب اتارا) طاعون (آسمان سے اس وجہ سے کہ وہ فسق کرتے تھے) یعنی طاعت سے ان کے خروج کرنے کی وجہ سے، تو ان میں سے ستر ہزار یا کچھ کم ایک ساعت میں ہلاک ہوگئے۔

تشریحات

واذ واعدنا: قاضی بیضاوی نے لکھا ہے کہ فرعون کی ہلاکت کے بعد جب بنی اسرائیل مصر کو لوٹے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰ **علیہ السلام** سے وعدہ کیا کہ انھیں توریت عطا فرمائیں گے، اور اس کے لئے ذی قعدہ اور عشرۂ ذی الحجہ کی تاریخ مقرر کی، اور اس کی تعبیر لیالی سے اس لئے کی کہ مہینہ کی شروعات رات ہی سے ہوتی ہے۔

واعدنا میں دو قرأت ہے۔ بغیر الف کے یعنی ہم نے وعدہ کیا اور **واعدنا** الف کے ساتھ، یہ باب مفاعلت سے ہے، اس میں شرکت کا معنی ہے یعنی ہم نے موسیٰ سے کتاب دینے کا وعدہ کیا اور موسیٰ نے کوہ طور پر آنے کا وعدہ کیا۔

موسیٰ: یہ عجمی لفظ ہے اور غیر منصرف ہے، یہ لفظ مو اور شا سے مرکب ہے، عبرانی زبان میں مو کے معنی پانی کے ہیں اور شا کے معنی درخت کے، فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو پانی کے اندر سے جھاڑیوں کے جھنڈ سے نکالا تھا، اس لئے ان کا نام موشا پڑ گیا۔ عربوں نے اسے ''موسیٰ'' کر لیا۔

(ثم اتخذتم العجل) الھا: **اتخذ** متعدی بدو مفعول ہے، دوسرا مفعول **الھاً** ہے، جو یہاں محذوف ہے، مفسر نے اسے ظاہر کر دیا ہے کبھی متعدی بیک مفعول بھی استعمال ہوتا ہے، جب کہ **جعل** کے معنی میں ہو۔

وقالو اتخذ الله ولداً : **اتخذ** باب افتعال سے ہے، اخذ سے مشتق ہے، اصل میں **اتخذ** ہے، اس میں پہلا ہمزہ وصل ہے اور دوسرا ہمزہ فا کلمہ ہے، مہموز کے قاعدہ سے دوسرے ہمزہ کو یاء سے بدل دیا، پھر یاء کو تاء سے بدل کر تاء میں ادغام کر دیا، بعض لوگوں نے تاء کے کثرت استعمال کی وجہ سے اسے اصلی سمجھ لیا، اور اسی سے مجرد **تخذ یتخذ** باب سمع سے بنالیا ہے، کہتے ہیں **تخذته صديقاً** : لیکن اصل یہ نہیں ہے، تاہم **الغلط العام فصيح** کے تحت رائج ہے۔

سامری : بنی اسرائیل کا ایک شخص تھا جو منافق تھا، اس کا نام بھی موسیٰ تھا۔ موسیٰ علیہ السلام جب مصر سے نکلے تھے تو بنی سرائیل کے پاس سونے اور چاندی کے زیورات بہت تھے، انھیں کو حاصل کر کے اس نے ایک بچھڑے کی صورت ڈھال لی تھی، اس کے منھ میں ایک خاص مٹی جو اس نے جبرئیل علیہ السلام کے گھوڑے کی ٹاپوں کے نیچے سے اٹھائی تھی، جب سمندر پار کرنے میں موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کی وہ مدد کر رہے تھے، وہی مٹی اس بچھڑے کے منھ میں ڈال دی تھی اور وہ جیتا جاگتا بچھڑا بن گیا تھا، اس نے اس کے معبود ہونے کا وسوسہ بنی اسرائیل میں پھیلایا، بہت سے لوگوں نے اسے مان بھی لیا اور اس کی پوجا کرنے لگے۔

لوضعكم : ظلم کی تعریف مفسر نے بتائی ہے کہ **وضع الشئي في غير محله** ہے، یعنی شے کو اس کے خاص محل و مقام پر نہ رکھ کر دوسری جگہ رکھ دینا۔ عبادت اللہ کی ہونی چاہئے، ان ظالموں نے اسے بچھڑے سے متعلق کر دیا۔

لعل : **لعل** کا معنی ترجی کا ہے، لیکن یہاں اس میں تعلیل کا معنی ہے۔

ليقتل البرى منكم المجرم : **فاقتلوا انفسكم** کا ظاہری معنی مراد نہیں ہے کیونکہ اس سے بظاہر خودکشی کا حکم معلوم ہوتا ہے، اور اس کا کوئی قائل نہیں ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ بچھڑے کی پوجا کرنے والے اپنے آپ کو قتل ہونے کیلئے حوالے کر دیں اور دوسرے لوگ انھیں قتل کر دیں۔

ان لوگوں کو جب موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کا حکم سنایا تو انھوں نے اللہ کے حکم کو تسلیم کرلیا۔ اور قتل ہونے کیلئے راضی ہو گئے، لیکن مشکل یہ تھی کہ آدمی اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے رشتہ داروں کو کیسے قتل کرے، تو اللہ نے ایک ایسی بدلی بھیجی کہ بالکل اندھیرا ہو گیا، اور اسی اندھیرے میں بہتیرے لوگ مارے گئے، پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی دعا سے اس حکم کو اٹھالیا، اور فیصلہ فرمایا کہ جو لوگ قتل کیے گئے وہ شہید ہیں، جنت میں داخل ہوں گے اور جو لوگ بچ رہے، ان کی خطا معاف۔

وقد خرجتم مع موسىٰ : اس توبہ و قتل کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے ستر آدمیوں کا انتخاب کیا اور انھیں لے کر کوہ طور پر تشریف لے گئے تاکہ وہ اپنی قوم کی طرف سے اللہ کے حضور معذرت کریں، انھوں نے درخواست کی

کہ اللہ تعالیٰ کی بات سنوا دیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا فرما دی، انھوں نے اللہ کا کلام سن لیا، لیکن اس پر انھوں نے دیکھنے کی درخواست پیش کردی اس پر اللہ کا غضب حرکت میں آ گیا اور ایک چنگھاڑ نے سب کو ہلاک کر دیا، اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے وہ زندہ کر دیئے گئے۔

فــی التیـــہ : میدان تیہ میں بنی اسرائیل چالیس سال تک بھٹکتے رہے، اس کا مفصل ذکر سورہ مائدہ میں آئے گا انشاء اللہ۔

هما الترنجبين والطير السمانی : ترنجبین گوند جیسی کوئی لذیذ شے ہے اور طیر سمانی، بٹیر جیسا کوئی پرندہ تھا۔

ولا تـدخروا : انھیں حکم تھا کہ روز کے روز کی غذا کھالیا کریں، اسے بچا بچا کر نہ رکھیں، بس اللہ پر توکل کریں مگر حریص و بخیل طبیعتوں نے حکم عدولی کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ آسمانی رزق بند ہو گیا۔

واذ قلنا لهم بعد خروجهم : میدان تیہ میں حضرت ہارون علیہ السلام کا بھی انتقال ہو گیا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بھی انتقال ہو گیا، اور ابتداء حکم کے وقت جو لوگ جوان تھے وہ سب مر گئے، اور اس وقت اور بعد کے بچے جوان ہو گئے، چالیس سال جب پورے ہو گئے تو اس وقت حضرت یوشع بن نون کی نبوت کا دور تھا، اس وقت بنی اسرائیل کو حکم ہوا کہ فلاں آبادی میں جاؤ، اس سے مراد وہ آبادی ہے جس میں اللہ کا گھر بیت المقدس تھا یا اس سے مراد اس وقت شہر اریحا تھا، یہ شہر بیت المقدس کے قریب ہی تھا۔

انھیں یہ بھی حکم تھا کہ شہر میں تواضع کے ساتھ جھک کر داخل ہوں، اور زبان سے بھی کوئی بات ایسی نہ کہیں جس سے اکڑ اور کبریائی کا اظہار ہوتا ہے، بلکہ **حطةٌ** کہتے ہوئے داخل ہوں، یعنی معافی ہو معافی ہو۔

فبـدل الـذين ظلموا قولا : اللہ کا حکم تو یہ تھا، مگر شریر طبیعتوں نے بات کا رخ بدل دیا، اور بجائے **حطةٌ** کے **حـنـطةٌ** یاحبة کہنے لگے، یعنی غلہ چاہئے، اور بجائے جھک کر داخل ہونے کے ازراہ تمسخر سرین کے بل گھسٹنے لگے، اس ظلم کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں طاعون کی وبا پھوٹ پڑی اور بکثرت لوگ ہلاکت کے گھاٹ اتر گئے۔

فـانزلنا على الذين ظلموا :۔ **فيـه وضـع الظاهر موضع المضمر مبالغة فی تقبيح شانهم** : **الذين ظـلموا** اسم ظاہر ہے، سیاق کلام کا تقاضا یہ تھا کہ **فـانـزلنا عليهم** ہوتا، لیکن اس کے بجائے اسم ظاہر لایا گیا، اس کا فائدہ یہ ہے کہ ضمیر سے ان کے حال کی قباحت ظاہر نہ ہوتی، اور **الـذيـن ظـلموا** سے ان کا حالِ شنیع خوب واضح ہو گیا کہ قول کو بدلنے والے ظالم تھے۔

﴿مضامین آیات وتفسیر﴾

آیات زیر نظر میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ان احسانات وانعامات کا تذکرہ فرمایا ہے جن کا تعلق بنی اسرائیل کی شرارتوں اور حق تعالیٰ کے عفو و درگزر سے ہے، مگر بجائے اس کے کہ ان احسانات سے یہ لوگ متاثر ہوتے الٹا

اور شرارتیں کرتے۔

مصر سے نکلنے اور فرعون سے نجات پانے کے بعد اللہ کا احسان عظیم یہ ہوا کہ انھیں ایک قانون ایک دستور العمل ایک نور اور ایک کتاب ہدایت دینے کے واسطے اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر بلایا، لیکن ادھر موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر تشریف لے گئے اور ادھر بنی اسرائیل کے شریروں نے اللہ کو چھوڑ کر ایک گئو سالہ کی پوجا شروع کردی۔ یہ جرم اتنا سخت تھا کہ انھیں قتل بھی کیا جاتا اور جہنم میں ہمیشہ ہمیش کیلئے ڈالدیا جاتا، مگر حق تعالیٰ نے رحم فرمایا، کچھ لوگ قتل کئے گئے، مگر سب کو معاف کردیا اور جنت کے مستحق قرار دیئے گئے، یہ بھی اللہ کا احسان ہوا کہ انھیں قتل کی سزا کو قبول کرنیکا حوصلہ عطا فرمایا، ورنہ اگر وہ سرکشی پر اتر آتے تو عاقبت تباہ و برباد ہوجاتی، پھر مزید احسان کہ اندھیرا کردیا گیا کہ نہ قاتل مقتول کو دیکھے، نہ مقتول قاتل کو۔

پھر انھیں اللہ کے سامنے عذر کرنا تھا، یہ کوہ طور پر جاتے اور وہاں عبادت و مناجات کے ساتھ اللہ کو راضی کرتے، مگر ہوا یہ کہ وہ طور پر پہونچے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے الٹی سیدھی فرمائشیں کرنے لگے کہ اللہ کا کلام ہم بھی سنیں گے، اچھا سن لیا مگر پھر الجھ پڑے کہ ہمیں آپ پر اعتبار نہیں، ہمیں دکھا دیجئے، اس پر تباہی نازل ہوگئی ـ مگر پھر احسان ہوا کہ زندہ کردیئے گئے، کیسی کیسی نشانیاں دیکھیں بنی اسرائیل نے؟ مگر جب جہاد کا موقع آیا تو گستاخیاں کرنے لگے کہ ہم نہیں لڑیں گے آپ اور آپ کا رب جا کر لڑے اس گستاخی کا نتیجہ یہ ہوا کہ چالیس سال تک حیران و پریشان رکھے گئے۔

اس گستاخی کے باوجود انھیں جب بھوک پیاس کی پریشانی ہوتی تو کھانے کیلئے من وسلویٰ کا غیبی انتظام ہوا، اور وعدہ کیا گیا کہ روز روز تازہ غذا حاصل ہوگی، اس میں چوری، خیانت اور ذخیرہ اندوزی مت کرنا، مگر شریروں نے یہ بھی کیا اور بالآخر آسمانی رزق سے محروم ہوگئے۔

پھر جب محرومی کے یہ چالیس سال پورے ہوگئے اور پرانی نسل کی جگہ نئی نسل آگئی تو حضرت یوشع کو حکم ہوا کہ انھیں لے کر جہاد کریں، اس جہاد میں اللہ کے حکم سے سورج اس وقت تک غروب ہونے سے ٹھہرا رہا جب تک حضرت یوشعؑ کو فتح نہیں حاصل ہوگئی۔

اب حکم ہوا کہ شہر کے دروازے میں استغفار کرتے ہوئے تواضع کے ساتھ داخل ہوں، مگر پچھلی نسل کی رگ شرارت اس نسل میں بھی منتقل ہوگئی تھی، فتح کے نشہ میں انھیں دیوانگی نے آگھیرا، اور بجائے استغفار کے غلہ کا سوال کرنے لگے، اور بجائے جھکنے کے سرین پر گھسٹ کر حکم الٰہی کا مذاق اڑانے لگے، اس گستاخی اور بدتمیزی کی سزا یہ ملی کہ وہ طاعون جیسی مہلک وبا میں گرفتار ہوگئے۔

☆☆☆☆☆

﴿وَ﴾ اذكر ﴿اِذِ اسۡتَسۡقٰى مُوۡسىٰ﴾ اى طلب السقيا ﴿ لِقَوۡمِهٖ ﴾ وقد عطشوا فى التيه ﴿ فَقُلۡنَا اضۡرِبۡ بِعَصَاکَ الۡحَجَرَ ﴾ وهو الذى فر بثوبه خفيف مربع كراس الرجل رخام او كذان فضربه ﴿ فَانۡفَجَرَتۡ﴾ انشقت وسالت ﴿مِنۡهُ اثۡنَتَا عَشۡرَةَ عَيۡناً﴾ بعدد الاسباط ﴿قَدۡ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ﴾ سبط منهم ﴿ مَشۡرَبَهُمۡ﴾ موضع شربهم فلا يشركهم فيه غيرهم وقلنا لهم ﴿ كُلُوۡا وَاشۡرَبُوۡا مِنۡ رِزۡقِ اللّٰهِ وَلَا تَعۡثَوۡا فِى الۡاَرۡضِ مُفۡسِدِيۡنَ ﴾ حال مؤكدة لعاملها من عثى بكسر المثلثة افسد ﴿وَاِذۡ قُلۡتُمۡ يٰمُوۡسىٰ لَنۡ نَّصۡبِرَ عَلٰى طَعَامٍ ﴾ اى نوع منه ﴿وَاحِدٍ﴾ وهو المن والسلوى ﴿ فَادۡعُ لَنَا رَبَّکَ يُخۡرِجۡ لَنَا ﴾ شيئا ﴿مِمَّا تُنۡبِتُ الۡاَرۡضُ مِنۡ ﴾ للبيان ﴿بَقۡلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوۡمِهَا ﴾ حنطتها ﴿ وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ﴾ لهم موسىٰ ﴿ اَتَسۡتَبۡدِلُوۡنَ الَّذِىۡ هُوَ اَدۡنٰى﴾ اخس ﴿ بِالَّذِىۡ هُوَ خَيۡرٌ﴾ اشرف اى تاخذونه بدله والهمزة للانكار فأبوا ان يرجعوا فدعا الله فقال تعالىٰ ﴿ اِهۡبِطُوۡا ﴾ انزلوا ﴿ مِصۡراً﴾ من الامصار ﴿ فَاِنَّ لَكُمۡ ﴾ فيه ﴿مَاسَاَلۡتُمۡ﴾ من النبات ﴿ وَضُرِبَتۡ ﴾ جعلت ﴿ عَلَيۡهِمُ الذِّلَّةُ ﴾ الذل والهوان ﴿وَالۡمَسۡكَنَةُ﴾ اى اثر الفقر من السكون والخزى فهى لازمة لهم وان كانوا اغنياء لزوم الدرهم المضروب لسكته ﴿وَبَآءُوۡا ﴾ ورجعوا ﴿ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ذٰلِکَ ﴾ اى الضرب والغضب ﴿ بِاَنَّهُمۡ ﴾ اى بسبب انهم ﴿كَانُوۡا يَكۡفُرُوۡنَ بِآيَاتِ اللّٰهِ وَيَقۡتُلُوۡنَ النَّبِيّٖنَ ﴾ كزكريا ويحيىٰ ﴿بِغَيۡرِ الۡحَقِّ ﴾ اى ظلماً ﴿ذٰلِکَ بِمَا عَصَوۡا وَكَانُوۡا يَعۡتَدُوۡنَ﴾ يتجاوزون الحد فى المعاصى و كرره للتاكيد۔

﴿ ترجمه ﴾

(اور) یاد کرو (جب موسیٰ نے اپنی قوم کیلئے پانی کی دعا کی) جب کہ وہ لوگ میدان تیہ میں پیاسے ہوگئے تھے (تو ہم نے کہا کہ اپنی لاٹھی سے پتھر پر مارو) یہ پتھر وہی تھا جو موسیٰ علیہ السلام کے کپڑے کو لے کر بھاگا تھا، ہلکا، چوکور، آدمی کے سر کے برابر تھا، سنگ مرمر تھا یا کوئی نرم پتھر تھا، انھوں نے اسے مارا (تو اس سے پھوٹ پڑے) یعنی بہہ پڑے (بارہ چشمے) جتنے ان کے خاندان تھے (تمام لوگوں نے) یعنی ہر خاندان نے (اپنے گھاٹ کو متعین کرلیا) اس میں دوسرا خاندان شریک نہیں ہوسکتا تھا اور ہم نے ان سے کہا کہ (اللہ کی روزی سے کھاتے پیتے رہو، اور زمین میں فساد نہ مچاتے پھرو) مفسدین اپنے عامل لا تعثوا کے کیلئے حال موکدہ ہے، عثی باب سمع سے ہے، اس کے معنی فساد مچانا ہے (اور جب تم نے کہا کہ اے موسیٰ! ہم ایک کھانے) یعنی ایک قسم کے کھانے پر جو کہ من وسلویٰ ہے (ہرگز صبر نہیں کر سکتے، تو ہمارے لئے اپنے پروردگار سے دعا کر دیجئے کہ

ہمارے لئے) کچھ (ان اشیاء میں سے پیدا کرے جسے زمین اگاتی ہے، مثلاً) مــن بیانیہ ہے (ترکاری) ککڑی، گیہوں، دال اور پیاز، کہا) ان سے موسیٰ نے (کیا تم اس چیز کے عوض میں جو کہ بہتر ہے معمولی چیز چاہتے ہو) ہمزۂ استفہام انکاری ہے، لیکن اس کے باجود وہ اپنی بات سے باز نہ آئے تو انھوں نے اللہ سے دعا کی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ (کسی شہر میں آجاؤ) اس میں (تمہارے لئے وہ چیزیں) یعنی سبزیاں (ہیں جن کا تم نے سوال کیا ہے، اوران پر ذلت) رسوائی (اور مسکنت) یعنی فقر کا اثر، یہ سکون سے ماخوذ ہے (کی مہر لگادی گئی) پس وہ ان کیلئے لازم ہے، اگرچہ وہ مال دار ہوں جیسے کہ درہم کیلئے اس کا ٹھپہ لازم ہوتا ہے (اور اللہ کی طرف سے غضب کو لے کر لوٹے، یہ) مہر اور غضب (اس واسطے ہوا کہ وہ لوگ اللہ کی آیات کا انکار کرتے تھے اور انبیاء) مثلا زکریا و یحییٰ علیہما السلام (کو ناحق قتل کر دیئے تھے) یعنی ظلماً (یہ اس واسطے کہ انھوں نے نافرمانی کی اور) معاصی میں (حد سے آگے بڑھتے تھے) اس کو تاکید کیلئے مکرر لائے ہیں۔

﴿تشریحات﴾

طلب السقیا: باب استفعال میں طلب کا معنی ہوتا ہے، اسی کو مفسر نے ظاہر کیا ہے، **سقیا** حاصل مصدر ہے۔

قد عطشوا فی التیه : یہ جملہ حالیہ ہے، اس سے معلوم ہوا کہ یہ قصہ اس وقت کا ہے، جب موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے ساتھ میدان تیہ میں تھے۔

وهو الذی فر بثوبه : اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ **فاضرب بعصاک الحجر** ۔ یہ عصا وہی تھا جو انھیں مشہور قول کے مطابق حضرت شعیب علیہ السلام سے ملا تھا، اور اس سے معجزات کا ظہور ہوتا تھا۔ **الحجر** میں الف لام عہد کا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کوئی متعین پتھر تھا، جسے موسیٰ علیہ السلام جانتے تھے، اس تعیین کو حضرت مفسر نے بیان فرمایا ہے کہ یہی پتھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کپڑے کو لے کر بھاگا تھا، واقعہ یہ ہوا تھا کہ بنی اسرائیل میں شرم وحیا کے وہ آداب و دستور نہیں تھے جس سے امت محمدیہ سرفراز ہے، وہ ایک دوسرے کے سامنے عریاں ہو جایا کرتے تھے اور اسی طرح غسل وغیرہ کر لیا کرتے تھے، مگر موسیٰ علیہ السلام قوم کی عادت کے خلاف کبھی کسی کے سامنے برہنہ بدن نہ ہوتے تھے ان کیلئے یہ نئی بات تھی، وہ شبہہ کرتے تھے کہ موسیٰ علیہ السلام کے بدن میں کوئی عیب ہے، ایک روز اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ بنی اسرائیل کی یہ تہمت تراشی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اوپر سے ختم ہو، وہ نہانے کیلئے تالاب یا دریا کے کنارے گئے، اس وقت سناٹا تھا، آپ نے کپڑے اتارے اور ایک پتھر پر رکھ دیئے، اور پانی میں گھس کر نہانے لگے جب باہر نکلنے کا ارادہ کیا تو دیکھا کہ وہ پتھر اپنی جگہ سے کھسک رہا ہے، حضرت موسیٰ لپکے کہ اپنا کپڑا اس پر سے اٹھالیں، مگر وہ تیزی سے بھاگنے لگا، موسیٰ علیہ السلام لاٹھی لیکر دوڑے، وہ بھاگتے بھاگتے ایسی جگہ رکا جہاں کچھ اسرائیلی بیٹھے ہوئے تھے، موسیٰ علیہ السلام ایک حال میں تھے، انھوں نے

پتھر کو لاٹھی سے مارا اور کپڑے جلدی جلدی پہنے، بنی اسرائیل نے دیکھ لیا کہ ان کا جسم بے داغ اور بے عیب ہے، اللہ کی طرف سے حضرت موسیٰ کو حکم ہوا کہ اس پتھر کو اپنے ساتھ رکھ لو، یہ کام آئے گا، وہ ہلکا تھا، اسے موسیٰ علیہ السلام اپنے ساتھ رکھے رہا کرتے تھے، اس حکم کے بعد جب پانی کی ضرورت ہوتی، اس پر لاٹھی کی ضرب لگاتے اور اس میں سے پانی بہنے لگتا تھا، پھر جب روکنا ہوتا تو دوبارہ لاٹھی مارتے اور پانی بند ہو جاتا۔

لیکن مشہور اسرائیلی عالم حضرت وھب بن منبہ فرماتے ہیں کہ یہ کوئی متعین پتھر نہ تھا، بلکہ کسی بھی پتھر سے موسیٰ علیہ السلام کام لے لیا کرتے تھے، اور یہ الف لام **الحجر** میں عہد ذھنی کا ہے۔

سالت : **فانفجرت** کے معنی صرف پھٹنے کے ہیں۔ **سالت** کا لفظ لاکر اشارہ کیا ہے کہ اس میں چشمے کی مناسبت سے سیلان کے معنی کی تضمین ہے۔

بعدد الاسباط : گزر چکا ہے کہ بنی اسرائیل بارہ خاندانوں پر مشتمل تھے۔

من رزق اللہ :۔ رزق تو سب اللہ ہی طرف سے ملتا ہے، مگر بنی اسرائیل کا یہ رزق چونکہ اسباب ظاہری کے بغیر مل رہا تھا اس لئے اس کی نسبت براہ راست اللہ کی طرف کی گئی ہے۔

حال موکدۃ لعاملھا :**مفسدین** ،حال ہے **لا تعثوا** میں ضمیر مخاطبین ذوالحال ہے، **لا تعثوا** کے معنی فساد نہ کرو، ہے۔ اور مفسدین سے بھی اس معنی کی تکرار ہوتی ہے، اور تکرار سے تاکید حاصل ہوتی ہے، اس لئے یہ حال موکدہ ہے۔

اے نوع منہ : بنی اسرائیل نے کہا کہ ہم ایک کھانے پر صبر نہیں کر سکتے، اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک ہی کھانا تھا حالانکہ ایسا نہ تھا، اس شبہہ کو دفع کرنے کرنے کیلئے مفسر نے فرمایا کہ ایک کھانا سے مراد ایک قسم کا کھانا ہے اور وہ من وسلویٰ ہے۔

فومھا حنطتھا : فوم کے معنی گیہوں کے بھی ہیں، اور لہسن کے بھی ہیں، مفسر نے گیہوں مراد لیا ہے، بعض مفسرین نے لہسن مراد لیا ہے۔

ادنیٰ : ادنی کی تحقیق میں تین قول ہیں:

(۱) یہ دنو سے مشتق ہے، اصل میں اَدْنَوُ تھا، واو اس کلمہ میں چوتھا حرف ہے، اس لئے اسے یاء سے بدل دیا، پھر یاء متحرک اس کے ماقبل مفتوح ہے، اس لئے اسے الف سے بدل دیا، اس کے معنی قریب کے ہیں۔ التزاماً اس سے خست کا معنی سمجھ میں آتا ہے، کیونکہ جو چیز خسیس اور معمولی ہوتی ہے، اس کا حصول بہت قریب اور آسان ہوتا ہے۔

(۲) یہ لفظ مہموز ہے، اصل میں ادنأ ہے جو دناءت سے مشتق ہے، ہمزہ کو تخفیفاً الف سے بدل دیا گیا، اس کے

معنی پست اور کمینہ کے ہیں۔

(۳) یہ لفظ دون سے مشتق ہے یعنی ردی، واو کو جو عین کلمہ ہے منتقل کر کے لام کلمہ بنا دیا گیا، اور پھر اسے قاعدے کے مطابق الف سے بدل دیا گیا۔

ای اتاخذونه بدله : **اتستبدلون الذی هو ادنیٰ بالذی هو خیر** کی تفسیر میں **تاخذونه بدله** کا لفظ لا کر مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ استبدال اور ابدال کے استعمال میں باء کا دخول شی متروک پر ہوتا ہے، اس شے پر نہیں ،جس کو عوض میں لیا گیا ہے۔

اهبطوا .انزلو : **هبوط** کے اصل معنی اوپر سے نیچے اترنے کے ہیں، لیکن اس کی تفسیر **انزلوا** سے کر کے مفسر نے بتا دیا کہ یہاں وہ معنی مراد نہیں ہے، بلکہ منتقل ہو کر دوسری جگہ پہونچنا اور قیام کرنا ہے، نزول کا یہی معنی ہے اور اس میں اوپر سے نیچے آنے کا معنی لازم نہیں ہے۔

مصراً من الامصار : یہاں مصر کو تمام قراء نے تنوین کے ساتھ پڑھا ہے، اس سے مراد کوئی بھی شہر ہے، بعض لوگوں نے کہا ہے اس سے خاص مصر فرعون مراد ہے۔ اس صورت میں اسے علمیت اور تانیث کی وجہ سے غیر منصرف ہونا چاہئے ،لیکن چونکہ متحرک الاوسط نہیں ہے، اس لئے اس کا منصرف ہونا بھی جائز ہے، جیسے هند کو منصرف اور غیر منصرف دونوں طرح پڑھا جاتا ہے، مفسر نے پہلا معنی مراد لیا ہے۔

ضربت عليهم :اس کلام میں **هم** ضمیر سے مراد صرف وہی لوگ نہیں ہیں جنھوں نے موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں سرکشی کی راہ اختیار کی تھی، بلکہ بعد کے اخلاف بھی مراد ہیں، بالخصوص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سلسلے میں ان کی جو حرکات رہی ہیں، وہ ذلت وهوان کا خاص سبب رہی ہیں، اور بعد کے لوگوں کے مراد ہونے کا قرینہ یہ ہے کہ آگے حق تعالیٰ ارشاد فرمارہے ہیں **ذلک بانهم کانوا یکفرون بآیات الله ویقتلون النبیین بغیر الحق**۔ظاہر ہے کہ قتل انبیاء کی جرأت اس قوم کو عہد موسوی کے بعد ہوئی ہے۔

ای اثر الفقر من السکون : **مسکنة** سکون سے مشتق ہے، مسکنت کیلئے سکون بمعنی ٹھہراؤ لازم ہے، کیونکہ مسکین شخص اسباب واموال نہ ہونے کی وجہ سے کہیں آجا نہیں سکتا، یہاں مسکنت سے مراد تنگدستی کے آثار ہیں۔

فهی لازمة لهم وان کانوا اغنیاء :یہودی گو کہ مال دار ہو، مگر تنگدستی کے آثار اس پر نمایاں ہوں گے، یعنی ذلیل وخسیس ہوگا، حریص وبخیل ہوگا۔

لزوم الدرهم المضروب لسکته :سکة لوہے کے اس ٹھپہ کو کہتے ہیں جس سے درہم ودینار پر کسی خاص عبارت وغیرہ کا نقش بنایا جاتا ہے، یہ عبارت اصل هیئت پر نہیں ہے، بلکہ مقلوب ہے، اصل عبارت یوں ہوگی۔ **لزوم السکة للدرهم المضروب** ،اور اس میں سکہ سے مراد سکہ کا لازمی معنی یعنی اثر ہے، گویا یہاں سے لفظ

اثر محذوف ہے،لزوم اثر السکة للدرھم المضروب۔جس طرح ڈھلے ہوئے درہم پرلوہے کے ٹھپے کا نقش لازم ہوتا ہے وفی المصباح السکة بالکسر حدیدة منقوشة تطبع بھا الدراھم و الدنانیر والجمع سکک مثل سدرة و سدر.

بغیر الحق :انبیاءکوقتل کرنا ہمیشہ ناحق ہوتا ہے،کبھی برحق نہیں ہوسکتا،لیکن اس کے باوجود یہاں بغیر الحق کا لفظ لانے کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان قاتلین کے نزدیک بھی قتل ناحق ہی تھا،ایسا نہ تھا کہ وہ غلطی سے اسے حق اور صحیح سمجھتے رہے ہوں۔

کررہ للتاکید :اسم اشارہ ذلک کوتاکید کیلئے مکرر ذکرکیا ہے۔اسم اشارہ کومکرر لانے کی دوتوجیہیں ذکر کی گئی ہیں۔ایک تو وہی جومفسر نے ذکر کی ہے،یعنی دونوں ذلک کا اشارہ ایک ہی بات کی طرف ہے،یعنی ان پر ذلت ورسوائی کی مہر کا لگایا جانا،لیکن علامہ زمخشری نے لکھا ہے کہ پہلے ذلک کا اشارہ تواسی ذلت ورسوائی کے ٹھپہ کی جانب ہے،لیکن دوسرے ذلک کا اشارہ کفرآیات اورقتل انبیاء کی طرف ہے،یعنی وہ لوگ اللہ کی آیات کا انکاراورانبیاءکاقتل اس لئے کرتے تھے کہ انھیں گناہ اورسرکشی میں بڑاانہماک ہوگیا تھا۔

☆☆☆☆☆

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ آمَنُوْا﴾ بالانبیاء من قبل ﴿وَالَّذِیْنَ هَادُوْا﴾ هم الیهود ﴿وَالنَّصَارٰی وَالصَّابِئِیْنَ﴾ طائفة من الیهود أوالنصارىٰ ﴿مَنْ آمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الآخِرِ﴾ فی زمن نبینا ﴿وَعَمِلَ صَالِحاً﴾ بشریعته ﴿فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ﴾ ای ثواب اعمالهم ﴿عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا یَحْزَنُوْنَ﴾ روعی فی ضمیر آمن و عمل لفظ من وفیما بعده معناها ۔

﴿ترجمہ﴾

(بیشک وہ لوگ جو) پہلے انبیاء پر (ایمان لائے اور وہ لوگ جو یہودی ہوئے اور نصاریٰ اور صابی ہوئے) یہ یہود یانصاری کا ایک گروہ ہے(جو)ان میں سے(اللہ پراور یوم آخر پر)ہمارے نبی کے زمانے میں (ایمان لایااور) آپ کی شریعت کے مطابق (عمل صالح کیا،ان کے لئے ان کا اجر) یعنی ان کے اعمال کا ثواب(ہے،ان کے رب کے پاس اوران پرنہ کوئی خوف ہوگا اورنہ وہ غمگین ہوں گے)آمن اورعمل کی ضمیر میں لفظ من کی رعایت کی گئی ہے،اوراس کے مابعد میں اس کے معنی کی۔

﴿تشریحات﴾

والذین هادوا :هاد یهود کے معنی یہودیت میں داخل ہونے کے ہے،لفظ یهود میں دوقول ہےایک یہ کہ یہ لفظ عربی ہے هاد یهود بمعنی تاب یتوب سے ماخوذ ہے،انھوں نے چونکہ بچھڑے کی پوجا کرنے سے ایک

تاریخی توبہ کی تھی، اس لئے انھیں یہود کہا گیا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ یہودا سے معرب ہے، یہ نام حضرت یعقوب علیہ السلام کے بڑے بیٹے کا ہے۔ ان کی نسبت سے اہل کتاب کا ایک طبقہ یہودی کہلایا۔

صابئین : یہ لفظ صابی کی جمع ہے۔ **صبا یصبو** اگر معتل ہے تو اس کے معنی مائل ہونے کے ہیں، اور اگر **صبأ یصبأ** مہموز ہے تو اس کے معنی نکلنے کے ہیں۔ صابی کا لفظ ان لوگوں پر بولا جاتا ہے جو اپنے سابق دین سے نکل گئے ہوں۔ یہ گروہ یہود و نصاریٰ کا ایک ٹکڑا تھا جو اپنے اصل دین سے منحرف ہو کر ستاروں وغیرہ کی پوجا کرنے لگ گیا تھا.

فی زمن نبینا : یہ ایک اشکال کا جواب ہے، اشکال یہ ہے کہ ابتداء آیت میں **ان الذین آمنوا** کہا گیا ہے، اور یہاں **من آمن باللہ والیوم الآخر** کہا گیا۔ تو پہلے تعمیم اور اس کے بعد تخصیص کیوں کی گئی؟ جواب یہ ہے کہ **ان الذین آمنوا** سے مراد وہ لوگ ہیں جو حضور اکرم ﷺ کی بعثت سے قبل اجمالاً اللہ پر اور انبیاء پر ایمان رکھتے تھے، جیسا کہ شروع میں **ان الذین آمنوا** کے بعد **بالانبیاء من قبل** کا لفظ بڑھا کر مفسر نے اشارہ کیا ہے، اس گروہ میں وہ حضرات داخل ہیں جو دور جاہلیت میں ایمان کا اقرار کرتے تھے، مثلاً قُس بن ساعدہ، ورقہ بن نوفل ، بحیراء راہب، ابوذر غفاری، سلمان فارسی، پھر ان میں سے بعض نے حضور اکرم ﷺ کو پایا اور آپ پر ایمان لائے اور بعض نے آپ کو نہیں پایا، بہر حال ان مذکورہ بالا گروہوں میں سے جس نے بھی ہمارے نبی کا زمانہ پایا اور ایمان قبول کیا الخ

لا خوف : کا اطلاق عموماً مستقبل کے اندیشے اور خطرات پر ہوتا ہے، اس سے جو کیفیت دل میں پیدا ہوتی ہے، اسے خوف کہا جاتا ہے۔ حزن کسی چیز کے فوت ہونے پر افسوس کو کہتے ہیں، ایمان و عمل صالح والوں سے یہ دونوں چیزیں منتفی ہیں۔

﴿مضامین آیات و تفسیر﴾

آیات زیر نظر میں حق تعالیٰ نے یہود کی شرارتوں کا دنیوی اور اخروی جو انجام ہوا ہے، اسے بیان فرمایا۔ پھر ایک عام پیرائے میں ایمان و عمل صالح کی تاثیر بیان فرما کر اس کی ترغیب دی ہے، بقدر ضرورت تفصیل یہ ہے کہ وادی تیہ میں جب یہودیوں کو پیاس نے ستایا اور پانی مفقود تھا، تو موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی، اور پھر اللہ کے حکم سے پتھر پر لاٹھی ماری تو اس سے بارہ چشمے ابل پڑے۔ پھر بنی اسرائیل ایک طرح کے کھانے پینے سے اکتا گئے، تو دوسری غذاؤں کا مطالبہ کرنے لگے، حالانکہ من و سلویٰ والا رزق بہتر تھا، اور جو کچھ لہسن پیاز وغیرہ ان لوگوں نے مانگا، وہ بہت کمتر تھا حکم ہوا کہ یہ غذائیں چاہئیں تو کسی شہر میں جاؤ سب کچھ ملے گا۔ مگر اس قوم نے

ایک نہ سنی، اوران کی یہ سرکشی اور تعدی پچھلی نسلوں میں بھی منتقل ہوتی رہی، پچھلے لوگ اپنے اسلاف سے آگے بڑھ کر انبیاء تک کو قتل کرنے لگے، اور آیات الٰہی کا براہ راست انکار کرنے لگے۔ اس کے نتیجے میں اس قوم پر ذلت ہمیشہ کے لئے مسلط کر دی گئی۔ لیکن اب بھی ایک دروازہ کھلا ہوا ہے، دنیا کا خواہ کوئی گروہ ہے، خواہ مومنین ہوں خواہ یہود و نصاریٰ ہوں، خواہ ان کے علاوہ کوئی اور حضور اکرم ﷺ کا زمانہ اس نے پایا اور آپ کے اوپر ایمان لاکر اللہ کو اور یوم آخر کو آپ کے طریقہ پر اس نے تسلیم کیا، تو اب اس پر نہ ذلت و رسوائی ہے اور نہ کوئی خوف و رنج بلکہ رب کے پاس اسے بہت کچھ اجر ملے گا۔

☆☆☆☆☆

﴿وَ﴾ اذکروا ﴿اِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ﴾ عهدكم بالعمل بما فى التوراة ﴿وَ﴾ قد ﴿رَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ﴾ الجبل اقتلعناه من اصله عليكم لما ابيتم قبولها وقلنا ﴿خُذُوْا مَا آتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ﴾ بجد واجتهاد ﴿وَاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ﴾ بالعمل به ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ النار او المعاصى ﴿ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ﴾ اعرضتم ﴿مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ﴾ الْمِيْثَاقِ عن الطاعة ﴿فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ﴾ لكم بالتوبة اوتاخير العذاب ﴿لَكُنْتُمْ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ الهالكين ﴿وَلَقَدْ﴾ لام قسم ﴿عَلِمْتُمُ﴾ عرفتم ﴿الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا﴾ تجاوزوا الحد ﴿مِنْكُمْ فِى السَّبْتِ﴾ بصيد السمك وقد نهيناهم عنه وهم اهل ايلة ﴿فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خَاسِئِيْنَ﴾ مبعدين فكانوها وهلكوا بعد ثلثة ايام ﴿فَجَعَلْنَاهَا﴾ اى تلك العقوبة ﴿نَكَالًا﴾ عبرة مانعة من ارتكاب مثل ما عملوا ﴿لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا﴾ اى للامم التى فى زمانها وبعدها ﴿وَمَوْعِظَةً لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ الله و خصوا بالذكر لانهم المنتفعون بها بخلاف غيرهم ﴿وَ﴾ اذكر ﴿اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ﴾ وقد قتل لهم قتيل لا يدرى قاتله و سألوه ان يدعو الله ان يبينه لهم فدعاه ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً قَالُوْا اَتَتَّخِذُنَا هُزُواً﴾ مهزوا بنا حيث تجيبنا بمثل ذلك ﴿قَالَ اَعُوْذُ﴾ امتنع ﴿بِاللّٰهِ﴾ من ﴿اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجَاهِلِيْنَ﴾ المستهزئين فلما علموا انه عزم ﴿قَالُوْا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِىَ﴾ اى ماسنها ﴿قَالَ﴾ موسىٰ ﴿اِنَّهٗ﴾ اى الله ﴿يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَا فَارِضٌ﴾ مسنة ﴿وَلَا بِكْرٌ﴾ صغيرة ﴿عَوَانٌ﴾ نصف ﴿بَيْنَ ذٰلِكَ﴾ المذكور من السنين ﴿فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ﴾ به من ذبحها ﴿قَالُوْا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا لَوْنُهَا قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاءُ فَاقِعٌ لَوْنُهَا﴾ شديد الصفرة ﴿تَسُرُّ النَّاظِرِيْنَ﴾ اليها بحسنها اى تعجبهم ﴿قَالُوْا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِىَ﴾ اسائمة ام عاملة ﴿اِنَّ الْبَقَرَ﴾ اى جنسه

المنعوت بما ذكر ﴿ تَشَابَهَ عَلَيْنَا ﴾ لكثرته فلم نهتد الى المقصودة ﴿ وَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ﴾ اليها فى الحديث لولم يستثنوا لما بينت لهم آخر الابد ﴿ قَالَ اِنَّهُ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَا ذَلُوْلٌ ﴾ غير مذللة بالعمل ﴿ تُثِيْرُ الْاَرْضَ ﴾ تقلبها للزراعة والجملة صفة ذلول داخلة فى النفى ﴿ وَلَا تَسْقِى الْحَرْثَ ﴾ الارض المهيئة للزرع ﴿ مُسَلَّمَةٌ ﴾ من العيوب وآثار العمل ﴿ لَا شِيَةَ ﴾ لون ﴿ فِيْهَا ﴾ غير لونها ﴿ قَالُوْا الْآنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ﴾ نطقت بالبيان التام فطلبوها فوجدوها عند الفتى البار بامه فاشتروها بملأ مسكها ذهبا ﴿ فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴾ لغلاء ثمنها و فى الحديث لو ذبحوا اى بقرة كانت لاجزأتهم ولكن شددوا على انفسهم فشدد الله عليهم ﴿ وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْساً فَادّٰرَءْتُمْ ﴾ فيه ادغام التاء فى الاصل فى الدال اى تخاصمتم و تدافعتم ﴿ فِيْهَا وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ ﴾ مظهر ﴿ مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴾ من امرها و هذا اعتراض و هو اول القصة ﴿ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ ﴾ اى القتيل ﴿ بِبَعْضِهَا ﴾ فضرب بلسانها او عجب ذنبها فحيى وقال قتلنى فلان و فلان لابنى عمه ومات فحرما الميراث و قتلا قال تعالىٰ ﴿ كَذٰلِكَ ﴾ الاحياء ﴿ يُحْيِى اللّٰهُ الْمَوْتٰى وَ يُرِيْكُمْ آيٰتِهٖ ﴾ دلائل قدرته ﴿ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴾ تتدبرون فتعلمون ان القادر على احياء نفس واحدة قادر على احياء نفوس كثيرة فتومنون ﴿ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ ﴾ ايها اليهود صلبت عن قبول الحق ﴿ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ ﴾ المذكور من احياء القتيل وما قبله من الآيات ﴿ فَهِىَ كَالْحِجَارَةِ ﴾ فى القسوة ﴿ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ﴾ مِّنْهَا ﴿ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهَارُ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ ﴾ فيه ادغام التاء فى الاصل فى الشين ﴿ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاءُ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ ﴾ ينزل من علو الى سفل ﴿ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ﴾ وقلوبكم لاتتاثر ولا تلين ولا تخشع ﴿ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴾ وانما يؤخركم لوقتكم وفى قرأة بالتحتانية وفيه التفات عن الخطاب۔

﴿ ترجمہ ﴾

(اور) یاد کرو (جب ہم نے تم سے) توریت میں جو تعلیمات ہیں ان پر عمل کرنیکا (عہد لیا اور ہم نے تمہارے اوپر طور) پہاڑ کو (اٹھایا) یعنی ہم نے اسے جڑ سے اکھاڑ کر تمہارے اوپر لٹکا دیا، جبکہ تم نے اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا، اور ہم نے کہا کہ (قوت سے) محنت و کوشش سے (پکڑ لو جو کچھ ہم نے تمہیں دیا اور جو کچھ اس میں ہے، اسے یاد کرو) یعنی اس پر عمل کرو (تا کہ تم) جہنم سے یا معاصی سے (بچو o پھر تم نے اس) عہد و پیمان (کے بعد طاعت سے روگردانی کی پس اگر تم پر) توبہ یا تاخیر عذاب کی شکل میں (اللہ کا فضل اور اس کی

رحمت نہ ہوتی تو تم خسارے والوں میں) ہلاک ہونے والوں میں (ہو جاتے ، اور بے شک تم ان لوگوں کو جان چکے ہو ، جنھوں نے تم میں سے سبت کے سلسلے میں زیادتی کی) یعنی مچھلیوں کا شکار کر کے جس سے انھیں منع کیا گیا تھا حد سے تجاوز کیا ، یہ ایلہ کے لوگ تھے (تو ہم نے ان سے کہہ دیا کہ ذلیل بندر ہو جاؤ) چنانچہ وہ لوگ ذلیل بندر ہو گئے اور تین دن کے بعد ہلاک ہو گئے (سو ہم نے اس کو) یعنی اس سزا کو (عبرت بنا دیا) جو اس قسم کے فعل بد سے مانع ہو ، (ان لوگوں کیلئے جو ان کے سامنے تھے ، اور جو ان کے بعد ہوئے) یعنی ان گروہوں کیلئے جو اس زمانے میں موجود تھے ، اور جو ان کے بعد آئے (اور متقیوں کیلئے نصیحت بنا دیا) متقیوں کو بالتخصیص اس لئے ذکر کیا کہ یہی لوگ اس سے فائدہ اٹھانے والے ہیں بخلاف دوسرے لوگوں کے کہ وہ یونہی سرسری گزر جائیں گے ۔

(اور) یاد کرو (جب موسیٰ نے اپنی قوم سے) اس وقت (کہا تھا) جب کہ ان میں کا ایک آدمی قتل کر دیا گیا تھا اور اس کے قاتل کا پتہ نہیں چل رہا تھا ، اور ان لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا تھا کہ اللہ سے دعا کیجئے کہ قاتل کو ظاہر فرما دیں ، اس پر موسیٰ علیہ السلام نے دعا فرمائی تھی (کہ اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ ایک بیل ذبح کرو ، انھوں نے کہا کہ آپ ہم کو مذاق بناتے ہیں) یعنی مذاق کی چیز بناتے ہیں کہ ہمیں ایسی بات بتاتے ہیں (کہا میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں ، اس بات سے کہ میں جاہلوں) مذاق کرنے والوں (میں ہوں) پس جب انھیں یقین ہو گیا کہ یہ پکی بات ہے تو (انھوں نے کہا کہ ہمارے لئے اپنے رب سے دعا کر دیجئے کہ وہ ہمیں بتا دے کہ وہ کیا ہے) یعنی اس کی عمر کیا ہو گی ، موسیٰ علیہ السلام نے (کہا کہ وہ) یعنی اللہ تعالیٰ (فرماتے ہیں کہ وہ ایسا بیل ہے جو نہ سن رسیدہ ہو ، نہ بالکل بچہ ہو ، دونوں کے درمیان) کی عمر کا (ہو پس کر ڈالو ، جو کچھ تم کو حکم دیا جاتا ہے) یعنی ذبح کا حکم ...... پورا کر ڈالو ...... (انھوں نے کہا کہ ہمارے لئے اپنے رب سے دعا کیجئے وہ ہم سے بیان کر دے کہ اس کا رنگ کیا ہو گا ، کہا کہ بیشک وہ فرماتے ہیں کہ وہ زرد رنگ کا بیل ہو ، جس کا رنگ شوخ ہو) یعنی شوخ زرد رنگ ہو (جو دیکھنے والوں کو) اپنے حسن سے (خوش کر دے ، انھوں نے کہا ہمارے لئے اپنے رب سے دعا کر دیجئے ، کہ وہ ہمارے لئے ظاہر فرما دے کہ وہ کیسا ہو) چراگاہ میں رہنے والا یا کام میں جتا ہوا (کیونکہ) اس قسم کا (بیل) جس کی مذکورہ بالا صفات بیان کی گئی ہیں ، اپنی کثرت کیوجہ سے (ہم پر مشتبہ ہو گیا ہے) اس لئے جو بیل مقصود ہے اس تک ہماری رسائی نہیں ہو پاری ہے (اور بیشک ہم اگر اللہ نے چاہا تو ضرور) اس تک (رسائی حاصل کر لیں گے) حدیث میں ہے کہ اگر وہ انشاء اللہ نہ کہہ لئے ہوتے تو ، کبھی بھی اس کی وضاحت نہ ہو پاتی (کہا کہ بیشک وہ فرماتے ہیں کہ وہ ایسا بیل ہو جو کام میں لگا ہوا نہ ہو کہ زمین کو) کھیتی کیلئے (جوتتا ہو) تثیر الارض کا جملہ ذلول کی صفت ہے اور نفی کے تحت داخل ہے (اور نہ کھیتی کی سینچائی میں لگا ہوا ہو) حرث وہ زمین ہے ، جو زراعت کیلئے تیار کی گئی ہو ، عیبوں اور کام کے آثار سے (سالم ہو ، اس میں) اس کے اپنے رنگ کے علاوہ

(کوئی) دوسرا (رنگ نہ ہو، انھوں نے کہا اب آپ حق بات کو لائے) یعنی مکمل وضاحت کی، پھر اس کو ڈھونڈھا تو اسے ایک ایسے جوان کے پاس پایا جو اپنی ماں کا بڑا فرمانبردار اور خدمت گزار تھا، اس سے انھوں نے اس کی کھال بھر سونے کے عوض میں خریدا (چنانچہ اسے ذبح کیا، اور وہ ایسا کرنے والے تھے نہیں) کیونکہ اس کی قیمت بہت تھی، حدیث میں ہے کہ اگر وہ کوئی سا بھی بیل یا گائے ذبح کر دیئے ہوتے تو ان کا کام ہو جاتا، مگر انھوں نے اپنے حق میں شدت اختیار کی تو اللہ نے بھی ان کے ساتھ شدت کا معاملہ کیا۔

(اور جب تم نے ایک شخص کو قتل کیا، پھر تم لوگ اس سلسلے میں ایک دوسرے پر الزام ڈالنے لگے) **ادّارأتم** ، میں اصل کے لحاظ سے تاء کا دال میں ادغام ہے، یعنی ایک دوسرے سے جھگڑنے اور ایک دوسرے پر ڈالنے لگے (اور اللہ ظاہر کرنے والا تھا، جو کچھ تم) اس معاملہ میں (چھپا رہے تھے) یہ کلام درمیان میں ہے جبکہ یہی ذبح بقرہ واقعہ کی ابتداء ہے (پھر ہم نے کہا کہ اس) مقتول (کو اس کے کچھ حصے سے مارو) پس اس کی زبان یا دم کی جڑ سے اسے مارا گیا، اس سے وہ زندہ ہو گیا، اور اس نے بتایا کہ مجھے فلاں اور فلاں نے قتل کیا ہے، اس نے اپنے دو چچازاد بھائیوں کا نام لیا، اور پھر مر گیا، نتیجے میں وہ دونوں میراث سے محروم کر دیئے گئے، اور قصاص میں قتل کر دیئے گئے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ (ایسے ہی) یعنی جیسے یہ زندہ کرنا ہوا، ایسے ہی وہ (زندہ کرتا ہے مردوں کو اور تم کو اپنی نشانیاں دکھاتا ہے) یعنی دلائل قدرت (شاید تم غور کرو، پس جان سکو کہ جو ذات ایک جان کے زندہ کرنے پر قادر ہے، اسے بہت سی جانوں کو بھی زندہ کرنے کی قدرت ہوگی، اس سے ایمان لا سکو گے (پھر تمہارے قلوب) اے یہودیو! (سخت ہو گئے) یعنی حق کے قبول کرنے سے سخت ہو گئے (اس کے بعد) یعنی احیاء مقتول کے مذکورہ واقعہ اور اس سے پہلے کی دوسری نشانیاں دیکھنے کے بعد (پس وہ سختی میں پتھر کی طرح ہیں یا) اس سے بھی (زیادہ سخت اور بلاشبہ پتھروں میں بعض وہ ہیں جن سے نہریں پھوٹتی ہیں، اور ان میں کچھ ایسے ہیں کہ وہ شق ہو جاتے ہیں) **یشقق** میں تا کا ادغام شین میں ہے (اور ان سے پانی نکلتا ہے، اور ان میں بعض ایسے ہیں کہ) بلندی سے پستی میں (اللہ کے خوف سے گر جاتے ہیں) اور تمہارے قلوب نہ متاثر ہوتے، نہ نرم ہوتے، اور نہ ان میں خشوع پیدا ہوتا (اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو، اس سے غافل نہیں ہے) تم کو صرف تمہارے وقت تک موخر کر رہا ہے، اور ایک قرأت میں **یعملون** یاء کے ساتھ ہے، اس میں خطاب سے غیبت کی طرف التفات ہے۔

تشریحات

(و) قد (رفعنا) : رفعنا سے پہلے قد کے اضافہ سے معلوم ہوا کہ یہ جملہ حال ہے۔

الطور :۔ یہ ایک مخصوص پہاڑی سلسلہ کا نام ہے، جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کتاب اور نبوت ملی تھی، اور مطلق

پہاڑ کو بھی طور کہتے ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ یہ پہاڑ جس کو حق تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے اوپر بلند کیا تھا فلسطین کا کوئی پہاڑ تھا۔

اقتلعناه من اصله : بنی اسرائیل کے سامنے جب موسیٰ علیہ السلام نے توریت پیش کی، تو انھوں نے اس کے متعلق بہت تردد کا اظہار کیا، اور بہتوں نے تو قبول کرنے سے انکار ہی کر دیا حق تعالیٰ نے ایک پہاڑ کو جڑ سے اکھاڑ کر ان کے سروں پر لٹکا دیا کہ مانتے ہو یا نہیں؟ انھوں نے مجبوراً قبول کیا۔

سوال: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ **لا اکراہ فی الدین** ۔ دین میں کوئی جبر و اکراہ نہیں ہے اور فرمایا ہے کہ **افانت تکرہ الناس حتی تکونوا مومنین** ۔ کیا تم لوگوں کو مجبور کرو گے کہ وہ مومن ہو جائیں۔ لیکن یہاں تو اکراہ معلوم ہوتا۔

جواب: دین کے قبول کرنے اور نہ کرنے میں اکراہ کی نفی کی گئی ہے، لیکن جب ایمان و اطاعت کو قبول کر لیا۔ تب دین کے احکام و شرائع سے سرتابی کی اجازت نہیں ہے۔ بنی اسرائیل موسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتے تھے، لیکن انھوں نے جب توریت کے احکام و شرائع دیکھے تو سستی و کاہلی کی خوگر طبیعتوں نے انھیں اپنے اوپر گراں جانا، اور اس لئے انھوں نے اس کے قبول کرنے سے گریز کیا، اس پر انھیں مجبور کیا گیا کہ قبول کریں۔ یا پہاڑ کے صدمے سے موت کو قبول کریں یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص اسلام سے پھر جائے تو اسے مجبور کیا جائے گا کہ یا تو دوبارہ اسلام میں داخل ہو یا موت کو قبول کرے۔

وقلنا (خذوا) : **خذوا** سے پہلے **قلنا** ذکر کر کے مفسر نے بتایا کہ **خذوا** کا جملہ محل نصب میں ہے۔ اور عامل **قلنا** مقدر ہے اور خود **قلنا** جملہ حالیہ ہے اور **رفعنا** کا فاعل ذوالحال ہے، یعنی **و رفعنا الطور قائلین خذوا ما آتیناکم**

بالعمل به : **واذکروا** کے طریقہ کی تعیین ہے، اس کو یاد رکھنا یہ ہے کہ اس پر عمل کرو۔

لعلکم تتقون : **لعل، تعلیلیہ** بھی ہو سکتا ہے اور اپنے اصل معنی پر ترجی کیلئے بھی ہو سکتا ہے، ہم نے ترجی کے لحاظ سے ترجمہ کیا ہے، بظاہر حق تعالیٰ کی جانب میں ترجی ممنوع ہے کیونکہ ترجی عدم علم سے ناشی ہوتی ہے، اور حق تعالیٰ سب کچھ جانتے ہیں، اس کا حل یہ ہے کہ بادشاہوں کے کلام میں ترجی بمنزلہ علم اور یقین کے ہوتی ہے، یا یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے اسلوب پر کلام کیا ہے، اس لئے ترجی کا استعمال کثرت سے ہے۔

بالتوبة: اس کا تعلق فضل اور رحمت دونوں مصدروں سے ہے۔

ولقد علمتم: یہ علم بمعنی **عرف** ہے، اس لئے اسے دو مفعول کی حاجت نہیں ہے، علم اور معرفت میں فرق یہ ہے کہ علم ذات اور اس کے احوال دونوں کے جاننے پر بولا جاتا ہے، اس لئے اس میں دو مفعول چاہئے، اور

معرفت مفرد ذات یا حال کے جاننے کا نام ہے۔

فی السبت: سبت کے لغوی معنی راحت و آرام کے ہیں، یا کسی کام کے منقطع کر دینے کے۔ یہود کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے چھ دن میں کائنات کو پیدا کیا، اتوار سے لیکر جمعہ تک اور ہفتہ کے روز آرام کیا، اس لئے یہ **یوم السبت** ہے، لیکن یہ بالکل غلط ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: **و لقد خلقنا السمٰوات والا رض وما بینھما فی ستة ایام وما مسنا من لغوب۔** حق تعالیٰ کو تھکن کہاں کہ آرام کی ضرورت پیش آئے، بات یہ ہے کہ ہفتہ کا دن یہود یوں پر متعین تھا کہ دنیا کے کاموں کو منقطع کر کے صرف عبادت میں مصروف رہیں، اس لئے یہ **یوم السبت** ہے، اسے انھوں نے اپنی نادانی یا سرکشی سے اللہ کے ساتھ جوڑ دیا۔

بصید السمک : یہ قصہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں پیش آیا تھا، اس جگہ کا نام ایلہ تھا، تفصیل سورۂ اعراف میں آئے گی۔

فکانوھا: **ھا** کی ضمیر **قردة خاسئین** کی طرف راجع ہے۔

نکالاً : لفظی معنی روکنے کے ہیں، چونکہ سزا ارتکاب جرم سے مانع بنتی ہے، اس لئے اسے نکال کہتے ہیں۔

و قد قتل لھم قتیل : یہاں جو ذبح بقرہ کا واقعہ نقل کیا گیا ہے، اس کی ابتداء ایک شخص کے قتل کے قصے سے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس ابتدائی جزء کو ذبح بقرہ کے واقعے کے بعد متصلاً ذکر کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے **و اذ قتلتم نفساً الخ۔**

سوال: واقعہ کے ابتدائی جز کو بعد میں اور درمیانی جز کو پہلے بیان کرنے میں کیا حکمت ہے؟

جواب: اللہ کے کلام کی حکمتوں کا احاطہ کون کر سکتا ہے، بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم چونکہ تاریخی واقعات و حکایات کی کتاب نہیں ہے کہ اس میں وقائع کی ترتیب کا لحاظ ضروری ہو، بلکہ یہ کتاب ہدایت ہے، اس لئے موقع کی مناسبت سے واقعات کے اجزاء میں تقدیم و تاخیر کی جاتی ہے، یہاں بنی اسرائیل کے عدوان و طغیان کا تذکرہ چل رہا تھا، اس کا ظہور ذبح بقرہ کے درمیانی جز میں بوجہ تام ہے، اس لئے اسکا اسی جگہ ذکر مناسب ہوا، جہاں وہ مذکور ہے، اس کے بعد واقعہ کا ابتدائی حصہ بیان کر دیا گیا تا کہ طبیعت کا یہ انتظار رفع ہو جائے کہ آخر ذبح بقرہ کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ پھر اس کا بالکل آخری حصہ جو حق تعالیٰ کے فضل و انعام اور زبردست قدرت الٰہی پر مشتمل ہے، یعنی مردہ کو زندہ کرنا اور واقعہ کی صحیح تحقیق سامنے کر دینا اسے آخر میں بیان کیا۔

بقـرةً: بقرہ اسم جنس ہے، اس کا اطلاق گائے اور بیل دونوں پر ہوتا ہے، آگے چل کر اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس سے جوتائی اور سینچائی کا کام نہ لیا گیا ہو، اور عادةً یہ کام چونکہ بیلوں سے لئے جاتے ہیں، اس لئے

ترجمہ میں بیل ہی کو ترجیح دی گئی۔

مھزوا بنا : اتخذنا هزواً میں هزواً مفعول ثانی ہے، لیکن مصدر ہے، مفعول اول ضمیر متکلم سے اسے مناسبت نہیں ہے۔ کیونکہ مصدر کا اطلاق ذات پر ممنوع ہے، مفسر نے بتایا کہ یہ مصدر اسم مفعول کے معنی میں ہے۔ یعنی مھزواً بنا۔ اور ہم ذکر کر چکے ہیں کہ مصدر کا اطلاق اسم فاعل اور اسم مفعول کے معنی میں عام ہے۔

مثل ذلک : یعنی ہم تو سوال کرتے ہیں کہ قاتل کا پتہ لگائیے، اور آپ جواب دیتے ہیں کہ بیل ذبح کرو، سوال دیگر جواب دیگر، ایسا جواب تو مذاق ہی ہوسکتا ہے۔

الجاهلین المستهزئین : اس سے معلوم ہوا کہ استہزاء کرنا جہالت کی بات ہے۔

فارض : بہت عمر رسیدہ۔ **سمیت بذلک لانها فرضت سنّها...... قطعته وبلغت آخره قاله الزمخشری** (جمل)

عوان : درمیانہ عمر کی ذات، خواہ انسانوں میں ہو یا جانوروں میں، جمع **عون**۔

فاقع لونها : لفظ **فاقع**، **صفرة** کی صفت میں تاکید کیلئے آتا ہے، یعنی شوخ زرد رنگ، سرخ رنگ کے لئے **قانٍ** کا لفظ آتا ہے۔

احمر قان : سیاہ رنگ کیلئے **حالک**، **اسود حالک**، سفید رنگ کیلئے **ناصع**، **ابیض ناصع**

والجملة صفة ذلول : **تثیر الارض** کا جملہ **ذلول** کی صفت ہے، اور یہ موصوف اور صفت دونوں لائے نفی کے تحت ہیں یعنی وہ کام میں جُتا ہوا نہ ہو کہ زمین کی جوتائی کرتا ہو۔

ولا تسقی الحرث : اس کا عطف **تثیر الارض** پر ہے، اور **لا** تاکید کیلئے ہے، وہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ جملہ بھی **لا ذلول** والے **لا** کے تحت ہے۔

لاشیة : **شیة** اصل میں **وشی** ہے، اس میں تعلیل ہوئی ہے جیسے **وعد** سے **عدة** بنا ہے۔

بالحق : یہ وہ حق نہیں ہے جو باطل کے مقابلے میں آتا ہے، بلکہ اس سے مراد واضح اور مکمل بیان ہے۔

وما کادوا یفعلون لغلاء تمنها : وہ ذبح کے قریب نہ تھے، یعنی وہ ذبح کرنا نہیں چاہتے تھے، ایسا کیوں تھا؟ مفسر نے جواب دیا ہے کہ اس کی قیمت گراں ہونے کے باعث وہ اس سے کترانا چاہتے تھے، لیکن قرآن کے سیاق کلام سے قیمت کی زیادتی مفہوم نہیں ہوتی۔ بظاہر اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ رسوائی کے خوف سے آنا کانی کر رہے تھے، اسی لئے بار بار سوالات کر رہے تھے۔

واذ قتلتم نفساً : بنی اسرائیل میں ایک مالدار شخص تھا، اور اس کا ایک چچازاد بھائی تنگدست تھا، یا دو تھے، یہی دونوں اس کے وارث ہوتے، مگر اس کی عمر لمبی ہوئی، ان دونوں نے اکتا کر اسے قتل کر دیا، اور قتل کے بعد

دوسرے کے دروازے پر لاش کو ڈال دیا، صبح ہوئی تو دونوں موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فرمایا کہ فلاں گھر والوں نے ہمارے آدمی کو قتل کر دیا، ان لوگوں نے انکار کیا، اب معاملہ مشتبہ ہوگیا، اور بات طول پکڑ گئی، تو بنی اسرائیل نے درخواست کی کہ حضرت اللہ سے دعا کریں۔

ادّار أتم : اصل میں **تدارأتم** باب تفاعل سے ہے، تاء کو دال سے بدل کر دال میں ادغام کر دیا، اور شروع میں ہمزۂ وصل بڑھا دیا۔ صاحب منشعب نے اسے ایک مستقل باب **افّاعل** قرار دیا ہے۔

ھذا اعتراض : آیت **و اذ قتلتم** ذبح بقرہ اور اظہار قاتل کے پورے واقعہ کے تسلسل کے درمیان میں آئی ہے، اور یہ ابتدائی واقعہ ہے۔ اس کی حکمت لکھی جا چکی ہے۔

کذلک الاحیاء : ک حرف جر مثل کے معنی میں ہے یعنی **مثل ذلک الاحیاء** اسی زندہ کرنے کی طرح اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کریں گے۔ **کذلک** محلاً منصوب ہے کیونکہ مفعول مطلق محذوف کی صفت ہے۔ عبارت یوں ہے **یحیی اللہ الموتیٰ احیاء مثل ذلک الاحیاء، کذلک کائناً** محذوف سے متعلق ہوگا یعنی **احیاءً کائنا کذلک الاحیاء**

مضامین آیات وتفسیر

زیر نظر آیات میں بنی اسرائیل کے احوال بد کا کچھ اور ذکر کیا گیا ہے۔ یہ احوال حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے بھی ہیں، اور آپ کے بعد کے بھی، اس قوم کا مزاج فاسد ہوگیا تھا، اول تو انھوں نے مطالبہ کیا کہ اب فرعون سے نجات ہوگئی۔ اب اللہ کی طرف سے دستور العمل آجاتا تو ہم اس کے مطابق زندگی بسر کرتے۔ حق تعالیٰ نے نہایت اہتمام سے توریت عطا فرمائی، انھوں نے دیکھا کہ اب نفسانی خواہش سے دستبردار ہوکر خدا کی فرمانبرداری کرنی ہوگی تو اس میں تردد کرنے لگے، اور یہ تردد اتنا بڑھا کہ انکار تک پہونچ گئے، حق تعالیٰ کا غضب ظاہر ہوا، اور ایک پہاڑی ان کے سروں پر لٹکا دی گئی، اس کے خوف سے مانا، مگر کیا مانا اس کے بعد بھی روگردانیاں کرتے ہی رہے۔ وہ تو اللہ کا فضل انھیں تھام تھام لیتا تھا اور اس کی رحمت انھیں بچا بچا لیتی تھی، ورنہ کب کے وہ ہلاکت کے گھاٹ اتر چکے ہوتے۔

پھر انھیں میں سے کچھ وہ تھے، جنھوں نے داؤد علیہ السلام کے زمانے میں یوم سبت کے احکام سے سرتابی کی، منع کیا گیا تھا کہ اس دن مچھلی نہ مارنا، مگر حیلہ جوئیوں سے اس حکم الٰہی کو توڑتے تھے، انھیں بندر بنا دیا گیا، یہ بڑی عبرت کا سامان تھا، مگر کس کیلئے، جو عبرت حاصل کرنا چاہیں، اور بنی اسرائیل اس استعداد سے بالعموم محروم تھے، یہ تو بعد کی بات ہے، خود موسیٰ علیہ السلام ایک حکم سناتے ہیں کہ ایک بیل ذبح کرو تو اس کا مذاق اڑاتے ہیں، کہ آپ بھی مذاق کرتے ہیں، مگر جب دیکھا کہ یہ کرنا ہی ہے تو اس میں طرح طرح کے سوالات نکال

نکال کراس سے بچنے کی تدبیریں کرنے لگے۔ واقعہ یہی ہے کہ جن کو حکم کی تعمیل کرنی ہوتی ہے، وہ بے چون و چرا اور بغیر سوال و جواب کے فوراً تعمیل ارشاد کرتے ہیں، اور جنھیں کرنا نہیں ہوتا، وہی طرح طرح کے سوالات پیدا کرتے ہیں، بڑی مشکلوں سے وہ ذبح کرنے پر آمادہ ہوئے۔

یہ ذبح کرنے کا حکم ایک شخص کے قتل کی وجہ سے ہوا تھا، اس کے قاتل کا پتہ نہیں چل رہا تھا اور ایک دوسرے پر اصل قاتل کو چھپانے کیلئے لوگ الزام تراشیاں کر رہے تھے، معاشرہ بگڑتا ہے تو ظالم کی حمایت میں ناکردہ گناہ کو پکڑا جاتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے دعا کی تو انھیں حکم ہوا کہ ایک بیل ذبح کرکے اس کے گوشت کے ایک ٹکڑے کو مقتول کے جسم سے مس کرو، وہ خود زندہ ہوکر بتا دے گا، چنانچہ ایسا کیا گیا تو اس نے اصل قاتل کی نشاندہی کردی۔ جو اس کے چچازاد بھائی ہی تھے، اس طرح ایک مشکل معاملہ، اللہ کی خاص مدد سے حل ہوا، اور مردوں کو زندہ کئے جانے کی قدرت اور نشانی بھی ظاہر ہوگئی، ان سب واقعات کا خواہ وہ پہاڑی کا سر پر اٹھانا ہو، یا مچھلی والوں کی تباہی ہو یا بیل ذبح کرنے سے ایک شخص کی زندگی ہو، ان سب کے بعد تو ہمیشہ کیلئے ان کی آنکھیں کھل جانی چاہئے تھیں، دل میں اللہ کا خوف سما جانا چاہئے تھا، لیکن افسوس بنی اسرائیل کا رنگ ہی دوسرا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کے بعد تمہارے دل اور سخت ہوگئے، اتنے سخت ہوگئے جیسے پتھر، بلکہ اس کی سختی بھی ماند پڑ گئی، کیونکہ پتھروں سے تو کبھی نہریں بہنے لگتی ہیں، کبھی ان کا سینہ شق ہوتا ہے تو ان سے پانی رسنے لگتا ہے، کبھی وہ خوف الٰہی سے اوپر سے نیچے گر جاتے ہیں، لیکن تمہارے قلوب نہ تو متاثر ہوتے نہ ان میں نرمی آتی، نہ وہ جھکتے۔ تو سن لو کہ تمہاری کرتوتوں سے اللہ بے خبر نہیں ہے۔ بس مہلت مل رہی ہے، وقت آئے گا تو خدا کے بطش شدید کا مشاہدہ ہوگا۔

☆☆☆☆☆

﴿اَفَتَطْمَعُوْنَ﴾ ایها المومنون **﴿اَنْ یُّوْمِنُوْا﴾** ای الیهود **﴿لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِیْقٌ﴾** طائفة **﴿مِّنْهُمْ﴾** احبارهم **﴿یَسْمَعُوْنَ كَلَامَ اللّٰهِ﴾** فی التوراة **﴿ثُمَّ یُحَرِّفُوْنَهٗ﴾** یغیرونه **﴿مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ﴾** فهموه **﴿وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ﴾** انهم مفترون والهمزة للانكار ای لاتطمعوا فلهم سابقة فی الكفر **﴿وَاِذَا لَقُوْا﴾** ای منافقوا الیهود **﴿الَّذِیْنَ آمَنُوْا قَالُوْا آمَنَّا﴾** بان محمدا نبی و هو المبشر به فی كتابنا **﴿وَاِذَا خَلَا﴾** رجع **﴿بَعْضُهُمْ اِلٰی بَعْضٍ﴾** قالوا ای رؤساء هم الذین لم ینافقوا لمن نافق **﴿اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ﴾** ای المومنین **﴿بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ﴾** ای عرفكم فی التوراة من نعت محمد ﷺ **﴿لِیُحَاجُّوْكُمْ﴾** لیخاصموكم واللام للصیرورة **﴿بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ﴾** فی الآخرة و یقیموا علیكم الحجة فی ترك اتباعه مع علمكم بصدقه **﴿اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾**

انهـم يـحـاجـونـكـم اذا حـدثتموهم فتنتهوا قال تعالىٰ ﴿ اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ ﴾الاستفهام للتقرير والـواو الداخلة عليها للعطف﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴾ ما يخفون وما يظهرون مـن ذلك و غيـره فيرعووا عن ذلك ﴿وَمِنْهُمْ ﴾ اى اليهود ﴿ اُمِّيُّوْنَ ﴾ عوام ﴿لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ﴾ التوراة ﴿ ﴿اِلَّا ﴾لكن ﴿اَمَانِيَّ﴾ اكاذيب تلقوها من رؤسائهم فاعتمدوها ﴿ وَاِنْ ﴾ مـا ﴿هُـمْ﴾ فـى جـحد نبوة النبى ﷺ و غيره مما يختلقونه ﴿ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴾ ظنا ولا علم لهم ﴿فَـوَيْـلٌ ﴾ شـدة عذاب ﴿لِلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بَاَيْدِيْهِمْ ﴾ اى مختلقـــا من عندهـــم﴿ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِاللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَناً قَلِيْلاً﴾ من الدنيا وهم اليهود غيّروا صفة النبى ﷺ فـى التـوراة وآية الرجم وغيرها و كتبوها على خلاف ما انزل﴿ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ﴾ مـن الـمـختـلـق ﴿وَوَيْـلٌ لَّهُـمْ مِمَّا يَكْسِبُوْنَ ﴾ من الرشى ﴿وَقَالُوْا﴾ لما وعدهم النبى ﷺ الـنـار﴿لَنْ تَـمَسَّـنَا ﴾ تصيبنا ﴿النَّارُ اِلَّا اَيَّاماً مَعْدُوْدَةً ﴾ قليلة اربعين يوما مدة عبادة آبائهم الـعـجـل ثم تزول ﴿قُلْ ﴾لهم يا محمد ﴿اَتَّخَذْتُمْ﴾ حذف منه همزة الوصل استغناء بهمزة الاستـفهـام ﴿ عِـنْدَاللّٰهِ عَهْداً﴾ ميثاقا منه بذلك ﴿فَلَن يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗ﴾ به لا ﴿اَمْ﴾ بل أ ﴿ تَـقُـوْلُـوْنَ عَـلٰـى الـلّٰـهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ بَلٰى ﴾ تمسكم و تخلدون فيها ﴿ مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً ﴾ شـركـا ﴿وَاَحَـاطَـتْ بِـهٖ خِـطِيْـَٔتُـهٗ﴾ بالافراد والجمع اى استولت عليه واحدقت به من كل جـانـب بـان مـات مشـركـاً﴿فَاُوْلٰئِكَ اَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خَالِدُوْنَ﴾ روعى فيه معنى من ﴿وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا وَ عَمِلُوْاالصَّالِحَاتِ اُوْلٰئِكَ اَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خَالِدُوْنَ ﴾

﴿ تـــرجـمـــه ﴾

(پس کیا تم خواہش رکھتے ہو) اے ایمان والو! (کہ) یہود (تمہاری بات مان جائیں گے، حالانکہ ان میں سے ایک گروہ) یعنی ان کے علماء کا گروہ (اللہ کا کلام سنتا تھا) توریت میں (پھر وہ لوگ اسے سمجھ لینے کے بعد بدل دیتے تھے، حالانکہ وہ جانتے تھے) کہ وہ افترا پردازی کرنے والے ہیں، ہمزہ استفہام انکار کیلئے ہے، یعنی تم ان کے ایمان کی امید نہ رکھو، کیونکہ یہ پہلے ہی سے کفر میں قدم جمائے ہوئے ہیں۔ (اور جب) وہ لوگ جو یہود میں سے منافقت اختیار کئے ہوئے ہیں (ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی ایمان لا چکے ہیں) کہ محمد (ﷺ) نبی ہیں اور ہماری کتاب میں انھیں کی بشارت دی گئی ہے (اور جب ان میں سے بعض) لوٹ کر (بعض کے پاس تنہائی میں جاتا ہے تو) ان کے وہ بڑے لوگ جنھوں نے منافقت نہیں اختیار کی ہے، اہل نفاق سے (کہتے ہیں کہ کیا تم ان سے) یعنی اہل ایمان سے (وہ باتیں بھی بیان کر دیتے ہو، جو اللہ نے تم پر کھولی ہیں)

یعنی توریت میں تمہیں بتائی ہیں۔ مثلاً محمد (ﷺ) کے احوال واوصاف وغیرہ (تاکہ بالآخر وہ تمہارے رب کے پاس اس کے ذریعے سے تم سے مخاصمت کریں) آخرت میں...... لام صیرورت کا ہے...... اور تم پر حجت قائم کریں کہ تم ان کی صداقت کو جاننے کے باوجود ان کے اتباع و پیروی کے تارک تھے (پس کیا تم) اتنا (نہیں سمجھتے) جب تم ان سے یہ سب باتیں بیان کردو گے تو وہ تم سے مخاصمت کریں گے۔ پس تم اس سے باز آؤ، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ (اور کیا وہ لوگ نہیں جانتے کہ) استفہام تقریری ہے اور واؤ جس پر وہ داخل ہے، عطف کیلئے ہے (اللہ جانتے ہیں جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں) خواہ وہ مذکورہ چیزیں ہوں یا ان کے علاوہ دوسری چیزیں ہوں۔ لہذا اس کام سے انھیں باز آجانا چاہئے (اور ان) یہودیوں (میں سے بعض ان پڑھ) عوام (ہیں، وہ کتاب) توریت کو نہیں جانتے (لیکن کچھ جھوٹی آرزوئیں) جو انھوں نے اپنے بڑوں سے پایا ہے، اور انھیں پر اعتماد کئے بیٹھے ہیں (اور یہ لوگ) نبی ﷺ کی نبوت کے انکار اور اپنی دوسری من گھڑت چیزوں میں، اور کچھ (نہیں ہیں سوائے اس کے کہ وہم میں مبتلا ہیں) جس کا انھیں علم نہیں (پس ویل ہے) سخت عذاب ہے (ان لوگوں کے حق میں، جو اپنے ہاتھوں سے کتاب کو لکھتے ہیں) یعنی اپنی طرف سے گھڑتے ہیں (پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے تاکہ اس کے عوض میں) دنیا کی (تھوڑی قیمت حاصل کریں) ایسا کرنے والے یہود ہیں، انھوں نے نبی کی صفات میں تبدیلی کردی، جو توریت میں بیان کی گئی ہیں، اور آیت رجم وغیرہ میں ترمیم کردی، اور انھیں جیسی اللہ کی طرف سے وہ نازل ہوئی تھیں، اس کے خلاف تحریر میں لے آئے (پس ان کیلئے ہلاکت ہے، اس چیز کی وجہ سے جو ان کے ہاتھوں نے لکھا) یعنی من گھڑت باتیں (اور ان کے لئے ہلاکت ہے اس چیز کی وجہ سے جو وہ) رشوتیں (کماتے ہیں اور) جب ان کو نبی ﷺ نے جہنم کی وعید سنائی تو (انھوں نے کہا کہ ہمیں جہنم کا عذاب بجز گنتی کے چند دنوں کے اور نہیں ہوگا) یعنی تھوڑے دن فقط چالیس دن، جتنے دن ان کے پرکھوں نے بچھڑے کی پوجا کی تھی، پھر وہ ختم ہو جائے گا، اے محمد ان سے (کہہ دو کہ کیا تم نے اللہ کے پاس) اس بات کا (کوئی عہد متعین کرالیا ہے) **اتخذتم** میں ہمزہ استفہام کی وجہ سے ہمزۂ وصل کی ضرورت نہ رہی، اس لئے اسے حذف کردیا گیا ہے، (کہ اللہ تعالیٰ اس عہد کے خلاف نہیں کریں گے) نہیں (یا یہ کہ تم لوگ اللہ کے اوپر ایسی بات بولتے ہو، جسے تم نہیں جانتے، کیوں نہیں) تمہیں جہنم گرفتار کرے گی اور تم اس میں ہمیشہ رہو گے (جس نے برا عمل کیا) یعنی شرک کیا (اور اس کی خطانے) خطیئۃ واحد بھی ہے اور جمع بھی (اس کو گھیر لیا) یعنی اس پر چھا گئی، اور ہر طرف سے اس کو اپنے احاطہ میں لے لیا، یعنی وہ شرک کی حالت میں مر گیا (پس یہی لوگ اہل جہنم ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے) اس میں مـــن کے معنی کی رعایت کی گئی ہے (اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے عمل صالح کیا، یہی لوگ اہل جنت ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔)

﴿تشریحات﴾

ان یومنوا لکم : ایمان کا صلہ باء آتا ہے، لیکن جب لام صلہ میں آئے تو اس میں انقیاد و اطاعت کے معنی کی تضمین ہوتی ہے۔

وقد کان فریق منھم : یہاں سے اس بات کا بیان ہے کہ یہودیوں میں چار طرح کے لوگ ہیں، اور ہر گروہ ایسی صفات سے متصف ہے کہ ان اوصاف کے ہوتے ہوئے، کوئی امید نہیں کی جا سکتی کہ وہ ایمان لائیں، اسلئے اہل ایمان کو ان سے آس توڑ لینی چاہئے۔ ان چار گروہوں میں یہ پہلے گروہ کا بیان ہے۔

اس پہلے گروہ کے لوگوں کا حال یہ ہے کہ انھوں نے اللہ کا کلام پڑھا اور سنا اور سمجھا، اس کا تقاضا یہ تھا کہ حرف بحرف اسے مانتے، اس پر عمل کرتے، مگر انھوں نے اس تقاضے سے صرف نظر کر کے کلام اللہ ہی کو بدل ڈالا، تو جو قوم جان بوجھ کر اللہ کے کلام میں تصرف کی جرأت رکھتی ہے، اس سے کیا توقع کہ وہ ایمان لائے گی۔

واذا لقوا الذین آمنوا : یہ دوسرے گروہ کا ذکر ہے، یہ اہل کتاب میں سے منافقین کا گروہ ہے، ان کا حال یہ ہے کہ جب اہل ایمان کے پاس آتے ہیں تو ان سے کہتے ہیں کہ ہمارا ایمان ہے کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اور ہماری کتابوں میں انھیں کے متعلق بشارت آئی ہے۔

واذا خلا : اس آیت میں تیسرے گروہ کا بیان ہے، تفصیل آگے آرہی ہے۔

رجع : خلا کی تفسیر میں رجع کا لفظ اس لئے لایا گیا ہے کہ اس کے صلہ کے طور پر الی آیا ہے۔ ظاہر ہے کہ خلا کا صلہ الی نہیں آتا تو ضرور ہے کہ اس میں رجع کے معنی کی تضمین ہے اور رجع کا صلہ الی آتا ہے۔

رؤسائھم الذین لم ینافقوا: یہی تیسرا گروہ ہے، جب منافقین اہل کتاب اپنے بڑوں کے پاس پہونچتے ہیں تو یہ بڑے انھیں سرزنش کرتے ہیں تم لوگ عجیب بیوقوف ہو، آخر اپنے گھر کی بات مسلمانوں سے کیوں بتا دیتے ہو، وہ جب تمہارے منہ سے سن کر تمہاری بات معلوم کر لیں گے تو خدا کے پاس اسی بات کو لے کر تم سے جھگڑیں گے اور تم پر غالب آجائیں گے، ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں نہ منافقین سے امید کی جا سکتی ہے کہ وہ ایمان لائیں گے نہ بڑے لوگوں کے متعلق سوچا جا سکتا ہے کہ یہ مانیں گے۔

واللام للصیرورۃ : لیحاجوکم میں لام تعلیلیہ نہیں ہے۔ بلکہ سابق فعل کا نتیجہ اور انجام بیان کرنے کیلئے ہے، اس لام کو لام صیرورت اور لام عاقبت کہتے ہیں، اس کے بعد بھی ان مقدر ہوتا ہے، یہاں اس کا تعلق **اتحدثونھم** سے ہے۔

اولا یعلمون : ضمیر جمع کا مرجع وہ بڑے لوگ ہیں، جو منافقین کی سرزنش کرتے ہیں۔

الاستفھام للتقریر : تقریر کے معنی مخاطب کو اقرار و اعتراف پر ابھارنا ہے، اس میں توبیخ کا معنی بھی شامل

ہے۔

والواو الداخلة عليها للعطف: الداخلة لفظاً تو واو کی صفت ہے، لیکن معنیً یہ استفہام کی صفت ہے، اور **عليها** میں **هاء** کی ضمیر واو کی جانب راجع ہے، یعنی یہ کلمہ لفظی اعتبار سے جس کی صفت بن رہا ہے، اس کیلئے نہیں ہے، اس صورت میں عبارت کا حق یہ تھا کہ **الداخل** کے فاعل کو بطور ضمیر منفصل کے لانا چاہئے۔ عبارت یوں ہونی چاہئے **والواو الداخل هو عليها للعطف**، ترجمہ یہ ہوگا کہ اور وہ واو جس پر وہ...... یعنی استفہام...... داخل ہے، وہ عطف کیلئے ہے، یہ واو جب عطف کیلئے ہے تو اسے ہمزہ سے پہلے آنا چاہئے تھا، لیکن ہمزۂ استفہام صدر کلام کے اقتضاء میں زیادہ قوی ہے، اس لئے وہ واو سے پہلے آ گیا، یہ جمہور کا مسلک ہے، علامہ زمخشری نے لکھا ہے، ایسے موقع پر ہمزۂ استفہام کے بعد فعل مقدر ہوتا ہے، عبارت اس طرح ہوگی **ايلومونهم على التحديث ولا يعلمون ان الله الخ**

فيرعووا: ارعوی سے ماخوذ ہے باب افعال سے ہے، اس کے معنی باز آنے کے ہیں۔

ومنهم اميون عوام: یہ یہودیوں کا چوتھا گروہ ہے، یہ عوام کا طبقہ ہے، اس کے ایمان لانے کی توقع ہوسکتی تھی، مگر اس کا حال یہ ہے کہ یہ اپنے پیشواؤں کی غلط سلط باتوں میں اس طرح پھنسے ہوئے ہیں، کہ ان کے خلاف سننے اور ماننے کیلئے تیار نہیں ہیں، اس لئے ان سے بھی کوئی امید نہیں رکھی جاسکتی۔

لايعلمون الكتاب الا اماني: اس گروہ کو کتاب اللہ کا علم تو ہے نہیں، بس انھیں جھوٹی اور بے اصل باتوں کا علم ہے۔ جو ان کے پیشواؤں نے گھڑ کر سنا رکھی ہیں۔ **الا** کی تفسیر مفسر نے **لكن** سے کی ہے۔ یہ اس بات کا اظہار ہے کہ یہاں استثناء منقطع ہے، اور یہ طریقہ پوری تفسیر میں ہے کہ جہاں کہیں استثنا منقطع ہوتا ہے، اس کی تفسیر **لكن** سے کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ **اماني** نہ تو جنس کتاب میں داخل ہیں، نہ اس کے مدلول ہیں، اس لئے استثناء متصل ہونے کا امکان نہیں۔

اماني: امنية کی جمع ہے، **امنية** دل کی ان آرزوؤں کو کہتے ہیں جنھیں انسان اپنے وہم وخیال میں باندھا کرتا ہے، یہ آرزوئیں جھوٹی سچی ہر طرح کی ہوتی ہیں، اسی لئے مطلقاً جھوٹی باتوں کو بھی امانی کہتے ہیں اور مطلق تمنا کو بھی امانی کہتے ہیں، اس کے علاوہ آدمی جس چیز کو پڑھتا ہے، اسے بھی امنیۃ کیا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ ان عوام کا مبلغ اعتقاد وہ جھوٹی اور من گھڑت باتیں ہیں، جو انھیں تحریف کرنے والوں کی تقلید میں حاصل ہوئی ہیں، یا وہ خالی خولی وعدے ہیں جو انھوں نے بڑوں سے سن رکھے ہیں کہ جنت میں صرف یہودی داخل ہوں گے اور جہنم کا عذاب انھیں نہیں ہوگا۔ اگر ہوگا بھی تو بس گنتی کے چند دن۔

وان ما: ان کی تفسیر میں **ما** لاکر اشارہ کیا کہ یہ ان نافیہ ہے، ان کا استعمال نفی کے معنی میں عموماً وہیں ہوتا

ہے۔ جہاں اس کے بعد الاآتا ہے، کہیں کہیں اس کے بغیر بھی ہوتا ہے۔

فویل للذین: ویل گو کہ نکرہ ہے، مگر مبتدا ہے اور دعا یا بددعا کے موقع پر نکرہ کو مبتدا بنانا صحیح ہوتا ہے۔ جیسے سلامٌ علیک

شدة عذاب: یہ ویل کا معنی ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ ویل جہنم کی ایک وادی کا نام ہے۔

مختلفا من عندهم: بایدیهم کی تفسیر میں اس لفظ کے لانے کا حاصل یہ ہے کہ وہ محلا منصوب علی الحالیۃ ہے۔ ای یکتبون الکتاب

حال کونه کائنا بایدیهم: یہ کنایہ ہے اس کے من گھڑت ہونے سے

لیشتروا به ثمنا قلیلاً: مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ جب مدینہ طیبہ تشریف لائے، تو علماء یہود کو اندیشہ ہوا کہ ان کی ریاست کا اب خاتمہ ہوا چاہتا ہے، انھوں نے اپنے عوام کو آپ پر ایمان لانے سے روکنے کی تدابیر سوچنی شروع کیں تاکہ ان کے نذرانے ان کو برابر ملتے رہیں، بالآخر انھوں نے حضور اکرم ﷺ کی صفات کو جو توریت میں مذکور تھیں بدل ڈالا اور ان کے بجائے دوسرے طرح کے صفات لکھ دیئے، پھر جب ان کے ان پڑھ معتقدین ان سے آپ کے بارے میں پوچھتے تو یہی بدلے ہوئے الفاظ پڑھ کر سنا دیتے اور وہ مطمئن ہوجاتے کہ جس نبی کی خبر ہماری کتاب میں دی گئی ہے وہ یہ نہیں ہیں۔

الرشا: الرشوۃ کی جمع ہے را پر تینوں حرکات جائز ہیں۔

ایاماً: یوم کی جمع ہے، اس کی اصل ایواما ہے، جیسے قوم کی جمع اقوام، واو کو یاء سے بدل کر یاء کا اس میں ادغام کر دیا۔

اتخذتم: اصل میں أأتخذتم ہے، پہلا ہمزہ استفہام کا ہے اور دوسرا ہمزۂ وصل ہے، ہمزۂ استفہام کے بعد ہمزۂ وصل کی ضرورت نہ رہی، اس لئے اسے حذف کر دیا۔

ام تقولون: مفسر نے ام کی تفسیر میں بل کا لفظ لاکر بتایا کہ یہ ام منقطعہ ہے۔ تفصیل یہ ہے کہ اتخذتم میں ہمزۂ استفہام انکار کیلئے ہے، اور بل اضراب کیلئے ہے، یعنی پہلے توبیخ تھی، ان کے اس خیال پر کہ گویا اللہ تعالیٰ سے ان کا کوئی عہد و پیمان ہے، کیونکہ ان کے قول لن تمسنا النار الا ایاما معدودة سے یہی معلوم ہوتا ہے، پھر اس سے ایک دوسری توبیخ کی طرف کلام منتقل ہوا کہ بلکہ تم لوگ اللہ کی طرف منسوب کر کے وہ بات کہتے ہو جو تم نہیں جانتے۔ ام منقطعہ کی تفسیر کبھی بل سے کی جاتی ہے، کبھی بل أ مع ہمزۃ الاستفہام سے کی جاتی ہے، دو قول ہیں، مفسر نے پہلا قول اختیار کیا ہے، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جو کچھ ہمزۂ استفہام کے تحت ہے، اس کی نفی اور جو کچھ ام کے تحت ہے، اس کا اثبات مقصود ہے، یعنی خدا سے تمہارا کوئی عہد نہیں ہے۔ البتہ تم لوگ اللہ کے اوپر غلط بیانی سے کام لے رہے ہو۔

بلی: نفی مقدم کے جواب کا لفظ ہے، اس سے سابق نفی کا انکار ہوکر ایجاب کا اثبات ہوتا ہے، خواہ اس نفی پر ہمزۂ استفہام داخل ہو یا نہ ہو، مثلاً کسی نے کہا ماقام زید ، دوسرے نے کہا کہ بلی یعنی بلی قام زید، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: الست بربکم قالوا بلی یعنی انت ربنا اس آیت میں بلی جواب ہے لن تمسنا النار الا ایاما معدودۃ، کا اس لئے مفسر نے فرمایا بلی تمسکم .

وتخلدون فیھا: یہاں خلود کا ذکر مفسر نے ان کے دعویٰ الا ایاما معدودۃ کے مقابلے میں کیا ہے۔

من کسب سیئۃ: سیئۃ اصل میں سیوئۃ ہے، واو کو یاء سے بدل کر یاء کا اس میں ادغام کردیا، جیسے سید میں تعلیل ہوئی ہے۔ سیئۃ سے شرک مراد ہے، اس کا قرینہ فاولئک اصحاب النار ھم فیھا خالدون ہے، خلود فی النار صرف کافر ومشرک کیلئے ہے۔

احاطت بہ خطیئتہ: استولت علیہ واحدقت بہ من کل جانب: اس کے اشارے سے معلوم ہوتا ہے اگر انسان شرک بھی نہ کرے لیکن گناہ اس کے حد سے گزر جائیں اور وہ گناہوں میں ہر طرف سے گھر جائے تو اندیشہ ہے کہ اس کا نور ایمان بجھ جائے اور وہ اس کے نتیجے میں کفر وشرک میں مبتلا ہوکر مرے۔

روعی فیہ معنی من: من لفظاً واحد ہے مگر معنیً جمع پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے، یہاں معنی کی رعایت میں جمع کے صیغے لائے گئے ہیں۔

مضامین آیات وتفسیر

بنی اسرائیل کی بداعمالیاں اور ان کے مزاج کے فساد کا ذکر کرنے کے بعد حق تعالیٰ نے اہل ایمان سے فرمایا کہ تم ان سے یہ امید نہ رکھو کہ تمہاری اطاعت کریں گے، اور ایمان لائیں گے، ان کے جرائم نے انھیں اس لائق نہیں چھوڑا ہے کہ کسی چیز کی ان سے توقع رکھی جائے اول تو یہ لوگ جان بوجھ کر کلام الٰہی میں تحریف کرتے ہیں، دوسرے ان میں سے بعض لوگ محض نفاق اور کذب کی بنیاد پر ایمان کا اقرار کرتے ہیں، تیسرے ان کے بڑے علماء نبی کریم ﷺ کی حقانیت کو خوب جانتے ہیں، لیکن توریت میں جو کچھ آپ کے متعلق بیان کیا گیا ہے، اسے چھپانے کی تاکید کرتے ہیں، چوتھے عوام کا طبقہ جو اپنے علماء اور احبار کے چنگل میں بری طرح پھنسا ہوا ہے ان میں سے کوئی گروہ ایمان لانے کی صلاحیت نہیں رکھتا، اور یہ کتنی بری بات ہے کہ آدمی اپنی طرف سے ایک بات گھڑے اور اسے خدا کے ذمے لگا دے، اس سے بڑھ کر جرأت اور کیا ہوسکتی ہے، یہ تو سخت عذاب کے مستحق ہیں، اور یہ لوگ اس ڈھٹائی کی کمائی کھاتے ہیں، مزید جرأت یہ بھی کرتے ہیں کہ ہم جہنم میں نہیں جائیں گے، اور اگر کوئی گیا بھی تو بس چند روز کے لئے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے خدا تعالیٰ سے کوئی معاہدہ کر رکھا ہے۔ یہ بات نہیں یہ اللہ کے اوپر ایک اور افتراء ہے، ان کی یہ بات غلط ہے۔ جو بھی شرک اور انکار کی راہ اختیار کرے

گا، خواہ وہ کوئی ہو اس کا ہمیشہ کا ٹھکانا جہنم ہے، اور جو کوئی ایمان لائیگا عمل صالح کا پابند ہوگا وہ اہل جنت ہے اور وہاں وہ ہمیشہ ہمیش رہے گا۔

☆☆☆☆☆

﴿وَ﴾اذکر﴿ اِذْ اَخَـذْنَا مِيْثَاقَ بَنِىْٓ اِسْرَآئِيْلَ ﴾ فى التوراة وقلنا ﴿ لَا تَعْبُدُوْنَ﴾ بالتاء والياء﴿ اِلَّا اللّٰهَ ﴾ خبر بمعنى النهى وقرئ لا تعبدوا ﴿وَ﴾ واحسنوا ﴿بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَاناً﴾ برا﴿وَذِى الْقُرْبٰى ﴾ القرابة عطف على الوالدين ﴿ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ ﴾ قولا ﴿حُسْناً ﴾ من الامر بالمعروف والنهى عن المنكر والصدق فى شان محمد صلعم والرفق بهم و فى قرأة بضم الحاء و سكون السين مصدر وصف به مبالغة﴿ وَاَقِيْمُوْا الصَّلٰوةَ وَآتُوْا الزَّكٰوةَ ﴾ فقبلتم ذلک ﴿ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ ﴾ اعرضتم عن الوفاء به فيه التفات عن الغيبة والمراد آباؤهم ﴿ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُعْرِضُوْنَ﴾ عنه كآبائكم ﴿وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ ﴾ وقلنا﴿ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَاءَكُمْ ﴾ تريقونها بقتل بعضكم بعضا ﴿وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ ﴾ لا يخرج بعضكم بعضا من داره ﴿ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ﴾ قبلتم ذلک الميثاق ﴿ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ﴾ على انفسكم ﴿ثُمَّ اَنْتُمْ ﴾ يا﴿ هولاء تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ ﴾ يقتل بعضكم بعضا ﴿وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقاً مِّنْكُمْ مِنْ دِيَارِهِمْ تَظَاهَرُوْنَ﴾ فيه ادغام التاء فى الاصل فى الظاء وفى قرأة بالتخفيف على حذفها تتعاونون ﴿ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ ﴾ المعصية ﴿ وَالْعُدْوَانِ ﴾ الظلم ﴿وَاِنْ يَاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى ﴾و فى قراءة اَسرىٰ ﴿ تُفْدُوْهُمْ﴾ و فى قراءة تُفْدُوْهُمْ تنقذوهم من الاسر بالمال او غيره وهو مما عهد اليهم ﴿وَهُوَ﴾ اى الشان ﴿مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ﴾ متصل بقوله و تخرجون والجملة بينهما اعتراض اى كما حرم ترک الفداء و كانت قريظةُ حالفوا الاوسَ والنضيرُ الخزرجَ فكان كل فريق يقاتل مع حلفائه و يخرب ديارهم ويخرجهم فاذا اسروا فدوهم وكانوا اذا سئلوا لم تقاتلونهم و تفدونهم قالو امرنا بالفداء فيقال فلم تقاتلونهم فيقولون حياء ان يستذل حلفاؤنا قال تعالىٰ ﴿ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ ﴾ وهو الفداء ﴿ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ﴾ وهو ترک القتل والاخراج والمظاهرة ﴿ فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِکَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْیٌ﴾ هوان و ذل ﴿ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾ وقد خزوا بقتل قريظة و نفى النضير الى الشام وضرب الجزية ﴿وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰى اَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴾ بالياء و التاء ﴿ اُولٰئِکَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ ﴾ بان آثروها عليها

﴿ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴾ يمنعون منه ۔

﴿ تــرجمـــہ ﴾

(اور) یاد کرو (جب ہم نے) توریت میں (بنی اسرائیل سے عہد لیا) اور ہم نے کہا کہ (اللہ کے سوا، کسی کی عبادت نہیں کرو گے) **تعبدون** تاء سے بھی اور یاء سے بھی، یہ جملہ خبریہ ہے، لیکن نہی کے معنی میں ہے اور **لاتعبدوا** بھی پڑھا گیا ہے (اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو، اور رشتہ داروں کے ساتھ) یہ عطف ہے، والدین پر (اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ اور لوگوں سے اچھی) بات (کہو) یعنی امر بالمعروف، نہی عن المنکر، محمد ﷺ کے بارے میں سچی بات، اور لوگوں کے ساتھ نرم کلام، اور ایک قرأۃ میں **حسنا** حاء کے ضمہ اور سین کے سکون کے ساتھ، مصدر ہے، مصدر کو قول کی صفت لانا بطور مبالغہ کے ہے۔ (اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو) تو تم نے اس عہد کو قبول کیا (پھر تم نے روگردانی کی) یعنی اسے پورا کرنے سے گریز کیا، اس میں غیبت سے التفات ہے اور مراد ان کے آباء واجداد ہیں (مگر تم میں سے تھوڑے سے لوگ، اور تم) بھی اس سے اپنے آباء واجداد کی طرح (گریز کرنے والے ہو، اور جب ہم نے تم سے عہد لیا) اور کہا (کہ تم) ایک دوسرے کو باہم قتل کر کے (اپنا خون نہیں بہاؤ گے اور نہ اپنے لوگوں کو اپنے گھروں سے نکالو گے) یعنی تم ایک دوسرے کو اس کے گھر سے باہر نہیں کرو گے (پھر تم نے اقرار کیا) اور اس عہد کو قبول کیا (اور تم لوگ) اپنے اوپر (گواہ ہو پھر تمہیں) اے (لوگو! اپنے آپ کو قتل کرتے ہو) یعنی ایک دوسرے کو قتل کرتے ہو (اور اپنے ایک گروہ کو اس کے گھر سے نکالتے ہو، ان کے خلاف گناہ اور سرکشی سے باہم مدد کرتے ہو) **تظاھرون** میں اصل میں تا کا ظاء میں ادغام ہے اور ایک قرأت میں **تظاھرون** ظاء کی تخفیف کے ساتھ ہے اور ایک تاء محذوف ہے (اور اگر تمہارے پاس قیدی بن کر آتے ہیں) اور ایک قرأت میں اسریٰ ہے (تو تم فدیہ دے کر انھیں چھڑاتے ہو) اور ایک قرأت میں **تُفْدُوْهُم** ہے، یعنی مال وغیرہ کے ذریعے،، انھیں قید سے رہا کرا لیتے ہو، اور یہ چیز بھی اس میں داخل ہے، جس کا ان سے عہد لیا گیا تھا (اور وہ) ضمیر شان ہے (تم پر ان کا نکالنا حرام کیا ہوا ہے) **وھو محرم** کا جملہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد **وتخرجون** سے متصل ہے اور درمیان میں جملہ معترضہ ہے، جیسے ترک فدیہ حرام ہے، ایسے ہی نکالنا بھی حرام ہے، قریظہ نے بنی اوس سے حمایت ونصرت کا وعدہ کر رکھا تھا اور بنی نضیر نے خزرج کے ساتھ تو ہر فریق اپنے حلیف کے ساتھ مل کر دوسرے سے لڑتا تھا، ان کے گھروں کو برباد کرتا تھا، اور انھیں نکالتا تھا۔ پھر جب وہ قید ہو کر آتے تھے، تو یہی لوگ فدیہ دے کر انھیں آزاد کرا دیتے تھے۔ اور جب ان سے پوچھا جاتا کہ ان سے لڑتے کیوں ہو اور فدیہ دے کر چھڑاتے کیوں ہو تو وہ کہتے ہیں ہمیں فدیہ دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ ان سے کہا جاتا کہ پھر لڑتے کیوں ہو، وہ کہتے ہیں کہ اس شرم سے کہ ہمارا حلیف قبیلہ کمزور نہ ہو جائے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ (کیا تم کتاب

کے ایک جز پر) اور وہ فدیہ دینے کا حکم ہے (ایمان لاتے ہو اور دوسرے جز) اور وہ ترک قتل واخراج وتعاون ہے) کے منکر ہو (تو جو تم میں سے ایسا کرے، اس کا بدلہ دنیاوی زندگی میں بجز ذلت و رسوائی کے اور کچھ نہیں ہے۔) چنانچہ وہ اس طرح رسوا ہوئے کہ قریظہ کا پورا قبیلہ قتل کر دیا گیا اور بنی نضیر کو شام کی جانب جلا وطن کر دیا گیا، اور ان پر بالآخر جزیہ مسلط ہوا۔ (اور قیامت کے دن سخت عذاب کی جانب انھیں لوٹایا جائیگا، اور جو کچھ یہ کرتے ہیں، اللہ اس سے غافل نہیں) **یعملون** یاء اور تاء سے ہے (یہی وہ لوگ ہیں، جنھوں نے دنیاوی زندگی کو آخرت کے بدلے میں خریدا) یعنی دنیا کو آخرت پر ترجیح دی (تو ان سے نہ عذاب ہلکا کیا جائیگا اور نہ ان کی مدد کی جائے گی) یعنی اس سے بچایا نہیں جائیگا۔

﴿تشریحات﴾

وقلنا لاتعبدون : **واذاخذنا میثاق بنی اسرائیل** میں اخذ میثاق قول کو مقتضی ہے، کیونکہ عہد و پیمان قول ہی کے ذریعے ہوتا ہے اس لئے مفسر نے یہاں **قلنا** ظاہر کر دیا ہے۔

خبر بمعنی النهی : **لا تعبدون** کا صیغہ تو خبر کا ہے۔ لیکن معنی میں نہی کے ہے۔ جب منہی عنہ کی اہمیت کا اظہار مقصود ہو تو اس وقت نفی، نہی سے زیادہ بلیغ ہوتی ہے، گویا جس کام سے منع کیا گیا ہے، مخاطب نے فوراً اس کا امتثال کر لیا ہے، اور اس نے وہ کام نہیں کیا ہے۔

وقرئ لا تعبدوا : مفسر علام کا عمومی دستور یہ ہے کہ جب قرأۃ سبعہ کو بیان کرنا ہوتا ہے تو **فی قرأۃ** کہتے ہیں، اور کسی شاذ قرأت کو بیان کرنا ہوتا ہے تو قری سے تعبیر کرتے ہیں سات قرأتیں تو رسول اللہ ﷺ سے بطور تواتر کے منقول ہیں، ان کے علاوہ بھی بعض قرأتیں ہیں، جنھیں ''قرأۃ شاذۃ'' کہتے ہیں، تاہم کہیں کہیں اس عمومی دستور کے خلاف بھی ہے، موقع پر اسے ذکر کر دیا جائے گا۔

احسنوا بالوالدین : **بالوالدین** سے پہلے **احسنوا** مقدر ہے اور اس کا قرینہ بعد میں آیا ہوا لفظ **احساناً** ہے۔

قولا حسناً : مفسر نے جس قرأت کی بنیاد پر تفسیر کی ہے وہ حسناً صفت مشبہ ہے، یعنی **قولوا للناس حسناً**، ای **قولا حسناً**

وفی قرأۃ بضم الحاء وسکون السین : ایک قرأۃ میں حسناً ہے، جو مصدر ہے، قول کی صفت میں مصدر کو لانا معنیً صحیح نہیں ہوتا، لیکن جب مبالغہ اور اہتمام مقصود ہوتا ہے تو مصدر کو بطور صفت لانا بہتر ہوتا ہے۔ جیسے زید عدل یعنی زید عدل کے ساتھ ایسا متصف ہے کہ گویا وہی بذات خود انصاف ہے۔

فقبلتم ذلک : مضمون کلام سے قبول میثاق کا معاملہ واضح طور پر سمجھ میں آتا ہے، اس لئے مفسر نے اسے ذکر

کردیا اور بتادیا کہ ثم تولیتم کا عطف اسی قبلتم پر ہے، جو کہ یہاں مقدر ہے۔

فیہ التفات عن الغیبۃ: اس میں غیبت سے خطاب کی طرف التفات ہے، کیونکہ بنی اسرائیل کا ذکر غائب کے صیغہ سے ہوا تھا لیکن التفات اس صورت میں ہوگا۔ جب **لا یعبدون** بالیاء کی قرأت ہو، **لا تعبدون** کی قرأت کی صورت میں التفات نہ ہوگا۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ **لا تعبدون** کا خطاب قدماء بنی اسرائیل سے ہو، اور **ثم تولیتم** کا خطاب موجودہ یہودیوں سے ہو، تب دونوں قرأتوں پر التفات ہوسکتا ہے۔

التفات کا مطلب ہے کہ کلام کا اسلوب بدلنا، تاکہ سننے والے کو نشاط تازہ حاصل ہو۔

وانتم معرضون عنه کآبائکم: کآبائکم کا لفظ بطور تشریح کے تحریر کرکے مفسر نے تنبیہ کی ہے کہ یہ جملہ معطوفہ ہے، حالیہ نہیں ہے۔ عطف میں مغایرت ہوتی ہے، اور حال ذوالحال کی کیفیت کو بیان کرتا ہے۔ **ثم تولیتم** کا تعلق ان کے اسلاف سے ہے، اور **انتم معرضون** کا تعلق بروقت موجود یہود سے ہے۔

وقلنا لا تسفکون الخ: اس قلنا کی توجیہ قریب ہی گزر چکی ہے۔

تریقونها بقتل بعضکم بعضا: **لا تسفکون دماء کم** کا معنی ہے کہ اپنا خون نہ بہاؤ گے، اس سے مراد خودکشی نہیں ہے۔ بلکہ تم میں کا کوئی دوسرے کا خون نہ بہائے، کیونکہ جس نے دوسروں کو قتل کیا، اس نے گویا خود اپنی جان کو قتل کیا، کیونکہ قصاص کا حکم حتمی ہے، اس طرح دوسرے کو قتل کرکے آدمی خود اپنے کو قتل کرتا ہے۔ اسی کے قریب قریب توجیہ **لاتخرجون انفسکم من دیارکم** میں بھی ہے۔

ثم انتم یا هولاء تقتلون: **هولاء** سے پہلے یا حرف نداء کو مقدر مان کر مفسر نے تنبیہ فرمائی کہ **انتم** مبتدا ہے اور **تقتلون** کی خبر ہے اور درمیان میں **هولاء** منادیٰ ہے اور یہ جملہ معترضہ ہے۔

فیه ادغام التاء: **تظاهرون** اصل میں **تتظاهرون** ہے، اس تاء تفاعل کو ظاء سے بدل کر ظاء میں ادغام کردیا۔

و فی قراءۃ بالتخفیف علی حذفها: ۔ ایک قرات میں **تظاهرون** ہے، اس میں ایک تاء کو حذف کردیا ہے۔

و ان یاتوکم اساریٰ: ۔ یہی لوگ جن کو تم ان کے گھروں سے نکالتے ہو، یہی لوگ جب تمہارے پاس قیدی بن کر آتے ہیں یعنی حلیف لوگوں کی قید میں آتے ہیں تو تم ان کا فدیہ دے کر اپنے حلیفوں کی قید سے چھڑاتے ہو۔

و فی قرأۃ اسریٰ: ۔ ایک قرأت میں **اسریٰ** ہے، یہ دونوں لفظ **اسیر** کی جمع ہے۔

تفادوهم و فی قراءۃ تُفْدُوْهُم: ۔ فدیہ دے کے انھیں چھڑاتے ہو، باب افعال اور باب مفاعلت دونوں سے ہے۔

وان یاتوکم اساری تفادوهم میں پانچ قرأتیں ہیں:

(۱) اساری بغیر امالہ کے اور تفادوھم

(۲) اساری مع الامالہ کے اور تفادوھم

(۳) اساری مع الامالہ اور تفدوھم

(۴) اساری بغیر امالہ تفدوھم

(۵) اسری مع الامالہ اور تفدوھم

وھو ای الشان : .ھو ضمیر شان ہے، اس کا مرجع ماقبل میں نہیں ہوتا، بلکہ مابعد کا جملہ اس کی تفسیر کرتا ہے، یہ ضمیر مذکر ہو تو اسے ضمیر شان کہتے ہیں اور مونث ہو تو ضمیر قصہ کہتے ہیں، ضمیر شان کی پانچ خصوصیات ہیں، اور پانچوں خلاف قیاس ہیں:

(۱) اس کا مرجع اور مفسر بعد میں ہوتا ہے۔

(۲) اس کا مفسر جملہ ہو سکتا ہے، مفرد نہیں۔

(۳) اس کا کوئی تابع نہیں آسکتا، نہ تاکید، نہ عطف، نہ بدل

(۴) اس میں عامل ابتداء اور نواسخ جملہ کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوسکتا۔

(۵) یہ ضمیر ہمیشہ واحد ہوتی ہے۔

محرم علیکم اخراجھم : . **محرم** خبر مقدم ہے اور **اخراجھم** مبتدا موخر ہے، اور یہ پورا جملہ ضمیر شان کی خبر ہے، اور چونکہ یہ جملہ جو ضمیر شان کی خبر ہے، اس کی تفسیر اور اس کا عین ہے، اس لئے اس میں کسی عائد کی ضرورت نہیں، ورنہ خبر جب جملہ ہوتی ہے تو اس میں ایک عائد ہونا چاہئے جو مبتدا کی طرف راجع ہو۔

متصل بقولہ وتخرجون : . **وھو محرم علیکم اخراجھم** کا جملہ **و تخرجون فریقا منکم من دیارکم** سے مربوط ہے، یعنی اس کے فاعل یا مفعول یا دونوں کا حال ہے۔

والجملة بینھما اعتراض : یعنی **و ان یاتوکم اسریٰ تفادوھم** ، جملہ معطوف علیہ **تظاھرون الخ** اور جملہ معطوف **وھو محرم الخ** کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔

ای کما حرم ترک الفداء: . **تفادوھم** کے جملہ سے معلوم ہوا کہ ترک فدیہ حرام ہے، تو جیسے ترک فدیہ حرام ہے، ایسے ہی اپنے آدمیوں کو ان کے گھر سے نکالنا اور ایک دوسرے کے خلاف تعاون کرنا بھی تو حرام ہے۔

وکانت قریظة حالفوا الاوس: ۔مدینہ طیبہ میں یہودیوں کے دو بڑے قبیلے تھے، بنی نضیر اور بنی قریظہ، اسی طرح مشرکین کے دو قبیلے تھے، خزرج اور اوس، یہودیوں کا مزاج ہمیشہ سے لڑائی کرنے اور منافرت پھیلانے کا

تھا، اوس اور خزرج کے درمیان مستقل لڑائی ٹھنی رہتی تھی، قریظہ والے اوس کا ساتھ دیتے، اور بنی نضیر خزرج کے ساتھ ہوتے، اسی طرح اوس وخزرج کی باہمی لڑائیوں میں بنی قریظہ اور بنی نضیر بھی ٹکراتے، ایک دوسرے کو قتل کرتے، ان کے گھروں سے نکالتے، گرفتار کرتے اور گھروں کو ویران و برباد کرتے، لیکن بنی نضیر کا کوئی آدمی اوس کی قید میں آتا تو خود قریظہ والے فدیہ دے کر اسے آزاد کرادیتے، یا قریظہ کا کوئی آدمی خزرج والوں کی قید میں آتا تو بنی نضیر والے فدیہ دے کر اسے چھڑا دیتے، یہ عجیب چال تھی۔ جب ان سے اس کے متعلق پوچھا جاتا تو کہتے کہ ہمیں فدیہ دینے کا حکم ہے، پھر پوچھا جاتا کہ تب لڑتے کیوں ہو؟ اس پر وہ کہتے کہ ہم تو اس شرم کی وجہ سے لڑتے ہیں کہ ہمارا دوست قبیلہ کمزور نہ ہو جائے، اس پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ **افتومنون ببعض الکتاب الخ** یعنی کتاب کے ایک حکم فدیہ کو تو مانتے ہو، اور دوسرے احکام ترک قتل وغیرہ کو نہیں مانتے۔

وقد خزوا: ۔باب سمع سے ہے، اصل میں خزیوا ہے یاء کی حرکت ماقبل کو دے کر یاء کو حذف کر دیا، خزوا ہو گیا۔

بقتل قریظہ: ۔بنی قریظہ سے رسول اللہ ﷺ نے معاہدہ تھا کہ مسلمانوں کے خلاف کسی کی مدد نہیں کریں گے، مگر جب بنی نضیر کے بھڑکانے سے اہل مکہ نے عرب کے بیشتر مشرک قبائل کو متحد کر کے ۵ھ میں یکبارگی شدید حملہ کر دیا اور اس حملہ کی شدت کے باعث رسول اللہ ﷺ نے میدان میں نکل کر کفار کا مقابلہ نہیں کیا، بلکہ کھلے میدان کی جانب طویل وعریض خندق کھود کر آپ نے مدینہ کی حفاظت کی ایک نئی تدبیر فرمائی، خندق کا یہ معرکہ اتنا سخت تھا کہ خود اللہ تعالیٰ نے اس کا نقشہ یوں کھینچا ہے کہ ''إِذْ جَاءُوكُمْ مِنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنْكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونَا۔'' جب تمہارے دشمن اوپر کی جانب سے اور نیچے کی جانب سے آئے اور نگاہیں کج ہو گئیں اور دل اچھل کر حلق تک آ گئے اور تم طرح طرح کے وسوسوں میں مبتلا ہو گئے'' ایسے سخت مرحلے میں بنی قریظہ نے شدید غداری کی، باہری دشمن تو خندق کی وجہ سے مدینہ کی سر زمین پر قدم نہیں رکھ سکا، لیکن اندر کا دشمن سانپ بن کر ڈسنے کی تیاری کر رہا تھا، وہ تو اللہ تعالیٰ کی غیبی نصرت، شدید ٹھنڈک اور طوفانی ہوا کی وجہ سے دشمنوں کے تمام منصوبے خاک میں مل گئے، ورنہ جو سازش بنی قریظہ کے ساتھ مل کر بنائی گئی تھی بظاہر نظر اس سے عہدہ برآ ہونا مشکل تھا۔

آندھیوں کے تیز جھکڑوں نے قبائل عرب کو منتشر کر کے اس سازش کو ناکام بنا دیا، اس کے بعد بنی قریظہ کا فیصلہ ہوا، یہ فیصلہ قبیلہ اوس ہی کے ایک سردار صحابی حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے کیا کہ ان کے تمام مردوں کو قتل کر دیا جائے، اور ان کے بچوں اور عورتوں کو باندی بنالیا جائے، چنانچہ اس غداری کی پاداش میں سات سو قریظی ایک ہی دن میں ہلاک کر دیئے گئے۔

بنی نضیر نے جنگ احد کے بعد شرارت کی تھی، انھیں اسی وقت مدینہ سے جلا وطن کر دیا گیا تھا، وہ ملک شام چلے گئے، نضیر اور قریظہ کے کچھ لوگ خیبر میں سکونت رکھتے تھے، بعد میں ان پر جزیہ مسلط ہوا، بہر حال ان کی رسوائی کا دنیا میں پوری طرح انتظام ہو گیا، اور آخرت میں شدید عذاب کے اندر گرفتار ہوں گے۔

﴿مضامین آیات وتفسیر﴾

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے اس عہد و میثاق کا ذکر فرمایا ہے جس میں سے کچھ کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے اوفو بعهدی اوف بعهدکم میں فرمایا ہے، یہ عہد حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں قبیل کا تھا، حقوق اللہ میں اللہ کی وحدانیت وعبادت نماز اور زکوٰۃ کا عہد تھا، اور حقوق العباد میں والدین رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک کا عہد تھا نیز لوگوں کے ساتھ حسن کلام کی تلقین تھی، نیز یہ کہ آپس میں خونریزی نہ کریں، ظلم وعداوت میں تعاون نہ کریں، قیدیوں کا فدیہ دیں، اپنے لوگوں کو ان کے گھروں سے نہ نکالیں اور یہ سب باتیں وہ ہیں، جنھیں تمام یہودی بخوبی جانتے ہیں، لیکن اس عہد کی پابندی کا حال یہ ہے کہ آپس میں خونریزی بھی کرتے ہیں، ایک دوسروں کو گھروں سے نکالتے بھی ہیں، قید بھی کرتے ہیں، ظلم وعدوان میں ایک دوسرے کی مدد بھی کرتے ہیں، بس صرف فدیہ کے حکم پر عمل کر لیا کرتے ہیں، یعنی کچھ احکام پر عمل کرتے ہیں، اور اور کچھ پر نہیں، اس کا بدلہ یہ ہے کہ دنیا میں ایسے لوگوں کی رسوائی ہو، اور آخرت میں شدید عذاب ہو۔

☆☆☆☆☆

﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتٰبَ﴾ التوراة ﴿وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهِ بِالرُّسُلِ﴾ ای اتبعناهم رسولاً فی اثر رسول ﴿وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ﴾ المعجزات کاحیاء الموتیٰ وابراء الاکمه والابرص ﴿وَاَيَّدْنٰهُ﴾ قویناه ﴿بِرُوحِ الْقُدُسِ﴾ من اضافة الموصوف الی الصفة ای الروح المقدسة جبرئیل لطهارته یسیر معه حیث سار فلم تستقیموا ﴿اَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ بِمَا لَا تَهْوٰى﴾ تحب ﴿اَنْفُسُكُمُ﴾ من الحق ﴿اسْتَكْبَرْتُمْ﴾ تکبرتم عن اتباعه جواب کلما و هو محل الاستفهام والمراد به التوبیخ ﴿فَفَرِيْقاً﴾ منهم ﴿كَذَّبْتُمْ﴾ کعیسیٰ ﴿وَ فَرِيْقاً تَقْتُلُوْنَ﴾ المضارع لحکایة الحال الماضیة ای قتلتم کزکریا و یحییٰ ﴿وَقَالُوْا﴾ للنبی استهزاء ﴿قُلُوْبُنَا غُلْفٌ﴾ جمع اغلف ای مغشاة باغطیة فلا تعی ما تقول قال تعالیٰ ﴿بَلْ﴾ للاضراب ﴿لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ﴾ ابعدهم عن رحمته و خذلهم عن القبول ﴿بِكُفْرِهِمْ﴾ ولیس عدم قبولهم لخلل فی قلوبهم ﴿فَقَلِيْلاً مَّا يُؤْمِنُوْنَ﴾ ما زائدة لتاکید القلة ای ایمانهم قلیل جداً ﴿وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِنْدِاللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ﴾ من التوراة هو القرآن ﴿وَكَانُوْامِنْ

قَبۡلُ﴾ قبل مجيئه﴿يَسۡتَفۡتِحُوۡنَ﴾ يستنصرون ﴿عَلَى الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا﴾ يقولون اللهم انصرنا عليهم بالنبى المبعوث آخر الزمان ﴿فَلَمَّا جَاءَ هُمۡ مَا عَرَفُوۡا﴾ من الحق وهو بعثة النبى ﷺ ﴿كَفَرُوۡا بِهٖ﴾ حسدا وخوفا على الرياسة و جواب لما الاولىٰ دل عليه جواب الثانية ﴿فَلَعۡنَةُ اللّٰهِ عَلَى الۡكَافِرِيۡنَ بِئۡسَمَا اشۡتَرَوۡا﴾باعوا﴿بِهٖ اَنۡفُسَهُمۡ﴾ اى حظها من الثواب وما نكرة بمعنى شيئا تمييز لفاعل بئس والمخصوص بالذم ﴿اَنۡ يَّكۡفُرُوۡا﴾ اى كفرهم﴿بِمَا اَنۡزَلَ اللّٰهُ﴾ من القرآن ﴿بَغۡيًا﴾ مفعول له ليكفروا اى حسداً على ﴿اَنۡ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ﴾ بالتخفيف والتشديد﴿مِنۡ فَضۡلِهٖ﴾ الوحى﴿عَلٰى مَنۡ يَّشَاءُ﴾للرسالة ﴿مِنۡ عِبَادِهٖ فَبَآءُوۡا﴾ رجعوا﴿بِغَضَبٍ﴾ مِنَ اللّٰهِ بِكُفۡرِهِمۡ بِمَا اُنۡزَلَ والتنكير للتعظيم ﴿عَلٰى غَضَبٍ﴾ استحقوه من قبل بتضييع التوراة والكفر بعيسىٰ﴿وَلِلۡكَافِرِيۡنَ عَذَابٌ مُّهِيۡنٌ﴾ذو اهانة ﴿وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ اٰمِنُوۡا بِمَا اَنۡزَلَ اللّٰهُ﴾ القرآن وغيره ﴿قَالُوۡا نُؤۡمِنُ بِمَا اُنۡزِلَ عَلَيۡنَا﴾ اى التوراة قال تعالىٰ ﴿وَيَكۡفُرُوۡنَ﴾ الواو للحال ﴿بِمَا وَرَاءَهٗ﴾ سواه او بعده من القرآن ﴿وَهُوَ الۡحَقُّ﴾ حال ﴿مُصَدِّقًا﴾حال ثانية مؤكدة ﴿لِّمَا مَعَهُمۡ قُلۡ﴾ لهم ﴿فَلِمَ تَقۡتُلُوۡنَ﴾ اى قتلتم ﴿اَنۡبِيَاءَ اللّٰهِ مِنۡ قَبۡلُ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ﴾ بالتوراة وقد نهيتم فيها عن قتلهم والخطاب للموجودين فى زمن نبينا ﷺ بما فعل آباؤ هم لرضاهم به ﴿وَلَقَدۡ جَاءَ كُمۡ مُّوۡسٰى بِالۡبَيِّنٰتِ﴾ اى المعجزات كالعصا واليد و فلق البحر ﴿ثُمَّ اتَّخَذۡتُمُ الۡعِجۡلَ﴾ الٰها ﴿مِنۡ بَعۡدِهٖ﴾ اى بعد ذهابه الى الميقات﴿وَاَنۡتُمۡ ظَالِمُوۡنَ﴾ باتخاذه﴿وَاِذۡاَخَذۡنَا مِيۡثَاقَكُمۡ﴾ على العمل بما فى التوراة ﴿وَ﴾قد﴿رَفَعۡنَا فَوۡقَكُمُ الطُّوۡرَ﴾ الجبل حين امتنعتم من قبولها ليسقط عليكم وقلنا ﴿خُذُوۡامَا آتَيۡنٰكُمۡ بِقُوَّةٍ﴾ بجد واجتهاد ﴿وَاسۡمَعُوۡا﴾ما تؤمرون به سماع قبول﴿قَالُوۡا سَمِعۡنَا﴾ قولك ﴿وَعَصَيۡنَا﴾ امرك ﴿وَاُشۡرِبُوۡا فِىۡ قُلُوۡبِهِمُ الۡعِجۡلَ﴾ اى خالط حبه قلوبهم كما يخالط الشراب ﴿بِكُفۡرِهِمۡ قُلۡ﴾ لهم ﴿بِئۡسَمَا﴾ شيئا﴿يَامُرُكُمۡ بِهٖ اِيۡمَانُكُمۡ﴾ بالتوراة عبادة العجل ﴿اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ﴾ بها كما زعمتم المعنى لستم بمؤمنين لان الايمان لا يامر بعبادة العجل والمراد آباؤهم اى فكذلك انتم لستم بمؤمنين بالتوراة وقد كذبتم محمدا ﷺ والايمان بها لا يامر بتكذيبه ﴿قُلۡ﴾ لهم ﴿اِنۡ كَانَتۡ لَكُمُ الدَّارُ الۡاٰخِرَةُ﴾ اى الجنة ﴿عِنۡدَاللّٰهِ خَالِصَةً﴾ خاصة﴿مِّنۡ دُوۡنِ النَّاسِ﴾ كما زعمتم﴿فَتَمَنَّوُا الۡمَوۡتَ اِنۡ كُنۡتُمۡ صَادِقِيۡنَ﴾ تعلق بتمنيه الشرطان على ان الاول قيد فى الثانى اى ان صدقتم فى زعمكم انها

لکم ومن کانت لہ یوثرھا والموصل الیھا الموت فتمنوہ ﴿ وَلَن یَّتَمَنَّوْهُ اَبَداً بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ﴾ من کفرھم بالنبی ﷺ المستلزم لکذبھم ﴿ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ بِالظّٰلِمِیْنَ﴾ الکافرین فیجازیھم ﴿ وَلَتَجِدَنَّهُمْ﴾ لام قسم ﴿ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰی حَیٰوةٍ وَ﴾ احرص ﴿ مِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا﴾ المنکرین للبعث علیھا لعلمھم بان مصیرھم الی النار دون المشرکین لانکارھم لہ ﴿ یَوَدُّ ﴾ یتمنی ﴿اَحَدُهُمْ لَوْ یُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ﴾ لو مصدریة بمعنی ان وھی بصلتھا فی تاویل مصدر مفعول یود ﴿وَمَا هُوَ ﴾ ای احدھم ﴿بِمُزَحْزِحِهٖ﴾مبعدہ ﴿ مِنَ الْعَذَابِ ﴾ النار ﴿ اَن یُّعَمَّرَ ﴾ فاعل مزحزحہ ای تعمیرہ ﴿ وَاللّٰهُ بَصِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴾بالیاء و بالتاء فیجازیھم۔

﴿ تـــرجمـــہ ﴾

(اور بلا شبہ ہم نے موسیٰ کو کتاب) یعنی توریت (دی) اوران کے بعد ہم نے رسولوں کو) ایک کے بعد دوسرے کو (بھیجا، اور ہم نے عیسیٰ بن مریم کو واضح دلائل) یعنی معجزات (دئے) جیسے مردوں کو زندہ کرنا، مادرزاد نابینا کو اور مبروص کو شفا دینا (اور ہم نے ان کی تائید کی) انھیں تقویت پہونچائی (روح القدس سے) یہ موصوف کی صفت کی طرف اضافت کی قبیل سے ہے، یعنی الروح المقدسة ، یہ لقب حضرت جبرئیل علیہ السلام کا ہے، کیونکہ وہ انتہائی طاہر ومقدس ہیں، وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ رہتے تھے، جہاں بھی وہ جاتے، لیکن تم تب بھی درست نہ ہوئے (تو کیا جب کوئی رسول تمہارے پاس ایسی چیز لے کر آیا، جس کو تمہارا نفس نہ چاہتا تھا) یعنی حق وہدایت (تو تم نے) اس کے اتباع سے (تکبر کی راہ اختیار کی) یہ کلما کا جواب ہے، اور استفہام کا محل ہے، اور مراد اس سے توبیخ ہے (پس) ان میں سے (ایک فریق کو تم نے جھٹلایا) جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام (اور ایک فریق کو قتل کرتے ہو) یہ مضارع حال ماضیہ کی حکایت کیلئے ہے، یعنی تم نے قتل کیا جیسے حضرت زکریا و یحییٰ علیہم السلام (اور انھوں نے) نبی سے بطور استہزاء کے (کہا کہ ہمارے دل بند ہیں) غلف ، اغلف کی جمع ہے، یعنی ڈھکن میں بند ہیں، تو جو کچھ تم کہتے ہو، اسے اپنے اندر وہ محفوظ نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا (بلکہ) بل اضراب کیلئے ہے (اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان پر لعنت کی ہے) یعنی اپنی رحمت سے انھیں دور کردیا، اور قبول کرنے سے انھیں محروم کردیا، اور ان کا یہ قبول نہ کرنا، ان کے دل میں کسی خلل کی وجہ سے نہیں ہے (پس یہ بہت کم ایمان لاتے ہیں) ما زائد ہے اور قلت کی تاکید کیلئے، یعنی ان کا ایمان بہت قلیل ہے (اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے وہ کتاب آ گئی، جو اس کتاب) یعنی توریت (کی تصدیق کرتی ہے جو ان کے پاس ہے) اور وہ قرآن ہے (اور اس کے) آنے سے (پہلے وہ کافروں پر فتح ونصرت (چاہا کرتے تھے) کہتے تھے کہ ہماری ان کے اوپر مدد فرمایئے، اس نبی کے ذریعے جو آخر زمانے میں مبعوث ہوں گے (پس جب ان کے پاس وہ) حق (آ گیا جس کو

انھوں نے پہچان بھی لیا) یعنی نبی ﷺ کی بعثت ہوگئی (تو) انھوں نے حسد کی وجہ سے، اور زوال ریاست کے خوف کی وجہ سے (اس کا انکار کردیا) اور پہلے لَمّا کے جواب پر دوسرے لَمّا کا جواب دلالت کرتا ہے (پس کافروں پر اللہ کی لعنت ہے، بری ہے وہ چیز جس کے عوض میں انھوں نے اپنے آپ کو بیچ دیا ہے) یعنی اپنے حصے کے ثواب کو، اور مَا نکرہ ہے، شیئا کے معنی میں، بئس کے فاعل کی تمیز ہے، اور مخصوص بالذم ان یکفروا الخ ہے (یہ کہ وہ اللہ کی نازل کردہ کتاب) یعنی قرآن (کا، اس حسد کی وجہ سے انکار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں جس پر چاہتا ہے اپنے فضل) یعنی وحی (کا کچھ حصہ نازل کرتا ہے) ان یکفروا بمعنی کفرھم، بغیاً، لیکفروا کا مفعول لہ ہے، بمعنی حسداً، ینزل تخفیف اور تشدید دونوں طرح ہے، پس وہ لوگ ما انزل کے انکار کی وجہ سے (اللہ کے غضب کو لیکر لوٹے، جو کہ ایک اور غضب کے اوپر ہے) جس کے وہ توریت کے ضائع کرنے اور عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کفر کرنے کی وجہ سے، اس سے پہلے مستحق ہو چکے ہیں، غضب کی تنکیر تعظیم کے واسطے ہے (اور کافروں کیلئے رسوا کن عذاب ہے، اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس) قرآن وغیرہ پر (ایمان لاؤ جسے اللہ نے اتارا ہے، تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اس) توریت (پر ایمان رکھتے ہیں، جو ہم پر اتاری گئی) اللہ تعالیٰ نے فرمایا (اور وہ اس کے ماسوا کا) یا یہ کہ اس کے بعد قرآن کا (انکار کرتے ہیں) واو حالیہ ہے، اور یہ جملہ حال ہے (اور وہ حق ہے) یہ بھی حال ہے (اس بات کی تصدیق کرنے والا ہے جو ان کے ساتھ ہے) یہ دوسرا حال تاکید کیلئے ہے (تم) ان سے (کہدو کہ پس تم کیوں اللہ کے نبیوں کو قتل کرتے ہو) یعنی تم نے کیوں قتل کیا (اس سے پہلے اگر تم) توریت پر (ایمان رکھتے ہو) حالانکہ تم کو اس میں ان کے قتل سے منع کیا گیا تھا، اور جو کچھ ان کے آباء نے جرائم کئے تھے ان کا مخاطب ان لوگوں کو قرار دیا گیا، اس لئے ہے کہ وہ ان کے فعل پر رضامند تھے (اور بیشک تمہارے پاس موسیٰ واضح دلائل) یعنی معجزات جیسے عصا اور ید بیضاء، اور فلق بحر (لے کر آئے، پھر تم نے بچھڑے کو) معبود (بنالیا ان کے بعد) یعنی ان کے میقات پر جانے کے بعد (اور تم لوگ) اس کے معبود بنانے کی وجہ سے (ظالم تھے، اور جب ہم نے تم سے) توریت میں جو کچھ ہے، اس پر عمل کرنے کا (عہد لیا، اور ہم نے تمہارے اوپر طور) یعنی پہاڑ (کو اٹھایا) جب کہ تم نے اس کے قبول کرنے سے انکار کردیا تھا کہ تم پر گرادیا جائے اور ہم نے کہا (لے لو جو کچھ ہم نے دیا قوت سے) یعنی محنت و کوشش سے (اور سنو) جو کچھ تمہیں حکم دیا جارہا ہے، سماع قبول سے (انھوں نے کہا کہ ہم نے) تمہاری بات سنی (اور تمہارے امر کی (نافرمانی کی، اور ان کے دلوں میں ان کے کفر کیوجہ سے بچھڑا) یعنی بچھڑے کی محبت کو اس طرح (پلا دیا گیا) جیسے کہ پینے کی چیز مخلوط ہو جاتی ہے (تم) ان سے (کہدو بری ہے وہ چیز جس کا تمہارا) توریت پر (ایمان) رکھنا (حکم دیتا ہے) یعنی بچھڑے کی پوجا، (اگر تم) اس پر (ایمان رکھتے ہو) جیسا کہ تم نے گمان کیا، مطلب یہ ہے کہ تم ایمان والے نہیں ہو، کیوں کہ

ایمان، بچھڑے کی پوجا کا حکم نہیں دیتا، اور مراد ان کے آباء واجداد ہیں، یعنی پس ایسے ہی تم بھی توریت پر ایمان نہیں رکھتے، جبکہ تم نے محمد ﷺ کی تکذیب کی ہے، حالانکہ توریت پر ایمان رکھنا، ان کی تکذیب کا حکم نہیں دیتا (تم) ان سے (کہدو کہ اگر دار آخرت) یعنی جنت (اللہ کے پاس اور لوگوں کو چھوڑ کر خالص تمہارے واسطے ہے) جیسا کہ تم نے سمجھا ہے (تو اگر تم سچے ہو تو موت کی تمنا کرو) تمنائے موت سے دو شرطوں کا تعلق ہے، اور پہلی شرط دوسری شرط کی قید ہے، یعنی اگر تم اپنے اس گمان میں سچے ہو کہ جنت تمہارے لئے ہے، اور جس کیلئے جنت ہوگی، اس کو وہ ترجیح دیگا، اور جنت میں پہونچانے والی چیز موت ہے، لہذا اس کی تمنا کرو (اور وہ اس کام) یعنی ان کے نبی کے ساتھ کفر کرنے (کی وجہ سے) جو کہ ان کے کذب کو مستلزم ہے (کبھی بھی اس کی تمنا نہ کریں گے۔ اور اللہ ظالموں) یعنی کافروں (کو خوب جانتا ہے) پس انھیں جزا دے گا (اور تم ان کو تمام لوگوں سے بڑھ کر زندگی کا حریص پاؤ گے) لام قسم کا ہے (اور ان لوگوں سے بھی بڑھ کر) زندگی کا حریص پاؤ گے (جنھوں نے شرک کیا) یعنی منکرین بعث بعد الموت سے بھی بڑھ کر، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ ان کا ٹھکانا جہنم ہے، برخلاف مشرکین کے، کیونکہ وہ تو اس کے سرے سے منکر ہی ہیں (ان میں کا ہر ایک چاہتا ہے کہ ایک ہزار سال کی عمر پائے) لَو مصدریہ ہے أن کے معنی میں اور وہ اپنے صلہ کے ساتھ مصدر کی تاویل میں یؤد کا مفعول ہے (حالانکہ اس کا) اتنی (عمر پانا، اس کو عذاب سے دور کرنے والا نہیں ہے، اور اللہ دیکھتا ہے جو وہ لوگ کرتے ہیں) یعملون تاء اور یاء کے ساتھ ہے۔

﴿تشریحات﴾

اے اتبعناهم رسولا فی اثر رسول:۔ مفسر نے اس لفظ سے **وقفینا من بعده بالرسل** کا معنی بتایا ہے، لفظ قفّیٰ متعدی بدو مفعول ہے، ایک مفعول سے براہ راست اس کا تعلق ہوتا ہے، اور دوسرے مفعول سے باء حرف جر کے واسطے سے، قفّی کے معنی بعد میں آنا دوسرے مفعول پر باء حرف جر آیا تو معنی ہوا بعد میں لانا، تو باء اسی پر آتا ہے جسے بعد میں لایا جائے، اس لحاظ سے اصل عبارت یوں ہوگی، **قفیناه بالرسل**: لیکن **من بعده** کو جو ظرف ہے، مفعول اول کے قائم مقام کر دیا، پھر شارح نے جو کچھ اس کے ترجمہ میں تحریر فرمایا ہے، اس میں بھی ایک مفعول محذوف ہے، یعنی **اتبعناهم اياه** اور **رسولا فی اثر رسول**، حال ہے، یعنی ہم نے موسیٰ کے بعد رسولوں کو اس طرح بھیجا کہ ایک کے بعد ایک رسول آیا۔

بالرسل:۔ ان میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں، یوشع، شمویل، شمعون، داؤد، شعیاء، ارمیاء، عزیر، حزقیل، الیاس، الیسع، یونس، زکریا، یحییٰ وغیرھم علیہم السلام۔

من اضافة الموصوف الی الصفة:۔ عرب کے محاورات میں بسا اوقات موصوف کو صفت کی یا صفت

کوموصوف کی جانب مضاف کر دیتے ہیں، صاحب کافیہ نے اس کا انکار کیا اور ایسی ترکیبوں میں تاویل کی ہے، یہاں اصل ترکیب الروح المقدسة ہے، المقدسة جو کہ صفت ہے، اس سے مصدر کا انتزاع کر کے اس کی جانب روح کی اضافت کی گئی ہے، حضرت جبرئیل کو روح سے تعبیر کیا جاتا ہے، کیونکہ وہ بھی روح ہی کی طرح جسم لطیف نورانی ہیں، اور جس طرح سے روح سے بدن کی حیات متعلق ہے، اسی طرح جبرئیل سے قلب و روح کی حیات وابستہ ہے، کیونکہ وحی اور علوم الٰہی وہی لاتے ہیں۔

فلم تستقیموا :. ولقد آتینا موسیٰ الکتاب الخ :۔اس پوری آیت کے سیاق سے یہی بتانا مقصود ہے کہ اتنے اہتمام کے باوجود کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ایک خاص شان کا پیغمبر بنایا، انھیں کتاب دی، پھر یکے بعد دیگرے بے شمار انبیاء بھیجے، پھر آخر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھیجا، اتنے کے بعد تو ان کو بالکل درست ہو جانا چاہئے تھا، مگر ان کی ٹیڑھ نہیں گئی۔

نیز **فلم تستقیموا** کا لفظ مفسر نے ذکر کر کے اس بات پر تنبیہ بھی کی ہے کہ **افکلما جاء کم** کا عطف **فلم تستقیموا** پر ہے۔

وھو محل الاستفھام: . افکلما جاء کم رسول بما لا تھویٰ انفسکم استکبرتم، میں ہمزۂ استفہام اپنے طبعی تقاضے کے مطابق شروع کلام میں آیا ہے، لیکن معنی و استفہام کا تعلق اس سے نہیں بلکہ **استکبرتم** سے ہے، یعنی جب کوئی رسول تمہارے نفس کی ناپسندیدہ چیز کو لے کر آیا تو کیا تم نے تکبر کا راستہ اختیار کیا، یہ استفہام توبیخ کا ہے۔

المضارع لحکایة الحال الماضیة : ۔فعل مضارع تو زمانۂ حال کی خبر دیتا ہے، اور یہاں قتل کا فعل زمانۂ حال کا نہیں بلکہ زمان ماضی کا ہے، پس اس کیلئے مضارع کا صیغہ کیوں لایا گیا؟

جواب:۔کبھی ماضی کے واقعہ کو زمانۂ حال میں فرض اور تصور کر کے اس واقعہ کی تصویر کو ذھن میں مستحضر کرنے کیلئے حال کا صیغہ لا دیا جاتا ہے، جیسے اردو میں بھی کہا جاتا ہے۔ مثلاً میں اپنے گھر میں بیٹھا تھا، اتنے میں دیکھتا ہوں کہ ایک شخص میری طرف چلا آ رہا ہے، ''یہ دیکھتا ہوں، اور چلا آ رہا ہے'' سب ماضی کی بات ہے، لیکن اس تعبیر سے ذہن میں اس کی تصویر ایسی آتی ہے جیسے اسی وقت یہ کام ہو رہا ہے۔

قالوا للنبی استھزاءً : ۔یہودیوں کا یہ کہنا کہ **قلوبنا غلف** بطور واقعہ کے نہیں ہے بلکہ بطور استہزاء کے ہے۔

جمع اغلف : ۔**غلف**، **اغلف** کی جمع ہے، **اغلف** کے معنی غلاف میں بند چیز، اصل میں غیر مختون کو کہتے ہیں، ان کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح کسی چیز کو ڈھکن سے بند کر دیا جائے تو اس میں کوئی دوسری چیز داخل نہیں ہو سکتی، اسی طرح ہمارے دلوں پر بھی ڈھکن لگا ہوا ہے، اس لئے آپ کی بات اس میں گھستی ہی نہیں،

اور نہ محفوظ رہتی۔

ابعدهم عن رحمته و خذلهم عن القبول :۔یہ **لعنهم الله** کا ترجمہ ہے،لعنت کے معنی ہیں رحمت سے دور کر دینا،توفیق قبول سے محروم کرنا۔

ولیس عدم قبولهم لخلل الخ:۔انھوں نے دعویٰ کیا تھا کہ ہمارے قلوب ڈھکن سے بند ہیں،اس کا جواب اللہ نے دیا ہے کہ ایسی بات نہیں ہے کہ ان کے دل پر ڈھکن ہو، بلکہ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی انھیں اپنی رحمت کے لائق نہیں بنایا، پس دھتکار دیا اور توفیق سے محروم کر دیا۔

فلما جاء هم ما عرفوا من الحق : ۔یہ **لما** پہلے **لما** پر عطف ہے،وہاں **جاء** کا فاعل کتاب ہے،اور یہاں **جاء** کے فاعل **ما عرفوا** سے مراد رسول اللہ ﷺ ہیں۔

وجواب لما الاولیٰ دل علیه جواب الثانیة : **کفروا به** ۔دوسرے **لما** کا جواب ہے،اور یہی قرینہ ہے کہ پہلے **لما** کا جواب بھی **کفروا به** ہے۔

باعوا:۔یہ ترجمہ **اشتروا** کا ہے،مراد اس سے استبدال ہے۔

ای حظها من الثواب :۔اپنے آپ کو بیچنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ خود کو فروخت کر دیا بلکہ ایمان لانے کی وجہ سے جو ثواب آخرت میں انھیں حاصل ہوتا،اس ثواب کو کفر کے عوض فروخت کر دیا،یعنی کفر سے بدل دیا،

ما نکرة بمعنی شیئا تمیز لفاعل بئس :۔ **بئس** فعل ذم ہے،اس کا فاعل اس میں ضمیر مستتر ہے،**ما** نکرہ ہے،**شیئاً** کے معنی میں،یہ فاعل کی تمیز ہے،اور مخصوص بالذم **ان یکفروا** ہے،جو **ان** مصدریہ کی وجہ سے بمعنی مصدر ہے،یعنی **کفرهم بما انزل الله**۔

ای حسداً علی: ۔**بغیاً** مفعول لہ ہے **لیکفروا** کا،**حسداً** کے معنی میں ہے اس کا صلہ **علیٰ** آتا ہے جو اَن کے اوپر مفسر نے ظاہر کر دیا ہے،**ان** مصدریہ پر اکثر حروف جارہ محذوف ہوتے ہیں،**علی** کے ذکر کرنے سے اس بات پر تنبیہ بھی ہوگئی کہ یہ مفعول لہ نہیں ہے۔

الوحی:. **من فضله** میں فضل سے مراد عام فضل نہیں ہے، بلکہ فضل خصوصی وحی الٰہی ہے،اسی لئے آگے **من یشاء** کے بعد مفسر نے **للرسالة** کے لفظ کا اضافہ کیا ہے،یہ بھی ہوسکتا ہے کہ **الوحی ینزل** کا مفعول بہ ہو،یعنی **ان ینزل الوحی من فضله**،ای **بفضله** .

وراء ہ: ۔ظرف ہے،اور اضداد میں سے ہے،یعنی اس کے معنی پیچھے کے بھی ہیں اور آگے کے بھی،فراء نے یہاں اس کو سوی کے معنی میں قرار دیا ہے،اور ابوعبیدہ اور قتادہ نے بعد کے معنی میں،اسی لئے مفسر نے اس کی تفسیر میں **سواہ** او **بعدہ** ارشاد فرمایا ہے،اور **من القرآن** اس کا بیان ہے۔

حال : وهو الحق حال ہے، ذوالحال ماوراءہ ہے، اور عامل **یکفرون**۔

حال ثانیة موکدة :مصدقاً دوسرا حال ہے، جو تاکید کیلئے آیا ہے، حال موکدہ دو طرح کا ہوتا ہے، ایک وہ جو اپنے عامل کی تاکید کیلئے آتا ہے، جیسے **لا تعثوا فی الارض مفسدین** ، اور دوسرا وہ جو کسی مضمون جملہ کی تاکید کیلئے آتا ہے، اس صورت میں اس کا عامل محذوف ہوتا ہے اور وہ اس جملہ کے بعد آتا ہے، جس کے مضمون کی تاکید مقصود ہے، یہاں یہی آخری صورت ہے، عبارت مقدر یوں ہوگی، **وهو الحق احقه مصدقاً**

فلم تقتلون :۔ فاء جزائیہ ہے، اس کی شرط کلام کے سیاق سے مفہوم ہوتی، یعنی **إن کنتم آمنتم، بما انزل علیکم فلم تقتلون ای قتلتم** ۔ **لِمَ** میں لام حرف جر ہے، جو **ما** استفہامیہ پر داخل ہے، حرف جر کبھی ما خبریہ پر بھی داخل ہوتا ہے، دونوں میں فرق پیدا کرنے کیلئے ما استفہامیہ سے الف کو حذف کر دیا جاتا ہے، اور ما خبریہ پر باقی رکھا جاتا ہے۔

الخطاب للموجودین الخ :۔ یہ خطاب ان یہودیوں سے ہے، جو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں موجود تھے، حالانکہ جن افعال پر ان کی سرزنش کی جا رہی ہے، وہ ان کے اسلاف کے افعال تھے، لیکن یہ لوگ بھی اس سرزنش کے مورد ہیں کیونکہ یہ اس پر راضی ہیں، اور راضی کو شریک ہی قرار دیا جاتا ہے۔

من بعده: ۔ اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ انھوں نے موسیٰ علیہ السلام کے بعد یعنی ان کی وفات کے بعد گئوسالہ کی پوجا کی، بلکہ اس سے **بعد ذهابه من عندهم الی المیقات لیاتی بالتوراة** مراد ہے: یعنی جب موسیٰ علیہ السلام توریت کے حاصل کرنے کیلئے کوہ طور پر تشریف لے گئے، اس کے بعد۔

وقد رفعنا : . **و رفعنا** حال ہے، ماضی کا صیغہ جب حال واقع ہو، تو اس سے پہلے **قد** کا ہونا ضروری ہے، خواہ وہ لفظوں میں ہو، یا مقدر ہو، یہاں لفظوں میں نہیں ہے، مفسر نے اس مقدر کو ظاہر فرما دیا۔

خالط حبه قلوبهم : . **اشربوا** کے معنی ہیں کسی سیال چیز کا کسی جامد کے ساتھ مخلوط ہو جانا، پھر مجازاً یہ مطلق خلط کے معنی میں استعمال ہونے لگا، جیسے **اشرب بیاضه حمرة** ، یہاں فرمایا گیا ہے **و اشربوا فی قلوبهم العجل** ان کے دلوں میں بچھڑا رچ بس گیا ہے۔ اس سے مراد بچھڑے کی محبت ہے، لیکن محبت کے لفظ کو حذف کر کے یہ ظاہر فرمایا ہے کہ بچھڑے کی محبت اس طرح سے رچ بس گئی ہے گویا بچھڑا ہی ان کے دلوں میں پیوست ہو گیا ہے۔

تعلق بتمنیه الشرطان علی ان الاول قید فی الثانی : صاحب جمل نے لکھا ہے کہ **الاظهر تعلق تمنیه بالشرطین** ، مناسب عبارت تھی، تمنائے موت کا تعلق دو شرطوں سے ہے، ایک **ان کانت لکم الدار الآخرة** سے اور دوسرے **ان کنتم صادقین** سے، پھر مفسر نے فرمایا کہ یہ دونوں شرطیں معنیً علیحدہ علیحدہ

نہیں ہیں، بلکہ ایک دوسرے کے ساتھ پیوست ہیں، وہ اس طرح کی پہلی شرط، دوسری شرط کیلئے قید ہے، مقید اور قید دونوں مل کر گویا ایک ہی شرط ہے، اس کی صورت یہ ہوگی۔ **ان صدقتم فی زعمکم ان الدار الآخرة عنداللہ خالصة لکم ......ومن کانت لہ یوثرھا والموصل الیھا الموت...... فتمنوہ** ،اگر تم اپنے اس گمان میں سچے ہو کہ دار آخرت اللہ کے پاس صرف تمہارے لئے ہے......اور جس کیلئے وہ ہوگا، ظاہر ہے کہ وہ اسے دل و جان سے چاہے گا، اور وہاں تک پہونچانے والی چیز موت ہے، پس تم اس کی تمنا کرو۔

واحرص من الذین اشرکوا :. **من الذین اشرکوا** ،ایک محذوف سے متعلق ہے جس کا قرینہ ما قبل کا لفظ **احرص الناس** ہے، مفسر نے اسے ظاہر کر دیا ہے۔

المنکرین للبعث :. **الذین اشرکوا** سے مراد مطلق اہل شرک نہیں ہیں، بلکہ وہ ہیں جو آخرت اور حساب و کتاب کے منکر ہیں۔

علیھا: ۔ھاء ضمیر مؤنث کا مرجع حیاۃ ہے۔

لعلمھم بان مصیرھم النار :۔ یہود، مشرکین سے بڑھ کر کیوں زندگی کے حریص ہیں؟ اس لئے کہ یہ آخرت کو مانتے ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا انکار کرنے اور دوسرے معاصی کی وجہ سے جہنم میں جانا پڑے گا، اس سے بچاؤ اسی وقت تک ہے، جب تک زندگی ہے، اس لئے یہ مرنا نہیں چاہتے، اس کے برخلاف مشرکین بعث بعد الموت کے منکر ہیں، اس لئے ان کے دل میں عذاب آخرت کا کوئی ڈر ہی نہیں ہے، پس انھیں زندگی کی محبت بھی اس درجہ کی نہیں جس درجہ کی یہود کو ہے۔

﴿مضامین آیات وتفسیر﴾

اس رکوع میں حق تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی کچھ اور خیانتوں کا ذکر کیا ہے، اور اس سے پہلے ان کے اوپر اپنے خاص خاص احسانات کا ذکر فرمایا ہے کہ ان میں ہم نے موسیٰ کو بھیجا، انھیں کتاب عطا کی، ان کے بعد مسلسل رسولوں کے بھیجنے کا سلسلہ قائم رکھا، پھر اخیر میں عیسیٰ بن مریم کو بھیجا، اور انھیں بہت سے معجزات عطا فرمائے، ان کا مددگار جبرئیل کو بنائے رکھا، مگر اتنے کے بعد بھی یہ قوم نہیں سدھری، ان کا ایک ہی وطیرہ رہا ہے کہ جب بھی کوئی رسول حق و صداقت کی بات لے کر آیا، اور اسے انھوں نے ناپسند کیا، پس اس پر تکبر کرنے لگے، اور حد تو یہ کی کہ کسی رسول کی تکذیب کی اور کسی کو قتل کر ڈالا، اور اب یہ حال ہے کہ انھیں جب ایمان لانے کی دعوت دی جاتی ہے تو بطور تمسخر کے کہتے ہیں، کہ ہمارے قلوب پر غلاف چڑھا ہوا ہے، اس میں کوئی بات باہر سے جا ہی نہیں سکتی، حالانکہ یہ بات نہیں ہے، حقیقت تو صرف اتنی ہے کہ وہ اللہ کی لعنت میں گرفتار ہیں، اور یہ لعنت ان پر ان کے کفر کی وجہ سے پڑی ہے، اس وجہ سے ان کا ماننا بہت تھوڑا ہے، ان کی بے توفیقی دیکھئے، جب تک رسول نہیں آئے

تھے اس وقت ان کا نام لے لے کر اللہ سے دہائی دیتے تھے، کہ مشرکین کے مقابلے میں اس نبی آخر الزماں کے واسطے سے ہمارا غلبہ ہو، اور جب وہ کتاب آ گئی، اور جب وہ نبی آ گئے اور انھیں خوب پہچان بھی لیا تو حسد کے مادہ نے زور کیا اور انکار کر بیٹھے، واقعی کفر لعنت عظمی ہے، صرف ایمان لانا شرط ہے، مگر یہ اپنے دنیاوی مال ومتاع اور معمولی سی جاہ کے بچانے کے چکر میں ثواب آخرت سے دستبردار ہو گئے، اور ملا کیا؟ کفر ملا، اللہ نے حق وصداقت کی ایک ابدی دستاویز اتاری، اور ان کو یہ حسد کھا گیا کہ یہ آخری دستاویز دوسرے پر کیوں اتری، ہم پر کیوں نہ اتری، بس اتنی ہی بات پر وہ اللہ سے ناراض ہو بیٹھے، اور اللہ کی کتاب کا انکار کر دیا، لیکن اس کا نتیجہ کس کے حق میں برا نکلا؟ یہ تو پہلے ہی غضب کے مستحق تھے، کیونکہ توریت کو برباد کیا تھا، عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ گستاخیاں کی تھیں، اب اس نبی برحق اور کتاب منزل کا انکار کر کے مزید غضب میں گرفتار ہوئے، کافر کو بجز رسوا کن عذاب کے اور کیا ملے گا۔

جب ان سے کہا جاتا ہے کہ قرآن اور دوسری آسمانی کتابوں پر ایمان لاؤ تو از راہ تکبر کہتے ہیں کہ ہمارا ایمان تو صرف اس کتاب پر ہے، جو ہم پر اتاری گئی ہے، یعنی توریت پر اور باقی سب کا انکار کرتے ہیں، حالانکہ یہ قرآن حق ہے، اور ان کی کتاب کی بھی تصدیق کرتا ہے، اچھا اگر یہ توریت پر ایمان رکھتے ہیں جیسا کہ ان کا دعویٰ ہے، تو ان سے پوچھو کہ توریت میں تو انبیاء کے قتل سے بشدت منع کیا گیا ہے، پھر تم انھیں کیوں قتل کرتے تھے، تمہارے باپ دادوں نے بہت سے انبیاء ورسل کو قتل کیا ہے، اور تم لوگ اسی پر راضی بھی ہو، پس گویا تمہیں نے قتل کیا ہے۔ اور اچھا توریت پر ایمان رکھتے ہو، تو یہ تو بتاؤ کہ جب موسیٰ تمہارے پاس روشن دلائل لے کر آئے اور تمہیں ہدایت کی راہ پر لانا چاہا تو پھر یہ کیا ہوا کہ تم گئو سالہ پرستی میں مبتلا ہو گئے، یہ تو ظلم صریح تھا، اور ہم نے تم سے توریت کی تعلیمات پر عمل کرنے کا عہد لیا، اور جب تم نے انکار کیا تو پہاڑ کو تمہارے اوپر لٹکا دیا، ہم نے حکم دیا کہ جو کچھ ہم نے دیا ہے اسے مضبوطی سے تھامو اور بات کو سنو، اس پر انھوں نے کہا کہ ہم نے سنا تو، مگر ہم مان بھی لیں، ایسا نہیں ہو سکتا، اور بچھڑے کی محبت دل کے رگ وریشہ میں گھس گئی اور ایسا ان کے کفر کی وجہ سے ہوا، ان سے کہو کہ اگر تم مومن ہو تو تمہارا ایمان کیسی بری بات کا حکم دے رہا ہے، درحقیقت تمہارے اندر ایمان ہے ہی نہیں، ورنہ ایمان ایسی بری بات کا حکم نہیں دیتا، یہ بات اسلاف بنی اسرائیل سے متعلق ہے، نزول قرآن کے دور کے یہود بھی مومن نہیں ہیں، ورنہ ان کا ایمان محمد ﷺ پر ایمان لانے سے نہیں روکتا۔

تم کہتے ہو کہ جنت صرف تمہارے ہی لئے ہے، اگر ایسا ہے تو تم اسے دل سے چاہتے ہو گے، اور ظاہر ہے کہ جنت بغیر موت کے حاصل نہ ہو گی، تو اگر تم اپنے اس دعویٰ میں سچے ہو تو موت کی تمنا تو کرو، لیکن یہ اس کی تمنا ہرگز نہیں کریں گے، جانتے ہیں کہ ان کے کرتوت انھیں سیدھے جہنم میں پھینکیں گے، اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو

خوب جانتے ہیں، اور یہ موت کی تمنا کیسے کریں گے، انھیں تو زندگی کی محبت اور اس کی حرص تمام انسانوں سے حتی کہ مشرکین سے بھی زیادہ ہے، مشرکین تو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کو مانتے ہی نہیں تو ان کے نزدیک مرنے کے بعد سارا کھیل ختم ہو جاتا ہے، اس لئے وہ مرنے سے اتنا نہیں گھبراتے، جتنا یہود گھبراتے ہیں، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ مرتے ہی وہ عذاب جہنم میں گرفتار ہوں گے، یہ تو چاہتے ہیں ہزار سال تک زندہ رہیں، مگر ہزار سالہ زندگی بھی انھیں جہنم سے نجات نہیں عطا کر سکتی تو اس تمنا سے کیا فائدہ؟ اور جو کچھ ان کے اعمال ہیں، سب اللہ کی نظر میں ہیں۔

☆☆☆☆☆

وسال ابن صور يا النبی ﷺ او عمر رضی اللہ عنہ عمن ياتی بالوحی من الملائكة فقال جبرئيل فقال هو عدونا ياتی بالعذاب ولو كان ميكائيل لآمنا لانه ياتی بالخصب والسلم فنزل ﴿قُلْ﴾ لهم ﴿مَنْ كَانَ عَدُوّاً لِجِبْرِيْلَ﴾ فليمت غيظا ﴿فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ﴾ ای القرآن ﴿عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ﴾ بامر ﴿اللّٰهِ مُصَدِّقاً لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ﴾ قبله من الكتب ﴿وَهُدًى﴾ من الضلالة ﴿وَبُشْرٰى﴾ بالجنة ﴿لِلْمُؤْمِنِيْنَ مَنْ كَانَ عَدُوّاً لِلّٰهِ وَمَلَائِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ﴾ بكسر الجيم و فتحها بلا همزة وبه بياء و دونها ﴿وَمِيْكٰلَ﴾ عطف على الملائكة من عطف الخاص على العام و فی قراءة ميكائيل بهمزه و ياء و فی اخرىٰ بلا ياء ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِلْكٰفِرِيْنَ﴾ اوقعه موقع لهم بياناً لحالهم ﴿وَلَقَدْ اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ﴾ يا محمد ﴿آيَاتٍ بَيِّنٰتٍ﴾ واضحات حال رد لقول ابن صور يا للنبی ﷺ ما جئتنا بشئی ﴿وَمَا يَكْفُرُ بِهَا اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ﴾ كفروا بها ﴿اَوَكُلَّمَا عَاهَدُوْا﴾ اللّٰه ﴿عَهْداً﴾ على الايمان بالنبی ان خرج او النبی ان لايعاونوا عليه المشركين ﴿نَبَذَهٗ﴾ طرحه ﴿فَرِيْقٌ مِنْهُمْ﴾ بنقضه جواب كلما وهو محل الاستفهام الانكاری ﴿بَلْ﴾ للانتقال ﴿اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ وَلَمَّا جَاءَ هُمْ رَسُوْلٌ مِنْ عِنْدِاللّٰهِ﴾ محمد ﷺ ﴿مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ كِتٰبَ اللّٰهِ﴾ ای التوراة ﴿وَرَاءَ ظُهُوْرِهِمْ﴾ ای لم يعملوا بما فيها من الايمان بالرسول و غيره ﴿كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ ما فيها من انه نبی حق او انها كتاب الله ﴿وَاتَّبَعُوْا﴾ عطف على نبذ ﴿مَا تَتْلُوْا﴾ ای تلت ﴿الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى﴾ عهد ﴿مُلْكِ سُلَيْمٰنَ﴾ من السحر و كانت دفنته تحت كرسيه لما نزع ملكه او كانت تسترق السمع و تضم اليه اكاذيب و تلقيه الى الكهنة فيدونونه و فشا ذلک و شاع ان الجن تعلم الغيب فجمع سليمٰن الكتب ودفنها فلما مات دلت الشياطين عليها الناس

فـاسـتـخـرجوها فوجدوا فيها السحر فقالوا انما ملككم بهذا فتعلموه ورفضوا كتب انبيائهم قـال تـعـالـىٰ تبرية لسليمٰن و ردا على اليهود فى قولهم انظروا الى محمد يذكر سليمٰن فى الانبياء ومـا كـان الا سـاحـراً ﴿وَمَا كَفَرَ سُلَيۡمٰنُ﴾ اى لم يعمل السحر لانه كفر ﴿وَلٰكِنَّ﴾ بـالتشـديـد والتـخـفيف ﴿الشَّيٰطِيۡنَ كَفَرُوۡا يُعَلِّمُوۡنَ النَّاسَ السِّحۡرَ﴾ الجملة حال من ضمير كـفـروا ﴿وَ﴾ يعلمونهم ﴿مَا اُنۡزِلَ عَلَى الۡمَلَكَيۡنِ﴾ اى الهماه من السحر وقرئ بكسر اللام الـكـائـنين ﴿بِبَابِلَ﴾ بلد فى سواد العراق ﴿هَارُوۡتَ وَمَارُوۡتَ﴾ بدل او عطف بيان للملكين قـال ابـن عبـاس هـمـا ساحران كانا يعلمان السحر وقيل ملكان انزلا لتعليمه ابتلاء من الله لـلناس ﴿وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنۡ﴾ زائدة ﴿اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوۡلَا﴾ لَهٗ نصحا ﴿اِنَّمَا نَحۡنُ فِتۡنَةٌ﴾ بلية من الله لـلناس ليمتحنهم بتعليمه فمن تعلمه كفرو من تركه فهو مؤمن ﴿فَلَا تَكۡفُرۡ﴾ بتعلمه فان ابى الا التـعـلـم عـلـماه ﴿فَيَتَعَلَّمُوۡنَ مِنۡهُمَا مَا يُفَرِّقُوۡنَ بِهٖ بَيۡنَ الۡمَرۡءِ وَ زَوۡجِهٖ﴾ بان يبغض كلا الى الآخـر ﴿وَمَا هُمۡ﴾ اى السحرة ﴿بِضَارِّيۡنَ بِهٖ﴾ بالسحر ﴿مِنۡ﴾ زائدة ﴿اَحَدٍ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ﴾ بـارادتـه ﴿وَيَتَـعَلَّمُوۡنَ مَا يَضُرُّهُمۡ﴾ فى الآخرة ﴿وَلَا يَنۡفَعُهُمۡ﴾ وهو السحر ﴿وَلَقَدۡ﴾ لام قسم ﴿عَلِمُوۡا﴾ اى اليهود ﴿لَمَنِ﴾ لام ابتداء معلقة لما قبلها من العمل ومن موصولة ﴿اشۡتَرٰهُ﴾ اختـاره او استبـدلـه بـكتـاب الـلـه ﴿مَالَهٗ فِى الۡاٰخِرَةِ مِنۡ خَلَاقٍ﴾ نصيب فى الجنة ﴿وَلَبِئۡسَ مَـا﴾ شيئا ﴿شَرَوۡا﴾ باعوا ﴿بِهٖ اَنۡفُسَهُمۡ﴾ اى الشارين اى حظها من الآخرة ان تعلموه حيث اوجـب لهـم الـنـار ﴿لَوۡ كَانُوۡا يَعۡلَمُوۡنَ﴾ حقيقة ما يصيرون اليه من العذاب ما تعلموه ﴿وَلَوۡ اَنَّهُـمۡ﴾ اى اليهـود ﴿اٰمَـنُـوۡا﴾ بالنبى والقرآن ﴿وَاتَّقَوۡا﴾ عقاب الله بترک معاصيه كالسحر وجـواب لـو مـحـذوف اى لا ثيبـوا دل عـليـه ﴿لَمَثُوۡبَةٌ﴾ ثواب وهو مبتدأ واللام فيه للقسم ﴿مِنۡ عِنۡدِاللّٰهِ خَيۡرٌ﴾ خبره مما شروا به انفسهم ﴿لَوۡكَانُوۡا يَعۡلَمُوۡنَ﴾ انه خير لما آثروه عليه۔

﴿ تـــرجمـــه ﴾

ابن صوریا نے نبی ﷺ سے یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کون سا فرشتہ وحی لے کر آتا ہے، فرمایا کہ جبرئیل، اس نے کہا وہ ہمارے دشمن ہیں، عذاب کو لایا کرتے ہیں، اگر میکائیل ہوتے تو ہم ایمان لاتے، کیونکہ وہ شادابی اور سلامتی لاتے ہیں، اس پر اللہ کا کلام نازل ہوا (تم) ان سے (کہہ دو کہ جو جبرئیل کا دشمن ہو) اسے چاہئے کہ غیظ سے مرجائے (کیونکہ بلاشبہ اسی نے تمہارے قلب پر اس کو) یعنی قرآن کو (اللہ کے حکم سے اتارا ہے، اس حال میں کہ یہ ان) کتابوں (کی جو اس سے پہلے ہیں تصدیق کرنیوالا ہے اور) گمراہی سے

(ہدایت ہے اور) جنت کی (بشارت ہے، اہل ایمان کیلئے ٥ جو اللہ کا دشمن ہو، اور اس کے فرشتوں کا، اور اس کے رسولوں کا، اور جبرئیل کا) جیم کے کسرے اور اس کے فتحے کے ساتھ بغیر ہمزہ کے، اور ہمزہ کے ساتھ، یاء سے اور بغیر یاء کے (اور میکال کا) یہ الــمــلائـکـة پر عطف ہے، از قبیل عطف خاص علی العام، اور ایک قراءت میں میکائیل ہے، ہمزہ اور یاء کے ساتھ اور دوسری قراءت میں بغیر یاء کے ہے (تو بلا شبہہ اللہ بھی کافروں کا دشمن ہے) الکافرین کو بجائے لھـــم کے ذکر کیا، مقصد ان کے حال کا بیان ہے (اور بیشک وشبہہ) اے محمد (ہم نے تمہارے پاس واضح آیات اتاری ہیں) یہ ابن صوریا کے اس قول کا جواب ہے، جو اس نے کہا تھا کہ آپ ہمارے پاس کوئی خاص چیز نہیں لائے (اور ان کا انکار بجز فاسقوں کے اور کوئی نہیں کرتا (اور کیا) انھوں نے آیات کا انکار کیا (جب بھی انھوں نے) اللہ سے (کوئی عہد کیا) نبی ﷺ پر ایمان لانے کا، اگر آپ کا ظہور ہو، یا نبی ﷺ سے عہد کیا کہ ان کے خلاف مشرکین کی مدد نہیں کریں گے (تو ان میں سے ایک گروہ نے اسے پھینک دیا) یعنی اسے توڑ دیا، یہ کـلـمـا کا جواب ہے، اور یہی استفہام انکاری کا محل ہے (بلکہ) بل کلام کو منتقل کرنے کیلئے ہے، (ان میں سے اکثر ایمان نہیں رکھتے، اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے ایک رسول آ گیا) یعنی محمد ﷺ (جو اس کتاب کی تصدیق کرتا ہے جو ان کے پاس ہے، تو پھینک دیا، ان لوگوں کے ایک گروہ نے جنھیں کتاب دی گئی، اللہ کی کتاب) توراۃ (کو اپنے پیٹھ کے پیچھے) یعنی جو کچھ اس میں ہدایت ہے، یعنی رسول پر ایمان لانا وغیرہ، اس پر عمل نہیں کیا (گویا کہ وہ) اس چیز کو جو اس میں ہے، یعنی یہ کہ آپ نبی برحق ہیں، یا یہ کہ اللہ کی کتاب ہے، اس کو وہ (جانتے ہی نہیں اور پیچھے لگ لئے) یہ نبـذ پر عطف ہے (اس چیز کے جس کو شیاطین پڑھتے ہیں) یعنی شیاطین نے پڑھا تھا (سلیمان کی حکومت) کے زمانے (میں) یعنی سحر اور اس کو شیاطین نے اس وقت جبکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت چھن گئی تھی، آپ کی کرسی کے نیچے دفن کر دیا تھا، یا یہ کہ شیاطین چوری چھپے کان لگاتے تھے اور اس کے ساتھ بہت سا جھوٹ شامل کر دیا کرتے تھے، اور اسے کاہنوں کو القاء کر دیتے، وہ اسے مدون کر دیتے، اور یہ بات پھیل گئی تھی کہ جن غیب کی خبر رکھتے ہیں، تب سلیمان علیہ السلام نے ان کتابوں کو جمع کیا، اور انھیں دفن کروا دیا، جب ان کا انتقال ہو گیا تو شیاطین نے لوگوں کو ان کتابوں کے متعلق خبر دے دی، ان کو انھوں نے نکال لیا، ان میں سحر کا علم تھا، تو لوگوں نے کہا کہ سلیمان نے تم پر اسی سحر کے زور پر حکومت کی ہے، پس وہ لوگ سحر ہی کو سیکھنے میں لگ گئے اور اپنے انبیاء کی کتابوں کو ترک کر دیا، اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کی برأت میں، اور یہودیوں کی اس بات کے جواب میں کہ محمد کو دیکھو، یہ سلیمان کا تذکرہ انبیاء کے زمرہ میں کرتے ہیں، حالانکہ وہ تو صرف ایک جادوگر تھے، اسی سلسلے میں حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا (اور سلیمان نے کفر نہیں کیا) یعنی انھوں نے سحر کا عمل نہیں کیا، کیونکہ وہ کفر ہے، لیکن) لٰـکـنّ تشدید و تخفیف دونوں طرح ہے (شیاطین نے کفر کیا، وہ لوگوں کو

سحر سکھاتے تھے) یہ جملہ حال ہے کــفــروٓا کی ضمیر سے (اور) انھیں (وہ چیز) سکھاتے تھے (جو دو فرشتوں ہاروت وماروت پر جو بابل میں تھے، اتاری گئی) یعنی سحر جو انھیں الہام کیا گیا تھا، اور الـمـلـكـین لام کے کسرہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے، بابل سواد عراق میں ایک شہر ہے، ھاروت و ماروت الملكین کا بدل یا عطف بیان ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ دونوں دو جادوگر تھے، جو لوگوں کو سحر سکھایا کرتے تھے، اور کہا گیا ہے کہ وہ دو فرشتے تھے جو سحر کی تعلیم دینے کیلئے اللہ کی طرف سے لوگوں کے واسطے بطور آزمائش کے اتارے گئے تھے (اور وہ کسی کو اس وقت تک نہیں سکھاتے تھے جب تک کہ) بطور خیر خواہی کے اس سے (کہہ نہیں دیتے تھے کہ ہم تو ایک آزمائش ہیں) اللہ کی طرف سے لوگوں کیلئے، تا کہ اس کی تعلیم سے لوگوں کا امتحان کرے، تو جو شخص اسے سیکھے گا کفر میں مبتلا ہوگا، اور جو اسے ترک کرے گا، وہ مومن ہے (اس لئے) اس کو سیکھ کر (کفر میں مت پڑو) پھر اگر وہ اس سے انکار کرتا اور سیکھنے پر اصرار کرتا تو اسے سکھا دیتے (پھر وہ لوگ ان دونوں سے وہ چیز سیکھتے جس کے ذریعے میاں اور بیوی میں تفریق کراتے) یعنی ایک کو دوسرے سے نفرت میں مبتلا کرتے (اور وہ) جادوگر (اس کے) یعنی جادو کے (ذریعے کسی کو کوئی نقصان بغیر اللہ کے ارادے کے نہیں پہونچا سکتے اور سیکھتے وہ چیز جو ان کو) آخرت میں (مضر ہوگی اور نافع نہ ہوگی) اور وہ سحر ہے (اور بیشک) لقد میں لام قسم کا ہے (انھوں نے) یعنی یہودیوں نے (یہ جان لیا ہے کہ جس نے اسے خریدا) یعنی اسے اختیار کیا، یا اللہ کی کتاب کے عوض میں اسے لیا لـمـن میں لام ابتداء ہے، جو ماقبل کیلئے باعث تعلیق ہے، اور مـن موصولہ ہے (اس کے لئے آخرت میں) جنت میں (کوئی حصہ نہیں ہے، اور بلاشبہہ بری ہے وہ چیز جس کے عوض میں انھوں نے اپنے آپ کو فروخت کیا) یعنی فروخت کرنے والے ہیں، یعنی اپنے ثواب آخرت کے حصے کو اور وہ یہ ہے کہ انھوں نے اسے سیکھا کہ اس نے ان کے لئے جہنم کو واجب کیا (اگر وہ) اس عذاب کی حقیقت کو (جانتے ہوتے) جس میں وہ پہونچیں گے، تو نہ سیکھتے (اور اگر وہ) یعنی یہود نبی اور قرآن پر (ایمان لاتے اور) معاصی مثلاً سحر کو ترک کر کے اللہ کے عقاب سے (بچتے) اور لَو کا جواب محذوف ہے، یعنی لا ثیبوا، اس پر آگے کا لفظ لـمـثـوبـة دلالت کرتا ہے (تو اللہ کے پاس سے ثواب) لـمـثـوبـة مبتدا ہے، اور لام اس میں قسم کیلئے ہے، (بہتر ہے) اس چیز سے جس کے بدلے میں انھوں نے اپنے آپ کو فروخت کیا، لفظ خیر خبر ہے (اگر وہ جانتے) کہ وہ خیر ہے، تو اس کو اس پر ترجیح نہ دیتے۔

﴿تشریحات﴾

ابن صوریا: عبداللہ بن صوریا یہودیوں کا بڑا عالم تھا۔

فلیمت غیظاً: . من كان عدواً لجبرئیل کی جزا ہے جو کہ محذوف ہے۔

سوال: کیا اللہ کا ارشاد فانه نزله شرط مذکور کی جزا نہیں بن سکتا؟

جواب: **فانہ نزلہ** شرط مذکور کی جزا نہیں بن سکتا، نہ لفظی اعتبار سے اور نہ معنوی اعتبار سے اس لئے کہ جزاء میں ایک ضمیر ہونی چاہئے جو اسم شرط کی جانب راجع ہو، اور یہاں ایسی کوئی ضمیر نہیں ہے، اور معنیً اس لئے کہ جزا کا تعلق زمانہ مستقبل سے ہوتا ہے، اور نزل فعل ماضی ہے۔ اور ایسا فعل ماضی ہے جسے مستقبل کے معنی میں مراد نہیں لے سکتے، کیونکہ نزول قرآن کا وقوع ماضی میں ہو چکا ہے۔

جبریل بکسر الجیم و فتحھا :۔ جبریل میں چار قرأتیں ہیں: (۱) جیم کے کسرہ اور یا کے ساتھ بلا ہمزہ کے قندیل کے وزن پر (۲) جیم کے فتحہ کے ساتھ اور باقی حسب سابق **شمویل** کے وزن پر (۳) جیم کے فتحہ اور ہمزہ اور یاء کے ساتھ بروزن **سلسبیل**، **جبرئیل**، (۴) جیم کے فتحہ اور ہمزہ کے ساتھ بغیر یاء کے بروزن جحمرش، جبرئل۔

لفظ جبریل عجمی کلمہ ہے اس لئے مع العلمیت غیر منصرف ہے۔

عطف علی الملائکۃ : لفظ جبریل و میکال کا عطف **الملائکۃ** پر ہے، سوال: ملائکہ میں تو جبریل اور میکائیل دونوں داخل ہیں، پھر علیحدہ عطف کرنے میں کیا حکمت ہے؟ جواب: یہ خاص کا عطف عام پر ہے، اور اس میں حکمت یہ ہے کہ اس سے ان دونوں فرشتوں کی عظمت شان نمایاں ہوتی ہے، گویا یہ دونوں اپنی رفعت شان کے باعث عام فرشتوں سے علیحدہ جنس ہیں۔

وفی قـــراءۃ میکائیل : اس لفظ میں تین قراتیں ہیں، اول تو وہی جو متن میں مذکور ہے، یعنی میکال، دوسرے میکائیل، تیسرے میکائل بغیر یاء کے۔

اوقعہ موقع لھم : **فان اللہ عدو للکافرین**، میں الکافرین اسم ظاہر لھم کی جگہ پر آیا ہے، کیونکہ عبارت کا سباق اسی کو چاہتا ہے، **من کان عدو اللہ و ملائکتہ ورسلہ وجبرئیل و میکال فان اللہ عدو لھم**، لیکن لفظ الکافرین ذکر کر کے اس بات کی صراحت کر دی کہ جو ان لوگوں کا دشمن ہوگا وہ کافر ہے، اور اللہ تعالیٰ اس کا دشمن ہے۔

حال: و لقد انزلنا الیک آیات بینات : میں بینات کو مفسر نے آیات سے حال قرار دیا ہے، لیکن اس پر اشکال ہے، ذوالحال جب نکرہ ہو، تو حال کو مقدم کیا جاتا ہے، یہاں تو موصوف اور صفت کی ترکیب معلوم ہوتی ہے، لیکن اس سے صاحب جمل نے تعرض نہیں کیا ہے۔

ما جئتنا بشئی :۔ **اے بشئی نعرفہ او شئی معتد بہ**، یعنی کوئی خاص چیز آپ نہیں لائے ہیں۔

أکفروا بھا : **او کلما عاھدوا اللہ عھداً** میں واو عاطفہ ہے، اور ہمزہ استفہام کا ہے اور معطوف علیہ مقدر ہے، اور سیاق کلام کے قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ **کفروا** مقدر ہے۔

عاهدوا الله عهدا: اس میں عهداً بظاہر مفعول مطلق معلوم ہوتا ہے، لیکن اللہ کو مقدر مان کر مفسر نے واضح فرمایا کہ عهداً مفعول بہ ہے، درحقیقت عــاهدوا میں اعـطوا کے معنی کی تضمین ہے، اس لئے وہ دو مفعول چاہتا ہے، آیت میں پہلا مفعول محذوف ہے، مفسر نے پہلے مفعول میں دو احتمال ذکر کئے ہیں، ایک یہ کہ انھوں نے اللہ سے عہد کیا کہ جب نبی کا ظہور ہوگا، ہم اس پر ایمان لائیں گے، دوسرے یہ کہ انھوں نے نبی علیہ السلام سے عہد کیا کہ ان کے خلاف مشرکین کی مدد نہ کریں گے۔

بـنقضه: . نبذ کے معنی طَرَحَ ہے یعنی ہٹا دینا، پھینک دینا، عہد کے پھینک دینے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا نقض کر دینا اور اسے توڑ دینا۔

وهـو مـحـل الاستفهام الانكارى : .نبـذه فـريق منهم کے بارے میں فرمار ہے ہیں کہ اوکلما میں جو استفہام انکاری معنیً ہے اس کا محل عاهدوا عهداً نہیں ہے، کیونکہ عہد کرنے پر کوئی نکیر واعتراض نہیں ہوسکتا، اس کا محل نبذ ہے، کیونکہ نبذ وطرح پر ہی انکار کیا جاسکتا ہے .

لـم يـعملوا بما فيها : . نبذ یہاں حقیقی معنی میں نہیں ہے، کیونکہ کتاب تو ان کے سامنے تھی، اس کو حقیقۃً اپنی پیٹھ کے پیچھے انھوں نے نہیں پھینکا تھا، بلکہ مجاز مراد ہے، یعنی اس پر عمل نہیں کیا۔

لفظ کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کتاب اللہ کو حسی اعتبار سے پیٹھ کے پیچھے رکھنا قابل نکیر ہے، پس وہ مکروہ ہے، ہمارے عرف میں اہتمام کیا جاتا ہے کہ قرآن شریف کی طرف پیٹھ نہ ہو، اس کا ماخذ یہ آیت ہے۔

قاضی بیضاوی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ ان دونوں آیات او كـلما عاهدوا سے كـانهم لايعلمون تک سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود چار طرح کے تھے، ایک جماعت تو وہ ہے جو توریت پر کما حقہ ایمان رکھتی تھی اور اس کے حقوق کو ادا کرتی تھی، یہ لوگ وہ ہیں جو ایمان سے مشرف ہوئے، یہ بہت قلیل تھے، ان کا بـل اكثرهم لا يومنون کے مفہوم سے اشارہ ملتا ہے، دوسرے وہ فرقہ جو کھلم کھلا بدعہدی کرتا تھا، اس کا بیان نبـذه فريق منهم میں ہے، تیسرا وہ فرقہ ہے جو اپنے جہل کی وجہ سے بدعہدی کا شکار تھا یہ بـل اكثرهم لا يعلمون کا مدلول ہے، اور چوتھا فرقہ وہ ہے، جو بظاہر تو توریت پر عمل کرنے کا مدعی تھا، لیکن خفیہ طور پر اس سے دور بھاگتا تھا اس کا بیان كانهم لا يعلمون میں ہے۔

عـطف عـلى نبذ : واتبعـوا مـا تتـلو الشياطين کا عطف نبذوا پر ہے، یعنی نبـذوا كتـاب اللـه واتبعوا كتب السحر، اللہ کی کتاب کو تو پھینک دیا، اور سحر کی کتابوں کے پیچھے لگ گئے۔

تلت : تتلوا مضارع کا صیغہ ہے مگر ماضی کے معنی میں ہے۔

عـلى ملك سليمٰن : علی کے سلسلے میں دو قول ہیں، ایک یہ کہ علی بمعنی فی ہے، دوسرے یہ کہ تتلوا میں

تقوّل کے معنی کی تضمین کر لی جائے، اور علی کو اپنے معنی پر رکھا جائے، یعنی **تتقول علی ملک سلیمٰن**، یعنی سلیمان علیہ السلام کی حکومت کے اوپر جھوٹی باتیں بناتے تھے، یہ ایسا ہی ہے جیسے کہا گیا ہے **ولو تقول علینا بعض الاقاویل**

لما نزع ملکه: مشہور ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے پاس ایک انگوٹھی تھی، جب آپ قضائے حاجت کیلئے جاتے تو وہ انگوٹھی اپنی ایک بیوی کو دے کر جاتے، ایک دن ایسا ہوا کہ ایک جن ان کی اہلیہ کے پاس حضرت سلیمان علیہ السلام کی صورت میں آیا اور انگوٹھی مانگی، انھوں نے یہ سمجھ کر کہ سلیمان ہیں، انگوٹھی دے دی، وہ یہ انگوٹھی لے کر حضرت سلیمان علیہ السلام کے تخت پر جا بیٹھا، اور اس نے حکومت کرنی شروع کر دی، پھر سلیمان علیہ السلام تشریف لائے اور انگوٹھی مانگی، تو اس نے کہا کہ تم کون ہو؟ سلیمان تو انگوٹھی لے گئے، حضرت سلیمان سمجھ گئے کہ آزمائش کی گھڑی آ گئی چالیس دن کے بعد وہ جن تخت سلیمان چھوڑ کر بھاگا، اور انگوٹھی سمندر میں پھینک دی، اسے کسی مچھلی نے نگل لیا، وہ مچھلی قدرت الٰہی سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس پہونچی اور آپ کو انگوٹھی اس کے پیٹ سے ملی، اس کے بعد آپ کی حکومت واپس ہوئی۔

اسی چالیس دن کے دوران جناتوں نے سحر کی کتابیں، حضرت سلیمان علیہ السلام کی کرسی کے نیچے دفن کر دی تھیں، اور ان کے انتقال کے بعد اسے انسانوں کے ذریعے نکلوایا اور یہ بات پھیلا دی کہ سلیمان علیہ السلام کی حکومت اسی کے بل بوتے پر تھی، پھر تو لوگ اس ہوس میں کہ اس سے جنات وشیاطین مسخر ہوں گے، مخلوقات تابع فرمان ہوگی، ان کتابوں میں منہمک ہو گئے اور اللہ کی کتاب کو ترک کر دیا۔ انگوٹھی والا یہ قصہ شیخ جلال الدین محلّی رحمہ اللہ نے سورہ ص کی تفسیر میں بیان کیا ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ قصہ بے بنیاد ہے، انبیاء کی شان اس سے بہت ارفع ہے کہ شیطان ان کی صورت میں آئے، اور ان کی حکومت کو چھین لے، یہ ایک بے بنیاد اسرائیلی قصہ ہے، قاضی عیاض اور دوسرے محققین نے فرمایا ہے کہ اس کا بیان کرنا بھی جائز نہیں ہے، الا یہ کہ اس کی غلطی ظاہر کر دی جائے۔ جلالین شریف مطبوعہ ہند کے حاشیہ میں اس کی تردید اچھی طرح کر دی گئی ہے۔

او کانت تسترق السمع: سحر کی کتابوں کے سلسلے میں ایک قول تو وہ ہے جو اوپر ذکر کیا گیا، دوسرا قول یہ ہے کہ جنات چوری چھپے فرشتوں کی باتوں کو سنتے تھے، اور ان میں سینکڑوں جھوٹ ملا کر کاہنوں کو بتاتے تھے، کاہن ان باتوں کو لکھ لیا کرتے تھے، پھر آہستہ آہستہ یہ بات مشہور ہو گئی کہ جنات علم غیب جانتے ہیں، جب حضرت سلیمان علیہ السلام کو یہ بات معلوم ہوئی تو انھوں نے ان سب کتابوں کو اکٹھا کر کے اپنی کرسی کے نیچے دفن کرا دیا، ان کی وفات کے بعد شیاطین نے ان کتابوں کو نکلوا کر پھیلا دیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام انہیں علوم سحریہ کے بل بوتے پر حکومت کرتے تھے، جنات وشیاطین اور ہوا سب انھیں سے مسخر تھے، دیندار اور سمجھدار لوگ

تو اس سے دور رہے، مگر جاہ پرست اور حریص افراد اس پر ٹوٹ پڑے، اسی بنا پر عام یہودیوں میں یہ بات مشہور ہوگئی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام ساحر تھے، اور یہ بات پھر بعد کے طبقوں میں اور مشہور ہوگئی، یہاں تک کہ جب قرآن پاک میں انبیاء کے زمرے میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا نام آنے لگا، تو یہود نے از راہ تعجب کہا کہ **انظروا الی محمد یذکر سلیمان فی الانبیاء وماکان الا ساحرا** ۔ ذرا محمد کو دیکھو تو سہی، یہ سلیمان کا ذکر انبیاء کے ذیل میں کرتے ہیں، حالانکہ وہ تو محض جادوگر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید فرمائی کہ **وما کفر سلیمٰن**، سلیمان نے کفر نہیں کیا، یعنی سحر کا عمل نہیں کیا۔

لانہ کفر : اصطلاح میں سحر اس کو کہتے ہیں جس میں شیاطین سے استعانت ہو، ظاہر ہے کہ یہ کفر ہے اور لغت کے اعتبار سے سحر اس کو بھی کہتے ہیں، جن میں شیاطین سے استعانت نہ ہو، لیکن اثر سحر ہی جیسا ہو، یہ کفر نہیں ہے تاہم اصطلاح میں اسے سحر نہیں کہا جاتا۔ یہ عزیمت ہے، رقیہ ہے، عملیات ہے۔

سحر جو کہ کفر ہے، اس کا سیکھنا بھی درست نہیں ہے، اور وہ سحر جو کفر نہیں ہے، اس کا بھی سیکھنا فتنہ سے خالی نہیں ہے۔

ویعلمونهم: **ما انزل علی الملکین** سے پہلے **یعلمونهم** کو ذکر کرکے مفسر نے تنبیہ فرمائی کہ **وما انزل** کا عطف **السحر** پر ہے۔

علی الملکین: ۔ ملک کے معنی فرشتہ کے ہیں، مفسر کے نزدیک یہ دو نیک آدمی تھے، جنھیں سحر کا علم دیا گیا تھا، تفصیل آگے آرہی ہے۔

ای الهمـاہ من السحر: . ملکین پر جو کچھ اتارا گیا، اس سے مراد یہ ہے کہ انھیں الہام کیا گیا، اور یہ علم جو انھیں الہام کیا گیا، سحر کا علم ہے، اور عطف کا تقاضا یہ ہے کہ معطوف علیہ اور معطوف میں مغایرت ہو، اس تقاضا کی بنیاد پر کہا جا سکتا ہے وہ سحر جو معطوف علیہ ہے، اس سے مراد سحر حرام ہے، جو کفر ہے، اور ما انزل سے مراد سحر حلال ہے، جو کفر نہیں ہے۔

و قرئ بکسر اللام : اَلْـمَلَكَيْنِ کو لام کے کسرہ کے ساتھ اَلْـمَلِكَيْنِ بھی پڑھا گیا ہے، اور یہ شاذ قرأت ہے، اس کے معنی بادشاہ کے ہیں، صاحب فتوحات الٰہیہ نے لکھا ہے کہ الملکین سے مراد فرشتے نہیں، بلکہ دو صالح آدمی ہیں، ان کی صالحیت کی وجہ سے مجازاً انھیں ملک کہہ دیا گیا ہے، حضرت مفسر کے نزدیک یہی بات راجح ہے، اور اس کی تائید میں انھوں نے یہ شاذ قرأت نقل کی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دونوں بادشاہ تھے، ظاہر ہے کہ بادشاہ فرشتہ نہ رہا ہوگا، اور شاذ قرأت بمنزلہ خبر واحد کے ہوتی ہے، جس سے حقیقت و مجاز کی تعیین میں مدد لی جا سکتی ہے، لیکن مشکل یہ ہے کہ قرآن میں **الملکین** سے **رجلین صالحین** مراد لینے کا کوئی قرینہ موجود نہیں ہے۔

ھاروت وماروت : . یہ دونوں لفظ عجمہ اور علمیت کی وجہ سے غیر منصرف ہیں۔

وقیل ملکان انزلا: . دوفرشتوں کے معلم سحر ہونے کا قول الگ سے نقل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مفسر کی پہلی تفسیر کے مطابق وہ فرشتے نہیں تھے، یہاں ان کے فرشتے ہونے کا قول نقل کرتے ہیں، فرماتے ہیں کہ وہ لوگوں کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک امتحان ہے، لیکن ان فرشتوں کے سلسلے میں جو حکایت نقل کی جاتی ہے کہ فرشتوں نے بنی آدم کے معاصی کو دیکھ کر اللہ کے حضور اپنے سابق قول کو دہرایا تھا کہ اسی مخلوق کو آپ نے خلیفہ بنایا ہے، جس کے گناہوں کا یہ عالم ہے کہ سارے جہاں کو گناہوں سے بھر دیا ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ ان میں جو مادہ رکھا گیا ہے، اگر تم میں بھی وہی مادہ رکھ دیا جائے تو تم بھی ویسے ہی ہو جاؤ گے، انھوں نے کہا سبحان اللہ ہم سے معصیت نہ ہوگی، اللہ نے فرمایا کہ اچھا اپنے میں سے دوفرشتوں کا انتخاب کرلو، انھیں میں وہی طبیعت عطا کر دوں جو بنی آدم کی ہے، پھر دیکھو کیا ہوتا ہے، ان حضرات نے ہاروت و ماروت کا انتخاب کیا جو فرشتوں میں اپنی اطاعت وعبادت کے لحاظ سے ممتاز تھے، اللہ نے ان میں انسانوں کا جیسا مادہ رکھ کر زمین پر اتار دیا، انھیں اسم اعظم بھی سکھا دیا کہ دن بھر لوگوں کے درمیان رہو، ان کے معاملات دیکھو، ان کے فیصلے کرتے رہو، شام ہو جائے تو اسم اعظم پڑھ کر آسمان پر آجایا کرو، چنانچہ وہ ایسا ہی کچھ عرصہ تک کرتے رہے، پھر ایک دن ایک عورت زہرہ نامی ان کے پاس کوئی فریاد لیکر آئی، ان دونوں نے جب اس کا حسن و جمال دیکھا تو اس پر فریفتہ ہو گئے، پھر اس پر مختلف حیلوں سے ڈورے ڈالنے لگے، اس نے کہا کہ میرے حق میں فیصلہ کر دو تو میں تمہاری ہوں، انھوں نے ایسا کر دیا، مگر اس نے دوسرا مطالبہ رکھ دیا کہ میرے خصم کو قتل کر دو، تب، انھوں نے یہ بھی کر دیا، اس نے پھر انکار کیا اور کہا کہ شراب پیو اور بت کو سجدہ کرو تب، انھوں نے یہ بھی پورا کر دیا، اس نے کہا کہ اس وقت تک نہیں، جب تک تم لوگ مجھے وہ بات نہ سکھا دو جسے پڑھ کر آسمان پر چلے جاتے ہو، انھوں نے وہ بھی سکھا دیا، پس اس نے اسے پڑھا اور آسمان پر چلی گئی، اللہ تعالیٰ نے اسے مسخ کر کے ستارہ بنا دیا، پھر ان فرشتوں نے بھی آسمان پر جانا چاہا، اور اسم اعظم، پڑھا، مگر ان کے بازو گر گئے، اور وہ زمین سے اوپر نہ اٹھ سکے، وہ سمجھ گئے کہ ہم پر مصیبت آ گئی، یہ حضرت ادریس علیہ السلام کا زمانہ تھا، انھوں نے ان سے دعا کی درخواست کی، انھوں نے دعا کی تو اللہ کی طرف سے ارشاد ہوا کہ دنیا کا عذاب اختیار کر و یا آخرت کا، انھوں نے سوچا کہ دنیا کا عذاب چاہے جتنا ہو، بہر حال ختم ہو جائیگا، اور آخرت کا عذاب کبھی ختم نہ ہوگا۔ انھوں نے دنیا کا عذاب اختیار کرلیا، پس انھیں بابل میں عذاب کے اندر مبتلا کر دیا گیا۔

یہ حکایت اسرائیلی ہے، اور عقل ونقل کے دلائل کے خلاف ہے، بالکل نا قابل قبول ہے۔

بلیة من اللہ للناس لیمتحنھم بتعلیمه : ۔ ان دونوں کے پاس جب کوئی سحر سیکھنے کے لئے جاتا تو اس

سے کہتے ہم تو محض ایک فتنہ ہیں، یعنی آزمائش ہیں، فتنہ اس کو کہتے ہیں جس میں ایک طرف سے شر کا پہلو ہو، تو دوسری طرف سے خیر کا بھی پہلو ہو، تاہم شر کا پہلو غالب ہوتا ہے، جیسے مال اور اولاد کو اللہ تعالیٰ نے فتنہ فرمایا ہے، ظاہر ہے کہ مال اور اولاد، صاحب مال اور صاحب اولاد کیلئے باعث شر بھی ہے کہ ان کی وجہ سے آدمی مختلف معاصی اور مصائب میں گرفتار ہوتا ہے، اور خیر بھی ہے کہ ان سے بہت کچھ اچھے اور ضروری کام نکلتے ہیں، اسی طرح سے یہ دونوں اپنے کو یعنی اپنے علم کو فتنہ کہہ رہے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس علم میں کچھ شر ہے تو کچھ خیر بھی ہے، لیکن شر کس اعتبار سے ہے اور خیر کس اعتبار سے ہے؟ اس سوال کے جواب میں ایک بات وہ ہے، جسے حضرت مفسر علیہ الرحمہ نے ذکر کیا ہے کہ **فمن تعلمه كفر ومن تركه فهو مومن**، شر اور خیر کی صورت اس کی تحصیل اور ترک کے اعتبار سے ہے، یعنی یہ آزمائش کی ایک چیز ہے، اس کو جو حاصل کرے گا وہ شر میں مبتلا ہوگا، اور جو اسے ترک کرے گا، وہ خیر سے بہرہ ور ہوگا۔

لیکن تحصیل اور ترک کے اعتبار سے امتحان اور فتنہ کا معنی بعید معلوم ہوتا ہے، کیونکہ اگر یہی تقریر اموال اور اولاد کے سلسلے میں کی جائے، اور یہ کہا جائے کہ مال اور اولاد فتنہ ہیں، پس جو انھیں حاصل کرے گا شر میں مبتلا ہوگا، اور جو انھیں ترک کرے گا وہ خیر سے بہرہ ور ہوگا، تو یہ تقریر قابل قبول نہ ہوگی۔

اس لئے اس کی مناسب تقریر یہ معلوم ہوتی ہے کہ ہمارا یہ علم ایک امتحان ہے، اگر اسے سیکھ کر آدمی برمحل اور صحیح جگہ پر استعمال کرے گا، تو خیر ہوگا، اور اگر غلط جگہ استعمال کرے گا تو شر میں مبتلا ہوگا، لیکن اغلب یہ ہے کہ اس کو سیکھ کر آدمی کو اپنے اوپر قابو نہ ہوگا کہ ہمیشہ برمحل ہی استعمال کرے، بسا اوقات ایسا ہوگا کہ وہ غلط جگہ اور غلط ارادے سے اس کو کام میں لائے گا، اور نتیجہ کے اعتبار سے کفر میں جا پڑے گا، اس لئے ہوشیار رہو، کفر میں نہ پڑو، اگر سیکھنا ہے تو طے کرو کہ ہمیشہ برمحل کام میں لاؤ گے، لیکن اچھا یہ ہے کہ اسے سیکھو ہی مت کہ غلط کاری کا اندیشہ ہو۔

اس تقریر کی صورت میں اس علم کا تعلق سحر حرام سے نہ ہوگا، سحر حلال سے ہوگا یعنی عملیات وتعویذات کا علم جو رد سحر اور دفع اجنہ کیلئے کام میں لایا جاتا ہے، جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے، البتہ یہ علم بھی تاثیر سحر ہی جیسی رکھتا ہے، اگر کسی کا ارادہ غلط ہو، تو غلط مقاصد میں بھی اس سے کام لیا جا سکتا ہے، تلوار دشمن کو بھی کاٹتی ہے اور دوست کو بھی کاٹ سکتی ہے، اسی طرح سے یہ علم برمحل بھی استعمال ہوسکتا ہے اور بے محل بھی! چنانچہ بہت دیکھا جاتا ہے کہ عملیات وتعویذات کے عاملین کا علم اگر چہ فی نفسہ غلط نہیں ہے، مگر بسا اوقات غلط امور میں وہ استعمال کرتے رہتے ہیں، اس کی ایک مثال قرآن میں یہ ذکر کی گئی ہے کہ اس علم سے وہ مرد وعورت میں تفریق ونفرت پیدا کراتے ہیں، اور یہ بھی ہوتا ہے کہ اس علم کی وجہ سے آدمی عورتوں اور مال کے فتنہ میں مبتلا ہوجاتا ہے، سکھانے والوں نے اسی پر تنبیہ کی ہے۔

فلا تکفر بتعلمه :۔ اس کو سیکھ کر کفر میں مبتلا مت ہونا، یہاں کفر سے مراد وہ کفر نہیں ہے جو ایمان کے مقابلے میں ہے، بلکہ معصیت مراد ہے جو بالآخر کبھی کفر کا سبب بن جاتی ہے، اور اس کا قرینہ ہے کہ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا **فیتعلمون منهما ما یفرقون به بین المرء و زوجه** ، وہ لوگ ان سے کیا سیکھتے تھے؟ ایسی بات جس سے میاں بیوی میں تفریق پیدا کرائیں۔ ظاہر ہے کہ کفر کا مصداق ان کا یہ سیکھنا بھی ہے، لیکن کفر بمقابلہ ایمان نہیں ہے، بلکہ معصیت ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اس علم کو سیکھنا اور غلط ارادے سے اس کو عمل میں لانا کفر بمعنی معصیت ہے، جس کو امام بخاری علیہ الرحمہ کی اصطلاح میں **کفر دون کفر** کہنا مناسب ہے۔

آیت پر غور کرنے سے یہ باتیں ذہن میں آتی ہیں، اس بنا پر راجح یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ شیاطین کے سحر کے مقابلے میں یہ دوسری طرح کا سحر تھا، جو اگرچہ فی نفسہ جائز ہے، مگر ہے باعث شر و کفر، اسی لئے شیاطین کو اس سے بھی دلچسپی تھی، اور وہ لوگوں کو دونوں طرح کا سحر سیکھنے کی ترغیب دیتے بلکہ سکھاتے، جو پورے طور سے ان کے پھندے میں آگیا، اسے تو خالص کفر یہ سحر ہی سکھاتے تھے، اور جو اپنے ایمان کے تقاضے سے اس سے بچنا چاہتا تھا، اس کے سامنے اس جائز سحر کو مزین کر کے پیش کرتے اور سکھاتے، لیکن نتیجۃً دونوں طرح کے سحر کا مشترکہ اثر یہ ہوتا تھا کہ اول کے محض سیکھنے ہی سے اور دوسرے میں انہماک سے یا اس کے غلط استعمال سے آدمی کو کتاب اللہ سے دوری ہو جاتی ہے، یہ نتیجہ جیسے اس زمانے میں ظاہر ہوتا تھا، آج بھی ظاہر ہوتا ہے، چنانچہ جائز عملیات و عزائم اور تعویذات میں انہماک رکھنے والے کتاب اللہ سے غافل ضرور ہو جاتے ہیں۔ **واللہ اعلم**

لام ابتداء معلقة لما قبلها :۔ **علموا** فعل متعدی بدو مفعول ہے اس کا اقتضا یہ ہے کہ اس کے بعد والا اسم اس کا مفعول ہو، تو اس لحاظ سے **من** موصولہ کو اس کا مفعول اول ہونا چاہئے، لیکن اس پر لام ابتداء داخل ہو گیا ہے، جو **علموا** کے عمل سے مانع ہے، کیونکہ مفعول درمیان کلام میں ہوتا ہے، لام ابتداء کلام میں، پس یہ لفظاً اس کا مفعول نہیں بن سکتا۔ اس لئے اس کا عمل معلق ہو گیا۔ **لمن اشتراه** ، موصول صلہ سے مل کر مبتدا ہے اور **ماله فی الآخرة من خلاق**۔ اس کی خبر ہے، اور پورا جملہ **علموا** کے دونوں مفعولوں کے قائم مقام ہے۔

اختاره او استبدله :۔ **اشتریٰ** میں سے اگر عوض کے معنی کی تجرید کر لی جائے تو یہ اختار کے معنی میں ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے اللہ کی کتاب سے ابتداء ہی سے کوئی تعلق نہیں رکھا، بلکہ سحر ہی کا علم سیکھا، اس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے، اور اگر اشتریٰ میں عوض کا معنی ملحوظ ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ کی کتاب اسے ملی، مگر اس نے اس کے عوض میں جادو کا علم لیا، وہ آخرت میں محروم ہوگا۔

ولبئس ما شروا به :۔ اس کی شرح پہلے گزر چکی ہے۔

ان تعلموه : . **بئس** کا مخصوص بالذم ہے۔

حقيقة ما تصيرون اليه من العذاب :۔حضرت مفسر نے اس عبارت سے ایک بظاہر اشکال کا جواب دیا ہے، اشکال یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اولاً یہ فرمایا کہ **و لقد علموا لمن اشتراه ماله فى الآخرة من خلاق** ، انھیں معلوم ہے کہ جو شخص سحر کو خریدے گا، آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ انھیں معلوم ہے کہ سحر کا انجام کیا ہوگا۔ اور بعد میں فرماتے ہیں، **لو كانوا يعلمون** ، اگر جانتے تو نہ سیکھتے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ اس کے انجام کو نہیں جانتے، اس طرح اول و آخر میں تضاد محسوس ہوتا ہے۔

اس کا جواب مفسر نے مذکورہ بالا عبارت سے دیا ہے، مطلب یہ ہے کہ انجام تو انھیں معلوم ہے کہ سحر سیکھنے والے کا آخرت میں حصہ نہیں ہے، مگر اس کے نتیجے میں جس عذاب سے وہ دوچار ہونے والے ہیں، اس کی حقیقت کو کہ وہ کتنا سخت اور دردناک ہے، نہیں جانتے، ورنہ اس کی جرأت نہ کرتے، اگر وہ اس عذاب کی حقیقت و واقعیت سے ذرا بھی واقف ہوتے تو سحر سیکھنے کے قریب بھی نہ جاتے۔

وجواب لو محذوف :۔**ولو انهم آمنوا واتقوا المثوبة من عندالله خير** میں لو کا جواب **لمثوبة** نہیں ہے، کیونکہ وہ کلام ابتدائی ہے، اور لام اس پر قسم کا ہے، پھر یہ کہ جیسے شرط کیلئے فعل استعمال ہوتا ہے اسی طرح جزا کے لئے بھی فعل ہی استعمال ہوتا ہے۔، پس **لمثوبة** جزا نہیں ہے، البتہ قرینۂ جزا ہے، اس کی جزا **لا يثبوا** ہے انھیں ثواب عطا کیا جاتا۔

خير مما شروا به انفسهم :۔ **لمثوبة من عندالله** مبتدا ہے، **من** ، **كائنة** کے متعلق ہے اور **خير**، خبر ہے، اور **مما شروا** ، **خير** اسم تفضیل سے متعلق ہے اور اس کا معمول ہے۔

انه خير لما آثروه عليه : **انه خير** **يعلمون** کا مفعول ہے، ضمیر ثواب کی طرف راجع ہے، جس کی تعبیر **مثوبة** سے کی گئی ہے، **لما آثروه عليه** شرط کی جزا ہے۔

﴿مضامین آیات وتفسیر﴾

اس رکوع میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی طبیعت اور ان کے مزاج کے فساد سے آگاہ کیا ہے، اور درحقیقت اس امت کو متنبہ کیا ہے کہ کتاب اللہ کے ہوتے ہوئے بھی آدمی اپنی طبیعت کے فساد اور مزاج کے بگاڑ کی وجہ سے کس پستی اور گمراہی میں جا پڑتا ہے، اس سے ہمیشہ ہوشیار رہیں۔

مزاج کا بگاڑ ذرا دیکھئے، معلوم ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے، لیکن حسد اور عناد کی وجہ سے اسے ماننا نہیں چاہتے تو اس کیلئے وجہ جواز یہ نکالتے ہیں کہ قرآن کو لانے والے چونکہ جبرئیل ہیں، اور وہ ہمارے دشمن ہیں، کیونکہ پہاڑ کو انھوں نے ان کے اوپر لٹکا دیا تھا، عیسیٰ علیہ السلام کے ہمہ وقت وہ ساتھ رہتے تھے، جس کی وجہ سے یہودی

انھیں نقصان نہ پہونچا سکے، پس وہ ہمارے دشمن ہیں، اور ہم ان کے دشمن ہیں، اس لئے ان کی لائی ہوئی بات کو ہم نہیں مان سکتے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو جبریل کا دشمن ہے، وہ اپنی دشمنی میں مرجائے، مگر وحی تو یہی لانے والے ہیں، اور اپنی مرضی سے نہیں، اللہ کے حکم سے لانے والے ہیں، اور یہ وحی ہلاکت نہیں، خود ان کی کتاب کی تصدیق کرتی ہے، سامان ہدایت ہے، سراپا بشارت ہے، مگر ماننے والوں کیلئے، جو نہیں مانے گا، اس نے خود ہی اپنے کو اس کی ہدایت و بشارت کے دائرے سے خارج کرلیا، اور اگر کوئی شخص واقعی اللہ کا ملائکہ کا، جبرئیل و میکائیل کا دشمن ہے تو اسے سمجھ لینا چاہئے کہ اللہ بھی اس کا دشمن ہے، اور یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی کہ جبرئیل سے دشمنی کر کے میکائیل کی دوستی کا دم بھرا جائے، یہ دونوں تو ایک ہی طریق و مزاج پر ہیں، پھر ایک کی دشمنی اور ایک کی دوستی کا کیا معنیٰ؟

اور یہود جو یہ کہتے ہیں کہ آپ کوئی خاص چیز نہیں لائے تو یہ بات نہیں ہے، ہم نے تو نہایت واضح آیات تمہارے پاس اتار دی ہیں، وہ اس درجہ واضح ہیں کہ ان کا انکار کوئی فاسق و معاند ہی کرسکتا ہے۔

درحقیقت یہودیوں کی یہ سخن سازیاں لایعنی ہیں، ان کا حال تو ہمیشہ یہی رہا ہے کہ جب بھی اللہ سے یا نبی سے کوئی عہد کیا ہے تو اسے وفا کرنے کے بجائے توڑنے ہی کی ان کی تاریخ رہی ہے، اکثر ایمان سے محروم ہی رہے رہیں، آج بھی یہی حال ہوا کہ جب اللہ کی جانب سے اس کے رسول ان کے پاس پہونچے اور یہ نہیں کہ یہ رسول ان کے علوم اور ان کی کتاب کو غلط ٹھہراتے ہوں، بلکہ وہ صاف صاف تصدیق کرتے ہیں کہ توریت اور اس کے علوم اللہ ہی کی طرف سے ہے، تب بھی یہ اللہ کی کتاب یعنی توریت کے احکام کو پس پشت ڈال کر اس کے بھیجے ہوئے رسول کی تکذیب ہی کرتے ہیں۔ جیسے انھیں کچھ معلوم ہی نہیں، اور بجائے اللہ کی کتاب کے یہ دوسرے خرافاتی علوم میں منہمک ہوگئے، یہ وہ چیزیں ہیں جنھیں شیاطین نے حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان کے عہد حکومت پر افتراء کر کے گھڑا ہے، یعنی یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام سحر جانتے تھے، اور سحر ہی کے زور پر سب کو مسخر کر رکھا تھا، حالانکہ سحر تو کفر ہے، اور سلیمان ہرگز ہرگز کفر کرنے والے نہ تھے، کفر کرنے والے تو یہ شیاطین تھے، جو لوگوں کو سحر بھی سکھاتے تھے، اور وہ چیزیں بھی سکھاتے تھے جو بابل میں دو شخصوں یا فرشتوں پر اتاری گئی تھیں، یعنی انھیں الہام کی گئی تھیں، حالانکہ ان دونوں کا طریقہ یہ تھا کہ جب کوئی ان کے پاس ان کے علوم کو سیکھنے کیلئے جاتا تھا تو اسے سمجھاتے تھے کہ ہم اور ہمارا یہ علم جو سحر ہی کی ایک نوع ہے، ایک فتنہ ہے، آزمائش ہے، معلوم نہیں اس آزمائش سے تم کامیاب گزرو یا ناکام ہوجاؤ۔ اس لئے خبردار اسے سیکھ کر کفر میں نہ جاگرنا، وہ سیکھنے پر پھر بھی اصرار کرتے اور خوب قول و قرار اور عہد و پیمان کرتے۔ تو یہ حضرات انھیں کچھ سکھا دیتے، لیکن مزاج کی دنائت دیکھو کہ خاص طور سے اسی چیز کو اہتمام سے سیکھتے، جس سے میاں بیوی میں تفریق اور منافرت پیدا کرتے، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ سحر بذات خود موثر نہیں ہے، جب تک اللہ کی مشیت نہ ہو، ساحر کوئی نقصان نہیں

پہونچا سکتا اور یہ زیادہ تر وہی چیز سیکھتے ہیں جو ان کیلئے آخرت میں مضر ہے، نافع نہیں ہے، مزاج جب بگڑتا ہے، تو یہی ہوتا ہے کہ مفید چیزوں سے آدمی گھبراتا ہے، اور مضر چیزوں سے دلچسپی لیتا ہے، حالانکہ انھیں معلوم ہے کہ اس چیز کو جو اختیار کرے گا، وہ آخرت میں محروم ہی رہے گا بلاشبہ وہ جس کے عوض یہ اپنی آخرت فروخت کر رہے ہیں بہت بری ہے، لیکن انھیں اس عذاب کی ہولنا کی کا علم نہیں ہے، جس سے یہ دوچار ہوں گے، ورنہ ایسی چیزوں کے قریب نہ پھٹکتے، اس کے بجائے اگر یہ ایمان لاتے، اور معاصی کو ترک کر کے تقویٰ اختیار کرتے، تو انھیں بڑا ثواب ہوتا، اور اللہ کا ثواب بہت ہی بہتر ہے، اگر اسے جانتے، تو اس پر دوسری چیزوں کو ترجیح نہ دیتے۔

☆☆☆☆☆

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا﴾ للنبی امر من المراعاة و كانوا يقولون له ذلك و هی بلغة اليهود سب من الرعونة فسروا بذلك و خاطبوا بها النبی فنهی المؤمنون عنها ﴿وَقُوْلُوْا﴾ بدلها ﴿انْظُرْنَا﴾ ای انظر الينا ﴿وَاسْمَعُوْا﴾ ما تؤمرون به سماع قبول ﴿وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ مؤلم هو النار ﴿مَايَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ﴾ من العرب عطف على اهل الكتٰب و من للبيان ﴿اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِنْ﴾ من زائدة ﴿خَيْرٍ﴾ وحی ﴿مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ حسداً لكم ﴿وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ﴾ نبوته ﴿مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِيْمِ﴾ ولما طعن الكفار فی النسخ وقالوا ان محمدا يامر اصحابه اليوم بامر و ينهیٰ عنه غداً نزل ﴿مَا﴾ شرطية ﴿نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ﴾ ای نزل حكمها اما مع لفظها او لا و فی قراء ة بضم النون من أنسخ ای نامرك او جبرئيل بنسخها ﴿اَوْ نُنْسِهَا﴾ نوخرها فلا نزل حكمها و نرفع تلاوتها او نؤخرها فی اللوح المحفوظ و فی قراء ة بلا همز من النسيان ای ننسكها و نمحها من قلبك و جواب الشرط ﴿نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا﴾ انفع للعباد فی السهولة او كثرة الاجر ﴿اَوْمِثْلِهَا﴾ فی التكليف والثواب ﴿اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَئٍ قَدِيْرٌ﴾ و منه النسخ والتبديل والاستفهام للتقرير ﴿اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ﴾ يفعل فيهما ما يشاء ﴿وَمَا لَكُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ ای غيره ﴿مِنْ﴾ زائدة ﴿وَلِيٍّ﴾ يحفظكم ﴿وَلَا نَصِيْرٍ﴾ يمنع عذابه عنكم ان اتاكم و نزل لما ساله اهل مكة ان يوسعها و يجعل الصفا ذهبا ﴿اَمْ﴾ بل ﴿اَ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْئَلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى﴾ ای ساله قومه ﴿مِنْ قَبْلُ﴾ من قولهم ارنا الله جهرة و غير ذلك ﴿وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ﴾ ای ياخذه بدله بترك النظر فی الآيات البينات و اقتراح غيرها ﴿فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيْلِ﴾

أخطأ طریق الحق والسواء فی الاصل الوسط ﴿وَدَّ کَثِیْرٌ مِنْ اَھْلِ الْکِتَابِ لَوْ﴾ مصدریة ﴿یَرُدُّوْنَکُمْ مِنْ بَعْدِ اِیْمَانِکُمْ کُفَّاراً حَسَداً﴾ مفعول له کائنا ﴿مِنْ عِنْدِاَنْفُسِھِمْ﴾ ای حملتھم علیه انفسھم الخبیثة ﴿مِنْ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَھُمُ﴾ فی التوراة ﴿الْحَقُّ﴾ فی شان النبی ﴿فَاعْفُوْا﴾ عنھم ای اترکوھم ﴿وَاصْفَحُوْا﴾ اعرضوا فلا تجازوھم ﴿حَتّٰی یَأْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِہٖ﴾ فیھم من القتال ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَئْيٍ قَدِیْرٌ وَاَقِیْمُوْا الصَّلٰوۃَ وَآتُوْ الزَّکٰوۃَ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِکُمْ مِنْ خَیْرٍ﴾ طاعة کصلوٰۃ وصدقة ﴿تَجِدُوْهُ﴾ ای ثوابه ﴿عِنْدَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ﴾ فیجازیکم به ﴿وَقَالُوْا لَن یَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ کَانَ ھُوْداً﴾ جمع ھائدٍ ﴿اَوْ نَصٰرٰی﴾ قال ذلک یھود المدینة و نصٰریٰ نجران لما تناظروا بین یدی النبی ﷺ ای قال الیھود لن یدخلھا الا الیھود وقال النصاریٰ لن یدخلھا الا النصاریٰ ﴿تِلْکَ﴾ المقولة ﴿اَمَانِیُّھُمْ﴾ شھواتھم الباطلة ﴿قُلْ﴾ لھم ﴿ھَاتُوْا بُرْھَانَکُمْ﴾ حجتکم علی ذلک ﴿اِنْ کُنْتُمْ صَادِقِیْنَ﴾ فیه ﴿بَلٰی﴾ یدخل الجنة غیرھم ﴿مَنْ اَسْلَمَ وَجْھَهٗ لِلّٰهِ﴾ ای انقاد لامرہ وخص الوجه لانه اشرف الاعضاء فغیرہ اولیٰ ﴿وَھُوَ مُحْسِنٌ﴾ موحد ﴿فَلَهٗ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ﴾ ای ثواب عمله الجنة ﴿وَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ﴾ فی الآخرۃ۔

﴿ ترجمہ ﴾

(اے ایمان والو!) نبی سے (راعنا مت کہو) مراعاۃ سے امر کا صیغہ ہے، حضرات صحابہ رسول اللہ ﷺ سے یہی لفظ کہہ کر خطاب کرتے تھے، اور یہ یہودیوں کی زبان میں ایک گالی ہے، جو رعونت سے ماخوذ ہے، وہ اس لفظ کو سن کر بہت خوش ہوئے، اور انھوں نے اسی لفظ سے آپ کو خطاب کرنا شروع کیا تو مسلمانوں کو اس لفظ کے استعمال سے منع کر دیا گیا، یہ فرمایا گیا کہ اس کے بدلے میں (انظرنا کہو) یعنی ہماری جانب نظر فرمائیے (اور) سماع قبول سے اس بات کو (سنو) جس کا تم کو حکم دیا جاتا ہے (اور کافروں کیلئے دردناک عذاب ہے) یعنی آفت رسیدہ عذاب اور وہ جہنم ہے، (اہل کتاب میں سے وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا نہیں چاہتے، اور نہ مشرکین) عرب (میں سے کوئی چاہتا) المشرکین کا عطف اھل الکتاب پر ہے، اور مِن بیانیہ ہے (یہ بات کہ تم لوگوں پر کوئی خیر کی چیز) یعنی وحی (تمہارے رب کی جانب سے اتاری جائے) یہ بات تم سے حسد کی وجہ سے ہے (اور اللہ اپنی رحمت) یعنی نبوت (کے ساتھ جس کو چاہتے ہیں، مخصوص کر لیتے ہیں، اور اللہ بڑے فضل والے ہیں) اور جب کفار نے نسخ کے سلسلے میں طعنہ دیا اور کہا کہ محمد اپنے اصحاب کو آج ایک بات کا حکم دیتے ہیں اور کل اسی سے منع کر دیتے ہیں، تو یہ مضمون نازل ہوا (جو بھی) ما شرطیہ ہے (آیت ہم منسوخ کرتے ہیں) یعنی اس کے حکم کو زائل کرتے ہیں، خواہ اس کے لفظ کے

ساتھ یا اس کے بغیر اور ایک قراءت میں نون کے ضمہ کے ساتھ انسخ سے ہے، یعنی ہم تمہیں یا جبرئیل کو اس کے نسخ کا حکم دیتے ہیں (یا ہم اسے موخر کرتے ہیں) یعنی اس کے حکم کو ختم نہیں کرتے، البتہ اس کی تلاوت کو اٹھا دیتے ہیں یا ہم اسے لوح محفوظ ہی میں چھوڑے رکھتے ہیں، اور ایک قرأت میں بغیر ہمزہ کے ہے، جو نسیان سے ماخوذ ہے، یعنی ہم وہ آیت تمہیں بھلا دیتے ہیں، اور تمہارے قلب سے محو کر دیتے ہیں، آگے شرط کا جواب ہے (تو ہم اس سے بہتر چیز لاتے ہیں) جو بندوں کیلئے زیادہ نفع بخش ہو سہولت میں یا کثرت اجر میں (یا) تکلیف وثواب میں (اس کے مثل کو) لاتے ہیں۔ (کیا تم کو نہیں معلوم کہ اللہ ہر شے پر قادر ہیں) اور اسی میں نسخ وتبدیل بھی داخل ہے، اور استفہام تقریری ہے (کیا تم کو نہیں معلوم کہ اللہ ہی کیلئے آسمانوں اور زمین کی حکومت ہے) ان میں جو چاہتے ہیں کرتے ہیں (اور تمہارے لئے اللہ کے علاوہ کوئی ولی نہیں) جو تمہاری حفاظت کرے (اور نہ کوئی مددگار ہے) جو ان کے عذاب سے تم کو روک سکے، اگر وہ آجائے۔

اور اگلی آیت اس وقت نازل ہوئی، جب آپ سے اہل مکہ نے سوال کیا تھا کہ مکہ کو اور کشادہ بنا دیں، اور صفا پہاڑی کو سونا بنا دیں (بلکہ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے رسول سے بھی ویسا ہی مطالبہ کرو، جیسا موسیٰ سے مطالبہ کیا گیا تھا) یعنی ان کی قوم نے ان سے مطالبہ کیا تھا (اس سے پہلے) مثلاً ان کا یہ مطالبہ کہ ہمیں اللہ کو صاف صاف دکھایئے وغیرہ (اور جو کفر کو ایمان سے بدل لے) یعنی ایمان کے بدلے میں کفر کو لے لے یعنی آیات بینات میں غور وتامل نہ کرے اور ان کے علاوہ دوسری نشانیاں تجویز کرے (تو وہ سیدھی راہ سے بہک گیا) یعنی حق کے راستے سے چوک گیا ، اور سواء اصل میں بمعنی وسط ہے (اہل کتاب میں بہت سے یہ چاہتے ہیں کہ تم کو، تمہارے ایمان لانے کے بعد پھر کافر بنا دیں) لو مصدر یہ ہے (اس حسد کی وجہ سے جو ان کے جی میں ہے) حسداً مفعول لہ ہے، یعنی اس پر ان کے خبیث نفسوں نے آمادہ کیا ہے (بعد اس کے کہ ان کے واسطے) توریت میں نبی ﷺ کی شان میں (حق واضح ہو چکا ہے، پس ان سے درگزر سے کام لو) یعنی انھیں چھوڑ دو (اور ان سے اعراض کرو) انھیں کوئی سزا نہ دو (یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ) ان کے سلسلے میں (اپنا امر) ان سے جنگ کرنے کا (لائیں، بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہیں، اور نماز قائم کرو، اور زکوٰۃ ادا کرو اور جو بھی چیز تم اپنے آپ کے لئے آگے بھیجو گے) جیسے نماز اور صدقہ (اس کو) یعنی اس کے ثواب کو (اللہ کے پاس پاؤ گے، بیشک اللہ جو کچھ تم کرتے ہو، اسے دیکھتے ہیں) پس تم کو اس پر بدلہ دیں گے (اور انھوں نے کہا کہ جنت میں ہرگز کوئی داخل نہ ہوگا، مگر وہ جو یہودی ہو،) ھود جمع ہے ھائد کی (یا نصرانی ہو) یہ بات مدینہ کے یہود نے اور نجران کے نصاریٰ نے اس وقت کہی تھی، جب دونوں حضور اکرم ﷺ کے سامنے مناظرہ کر رہے تھے، یعنی یہودیوں نے کہا کہ جنت میں یہودیوں کے علاوہ کوئی داخل نہ ہوگا، اور نصاریٰ نے کہا کہ نصاریٰ کے علاوہ کوئی نہیں داخل ہوگا (یہ) قول (ان کی خواہشات باطلہ) کی بنیاد پر (ہے تم) ان سے (کہو کہ) اس بات پر (تم اپنی دلیل پیش

کرو، اگر تم) اس میں (سچے ہو، کیوں نہیں) جنت میں ان کے علاوہ دوسرے لوگ بھی داخل ہوں گے (جو بھی اپنے چہرے کو اللہ کے سامنے جھکادے) یعنی اس کے امر کی اطاعت کرے، اور خصوصیت سے چہرے کو اس لئے ذکر کیا کہ وہ اشرف الاعضاء ہے، جب وہ جھکا، تو دوسرے بدرجہ اولیٰ جھکیں گے (اور وہ محسن) یعنی موحد ہو تو اس کیلئے اس کے رب کے پاس اس کا اجر ہے) یعنی اس کے عمل کا ثواب ہے یعنی جنت (اور) آخرت میں (ان پر خوف نہ ہوگا، نہ وہ غمگین ہوں گے)

﴿تشریحات﴾

للنبی :۔ اس لفظ کا اضافہ اس لئے کیا ہے کہ مطلقاً راعنا کہنے کی ممانعت نہیں ہے، بلکہ صرف یہ ہے کہ اس لفظ سے نبی ﷺ کو خطاب نہ کرو۔

امر من المراعاۃ : راع، مراعاۃ سے امر کا صیغہ ہے، اس کے معنی ہیں ہماری رعایت فرمائیے، حضرات صحابہ غایت ادب سے یہ جملہ رسول اللہ ﷺ سے کہتے تھے، مگر یہودیوں کی زبان میں یہ گالی کا لفظ تھا، رعونت سے مشتق ہے، بمعنی احمق، یہودیوں نے جب دیکھا کہ مسلمان اس لفظ سے حضور کو مخاطب کرتے ہیں، تو وہ بہت خوش ہوئے اور انھوں نے بھی اس لفظ سے خطاب کرنا شروع کیا، اور دل میں مسرور ہوتے تھے کہ ہم گالی دے رہے ہیں، اور یہ اسے ادب سمجھ رہے ہیں۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ان کی زبان سمجھتے تھے، وہ بہت خفا ہوئے اور فرمایا کہ اگر تم لوگوں کی زبان سے رسول اللہ ﷺ کے حق میں یہ لفظ نکلا تو گردن ماردوں گا، انھوں نے کہا کہ آپ لوگ بھی تو یہی بولتے ہیں، اس پر اس لفظ کے کہنے کی ممانعت نازل ہوئی، اور فرمایا گیا کہ اس کے بدلے میں انظرنا کہو، یعنی انظر الینا، کیونکہ انظر کا صلہ الی آتا ہے، یعنی ہماری جانب توجہ فرمائیے۔

مولم :. الیم کی تفسیر ہے، اس کی توجیہ شروع میں گزر چکی ہے۔

من للبیان :۔ الذین کفروا من اھل الکتاب ولا المشرکین میں من تبعیضیہ نہیں ہے، بیانیہ ہے، کیونکہ ایمان لانے کے بعد ان پر اہل کتاب اور مشرکین کا اطلاق نہیں ہوتا تھا، وہ مومن ہوتے تھے، پس جو اہل کتاب اور مشرک ہیں، وہ کافر ہی ہیں۔

من خیر :۔ یہ ان ینزل کا نائب فاعل ہے، اور من زائدہ ہے، من زائدہ گو کہ نفی کے تحت آتا ہے، اور یہاں لفظاً نفی نہیں ہے، لیکن معناً نفی موجود ہے، کیوں کہ ینزل، ما یود کے تحت ہے، جو کہ منفی ہے۔

ولما طعن الکفار :۔ احکام و آیات کے نزول کے دور میں مصالح اور احوال کے اقتضا کے مطابق آیات واحکام میں نسخ و ترمیم کا سلسلہ چلتا رہتا تھا، مثلاً اس سے پہلی والی آیت میں ایک بات جو جائز تھی، یعنی راعنا کہنا، اللہ تعالیٰ نے اسے منسوخ فرمادیا، اس پر کفار نے اور غالب یہ ہے کہ یہودیوں نے طعنہ دیا کہ یہ کیسے پیغمبر

ہیں آج ایک بات جائز، کل وہی ناجائز، اگر اللہ کی طرف سے یہ کلام ہوتا تو اللہ تعالیٰ کا علم تو بکل شئی محیط ہے، بدلنے کی ضرورت نہ پیش آتی، اس پر یہ آیت اتری۔

نسخ: نسخ کے معنی ازالہ اور نقل کے ہیں، کہا جاتا ہے **نسخت الريح الاثر**، ہوا نے نقش قدم مٹا دیا، اور **نسخت الكتاب**، میں نے کتاب کو نقل کر لیا، اور آیت کے نسخ کا مطلب یہ ہے کہ اس کی قرأت یا اس کے حکم یا دونوں کی جو انتہا حق تعالیٰ کے علم میں متعین تھی، وہ ظاہر ہو جائے، اور اس وقت وہ قرأت یا حکم یا دونوں موقوف ہو جائیں۔

نزل حكمها اما مع لفظها : حکم بھی زائل ہو اور تلاوت بھی، اس کی مثال **عشر رضعات معلومات يحرمن**، اس کی تلاوت بھی منسوخ ہے اور اس کا حکم بھی۔

اولا: یعنی حکم تو منسوخ، مگر تلاوت باقی ہو، جیسے **والذين يتوفون منكم و يذرون ازواجا و صية لازواجهم متاعاً الى الحول غير اخراج**، اس آیت سے متوفی عنہا کی مدت سال بھر کی متعین ہوتی ہے، اور شوہر کے ذمے وصیت کا وجوب معلوم ہوتا ہے، یہ دونوں حکم منسوخ ہیں، مگر تلاوت باقی ہے۔

تفسیر خازن میں ہے کہ قرآن میں نسخ تین طرح پر واقع ہے، ایک یہ کہ حکم اور تلاوت دونوں منسوخ ہوں، جیسے حضرت ابوامامۃ بن سہلؓ سے منقول ہے کہ بعض حضرات نے ایک رات قرآن پڑھنے کے دوران ایک سورہ کو پڑھنا چاہا۔ تو بسم اللہ کے علاوہ کچھ یاد نہ آسکا، صبح یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صورت حال بتائی تو آپ نے فرمایا کہ یہ سورہ اپنی تلاوت اور اپنے حکم سمیت اٹھالی گئی ہے۔ **اخرجه البغوی**، اور منقول ہے کہ سورہ احزاب، سورہ بقرہ کے مثل تھی، اس کے بعض حصے کی تلاوت اور حکم دونوں منسوخ کر دیا گیا، دوسرے وہ جس کی تلاوت تو منسوخ ہو گئی، لیکن اس کا حکم باقی ہے، جیسے آیت رجم، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ نے منبر پر بیٹھ کر ارشاد فرمایا کہ اللہ نے محمد ﷺ کو حق کیساتھ بھیجا، اور آپ کے اوپر کتاب نازل فرمائی، تو منجملہ ان چیزوں کے جو آپ پر نازل ہوئیں، آیت رجم بھی ہے، ہم نے اسے پڑھا، اسے یاد کیا، اور سمجھا، اور رسول اللہ ﷺ نے رجم کیا، اور آپ کے بعد ہم نے بھی رجم کیا، مجھے اندیشہ ہے کہ ایک لمبا عرصہ گذر جائیگا تو کوئی کہنے والا کہے گا کہ ہم اللہ کی کتاب میں رجم کو نہیں پاتے، تو اللہ نے جو فریضہ نازل فرمایا ہے اس کو ترک کر کے لوگ گمراہ ہوں گے، اور بیشک رجم اللہ کی کتاب میں حق ہے، اس شخص پر جس نے زنا کیا، احصان کے بعد خواہ مرد ہو یا عورت جب کہ بینہ قائم ہو جائے، یا حمل ہو یا اعتراف ہو (بخاری و مسلم) تیسرے یہ کہ حکم منسوخ ہو اور تلاوت باقی، اس کی قرآن میں متعدد مثالیں ہیں، مثلاً اقربین کیلئے وصیت کی آیت میراث کی وجہ سے منسوخ ہے، وغیرہ۔

و فـی قـراءۃ بضم النون :۔ایک قرأت میں باب افعال سے ہے ننسخ:اس کے معنی ہیں منسوخ کرانا مطلب یہ ہے کہ تم کو یا جبرئیل کو حکم دیتے ہیں کہ اسے منسوخ کردو۔

او ننسأها نوخرها :۔مفسر نے جس قرأت کی بنیاد پر تفسیر کی ہے، وہ نسأ سے مشتق، بمعنی موخر کرنا، مفسر نے اس کا دو مطلب لکھا ہے، ایک یہ کہ ہم اس کی تلاوت منسوخ کردیتے ہیں، اور اس کے حکم کو منسوخ نہیں کرتے، دوسرے یہ کہ ہم اسے لوح محفوظ ہی میں چھوڑے رکھتے ہیں، اس کا نزول روک لیتے ہیں۔

و فی قراءۃ بلا همزة :ایک قرأۃ میں نسیان سے باب افعال سے ہے، اس صورت میں یہ متعدی بدو مفعول ہے، مفسر نے اس کو **ننسکها** کہہ کر ظاہر کردیا ہے، کاف ضمیر مفعول اول ہے، اور **ها** مفعول ثانی۔

انفع للعباد فی السهولة :۔جیسے پہلے دس کے مقابلہ میں جہاد کے اندر ایک شخص کے جمے رہنے کا حکم تھا، پھر اسے منسوخ کرکے دو کے مقابلہ میں ایک کے جمے رہنا کا حکم دیا گیا۔**ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مائتین**، اور **الآن خفف اللہ عنکم و علم ان فیکم ضعفاً فان یکن منکم مائة صابرة یغلبوا مائتین**، ایک دشوار حکم کو منسوخ کرکے آسان حکم دیا جائے۔

او کثرۃ الاجر :جیسے ابتدا میں روزہ اور فدیہ کے درمیان اختیار تھا، بعد میں روزہ متعین کردیا گیا، **والذین یطیقونه فدیة طعام مسکین ، فمن شهد منکم الشهر فلیصمه**، اس آسان حکم کو منسوخ کرکے قدرے دشوار حکم دیا گیا ہے، لیکن اس میں اجر بہت زیادہ ہے۔

او مثلها فی التکلیف والثواب :۔جیسے بیت المقدس کا قبلہ ہونا منسوخ کیا گیا اور بیت اللہ کو قبلہ بنایا گیا۔

نزل لما سأله اهل مکة :اس شان نزول پر اشکال ہے کہ یہ سورہ تو مدنی ہے، پھر اہل مکہ سے خطاب کا کیا موقع؟ دوسرے یہ کہ سلسلہ خطاب اہل مدینہ سے ہے، پھر درمیان میں اہل مکہ کی بات لانی خلاف سیاق معلوم ہوتی ہے، اس لئے اظہر یہ ہے کہ وہ خطاب یہود ہی سے ہے، انھوں نے نبی ﷺ سے مطالبہ کیا تھا کہ آپ بھی قرآن اکٹھا اسی طرح پر لائیے۔جس طرح موسیٰ علیہ السلام توریت کو لائے تھے۔

حسداً مفعول له کائنا من عند انفسهم :۔**حسداً** یردونکم کا مفعول لہ ہے، اور **من عند انفسهم کائنا** کے متعلق ہوکر **حسداً** کی صفت ہے۔

ای قال الیهود لن یدخلها الا الیهود :۔اللہ تعالیٰ کے ارشاد **و قالوا لن یدخل الجنة الا من کان هوداً او نصاریٰ** میں دو کلاموں کی تلفیق ہے، واقعہ یہ ہے کہ مدینہ میں جب نجران کے عیسائی آئے تو یہود مدینہ سے ان کا مناظرہ ہوگیا، یہودی اپنے کو حق پر کہتے اور نصاریٰ کے دین کو ہیچ قرار دیتے اور نصاریٰ اپنے کو برحق کہتے اور یہود کے دین کو غلط قرار دیتے، اور ہر ایک نے یہی کہا کہ ہمیں جنت میں جائیں گے، تو یہودیوں نے کہا

کہ لن یدخل الجنة الا من کان ھوداً، اور نصاریٰ نے کہا لن یدخل الجنة الا من کان نصاریٰ ، اللہ نے ان دونوں کے کلام کو سمیٹ کر یوں فرمایا، وقالوا(ای الیھود والنصاریٰ) لن یدخل الجنة الا من کان ھوداً (وھذا قول الیھود) او نصاریٰ (ھذا قول النصاریٰ)اور ایسا اس وقت کہا جاتا ہے، جب بات بالکل واضح ہو جاتی ہے۔اور سامع کی فہم پر اعتماد ہوتا ہے۔

ھوداً:۔ھائد کی جمع ہے۔

محسن:۔ ای موحد:۔احسان بمعنی توحید، کیونکہ اصل احسان وہی ہے۔

﴿مضامین آیات وتفسیر﴾

زیر نظر رکوع میں سابق سلسلۂ بیان کے مطابق یہودیوں اور کفار کی بعض چھچھوری حرکتیں اور اوچھے اعتراضات ذکر کئے گئے ہیں، اور ان کی اصلاح کی گئی ہے۔

حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کو جب اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتے تو انتہائی ادب ملحوظ رکھتے ہوئے راعنا کہتے کہ حضرت: ہماری رعایت فرمائیے، اتفاق سے یہ لفظ یہودیوں کی مذھبی زبان میں گالی کا لفظ تھا، یہ ان کی دناءت کی بات ہے کہ اس سے وہ بہت خوش ہوئے، اور آپ کی خدمت میں آکر اسی لفظ سے آپ کو خطاب کرنے لگے، صحابۂ کرام سمجھتے تھے کہ یہ بھی ادب کا لحاظ رکھتے ہیں، مگر وہ اندر اندر خوش ہوتے تھے کہ خوب بیوقوف بنایا، لیکن انھیں شاید احساس نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ کو سب خبر ہے، اللہ نے اس لفظ ہی سے منع فرما دیا، اور حکم دیا کہ اس کے بجائے انظرنا کہا کرو، یعنی ہم پر نظر فرمائیے، اور ارشاد ہوا کہ ہمارے احکام کو سنو اور مانو اور نہ ماننے والوں یعنی کافروں کیلئے دردناک عذاب ہے، یہ اہل کتاب اور یہ مشرکین ان سب کو حسد ہے، یہ نہیں چاہتے کہ اہل ایمان کو اللہ کی طرف سے کوئی چیز یعنی کلام الٰہی نصیب ہو، حالانکہ یہ تو اللہ کی رحمت ہے، جس کو چاہتے ہیں، اپنی رحمت کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں، اور اللہ کا فضل وکرم بہت زبردست ہے۔

جب اور کچھ بس نہیں چلا تو یہود اور کفار یہ طعنہ دینے لگے کہ یہ اللہ کے نبی ہونے کے مدعی ہیں، اور حال یہ ہے کہ آج ایک بات کا حکم کرتے ہیں، اور کل اس سے منع کر دیتے ہیں، اگر اللہ کی طرف سے یہ کلام ہوتا تو یہ نسخ وتبدیلی نہ ہوتی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو تو ہر چیز کا علم ہے، اس کا جواب حق تعالیٰ نے عنایت فرمایا کہ جب بھی کوئی آیت منسوخ ہوتی ہے، تو اس کے عوض میں اس سے بڑھ کر یا اس کے مثل کوئی دوسری آیت عطا کی جاتی ہے، یہ تو اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ کون سا حکم کب تک کیلئے ہے، وہ اس وقت کے پورا ہونے کے بعد اسے اٹھا لیتے ہیں،، نسخ کی تفصیلات تشریحات میں گزر چکی ہیں، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں، تو کیا نسخ وتبدیل اس سے

خارج ہے، اور کیا یہ نہیں معلوم کہ آسمان وزمین کی ساری حکومت اللہ کی ملکیت میں ہے، اور خدا کے علاوہ نہ کوئی کسی کا کارساز ہے، نہ حامی و ناصر ہے کہ آتے ہوئے عذاب سے کسی کو بچالے، جب یہ ہے تو ایسے مہمل اعتراضات سے بچنا چاہئے، آخر کیا چاہتے ہو، کیا اپنے رسول سے ایسا ہی مطالبہ کرنا چاہتے ہو، جیسا مطالبہ موسیٰ (علیہ السلام) سے ان کی قوم نے کیا تھا کہ اللہ کو آنکھوں سے دکھاؤ، اس کا کلام سنواؤ، تو سن لو اس طرح کے سوالات گستاخی ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی جناب میں کفر ہیں، اور جو شخص ایمان کو ترک کر کے کفر لے گا، اور واضح آیات سے صرف نظر کر کے دوسرے مطالبات رکھے گا تو اس نے سیدھی راہ کھودی، بہت سے اہل کتاب اپنے حسد کی بنا پر چاہتے ہیں کہ تمہیں بھی کفر میں لوٹا لائیں، حالانکہ ان کے سامنے تورات کی تعلیمات کی روشنی میں حق بالکل واضح ہے، جب بغض وحسد کا یہ حال ہے تو ان سے صرف نظر کرو، اور کسی سزا کی فکر میں مت پڑو، اللہ تعالیٰ ہی کوئی حکم ان کے بارے میں نازل فرمائیں گے، اللہ کو بڑی قدرت ہے، تم لوگ تو نماز پڑھتے رہو، زکوٰۃ دیتے رہو، اور خوب سمجھ لو جو بھی نیک عمل اپنے واسطے اللہ کے دربار میں بھیج دو گے، اس کا اجر وثواب تمہیں ملے گا، اور اللہ تعالیٰ ہر کام پر نظر رکھتے ہیں، پھر ان کی فرقہ بندی دیکھو جو یہودی ہے وہ مدعی ہے کہ جنت میں صرف یہودی جائیں گے، اور جو عیسائی ہے، وہ کہتا ہے کہ صرف عیسائی جنت میں جائے گا، یہ محض ان کی جھوٹی تمنائیں ہیں، ان سے کہو کہ اگر تم سچے ہو تو کوئی دلیل لاؤ، جی نہیں، جنت میں یہود اور نصاریٰ کا کوئی کام نہیں ہے، جو بھی اللہ کا فرمانبردار ہوگا، اور وحدانیت پر قائم ہوگا، اس کیلئے اس کے رب کے پاس جنت کی صورت میں اجر ہوگا، اور ان پر کسی طرح کا خوف وحزن نہیں ہوگا۔

☆☆☆☆☆

﴿وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصَارَىٰ عَلٰى شَيْءٍ﴾ معتد به و كفرت بعيسىٰ ﴿وَقَالَتِ النَّصَارَىٰ لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ﴾ معتد به و كفرت بموسىٰ ﴿وَهُمْ﴾ اى الفريقان ﴿يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ﴾ المنزل عليهم و فى كتاب اليهود تصديق عيسىٰ و فى كتاب النصارىٰ تصديق موسىٰ والجملة حال ﴿كَذٰلِكَ﴾ كما قال هولاء ﴿قَالَ الَّذِيْنَ لَايَعْلَمُوْنَ﴾ اى المشركون من العرب و غيرهم ﴿مِثْلَ قَوْلِهِمْ﴾ بيان لمعنى ذلك اى قالوا لكل ذى دين ليسوا على شئى ﴿وَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ﴾ من امر الدين فيدخل المحق الجنة والمبطل النار ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ﴾ اى لا احد اظلم ﴿مِمَّنْ مَنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ﴾ بالصلوٰة والتسبيح ﴿وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا﴾ بالهدم او التعطيل نزلت اخباراً عن الروم الذين خربوا بيت المقدس او فى المشركين لما صدوا النبى ﷺ عام

الحديبية عن البيت ﴿اُولٰئِکَ مَاکَانَ لَهُمْ اَن يَّدْخُلُوْهَا اِلَّا خَائِفِيْنَ﴾ خبر بمعنى الامر اى اخيفوهم بالجهاد فلا يدخلها احدآ مناً ﴿لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْیٌ﴾ هو ان بالقتل والسبى والجزية ﴿وَلَهُمْ فِى الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ هو النار ونزل لما طعن اليهود فى نسخ القبلة او فى صلوة النافلة على الراحلة فى سفر حيثما توجهت ﴿وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ﴾ اى الارض كلها لانهما ناحيتاها﴿فَاَيْنَمَا تَوَلُّوْا﴾ وجوهكم فى الصلوٰة بامره ﴿فَثَمَّ﴾هناک ﴿وَجْهُ اللّٰهِ﴾ قبلته التى رضيها ﴿اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ﴾ يسع فضله كل شئى ﴿عَلِيْمٌ﴾ بتدبير خلقه ﴿وَقَالُوْا﴾ بواو و دونها اى اليهود والنصارىٰ ومن زعم ان الملائكة بنات الله ﴿اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَداً﴾ قال تعالىٰ ﴿سُبْحٰنَهٗ﴾ تنزيها له عنه ﴿بَلْ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ﴾ ملكا وخلقا و عبيدا والملكية تنافى الولادة وعبر بما تغليبًا لما لا يعقل ﴿كُلٌّ لَهٗ قَانِتُوْنَ﴾ مطيعون كل ما يراد منه و فيه تغليب العاقل ﴿بَدِيْعُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ﴾ موجدهما لا على مثال سبق ﴿وَاِذَا قَضٰى﴾ اراد ﴿اَمْراً﴾ اى ايجاده ﴿فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ اى فهو يكون و فى قراء ة بالنصب جوابا للامر ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ لَايَعْلَمُوْنَ﴾ اى كفار مكة للنبى ﷺ ﴿لَوْلَا﴾ هلا ﴿يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ﴾ انک رسوله ﴿اَوْ تَاتِيْنَا آيَةٌ﴾ مما اقترحناه على صدقک ﴿كَذٰلِکَ﴾ كماقال هٰولاء﴿قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ من كفار الامم الماضية لانبيائهم ﴿مِثْلَ قَوْلِهِمْ﴾ من التعنت و طلب الآيات ﴿تَشٰبَهَتْ قُلُوْبُهُمْ﴾ فى الكفر والعناد فيه تسلية للنبى ﷺ ﴿قَدْ بَيَّنَّا الْآيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ﴾ يعلمون انها آيات فيؤمنون بها فاقتراح آية معها تعنت ﴿اِنَّا اَرْسَلْنَاکَ﴾ يا محمد ﴿بِالْحَقِّ﴾ بالهدى ﴿بَشِيْراً﴾ من اجاب اليه بالجنة ﴿وَنَذِيْراً﴾ من لم يجب اليه بالنار ﴿وَلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ﴾ النار اى الكفار مالهم لم يؤ منوا انما عليک البلٰغ و فى قراء ة بجزم تسئل نهيا ، ﴿وَلَنْ تَرْضٰى عَنْکَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصَارٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ﴾ دينهم﴿ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ﴾ الاسلام﴿ هُوَ الْهُدٰى﴾ وما عداه ضلال﴿وَلَئِنِ﴾ لام قسم ﴿اتَّبَعْتَ اَهْوَاءَ هُمْ﴾ التى يدعونک اليها فرضا ﴿بَعْدَ الَّذِىْ جَاءَکَ مِنَ الْعِلْمِ﴾ الوحى من الله ﴿مَالَکَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَلِيٍّ﴾ يحفظک ﴿وَلَا نَصِيْرٍ﴾ يمنعک منه ﴿اَلَّذِيْنَ آتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ﴾ مبتدأ ﴿يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ﴾ اى يقرؤنه كما انزل والجملة حال وحق نصب على المصدر والخبر ﴿اُولٰئِکَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ﴾ نزلت فى جماعة قدموا من الحبشة واسلموا ﴿وَمَن يَّكْفُرْبِهٖ﴾ اى بالكتاب المؤ تى بان

یحرفه﴿ فَاُولٰئِکَ هُمُ الْخَاسِرُوْنَ﴾ لمصیرهم الی النار المؤبدة علیهم۔

﴿ تـــرجمـــہ ﴾

(اور یہود نے کہا کہ نصاریٰ کسی) معتد بہ (چیز پر نہیں ہیں) اور انھوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کفر کیا (اور نصاریٰ نے کہا کہ یہودی کسی معتد بہ (چیز پر نہیں ہیں) اور انھوں نے موسیٰ علیہ السلام کا انکار کیا (حالانکہ وہ) دونوں فریق اس (کتاب کو) جو ان پر اتری ہے (پڑھتے ہیں) اور یہود کی کتاب میں حضرت عیسیٰ کی تصدیق موجود ہے، اور نصاریٰ کی کتاب میں حضرت موسیٰ کی تصدیق موجود ہے، یہ جملہ حالیہ ہے (ایسا ہی) یعنی جیسا ان لوگوں نے کہا ایسا ہی (ان لوگوں نے بھی کہا، جو علم نہیں رکھتے) یعنی مشرکین عرب وغیرہ (انھیں کے قول کے مثل) یہ ذلک کے معنی کا بیان ہے، یعنی ہر دین والے کے متعلق انھوں نے کہا کہ وہ کسی چیز پر نہیں ہیں (پس اللہ فیصلہ کریں گے، ان کے درمیان قیامت کے دن اس بارے میں جس میں وہ اختلاف کرتے تھے) یعنی دین کے متعلق، پس اہل حق کو جنت میں اور اہل باطل کو جہنم میں داخل کریں گے (اور اس سے بڑا ظالم کون ہوگا) یعنی اس سے بڑھ کر ظالم کوئی نہیں ہے (جو اللہ کی مسجدوں میں اس بات سے روکے کہ اس میں اللہ کا نام لیا جائے) یعنی نماز اور تسبیح کے واسطے سے (اور) انھیں ڈھا کر یا معطل کر کے (انھیں ویران کرنے کی کوشش کرے) یہ آیت ان رومیوں کے متعلق نازل ہوئی جنھوں نے بیت اللہ کو برباد کیا یا مشرکین کے بارے میں اتری ہے، جب انھوں نے حدیبیہ کے سال میں نبی ﷺ کو بیت المقدس میں جانے سے روک دیا تھا (یہ لوگ وہ ہیں کہ ان میں ان کا داخلہ مناسب نہیں ہے بجز اس کے وہ خوفزدہ ہوں) یہ خبر امر کے معنی میں ہے، یعنی ان کو جہاد کے ذریعے سے خوفزدہ کر دو، وہ مسجدوں میں مطمئن اور مامون ہو کر داخل نہ ہوں (ان کے لئے دنیا میں) قتل اور قید اور جزیہ کی (رسوائی ہے اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے) وہ جہنم ہے، اور اگلی آیت اس وقت نازل ہوئی جب کہ یہود نے قبلہ کے منسوخ ہونے پر طعنہ دیا تھا۔ یا یہ کہ دوران سفر سواری پر نفل نماز پڑھنے کے بارے میں اتری ہے، وہ جدھر بھی رخ کرے، نماز نفل ہو جائے گی (اور اللہ ہی کی ملکیت میں مشرق و مغرب ہیں) یعنی پوری زمین، کیونکہ مشرق و مغرب اس کے دونوں کنارے ہیں (پس جدھر بھی) نماز میں ان کے حکم سے اپنا چہرہ (پھیر لو ادھر ہی اللہ کا رخ ہے) یعنی ان کا قبلہ ہے، جس سے وہ راضی ہیں (بیشک اللہ وسعت والے ہیں) اس کا فضل ہر شی کی وسعت رکھتا ہے، اپنی مخلوق کی تدبیر کو (جاننے والے ہیں اور انھوں نے کہا) واو کے ساتھ اور بغیر واو کے، یعنی یہود و نصاریٰ نے اور ان لوگوں نے جن کا گمان یہ ہے کہ ملائکہ اللہ کی بیٹیاں ہیں (کہ اللہ نے اولاد بنا لیا ہے) اللہ تعالیٰ نے فرمایا (وہ) اس سے (پاک ہیں بلکہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب) ملکیت اور خلقت اور بندہ ہونے کے اعتبار سے (انھیں کیلئے ہیں) اور ملکیت ولادت کے منافی ہے، اور ما سے تعبیر کرنا غیر عاقل کی

تغلیب کے طور پر ہے (ہر ایک ان کا فرمانبردار ہے) جس کام کا ان سے ارادہ کیا گیا، اس کی اطاعت کرنے والے ہیں اوراس میں عاقل کی تغلیب ہے (آسمان وزمین کو) بغیر سابق نمونہ کے (پیدا کرنے والے ہیں، اور جب کسی کام کا ارادہ کرتے ہیں) یعنی اس کے وجود میں لانے کا (تو صرف یہ کہتے ہیں کہ ہو جا پس ہو جاتی ہے) یعنی وہ چیز ہو جاتی ہے، اورایک قرأت میں فیکون کے نصب کے ساتھ ہے، امر کا جواب ہے (اور وہ لوگ جو علم نہیں رکھتے) یعنی کفار مکہ (انھوں نے) نبی ﷺ سے (کہا کہ اللہ تعالیٰ ہم سے کیوں نہیں بات کرتے) کہ آپ اللہ کے رسول ہیں (یا آپ ہمارے پاس کوئی) ایسی (نشانی کیوں نہیں لاتے) جو آپ کی صداقت کے سلسلے میں ہم تجویز کرتے ہیں (ایسے ہی) یعنی جیسے ان لوگوں نے کہا اسی طرح (ان لوگوں نے بھی کہا جو ان سے پہلے) گذشتہ امتوں کے کفار (تھے) اپنے انبیاء سے (انھیں جیسی بات کہی) یعنی طلب آیات اور زیادتی کی بات (ان کے قلوب) کفر اور عناد میں (باہم مماثل ہیں) اس میں نبی ﷺ کیلئے تسلی ہے (بلاشبہ ہم نے یقین رکھنے والوں کیلئے آیات بیان کر دی ہیں) وہ جانتے ہیں کہ یہ آیات ہیں، ان پر ایمان لاتے ہیں، ان کے ہوتے ہوئے دوسری کسی نشانی کا مطالبہ کرنا تعنت ہے، اے محمد! (ہم نے تم کو حق) وہدایت (کے ساتھ بھیجا ہے کہ تم) اس شخص کو جو اسے قبول کرے جنت کی (بشارت دینے والے ہو اور) جو اسے نہ مانے اسے جہنم سے (ڈرانے والے ہو، اور تم سے اہل جہنم کے بارے میں پوچھ نہیں ہوگی) یعنی کفار کے متعلق نہیں پوچھا جائیگا کہ وہ ایمان کیوں نہیں لائے، تمہارے ذمے تو صرف پیغام کا پہونچا دینا ہے، اور ایک قرأۃ میں تسئل جزم کے ساتھ، نہی کا صیغہ ہے (اور تم سے اس وقت تک نہ یہود راضی ہوں گے اور نہ نصاریٰ، جب تک تم ان کی ملت کی پیروی نہ کرو گے) یعنی ان کے دین کی (تم کہدو کہ بے شک اللہ کی ہدایت) یعنی اسلام (ہی ہدایت) اور اس کے ماسوا گمراہی ہے (اور اگر بالفرض (تم ان کی) ان (خواہشات کی پیروی کرو گے) جن کی طرف وہ تمہیں دعوت دیتے ہیں، لام قسم کی ہے (بعد اس کے کہ تمہارے پاس) اللہ کی طرف سے (علم) یعنی وحی کے ذریعہ علم (آچکا ہے، تو تمہارے لئے اللہ کے مقابلے میں کوئی دوست نہیں ہوگا) جو تمہاری حفاظت کر سکے (اور نہ کوئی مددگار رہوگا) جو تمہیں اس سے بچا سکے (وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب دی) مبتدا ہے درانحالیکہ وہ اس کی تلاوت کا حق ادا کرتے ہیں) یعنی جس طرح وہ اتاری گئی ہے، ٹھیک اس کے مطابق پڑھتے ہیں، اور جملہ حالیہ ہے، اور حق کا نصب مصدر ہونے یعنی مفعول مطلق ہونے کے باعث ہے، آگے خبر ہے (یہی لوگ اس پر ایمان رکھتے ہیں) یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے، جو حبشہ سے آئے تھے، اور مسلمان ہو گئے تھے (اور جو اس کا) یعنی اس کتاب کا جو انھیں دی گئی ہے (انکار کریں) یعنی اس میں تحریف کریں (تو یہی لوگ خسارہ میں ہیں) کیونکہ وہ اس آگ میں پہونچیں گے، جو ان کے اوپر ہمیشہ قائم رہے گی۔

﴿تشریحات﴾

معتدبه : . **علی شئی** میں **شئی** سے مراد دین ہے، اور اس کی صفت محذوف ہے، مطلق دین کی نفی مراد نہیں، بلکہ کہنے کا حاصل یہ ہے کہ کسی قابل التفات دین پر نہیں ہیں.

کــذلک : کاف محل نصب میں ہے، صفت ہے مصدر محذوف کی، اسے اس کے عامل پر بقصد حصر مقدم کیا گیا ہے، یعنی **قولا مثل ذالک القول بعینه لا قولا مغایراً له**، اس میں عامل قال ہے جو اس کے بعد ہے۔

ای لا احد اظلم : . من اظلم میں استفہام انکاری ہے، اس لئے اس کی تفسیر میں **لا احد اظلم** کہا۔

بـالهدم او التعطیل : مسجد کی ویرانی دو طرح سے ہے، ایک یہ کہ مسجد کی عمارت کو منہدم کر دیا جائے، دوسرے یہ کہ اس میں نماز پڑھنے والوں کو داخل نہ ہونے دیا جائے اور جس مقصد کیلئے وہ تعمیر ہوئی ہے، اس کام سے روکا جائے، چنانچہ رومیوں نے بیت المقدس کے متعدد حصوں کو منہدم کر دیا تھا، اور کفار مکہ نے رسول اللہ ﷺ کو اور آپ کے صحابہ کو بیت اللہ شریف میں جانے سے روک دیا تھا۔

خبر بمعنی الامر : . **اولٰئک ما کان لهم ان یدخلوها الا خائفین** ، یہ جملہ خبریہ ہے، مگر معنی میں جملہ انشائیہ کے ہے، یعنی اس میں امر کا معنی ہے، مطلب یہ ہے کہ انھیں جہاد و قتل سے اتنا خوفزدہ کر دو کہ وہ کسی مسجد میں مطمئن ہو کر داخل نہ ہوں، روکنا تو در کنار، بلکہ ڈرتے ہوئے آئیں .

هو ان بالقتل: یہ دنیا کی ذلت کا بیان ہے کہ قتل ہوں، گرفتار ہوں، جزیہ دے کر زندہ رہنے کا حق حاصل کریں۔

او فی صلاة النافلة : نفل نماز شہر کے باہر اگر سواری پر پڑھی جائے تو جائز ہے، خواہ جانور کا رخ کسی طرف ہو.

ای الارض کـلهـا : . مشرق و مغرب زمین کے دو کنارے ہیں، ان دونوں کی ملکیت جب خدا کو ہے تو پوری زمین کی ملکیت خدا کو حاصل ہے.

بواو : . **قـالو ا** سے پہلے ایک قرات میں واو عطف ہے، اس کا معطوف علیہ **و مـن اظلم** الخ کا مضمون ہے، اور ایک قرأت میں بغیر واو کے ہے.

ای الیهـود والـنصاریٰ : ، یہود کا خیال تھا کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں، نصاریٰ کا خیال تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے تھے، اور مشرکین کا گمان تھا کہ ملائکہ اللہ کی بیٹیاں ہیں ۔

والـملکیة تنافی الولادة : مالک ہونا اولاد ہونے کے منافی ہے، یعنی باپ اپنے بیٹے کا مالک نہیں ہوسکتا، حالانکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا مالک ہے، پس اس کا کوئی بیٹا نہیں ہوسکتا، ورنہ اس پر ملکیت ثابت نہ ہوگی.

عبر بـما تغلیبا لما یعقل : . **تغلیب** عربیت کی ایک اصطلاح ہے، جہاں ایک سیاق میں مذکر و مونث، یا

عاقل وغیر عاقل دونوں کیلئے ایک صیغہ استعمال ہوتا ہے، اور دوسرے کو اس کے تابع کر دیا جاتا ہے، **بل له ما فی السمٰوات والارض** میں **ما** کا استعمال ہوا ہے، یہ لفظ غیر عاقل کیلئے استعمال ہوتا ہے، اور عاقل کیلئے من کا کلمہ بولا جاتا ہے، اور ظاہر ہے کہ آسمان وزمین میں صرف غیر عاقل ہی نہیں ہیں، عقلاء بھی ہیں، اور وہ بھی اللہ کی ملکیت میں ہیں، تو یہاں عاقل کو غیر عاقل کے تابع کر کے ما استعمال ہوا ہے، اور اس کے بعد **کل له قانتون** میں عاقل کی تغلیب ہے، کیونکہ قانتون جمع مذکر سالم کا صیغہ ہے، جو عقلاء کے لئے مختص ہے.

مطیعون کل بما یرادمنه :. ہر شئے جس مقصد کیلئے پیدا ہوئی ہے، اس مقصد کے پورا کرنے میں وہ اللہ تعالیٰ کی مطیع ہے.

واذا قضی اراد :. **قضی** کی تفسیر میں **اراد** کا لفظ لا کر **قضا** کا معنی متعین کیا ہے، **قضی** کا بنیادی معنی پورا کرنے اور ختم کرنے کیلئے آتا ہے، اس کی رعایت سے اس کے متعدد معانی ہو جاتے ہیں ، **قضی** بمعنی **خلق** ہوتا ہے، جیسے **فقضاهن سبع سمٰوات** بمعنی **اعلم** ہوتا ہے، **وقضینا الی بنی اسرائیل** بمعنی امر آتا ہے، جیسے **وقضی ربک ان لا تعبدوا الا ایاه** ، **بمعنی** وفیٰ آتا ہے، **فلما قضی موسی الاجل** ، **بمعنی** اُلزِمَ آتا ہے جیسے **قضی القاضی بکذا** اور اراد آتا ہے جیسے **واذا قضی امراً** اور **بمعنی قدر** و **امضی** آتا ہے، جیسے **یقضی قضاء** یہاں بمعنی **اراد** ہے.

ای ایجاده : **اراده** کا تعلق فعل سے ہوتا ہے، کسی شے سے نہیں، اس لئے **امراً** کی تفسیر میں **ایجاده** فرمایا.

ای فهو یکون :. **کن فیکون** میں **فیکون** رفع کے ساتھ مبتدا محذوف **هو** کی خبر ہے، یہ مستقل جملہ ہے.

وفی قراءة بالنصب جوابا للامر :. ایک قرأت میں **فیکون** منصوب ہے، اس صورت میں یہ کن فعل امر کا جواب ہے، اس سے پہلے ان مقدر ہوگا.

لولا هلا :. یہ لولا بمعنی هلا حرف تحضیض ہے.

الجحیم :. شدت کے ساتھ بھڑکنے والی آگ

وفی قرأة لا تسأل نهیاً :. ایک قرأت میں یہ فعل نہی ہے معروف ہے، یعنی ان کا حال آخرت میں کیا ہوگا مت پوچھئے۔

مالک من الله من ولی ولا نصیر :. یہ قسم کا جواب ہے، اور شرط کی جزا محذوف ہے، قاعدہ یہ ہے کہ قسم اور شرط جمع ہو جاتی ہے، تو موخر کا جواب محذوف ہوتا ہے۔

یقرؤونه کما انزل :. حق تلاوت کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح سے کتاب اتری ہے بغیر کسی ترمیم وتحریف کے پڑھتے ہیں ۔

﴿مضامین آیات وتفسیر﴾

اس رکوع میں اللہ تعالیٰ نے یہود ونصاریٰ اور مشرکین کی باہمی کشمکش اور ان کی غلطی کو بیان فرمایا ہے، فرماتے ہیں کہ یہود اس کے مدعی ہیں کہ وہی برحق ہیں، نصاریٰ کا دین معتبر نہیں، نصاریٰ کہتے ہیں کہ وہ حق پر ہیں، یہود کچھ نہیں ہیں، حالانکہ دونوں فرقے اہل کتاب ہیں، اور کتاب الٰہی میں ہر چیز مفصل مذکور ہے، خیر یہ تو پڑھے لکھے ہیں، ان بے علم مشرکین کو دیکھو، یہ دونوں کو للکارتے ہیں کہ تم لوگوں کا دین کچھ نہیں ہے، غرض ہر فرقہ، دوسرے کو باطل قرار دیتا ہے، اب اس کا فیصلہ تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہی کریں گے کہ کون حق پر ہے اور کون باطل پر ہے، جو جنت میں گیا، سمجھو کہ وہ برسر حق تھا، اور جس کیلئے جہنم کا فیصلہ ہوا، وہ اہل باطل میں سے تھا، اور دنیا میں ہی ان کا حق و باطل ہونا دیکھنا ہو، تو دیکھو کہ مسجدیں جو اللہ کا نام لینے ہی کیلئے تعمیر کی گئی ہیں، اگر کوئی شخص ان میں اللہ کا نام لینے سے، نماز پڑھنے سے، تسبیح پڑھنے سے رکاوٹ ڈالے، خواہ انھیں منہدم کرے، خواہ ان میں نماز پڑھنے والوں کو آنے سے روکے، جیسا کہ رومی عیسائیوں نے بیت المقدس کے ساتھ انہدام کا سلوک کیا، اور کفار مکہ نے بیت اللہ شریف میں نبی ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو آنے سے روکا، بھلا اس سے زیادہ ظلم اور کیا ہو سکتا ہے، اور ایسے ظالم کیا حق پر ہوں گے؟ انھیں تو مسجدوں میں داخلہ کا حق ہی نہیں، بجز اس کے کہ لرزاں و ترساں داخل ہوں، یعنی جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعے انھیں اتنا خوفزدہ کر دینا چاہئے کہ مسجدوں سے روکنا تو درکنار، ان میں بلا خوف وخطر داخل بھی نہ ہوسکیں۔ یہ دنیا میں بھی رسوا ہوں گے، اور آخرت میں بھی عذاب عظیم میں گرفتار ہوں گے۔

انھیں اعتراض ہے کہ قبلہ میں تبدیلی کیوں کی گئی.........تحویل قبلہ کا مفصل ذکر آگے آرہا ہے.......... یا یہ کہتے ہیں کہ جب قبلہ متعین ہوگیا، تو سفر میں سواری پر نفل ہی سہی نماز کیسے ہوجائے گی، جب کہ وہ ادھر ادھر رخ کرتی رہتی ہے، اس پر حق تعالیٰ نے فرمایا کہ مشرق ومغرب سب کے مالک اللہ ہی ہیں، اس لئے جس طرف بھی نماز میں ان کے حکم سے رخ کیا جائے گا، وہی قبلہ ہوگا، اصل تو ان کا حکم ہی ہے، اللہ تعالیٰ کا فضل بہت وسیع ہے، وہ اپنی مخلوق کی تدبیرات سے خوب واقف ہیں۔

یہ اپنے حق پر ہونے کے مدعی ہیں، اور حال یہ ہے کہ یہ تینوں گروہ اللہ کیلئے بیٹا بیٹی ثابت کرتے ہیں، حالانکہ اللہ کی ذات اس سے پاک اور برتر ہے، اس افتراء کے ہوتے ہوئے یہ کتنے حق پر ہیں، ظاہر ہے خدا کے اولاد کیا ہوتی، وہ تو زمین وآسمان جو کچھ بھی ہے سب کے مالک وخالق اور مولیٰ ہیں، سب ان کے مملوک ومخلوق اور غلام ہیں، کیا بیٹا بھی ملکیت میں داخل ہوسکتا ہے؟ ہرگز نہیں، وہ تو بڑے صاحب قدرت ہیں، آسمان وزمین سب کو بغیر کسی نمونے کے پیدا کیا ہے، اور جب کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو بس صرف اتنا کہتے ہیں

کہ ہو جا، اور وہ چیز ہو جاتی ہے، انھیں نہ اسباب مہیا کرنے ہیں، نہ انھیں ترکیب دینی ہے۔

یہ بے علم اور جاہل کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سے دو بدو گفتگو کر کے کیوں نہیں بتا دیتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، یا ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ جو نشانیاں اور معجزات ہم کہتے ہیں، انھیں آپ دکھا دیتے۔ اس طرح کی بات پچھلے لوگوں نے بھی اپنے انبیاء سے کہی تھی، اور ان سے زبردستی معجزات کا مطالبہ کیا تھا، اگلے اور پچھلے گمراہوں کے قلوب میں کتنی یکسانیت ہے، صاف بات یہ ہے کہ اگر کسی کو یقین ہو تو ہم آیات و معجزات سب واضح کر سکتے ہیں، اب کوئی چیز باقی نہیں ہے، اتنے کے ہوتے ہوئے مزید معجزات کی طلبگاری محض عناد و سرکشی ہے، ہم نے تم کو اے پیغمبر حق و صداقت عنایت کر کے بھیجا ہے، تمہارا منصب یہ ہے کہ جو ایمان لائے، اسے جنت کی بشارت دو اور جو نہ مانے اسے جہنم کا خوف دلاؤ، اس کے آگے اس کی فکر میں نہ پڑو کہ ان کی طلب کردہ آیات ظاہر کر دی جائیں کہ شاید یہ مسلمان ہو جائیں، اگر کوئی جہنم میں جائیگا تو تم سے اس کی پوچھ نہ ہوگی، کہ جہنم میں کیوں گیا، تمہاری ذمہ داری تو پیغام کے پہونچانے کی ہے، اور اگر تم یہ سوچتے ہو کہ یہود و نصاریٰ تم سے خوش اور راضی رہیں تو ان کی طبیعتوں میں اس درجہ کجی اور فساد ہے کہ جب تک ان کی ملت کی پیروی نہ کرو گے، یہ ہرگز راضی نہ ہوں گے، اور ظاہر ہے کہ ایسا ہونا ممکن نہیں ہے، کیونکہ اللہ نے جو ہدایت تمہارے پاس بھیجی ہے، یعنی دین اسلام، ہدایت تو بس وہی ہے، اس کے علاوہ سب گمراہی ہے، تو گویا اگر تم گمراہ ہو جاؤ تو یہ خوش ہوں گے، اسی سے یہ اپنے دین کی حقیقت معلوم کر لیں، اور اگر تم بالفرض ان کی خواہشات کی پیروی کر لو، اور واقعی ان کا دین ان کی تحریفات کے بعد کوئی دین تو رہا نہیں، بس ان کی خواہشات کا مجموعہ ہے، تو تمہارے پاس سچا علم بذریعہ وحی آچکا ہے، اگر اس کے بعد بفرض محال تم نے ان کی خواہشات کا اتباع کر لیا تو سمجھ لو کہ تمہیں کوئی ایسا دوست نہ ملے گا جو تمہیں اللہ کی گرفت سے اپنی حفاظت میں لے لے، اور نہ کوئی ایسا حامی و ناصر ملے گا، جو اللہ کے عذاب سے تمہیں بچا لے، ہاں جو لوگ ایسے ہیں کہ انھیں کتاب ملی، اور جیسی ملی ویسی ہی وہ پڑھتے ہیں، اس میں ذرا بھی تغیر و تبدل نہیں کرتے، یہ لوگ واقعی ایسے ہیں جو کتاب پر ایمان رکھتے ہیں، اس میں حبشہ کے ان لوگوں کی طرف اشارہ ہے جو حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے ساتھ حبشہ سے مدینہ آئے تھے اور انھوں نے اسلام قبول کر لیا تھا، اور جو لوگ کتاب اللہ کے حق میں کفر کی راہ اختیار کریں گے اور اس میں تحریف و ترمیم کریں گے، سراسر خسارہ میں پڑیں گے۔

☆☆☆☆☆

﴿ يٰبَنِيْ اِسْرَائِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَ اَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِيْنَ ﴾ تقدم مثله ﴿وَاتَّقُوْا﴾ خافوا ﴿يَوْماً لَا تَجْزِيْ﴾ تغني ﴿نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ﴾ فيه ﴿شَيْئاً وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ﴾ فداء ﴿وَلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ﴾ يمنعون من عذاب الله ﴿وَ﴾ اذكر

﴿اِذِ ابْتَلٰى﴾ اختبر ﴿اِبْرَاهِيْمَ﴾ و فى قراء ة ابراهام﴿ رَبُّهُ بِكَلِمٰتٍ﴾ باوامرو نواه كلفه بها قيل هى مناسک الحج و قيل المضمضة والاستنشاق والسواک وقص الشارب و فرق الراس وقلم الاظفار و نتف الابط وحلق العانة والختان والاستنجاء ﴿فَاَتَمَّهُنَّ﴾اداهن تامّات﴿ قَالَ﴾ تعالىٰ له ﴿اِنِّىْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَاماً﴾ قدوة فى الدين ﴿قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَتِىْ﴾ اولادى اجعل ائمة ﴿قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِىَ﴾ بالامامة ﴿ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ الكٰفرين منهم دل على انه يناله غير الظالم ﴿وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ﴾ الكعبة﴿ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ﴾ مرجعا يثوبون اليه من كل جانب ﴿ وَاَمْناً﴾ ماموناً لهم من الظلم والاغارات الواقعة فى غيره كان الرجل يلقى قاتل ابيه فيه فلا يهيجه ﴿وَاتَّخِذُوْا﴾ ايها الناس ﴿مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ﴾ هو الحجر الذى قام عليه عند بناء البيت﴿ مُصَلًّى﴾ مكان صلوٰة بان تصلوا خلفه ركعتى الطواف و فى قراء ة بفتح الخاء خبر ﴿وَ عَهِدْنَا اِلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ﴾ امرناهما﴿ اَنْ﴾ اى بِأَنْ ﴿طَهِّرَا بَيْتِىَ﴾ من الاوثان ﴿لِلطَّائِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ﴾ المقيمين فيه ﴿وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ﴾ جمع راكع و ساجد المصلين، ﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا﴾ المكان ﴿بَلَداً آمِناً﴾ ذا امن و قد اجاب الله دعاء ه فجعله حر ما لا يسفک فيه دم انسان ولا يظلم فيه احد ولا يصاد صيده ولا يختلى خلاه ﴿وَارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرَاتِ﴾ و قد فعل بنقل الطائف من الشام وكان اقفر لازرع به ولا ماء﴿ مَنْ آمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ ، بدل من اهله و خصهم بالدعاء لهم موافقة لقوله لا ينال عهدى الظالمين ﴿ قال﴾ تعالىٰ﴿ وَ﴾ارزق ﴿مَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهُ﴾ بالتشديد والتخفيف فى الدنيا بالرزق ﴿قَلِيْلاً ﴾مدة حياته ﴿ثُمَّ اَضْطَرُّهٗ﴾ الجئه فى الآخرة الى عذاب النار فلا يجد عنها محيصا﴿ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ﴾ المرجع هى﴿ و﴾اذكر ﴿اِذْ يَرْفَعُ اِبْرَاهِيْمُ الْقَوَاعِدَ﴾ الاسس او الجدر ﴿مِنَ الْبَيْتِ﴾ يبنيه متعلق بيرفع ﴿وَاِسْمٰعِيْلُ﴾ عطف على ابراهيم يقولان ﴿رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا﴾ بناء نا﴿ اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِيْعُ﴾ للقول﴿ الْعَلِيْمُ﴾ بالفعل ﴿رَبَّنَاوَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ﴾ منقادين﴿ لَکَ وَ﴾اجعل ﴿مِنْ ذُرِّيَّتِنَا﴾ اولادنا ﴿اُمَّةً ﴾جماعة ﴿مُسْلِمَةً لَّکَ﴾ ومن للتبعيض واتىٰ به لتقدم قوله لا ينال عهدى الظالمين ﴿وَاَرِنَا﴾علمنا ﴿مَنَاسِكَنَا﴾ شرائع عبادتنا اوحجنا ﴿وَ تُبْ عَلَيْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ﴾ سالاه التوبة مع عصمتهما تواضعا وتعليما لذريتهما ﴿ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ﴾ اى اهل البيت ﴿رَسُوْلًا مِّنْهُمْ﴾ من انفسهم وقد اجاب ا لله دعاء ه بمحمد صلعم ﴿ يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ آيٰتِکَ﴾ القرآن

﴿وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ﴾ القرآن ﴿وَالْحِكْمَةَ﴾ ما فيه من الاحكام ﴿وَيُزَكِّيهِمْ﴾ يطهرهم من الشرك ﴿اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ﴾ الغالب ﴿الْحَكِيْمُ﴾ فی صنعه۔

﴿ تـــرجمـــہ ﴾

(اے اسرائیل کی اولاد، میرے احسان کو یاد کرو، جو میں نے تم پر کیا ہے، اور اس بات کو کہ میں نے تم کو سارے جہان پر فضیلت دی تھی) اس جیسی آیت گزر چکی ہے (اور اس دن سے ڈرو جس دن کوئی نفس دوسرے کے حق میں کچھ کام نہیں آئیگا اور نہ اس سے فدیہ قبول کیا جائے گا، اور نہ اسے کوئی سفارش نفع دیگی۔ اور نہ ان کی مدد کی جائیگی) یعنی نہ انھیں اللہ کے عذاب سے بچایا جائے گا، (اور) یاد کرو اس وقت کو (جب کہ ابراہیم کو ان کے رب نے آزمایا) اور ایک قرأت میں ابراھام ہے (چند باتوں میں) یعنی چند اوامر ونواہی میں، جن کا انھیں مکلّف بنایا، کہا گیا ہے کہ وہ مناسک حج تھے، اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ وہ کلی کرنا، ناک میں پانی ڈال کر اسے صاف کرنا، مسواک کرنا، مونچھوں کو کتروانا، سر میں مانگ نکالنا، ناخنوں کو کاٹنا، موئے بغل کو اکھاڑنا، زیر ناف کو صاف کرنا، ختنہ کرنا اور استنجا کرنا ہے (پس انھوں نے انھیں پورا کیا) یعنی پورے طور سے انھیں ادا کیا، اللہ تعالیٰ نے ان سے (فرمایا بے شک میں تمہیں) دین میں (لوگوں کا پیشوا بناؤں گا، عرض کیا اور میری اولاد میں بھی) پیشوا بنائیے (فرمایا) امامت کا (میرا وعدہ ظالموں کو) یعنی ان میں سے کافروں کو (نہیں حاصل ہوگا) اس سے معلوم ہوا کہ یہ وعدہ غیر ظالم کو حاصل ہوسکتا ہے (اور جب ہم نے بیت کو) یعنی کعبہ کو (لوگوں کیلئے لوٹ لوٹ کر آنے کی جگہ اور امن کی جگہ بنایا) یعنی ایسا مرکز بنایا، جہاں لوگ بار بار آتے ہیں، ظلم وغارت گری سے جو دوسری جگہوں پر ہوتی رہتی ہے، پناہ کی جگہ بنایا کہ وہاں آدمی اپنے باپ کے قاتل کو پاتا ہے، لیکن اسے نہیں چھیڑتا (اور) اے لوگو (مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بنالو) یہ وہ پتھر ہے، جس پر بیت اللہ کی تعمیر کے وقت ابراہیم علیہ السلام کھڑے ہوتے تھے، اس کے پیچھے طواف کی دو رکعتیں پڑھو، اور ایک قرأت میں واتخذوا ماضی کا صیغہ ہے، جملہ خبریہ ہے، (اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل سے وعدہ لیا) یعنی ان دونوں کو حکم دیا کہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں اور رکوع سجدہ کرنے والوں کیلئے) بتوں سے (پاک رکھو) رکع، راکع کی جمع ہے، اور **سجد ساجد** کی مراد نماز پڑھنے والے ہیں) اور جب کہا ابراہیم نے اے میرے رب اس) جگہ کو (امن والا شہر بنایئے) اور اللہ نے ان کی دعا قبول فرمالی، چنانچہ اس کو حرم قرار دیا، جس میں کسی انسان کا خون نہیں کیا جاسکتا، نہ اس میں کسی پر ظلم کیا جاسکتا، نہ اس کا شکار مارا جاسکتا، اور نہ اس کی گھاس کاٹی جاسکتی (اور یہاں کے رہنے والوں کو پھلوں کا رزق عنایت فرمایئے) چنانچہ اللہ نے یہ بھی کر دیا، ملک شام سے طائف کو یہاں منتقل کر دیا، جب کہ وہ بے آب وگیاہ جگہ تھی (اس شخص کو جو ان میں سے اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لائے) یہ اھلہ سے بدل ہے،

اوردعا میں ان کی تخصیص اس لئے کی کہ حق تعالیٰ کے ارشاد لا ینال عھدی الظالمین کی موافقت ہوجائے، اللہ تعالیٰ نے (فرمایا اوراس شخص کو بھی) میں روزی دوں گا (جو کفر کرے گا، پس اسے میں) دنیا میں روزی کا (فائدہ ،ایک مدت قلیلہ تک) یعنی زندگی بھر (پہونچاؤں گا) امتعه تشدید اور تخفیف کے ساتھ ہے۔ (پھر) آخرت میں (جہنم کے عذاب کی جانب اسے کھینچوں گا) اور وہ اس سے نجات کی کوئی شکل نہیں پائے گا (اور برا ٹھکانہ ہے) وہ (اور) یاد کرو (جب گھر کی بنیادوں کو) یا دیواروں کو (ابراہیم اور اسمٰعیل بلند کررہے تھے) یعنی تعمیر کررہے تھے، من البیت، یرفع سے متعلق ہے، وہ دونوں کہہ رہے تھے (اے ہمارے رب ہم سے) ہماری تعمیر کو (قبول فرما لیجئے، بلاشبہ آپ) باتوں کو (سننے والے اور) کاموں کو (جاننے والے ہیں، اے ہمارے رب ہم کو اپنا فرمانبردار بنالیجئے، اور ہماری اولاد میں سے بھی اپنی فرمانبردار ایک امت) بنالیجئے، من تبعیض کے لئے ہے، اور اسے اس لئے لائے کہ پہلے حق تعالیٰ ان سے ارشاد فرما چکے تھے کہ لاینال عھدی الظالمین (اور ہم کو ہمارے مناسک) یعنی عبادت کے یا حج کے ارکان وطرق (سکھایئے، اور ہم پر توبہ قبول کرکے عنایت فرمایئے، بلاشبہ آپ توبہ قبول فرمانے والے رحم وکرم کرنے والے ہیں) ان دونوں حضرات نے اللہ تعالیٰ سے توبہ کی درخواست باوجود یکہ معصوم ہیں، تواضع کی وجہ سے، اور اپنی اولاد کو تعلیم دینے کے واسطے کی، (اے ہمارے رب اور ان میں) یعنی بیت اللہ کے باشندوں میں (انھیں میں سے ایک رسول بھیجئے) اور اللہ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور محمد ﷺ کو بھیجا (جو انھیں آپ کی آیات پڑھ کر سنائے) یعنی قرآن اور انھیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے) یعنی قرآن کی اور جو کچھ اس میں احکام ہیں (اور انھیں) شرک سے (پاک کرے، بیشک آپ غلبہ والے) اپنے کام میں (حکمت والے ہیں)

﴿تشریحات﴾

باوامر ونواہ:. حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش جن باتوں میں ہوئی، وہ باتیں کیا تھیں، مفسرین کے اس میں مختلف قول ہیں، مفسر نے فرمایا وہ چند اوامر ونواہی تھے، یہ قول مجمل ہے، اس کی تفصیل میں ایک قول نقل کیا ہے کہ وہ حج کے ارکان ہیں، دوسرا قول یہ ہے کہ وہ دس چیزیں ہیں جنھیں حدیث میں خصال فطرت سے تعبیر کیا گیا ہے، وہ دس یہ ہیں (۱) کلی کرنا (۲) ناک میں پانی ڈال کر اسے صاف کرنا (۳) مسواک کرنا (۴) مونچھوں کا کتروانا (۵) سر میں مانگ نکالنا (۶) ناخنوں کو کاٹنا (۷) بغل کے بال اکھیڑنا (۸) زیر ناف کو صاف کرنا (۹) ختنہ کرنا (۱۰) استنجاء کرنا۔

ایک قول اور بھی ہے، اسے حضرت مفسر نے نقل نہیں کیا ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا پہلا امتحان ستاروں، چاند اور سورج کے بارے میں لیا، انھوں نے اچھی طرح غور کیا، اور صحیح راہ تلاش کی، اس کا تذکرہ

ساتویں پارے میں ہے، دوسرا امتحان آگ میں ڈالے جانے کے ذریعے ہوا، اس پر انھوں نے صبر کیا، تیسرا امتحان بڑی عمر میں ختنہ کا حکم دے کر ہوا، چوتھا امتحان بیٹے کے ذبح کرنے کا ہوا، پانچواں امتحان ہجرت کے حکم کا ہوا، ان سب پر وہ قائم رہے، اس قول میں یہی پانچ چیزیں مذکور ہیں، لیکن یہ بطور حصر کے نہیں ہیں، بلکہ بطور مثال کے ہیں، اس میں یہ بھی شامل ہے کہ بڑھاپے میں اولاد ہوئی تو حکم ہوا کہ اس کو بھی اور اس کی ماں کو بھی اپنے سے دور ایک بے آب و گیاہ وادی میں جہاں کوئی آبادی نہیں ڈال آؤ، چنانچہ وہ بے تکلف وہاں پہونچا آئے، یہ سب کام مشکل ترین کام تھے، مگر ابراہیم علیہ السلام ان سب میں پورے اترے۔

قدوة فی الدین :۔ دین میں پیشوا، چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد جتنے انبیاء آئے سب ان کی اولاد میں آئے اور سب کو حکم تھا کہ ملت ابراہیم کی پیروی کریں۔

لا ینال عهدی الظالمین : عہد کی تفسیر مفسر نے وعدۂ امامت سے کی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو امام ہی بنانے کا وعدہ کیا تھا، یہ امامت کیا ہے؟ بجز نبوت کے اور کیا ہو سکتی ہے؟ اسی لئے دوسرے حضرات نے اس کی تفسیر میں نبوت ارشاد فرمایا ہے، دونوں کا حاصل ایک ہی ہے، اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میرا یہ وعدۂ امامت ونبوت، ظالموں کو نہیں ملے گا، ظالم کی تفسیر مفسر نے کافر سے کی ہے، اور واقعی ظالم کا فرد کامل، کافر ہی ہے، لیکن یہ ظلم کا آخری مرتبہ ہے۔ ظلم کہتے ہیں **وضع الشئی فی غیر محله** کو، یعنی بے محل کوئی کام کرنا، اس کے درجات بہت ہیں، اس کا ادنیٰ درجہ گناہ صغیرہ ہے، اس آیت میں ظالم سے نبوت وامامت کی نفی کی گئی ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ جس میں ظلم کا کوئی درجہ بھی موجود ہوگا، وہ نبوت سے سرفراز نہ ہوگا، معلوم ہوا کہ نبی وہ ہوگا، جس میں گناہ صغیرہ بھی نہ ہو، اس آیت سے عصمت انبیاء کا ثبوت ملتا ہے، چنانچہ مفسر نے فرمایا کہ **دل علی انه یناله غیر الظالم**، نبوت کو غیر ظالم پا سکتا ہے۔

مثابة : اصل میں مثوبة ہے، واو کی حرکت ماقبل کو دے کر واو کو الف سے بدل دیا، یہ اسم مصدر ہے، یا اسم ظرف، دونوں قول ہے، تاء کو بعض لوگوں نے تاء تانیث قرار دیا ہے، اور بعض لوگوں نے تاء مبالغہ، بار بار لوٹ کے آنے کی جگہ، مرکز

مامناً لهم من الظلم :۔ عرب میں قتل وغارت گری کا بازار گرم رہتا تھا، مگر حرم کے احترام میں وہاں نہ لوٹ مار ہوتی تھی، نہ کوئی حملہ آور ہوتا، حتی کہ حرم میں کوئی شخص اپنے باپ کے قاتل کو بھی دیکھتا تھا تو صرف نظر کر لیتا تھا، وہاں کچھ چھیڑ چھاڑ نہ کرتا تھا۔

مقام ابراهیم :۔ مقام ابراہیم جنت کا ایک پتھر ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام جب خانہ کعبہ کی تعمیر کر رہے تھے اور دیواریں اونچی ہوگئیں تو انھوں نے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے فرمایا کہ کوئی ہلکا پتھر اٹھا لاؤ، وہ یہی پتھر

لائے، اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کھڑے ہوئے تو اس کا سینہ نرم ہو گیا، اور اس میں ان کے قدم کا نشان پڑ گیا، وہ حسب ضرورت بلند اور پست ہوتا رہتا تھا، تعمیر کعبہ کے مکمل ہونے کے بعد اس پتھر کو خانہ کعبہ کے قریب رکھ دیا گیا، حکم دیا گیا کہ اس کے پیچھے طواف کی دو رکعتیں اس طرح پڑھی جائیں کہ نمازی اور خانہ کعبہ کے درمیان مقام ابراہیم پڑے۔

وفی قراۃ : ۔ایک قراۃ میں اتخذوا فعل امر کے بجائے فعل ماضی ہے۔

امرناھما : ۔عهدنا کے معنی عہد لینا: اس کا ترجمہ مفسر نے امرنا سے کیا ہے، اس میں تاکید کا معنی شامل ہے، یعنی امرنا امرا موکداً.

رب اجعل هذاالمكان : مفسر نے هذا کا اشارہ المکان کی جانب متعین کر کے اس بات پر تنبیہ کی ہے کہ یہ دعا شہر مکہ کی آبادی سے پہلے کی گئی ہے، دوسری جگہ ابراہیم علیہ السلام نے دعا فرمائی کہ **رب اجعل هذا البلد آمنا**، یہ غالباً مکہ کی آبادی کے بعد کی دعا ہے۔

لا یسفک فیہ دم انسان : ۔حرم میں کسی کو قتل کرنا جائز نہیں ہے، اگرچہ بطور قصاص کے ہو، اسے مجبور کیا جائے گا کہ وہ حرم سے باہر جائے، پھر اس پر قصاص جاری ہوگا، لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک حرم میں قصاص کے طور پر قتل کرنا جائز ہے۔ یہ اختلاف اس صورت میں ہے، جب حرم کے باہر قتل کیا ہو، اور حرم میں پناہ گزیں ہو گیا ہو اور اگر کسی نے حرم میں ہی قتل کیا ہو تو اس کے قصاص میں اسے حرم میں بالاتفاق قتل کیا جا سکتا ہے۔

ولا یظلم فیہ احد : ۔ظلم تو ہر جگہ معصیت ہے، مگر حرم میں اس کی قباحت بڑھ جاتی ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ،**ان السیئات تضاعف فیه کالحسنات**

وقد فعل بنقل الطائف : ۔مکہ شہر کے قریب کوئی زمین قابل کاشت نہ تھی، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہاں والوں کیلئے پھل کی دعا کی، تو اللہ تعالیٰ نے ملک شام، جو کہ نہایت سرسبز شاداب ملک ہے، اس کی زمین کا ایک حصہ اٹھا کر مکہ کے قریب رکھ دیا، اور یہاں کی زمین وہاں پہونچا دی، یہی زمین طائف کہلاتی ہے، وہاں پر ہر طرح کے پھل پیدا ہوتے ہیں، اہل مکہ کی وہاں زمینیں تھیں، باغات تھے، گرمیوں کے موسم میں امراء مکہ طائف چلے جایا کرتے تھے، کیونکہ وہاں ٹھنڈک پڑتی ہے۔

خصهم بالدعاء لهم موافقة لقوله : ۔رزق کی دعا میں خاص اہل ایمان کا نام لیا، کیونکہ امامت کی دعا میں اللہ تعالیٰ نے ظالموں کی نفی کر دی تھی، اسی کی موافقت میں جب انھوں نے رزق کی دعا کی تو کفار کو از خود دعا کے دائرے سے خارج کر دیا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس بخشش عام میں انھیں بھی داخل رکھا۔

قلیلاً مدۃ حیاته : زندگی کی مدت، آخرت کی زندگی کے مقابلے میں بہت قلیل ہے، اس لئے اسے قلیل ہی کہا

جائے گا۔

ینبیه :۔ یہ یرفع کا ترجمہ ہے: اللہ تعالیٰ نے یرفع اس لئے فرمایا کہ بنیاد پہلے سے موجود تھی، اس پر عمارت کو اٹھانا ہی تھا، خود بنیاد رکھنی نہیں تھی۔

متعلق بیرفع :. **من البیت** کو مفسر نے **یرفع** کے متعلق قرار دیا ہے۔ لیکن مناسب یہ ہے کہ **من البیت** ، **القواعد** کی صفت ہو، یعنی **القواعد التی هی من البیت**۔

اے اهل البیت :۔ یہ **فیهم** کی ضمیر کا مرجع ہے، یعنی بیت اللہ کے باشندے۔

قد اجاب الله دعاه بمحمد ﷺ :۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاء اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور اس کا ظہور یوں ہوا کہ حضرت محمد ﷺ کو اللہ نے نبی بنایا، حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں آپ کے علاوہ اور کوئی نبی نہیں ہوا۔

ما فیه من الاحکام :۔ قرآن کریم کے اجمال میں جو احکام و شرائع اور علوم و معارف ہیں، جن سے نفوس کے تزکیہ کی تکمیل ہوتی ہے، وہ حکمت ہے، جب رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے ان امور کا بیان ہو گیا تو آپ کا بیان سنت کہلایا، اس لئے بعض حضرات نے حکمت کی تفسیر سنت سے کی ہے۔

﴿مضامین آیات و تفسیر﴾

سورۂ بقرہ کے پانچویں رکوع جس کا آغاز **یٰبنی اسرائیل اذکروا نعمتی التی الخ** ، سے ہوا تھا، وہاں سے چودہویں رکوع تک حق تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کی ایک شاخ بنی اسرائیل کا ذکر فرمایا، ان پر جو جو احسانات فرمائے، انھیں یاد دلایا، ان کی زیادتیاں، کج رویاں، اور ان کے فساد مزاج کو بیان فرمایا، ان کی اصلاح فرمائی، انھیں دعوت ایمان دی۔ اور ان کے اس گمان باطل کی تردید فرمائی کہ اللہ کا فضل و انعام انھیں کے ساتھ مخصوص ہے، اب زیر نظر رکوع سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل کی دوسری شاخ بنی اسماعیل کا تذکرہ فرماتے ہیں اور اس کے امتیازات و خصائص کو بیان فرماتے ہیں، اور چونکہ اسی شاخ میں آخری پیغمبر پیدا ہوئے ہیں، اور وہ ساری کائنات کیلئے نبی ہیں، اس لئے بنی اسرائیل کو نظر انداز نہیں کیا گیا، بلکہ اس بیان کا آغاز بھی انھیں کے خطاب سے کیا گیا ہے، اور درمیان درمیان میں بھی ان کو متوجہ فرمایا گیا ہے، اور انھیں کے علم کو ان پر پیش کیا گیا ہے، تاکہ کچھ تو غیرت آئے، اور جس نبی کے اوپر ایمان لانے کا بہت پہلے قول و قرار ہو چکا ہے، اسے مان لیں، چنانچہ ارشاد ہے کہ اے بنی اسرائیل کی اولاد! اللہ نے تم پر کتنے احسانات کئے ہیں، انھیں یاد کرو، اور اس سخت دن سے خوف کھاؤ جس میں کوئی بھی کسی کافر شخص کے کچھ کام نہ آئے گا، نہ اس کا فدیہ قبول ہوگا، نہ اس کی کوئی مدد ہوگی، اور اپنے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یاد کرو، جب انھیں ان کے پروردگار نے متعدد

باتوں میں آزمایا، اور وہ سب میں پورے اترے تو اللہ نے انھیں بشارت دی کہ تمہیں لوگوں کا پیشوا بنایا جائے گا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حق تعالیٰ کی عنایت کو متوجہ پایا، تو اپنے ساتھ اپنی اولاد کو شامل فرمانا چاہا، عرض کیا کہ پروردگار میری اولاد کو بھی یہ رتبہ عطا فرمائیے، ارشاد ہوا کہ ظالم کو تو یہ رتبہ نہیں ملے گا، باقی ہماری بخشش وعنایت ہے۔ پھر ابراہیم علیہ السلام کی اور ان کی اولاد کی امامت و پیشوائی کا ظہور کہاں کہاں ہوتا ہے، اسے دیکھو، انھوں نے اپنی ایک اولاد حضرت اسماعیل کو ایک بے آب و گیاہ سرزمین پر پہاڑیوں کے سلسلے کے درمیان آباد کیا، اور وہاں اللہ کا گھر بنایا، اس گھر کو اللہ نے لوگوں کیلئے ایک عظیم مرکز بنا دیا۔ اور لوگوں کی نگاہیں اس پر لگی رہتی ہیں، وہاں لوگ بار بار آتے ہیں، اور آنے کے اشتیاق میں رہتے ہیں، اور اسے ایسی محبوبیت بخشی کہ اسے لوگوں کیلئے امن و امان کا گہوارہ بنا دیا، کہیں بھی لوٹ مار اور قتل و غارت گری ہو، مگر یہ جگہ محفوظ رہے گی، حتی کہ ایک دوسرے کے جانی دشمن بھی آپس میں نہیں الجھتے، یہیں وہ مبارک پتھر ہے، جس پر ابراہیم علیہ السلام تعمیر بیت اللہ کے وقت کھڑے ہوتے تھے، اس کی عظمت یہ ہے کہ اس کے پیچھے نماز پڑھا کرو، ابراہیم و اسماعیل کو ہمارا حکم تھا کہ اس جگہ اطراف و اکناف سے لوگ طواف کیلئے اعتکاف کیلئے، نماز پڑھنے کیلئے، بہت کثرت سے آئیں گے، خبردار اس گھر میں بتوں کا دخل نہ ہو، ان سے پاک ہی رہے، تا کہ خالص اللہ کی عبادت ہو سکے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا کہ پروردگار! اس جگہ کو آپ محفوظ شہر بنا دیجئے، اور یہاں کے باشندوں کو پھلوں کا رزق عطا فرمائیے ان باشندوں کو جو اللہ پر اور یوم آخر پر ایمان لے آئیں، اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی، اور اس جگہ کو حرم بنا دیا کہ یہاں نہ خون بہایا جا سکتا ہے، نہ ظلم کیا جا سکتا ہے، نہ شکار کھیلا جا سکتا ہے، اور نہ یہاں کی گھاس کاٹی جا سکتی ہے، البتہ رزق کے عطیہ میں امامت والی تخصیص نہ ہوگی۔ روزی تو سب کو ملے گی، لیکن جو لوگ کفر کا راستہ اختیار کریں گے، ان کو ہماری طرف سے رزق کا یہ فائدہ بس ایک قلیل مدت کیلئے یعنی زندگی کی مہلت بھر رہے گا، پھر اس کے بعد ہمیشہ کیلئے جہنم کی سزا ہے، حق تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا بھی قبول فرمالی، اور ملک شام کی سرزمین کا ایک ٹکڑا وہاں سے نکال کر مکہ کے قریب پہونچا دیا جسے طائف کہتے ہیں، یہ بہت شاداب علاقہ ہے اور وہاں ہر طرح کے باغات اور پھل ہیں، پہلے مکہ میں زیادہ تر پھل فروٹ طائف سے آیا کرتے ہیں، اب تو ساری دنیا سے سمٹ سمٹ کر پھل مکہ مکرمہ میں پہونچتے رہتے ہیں۔

مکہ مکرمہ کیلئے ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگیں اور قبول ہوئیں، ان میں تقدس اور پاکیزگی کا نکھار آیا، مزید اس کی عظمت و شرف کی بنیاد یہ بنی کہ حق تعالیٰ نے انھین حکم دیا کہ اللہ کا گھر جسے ابتداءً فرشتوں نے پھر آدم علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا، پھر طوفان نوح کے بعد اس کی بنیادیں زمین میں پوشیدہ ہوگئی تھیں، حکم ہوا کہ اس کی بنیادوں پر عمارت از سرِ نو تعمیر کرو، فرشتے نے آکر بنیاد دکھائی، اور ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل

علیہ السلام باپ بیٹے نے مل کر اس کی تعمیر کا آغاز کیا، دونوں کے مقدس ہاتھ تعمیر میں مصروف تھے، زبانیں دعاؤں سے تر تھیں، کہتے جاتے تھے کہ اے ہمارے رب ہماری اس تعمیر کو قبول فرما لیجئے، بلا شبہہ آپ سننے اور جاننے والے ہیں۔ اور اے پروردگار! ہم کو بھی اپنا فرمانبردار بنائیے، اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک امت کو فرمانبردار بنائے رکھئے، اور ہمیں عبادت کے طریقے اور حج کے ارکان سکھا دیجئے، اور مہربانی فرما کر ہماری توبہ قبول فرما لیجئے، آپ توبہ قبول کرنے والے مہربان ہیں، اولاد میں سے ایک جماعت کی فرمانبرداری کا سوال اس لئے کیا کہ **لاینال عھدی الظالمین** سے انھیں اشارہ مل چکا تھا کہ سب لوگ فرمانبردار نہ ہوں گے۔

پیغمبر گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں، اس کے باوجود انھوں نے توبہ کی درخواست کی۔ ایسا انھوں نے از راہ تواضع کیا، اور امت کو توبہ کی تعلیم دینی بھی مقصود تھی، اس وقت یہ بھی دعا کی کہ اے پروردگار! میری اولاد جو یہاں آباد ہے، ان کے درمیان انھیں کے اندر سے ایک رسول کو مبعوث فرمایئے، جو انھیں آپ کی آیات پڑھ کر سنائے، انھیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے، اور ان کا تزکیہ کرے۔

اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا قبول فرمائی، اور آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا، اس رکوع میں اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ اور اس کے باشندوں کی فضیلت بیان فرمائی ہے، اور مخاطب بنی اسرائیل کو بنایا ہے، انھیں دعوت دی کہ افضل کی افضلیت کو قبول کریں، اور اب حق وہدایت کا جس کو سرچشمہ بنایا گیا ہے، اس سے فائدہ اٹھائیں، حسد میں مبتلا ہوں گے تو خود خسارہ میں مبتلا ہوں گے، چنانچہ اگلے رکوع میں وضاحت کے ساتھ اس دعوت کو پیش کیا ہے۔

☆☆☆☆☆

﴿وَ مَنْ﴾ ای لا ﴿يَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ اِبْرَاهِيمَ﴾ فيتركها ﴿اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ﴾ جهل انها مخلوقة لله يجب عليها عبادته او استخف بها وامتهنها ﴿وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ﴾ اخترناه ﴿فِي الدُّنْيَا﴾ بالرسالة والخلة ﴿وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ الذين لهم الدرجات العلىٰ واذكر ﴿اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗ اَسْلِمْ﴾ انقد لله واخلص له دينك ﴿قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَ وَصّٰى﴾ و فى قراءة اوصى ﴿بِهَا﴾ بالملة ﴿اِبْرٰهِيْمُ بَنِيْهِ وَ يَعْقُوْبُ﴾ بنيه قال ﴿يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ﴾ دين الاسلام ﴿فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ نهى عن ترك الاسلام و امر بالثبات عليه الى مصادفة الموت ولما قال اليهود للنبى الست تعلم ان يعقوب يوم مات اوصىٰ بنيه باليهودية نزل ﴿اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ﴾ حضورا ﴿اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اذ﴾ بدل من اذ قبله ﴿قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ﴾ بعد موتى ﴿قَالُوْا

نَعْبُدُ اِلٰهَکَ وَ اِلٰهَ آبَائِکَ اِبْرَاهِیْمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ﴾ عد اسمعیل من الآباء تغلیب ولان العم بمنزلة الاب ﴿اِلٰهاً وَاحِداً﴾ بدل من الٰهک ﴿وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ﴾ وام بمعنی همزة الانکاری ای لم تحضروه وقت موته فکیف تنسبون الیه مالا یلیق به ﴿تِلْکَ﴾ مبتدأ والاشارة الی ابراهیم، ویعقوب و بینهما وانث لتانیث خبره ﴿اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ﴾ سلفت ﴿لَهَا مَا کَسَبَتْ﴾ من العمل ای جزاؤه استیناف ﴿وَلَکُمْ﴾ الخطاب للیهود ﴿مَا کَسَبْتُمْ وَلاَ تُسْئَلُوْنَ عَمَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ﴾ کما لا یسئلون عن عملکم والجملة تاکید لما قبلها، ﴿وَقَالُوْا کُوْنُوْا هُوْداً اَوْ نَصٰرٰی تَهْتَدُوْا﴾، او للتفصیل و قائل الاول یهود المدینة والثانی نصاریٰ نجران ﴿قُلْ﴾ لهم ﴿بَلْ﴾ نتبع ﴿مِلَّةَ اِبْرَاهِیْمَ حَنِیْفاً﴾ حال من ابراهیم مائلا عن الادیان کلها الی الدین القیم ﴿وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ قُوْلُوْا﴾ خطاب للمؤمنین ﴿آمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَا اُنْزِلَ اِلَیْنَا﴾ من القرآن ﴿وَمَا اُنْزِلَ اِلٰی اِبْرَاهِیْمَ﴾ من الصحف العشر ﴿وَاِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ﴾ اولاده ﴿وَمَا اُوْتِیَ مُوْسٰی﴾ من التوراة ﴿وَ عِیْسٰی﴾ من الانجیل ﴿وَمَا اُوْتِیَ النَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ﴾ من الکتب والآیات ﴿لاَ نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ﴾ فنؤمن ببعض و نکفر ببعض کالیهود والنصاریٰ ﴿وَ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ فَاِنْ آمَنُوْا﴾ ای الیهود والنصاریٰ ﴿بِمِثْلِ﴾ مثل زائدة ﴿مَا آمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا﴾ عن الایمان به ﴿فَاِنَّمَا هُمْ فِیْ شِقَاقٍ﴾ خلاف معکم ﴿فَسَیَکْفِیْکَهُمُ اللّٰهُ﴾ یا محمد شقاقهم ﴿وَهُوَ السَّمِیْعُ﴾ لاقوالهم ﴿الْعَلِیْمُ﴾ باحوالهم و قد کفاه الله ایاهم بقتل قریظة و نفی النضیر وضرب الجزیة علیهم ﴿صِبْغَةَ اللّٰهِ﴾ مصدر مؤکد لآمنا و نصبه بفعل مقدر ای صبغنا الله والمراد بها دینه الذی فطر الناس علیه لظهور اثره علی صاحبه کالصبغ فی الثوب ﴿وَمَنْ﴾ ای لااحد ﴿اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً﴾ تمییز ﴿وَّ نَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ﴾. قال الیهود للمسلمین نحن اهل الکتاب الاول و قبلتنا اقدم و لم یکن الانبیاء من العرب ولو کان محمد نبیا لکان منا فنزل ﴿قُلْ﴾ لهم ﴿اَتُحَاجُّوْنَنَا﴾ تخاصموننا ﴿فِی اللّٰهِ﴾ ان اصطفیٰ نبیا من العرب ﴿وَهُوَ رَبُّنَا وَ رَبُّکُمْ﴾ فله ان یصطفی من عباده من یشاء ﴿وَلَنَا اَعْمَالُنَا﴾ نجازی بها ﴿وَلَکُمْ اَعْمَالُکُمْ﴾ تجازون بها فلا یبعد ان یکون فی اعمالنا ما نستحق به الاکرام ﴿وَ نَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ﴾ الدین والعمل دونکم فنحن اولیٰ بالاصطفاء والهمزة للانکار والجمل الثلث احوال ﴿اَمْ﴾ بل ﴿یَقُوْلُوْنَ﴾ بالیاء والتاء ﴿اِنَّ اِبْرَاهِیْمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ

وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْداً اَوْ نَصَارىٰ قُلْ ﴾لهم ﴿ءَ اَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ﴾ اى الله اعلم و قد برّأ منهما ابراهيم بقوله ما كان ابراهيم يهوديا ولا نصرانيا والمذكورون معه تبع له ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ﴾ اخفىٰ من الناس ﴿شَهَادَةً عِنْدَهُ﴾ كائنة ﴿مِنَ اللّٰهِ﴾ اى لاأحد اظلم منه و هم اليهود كتموا شهادة الله فى التوراة لابراهيم بالحنيفية ﴿وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾ تهديد لهم ﴿تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَاتُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ تقدم مثله۔

﴿ترجمہ﴾

(اور ملت ابراہیم سے بجز اس کے اور کون روگردانی) کر کے اسے ترک (کرے گا، جو اپنے آپ سے جاہل ہو) یعنی وہ نہ جانتا ہو کہ وہ اللہ کے لئے پیدا ہوا ہے، اور اس پر اللہ کی عبادت واجب ہے، یا سفه نفسه کا معنی یہ ہے کہ اس نے اپنے آپ کو ذلیل و بے قدر بنا دیا، یعنی ایسے شخص کے علاوہ کوئی اور بھی ملت ابراہیم سے روگردانی نہیں کرسکتا (اور بیشک ہم نے انھیں دنیا میں) رسالت اور خلت کے ساتھ (منتخب کیا اور وہ آخرت میں) ان (صالحین میں ہیں) جن کے لئے بلند درجات ہیں (اور) یاد کرو (جب ان سے ان کے رب نے کہا) اللہ کے (فرمانبردار ہو جاؤ) اور اس کے واسطے اپنے دین کو خالص کرو (تو انھوں نے کہا میں رب العالمین کا فرمانبردار ہوا، اور ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اور یعقوب نے) اپنے بیٹوں کو (اسی کی) یعنی ملت ابراہیم کی (وصیت کی) ایک قرأت میں اوصی ہے، کہا (اے میرے فرزندو! بلاشبہ اللہ نے تمہارے لئے دین) اسلام (کا انتخاب فرمایا ہے، اس لئے ہرگز تمہارے موت نہ آئے، مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو) یہ مرتے دم تک ترک اسلام سے ممانعت ہے، اور اسلام پر ثابت قدمی کا حکم ہے۔

اور جب نبی ﷺ سے یہودیوں نے کہا کہ کیا آپ کو معلوم نہیں ہے کہ جس دن یعقوب کا انتقال ہوا تھا، اس دن انھوں نے اپنی اولاد کو یہودیت کی وصیت کی تھی، اس پر یہ ارشاد نازل ہوا (کیا تم اس وقت موجود تھے جب یعقوب کو موت آئی تھی جب) اذ ماقبل کے اذ کا بدل ہے (انھوں نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ میرے بعد) یعنی میرے مرنے کے بعد (تم لوگ کس کی عبادت کرو گے، انھوں نے کہا کہ ہم آپ کے معبود، اور آپ کے آباء واجداد ابراہیم، اسماعیل اور اسحق کے معبود کی عبادت کریں گے) اسمٰعیل کو ان کے آباء میں شمار کرنا بطور تغلیب کے ہے، اور اس لئے بھی کہ چچا بمنزلہ باپ کے ہوتا ہے (ایک معبود کی) یہ الٰهك کا بدل ہے، (اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں) ام بمعنی همزہ انکاری ہے، یعنی تم لوگ یعقوب کی وفات کے وقت موجود نہ تھے، تو تم کیونکر ان کی طرف وہ بات منسوب کرتے ہو، جو ان کی شان کے لائق نہیں ہے (وہ) تلک مبتدا ہے اور اشارہ ابراہیم اور

یعقوب اوران کی اولاد کی جانب ہے، اوراسے مونث اس لئے لایا گیا ہے کہ اس کی خبر مونث آرہی ہے (ایک جماعت تھی، جوگزرگئی، اس کے لئے وہ) عمل (ہے جواس نے کیا) یعنی اس کی جزاء ہے، یہ جملہ مستانفہ ہے (اور تمہارے لئے) یہ خطاب یہود کو ہے (وہ ہے جوتم نے کیا، اورتم لوگوں سے اس کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا، جوکچھ وہ لوگ کرتے تھے) جیسا کہ ان سے تمہارے عمل کے متعلق نہیں پوچھا جائے گا، یہ جملہ ماقبل کی تاکید کیلئے ہے، (اورانھوں نے کہا کہ یہودی ہوجاؤ، یا عیسائی ہوجاؤ، ہدایت پاجاؤگے) او تفصیل کیلئے ہے، پہلے قول کے قائل یہود مدینہ تھے، اوردوسرے کے نجران کے عیسائی (تم) ان سے (کہدو بلکہ) ہم (ملت ابراہیم) کی پیروی کرتے ہیں (جو) ابراہیم کہ (بالکل یکسو تھے) **حنیفـاً ابـراھیم** سے حال ہے، یعنی تمام ادیان سے یکسوہوکر صرف دین قیم کی طرف تھے (اورمشرکین میں نہ تھے، تم کہدو) یہ اہل ایمان سے خطاب ہے (کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اوراس) قرآن (پر جو ہماری جانب اتارا گیا اوراس پر جوابراہیم کی جانب (اتارا گیا) یعنی دس صحیفے (اوراسماعیل اوراسحٰق اور یعقوب اوران کی اولاد کی جانب اور جو کچھ موسیٰ اورعیسیٰ کو دیا گیا) یعنی توریت وانجیل (اور جو کچھ انبیاء کوان کے رب کی جانب سے دیا گیا) یعنی کتابیں اورآیات (ہم ان میں سے کسی کے درمیان تفریق نہیں کرتے) کہ بعض کوتو مانیں اوربعض کا انکارکردیں، جیسا کہ یہود ونصاریٰ نے کیا (اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں، پس اگر یہ اس چیز کے مثل پر) مثل زائد ہے (ایمان لائیں جس پرتم ایمان لائے ہو، تب تو یہ ہدایت پر ہیں، اوراگر) اس پرایمان لانے سے روگردانی کریں تو بلاشبہہ یہ لوگ تمہارے ساتھ (جھگڑے میں ہیں، پس عنقریب اللہ تعالیٰ تمہاری ان سے) یعنی ان کے جھگڑے سے (کفایت کریں گے اور وہ) ان کے اقوال کو (سننے والے) ان کے احوال کو (جاننے والے ہیں، اورواقعی اللہ تعالیٰ نے آپ کی ان سے کفایت کردی، وہ اس طرح کہ بنی قریظہ کے لوگ قتل کئے گئے، بنی نضیر کے لوگ جلاوطن کردیئے گئے، اوران پرجزیہ مسلط کیا گیا (اللہ کا رنگ) **صبغة** مصدر ہے جو **آمـنـا** کی تاکید کرتا ہے، اوراس کا نصب ایک فعل مقدر کی وجہ سے ہے، یعنی **صبغـنـا اللہ**، اوراس رنگ سے مراد، اللہ کا وہ دین ہے، جس پرلوگ پیدا کئے گئے ہیں، اوراسے رنگ اس لئے کہا کہ جس طرح رنگ کپڑے میں نمایاں ہوتا ہے، اسی طرح اس دین کا اثر بھی دیندار پر روشن اورنمایاں ہوتا ہے (اور رنگ کے لحاظ سے اللہ سے بہتر کون ہے؟) یعنی کوئی نہیں، صبغۃ تمیز ہے (اور ہم اسی کی عبادت کرتے ہیں) یہود نے مسلمانوں سے کہا ہم پہلے اہل کتاب ہیں اور ہمارا قبیلہ بھی قدیم ہے، اورانبیاء عرب میں نہیں ہوئے ہیں، تو محمد اگر نبی ہوتے، تو ہم میں ہوتے، تو یہ آیت اتری کہ (تم) ان سے (کہدو کہ کیا تم ہم سے اللہ کے باب میں جھگڑتے ہو) کہ اس نے عرب میں نبی منتخب کردیا (حالانکہ وہی ہمارا رب ہیں، اورتمہارے بھی رب ہیں) انھیں اختیار ہے، اپنے بندوں میں سے جسے چاہے منتخب کریں (اور ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں) کہ

ہمیں ان کا بدلہ دیا جائے گا (اور تمہارے لئے تمھارے اعمال ہیں) کہ تمہیں ان کا بدلہ دیا جائیگا، تو کچھ بعید نہیں ہے کہ ہمارے اعمال میں کوئی ایسی خاص بات ہو کہ اس کی وجہ سے ہم مستحق اکرام ہو گئے ہوں (اور ہم انھیں کیلئے) دین اور عمل میں (مخلص ہیں) تم نہیں ہو، اس انتخاب کے مستحق ہمیں ہیں، اور ھمزہ انکاری ہے، اور تینوں جملے حال ہیں (بلکہ کیا تم لوگ کہتے ہو) **یقولون** یا اور تا دونوں سے پڑھا گیا ہے (کہ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور ان کے بیٹے یہودی یا عیسائی تھے، تم) ان سے (کہدو کہ کیا تم جانتے ہو یا اللہ) یعنی اللہ خوب جانتے ہیں، اور اللہ نے ان دونوں سے یعنی یہودیت و نصرانیت سے ابراہیم کی برأت ظاہر فرما دی، فرمایا **ما كان ابراهيم يهوديا ولا نصرانيا** اور جو لوگ ان کے ساتھ مذکور ہیں، وہ ان کے تابع ہیں (اور اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو) لوگوں سے (وہ شہادت چھپائے جو اس کے پاس اللہ کی طرف سے ہے) یعنی اس سے بڑا ظالم کوئی نہ ہوگا، اور یہ یہود ہی ہیں کہ انھوں نے اللہ کی اس شہادت کو چھپایا جو توریت مین ابراہیم کے حق میں حنیفیت کی گواہی موجود تھی (اور اللہ اس سے غافل نہیں جو تم لوگ کرتے ہو) یہ ان کیلئے تہدید ہے (وہ ایک جماعت تھی جو گزر گئی، اس کیلئے وہ ہے، جو اس نے کیا، اور تمہارے لئے وہ ہے جو تم نے کیا اور تم سے اس چیز کے متعلق سوال نہیں ہوگا، جو کچھ وہ لوگ کرتے تھے) اس جیسی آیت گزر چکی ہے۔

﴿تشریحات﴾

ومن ای لایرغب :. من استفہام انکاری ہے، اسی لئے اس کے بعد لا آرہا ہے جو ایجاب کیلئے ہے۔

جهل انها مخلوقة لله :. **سفه** کی تفسیر دو طرح سے کی ہے، اول یہ کہ سفہ میں جہل کے معنی کی تضمین ہے، یعنی وہ اپنے آپ سے جاہل اور اپنی حقیقت سے بے خبر ہے، اس لئے اس نے اپنی ناقدری کی، اور دوسرے یہ کہ وہ جہل کے معنی کی تضمین کے بغیر ہو، یعنی اپنے آپ کو ذلیل و بے قدر کر دیا۔ **سفه** کے اصل معنی خفت اور ہلکے پن کے ہیں، تو جس نے ملت ابراہیم سے اعراض کیا اس نے اپنے آپ کو بالکل ہلکا بنا دیا۔

بالرسالة والخلة :. حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے رسول بنایا اور اپنا خلیل بنایا، **خلة** کا مطلب ہے، خالص اور بے میل محبت و عشق ابراہیم علیہ السلام کے گونا گوں امتحانات کی شہادت ہے کہ ان کے قلب میں حق تعالیٰ کے ساتھ جو تعلق تھا اور جو محبت تھی، اس کے سامنے دنیا کی تمام چھوٹی بڑی محبتیں معدوم اور ہیچ تھیں۔

بالملة :. یعنی ملت ابراہیم کی پیروی کی وصیت کی تھی۔

بنيه :۔ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو اسی ملت کی وصیت کی تھی، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آٹھ بیٹے تھے، بڑے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے، وہ حضرت ھاجرہ سے تھے، ان کے بعد حضرت اسحاق علیہ السلام تھے، جو حضرت سارہ سے تھے، حضرت سارہ کی وفات کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قنطورا بنت یقطن سے نکاح کیا، ان سے چھ

اولادیں ہوئیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کی بارہ اولادیں تھیں۔

نھی عن ترک الاسلام وامر بالثبات علیه الی مصادفة الموت :۔لاتموتن کی نہی سے بظاہر ایک اشکال پیدا ہوتا ہے، مفسر نے اسے حل کیا ہے، اشکال یہ ہے کہ بجز حالت اسلام کے انھیں مرنے سے منع کیا گیا ہے، تو کسی حالت پر مرنا انسان کے اختیار میں نہیں ہے، پس غیر اختیاری چیز سے نہی کرنے کا کیا معنی؟

جواب یہ ہے کہ **ولا تموتن الا وانتم مسلمون** کا مطلب یہ ہے کہ موت کے وقت تک اسلام کو ترک نہ کرو، بلکہ اس پر دم اخیر تک قائم رہو، ظاہر ہے کہ اسلام کو ترک نہ کرنا، اور اس پر قائم رہنا اختیاری چیز ہے، پھر آدمی اپنے ارادہ سے جس حال پر ہوگا، موت بھی اسی حال پر آئے گی۔

عد اسمٰعیل من الآباء تغلیب :۔حضرت اسمٰعیل علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام کے سلسلۂ ابوت میں نہیں ہیں، بلکہ وہ ان کے باپ حضرت اسحٰق علیہ السلام کے بھائی ہیں، انھیں سلسلہ ابوت میں شمار کرنا بطور تغلیب ہے، یا اس لئے کہ چچا بھی بمنزلہ باپ ہی کے ہوتا ہے، اس لئے انھیں بھی آباء میں شمار کیا گیا۔

انث لتانیث خبرہ :۔**تلک** کا اشارہ حضرت ابراہیم، اسمٰعیل، اسحٰق اور یعقوب اور ان کی اولاد کی جانب ہے، ان کی طرف اشارہ مذکر کا ہونا چاہئے تھا مگر چونکہ **تلک** مبتدا ہے اور اس کی خبر **امة** مونث آرہی ہے، اس لئے اسے بھی مونث ہی لائے۔

استیناف : لها ما کسبت جملہ مستانفہ ہے، **ما کسبت** سے مراد جزاء **ما کسبت** ہے۔

والجملة تاکید لما قبلها :۔ **ولا تسئلون عما کانوا یعملون**، ماقبل کے جملہ کی تاکید ہے۔

او للتفصیل : **وقالوا کونوا هوداً اونصاریٰ**، میں **او** تفصیل کیلئے ہے، کیونکہ یہ قول ایک جماعت کا نہیں ہے، بلکہ دو فرقوں کا ہے، یہودیوں نے کہا کہ یہودی ہوجاؤ، اور نصرانیوں نے کہا نصرانی ہوجاؤ، ان دونوں کو ایک ہی سیاق میں جمع کرکے **او** کے ذریعے اس کی تفصیل کی طرف اشارہ کردیا۔

حال من ابراهیم :۔**حنیفاً** ابرھیم سے حال ہے، اور **ملة ابراهیم**، فعل مقدر **نتبع** کا مفعول ہے، ملت کا تلبس وتعلق چونکہ ابراہیم سے ہے، اسلئے وہ بھی حکماً مفعول ہے، گویا یوں کہا گیا **بل نتبع ابراهیم**، اس لحاظ سے اسے ذوالحال بنانا درست ہے۔

مائلا عن الادیان کلها :۔یہ حنیف کا ترجمہ ہے کہ ہر طرف سے یکسو ہوکر وہ صرف اللہ کے ہورہے تھے۔

فنؤ من ببعض و نکفر ببعض :۔یہاں اہل ایمان سے کہا گیا کہ تم یہ کہو کہ **لا نفرق بین احد منهم**، تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم افضلیت میں کوئی فرق نہیں کرتے، یہ فرق تو اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے درمیان خود رکھا

ہے، اس تفریق کا مطلب یہ ہے کہ ہم انبیاء کے درمیان ایمان اور کفر کی تفریق نہیں کرتے کہ کسی نبی پر ایمان لائیں، اور کسی کا انکار کریں، بلکہ ہم سب پر یکساں ایمان رکھتے ہیں، یہ تفریق تو یہود و نصاریٰ نے کر رکھی ہے۔

بمثل: مثل زائد :. **فان آمنوا بمثل ما آمنتم** میں مثل زائد ہے، کیونکہ اگر اس کو زائد نہ مانا جائے تو مفہوم ہوگا کہ اگر یہ لوگ اس کے مثل پر ایمان لائیں جس پر تم ایمان لائے ہو، اور ظاہر ہے کہ جس پر ایمان لائے ہیں، وہ اللہ ہے اور اللہ کی کتابیں ہیں، اس معنی کی صورت میں لازم آئے گا کہ اللہ کا اور اللہ کی کتابوں کا کوئی مثل ہو۔

مصدر مؤکد لآمنا :۔ **صبغة الله** مصدر ہے، یعنی مفعول مطلق ہے، سابق فعل آمنا کے مضمون کی تاکید ہے، اس کا عامل فعل مقدر ہے، یعنی **صبغنا الله صبغة** ، اور **صبغة** سے مراد اللہ کا دین ہے، اس کو صبغہ (رنگ) اس لئے کہا گیا کہ جس طرح رنگ کا اثر کپڑے پر ظاہر ہوتا ہے، اسی طرح اللہ کے دین کا اثر طہارت و تزکیہ، نور قلب اور نور ایمان، انسان کے اوپر نمایاں ہوتا ہے۔

عیسائیوں کے یہاں زرد رنگ کا ایک پانی ہوتا ہے جسے "ماءِ معموریہ" کہتے ہیں، اس میں یہ اپنے بچوں کو رنگتے ہیں، اور خیال کرتے ہیں کہ اس طرح ایک پختہ مذہبی رنگ حاصل ہوتا ہے، اس آیت میں کنایۃً اس کی نفی ہو رہی ہے کہ یہ رنگ کچھ نہیں ہے، اصلی رنگ تو اللہ کا رنگ ہے، یعنی دین اسلام، اس کا اثر قلب و روح پر آجائے تو وجود انسانی تابناک ہو جاتا ہے۔

و الجمل الثلاث احوال :۔ یعنی **وهو ربنا و ربكم** اور **ولنا اعمالنا ولكم اعمالكم** اور **ونحن له مخلصون** ، یہ تینوں جملے حال ہیں۔

وقد برأ منهما ابراهيم :۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں سے یعنی یہودیت اور نصرانیت سے ابراہیم علیہ السلام کی برأت قرآن میں ظاہر فرمائی ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا ہے **ما كان ابراهيم يهوديا ولا نصرانيا ولكن كان حنيفا مسلما وما كان من المشركين** ، ابراہیم نہ یہودی تھے، نہ نصرانی تھے، نہ مشرک تھے، وہ تو یکسو مسلمان تھے، اور یہاں جو لوگ مذکور ہیں یعنی اسماعیل، اسحٰق، یعقوب اور ان کی اولاد (**على نبينا و عليهم الصلوٰة و السلام**) یہ سب ابراہیم علیہم السلام کے تابع تھے، ان کے بھی یہودی اور نصرانی ہونے کا کوئی تصور نہیں ہے۔

كائنة من الله :۔ **كائنة** کا لفظ ذکر فرما کر مفسر نے تنبیہ فرمائی ہے کہ **من الله** ، **كائنة** سے متعلق ہو کر **شهادة** کی صفت ثانیہ ہے صفت اولیٰ **عنده** ہے۔

﴿مضامین آیات وتفسیر﴾

پچھلے رکوع میں حق تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی امامت کا ذکر فرمایا ہے انھوں نے اپنی اولاد کے لئے

بھی اس کی دعا فرمائی، تو ظالموں کا استثناء کر کے اللہ تعالیٰ نے اوروں کے حق میں اس نوازش کو منظور فرمالیا۔
حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں دو شاخیں مشہور ہیں، بنی اسرائیل، اور بنی اسماعیل۔ اس رکوع میں بنی اسماعیل اور ان کے مامن و مسکن کی افضلیت مذکور ہے، اور اخیر میں نبی آخر الزماں ﷺ کے متعلق حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اسمٰعیل علیہ السلام کی دعا ذکر کی گئی ہے۔ اب حق یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی اولاد بطور خاص ملت ابراہیم کی پیروی کرے۔ اور اس دور میں ملت ابراہیم کا انحصار انھیں آخری نبی کے اتباع میں ہو گیا ہے، اس لئے بنی اسرائیل اور بنی اسمٰعیل دونوں پر لازم ہے کہ آخری رسول ﷺ پر ایمان لائیں اور ان کے واسطے سے ملت ابراہیم کی پیروی کریں، مگر بنی اسرائیل اپنے حسد کی وجہ سے اس سعادت سے محرومی کے شکار ہو رہے تھے، حق تعالیٰ نے مختلف عنوانوں سے انھیں ایمان کی ترغیب دی۔ چنانچہ اس رکوع میں اللہ تعالیٰ کے ارشادات کا حاصل یہ ہے کہ ملت ابراہیم ایسی چیز نہیں کہ دنیاوی اغراض کی وجہ سے اس سے روگردانی کی جائے، اور اگر کوئی اس سے انحراف کرتا ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اپنے آپ کو ذلیل و بے قدر بنالیا ہے۔ اور اسے پتہ ہی نہیں کہ وہ کیوں پیدا ہوا ہے۔ جبکہ سب جانتے ہیں کہ ابراہیم دنیا میں بھی برگزیدہ تھے، اور آخرت میں بھی ان کا شمار صالحین میں ہے، جن کو جنت کے بلند درجات ملیں گے، ان کی کیفیت یہ ہے کہ ان سے حق تعالیٰ نے فرمایا کہ فرمانبردار مسلم اور مخلص بنو، تو انھوں نے سراپا تعمیل ہو کر عرض کیا کہ میں پروردگار عالم کا فرمانبردار ہوں، پھر انھوں نے بھی اور ان کے پوتے یعقوب نے بھی اپنے اپنے بیٹوں کو اسی دین اسلام پر قائم رہنے کی وصیت اور تاکید کی، اور صاف صاف انھیں بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اسی دین اسلام کو پسند فرمایا ہے، لہٰذا مرتے دم تک اسلام پر قائم رہنا۔

یہود کہتے تھے کہ ہمیں ہمارے جد امجد حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہودیت پر قائم رہنے کا حکم دیا ہے، یہ بتائیں تو سہی کہ جب یعقوب علیہ السلام اس دنیا سے جا رہے تھے تو یہ لوگ اس وقت موجود تھے؟ انھوں نے تو اپنے بیٹوں سے یہ کہا تھا کہ میرے مرنے کے بعد تم لوگ بتاؤ کس کی عبادت کرو گے، ان سب نے باتفاق کہا تھا، کہ ہم اسی کی عبادت کریں گے، جس کی آپ عبادت کرتے ہیں، اور جس کی آپ کے آباء و اجداد حضرت اسحٰق، حضرت اسماعیل، حضرت ابراہیم علیہ السلام عبادت کیا کرتے تھے، جو اکیلا معبود ہے، اور ہم تو اسی کے فرمانبردار ہیں، یعنی ہم مسلمان ہیں، اس وقت تو یہ گفتگو ہوئی اور تم نہ جانے کہاں سے جھوٹی بات گھڑ رہے ہو، وہ لوگ تو اب دنیا سے جا چکے، انھوں نے جو کچھ کیا، اس کا ثواب انھیں ملے گا اور تم جو کچھ کر رہے ہو اس کا بدلہ تمہیں ملے گا، ان کا ثواب تمہارے کام نہ آئے گا، اور نہ تم سے ان کے اعمال کے متعلق کوئی پوچھ ہو گی۔ ان کی ترنگ دیکھو کہتے ہیں کہ یہودی ہو جاؤ، یا نصرانی ہو جاؤ، یہود وہ کہتے ہیں، اور عیسائی یہ کہتے ہیں، پس ہدایت پر آجاؤ گے؟ تم کہدو کہ جی

نہیں، ہم تو ملت ابراہیم کے پیرو ہیں، ابراہیم ہر طرف سے یکسو ہو کر ایک اللہ کے ہو رہے تھے، ہم بھی انھیں کے طریقے پر ہیں، ان کا کوئی تعلق مشرکین سے نہ تھا، تم لوگ ان سے کہو کہ ہمارا ایمان اللہ پر ہے، اور قرآن پر ہے، جو ہم پر اتارا گیا ہے، اور ان صحیفوں پر ہے، جو حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل، حضرت اسحٰق، حضرت یعقوب اور ان کی اولاد پر اتارے گئے، اور ہمارا ایمان توریت پر بھی ہے، جو حضرت موسیٰ کو دی گئی، اور انجیل پر بھی ہے، جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دی گئی، اور ان کے علاوہ دوسرے انبیاء کرام کو جو کچھ دیا گیا، ان سب پر ہمارا ایمان ہے، ہم رسولوں کے درمیان فرق وامتیاز نہیں کرتے کہ کسی کو مانیں اور کسی کا انکار کریں، ہم سب کو برحق تسلیم کرتے ہیں ، اور سب پر یکساں ایمان رکھتے ہیں، اور ہم تو اللہ کے اطاعت گزار ہیں، اگر یہود و نصاریٰ بھی ان سب پر ایمان لاتے ہیں تو انھیں بھی ہدایت کی راہ مل گئی، اور اگر وہ اس سے روگردانی کرتے ہیں تو وہ تمہارے خلاف ہیں، پس اللہ تعالیٰ ہی تمہاری طرف سے انھیں ٹھکانے لگا دیں گے، وہ سمیع و علیم ہیں۔ چنانچہ یہی ہوا۔ بغیر کسی خاص جد وجہد کے یہود مدینہ کے تمام قبائل کا فیصلہ اللہ تعالیٰ نے کر دیا۔

اللہ نے ہم کو اپنے دین کا یہی رنگ عطا فرمایا ہے، یعنی ایمان واطاعت کا، اور اللہ کے رنگ سے بہتر اور کون سا رنگ ہو سکتا ہے، قلب مومن جب نور ایمان سے لبریز ہوتا ہے تو اس کے چہرے پر چمکنے لگتا ہے۔

یہود کا ایک دعویٰ یہ تھا کہ ہماری کتاب قدیم ہے، اور ہمارا قبلہ پرانا ہے، اور انبیاء بھی ہمارے ہی قبیلہ میں ہوا کئے ہیں، اہل عرب میں تو کوئی نبی آیا نہیں، اس لئے اگر حضرت محمد نبی ہوتے تو ہم میں ہوتے، ان سے کہو کہ کیا تم ہم سے اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہو کہ انھوں نے اہل عرب میں کیوں نبی کا انتخاب کیا، حالانکہ وہ ہمارے بھی رب ہیں، اور تمہارے بھی رب ہیں، انھیں اختیار ہے کہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہیں نبی بنائیں، ہم اپنے اعمال کے ذمہ دار ہیں، تم اپنے اعمال کے ذمہ دار ہو، ممکن ہے ہمارا کوئی عمل اللہ کو پسند ہو، جس کے باعث اللہ نے ہمیں اس اکرام سے نوازا، اور ہم تو انھیں کے مخلص ہیں۔

کیا تم یہ کہتے ہو کہ ابراہیم، اسماعیل، اسحٰق اور یعقوب اور ان کی اولاد یہودی یا نصرانی تھے؟ ان سے پوچھو کہ تم زیادہ واقف ہو، یا اللہ تعالیٰ؟ کتنا بڑا ظلم ہے یہ کہ ایک شخص کے پاس اللہ تعالیٰ کی شہادت موجود ہو اور وہ اسے چھپالے، ان یہودیوں کے پاس شہادت موجود ہے، مگر چھپائے بیٹھے ہیں، ٹھیک ہے جو کچھ یہ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس سے بے خبر نہیں ہے۔ یہ لوگ اپنا انجام سوچ لیں وہ ایک جماعت تھی جو گزر چکی، وہ اپنے اعمال کے ذمہ دار تھے، تم اپنے اعمال کے ذمہ دار ہو تم، سے ان کے متعلق پوچھ نہ ہوگی، اور نہ ان سے تمہارے متعلق، پس اچھی طرح اپنے معاملہ پر غور کرلو۔

(پارہ ۲)

﴿سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ﴾ الجهال ﴿مِنَ النَّاسِ﴾ أي اليهود والمشركين ﴿مَا وَلَّاهُمْ﴾ أي شيء صرف النبي والمؤمنين ﴿عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا﴾ على إستقبالها في الصلوٰة وهي بيت المقدس والإتيان بالسين الدالة على الاستقبال من الإخبار بالغيب ﴿قُلْ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ﴾ أي الجهات كلها فيامر بالتوجه إلىٰ أيّ جهةٍ شاء لاإعتراض عليه ﴿يَهْدِي مَنْ يَّشَاءُ﴾ هدايته ﴿إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ﴾ دين الاسلام أي ومنهم أنتم دلّ علىٰ هٰذا ﴿وَكَذٰلِكَ﴾ كما هديناكم إليه ﴿جَعَلْنَاكُمْ﴾ يا أمة محمدٍ ﴿أُمَّةً وَّسَطًا﴾ خياراً عدولاً ﴿لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ﴾ يوم القيٰمة أن رسلهم بلغتهم ﴿وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا﴾ أنه بلغكم ﴿وَمَا جَعَلْنَا﴾ صيرنا ﴿الْقِبْلَةَ﴾ لك الآن الجهة ﴿الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا﴾ اوّلاً وهي الكعبة وكان ﷺ يصلي إليها فلما هاجر أمر بإستقبال بيت المقدس تألفاً لليهود فصلىٰ إليه ستة أو سبعة عشر شهراً ثم حول ﴿إِلَّا لِنَعْلَمَ﴾ علم ظهورٍ ﴿مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُولَ﴾ فيصدقه ﴿مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ﴾ أي يرجع إلى الكفر شكاً في الدين وظناً أن النبي في حيرةٍ من أمره وقد ارتد لذٰلك جماعة ﴿وَإِنْ﴾ مخففة من الثقيلة وإسمها محذوف أي وإنها ﴿كَانَتْ﴾ أي التولية إليها ﴿لَكَبِيرَةً﴾ شاقة على الناس ﴿إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللّٰهُ﴾ منهم ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ﴾ أي صلاتكم إلى بيت المقدس بل يثيبكم عليه لأن سبب نزولها السوال عمن مات قبل التحويل ﴿إِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ﴾ المؤمنين ﴿لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ في عدم إضاعة أعمالهم والرأفة شدة الرحمة وقدم الأبلغ للفاصلة۔

ترجمہ

(عنقریب بیوقوف) یعنی جاہل (لوگ) یعنی یہود اور مشرکین (کہیں گے کہ کس چیز نے ان کو) یعنی نبی ﷺ اور اہل ایمان کو (ان کے اس قبلہ سے پھیر دیا جس کے) استقبال (پر وہ) نماز میں (تھے) اور وہ بیت المقدس ہے، اور سین جو مستقبل پر دلالت کرتی ہے، اسے یہاں پر لانا إخبار بالغیب کی قبیل سے ہے (تم کہہ دو کہ اللہ ہی کے لئے مشرق و مغرب ہیں) یعنی تمام جہتیں ہیں، پس وہ جس طرف چاہے رُخ کرنے کا حکم دے سکتے ہیں، ان پر کوئی اعتراض نہیں ہے (ہدایت دیتے ہیں جس) کی ہدایت (کو چاہتے ہیں سیدھے راستہ کی جانب) یعنی دین اسلام کی جانب، اور تم لوگ بھی انھیں میں سے ہو، اس کی دلیل یہ اگلا ارشاد ہے (اور ایسے ہی) یعنی جیسے ہم نے تم کو سیدھے راستے کی ہدایت دی، ایسے ہی (ہم نے تم کو) اے امت محمد (امت وسط بنایا) یعنی

بہترین اور صاحب عدل اور صاحب اعتدال امت (تاکہ تم لوگوں کے اوپر) قیامت کے دن (گواہ بن جاؤ) کہ ان کے رسولوں نے پیغامِ الٰہی ان تک پہونچادیا تھا (اور رسول تم پر گواہ ہوں) کہ انھوں نے تم تک پیغام پہونچادیا تھا (اور ہم نے نہیں بنایا) تمہارے لئے اس وقت (اس) جہت (کو قبلہ، جس پر) پہلے (تم تھے) اور وہ کعبہ ہے، رسول اللہ ﷺ مکہ میں اسی کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے، پھر جب آپ نے ہجرت کی تو یہودیوں کو مانوس کرنے کے واسطے آپ کو بیت المقدس کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا گیا، اس کے رُخ پر آپ نے سولہ سترہ ماہ تک نمازیں پڑھیں، پھر اسے تبدیل کر دیا گیا (مگر اس واسطے کہ ہم جان لیں) یہ علم ظہور ہے (اس شخص کو جو رسول کی پیروی کرتا ہے) پس ان کی تصدیق کرتا ہے (اس شخص کے مقابلے میں جو اپنی ایڑی کے بل پلٹ جاتا ہے) یعنی دین میں شک کی وجہ سے اور اس بدگمانی کی وجہ سے کہ نبی کریم ﷺ خود اپنے امر کے سلسلے میں حیرت وتردد میں ہیں، کفر کی جانب لوٹ جاتا ہے، اور کچھ لوگ اس کی وجہ سے پلٹ بھی گئے تھے (اور بے شک) إن مخفف من الثقیلہ ہے، اس کا اسم محذوف ہے، یعنی إنها (یہ) یعنی کعبہ کی طرف رخ کرنا (بھاری ہے) یعنی لوگوں پر مشکل ہے (سوائے ان لوگوں کے جن کو اللہ نے) ان میں سے (ہدایت دی، اور اللہ نہیں ہے کہ تمہارے ایمان کو ضائع کریں) یعنی بیت المقدس کی طرف پڑھی گئی تمہاری نماز کو، بلکہ وہ تمہیں اس پر ثواب دیں گے، ایمان کی تفسیر نماز سے اس لئے کی گئی ہے کہ اس آیت کے نزول کا سبب یہی ہوا کہ جو لوگ تحویل قبلہ سے پہلے فوت ہو گئے تھے، ان کی نمازوں کے متعلق سوال کیا گیا تھا (بے شک اللہ ان لوگوں پر) یعنی اہل ایمان پر ان کے اعمال ضائع نہ کرنے کے حق میں (بہت مہربان، رحیم ہیں) اور رأفة بہت زیادہ مہربانی کو کہتے ہیں۔ اس بلیغ تر لفظ کو فاصلہ کی رعایت سے مقدم کیا ہے۔

﴿تشریحات﴾

سَیَقُوْلُ السُّفَهَاءُ :۔ یَقُوْلُ میں سین استقبالیہ کے لانے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت تحویل قبلہ کے حکم سے پہلے کی ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایسا ہی منقول ہے، اور اس کو پہلے ہی اس لئے بیان کر دیا تاکہ تحویل قبلہ کے بعد جاہلوں کی زبان درازیوں سے زیادہ تاثر نہ ہو، کیونکہ جس مصیبت کی اطلاع پہلے ہی ہو جاتی ہے، اس کے وقوع کے وقت زیادہ پریشانی نہیں ہوتی۔

مَا وَلّٰهُمْ :۔ میں ما کی تفسیر أی شیءٍ سے کر کے مفسر نے بتایا کہ یہ ما استفہامیہ ہے، اور یہ استفہام برائے انکار ہے۔

علیٰ استقبالها :۔ کانوا علیها میں ها ضمیر سے پہلے مضاف محذوف ہے، یعنی علیٰ استقبالها۔

مَنْ یَّشَاءُ. هدایته :۔ مَنْ یَّشَاءُ کا مفعول هدایته محذوف ہے۔

أی و منهم أنتم دلّ علیٰ هٰذاوَ کَذٰلِکَ الخ :۔یعنی ان لوگوں میں جن کی ہدایت کواللہ نے چاہا ہے، اے اہل ایمان تم بھی ہو۔

سوال:اہل ایمان کے ہدایت پر ہونے کا جو دعویٰ یہاں حضرت مفسر نے فرمایا ہے،زیر نظر آیت میں اس کا کوئی قرینہ بظاہر موجود نہیں ہے،اس دعویٰ کی دلیل کیا ہے؟

جواب:اس کی دلیل اگلی آیت﴿وَ کَذٰلِکَ جَعَلۡنَاکُمۡ اُمَّةً وَّسَطاً﴾الخ ہے،اس آیت میں ذٰلک کا اشارہ اسی ہدایت کی جانب ہے، چنانچہ مفسر نے اس کی تفسیر میں اس مشار الیہ کو ظاہر فرمایا ہے،فرماتے ہیں:(وَ کَذٰلِکَ) **کماهدیناکم إلیه**(جَعَلۡنَاکُمۡ اُمَّةً وَّسَطاً)۔

خیاراً عدولاً :۔یہ دونوں لفظ حضرت مفسر **وسطاً** کی تفسیر میں لائے ہیں،یعنی وہ علم اور عمل دونوں اعتبار سے کامل ہیں،وسط کے اصل معنی درمیان کے ہیں،یعنی نہ اس میں افراط ہواور نہ تفریط ہو۔ظاہر ہے کہ ایسی جماعت جوافراط وتفریط سے خالی ہوعلم میں بھی اور عمل میں بھی،وہ خیر بھی ہوگی اور صاحب اعتدال بھی ہوگی۔

لِّتَکُوۡنُوۡا شُهَدَاءَ عَلَی النَّاسِ یوم القیٰمة :۔حق تعالیٰ قیامت کے دن اولین وآخرین کوایک میدان میں جمع فرمائیں گے، پھر ہر امت کے کفار سے دریافت فرمائیں گے **ألم یاتکم نذیر**،کیاتمہارے پاس کوئی ڈرسنانے والانہیں آیا تھا۔وہ انکار کریں گے،اور کہیں گے **ماجاء نا من نذیر** ،ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔پھر اللہ تعالیٰ انبیاء کرام سے پوچھیں گے؟ یہ حضرات عرض کریں گے کہ یہ جھوٹ بولتے ہیں،تب اللہ تعالیٰ ان سے گواہ طلب فرمائیں گے،وہ عرض کریں گے امت محمدیہ ہے،انھیں لایا جائے گا،وہ گواہی دیں گے کہ بے شک انبیاء نے حق تبلیغ ادا کیا تھا،کفار کہیں گے کہ یہ لوگ ہمارے بعد کے ہیں،انھیں کیا معلوم؟ تو یہ امت عرض کرے گی کہ پروردگار! آپ نے ان کے پاس رسول بھیجے تھے،اور ہمیں ایک کتاب آپ نے عطا کی تھی، اس میں خود آپ نے ہمیں یہ بات بتائی ہے،اور آپ سے بڑھ کر کون سچا ہوگا،پھر محمد ﷺ کو بلایا جائے گا،آپ اپنی امت کی تصدیق فرمائیں گے۔

ان سطور کا راقم یہاں ایک بات عرض کرتا ہے،اگر وہ درست ہے تو اللہ کا احسان ہے،اور اگر اس کے خلاف ہے تو میرے نفس کی سفاہت ہے۔

عموماً حضراتِ مفسرین نے لِّتَکُوۡنُوۡا شُهَدَاءَ عَلَی النَّاسِ کی وہی تفسیر کی ہے جواوپر ذکر کی گئی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ اس گواہی کا ظہور آخرت میں ہوگا،اور یہ کہ **الناس** سے مراد گذشتہ امتوں کے کفار ہیں، لیکن ایسا سمجھ میں آتا ہے کہ اس آیت کا انحصار اسی تفسیر میں نہیں کہ شہادت کا ظہور صرف آخرت ہی میں ہو،اور گذشتہ امتوں کے کفار ہی پر ہو، بلکہ یہ اس آیت کا ایک مصداق ہے اور چونکہ قیامت کا دن نتائج کے ظہور اور فیصلے

کے نفاذ کا آخری دن ہے، اس لئے سب سے اہم اسی دن کی شہادت ہوگی، اس لحاظ سے اس دن کی شہادت لِّتَکُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ کا سب سے اہم مصداق ہے، لیکن اس شہادت کو جب اللہ تعالیٰ نے عام رکھا ہے تو اگر اس کے عموم میں اس امت کو دنیا میں بھی شاہد مانا جائے تو مضائقہ نہیں ہونا چاہئے۔ مطلب یہ ہے کہ امت محمد یہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام دنیا کی ہر قوم کے اوپر حق وصداقت کی شاہد ہے، یعنی اسی امت کا ایمان وعمل سب کے لئے معیار ہے، جب تک اس امت کے معیار پر دوسری قومیں نہ اتریں گی وہ قابل قبول نہ ہوں گی۔ یہاں سے ایک بات اور سمجھ میں آتی ہے کہ قرآن کے مخاطب اوّل اور رسول اللہ ﷺ سے براہ راست استفادہ کرنے والی امت صحابہ کرام کی جماعت ہے، اور یہی جماعت اصالۃً شاہد اور معیار ہے، اور باقی تمام لوگوں کو اسی معیار پر اترنا چاہئے۔ حق کے اصل معیار یہی ہیں، جس کسی کے ایمان وعقیدہ اور قول وعمل کی شہادت حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جانب سے مہیا ہو جائے، وہی حق پر ہے اور جو اس شہادت سے محروم ہو وہ خطرے میں ہے، اس لحاظ سے دیکھا جائے تو حضراتِ صحابہ معیارِ حق ہیں، بعد کی امت کے افراد اور دوسری قومیں سب کے لئے میزان یہی حضرات ہیں، اسی کی طرف رسول اللہ ﷺ نے جماعت ناجیہ کے سلسلے میں اشارہ فرمایا ہے کہ: **ماأنا علیه و أصحابی** نجات پانے والی جماعت یہی ہے جو میرے اور میرے اصحاب کے طریقے پر ہو۔

﴿الْقِبْلَةَ﴾ **لک الآن الجهة** ﴿الَّتِیْ كُنْتَ عَلَیْهَا﴾ **اوّلاً**: اس عبارت میں **القبلة**، **جعلنا** کا مفعول ثانی ہے، لیکن وہ مقدم ہے، **التی** صفت ہے، اس کا موصوف **الجهة** ہے، اور یہی مفعول اول ہے۔ **جعلنا** کی تفسیر **صیرنا** سے کی ہے، **تصییر** کا مطلب یہ ہے کہ شے کو ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل کیا جائے، تو جس چیز کا تعلق حالت ثانیہ سے ہوگا، وہی مفعول ثانی ہوگی۔ یہاں غور کیا جائے تو قبلہ ہی کا تعلق حالت ثانیہ سے ہے، اس لئے وہی مفعول ثانی ہوگا، مطلب یہ ہوا کہ اس سے پہلے جو جہت تمہارے لئے قبلہ تھی اور عارضی طور پر اسے تبدیل کر دیا گیا تھا، اب پھر اسی جہت کعبہ کو قبلہ بنا دیا گیا ہے۔

چنانچہ واقعہ یہی ہوا کہ جب تک رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ میں تشریف فرما رہے، اصالۃً خانہ کعبہ ہی کی طرف نماز پڑھتے رہے، لیکن خانہ کعبہ کی اس جہت میں کھڑے ہوتے تھے جدھر سے بیت المقدس کا بھی استقبال ہو جائے، پھر جب ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے، تو اللہ کے حکم سے بیت المقدس کی طرف متوجہ ہو گئے، کیونکہ مدینہ میں ممکن نہ تھا کہ دونوں کی طرف استقبال ہوتا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسی کا حوالہ دیا کہ پہلے جو قبلہ تھا اب پھر اسی جہت کو قبلہ بنایا گیا۔

عَلم ظھورٍ: إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ الخ سے بظاہر اشکال ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پہلے سے نہیں

جانتے تھے کہ کون رسول کا اتباع کرتا ہے اور کون نہیں کرتا، جب قبلہ بدل گیا تب اللہ کو معلوم ہوا کہ کون پیروئ رسول کرتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے علم کا حادث ہونا لازم آتا ہے۔اس کا جواب مفسر نے **علـم ظهـور** کا لفظ لاکر دیا ہے، مراد یہ ہے کہ یہاں علم کا حدوث نہیں مراد ہے، علم کا ظہور مراد ہے۔اس طرح عبارت یہ ہوگی **إلا ليظهر علمنا من يتبع الرسول** یعنی تحویل قبلہ کا امتحان اس لئے ہوا کہ اتباع رسول کے سلسلے میں ہمارا علم ظاہر ہوجائے۔

يَنْقَلِبُ عَلىٰ عَقِبَيْهِ :۔ایڑیوں کے بل پلٹنے کا مفہوم لوٹنے کا ہے، یعنی جس کفر سے نکل کر آئے تھے پھر اسی میں لوٹ جائیں۔

﴿وَإِنْ﴾ مخففة من الثقيلة و إسمها محذوف أى و إنها :۔إِنْ بالتخفیف إِنَّ بالتشدید کا مخفف ہے، اس کے نافیہ ہونے کا بھی احتمال ہوسکتا تھا، لیکن آگے خبر لکبیرة لام کے ساتھ آرہی ہے، یہی لام إِنْ مخففہ اور إِنْ نافیہ کے درمیان فارق ہے۔

صلاتكم :۔یہ **ایمانکم** کی تفسیر ہے، مفسر نے ایمان کی تفسیر **صلوٰۃ** سے کی ہے، کیونکہ نماز ہی کے متعلق حضراتِ صحابہ نے آپ سے سوال کیا تھا، اور یہ آیت اسی کے جواب میں نازل ہوئی تھی، اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب تحویل قبلہ کا واقعہ پیش آیا تو ازراہِ شرارت یہود نے مسلمانوں میں وسوسہ اندازی کی کوشش کی ، چنانچہ یہودیوں کے کسی بڑے عالم نے مسلمانوں سے سوال کیا کہ تم لوگوں نے جو نمازیں بیت المقدس کی طرف پڑھی ہیں وہ ہدایت تھی یا ضلالت؟ اگر وہ ہدایت تھی تو تم اس سے منحرف ہوگئے، اور اگر ضلالت تھی تو تم اتنی مدت تک ضلالت پر رہے، اور جو اسی حالت میں مرگیا اس کی موت گمرہی پر ہوئی۔مسلمانوں نے جواب دیا کہ جو اللہ کا حکم ہو، وہ ہدایت ہے اور جس سے اللہ منع کریں وہ ضلالت ہے۔اس نے کہا کہ جو لوگ ہمارے قبلہ کی طرف رُخ کرنے کے بعد مرگئے ان کے بارے میں تم کس بات کی گواہی دوگے، اس دوران بنی نجار کے حضرت اسعد بن زرارہ اور بنی سلمہ کے براء بن معرور کا انتقال ہوا تھا، اور کچھ اور لوگ بھی فوت ہوئے تھے۔

وقدم الأبلغ للفاصلة :۔قاعدہ یہ ہے کہ ایک ہی مفہوم کے دو لفظ یکجا استعمال ہوتے ہیں، تو عام کو پہلے اور خاص کو بعد میں لایا جاتا ہے، اور بلیغ کو پہلے اور ابلغ کو بعد میں لایا جاتا ہے، تاکہ دونوں لفظوں کا یکجا استعمال جو ہم معنی ہیں بے فائدہ نہ ہو، لیکن رؤف جو مہربانی کے معنی میں بلیغ تر ہے، اسے پہلے لائے اور رحیم جو کہ عام ہے بعد میں لائے، یہ ترتیب منعکس ہوگئی۔

اس کا جواب مفسر نے دیا کہ یہاں ابلغ کی تقدیم فاصلہ کی رعایت سے ہے، فاصلہ آیت کے آخری کلمہ کو کہتے ہیں، جیسے شعر میں قافیہ ہوتا ہے، اور عام نثر میں سجع، قرآن میں اس کی تعبیر فاصلہ سے کی جاتی ہے، یہ تعبیر

قرآن کریم کی آیت فصلت آیاته سے ماخوذ ہے۔

☆☆☆☆☆

﴿قَدْ﴾ للتحقيق ﴿نرىٰ تَقَلُّبَ﴾ تصرف ﴿وَجْهِكَ فِي﴾ جهة ﴿السَّمَاءِ﴾ متطلعاً إلى الوحى ومتشوقاً للامر باستقبال الكعبة وكان يؤد ذٰلك لأنها قبلة إبراهيم ولأنه أدعىٰ إلى اسلام العرب ﴿فَلَنُوَلِّيَنَّكَ﴾ نحولنك ﴿قِبْلَةً تَرْضٰهَا﴾ تحبها ﴿فَوَلِّ وَجْهَكَ﴾ استقبل فى الصلوٰة ﴿شَطْرَ﴾ نحو ﴿الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ أى الكعبة ﴿وَحَيْثُ مَاكُنْتُمْ﴾ خطاب للامة ﴿فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ﴾ فى الصلوة ﴿شَطْرَهٗ وَإِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوْاالْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ أَنَّهُ﴾ أى التولى إلى الكعبة ﴿الْحَقُّ﴾ الثابت ﴿مِنْ رَّبِّهِمْ﴾ لما فى كتبهم من نعت النبى ﷺ من أنه يتحول إليها ﴿وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ﴾ بالتا أيها المؤمنون من إمتثال أمره وبالياء أى اليهود من انكار أمر القبلة ﴿وَلَئِنْ﴾ لام قسم ﴿أَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوْاالْكِتٰبَ بِكُلِّ آيَةٍ﴾ علىٰ صدقك فى أمر القبلة ﴿مَاتَبِعُوْا﴾ أى لايتبعون ﴿قِبْلَتَكَ﴾ عناداً ﴿وَمَا أَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ﴾ قطع لطمعه فى إسلامهم وطمعهم فى عوده إليها ﴿وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ﴾ أى اليهود قبلة النصارىٰ وبالعكس ﴿وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَ هُمْ﴾ التى يدعونك إليها ﴿مِنْ بَعْدِ مَاجَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ﴾ الوحى ﴿إِنَّكَ إِذاً﴾ إن اتبعتهم فرضاً ﴿لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ﴾ أى محمداً ﴿كَمَايَعْرِفُوْنَ أَبْنَاءَ هُمْ﴾ بنعته فى كتابهم قال ابن سلام لقدعرفته حين رأيته كماأعرف ابنى و معرفتى لمحمدٍ أشد رواه البخارى ﴿وَإِنَّ فَرِيْقاً مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ﴾ نعته ﴿وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ﴾ هٰذاالذى أنت عليه ﴿اَلْحَقُّ﴾ كائناً ﴿مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ﴾ الشاكين فيه أى من هٰذاالنوع فهو أبلغ من لاتمتر ﴿وَلِكُلٍّ﴾ من الامم ﴿وِّجْهَةٌ﴾ قبلة ﴿هُوَ مُوَلِّيْهَا﴾ وجهه فى صلاته وفى قراءةٍ مُوَلَّاهَا ﴿فَاسْتَبِقُوْا الْخَيْرَاتِ﴾ بادروا إلى الطاعات وقبولها ﴿اَيْنَمَا تَكُوْنُوْا يَأْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعاً﴾ يجمعكم يوم القيٰمة فيجازيكم بأعمالكم ﴿إِنَّ اللّٰهَ عَلىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ﴾ لسفر ﴿فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ﴾ بالتاء والياء تقدم مثله وكرره لبيان تساوى حكم السفر وغيره ﴿وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَاكُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ﴾ كرره للتاكيد ﴿لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ﴾ اليهود والمشركين ﴿عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ﴾ أى مجادلة فى التولى إلىٰ

غيـرهـا أى ليـنتفى مجادلتهم لكم من قول اليهود يجحد ديننا ويتبع قبلتنا وقول المشركين يـدعـى مـلة ابـراهيـم ويخالف قبلته ﴿إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوْا مِنهُمْ﴾ بالعناد فإنهم يقولون ماتحول إليهـا إلا ميلاً إلىٰ ديـن آبـائـهٖ والاستثناء متصل والمعنى لايكون لأحدٍ عليكم كلام إلا كلام هٰؤلاء ﴿فَلا تَخْشَوْهُمْ﴾ تخـافـوا جـدالهـم فـى التـولـى إليهـا ﴿وَاخْشَوْنِىْ﴾ بـإمتثال أمـرى ﴿وَلِأُتِـمَّ﴾ عطف علىٰ لئلايكون ﴿نِعْمَتِىْ عَلَيْكُمْ﴾ بالهداية إلىٰ معالم دينكم ﴿وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَـدُوْنَ﴾ إلـى الـحـق ﴿كَـمَـا أَرْسَلْنَا﴾ متعلق بأتم أى إتماماً كإتمامها بإرسالنا ﴿فِيْكُمْ رَسُوْلاً مِّـنْكُمْ﴾ مـحـمـداً ﷺ ﴿يَتْـلُـوْا عَـلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا﴾ القرآن ﴿وَيُزَكِّيْكُمْ﴾ يطهركم من الشرك ﴿وَيُعَـلِّـمُـكُـمُ الْكِتٰبَ﴾ الـقـرآن ﴿وَالْـحِكْمَةَ﴾ مافيه من الاحكام ﴿وَيُعَلِّمُكُمْ مَّالَمْ تَكُوْنُوْا تَـعْـلَـمُـوْنَ فَـاذْكُـرُوْنِـىْ﴾ بـالـصـلـوٰة والتسبيح ونحوه ﴿أَذْكُرْكُمْ﴾ قيل معناه أجازيكم وفى الـحـديـث عن الله "من ذكرنى فى نفسه ذكرته فى نفسى ومن ذكرنى فى ملأ ذكرته فى ملأ خير من ملائه ﴿وَاشْكُرُوْلِىْ﴾ نعمتى بالطاعة ﴿وَلَا تَكْفُرُوْنِ﴾ بالمعصية۔

﴿ترجمـــــــــــه﴾

(بلاشبہ) قــد تحقیق کیلئے ہے (ہم دیکھتے ہیں تمہارے چہرے کے پھرنے کو آسمان) کی جہت (میں) وحی کے انتظار اور استقبال قبلہ کے حکم کے اشتیاق میں، آپ اس کو چاہتے تھے، کیونکہ وہ ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ تھا، اور اس لئے کہ وہ اہل عرب کے اسلام لانے کے لئے زیادہ داعی تھا (تو ہم تمہیں ضرور اس قبلہ کی طرف متوجہ کردیں گے جسے تم پسند کرتے ہو، لہٰذا تم اپنا رُخ پھیرلو) نماز میں (مسجد حرام کی جانب) یعنی کعبہ کی جانب (اور جہاں کہیں تم ہو) یہ امت کو خطاب ہے (پس) نماز میں (اپنا رُخ اس کی جانب کرلو اور بلاشبہ وہ لوگ جنھیں کتاب دی گئی خوب جانتے ہیں کہ یہ) یعنی کعبہ کی طرف رُخ کرنا (حق ہے) ثابت ہے (ان کے رب کی جانب سے) کیونکہ ان کی کتابوں میں نبی ﷺ کے اوصاف میں ہے کہ ان کو اسی کی طرف متوجہ کردیا جائے گا (اور اللہ ان کاموں سے غافل نہیں ہیں جو تم کرتے ہو) تـعـمـلـون تاء سے ہے، مطلب یہ ہے کہ اے ایمان والو! تم جو ان کے امر کا امتثال کرتے ہو، اللہ اس سے غافل نہیں ہیں، اور یاء سے غائب کا صیغہ یعنی یہود جو امر قبلہ کا انکار کرتے ہیں، اللہ اس سے غافل نہیں ہیں (اور اگر) لــئــن میں لام قسم کا ہے (تم ان لوگوں کو جنھیں کتاب دی گئی تمام نشانیاں لاکر دیدو) یعنی امر قبلہ کے سلسلے میں تمام نشانیاں (تب بھی یہ) عناد کی وجہ سے (تمہارے قبلہ کی پیروی نہ کریں گے، اور تم بھی ان کے قبلہ کا اتباع نہیں کروگے) ان الفاظ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس امید کو منقطع کردیا جو آپ کو ان کے اسلام لانے کے متعلق تھی، اور ان کی امید کو بھی ختم کردیا، جو آپ کے سلسلے میں انھیں تھی

کہ شاید پھر بیت المقدس کو قبلہ بنالیں (اور نہ خود ان میں سے بعض دوسرے کے قبلہ کی پیروی کرے گا) یعنی یہود نصاریٰ کے قبلے کی، اور اس کے برعکس (اور اگر تم ان کی خواہشات کی پیروی کروگے) جس کی جانب وہ تمہیں بلارہے ہیں (بعد اس کے کہ تمہارے پاس علم) یعنی علم وحی (آچکا ہے تب تم) اگر بالفرض تم نے ان کی پیروی کرلی (ظالموں میں ہوجاؤگے، جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ انھیں) یعنی محمد کو (اسی طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں) آپ کی ان صفات کی وجہ سے، جو ان کی کتابوں میں موجود ہیں، حضرت عبداللہ بن سلام نے فرمایا کہ جب میں نے آپ کو دیکھا تھا جبھی پہچان لیا تھا، جیسے میں اپنے بیٹے کو پہچانتا ہوں، بلکہ حضور ﷺ کو اس سے زیادہ پہچانتا ہوں (اور بے شک ان میں سے ایک گروہ حق کو چھپاتا ہے) یعنی آپ کی صفات کو (حالانکہ وہ جانتے ہیں) یہ طریق جس پر تم ہو (حق ہے، تمہارے رب کی طرف سے، اس لئے) اس میں (شک کرنے والوں میں نہ ہو) یعنی شک کرنے والوں کی قسم میں نہ ہو، یہ جملہ **لاتمتر** سے زیادہ بلیغ ہے اور معنی خیز ہے (اور ہر ایک) امت (کیلئے ایک جہت) قبلہ (ہے، وہ اس کی طرف) اپنے رُخ کو نماز میں (متوجہ کرتی ہے) اور ایک قرأۃ میں **مُـوَلَّاهَـا** ہے (بس بھلائیوں) یعنی طاعات اور ان کو ماننے (کی جانب سبقت کرو، جہاں بھی تم ہوگے اللہ تعالیٰ تم سب کو لائیں گے) یعنی قیامت کے دن جمع کرے گا، پھر تمہارے اعمال کا تم کو بدلہ دیں گے (بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں، اور جہاں سے بھی نکلو) سفر کے واسطے (تو اپنے رخ کو مسجد حرام کی جہت میں کرلو اور بے شک یہ حق ہے تمہارے رب کی جانب سے، اور اللہ غافل نہیں ہیں اس سے جو تم کرتے ہو) **تعملون** تاء اور یاء دونوں سے ہے، اس جیسے الفاظ گذر چکے ہیں، اور اسے مکرر بیان کیا تاکہ سفر اور حضر کے حکم کی تساوی معلوم ہوجائے (اور جہاں سے بھی تم نکلو تو اپنے رخ کو مسجد حرام کی جہت میں کرلو، اور جہاں بھی تم ہو اپنے رخ کو اسی کی طرف رکھو) اس کو تاکید کے واسطے مکرر لائے (تاکہ لوگوں) یعنی یہود یا مشرکین (کو تم پر کوئی حجت نہ رہے) یعنی اس کے علاوہ کی طرف رخ کرنے کے سلسلے میں کوئی جھگڑا باقی نہ رہے، یعنی ان کا تم سے جھگڑا منقطع ہوجائے، چنانچہ یہود کہتے تھے کہ ہمارے دین کا انکار کرتے ہیں اور ہمارے قبلہ کو تسلیم کرتے ہیں، اور مشرکین کہتے تھے کہ ملت ابراہیمی پر ہونے کے مدعی ہیں اور ان کے قبلہ کے خلاف ہیں (سوائے ان کے جنھوں نے ان میں سے ظلم کیا) عناد کی وجہ سے، تو وہ کہیں گے کہ کعبہ کی طرف جو رُخ کیا ہے، تو صرف اس لئے کہ اپنے آباء واجداد کے دین کی طرف ان کا میلان ہے، اور استثناء متصل ہے، معنی یہ ہے کہ تم پر کسی کا کوئی کلام باقی نہ رہے، سوائے ان لوگوں کے کلام کے (پس ان سے مت ڈرو) یعنی کعبہ کی طرف رُخ کرنے میں ان کے جھگڑنے سے مت ڈرو (اور مجھی سے ڈرو) میرے امر کی تعمیل کرو (اور اس لئے کہ میں تام کردوں) یہ **لـــئـلا یـکـون** پر عطف ہے (اپنے احسان کو تم پر) تمہارے دین کی بنیادی باتوں کی ہدایت دے کر (اور شاید تم) حق کی

جانب (راہ یاب ہو جاؤ جیسا کہ ہم نے بھیجا) کما ارسلنا، أتم سے متعلق ہے یعنی ویسا ہی اتمام جیسے ہم نے (تم میں تمہارے ہی اندر سے ایک رسول) محمد ﷺ کو بھیج کر تام کیا (جو تم کو ہماری آیات) قرآن (پڑھ کر سناتا ہے اور تمہارا تزکیہ کرتا ہے) یعنی شرک سے تم کو پاک کرتا ہے (اور تم کو کتاب) قرآن (اور حکمت) یعنی جو اس میں احکام ہیں ان (کی تعلیم دیتا ہے، اور سکھاتا ہے تم کو جو کچھ تم نہیں جانتے تھے، پس مجھ کو) نماز اور تسبیح وغیرہ سے (یاد کرو، میں تم کو یاد کروں گا) کہا گیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ میں تم کو جزا دوں گا، اور حدیث میں اللہ تعالیٰ کے حوالے سے منقول ہے کہ جو مجھے اپنے دل میں یاد کرے گا میں اسے اپنے جی میں یاد کروں گا، اور جو کوئی مجھے کسی مجمع میں یاد کرے گا میں اسے اس سے بہتر مجمع میں یاد کروں گا (اور میرا شکر ادا کرو) یعنی میری نعمت کا شکر ادا کرو میری طاعت کر کے، اور میری معصیت کر کے (میری ناشکری نہ کرو)

﴿تشریحات﴾

قَدْنَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِکَ :۔ نبی کریم ﷺ کو جب وحی کا انتظار ہوتا، تو بار بار آپ کی نگاہیں آسمان کی جانب اٹھتی تھیں، کیونکہ جبریل امین کا نزول اسی جانب سے ہوتا تھا، تحویل قبلہ کے سلسلے میں بھی آپ کے انتظار واشتیاق کی یہی کیفیت تھی۔

خطاب للامة :۔ رسول سے خطاب کے بعد امت سے خطاب فرمایا، رسول ہی والا خطاب امت کے لئے بھی کافی تھا، مگر امت وسط اور شہداء علی الامم کی اہمیت کے پیش نظر غالباً ان سے الگ بھی خطاب کیا گیا۔

﴿مَاتَبِعُوْا﴾ أی لایتبعون :۔ ماضی کی تفسیر مستقبل سے اس لئے کی کہ شرط وجزا کا تعلق مستقبل ہی سے ہے۔

قطع لطمعه فی إسلامهم :۔ مَاتَبِعُوْا قِبْلَتَکَ فرما کر حق تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی اس امید کو منقطع فرمادیا جو آپ کو یہود سے ان کے صاحب علم اور اہل کتاب ہونے کی بنا پر تھی، اللہ تعالیٰ نے بتادیا کہ یہ اپنے عناد کی وجہ سے اتباعِ حق کا جذبہ کھو چکے ہیں، اس لئے ان سے کوئی امید نہ رکھو، بلکہ ان سے صرفِ نظر کرلو۔

وطمعهم فی عوده إلیها :۔ یہود اس خام خیالی میں تھے کہ شاید پھر یہ بیت المقدس کو قبلہ بنانے کی جانب پلٹ آئیں، کسی خاص مصلحت سے بیت اللہ کو قبلہ بنالیا ہے، پھر پرانے قبلہ کی طرف لوٹ آئیں گے، اللہ تعالیٰ نے ان کی خام خیالی کو وَمَا أَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ کہہ کر دور فرمادیا۔

أی الیهود قبلة النصاریٰ وبالعکس :۔ عیسائیوں کا قبلہ مشرق ہے، اور یہودیوں کا قبلہ صخرۂ بیت المقدس۔ علامہ ابن قیم نے بدائع الفوائد میں لکھا ہے کہ اہل کتاب کا قبلہ اللہ کے امر سے نہ تھا بلکہ ان کے آپس کے مشورہ اور اجتہاد سے تھا، کیونکہ انجیل میں اللہ تعالیٰ نے کہیں حکم نہیں دیا ہے کہ نصاریٰ نماز میں مشرق کی جانب منہ کریں، یہ قبلہ ان کے مشائخ نے متعین کیا ہے، یہی حال یہود کا بھی ہے، انھیں اللہ نے صخرۂ بیت المقدس کی

طرف رُخ کرنے کا توریت میں مطلقاً حکم نہیں دیا ہے، وہ تابوت کو سامنے رکھ کر نماز پڑھتے تھے، وہی تابوت جس کا ذکر سورہ بقرہ میں آیا ہے، اور جب بیت المقدس میں ہوتے تو اسے صخرہ پر رکھتے تھے، پھر آہستہ آہستہ اس کو قبلہ بنالیا۔

بنعته في كتبهم :۔ **بنعته**، **يعرفونه** کے متعلق ہے، یعنی اس بیان اوصاف کی وجہ سے جو ان کی کتابوں میں مذکور ہے، وہ آپ کو بخوبی پہچانتے ہیں۔

هٰذاالذى أنت عليه :۔ یہ پورا جملہ بتاویل مفرد ہوکر مبتدا ہے، اور **الحق من ربك** خبر ہے، اس میں **من ربك** حال ہے، اس لئے مفسر نے **كائنا** کو ظاہر کیا ہے۔

الشاكين فيه أى من هٰذاالنوع :۔ یہ **من الممترين** کی تفسیر ہے، یعنی جو لوگ شک کرنے والے ہیں، ان کی نوع میں مت ہو۔

فهو أبلغ من لاتمتر :۔ **فلاتكونن من الممترين** کی تفسیر **لاتمتر** (نہی باب افتعال) سے بھی ہوسکتی تھی، اس میں شک کرنے سے نہی بالتصریح ہوتی اور **فلاتكونن من الممترين** میں شک کرنے والوں میں ہونے کی نہی ہے، التزاماً شک کرنے سے نہی ہے، اور قاعدہ ہے کہ **الكناية أبلغ من التصريح**، اس قاعدہ کے تحت مصنف نے فرمایا ہے کہ یہ **لاتمتر** سے بلیغ تر ہے۔

وفى قراءةٍ مُوَلَّاهَا :۔ ایک قرأت میں بجائے **موليها** بصیغہ اسم فاعل کے **مولاها** بصیغہ اسم مفعول ہے، **مولاها** میں ضمیر نائب فاعل ہے، اور **ها** مفعول ثانی ہے۔

الخيرات :۔ منصوب بنزع الخافض ہے، یعنی **فَاسْتَبِقُوْا إلَى الْخَيْرَات**، **خيرات خيرة** کی جمع ہے، یہ لفظ **خَيِّرَةٌ** کا مخفف ہے، یا یہ کہ براہ راست لفظ **خَيْرَةٌ** بالتخفیف ہی ہے۔

كرره للتاكيد :۔ خازن میں ہے کہ کیا اس تکرار میں کوئی فائدہ ہے؟ جواب یہ ہے کہ اس میں فائدۂ عظیمہ ہے، کیونکہ یہ پہلا واقعہ ہے، جس میں نسخ کا ظہور ہوا ہے۔ حق تعالیٰ کے احکام کے سلسلے میں یہ نسخ بظاہر عجیب معلوم ہوتا ہے، اس لئے تکرار کی ضرورت پیش آئی تاکہ بات خوب مؤکد ہوجائے، اور کسی طرح کا شبہ ذہنوں میں باقی نہ رہے۔

اليهود أوالمشركين :۔ **الناس** میں لام عہد کا ہے اور **لئلا يكون** کی نفی کا تعلق **الناس** کے ہر فرد یعنی یہود اور مشرکین دونوں سے ہے، اسی لئے ان دونوں کے درمیان لفظ **أوْ** سے عطف لائے ہیں یعنی نہ یہود کے لئے حجت باقی رہے اور نہ مشرکین کے لئے، یہ عموم نفی ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ نفی کا تعلق **الناس** کے مجموعہ کے ساتھ ہو، اس صورت میں **الناس** کے کسی فرد کے لئے حجت منقطع ہوجاتی، تو کہا جاسکتا تھا کہ حجت باقی نہیں رہی، گو کہ ایک

فرد کے لئے باقی رہتی۔ اس لئے یہ مراد نہیں ہے۔

أی لینتفی مجادلتهم لکم :۔ یہ لِئَلَّا یَکُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَیْکُمْ حُجَّةٌ کا حاصل معنی ہے، پھر دونوں فریق کے مجادلے کو من قول الیهود الخ سے بیان کیا گیا، یہود کا مجادلہ یہ تھا کہ یہ عجیب نبی ہیں کہ قبلہ تو ہمارا اختیار کئے ہوئے ہیں اور پھر ہمارے دین کی مخالفت کرتے ہیں، اور مشرکین کا مجادلہ یہ تھا کہ دعویٰ ملت ابراہیم پر ہونے کا کرتے ہیں اور قبلہ یہودیوں کا اختیار کئے ہوئے ہیں، تحویل قبلہ کے بعد یہ دونوں مجادلے ختم ہو گئے۔

﴿إِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ﴾ بالعناد :۔ ہاں جو معاند و ظالم ہیں، ان کا مشاغبہ کبھی ختم نہ ہوگا، انھیں کوئی اور بات نہیں ملے گی تو یہی الزام رکھیں گے کہ اب یہ اپنے آباء و اجداد کی طرف مائل ہو گئے ہیں۔

إِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ، مستثنیٰ ہے اور مستثنیٰ منه الناس ہے، اور یہ استثناء متصل ہے، یعنی لا یکون لأحدٍ علیکم کلام إلا کلام هؤلاء، اس تفسیر کو تحریر کر کے مفسر نے بتایا کہ یہاں حجت اپنے حقیقی معنی یعنی دلیل کے مفہوم میں نہیں ہے بلکہ مجادلہ و اعتراض کے معنی میں ہے۔ اس مجادلہ کو حجت و دلیل کے ساتھ ظاہراً مشاکلت کے باعث کہا گیا ہے۔

عطف لئلا یکون :۔ و لاتم کا عطف لئلا یکون پر ہے، یعنی یہ تحویل قبلہ اس لئے ہوا کہ لوگوں کا مشاغبہ ختم ہو، اور اس لئے ہوا کہ تم پر اللہ کی نعمت تام ہو۔

کما أرسلنا متعلق بأتم :۔ کاف حرف جر تشبیہ کے لئے ہے، اس کیلئے ایک متعلق درکار ہے، مفسر نے اس کا تعلق أتم سے بیان کیا ہے، اور ما أرسلنا میں ما مصدریہ ہے، گویا یہ إرسالنا ہے، مصدر کی تشبیہ مصدر ہی سے ہوگی، اس لئے مفسر نے اس کی تفسیر میں فرمایا أی إتماماً کإتمامها بإرسالنا، اس نعمت کا تام کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ تمہارے درمیان ایک رسول مبعوث فرما کر ہم نے نعمت تام کی ہے۔

قیل معناه أجازیکم :۔ أذکرکم کا معنی بعض حضرات نے یہ بیان کیا ہے کہ میں تمہارے ذکر کی جزا عطا کروں گا، بعض لوگوں نے کہا ہے کہ أعینکم تمہاری مدد کروں گا، بعض کا قول ہے کہ أغفر لکم۔

وفی الحدیث الخ :۔ یہ أذکرکم کی دوسری تفسیر ہے جو بالکل ظاہر ہے یعنی ذکر سے مراد ذکر الٰہی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے اپنے جی میں یاد کرتا ہوں، اور جب وہ مجھے مجمع میں یاد کرتا ہے تو میں اس کے مجمع سے اچھے مجمع میں اسے یاد کرتا ہوں۔

﴿مضامین آیات و تفسیر﴾

تحویل قبلہ کی تمہیدات پہلے سے چل رہی تھیں، اب وہ وقت قریب ہے کہ قبلہ کو بدل دیا جائے، مگر اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے خبردار فرما دیا کہ جب قبلہ کی تبدیلی ہوگی تو جہالت کے مارے ہوئے بہت شور و غوغا مچائیں

گے کہ یہ کیا بات ہوئی کہ انھوں نے جو قبلہ اب تک اختیار کر رکھا تھا، اب وہ باقی نہ رہا۔ خدا جانے وہ حق تھا یا یہ حق ہے، حالانکہ مشرق ہو یا مغرب سب کے مالک تو اللہ ہیں، وہ جدھر چاہیں قبلہ بنادیں، اس میں دم مارنے کی گنجائش کہاں ہے، اور اللہ جسے چاہتے ہیں دین حق کی ہدایت دیتے ہیں، انھیں نے اپنے فضل سے اہل ایمان کو سیدھی راہ بخشی ہے اور امت محمدیہ کو امت وسط بنایا ہے جو دوسرے تمام لوگوں کے لئے شاہد اور معیار ہے، اس کا ایمان وعمل دوسری امتوں کے لئے معیار ہے، اور قیامت کے دن انھیں کی شہادت معتبر ہوگی، اور ان کے ایمان وعمل کے لئے نبی شاہد اور معیار ہیں۔ نبی ان کے حق میں قیامت کے دن گواہی دیں گے۔

اور یہ تحویل قبلہ تو ایک آزمائش کا سامان ہے، اس سے امتحان ہوجائے گا کہ رسول کا متبع کون ہے؟ اور کون اپنی خواہش کے پیچھے دوڑتا ہے، جس نے صدقِ دل سے آپ کو نبی مانا ہے وہ تو بے تکلف آپ کی بات کو قبول کرلے گا، اور جو گومگو میں ہوگا اس کو اپنی عزت ووقار کا خیال دبائے گا وہ یہ سوچے گا کہ ان کا کہاں تک ساتھ دیا جائے، یہ تو کبھی کچھ کہتے ہیں اور کبھی کچھ، انھیں خود اپنے معاملے میں استقرار واستقلال نہیں ہے، پھر کوئی کب تک ان کے پیچھے دوڑتا رہے گا، اور دوسروں کے طعنوں کا نشانہ بنتا رہے گا۔

تو یہ تحویل لوگوں پر گراں پڑ رہی ہے، مگر جنھیں اللہ نے صحیح سوجھ بوجھ عطا فرمائی ہے وہ مطمئن ہیں، انھیں کچھ مشکل نہیں ہے اور تم جو یہ سوچ رہے ہو، یا دوسرے لوگ شک پیدا کر رہے ہیں کہ جو بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے کی مدت میں انتقال کرچکے ہیں، ان کا کیا ہوگا، تو خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ کسی کے ایمان اور ایمان والے اعمال کو ضائع کرنے والے نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ تو بہت مہربان اور رحیم ہیں۔

حق تعالیٰ غایت رحمت وعنایت سے رسول اللہ ﷺ کو خطاب کرتے ہیں کہ ہم تمہارے شوق وانتظار کو سمجھ رہے ہیں اور دیکھ رہے ہیں کہ تمہارا منہ وحی کے انتظار میں آسمان کی جانب بار بار اٹھتا ہے، تو لو ہم تمہارے لئے وہی قبلہ متعین کرتے ہیں جو تم چاہتے ہو، تو اب نماز کعبہ کی طرف رُخ کر کے پڑھا کرو۔ حضر میں ہو تو بھی سفر میں ہو تو بھی، اور اہل کتاب کو بھی اس تحویل قبلہ کی حقانیت خوب معلوم ہے، وہ جانتے ہیں کہ یہ سب کارروائی اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے اور برحق ہے، اس کا ذکر ان کی کتابوں میں ہے، اور اللہ تعالیٰ اس بات سے غافل نہیں ہے جو تم لوگ کرتے ہو، یا جو اہل کتاب کرتے ہیں۔

اور ان اہل کتاب کے عناد وضد کا حال تو یہ ہے کہ ان کے سامنے تمام دلائل وآیات کو واضح کردیا جائے تب بھی یہ سچے قبلہ کی پیروی نہ کریں، اور نہ تمہیں ہی اجازت ہے کہ ان کے منسوخ شدہ قبلہ کی طرف رُخ کرو، اور خود بعض اہل کتاب دوسرے اہل کتاب کے قبلہ کو نہیں مان سکتے۔ اب بالفرض تم نے ان کی خواہشات نفس کو کسی بھی درجہ میں تسلیم کرلیا جب کہ تمہارے پاس وحی آچکی ہے، اگر تم نے ایسا کیا تو تمہارا شمار ظالموں میں ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ تو معصوم تھے، ان سے تو اس بات کا تصور بھی نہ تھا کہ یہود ونصاریٰ کی موافقت کریں گے، یہ درحقیقت آپ کے واسطے سے آپ کی امت کو خطاب ہے کہ جب ان کے پاس وحی الٰہی کے ذریعے سے علم آچکا ہے تو اب کسی دوسرے نظریہ اور انسانی افکار وخیالات کے اتباع وپیروی میں بجز ظلم اور ضلالت کچھ نہ ہوگا۔

عناد وضد کا تو وہ حال ہے جو اوپر ذکر ہوا، اور علم ومعرفت کا حال یہ ہے کہ وہ اپنی آسمانی کتابوں میں نبی ﷺ کے احوال واوصاف کو پڑھ پڑھ کر آپ کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح باپ اپنے بیٹوں کو پہچانتا ہے کہ باپ کو اپنی اولاد کے پہچاننے میں کبھی اشتباہ نہیں ہوتا، اسی طرح انھیں بھی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے نبی برحق ہونے میں کوئی اشتباہ نہیں ہے، لیکن اس کے باوجود ان میں ایک گروہ ایسا ہے جو سچی بات کو چھپاتا ہے، حالانکہ وہ اسے خوب جانتے ہیں۔

ہم نے ہر دور میں ہر امت کے لئے ایک قبلہ اور رُخ متعین کیا تھا، وہ اسی کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھا کرتی تھی، اصل کام یہ ہے نیکیوں میں سبقت لے جاؤ، تم کہیں بھی ہو اللہ تعالیٰ سب کو قیامت کے دن اکٹھا کر کے اپنے سامنے حاضر کریں گے، اور ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ دیں گے، اللہ کو ہر چیز پر قدرت حاصل ہے، اگر سفر میں نکلنا ہو تب بھی قبلہ وہی جہت کعبہ ہے۔ اور مکرر سنو کہ جہاں سے بھی نکلو اور جہاں بھی ہو نماز میں تمہارا رُخ مسجد حرام کی جانب ہونا چاہئے، تاکہ اب کسی کو اس سلسلے میں مجال گفتگو باقی نہ رہے، البتہ جن کا شیوہ ہی ظلم وعناد ہے ان کی زبان کیونکر رکے گی، وہ تو الزام واتہام کو دہراتے ہی رہیں گے، اس لئے اس سلسلے میں کسی سے کچھ اندیشہ نہ کرو، بس مجھی سے ڈرو اور میرے امر کا امتثال کرو، اور یہ بھی مقصد ہے کہ میں تم پر اپنی نعمت مکمل کردوں، یعنی تمام احکام وشرائع کی تکمیل کردوں، چنانچہ تم میں ایک رسول تمہیں میں سے بھیج چکا ہوں، وہ تم کو ہماری آیات پڑھ کر سناتا ہے اور تمہارا تزکیہ کرتا ہے اور تمہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے، اور بہت سی باتیں جو تم نہیں جانتے تھے تمھیں سکھاتا ہے۔ میرے ان احسانات کا حق یہ ہے کہ تم نماز اور تسبیح وتہلیل کے ذریعے سے مجھے یاد کرو، میں بھی تمہیں یاد کروں گا، یعنی اس کا اجر وثواب عطا کروں گا، اور میرا احسان مانو، ناشکری نہ کرو یعنی میری اطاعت وفرمانبرداری میں لگے رہو، نافرمانی نہ کرو۔

☆☆☆☆☆

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا﴾ علی الآخرة ﴿بِالصَّبْرِ﴾ علی الطاعة والبلاء ﴿وَالصَّلٰوةِ﴾ خصها بالذكر لتكررها وعظمها ﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ﴾ بالعون ﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾ هم ﴿اَمْوَاتٌ بَلْ﴾ هم ﴿اَحْیَآءٌ﴾ أرواحهم في حواصل طيور خضر تسرح في الجنة حيث شاءت لحديث بذلك ﴿وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ﴾ تعلمون ما هم فيه ﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ

بِشَــیْءٍ مِّـنَ الْـخَـوْفِ﴾لـلـعـدو﴿وَالْـجُـوْعِ﴾الـقـحـط﴿ونَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ﴾ بـالهـلاک﴿وَالْاَنْـفُـسِ﴾بالقتل والامراض والموت﴿وَالثَّمَرَاتِ﴾بالجوائح أی لنختبرنكم فـنـنـظـر أتـصـبـرون أم لا ﴿وَبَشِّرِ الـصَّـابِـرِيْـنَ ﴾على البلاء بالجنة هم﴿الَّذِيْنَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ﴾بـلاء ﴿قَـالُـوْا إِنَّـا لِلّٰهِ﴾ملكاً وعبيداً يفعل بنا مايشاء﴿ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ﴾في الآخرة فـيـجـازيـنـا فـی الحدیث من استرجع عند المصيبة أجره الله فيها واخلف عليه خيراً وفيه أن مـصـبـاح الـنـبـی ﷺ طفئ فاسترجع فقالت عائشةؓ إنما هٰذا مصباح فقال كل ماساء المؤمن فهو مصيبة رواه ابوداؤد فی مراسيله ﴿ أُوْلٰئِکَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ﴾مغفرة ﴿مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ﴾ نعمة﴿وَّأُوْلٰئِکَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴾إلى الصواب﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ﴾جبلان بمكة﴿مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ﴾اعلام دينه جمع شعيرة ﴿فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِاعْتَمَرَ﴾أی تلبس بالحج والعمرة وأصلهما الـقـصـد والـزيـارة﴿ فَلاجَنَاحَ ﴾إثم﴿ عَلَيْهِ أَنْ يَّطَّوَّفَ ﴾ فيه ادغام التاء فی الاصل فی الطاء ﴿بِهِـمَـا﴾بـأن يسعىٰ بينهما سبعاً نزلت لما كره المسلمون ذٰلک لأن أهل الجاهلية كانوا يـطـوفـون بهما وعليهما صنمان يمسحونهما وعن ابن عباس أن السعی غير فرضٍ لما أفاده رفع الاثم من التخيير وقال الشافعی وغيره ركن وبيّن ﷺ وجوبه بقوله إن الله كتب عليكم السعی رواه البيهقـی وغيـره وقـال إبـدؤا بـمـا بـدأالله بــه يـعنی الصفا رواه مسلم﴿وَمَنْ تَـطَوَّعَ﴾وفی قراء ة بالتحتانية وتشديدالطاء مجزوماً وفيه ادغام التاء فيها﴿خَيْراً﴾أی بخيرٍ أی فـعـل مـالـم يجب عليه من طوافٍ وغيره﴿فَإِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ﴾لعمله بالإثابة عليه﴿عَلِيْمٌ﴾به ونـزل فـی اليهـود﴿إِنَّ الَّـذِيْـنَ يَـكْتُمُوْنَ﴾ الناس ﴿مَاأَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدىٰ﴾ كآية الرجم ونعت محمدﷺ ﴿مِنْ بَعْدِ مَابَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ﴾التوراة﴿أُوْلٰئِکَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ﴾يبعدهم مـن رحـمتـه﴿وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ﴾الملائكة والمؤمنون أو كل شئی بالدعاء عليهم باللعنة ﴿إِلَّا الَّـذِيْـنَ تَـابُـوْا﴾رجـعـواعن ذٰلک﴿وَأَصْلَحُوْا﴾ عملهم﴿وَبَيَّنُوْا﴾ماكتموه﴿فَأُوْلٰئِکَ أَتُوْبُ عَلَيْهِمْ﴾أقبل توبتهم ﴿وَأَنَاالتَّوَّابُ الرَّحِيْمُ﴾بالمؤمنين ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ﴾ حـال﴿أُوْلٰـئِکَ عَـلَيْـهِـمْ لَـعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلا ئِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ﴾ أی هم مستحقوا ذٰلک فی الدنيا والآخرة والناس قيل عام وقيل المؤمنون﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَا﴾أی اللعنة أوالنار المدلول بها عليها ﴿ لايُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ﴾طرفة عين﴿وَلَاهُمْ يُنْظَرُوْنَ﴾ يمهلون لتوبة أومعذرة ونزل لـمّـا قـالـوا صف لناربک﴿وَإِلٰهُكُمْ﴾ أی المستحق للعبادة منكم﴿إِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾لانظير له فی

ذاته ولا فی صفاته﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾هو﴿الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ﴾

﴿ترجمـــــــــه﴾

(اے ایمان والو!) آخرت پر (مدد حاصل کرو) طاعت پر اور بلاؤں پر (صبر سے اور نماز سے) خاص طور سے نماز کا ذکر کیا، کیونکہ وہ بار بار پڑھی جاتی ہے، اور اس کی بڑی شان ہے (بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں) یعنی ان کی مدد کرتا ہیں (اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مقتول ہوتے ہیں انھیں مت کہو کہ) وہ (مردہ ہیں بلکہ) زندہ ہیں) ان کی روحیں ہرے پرندوں کے پوٹوں میں ہوتی ہیں، وہ جنت میں جہاں چاہتی ہیں چرتی چگتی پھرتی ہیں، جیسا کہ حدیث میں وارد ہے (لیکن تم نہیں جانتے) جن نعمتوں میں وہ ہیں (اور ہم تم کو ضرور آزمائیں گے کسی قدر) دشمن کے (خوف میں اور بھوک میں) یعنی قحط میں (اور مالوں کی) ہلاکت کے باعث (اور جانوں کی) قتل اور امراض کے باعث (اور پھلوں کی) آسمانی آفات کے باعث (کمی میں) یعنی ہم تمہارا امتحان لیں گے اور دیکھیں گے کہ تم صبر کرتے ہو یا نہیں؟ (اور) بلا پر (صبر کرنے والوں کو) جنت کی (بشارت دیدو) یہ وہ (لوگ ہیں کہ جب انھیں کوئی مصیبت) یعنی بلا (پہونچتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم) ملکیت میں بھی اور بندہ ہونے میں بھی (اللہ ہی کے لئے ہیں) وہ ہمارے ساتھ جو چاہیں معاملہ کریں (اور بے شک ہم انھیں کی طرف) آخرت میں (لوٹنے والے ہیں) وہ ہمیں اس کا صلہ دیں گے، حدیث میں ہے کہ جس نے مصیبت کے وقت إنـا اللہ الخ پڑھا، اللہ تعالیٰ اسے اجر دیں گے، اور اس کا نعم البدل عطا فرمائیں گے، اور حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ کے گھر میں چراغ جو جل رہا تھا، گل ہو گیا، آپ نے إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ، پڑھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا، یہ تو صرف ایک چراغ تھا، آپ نے فرمایا کہ جس چیز سے مومن کو تکلیف پہونچے وہ مصیبت ہے، اسے امام ابوداؤد نے اپنی مراسیل میں روایت کیا ہے (یہی لوگ ہیں کہ ان کے اوپر مغفرت ہے، ان کے رب کی جانب سے اور رحمت) یعنی نعمت (ہے، اور یہی لوگ) راہِ صواب کی جانب (ہدایت یاب ہیں، بے شک صفا اور مروہ) یہ دونوں مکہ میں دو پہاڑ ہیں (اللہ کے شعائر) یعنی اللہ کے دین کے نشانات (میں ہیں) **شعـائـر، شعیرۃ** کی جمع ہے (تو جو شخص بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے) حج اور عمرہ دونوں کے معنی قصد اور زیارت کے ہیں (تو اس پر گناہ نہیں ہے کہ ان دونوں کا طواف کرے) یعنی ان کے درمیان سات چکر سعی کرے، یہ آیت اس وقت نازل ہوئی، جبکہ مسلمانوں نے اس سعی کو ناپسند کیا تھا، کیونکہ جاہلیت میں لوگ ان کے درمیان سعی کرتے تھے، اور ان دونوں پہاڑوں پر دو بت رکھے ہوئے تھے، وہ انھیں تبرکاً ہاتھ لگاتے تھے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سعی فرض نہیں ہے، کیونکہ گناہ کی نفی اختیار پر دلالت کرتی ہے، اور امام شافعیؒ وغیرہ نے فرمایا کہ وہ رُکن ہے، اس کی فرضیت رسول اللہ ﷺ کے اس قول سے ثابت ہوتی ہے کہ ’’اللہ تعالیٰ نے تم پر سعی

کوفرض کردیا ہے۔'' رواہ البیھقی وغیرہ ۔اورآپ ﷺ نے فرمایا کہ وہیں سے شروع کرو جہاں سے اللہ نے ذکر کیا ہے یعنی صفا سے۔رواہ مسلم (اور جوازراہِ نفل کوئی عمل خیر کرے) تَطَوَّعَ میں ایک قرأۃ یَطَّوَّعَ یاء کے ساتھ اور طاء کی تشدید کے ساتھ حالت جزم میں ہے، اس میں تاء کا ادغام طاء میں ہے، یعنی وہ عمل کرے جو اس پر واجب نہیں ہے، خواہ طواف ہو یا کچھ اور (تو بے شک اللہ تعالیٰ) اس کے عمل کے (قدردان ہیں) اس پر ثواب دیں گے، اس کو (جاننے والے ہیں) اور یہود کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی (بے شک وہ لوگ جو) عوام الناس سے (چھپاتے ہیں، جو کچھ ہم نے دلائل اور ہدایت کی باتیں اتاری ہیں) یعنی آیت رجم اور محمد ﷺ کے اوصاف واحوال وغیرہ (بعد اس کے کہ ہم نے انھیں لوگوں کے واسطے کتاب میں) یعنی توریت میں (بیان کردیا ہے، یہی لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان پر لعنت کرتا ہے) یعنی اپنی رحمت سے انھیں دور کرتا ہے (اور لعنت کرنے والے ان پر لعنت کرتے ہیں) یعنی فرشتے، یا اہل ایمان، یا ہر چیز مراد ہے، یعنی ان پر لعنت کی بددعا کرتے ہیں (مگر وہ لوگ جنھوں نے توبہ کی) یعنی اس سے رجوع کیا اور اپنے عمل کو (درست کیا اور) جو کچھ چھپایا تھا اسے (بیان کردیا تو یہی لوگ ہیں جن پر میں عنایت کرتا ہوں) یعنی ان کی توبہ قبول کرتا ہوں (اور میں توبہ قبول کرنے والا) اہل ایمان پر (مہربان ہوں)

(بے شک وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا اور وہ مرے اس حال میں کہ وہ کافر ہی تھے) وھم کفار حال ہے (یہی وہ لوگ ہیں کہ ان پر اللہ کی، ملائکہ کی اور لوگوں کی، ہر ایک کی لعنت ہے) یعنی وہ لوگ اس کے مستحق ہیں ، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، اور الناس کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ وہ عام ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ صرف اہل ایمان ہیں (اس میں ہمیشہ رہیں گے) یعنی لعنت میں، یا جہنم میں جس پر لفظ لعنت سے دلالت ہورہی ہے (ان سے) پلک جھپکنے کے بقدر بھی (عذاب ہلکا نہیں کیا جائے گا، اور نہ انھیں) توبہ یا معذرت کے لئے (مہلت دی جائے گی) اور جب ان لوگوں نے کہا کہ ہمارے لئے اپنے رب کے اوصاف کو بیان کیجئے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی (اور تمہارا معبود) جو تمہاری عبادت کا مستحق ہے (وہ ایک معبود ہے) اس کی نظیر کوئی نہیں، ذات میں نہ صفات میں (کوئی معبود نہیں ہے بجز اس کے) وہ (رحمٰن ورحیم ہے)

﴿تشریحات﴾

﴿بِالصَّبْرِ﴾ علی الطاعة والبلاء :۔صبر کی تشریح اسی سورہ کے پانچویں رکوع میں گزر چکی ہے۔یعنی الحبس للنفس علی ما تکرہ ، جو کچھ نفس وطبیعت پر گراں ہو، اس پر اپنے آپ کو جمائے رکھنا صبر ہے، وہاں گزر چکا ہے کہ صبر کی تین قسمیں ہیں: (۱) صبر علی البلاء (۲) صبر علی الطاعة (۳) صبر عن المعصیة ، یہاں مفسر نے دو ہی کا ذکر کیا ہے، لیکن صبر علی الطاعة میں طاعت کو اگر فعل اور

ترک دونوں اعتبار سے عام مانا جائے، تو صبر عن المعصیة بھی اس میں شامل ہو جائے گا، کیونکہ معصیت سے بالارادہ رُکنا اور اپنے آپ کو اس سے باز رکھنا بھی طاعت ہے۔

﴿إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ بالعون :۔ اللہ تعالیٰ کی بندوں کے تعلق سے معیت دو طرح کی ہے، ایک معیت عامہ، یہ معیت علم اور قدرت وغیرہ کے اعتبار سے ہے، یہ معیت تو دنیا کی ہر مخلوق کے ساتھ ہے۔ دوسری معیت خاصہ، اور وہ ہے نصرت ومحبت کی معیت، یہ معیت اہل تقویٰ، اہل احسان اور اہل صبر کو حاصل ہے، اس میں نماز پڑھنے والے بھی داخل ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے: إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ۔

ہمارے زمانہ میں بعض اہل بدعت نے غیر اللہ سے استعانت کی دلیل میں اس آیت کو پیش کیا ہے کہ صبر وصلوٰۃ سے استعانت کا حکم دیا گیا ہے، اور وہ دونوں اللہ کے ماسوا ہیں، اس سے معلوم ہوا ہے کہ ماسوی اللہ سے مدد مانگی جاسکتی ہے، مگر یہ خالص جہل ہے، غیر اللہ سے استعانت جو حرام ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے ماسویٰ کو حاجت روا سمجھ کر اس کے سامنے اپنی ضرورت پیش کر کے اس میں اس سے مدد مانگی جائے، اور یہاں ہر شخص سمجھتا ہے کہ نماز اور صبر نہ حاجت روا ہیں، اور نہ کوئی نماز اور صبر سے یہ کہتا ہے کہ میری فلاں حاجت پوری کردو، نماز اور صبر کوئی ذات اور شخصیت نہیں ہیں وہ تو فعل ہیں، ان دونوں کاموں کے انجام دینے سے اللہ تعالیٰ کی نصرت آتی ہے فشتّان بینھما۔

هم أموات :۔ أموات کا لفظ لاتقولوا کا مفعول بہ نہیں ہے، ورنہ وہ منصوب ہوتا، یہ اس کا مقولہ ہے، اور مبتدا محذوف ہے، اور وہ هم ہے۔

أرواحهم فی حواصل طیور خضر :۔ ابتداءً جب لوگ میدانِ جہاد میں شہید ہوئے، تو چونکہ شہادت کا تعلق زیادہ تر نوجوانوں سے ہوتا تھا، تو افسوس کرنے والے یوں کہتے کہ بیچارے کی ابھی عمر ہی کیا تھی، دنیا کی نعمتوں سے فائدہ بھی نہ اٹھا سکا اور مرگیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اللہ کے راستے میں شہید ہونے والوں کو تم مردہ مت کہو، ان کی دنیاوی زندگی گو کہ منقطع ہوگئی ہے، روح نے جسد عنصری کا ساتھ چھوڑ دیا، لیکن حق تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ روحیں پوری طرح بیدار و ہوشیار ہیں، انھیں ایک دوسرے قالب میں بطور امانت کے رکھ دیا جاتا ہے، اصل جزا کا حصول تو قیامت کے بعد ہوگا، لیکن اس سے پہلے بھی انھیں جنت میں داخل ہونے اور اس کی نعمتوں اور لذتوں سے تمتع حاصل کرنے کی آزادی ملتی ہے، انھیں جنت کے ہرے پرندوں کے قالب میں رکھ دیا جاتا ہے اور وہ پرندے جنت میں جہاں جی چاہے اُڑتے پھرتے اور کھاتے پیتے رہتے ہیں، چنانچہ حدیث سے یہ بات ثابت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جنت میں باقاعدہ داخلہ سے پہلے ایک وقفہ اور بھی ہے، جس میں شہداء کو زندگی اور اس کے تمتعات سے استفادہ کا موقع ملتا ہے، یہ زندگی ''برزخی زندگی'' ہے، یہ وقفہ عالم برزخ اور عالم قبر

کہلاتا ہے۔

﴿وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ﴾ تعلمون ماھم فیه :۔لیکن تمہیں ان کے احوال اور خصوصیات کا علم نہیں ہو پاتا، کیونکہ یہ حیاتِ دنیوی نہیں ہے، اس کے بعد کی زندگی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شہداء کی حیات، دُنیوی حیات نہیں ہے، اس سے مختلف ہے، ورنہ دوسرے لوگ بھی اسے جان سکتے، نیز یہ کہ اگر حیاتِ دُنیوی ہوتی تو ان کی بیویوں کا نکاح ان سے منقطع نہ ہوتا، مال پر سے ان کی ملکیت ختم نہ ہوتی اور وراثت اس میں جاری نہ ہوتی۔

لنختبرنکم فننظر تصبرون أم لا :۔آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دشمن کے خوف، قحط سالی کی وجہ سے فاقہ اور مالوں اور جانوں اور پھلوں میں کمی سے تمہاری آزمائش ہوگی، اس آزمائش میں کیا پرکھنا منظور ہے، وہ صاف اور واضح ہے، مصنف نے اسے بیان فرمایا کہ ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ ان مصائب پر تمہارا طرزِ عمل کیا ہوتا ہے، تم صبر کرتے ہو یا بے صبری میں مبتلا ہوتے ہو۔

﴿قَالُوْا إِنَّا لِلّٰهِ﴾ ملکاً وعبیداً :۔صبر کرنے والے وہ ہیں کہ جب ان پر کوئی مصیبت آتی ہے، تو دل سے بھی اور زبان سے بھی وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ ہی کے ہیں، یعنی بلحاظ ملکیت کے بھی اور بلحاظ غلامی کے بھی، یعنی وہ ہمارا مالک ہے، اور ہم اس کے بندے اور عبادت گزار ہیں، اس کلمہ کو زبان ودل سے ادا کر کے بندہ نے اپنے معاملہ کو خدا کے سپرد کر دیا، اور اس نے اقرار کر لیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے تمام تصرفات پر خواہ وہ مصائب ہی کی شکل میں ہوں، راضی ہے۔

صلوات :۔کی تفسیر حضرت مفسر نے مغفرت سے کی ہے، اس کے بعد رحمت کا لفظ آرہا ہے، بظاہر اشکال ہوتا ہے کہ صلوات کے معنی تو رحمت ہی کے ہیں تو گویا رحمت ہی پر رحمت کا عطف ہورہا ہے، اس کو حضرت مفسر نے حل کیا ہے کہ صلوات کو یہاں ایک رحمت خاصہ یعنی مغفرت کے معنی میں لیا ہے، اور رحمت کو جو معطوف علیہ ہے انعام کے معنی میں لیا ہے، اس طرح معطوف علیہ اور معطوف میں قدرے مغایرت ہوگئی۔

﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ﴾ جبلان بمكة :۔صفا اور مروہ مکہ مکرمہ کے اندر دو پہاڑیوں کے نام ہیں، جن کے درمیان مختصر سا فاصلہ ہے، یہ دونوں پہاڑیاں ابتداءً مسجد حرام کے باہر تھیں، اب توسیعاتِ سعودی میں یہ دونوں اتنی متصل ہیں کہ اس کے اندر معلوم ہوتی ہیں، حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنی شیر خوارگی کے زمانے میں جب پیاس سے بے تاب ہوئے تھے تو حضرت ہاجرہ انھیں دونوں پہاڑیوں پر دوڑ دوڑ کر چڑھتی تھیں اور تلاش کرتی تھیں کہ مسافروں کا کوئی قافلہ گزرتا ہوا نظر آجائے تو اس سے پانی حاصل کریں، پھر وہیں فرشتے نے انھیں ندا دی، اور انھوں نے دیکھا کہ بچے کی ایڑیوں کے پاس سے چشمہ ابل رہا ہے۔

أعلام دینه :۔شعائر شعیرة کی جمع ہے، شعائر ان جگہوں اور چیزوں کو کہا جاتا ہے جن سے متعلق اللہ کا کوئی

خاص امر ہوتا ہے، جس کو علی الاعلان ادا کیا جاتا ہے، اور اس کی وجہ سے اسے دین کے ایک نشان کی حیثیت حاصل ہو جاتی ہے، اسی لئے اس کا ترجمہ حضرت مفسر نے **اعلام** سے کیا، **اعلام علم** کی جمع ہے، جس کے معنی علامت کے ہیں اور علامت وہی چیز بنتی ہے جسے سب جانتے ہوں، اس کی تفسیر میں **دینہ** بڑھا کر مفسر نے اشارہ کیا کہ **شعائر اللہ** میں لفظ دین محذوف ہے، یعنی **شعائر دین اللہ**۔

أی تلبس بالحج و العمرة :۔ حج کے اصل معنی قصد کرنے کے ہیں، اور عمرہ اعتمار سے ماخوذ ہے، اس کے معنی زیارت کرنے کے ہیں، لیکن اصطلاحِ شرع میں خاص خاص مقامات کا قصد کرنا ہے بطور عبادت کے، اور عمرہ کے معنی شرع میں بیت اللہ کی زیارت ایک مخصوص طریقے پر بہ نیت عبادت ہے، قرآن میں **جو حج البیت** اور **أو اعتمر** فرمایا گیا ہے، وہ لغوی معنی میں نہیں ہے، شرعی معنی میں ہے، اس لئے مفسر نے **تلبس بالحج والعمرة** کہا ہے کہ جس نے حج یا عمرہ کی عبادت کو اختیار کیا۔

بأن یسعیٰ بینهما سبعاً :۔ یہ طواف بین الصفا والمروہ کی تفسیر ہے۔

نزلت لما کره المسلمون ذٰلک :۔ یہ آیت سعی کی شانِ نزول کا بیان ہے، زمانۂ جاہلیت میں صفا اور مروہ پر دو بت اساف و نائلہ نامی تھے، حج کے دوران ان دونوں کی پوجا ہوتی تھی، آدمی چکر لگا کر دونوں کے پاس آتا جاتا تھا، اسلام کے غلبہ کے بعد اس کو جاہلی رسم سمجھ کر لوگوں نے صفا و مروہ کے درمیان سعی کو مکروہ سمجھا، اس غلط فہمی کو قرآن کریم نے دور کیا کہ بتوں کی پوجا تو بے شک شرک ہے، اور اب بت ختم کر دیئے گئے، لیکن صفا و مروہ کے طواف میں اس کی سابق بت پرستی کی وجہ سے کوئی کراہت اور گناہ نہیں ہے، وہ اعمال حج میں ہے۔

وعن ابن عباس أن السعی غیر فرضٍ لما أفاده رفع الاثم من التخییر :۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ صفا و مروہ کے درمیان سعی فرض نہیں ہے، کیونکہ جب یہ فرمایا گیا کہ سعی میں کچھ گناہ نہیں، تو اس سے ظاہر ہے کہ اباحت اور اختیار کا ثبوت ہوتا ہے، فرضیت کا نہیں۔

وقال الشافعی رکن الخ :۔ لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سعی رکن ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اس کی رکنیت کا بیان رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد میں ہے کہ: **إن اللہ کتب علیکم السعی** (رواہ البیهقی وغیرہ) اللہ نے تمہارے اوپر سعی لکھ دیا ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **إبدأوا بما بدأ اللہ یعنی الصفا**، سعی کا آغاز وہاں سے کرو جہاں سے اللہ تعالیٰ نے اس کے ذکر کا آغاز کیا ہے، یعنی صفا سے، مطلب یہ ہے کہ سعی کی ابتداء صفا سے ہے، اور اختتام مروہ پر ہے۔

﴿وَمَنْ تَطَوَّعَ﴾ وفی قراءة بالتحتانیة الخ :۔ وَمَنْ تَطَوَّعَ میں ایک قرأت وَمَنْ یَّطَّوَّعَ کی ہے، یعنی ابتداء میں بجائے تاء کے یا اور طاء مشدد کے ساتھ، درحقیقت یہ **یتطوع** باب تفعل سے ہے، اس میں تاء تفعل

کو طاء سے بدل کر طاء میں ادغام کر دیا ہے، اور من شرطیہ کی وجہ سے فعل مضارع مجزوم ہے۔

﴿خَیْراً﴾ أی بخیرٍ أی فعل مالم یجب علیه من طوافٍ وغیرہ :۔**سوال**: تطوع فعل لازم ہے، اس کا مفعول بہ نہیں ہوتا، تو خیراً کے نصب کی کیا وجہ ہے؟ **جواب**: مفسر نے جواب دیا کہ یہ منصوب بنزع الخافض ہے، اصل میں ومن تطوع بخیرٍ ہے، تطوع سے مراد وہ نیک عمل ہے جو واجب اور فرض نہ ہو، مطلب یہ ہے کہ طواف نفل اگر کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ اس کی قدردانی فرمائیں گے یعنی ثواب عطا فرمائیں گے۔

بالإثابة علیه :۔ اللہ تعالیٰ کے شاکر ہونے کا کیا مطلب ہے؟ شکر کا مطلب تو یہ ہے کہ اپنے اوپر کئے گئے احسان کا آدمی محبت سے اظہار کرے، ظاہر ہے کہ یہ معنی اللہ تعالیٰ کے حق میں محال ہے، اللہ پر کس کا احسان؟ مفسر نے جواب دیا کہ اللہ کے شاکر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ عمل کرنے والے کے عمل کو قبول فرماتے ہیں اور اس پر ثواب عطا کرتے ہیں۔

کآیة الرجم ونعت محمد ﷺ :۔ بینات وھدی کے کتمان (چھپانے) کی مثال میں مفسر نے آیت رجم اور رسول اللہ ﷺ کے احوال وصفات کو پیش کیا ہے، یہ درحقیقت کتمان کی مختلف صورتوں کی طرف اشارہ ہے، رجم کی آیت کو انھوں نے سرے سے مٹا دیا تھا، یا اگر کہیں کسی نسخے میں باقی رہ گئی تھی تو عوام وخواص کے سامنے پیش کرنے میں اسے چھپا دیتے تھے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بعض یہودیوں نے بھی یہی حرکت کی تھی۔ کتمان کی ایک صورت یہ ہے کہ آیت بدل کر دوسری آیت اس کی جگہ لکھ دیتے تھے، یا آیت تو وہی ہوتی تھی، مگر اس کا مصداق اور اس کی مراد کچھ اور قرار دے لیتے تھے۔ اس کی مثال (نعت محمد ﷺ) حضور کے اوصاف وحالات ہیں، ان میں یہ دونوں طرح کی حرکتیں کرتے تھے، یہ سب کتمان کی صورتیں ہیں۔

أی ھم مستحقوا ذٰلک فی الدنیا والآخرۃ :۔ یعنی یہ کفار دنیا وآخرت میں لعنت کے مستحق ہیں، اس سے پہلے والی آیت میں بھی ''کاتمین بینات'' جو کہ کافر ہی ہیں، کے حق میں لعنت کا ذکر ہے، اور یہاں بھی لعنت کا تذکرہ ہے، بظاہر تکرار معلوم ہوتی ہے۔ مفسر نے فرمایا کہ پہلی آیت میں بالفعل لعنت کا ذکر ہے یعنی ان پر لعنت برس رہی ہے، اور زیر بحث آیت میں لعنت کا استحقاق ہے، پس تکرار نہیں ہے۔

أی اللعنة أو النار المدلول بھا علیھا :۔ یہ لوگ اسی لعنت میں ہمیشہ رہیں گے، اس سے التزاماً سمجھ میں آتا ہے کہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے کیونکہ لعنت کی جگہ جہنم ہی ہے، یہ فیھا کی ضمیر کا مرجع بتا رہے ہیں، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ضمیر النار کی طرف لوٹتی ہے، جو کہ لعنت کے لئے لازم ہے، تو ذکر ملزوم کا یعنی لعنت کا، اور ضمیر راجع ہوئی لازم کی طرف یعنی النار کی طرف۔

☆☆☆☆☆

وطلبوا آیةً علیٰ ذٰلک فنزل﴿ اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ﴾ وما فیهما من العجائب ﴿ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّهَارِ﴾ بالذهاب والمجیٔ والزیادة والنقصان ﴿وَالۡفُلۡکِ﴾ السفن ﴿الَّتِیۡ تَجۡرِیۡ فِی الۡبَحۡرِ﴾ولاترسب مؤقرة ﴿ بِمَا یَنۡفَعُ النَّاسَ﴾ من التجارات والحمل ﴿ وَمَا اَنۡزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنۡ مَّاءٍ﴾ مطرٍ ﴿فَاَحۡیَا بِهِ الۡاَرۡضَ﴾ بالنبات ﴿بَعۡدَ مَوۡتِهَا﴾ یبسها﴿ وَبَثَّ ﴾ فرق ونشر به﴿فِیۡهَا مِنۡ کُلِّ دَآبَّةٍ﴾ لأنهم ینمون بالخصب الکائن عنه﴿وَّتَصۡرِیۡفِ الرِّیٰحِ﴾ تقلیبها جنوباً وشمالاً حارةً وباردةً ﴿ وَالسَّحَابِ﴾ الغیم ﴿الۡمُسَخَّرِ﴾ المذلل بأمر الله یسیر إلی حیث شاء الله﴿بَیۡنَ السَّمَاءِ وَالۡاَرۡضِ ﴾ بلاعلاقة ﴿لَاٰیٰتٍ﴾ دلالات علی وحدانیته تعالٰی ﴿لِقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ﴾ یتدبرون ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّتَّخِذُ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ﴾أی غیره ﴿اَنۡدَاداً﴾أصناماً﴿یُّحِبُّوۡنَهُمۡ﴾بالتعظیم والخضوع﴿ کَحُبِّ اللّٰهِ﴾أی کحبهم له ﴿وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ﴾من حبهم للأنداد لأنهم لایعدلون عنه بحال ما والکفار یعدلون فی الشدة إلی الله﴿وَلَوۡتَرَی﴾ تبصر یا محمد﴿ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا﴾باتخاذ الانداد﴿إِذۡ یَرَوۡنَ﴾بالبناء للفاعل والمفعول یبصرون﴿الۡعَذَابَ﴾لرأیت أمراً عظیماً وإذ بمعنی إذا ﴿ اَنَّ﴾ أی لأن ﴿الۡقُوَّةَ﴾ القدرة والغلبة ﴿لِلّٰهِ جَمِیۡعاً﴾ حال﴿وَاَنَّ اللّٰهَ شَدِیۡدُ الۡعَذَابِ﴾وفی قراءة یری بالتحتانیة والفاعل فیه قیل ضمیر السامع وقیل الذین ظلموا فهی بمعنی یعلم وأن ومابعدها سدت مسد المفعولین وجواب لو محذوف والمعنی لو علموا فی الدنیا شدة عذاب الله وأن القدرة لله وحده وقت معاینتهم له وهو یوم القیٰمة لمااتخذوا من دونه أنداداً﴿إِذۡ﴾بدل من إذ قبله﴿تبرَّأَ الَّذِیۡنَ اتُّبِعُوۡا﴾أی الرؤساء﴿مِنَ الَّذِیۡنَ اتَّبَعُوۡا﴾ أی أنکروا إضلالهم ﴿وَ﴾قد ﴿ رَاَوُا الۡعَذَابَ وَتَقَطَّعَتۡ﴾ عطف علی تبرأ﴿بِهِمُ﴾عنهم ﴿الۡاَسۡبَابُ ﴾ الوصل التی کانت بینهم فی الدنیا من الارحام والمودة ﴿وَقَالَ الَّذِیۡنَ اتَّبَعُوۡا لَوۡاَنَّ لَنَا کَرَّةً﴾رجعة إلی الدنیا﴿فَنَتَبَرَّاَ مِنۡهُمۡ﴾أی المتبوعین ﴿کَمَا تَبَرَّءُوۡا مِنَّا﴾الیوم ولو للتمنی وفنتبرأ جوابه ﴿کَذٰلِکَ﴾ کما أراهم شدة عذابه وتبرئ بعضهم من بعض﴿یُرِیۡهِمُ اللّٰهُ اَعۡمَالَهُمۡ ﴾ السیئة ﴿حَسَرَاتٍ﴾ حال نداماتٍ﴿عَلَیۡهِمۡ وَمَاهُمۡ بِخَارِجِیۡنَ مِنَ النَّارِ﴾بعد دخولها۔

﴿ترجمہ﴾

مشرکین نے کی وحدانیت پر کوئی نشانی طلب کی، تو یہ آیت اتری: اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ

وَالْاَرْضِ الـــخ ،(بے شک آسمانوں اور زمین)اور جو کچھ ان کے درمیان عجائب ہیں،ان (کی خلقت میں اور رات و دن کی تبدیلیوں میں) یعنی ان کی آمد وشد میں اور ان کے کم وبیش ہونے میں (اوران کشتیوں میں جو لوگوں کے لئے سمندر میں نفع بخش سامان لے کر چلتی ہیں)اور بوجھ کی وجہ سے ڈوب نہیں جاتیں (اور اس پانی میں جو اللہ نے آسمان سے اتارا ہے) یعنی بارش میں (کہ اس سے زمین کو اس کی موت) یعنی خشک ہونے (کے بعد زندگی بخشی ہے)یعنی پودے اگائے ہیں (اور اس میں ہر قسم کے جاندار پھیلائے) کیونکہ ان کی پرورش اسی سرسبزی سے ہوتی ہے، جو بارش سے حاصل ہوتی ہے (اور ان بادلوں میں جو آسمان وزمین کے درمیان) بغیر کسی سہارے کے اللہ کے حکم سے (مسخر و مامور ہیں) کہ اللہ تعالیٰ کو جہاں منظور ہوتا ہے، وہ جاتے ہیں (ان لوگوں کے لئے جو عقل سے کام لیتے ہیں) اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دلالت کرنے والی (بہت سی نشانیاں ہیں،اور لوگوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ کے ماسوا) بتوں کو (ہمسر ٹھہراتے ہیں)اور تعظیم وتذلل کے ساتھ (ان سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی انھیں خدا سے محبت کرنی چاہئے ،اور جو لوگ خدا پر ایمان رکھتے ہیں، وہ اس سے زیادہ خدا سے محبت رکھتے ہیں) یعنی جتنی محبت مشرکین بتوں سے رکھتے ہیں، ان کی محبت سے زیادہ اہل ایمان اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں، کیونکہ وہ کسی حالت میں اللہ سے انحراف نہیں کرتے ہیں، اور کفار سخت حالات میں اپنے بتوں سے انحراف کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوجاتے ہیں (اور اگر تم دیکھو) اے محمد (ان لوگوں کو جنھوں نے) بتوں کو ہمسر ٹھہرا کر (ظلم کیا ہے، جب وہ عذاب کو دیکھیں گے) تو تم ایک بڑا بھاری معاملہ دیکھو گے، إذ یـرون میں إذ، إذا کے معنی میں ہے، اور یـرون میں دو قرأت ہے، فعل معروف بھی اور فعل مجہول بھی (کیونکہ قوت) یعنی قدرت وغلبہ (تمام تر اللہ ہی کے لئے ہے، اور اس لئے کہ اس کا عذاب سخت ہے) اور ایک قرأت میں ولـو تری الذین کے بجائے ولـو یری الذین الخ ہے، یعنی غائب کا صیغہ ہے، اس صورت میں یری کا فاعل الذین ظلموا ہے، تو اس صورت میں یری بمعنی یعلم ہے، اور أن اور اس کا مابعد دونوں مفعولوں کے قائم مقام ہے، اور لـو کا جواب محذوف ہے، مطلب یہ ہے کہ اگر یہ ظالم جس وقت اللہ کے عذاب کی شدت کو اور اس بات کو کہ تمام تر قدرت اللہ ہی کے لئے ہے دیکھیں گے، اگر یہ بات وہ دنیا میں ہی جان لیتے تو کسی کو اللہ کا ہمسر نہ ٹھہراتے (جس وقت وہ لوگ جن کی پیروی کی گئی ہے) یعنی قوم کے سردار ومقتدا (اپنے پیرووں سے اظہار برأت کریں گے) یعنی اس بات سے انکار کریں گے کہ انھوں نے ان لوگوں کو گمراہی میں ڈالا تھا (اور حال یہ ہے کہ انھوں نے عذاب کو دیکھ لیا ہوگا، اور ان کے) وہ (تمام تعلقات ٹوٹ جائیں گے) جو دنیا میں ان کے درمیان رہے ہوں گے، رشتہ داری کا تعلق ہو یا دوستی کا، تقطعت کا عطف تبرأ پر ہے (اور وہ لوگ جنھوں نے پیروی کی کہیں گے کہ کاش ہمیں ایک بار) دنیا میں (لوٹنا نصیب ہوتا تو ہم ان سے) یعنی مقتداؤں سے (اسی طرح اظہار

برأت کرتے جس طرح انھوں نے) آج (ہم سے اظہارِ برأت کیا ہے) لو أن لنا، لو تمنی کے لئے، اور تبرأ اس کا جواب ہے (اسی طرح) یعنی جیسے ان کو اپنے عذاب کی سختی کا اور ایک دوسرے سے اظہارِ برأت کا منظر حق تعالیٰ نے دکھایا ہے، (اسی طرح اللہ تعالیٰ ان کے اعمال) بد (کو سرمایۂ حسرت بنا کر دکھائے گا، اور وہ جہنم سے) اس میں داخل ہوجانے کے بعد کبھی (نکل نہیں پائیں گے)

﴿تشریحات﴾

ومافیهما من العجائب :۔ قرآن کریم نے صرف زمین وآسمان کی خلقت کا ذکر کیا ہے، لیکن اس طرح کی عبارت میں آسمان وزمین بھی مراد ہوتے ہیں، اور دونوں کے اندر جو مخلوقات وعجائب ہیں وہ بھی ملحوظ ہوتے ہیں، اس لئے **ومافیهما** کا اضافہ کرکے مفسر نے مراد کو واضح کردیا ہے۔

بالذهاب والمجئ والزيادة والنقصان :۔ یہ تشریح **اِخۡتِلَافِ اللَّيۡلِ وَالنَّهَارِ** کی ہے، یعنی رات اور دن کا بدلتے رہنا دو طرح پر ہے، ایک تو ذات کا بدلنا ہے کہ رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات آتی ہے، دوسرے وصفاً، کہ کبھی رات چھوٹی ہوتی ہے اور کبھی دن چھوٹا ہوتا ہے۔

لاترسب مؤقرة :۔ بوجھل ہوکر زمین میں بیٹھ نہیں جاتی۔

بالنبات :۔ اس لفظ سے زمین کی حیات کی کیفیت بیان کی ہے کہ زمین کا زندہ ہونا، اس میں پیداوار کا ہونا ہے، اور اس کا مردہ ہونا اس کا سوکھ جانا ہے۔

ونشر به :۔ بث کی تشریح میں **به** کا اضافہ اس لئے ہے کہ وہ احیا کے اوپر معطوف ہے، وہاں **فاحیا به** ہے، پس وہ **به** یہاں بھی معتبر ہے، یعنی پانی کے واسطے سے زمین کو زندگی بخشی اور پانی ہی کے واسطے سے زمین میں عام چرند پرند بکھیرے، کیونکہ ان کے نشوونما میں پانی کا دخل ہے، پانی سے نباتات کی پیداوار ہوتی ہے جن پر جانوروں کی نشوونما کا مدار ہے۔

أنداداً :۔ **أنداداً**، **ند** کی جمع ہے، جس کے معنی ہمسر اور برابر کے ہیں، کفار نے عبادت میں اور عقیدے میں بتوں کو اور بعض دوسری مخلوق کو اللہ کے برابر قرار دے رکھا ہے۔

کحبهم له :۔ یہ عبارت **کحب الله** کی تشریح میں مفسر نے ذکر کیا ہے، کہ **کحب الله** میں حب کا فاعل محذوف ہے، اور وہ **هم** ضمیر ہے، اور اللہ مفعول بہ ہے۔ اور اس ترکیب میں مصدر کی اضافت مفعول کی طرف ہے، یعنی جیسی محبت اللہ کے ساتھ ہوتی ہے اور ہونی چاہئے، ویسی محبت یہ اپنے بتوں اور شرکاء کے ساتھ کرتے ہیں۔

﴿وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ من حبهم للأنداد الخ :۔ آیت میں **أشد** اسم تفضیل ہے، اس کا صلہ **من** آتا ہے تاکہ تفضیل کا معنی ظاہر ہو، یہاں مفضل علیہ محذوف ہے، اس کو مفسر نے **حبهم للأنداد** کہہ کر ظاہر کیا

ہے، یعنی اہل ایمان کو جو محبت اور تعلق اللہ کی ذات سے ہے، وہ اس محبت اور تعلق سے کہیں بڑھ کر جو مشرکین کو اپنے معبودانِ باطلہ سے ہے۔

سوال: لفظ ''محبة'' کا اسم تفضیل أحب آنا چاہئے اور آتا بھی ہے، پھر اس سے تفضیل کے معنی کو ادا کرنے کے لئے أشـــد کا سہارا لیا گیا، یہ سہارا تو ان الفاظ میں لیا جاتا ہے جہاں تفضیل کا معنی ادا کرنے کے لئے أفعل کا صیغہ کفایت نہیں کرتا۔

جواب: لفظ ''محبة'' کا استعمال مجرد میں مبنی للمفعول ہوتا ہے، پس أحب کے معنی محبوب تر کے ہوں گے، فاعلیت کے معنی کی تفضیل اس سے ادا نہیں ہوتی، اور یہاں فاعلیت کے معنی کی تفضیل مقصود ہے، اس لئے أشد کا سہارا لیا گیا اور أشـد حباً لله کہا گیا، یعنی یہ لوگ مشرکین کے مقابلے میں جو وہ اپنے معبودوں سے محبت رکھتے ہیں، اللہ کے ساتھ ان سے بڑھ کر محبت رکھتے ہیں، اور اگر یوں کہئے: والـذيـن آمنوا أحبهم إلى الله تو اس کا معنی یہ ہوتا کہ ایمان والے اللہ کے نزدیک زیادہ محبوب ہیں، ظاہر ہے کہ یہ معنی مقصود نہیں ہے۔

لأنهـم لايعدلون عنه بحال ما :۔ اہل ایمان جو کہ اللہ کی محبت میں رسوخ رکھتے ہیں، وہ اللہ کی محبت اور اس سے تعلق کسی حال میں نہیں توڑتے، ہمہ دم اسی سے وابستہ رہتے ہیں، اور کافروں کا حال یہ ہے کہ جب کسی بڑی مصیبت میں پڑتے ہیں، اور امید کی تمام شعاعیں بجھ جاتی ہیں تو وہ اپنے معبودانِ باطلہ کو چھوڑ کر خدا کی طرف متوجہ ہوکر گریہ وزاری کرنے لگتے ہیں۔

﴿وَلَوْتَرَی﴾ تبصر يا محمد :۔ تری کی تفسیر تبصر سے اس لئے کی ہے کہ یہاں رویت سے مراد رویت قلبی، سمجھ اور رائے نہیں ہے، اس سے مراد آنکھوں سے دیکھنا ہے، یہ رویت متعدی بدو مفعول نہیں، اور اس کے مخاطب نبی کریم ﷺ ہیں۔

بـاتخاذ الانداد :۔ باء حرف کا تعلق الـذين ظلموا سے ہے، یعنی ان کا ظلم یہ ہے کہ انھوں نے اللہ کے لئے ہمسر تجویز کیا۔

﴿إِذْ يَـرَوْنَ﴾ بـالبـنـاء للفاعل والمفعول يبصرون :۔ یرون میں دو قرأت ہے فعل معروف کی یعنی یَرَوْنَ، اور فعل مجہول کی یعنی یُرَوْنَ، اسی طرح یبـصـرون کو بھی دونوں طرح پڑھا جائے گا، فعل معروف کی تفسیر یُبْـصِـرُوْنَ سے ہوگی، اور صاحب جمل نے لکھا ہے کہ فعل مجہول کی تفسیر یُبَـصَّـرُوْنَ سے ہوگی، جو کہ باب تفعیل سے مشتق ہے۔

لرأيت أمراً عظيماً :۔ یہ ولو تریٰ کا جواب ہے۔

وإذ بـمـعنى إذا :۔ اس عبارت سے مفسر نے ایک سوال کا جواب دیا ہے، سوال یہ ہے کہ إذ ظرف ہے، اور یہ

لفظ ماضی کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، جبکہ آیت کریمہ میں مستقبل کے لئے استعمال ہوا ہے، اس کا جواب حضرت مفسر نے یہ دیا کہ یہاں إذ بمعنی إذا ہے، اور إذ کے استعمال میں حکمت یہ ہے کہ مستقبل کے اس واقعہ کا وقوع اتنا یقینی اور قطعی ہے جتنا ماضی میں ہو چکنے والا واقعہ یقینی ہوتا ہے، پس اس کے لئے وہ لفظ استعمال ہوا ہے جو ماضی کے لئے استعمال ہوتا ہے، اور ایسا قرآن کریم میں متعدد جگہ استعمال ہوا ہے۔

﴿أَنَّ﴾ لأن القوة :۔ ہ ولو ترىٰ کے جواب محذوف یعنی لرأیت أمرا عظیما کی تعلیل ہے، یعنی امر عظیم اس لئے دیکھو گے کہ قوت تمام تر اللہ کیلئے ہے، اسی تعلیل کے معنی کے لئے مفسر نے اَنَّ پر لام تعلیلیہ کو مقدر مانا ہے۔

بعض اہل تفسیر نے اسی کو جواب محذوف کا معمول قرار دیا ہے، انھوں نے ولــو تــرىٰ کا مخاطب مطلقاً غیر متعین سامع کو قرار دیا ہے، اور عبارت اس طرح مقدر مانی ہے: ﴿وَلَوْتَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا إِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ﴾ لعلمت أيها السامع ﴿أَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعاً﴾ یعنی اگر تم ظالموں کو اس وقت دیکھتے جب وہ عذاب کا مشاہدہ کریں گے تو تم جان لیتے کہ قوت تمام تر اللہ ہی کے لئے ہے۔

حال :۔ مفسر فرما رہے ہیں کہ لفظ جمیعاً حال ہے، اور ذو الحال وہ ضمیر ہے جو جار و مجرور کے متعلق میں پوشیدہ ہے، کیونکہ تقدیر عبارت یوں ہے: أن القوة كائنةً لله جميعاً، لله جار مجرور كائنةً سے متعلق ہو کر خبر ہے۔

وفي قراءة يرى بالتحتانية والفاعل فيه قيل ضمير السامع :۔ ایک قرأت میں وَلَوْتَرَى حاضر کے صیغے کے بجائے غائب کا صیغہ وَلَوْيَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ہے، اس صورت میں یرى کا فاعل ضمیر ہے جو یرى میں مستتر ہے، اور وہ سامع کی جانب راجع ہے، اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اس قرأت کی صورت میں یــرى کا فاعل الذين ظلموا ہے، اس تقدیر پر یرى افعال قلوب میں سے ہوگا، یعنی يعلم، اور معلوم ہے کہ افعال قلوب میں دو مفعول ہوتے ہیں، تو یہاں یرى کے لئے دو مفعول ضروری ہیں، مفسر نے فرمایا کہ أن اپنے مابعد کے ساتھ مل کر دونوں مفعول کے قائم مقام ہے، یعنی ﴿أَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعاً وَأَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ﴾ معطوف علیہ اور معطوف کے یہ دونوں جملے دونوں مفعولوں کی نیابت کر رہے ہیں، اسی لئے أن بالفتح ہے، کیونکہ یہ جملہ مفعول بن رہا ہے، اور قاعدہ یہ ہے کہ أن اپنے مابعد کے ساتھ بتاویل مفرد ہو تو بفتح الهمزه ہوتا ہے۔

وجواب لو محذوف الخ :۔ اس صورت میں جب کہ لو یرى کا فاعل الذين ظلموا ہو تو لو کا جواب محذوف ہے، عبارت کی تقدیر یوں ہوگی: لو علموا في الدنيا شدة عذاب الله وأن القدرة لله وحده وقت معاينتهم له وهو يوم القيٰمة لما اتخذوا من دونه أندادا، یعنی اگر یہ ظالم دنیا ہی میں جان لیتے کہ اللہ کا عذاب اس وقت کتنا شدید ہوگا، اور تمام تر قدرت اس دن اللہ ہی کے لئے ہوگی، جس وقت اور جس دن وہ اسے دیکھیں گے، یعنی قیامت کے دن تو اللہ کے بالمقابل ہرگز کوئی ہمسر نہ ٹھہراتے۔

ولو یری :۔کی تفسیر ولو علموا سے اس لئے کی کہ یری یہاں فعل قلب ہے جو کہ علم ہے،اور لو ماضی کے لئے آتا ہے،اس لئے مفسر نے ماضی کا صیغہ تقدیر عبارت میں ظاہر کردیا، شدۃ عذاب اللہ کی عبارت وَأَنَّ اللہَ شَدِیْدُ الْعَذَاب سے سے اخذ کی ہے،اور وأن القدرۃ للہ وحدہ کی عبارت أَنَّ الْقُوَّۃَ لِلّٰہِ جَمِیْعاً سے لی ہے،مصنف کی اس تقدیر عبارت میں لف ونشر غیر مرتب ہے۔

حاصل یہ ہے کہ یہ ظالم اللہ کے عذاب کی شدت اور اللہ کی عظیم قدرت کا قیامت کے دن اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرلیں گے،اور اس وقت انھیں ذرا بھی شک وشبہ نہ ہوگا،اگر یہ بات انھیں دنیا میں ہی بطور یقین کے معلوم ہوجاتی،تو ہرگز شرک میں مبتلا نہ ہوتے۔

سوال:مفسر علام نے ولو تری کی قرأت میں أَنَّ الْقُوَّۃَ لِلّٰہِ جَمِیْعاً سے پہلے لو کے جواب کو مقدر مانا ہے، ولو یری بالیاء کی قرأت میں أَنَّ الْقُوَّۃَ لِلّٰہِ جَمِیْعاًوَأَنَّ اللہَ شَدِیْدُ الْعَذَابِ کے بعد لو کے جواب کی تقدیر ذکر کی ہے،اس کی وجہ کیا ہے؟

جواب:وجہ ظاہر ہے، کیونکہ تری بالفوقانیہ کی قرأت میں أن القوۃ،ولو تری کے جواب محذوف کی علت ہے،اس لئے مفسر نے لأن القوۃ میں لام تعلیلیہ کو محذوف مانا ہے اور ظاہر ہے کہ علت بعد ہی میں بیان ہوتی ہے،اس کے برخلاف ولو یری بالتحتانیہ کی قرأت میں أن القوۃ الخ، یری کا مفعول ہے،پس گویا وہ شرط کا جز ہے،اس لئے جواب شرط پر مقدم ہونا ہی چاہئے۔

أی أنکروا إضلالھم :۔یہ عبارت اللہ تعالیٰ کے ارشاد:إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِیْنَ اتُّبِعُوْامِنَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا ،کی تفسیر ہے،آیت کے کلمات کا ترجمہ یہ ہے،جب وہ لوگ جن کی اقتداء کی گئی تھی،ان لوگوں سے جنھوں نے اقتداء کی تھی برأت ظاہر کردیں گے،اسی برأت کی تفسیر میں مفسر نے فرمایا کہ وہ اس بات سے انکار کردیں گے کہ انھوں نے ان کو گمراہ کیا تھا۔

﴿وَ﴾قد ﴿رَاَوُا الْعَذَاب﴾ :۔ رأوا سے پہلے قدکو اس لئے مقدر مانا ہے کہ یہ تبرأ کے فاعل الذین سے حال ہے،اور قاعدہ یہ ہے کہ فعل ماضی اسی وقت حال بن سکتا ہے جب اس پر قد داخل ہو،خواہ لفظاً ہو یا تقدیراً۔

﴿وَتَقَطَّعَتْ بِھِمُ﴾عنھم ﴿الْاَسْبَابُ﴾ :۔ بھم کی تفسیر عنھم سے کی ہے،یہ درحقیقت اشارہ ہے کہ باء حرف مجاوزۃ کے معنی میں ہے،اس معنی کو لفظ عن ادا کرتا ہے،یعنی اسباب وعلائق ان سے منقطع ہوگئے۔صاحب جمل نے لکھا ہے کہ اس باء کو اگر سببیت کے معنی میں لیا جائے تو بات اور واضح ہوجائے گی،لیکن اس صورت میں کفر کو محذوف ماننا پڑے گا،عبارت اس طرح ہوگی: وتقطعت بسبب کفرھم الاسباب التی کانوا یرجون بھاالنجاۃ۔ان کے کفر کی وجہ سے وہ تمام تعلقات وذرائع ختم ہوجائیں گے،جن سے انھیں نجات کی امید تھی۔

الوصل التی کانت بینھم فی الدنیا الخ :۔ یہ اسباب کی تشریح ہے، اسباب سے مراد قرابت اور دوستی کے وہ تعلقات ہیں جو دنیا میں قائم تھے۔

﴿مضامین آیات وتفسیر﴾

کفار کو اللہ کی وحدانیت پر دلیل چاہئے، وہ رہ رہ کر توحید کے دلائل مانگتے ہیں، اللہ نے فرمایا کہ اگر تم کو دلیل چاہئے تو نگاہ اٹھاؤ اور زمین وآسمان کی بناوٹ اور ان میں اَن گنت عجائبات کو دیکھو، دن اور رات کے ایک دوسرے کے آگے پیچھے آتے جاتے رہنے کو دیکھو، پانی کے جہازوں اور کشتیوں کو دیکھو کہ وہ سمندر اور دریا میں بے تکلف لوگوں کے نفع کی چیزوں یعنی سامان تجارت اور بھاری بھاری بوجھوں کو اپنی پشت پر اٹھائے رواں دواں ہیں، اور پھر بارش کو دیکھو جسے اللہ تعالیٰ آسمان سے برساتے ہیں، اور اس کے واسطے سے زمین کو دوبارہ زندگی نصیب فرماتے ہیں، جبکہ وہ مردہ ہو چکی ہوتی ہے، اور اسی کے واسطے زمین میں ہر طرح کے جانور بکھیرے، اور ہواؤں کے الٹنے پلٹنے کو دیکھو کہ کبھی شمالی ہے، کبھی جنوبی ہے، کبھی گرم ہے، کبھی سرد ہے، اور بادلوں کو دیکھو کہ زمین وآسمان کے درمیان کس طرح مسخر ہیں ان تمام چیزوں میں، سمجھداروں کے لئے اللہ کی وحدانیت پر دلائل موجود ہیں، کہ اتنا منظّم اور مرتب نظام جو بغیر کسی تبدیلی کے مسلسل چل رہا ہے، ضرور ہے کہ یہ ایک قادر مطلق کے زیر تصرف ہو، ورنہ اگر کئی شرکاء ہوتے تو ہمہ وقت توڑ پھوڑ، تقدیم وتاخیر کا ہنگامہ گرم رہتا۔

سمجھ والوں کے لئے ان تمام چیزوں میں اللہ کی وحدانیت کی نشانیاں اور دلائل ہیں، اور جو بے سمجھ ہیں ان کا حال یہ ہے کہ وہ خدا کے ساتھ دوسرے بے جان بتوں کو خدا قرار دے لیتے ہیں، اور ان کے ساتھ محبت وتعظیم اور خشوع وتذلل کا وہ معاملہ اختیار کرتے ہیں، جو صرف خدا کے ساتھ مناسب ہے، لیکن وہ خواہ کتنا ہی بتوں سے تعلق رکھیں اس تعلق سے بدرجہا کم ہے، جو اہل ایمان کو اللہ کی ذات کبریاء کے ساتھ ہے، کیونکہ ایمان والے ہر حال میں اللہ کے ساتھ وابستہ رہتے ہیں، اور مشرکین بسا اوقات اپنے معبودوں کو چھوڑ کر اللہ کی طرف رجوع ہو جاتے ہیں۔

یہ شرک میں ملوث ظالم اگر اس بات کو جان لیتے کہ قیامت کے دن تمام تر قدرت اللہ ہی کے ہاتھ میں ہوگی، اور یہ کہ اللہ کا عذاب سخت ہوگا تو ہرگز شرک میں مبتلا نہ ہوتے، مگر انھیں اس کا یقین ہی نہیں ہے، جب آنکھوں سے دیکھ لیں گے اور یہ بھی دیکھ لیں گے کہ شرک وکفر کے پیشوا اپنے مریدوں سے اور متبعین سے بیزار ہوں گے، اور ان کے باہمی تعلقات سب ختم ہو جائیں گے، تب انھیں یقین آئے گا، اس وقت ان کے پیروکار حسرت سے کہیں گے کہ کاش ایک مرتبہ اور دنیا میں لوٹنے کا موقع ملتا، تو ہم بھی ان سے اسی طرح بیزاری کا اظہار کرتے، جیسے انھوں نے کیا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یونہی ہم ان کے اعمالِ بد کو حسرت وندامت کی صورت

میں انھیں دکھائیں گے اور یہ لوگ آگ سے باہر نہیں نکل سکیں گے۔

☆☆☆☆☆

ونـزل فيـمـن حـرّم السـوائب ونحوها: ﴿يَاأَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلاً﴾ حـال﴿طَيِّباً﴾ صـفـة مـؤكـدة أو مستلذا ﴿وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوَاتِ﴾ طرق﴿الشَّيْطٰنِ﴾أى تزيينه ﴿إِنَّـهُ لَـكُـمْ عَـدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾بيـن العداوة ﴿إِنَّمَا يَامُرُكُمْ بِالسُّوْءِ﴾ الاثم ﴿وَالْفَحْشَاءِ﴾ القبيح شـرعاً ﴿وَأَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللهِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ﴾من تحريم مالم يحرم وغيره﴿وَإِذَا قِيْلَ لَهُمْ﴾أى الـكـفـار ﴿اتَّبِعُوْا مَـاأَنْـزَلَ اللهُ﴾ مـن التـوحيـد وتحليل الطيبـات ﴿قَـالُوْا﴾ لا ﴿بَلْ نَتَّبِعُ مَـاأَلْفَيْـنَـا﴾وجـدنـا﴿عَلَيْهِ آبَاءَ نَا﴾ من عبادة الاصنام وتحريم السوائب والبحائر قال تعالٰى ﴿أَ﴾ يتبعـونهم ﴿وَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئاً﴾ من أمر الدين﴿ وَّلَا يَهْتَدُوْنَ﴾إلى الحق والهـمـزة للإنكار﴿ وَمَثَلُ ﴾ صفة﴿ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ ومن يدعوهم إلى الهدى ﴿كَمَثَلِ الَّذِىْ يَنْـعِقُ﴾يـصـوت ﴿بِـمَـا لَايَسْمَعُ إِلَّا دُعَاءً وَّنِدَاءً﴾أى صوتاً لايفهم معناه أى هم فى سماع الـموعظة وعدم تدبرها كالبهائم تسمع صوت راعيها ولاتفهمه، هم ﴿صُمٌّ بُكْمٌ عُمْىٌ فَهُمْ لَا يَعْـقِـلُـوْنَ﴾ الـمـوعـظة ﴿يَـاأَيُّهَـا الَّـذِيْـنَ آمَـنُـوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ﴾ حلالاتِ ﴿مَـارَزَقْنٰكُمْ وَاشْـكُـرُوْاللهِ﴾ عـلـىٰ مـاأحل لكم﴿إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ﴾أى أكلها إذالـكـلام فيه وكذا مابعدها وهى مالم تذك شرعاً والحق بها بالسنة مابين من حى وخص مـنهـا السـمـک والـجـراد﴿وَالْدَّمَ﴾أى المسفوح كما فى الانعام ﴿ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ﴾خص الـلـحـم لأنـه مـعظم المقصود وغيره تبع له﴿ وَمَآ أُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللهِ﴾ أى ذبح علىٰ اسم غيره تـعـالـىٰ والاهلال رفع الصوت وكانوا يرفعونه عند الذبح لآلهتهم﴿ فَمَنِ اضْطُرَّ﴾أى ألجأته الـضـرورة إلى أكل شئ مما ذكر فأكله ﴿ غَيْرَ بَاغٍ﴾خارج على المسلمين﴿ وَّلَاعَادٍ﴾متعدٍ عليهم بقطع الطريق﴿ فَلَاإِثْمَ عَلَيْهِ﴾ فى أكله ﴿إِنَّ اللهَ غَفُوْرٌ﴾ لأوليائه ﴿رَّحِيْمٌ﴾ بأهل طاعته حيـث وسـع لهـم فـى ذٰلـک وخـرج الباغى والعادى ويلحق بهما كل عاصٍ بسفره كالآبق والـمـكـاس فـلايحل لهم أكل شئ من ذٰلک مالم يتوبوا وعليه الشافعى﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَـاأَنْـزَلَ اللهُ مِـنَ الْـكِـتٰـبِ﴾المشتمل علىٰ نعت محمدٍ ﷺ وهم اليهود ﴿وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَناً قَلِيْلاً﴾ مـن الـدنـيـا يـاخـذونـه بـدلـه من سفلتهم فلايظهرونه خوف فوته عليهم ﴿ أُوْلٰئِكَ مَـايَـاكُـلُـوْنَ فِـى بُـطُوْنِهِمْ إِلَّا النَّارَ﴾ لأنها مآلهم ﴿وَلَايُكَلِّمُهُمُ اللهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ غضباً عليهم

﴿وَلَا يُزَكِّيهِمْ﴾ يطهرهم من دنس الذنوب ﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ مؤلم هو النار ﴿أُولَئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ﴾ أخذوها بدله فى الدنيا ﴿وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ﴾ المعدة لهم فى الآخرة لو لم يكتموا ﴿فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ﴾ أى ما أشد صبرهم وهو تعجيب للمومنين من إرتكابهم موجباتها من غير مبالاةٍ وإلا فأى صبر لهم ﴿ذَٰلِكَ﴾ الذى ذكر من أكلهم النار ومابعده ﴿بِأَنَّ﴾ بسبب أنَّ ﴿اللَّهَ نَزَّلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ﴾ متعلق بنزّل فاختلفوا فيه حيث آمنوا ببعضه وكفروا ببعضه بكتمه ﴿وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِي الْكِتَابِ﴾ بذلک وهم اليهود وقيل المشركون فى القرآن حيث قال بعضهم شعر وبعضهم سحر وبعضهم كهانة ﴿لَفِي شِقَاقٍ﴾ خلافٍ ﴿بَعِيدٍ﴾ عن الحق۔

﴿ترجمـــــہ﴾

وہ لوگ جنھوں نے سوائب وغیرہ کو حرام قرار دیا تھا، ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی (اے لوگو! زمین میں جو کچھ ہے اس میں سے کھاؤ اس حال میں کہ وہ حلال و پاکیزہ ہیں) حـلالاً حال ہے، طیّبـاً اس کی تاکیدی صفت ہے، یا یہ کہ طیّبـاً کے معنی لذت والی چیز ہے (اور شیطان کی راہوں) یعنی اس کی تزیین (پر مت چلو، بلاشبہ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے) جس کی عداوت بالکل ظاہر ہے (وہ تم کو محض بری بات کا) یعنی گناہ کی بات کا (اور بے حیائی کا) یعنی شرعاً قبیح بات کا (اور اس بات کا کہ تم اللہ تعالیٰ پر وہ بات بولو جس کا تمہیں علم نہیں، حکم دیتا ہے) یعنی جس کو اللہ نے حرام نہیں کیا ہے، اس کی تحریم اور اس کے علاوہ دوسری چیزیں (اور جب ان سے) یعنی کفار سے (کہا جاتا ہے کہ جو کچھ اللہ نے اتارا ہے اس کی پیروی کرو) یعنی توحید کی، اور حلال چیزوں کو حلال سمجھنے کی (تو وہ کہتے ہیں کہ) نہیں (بلکہ ہم تو اس طریقے کی پیروی کرتے ہیں جس پر ہم نے اپنے آباء واجداد کو پایا ہے) یعنی بتوں کی پوجا اور سوائب و بحائر کی تحریم، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ (کیا) وہ اپنے آباء واجداد کی پیروی کریں گے (اگر چہ ان کے باپ دادے) دین کے سلسلے میں (نہ کچھ سمجھتے ہوں اور نہ حق کی جانب راستہ پاتے ہوں) اَوَ لَوْ میں ہمزہ استفہام انکار کیلئے ہے۔

وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا اور وہ جو انھیں ہدایت کی جانب دعوت دیتے ہیں (ان) دونوں (کی مثال اس آدمی کی طرح ہے جو جانور کو آواز لگاتا ہے، جو بجز آواز اور پکار کے کچھ نہیں سنتا) اور اس کا معنی نہیں سمجھتا، یعنی یہ کفار نصیحت کے سننے کے اور اس میں تدبر نہ کرنے کے سلسلے میں جانوروں کی طرح ہیں، جو اپنے چرانے والے کی آواز کو تو سنتے ہیں، مگر اس کا معنیٰ نہیں سمجھتے، وہ (بہرے، گونگے، اندھے ہیں، اس لئے) نصیحت کو بالکل (نہیں سمجھتے)۔

(اے ایمان والو! ان پاکیزہ) یعنی حلال (چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تم کو عطا کی ہیں، اور اس چیز پر جو تمہارے لئے حلال کی گئی ہے (اللہ کا شکر ادا کرو، اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو، اللہ نے تو تم پر صرف مردار کو حرام کیا ہے) یعنی مردار کے کھانے کو، کیونکہ کلام کھانے کے ہی بارے میں ہے، اور یہی چیز مابعد کی چیزوں میں بھی مراد ہے، یعنی کھانے کی تحریم، مردار وہ ہے جسے شرعی طریقے سے ذبح نہ کیا گیا ہو، سنت سے ثابت ہے کہ مردار ہی کے حکم میں وہ گوشت بھی ہے جو زندہ جانور سے کاٹ کر نکال لیا گیا ہو، مردار میں سے مچھلی اور ٹڈی کی تخصیص ہے، یعنی ان دونوں کا کھانا حلال ہے (اور خون کو) یعنی بہنے والا خون، جیسا کہ سورہ انعام میں ہے (اور خنزیر کے گوشت کو) گوشت کو بطور خاص اس لئے ذکر کیا کہ وہی مقصود ہوتا ہے، باقی چیزیں تابع ہوتی ہیں (اور اس جانور کو جو غیر اللہ کے لئے نامزد کیا گیا ہو) یعنی غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو، إهــلال کے معنی آواز بلند کرنے کے ہیں، کفار جب اپنے معبودوں کے نام پر کوئی جانور ذبح کرتے تھے، تو بلند آواز سے پکارتے تھے (پھر جو کوئی مجبوری میں پڑ جائے) یعنی اسے ان حرام چیزوں میں سے کسی ایک کو کھانے کی مجبوری پیش آ جائے، اس لئے وہ کھالے (بشرطیکہ وہ باغی نہ ہو) یعنی مسلمانوں کے خلاف بغاوت کرنے والا نہ ہو (اور نہ تعدی کرنے والا ہو) یعنی رہزنی کرنے والا نہ ہو (تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے) اس کے کھا لینے میں (بلاشبہ اللہ تعالیٰ) اپنے دوستوں کی مغفرت فرمانے والے ہیں) اور اپنے اطاعت گزاروں پر (رحم کرنے والے ہیں) کہ ان پر وسعت فرمادی، اس حکم سے بغاوت وعدوان کرنے والا نکل گیا، اور انھیں دونوں کے حکم میں وہ بھی ہے جس کا سفر معصیت کا سفر ہو، جیسے بھاگا ہوا غلام اور ناجائز ٹیکس وصول کرنے والا، ان کے لئے ان حرام چیزوں کو مجبوری کی حالت میں بھی کھانا جائز نہیں، جب تک اپنی معصیت سے تائب نہ ہو جائیں۔ یہی امام شافعی علیہ الرحمہ کا مسلک ہے۔

(بے شک جو لوگ اس کتاب کو جسے اللہ نے نازل فرمایا ہے، چھپاتے ہیں) جو محمد ﷺ کے حالات وصفات پر مشتمل ہے، یہ یہود ہیں (اور اس کے عوض میں ثمن قلیل خریدتے ہیں) یعنی دنیا کا ثمن قلیل، جسے وہ اپنے ماتحتوں سے وصول کرتے ہیں، اور اس کے فوت ہو جانے کے اندیشے سے اسے ظاہر نہیں کرتے (یہ لوگ اپنے شکم میں بجز آگ کے اور کچھ نہیں کھاتے) کیونکہ یہی ان کا انجام کار ہے (اور اللہ ان سے بروز قیامت) ان پر غصے کی وجہ سے (بات نہیں کریں گے اور نہ انھیں) گناہوں کی نجاست سے (پاک کریں گے، اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے) اور وہ جہنم ہے (یہی لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی کو خریدا) یعنی دنیا میں ہدایت کے عوض میں گمراہی کو لیا (اور عذاب کو) اس (مغفرت کے بدلے میں خریدا) جو آخرت میں انھیں حاصل ہوتی، اگر وہ نہ چھپاتے (بس وہ آگ پر کتنے صابر ہیں) فـمـا أصبرهم فعل تعجب ہے، اہل ایمان کے لئے یہ

بات باعث حیرت ہے کہ یہ لوگ آگ میں جانے کے اسباب کے ارتکاب پر کس بے پروائی کے ساتھ جرأت کررہے ہیں، ورنہ صبر کہاں ہے؟ (یہ) جو کچھ ذکر کیا گیا، یعنی آگ کا کھانا وغیرہ (اس واسطے ہے کہ اللہ نے حق کے ساتھ کتاب نازل فرمائی) بالحق، نزل کے متعلق ہے، پھر وہ اس میں مختلف ہوگئے کہ اس کے بعض اجزاء پر ایمان لائے، اور بعض اجزاء کا انکار کیا، یعنی اس کو چھپایا (اور جن لوگوں نے اس میں اختلاف پیدا کیا) یعنی اوپر ذکر کردہ اختلاف پیدا کیا، اور یہ یہود ہیں۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اختلاف کرنے والے مشرکین ہیں کہ بعض نے قرآن مجید کو شعر قرار دیا، کسی نے سحر کہا اور کسی نے کہانت کہا (اس میں کوئی شبہ نہیں کہ) وہ حق سے بہت (دور جھگڑے میں ہیں)

﴿تشریحات﴾

ونزل فیمن حرّم السوائب ونحوها :۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ مائدہ میں ایک آیت میں ارشاد فرمایا: **ماجعل اللہ من بحیرۃ ولا سائبۃ ولا وصیلۃ ولا حامٍ ولکن الذین کفروا یفترون علی اللہ الکذب و أکثرھم لایعقلون**۔ مفسر نے **فیمن حرّم السوائب وغیرھا** میں اسی کی طرف اشارہ کیا، تفصیلی بحث تو وہیں اصل موقع پر آئے گی، لیکن اس جگہ اتنا مناسب ہے کہ مفسر نے ہر ایک کی جو تشریح کی ہے، اسے درج کردیا جائے۔ مفسر علام نے سورہ مائدہ کی مذکورہ آیت کے تحت بخاری شریف کے حوالے سے مشہور تابعی حضرت سعید بن مسیّب رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد نقل کیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ:

(۱) **بحیرہ**: وہ جانور ہے، جس کا دودھ بتوں کیلئے مختص کردیا جاتا، اسے بتوں پر چڑھایا جاتا تھا، وہ کسی اور کیلئے حلال نہ تھا۔

(۲) **سائبہ**: وہ جانور ہے جسے اپنے معبودوں کے نام پر کفار آزاد کردیتے تھے، پھر اس پر نہ سوار ہوتے تھے، اور نہ اسے کسی چراگاہ سے روکا جاتا تھا۔

(۳) **وصیلہ**: وہ اونٹنی ہے جو پہلی اور دوسری مرتبہ مسلسل اونٹنی ہی جنے، اسے بھی بتوں کے نام پر آزاد کردیتے تھے۔

(۴) **حام**: وہ اونٹ ہے جو دس مرتبہ جفتی کرکے اونٹنی کو گابھن کردے، اسے بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے۔

ان میں سے بعض کو مطلقاً حرام قرار دیتے تھے، اور بعض کو بعض حالات میں عورتوں کے لئے حرام اور مردوں کے لئے جائز قرار دیتے تھے، چونکہ ان جانوروں کی حرمت پر ان کے پاس کوئی دلیل نہ تھی، اس لئے فرمایا گیا کہ اے لوگو! زمین میں جو چیزیں ہیں، ان میں سے حلال و پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور شیطان کی پیروی نہ کرو،

شیطان کی پیروی یہی ہے کہ حلال کو حرام قرار دو۔

صفة مؤكدة :۔ حلالاً کا جملہ تو حال ہے، اس کے بعد طیباً کے کلمہ میں دو احتمال ہے، ایک یہ کہ وہ حلالاً کی کی صفت مؤکدہ ہو، یہ اس صورت میں ہوگا جبکہ طیبــاً اور حــلالاً دونوں مترادف ہوں۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ طیباً، مستلذاً کے معنی میں ہو، اس صورت میں وہ دوسرا حال ہوگا۔

﴿بِالسُّوْءِ﴾ الاثم :۔ سوء کی تفسیر إثم سے کی، اس کا اطلاق ہر طرح کے گناہ پر ہوتا ہے، اور **فحشاء** کی تفسیر **القبیح شرعاً** سے کی ہے، یعنی وہ گناہ جو شرعاً قبیح ہو، غالباً یہ بے حیائی والے گناہ ہیں، جیسے زنا، بدکاری وغیرہ۔

ومن یدعوهم إلی الهدی :۔ **مَثَلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا** کے بعد مذکورۃ الصدر عبارت ذکر کرکے مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ تشبیہ صرف کفار کی مقصود نہیں ہے، بلکہ کفار اور ان کے ہادی ﷺ کی مجموعی حالت کی ہے، یعنی رسول اللہ ﷺ کفار کو جو ہدایت کی دعوت دیتے، اور کفار جو اس سے گونگے، بہرے بنے اعراض کرتے ہیں، یہ حالت ایسی ہے، جیسے چرواہا اپنی بکریوں کو پکارے، تو وہ بکریاں بجز الفاظ کے سننے کے کیا اس سے کچھ سمجھ لیتی ہیں، یہی حال کفار کا ہے کہ وہ ہادی اکرم ﷺ کی بات تو سنتے ہیں مگر کچھ سمجھتے نہیں ہیں۔

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَةَ﴾ أی أكلها :۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میتہ کو اللہ نے حرام کیا، اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ حرمت وحلت کا تعلق شئ کی ذات سے نہیں ہوتا، یعنی ذات حرام وحلال نہیں، ذات سے متعلق کوئی فعل حرام ہوتا ہے، تو یہاں میتہ کے حرام ہونے کا کیا مطلب ہے؟ حرمت کا تعلق ذات میتہ سے تو ہے نہیں، مفسر نے فرمایا کہ یہاں میتــہ کی حرمت بول کر اس کے کھانے کی حرمت مراد ہے، چونکہ کلام اس جگہ کھانے ہی کے بارے میں ہے، یہی تقریر ان چیزوں کی حرمت کے بارے میں بھی ہوگی، جس کا ذکر میتہ کے بعد ہے۔

والــدم المسفوح :۔ یہاں پر حرام کے ذیل میں مطلق دم کو ذکر کیا گیا، مفسر نے اس کی تشریح میں **الـمسفوح** یعنی بہنے والے کی قید بڑھا دی ہے، کیونکہ سورہ انعام میں **دَمــاً مَسْــفُــوْحــاً** فرمایا گیا ہے، وہ قید یہاں بھی ملحوظ ہوگی۔

یـذبـح علیٰ إسم غیرہٖ :۔ إهلال کے معنی آواز بلند کرنے اور شور کرنے کے ہیں، عام طور پر یہ دستور تھا، اور اب بھی ہے کہ جانور جب بطور عبادت کے ذبح کیا جاتا ہے تو خود ذبح کرنے والا، دوسرے دیکھنے والے بلند آواز سے معبود کا نام پکارتے ہیں، آج بھی قربانیوں میں یہ منظر دیکھا جاتا ہے کہ ذبح کرنے والا **بسـم الله، الله اکبر** بلند آواز سے پڑھتا ہے، اور دوسرے بھی اسی آواز میں پڑھتے ہیں، جاہلیت میں جب کفار اپنے معبودوں کے نام پر قربانی کرتے تھے تو بآوازِ بلند اس معبود کا نام لیتے تھے، جس کے لئے قربانی کرتے تھے، اور پاس والے بھی شور مچاتے تھے، پھر مجازاً یہ ذبح ہی کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔

مــا أهــل بــه میں صاحب جمل نے لکھا ہے کہ **بــاء**، **فـی** کے معنی میں ہے۔اس صورت میں مضاف محذوف ہوگا، اصل عبارت یوں ہوگی، **و مـا أهـل فـی ذبحه لغير الله**، یعنی جانور ذبح کرنے میں غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو۔

أی ألجأته الضرورة إلی أكل شئ مما ذكر فأكله :۔یعنی کسی شخص کو کوئی ایسی مجبوری پیش آجائے کہ مذکورہ حرام کردہ اشیاء میں سے کسی ایک کے کھائے بغیر چارہ نہ ہو، یعنی جان چلی جائے گی، تو اس پر کھا لینے میں گناہ نہیں۔**فاكله** کے تفسیری لفظ کا اضافہ **فلا إثم عليه** کے تقاضے سے کیا ہے، یعنی **فمن اضطر فأكل فلا إثم عليه** ، جو کوئی مجبور ہوا اور کھا لیا تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے، ظاہر ہے کہ **فمن اضطر** پر **فلا إثم عليه** متفرع نہیں ہوسکتا، کیونکہ اضطرار کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس پر کسی گناہ کا تصور ہو کہ اس کی نفی کی جائے۔اضطرار کے بعد حرام چیزوں کا کھا لینا **إثم** بن سکتا تھا، تو اس سے گناہ کی نفی کردی۔

خارج علی المسلمين :۔یہ تفسیر لفظ باغ کی ہے، جو **بغی عليه** سے مشتق ہے، یعنی مسلمانوں کے خلاف بغاوت کرنے والا اس استثنائی حلت کا مورد نہیں ہے۔

﴿**وَّلَا عَادٍ**﴾**متعدٍ عليهم بقطع الطريق** :۔اور نہ مسلمانوں پر زیادتی اور عدوان کرنے والا ہو، اس سے مراد رہزنی کرنے والا ہے، یعنی اگر کوئی شخص رہزن ہو، اور ڈکیتی کے لئے نکلا ہو، اور اس دوران اس کو کوئی ایسی مجبوری پیش آگئی کہ حرام کھائے بغیر چارہ نہیں پاتا، تب بھی اس کے لئے مذکورہ بالا چیزیں حلال نہیں ہیں، وہ اس استثنائی حلت سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔

(**تنبیہ**) مفسر نے یہ تفسیر امام شافعی علیہ الرحمہ کے مسلک کے مطابق کی ہے، ان کا مسلک یہی ہے کہ مذکورۃ الصدر استثنائی حلت سے کوئی باغی اور ڈاکو جبکہ وہ بغاوت اور ڈاکہ کے واسطے سفر پر ہو، فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔اس تفسیر کی صورت میں **غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ**، **فَمَنِ اضْطُرَّ** کی ضمیر سے جو کہ نائب فاعل ہے حال ہوگا، ترجمہ اس کا ہوگا کہ پس جو کوئی مجبور ہو جائے، اس حال میں کہ وہ نہ باغی ہے نہ ڈاکو ہے، تو اس پر گناہ نہیں ہے۔

لیکن حنفیہ کے نزدیک **غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ** کا کلمہ **فَمَنِ اضْطُرَّ** کے بعد اس کے اقتضاء سے جو فعل مقدر ہے، یعنی **فـأكل** اس کی ضمیر فاعلی سے حال ہے، اس صورت میں **غَيْـرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ**، **اكل** کی قید ہوگی، اور پہلی صورت میں اضطرار کی قید ہوگی، جب اسے اکل کی قید مانیں گے تو اس کے مناسب باغ کا ماخذ اشتقاق بغاوت نہ ہوگا بلکہ **بـغـی** ہوگا جو کہ چاہنے کے معنی میں ہے، اور **عـادٍ** کے معنی حد سے تجاوز کرنے والا ہوگا۔اس آیت کی تفسیر اس طرح ہوگی کہ جو شخص مجبوری میں ان حرام اشیاء کو کھالے بشرطیکہ وہ طالب لذت نہ ہو اور نہ ضرورت کی حد سے تجاوز کرنے والا ہو، تو اس پر گناہ نہیں، مطلب یہ ہے کہ حرام شئے کی حلت جو مجبوری کی حالت میں ہے، وہ بس

بقدر مجبوری ہی ہے، مجبوری ختم ہو جائے تو پھر وہ چیز حلال نہیں رہتی۔ ظاہر ہے کہ جس کی جان پر بن رہی ہو، وہ پیاس دور کرنے کیلئے اگر شراب کا گھونٹ لے گا، تو جان بچانے کیلئے لے گا، طلب لذت کا کوئی داعیہ نہ ہوگا، ہاں جان بچنے کے بقدر پی لینے کے بعد طلب لذت کا داعیہ پیدا ہوسکتا ہے، تو اگر اس سے زائد ہوگا تو وہ بہ تقاضائے لذت ہی ہوگا، اس لئے وہ حرام ہے، اور وہ ضرورت کی حد سے متجاوز ہے، اس لئے بھی حرام ہے۔

عبارت کی دونوں تفسیر سامنے ہے، دونوں میں کون سی تفسیر سیاق وسباق سے زیادہ مناسبت رکھتی ہے، اہل فہم خود ہی غور کرلیں۔

وخرج الباغی والعادی ویلحق بهما کل عاصٍ بسفره :۔ مفسر کی تفسیر کے لحاظ سے باغی اور رہزن اس استثنائی حلت کے حکم سے خارج ہیں، اور انھیں دونوں کے حق میں ہر وہ شخص ہے جو سفر معصیت میں ہو، جیسے بھاگا ہوا غلام اور ناجائز ٹیکس وصول کرنے والا۔

فلایحل لهم أکل شئ من ذٰلک مالم یتوبوا :۔ پس ان کے لئے یعنی باغی، ڈاکو اور معصیت کے سفر والوں کے لئے جب تک وہ توبہ نہ کرلیں، اس استثنائی حلت سے فائدہ اٹھانے کا کوئی استحقاق نہیں ہے۔

علیه الشافعی :۔ مفسر فرماتے ہیں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک اسی تفسیر کی بنیاد پر ہے۔

المشتمل علیٰ نعت محمد ﷺ وهم الیهود :۔ **ماأنزل الله من الکتاب** میں **الکتاب** سے مراد تورات ہے، اور چھپانے والے یہود ہیں، الکتاب سے مراد تورات کا وہ حصہ اور اس کی وہ آیات ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے احوال وصفات کے بیان پر مشتمل ہیں۔

﴿وَیَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَناً قَلِیْلاً﴾ من الدنیا یاخذونه بدله من سفلتهم فلایظهرونه خوف فوته علیهم :۔ **یَشْتَرُوْنَ بِهٖ** میں ضمیر مجرور کتمان کی جانب راجع ہے، یعنی اس کتمان (آیات کے چھپانے) کے عوض میں دنیاوی قیمت جو کہ قلیل ہے، وصول کرتے ہیں، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ اپنے ماتحتوں سے یہ کہتے ہوں کہ ہم نے یہ آیات تم سے چھپالی ہیں، ان کی قیمت ہمیں دو، بلکہ اپنے مریدوں اور ماتحتوں کو اپنے جال میں پھنسائے رکھنا چاہتے ہیں، کیونکہ ان سے مختلف قسم کے نذرانے اور ہدیے وصول کرتے رہتے ہیں، اگر وہ رسول اللہ ﷺ کے احوال وعلامات کو ظاہر کردیں گے، تو ان کے عقیدت مند، اندیشہ ہے کہ ان کے جال سے نکل کر دین حق کو قبول کرلیں گے، اور یہ اپنے ان نذرانوں سے محروم ہو جائیں گے، جو انھیں ملتے ہیں۔ آیات کے چھپا لینے کی صورت میں نذرانوں کا ملنا برقرار رہے گا، اسی بات کی تعبیر اللہ تعالیٰ نے یہ فرمائی ہے کہ: **وَیَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَناً قَلِیْلاً**۔

لأنها مآلهم :۔ یہ لوگ حرام کے نذرانے جو کھا رہے ہیں درحقیقت آگ کھا رہے ہیں، کیونکہ ان کا انجام آگ

ہی ہے۔

أخذوها بدله فی الدنیا :۔ضلالت کو ہدایت کے عوض خریدنے کا مطلب یہ ہے کہ ہدایت کو چھوڑ کر ضلالت کو اختیار کرتے ہیں۔

أی ما أشد صبرهم وهو تعجیب للمومنین :۔**فما أصبرهم** تعجب کا صیغہ ہے، ترجمہ یہ ہوگا کہ حیرت ہے، ان کو جہنم کے اوپر صبر کتنا زیادہ ہے، اس پر ایک سرسری اشکال ہے، یہ حیرت اور تعجب کس کو ہے؟ بظاہر تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ حیرت اللہ تعالیٰ کو ہے، حالانکہ حیرت اور تعجب اللہ تعالیٰ کے حق میں محال ہے۔اس کا جواب مفسر نے یہ دیا کہ **وهو تعجیب للمومنین** ، یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کو حیرت نہیں ہے، بلکہ اہل ایمان کو حیرت دلانی مقصود ہے کہ دیکھو تمہارے لئے کتنی حیرت کی بات ہے کہ یہ اہل کتاب جہنم پر کتنے صبر کرنے والے تھے، یعنی جہنم میں لے جانے والے اعمال پر کتنے جری ہیں، اس سلسلے میں ذرا بھی پرواہ نہیں ہوتی، ورنہ جہنم پر صبر کیسے ہوسکتا ہے؟

﴿ذٰلِکَ﴾ **الذی ذکر من أکلهم النار ومابعده** :۔ذٰلک اسم اشارہ ہے،اس کا مشارٌ الیہ ماقبل کے کلام کا مجموعہ ہے، یعنی کتاب اللہ کے چھپانے کی وجہ سے ان کا آگ کھانا، اور چھپانے کے بدلے میں کچھ تھوڑی سی دنیا حاصل کرنا، اور اس کی وجہ سے ان کا عذاب میں مبتلا ہونا، اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کتاب کو حق کے ساتھ اتارا، اور انھوں نے اسے چھپایا، اس وجہ سے وہ لوگ مبتلائے عذاب ہوئے۔

﴿بِالْحَقِّ﴾ **متعلق بنَزَّلَ فاختلفوا فیه الخ** :۔ ﴿ذٰلِکَ بِأَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ﴾ ان کلمات ربانی میں **بالحق** کا تعلق نزل سے ہے، یعنی جو کچھ اترا ہے وہ برحق ہے، اس کے بعد ان اہل کتاب نے اختلاف کیا، اور اختلاف کی صورت یہ ہوئی کہ بعض اجزاء پر تو ان کا ایمان رہا اور بعض اجزاء کے منکر ہوئے اور ان کا انکار کیا ہے، یہی کہ وہ آیاتِ الٰہی کو اپنے عوام سے چھپاتے تھے۔

﴿وَإِنَّ الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا فِی الْکِتٰبِ﴾ **بذٰلک وهم الیهود وقیل المشرکون** :۔بذٰلک کا اشارہ اختلاف کی اس صورت کی جانب ہے، جس کا اوپر تذکرہ کیا گیا، یعنی کتاب کے بعض اجزاء پر ایمان اور بعض کا انکار، اس کے مصداق یہود ہیں۔اور بعض لوگوں نے کہا کہ اس کے مصداق مشرکین ہیں، انھوں نے قرآن کے بارے میں اختلاف کیا، بعضوں نے کہا کہ یہ شعر ہے، بعض نے اسے کہانت کہا، بعض نے سحر کہا۔

☆☆☆☆☆

﴿لَیْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَکُمْ﴾ فی الصلوٰۃ ﴿قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ﴾ نزل ردًّا علی الیهود والنصاریٰ حیث زعموا ذٰلک ﴿وَلٰکِنَّ الْبِرَّ﴾ أی ذا البر وقرئ البار ﴿مَنْ آمَنَ

بـاللهِ وَالْيَـوْمِ الْآخِـرِ وَالْـمَلَائِكَةِ وَالْـكِتٰبِ﴾ أى الْـكُتُـبِ ﴿ وَالـنَّبِيّـيـنَ وَآتَى الْمَـالَ عَلٰى﴾ مـع ﴿حُبِّـهٖ﴾ لله ﴿ذَوِى الْـقُـرْبٰى﴾ الـقـرابـة ﴿وَالْيَـتٰـمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ﴾ المسافر ﴿وَالسَّـائِلِيْـنَ﴾ الـطـالبين ﴿وَفِى﴾ فك ﴿الرِّقَابِ﴾ المكاتبين والاسرىٰ ﴿ وَأَقَامَ الصَّلٰوةَ وَآتَـى الزَّكٰوةَ ﴾ المفروضة وماقبله التطوع ﴿ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوْا﴾الله أو الناس ﴿ وَالـصَّـابِـرِيْـنَ ﴾ نـصـب عـلى المدح ﴿ فِى الْبَأْسَاءِ ﴾ شدة الفقر ﴿وَالضَّرَّآءِ ﴾ المرض ﴿وَحِيْـنَ الْبَأْسِ﴾ وقت شدة القتال فى سبيل الله ﴿ اُوْلٰئِکَ﴾ الموصوفون بما ذكر ﴿الَّذِيْنَ صَدَقُوْا﴾ فى ايمانهم أو إدعاء البر ﴿وَاُوْلٰئِکَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ﴾ الله۔

﴿ترجمـــــه﴾

(یہ نیکی نہیں ہے کہ تم لوگ) نماز میں (اپنا رُخ مشرق اور مغرب کی جانب کرو) یہ آیت یہود ونصاریٰ کی تردید میں نازل ہوئی ہے، جن کا ایسا ہی کچھ خیال تھا (لیکن نیکی) یعنی نیکی کرنے والا اور ایک قرأت شاذہ میں البـــار پڑھا گیا ہے (وہ ہے جو ایمان لایا اللہ پر اور یوم آخر پر اور ملائکہ پر اور کتاب پر) کتاب ہے تو واحد مگر جمع کے معنی میں ہے (اور انبیاء پر، اور مال دیا باوجودیکہ اس کو اس کی محبت ہے، قرابت داروں کو، اور یتیموں کو، اور مساکین کو، اور مسافر کو، اور مانگنے والوں کو، اور گردنوں) کے چھڑانے (میں) مکاتب اور قیدیوں کو (اور نماز قائم کی اور فرض (زکوٰۃ ادا کی) اور اس سے پہلے جو مال خرچ کرنے کا ذکر ہے، اس کا تعلق نفل سے ہے (اور وہ لوگ جو اپنے عہد کو پورا کرنے والے ہیں، جبکہ وہ) اللہ سے یا لوگوں سے (کوئی معاہدہ کر لیتے ہیں اور صبر کرنے والے ہیں) یہ نصب مدح کی بنا پر ہے (سخت تنگی میں اور مرض میں، اور) اللہ کے راستے میں (قتال وجنگ کی شدت کے وقت یہی لوگ) جن کے مذکورہ اوصاف بیان کئے گئے ہیں (وہ ہیں جو) اپنے ایمان میں یا نیکی کے دعویٰ میں سچے ہیں اور یہی لوگ) اللہ سے (ڈرنے والے ہیں)۔

﴿تشریحات﴾

فى الصلوٰة :۔ مطلقاً پورب پچھّم رُخ کرنے کو کوئی عبادت اور نیکی کا کام نہیں سمجھتا، بلکہ اپنی مخصوص عبادات میں مختلف اہل مذاہب کا حال الگ الگ ہے، کوئی مشرق کو رخ کرنا عبادت سمجھتا ہے کہ ادھر سے سورج طلوع ہوتا ہے، اور کوئی مغرب کی جانب رخ کرنے کو مقصود بنائے ہوئے ہے کہ سورج ادھر ہی غروب ہوتا ہے۔ مفسر نے **فى الصلوٰة** کا لفظ اسی لئے بڑھایا ہے کہ مطلق کسی سمت رخ کرنے سے کسی کو غلط فہمی نہ ہو۔

نـزل ردّاً عـلـى اليـهـود والنصـارىٰ :۔ جب کسی قوم سے حقائق گم ہو جاتے ہیں تو رسوم وظواہر کو وہ مقصود ومعبود بنا لیتی ہے، چنانچہ یہود ونصاریٰ کا یہی حال تھا کہ عبادات کے حقائق یہ لوگ کھو چکے تھے، تو پورب اور پچھّم

کے مسئلے کو لے کر نزاع میں مبتلا تھے۔

أی ذا البر :۔ بر کے معنی نیکی کے ہیں، یہاں البر مبتداء ہے اور من آمن باللہ اس کی خبر ہے، بر جو کہ اسم مصدر ہے، اس پر من آمن کا اطلاق باعث اشکال ہے۔ مفسر نے جواب دیا کہ یہاں مضاف محذوف ہے، یعنی ذا البـــر نیکی کرنے والا، اور اس کا قرینہ یہ ہے کہ ایک شاذ قرأت میں خود اسم فاعل کا صیغہ پڑھا گیا ہے، یعنی لکن البار۔

الکتاب :۔ الکتاب سے کوئی ایک مخصوص کتاب مراد نہیں ہے، بلکہ یہ اسم جنس ہے، اس میں تمام کتب سماویہ داخل ہیں۔

مع حبه له :۔ علیٰ حبه میں ضمیر مجرور حب کا فاعل ہے، اور مفعول بہ محذوف ہے، ترجمہ یہ ہوگا کہ وہ مال کو دیتا ہے، حالانکہ وہ مال سے محبت کرتا ہے۔

فی فک الرقاب :۔ رقاب، رقبة کی جمع ہے، مطلب یہ ہے کہ پھنسی ہوئی گردنوں کے چھڑانے میں مال خرچ کرتا ہے، پھنسی ہوئی گردن کے چھڑانے کی دو صورت ہے، ایک یہ کہ کسی غلام کے مالک نے اسے مکاتب بنادیا ہو، تو اس کی گردن اتنے مال میں گرفتار ہے جو بطور بدل کتابت طے ہوا ہے، یا کوئی قیدی ہے کہ اس کی گردن فدیہ کی رقم میں پھنسی ہوئی ہے، اس کے لئے رقم دی جائے۔

الزکوٰة المفروضة :۔ و آتی الزکوٰة میں زکوٰۃ سے مراد فرض زکوٰۃ ہے، اور پہلے جو و آتی المال کہا گیا، اس سے مراد نفلی اخراجات ہیں۔

والموفون بعهدهم :۔ هم الذین إذا وعدوا أنجزوا وإذا نذروا وفوا وإذا حلفوا بروا فی أیمانهم وإذا قالوا صدقوا فی قولهم ولو ائتمنوا أدوا الامانة۔ (خازن)

نصب علی المدح :۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں لفظ أمدح مقدر مانا جائے، بلکہ عربوں کے یہاں دستور یہ ہے کہ جب کسی معطوف علیہ کو کسی خصوصیت کے ساتھ ذکر کرنا ہوتا ہے، خواہ مدح کی بنا پر یا ذم کی بنا پر، تو اس کو معطوف علیہ کے اعراب سے منقطع کر کے منصوب ذکر کرتے ہیں، ایسے موقع پر أذکر یا أخص کو مقدر مان لینا کافی ہوتا ہے، یہ عبارت کا تفنن ہے، اس سے مخاطب متنبہ ہو جاتا ہے کہ یہاں کوئی خاص بات ملحوظ ہے، اس جگہ صبر کے اہتمام شان کی بنا پر علیحدہ اعراب کے ساتھ ذکر کیا، کیونکہ صبر ایک طرف تو مبدأ فضائل ومناقب ہے، کیونکہ خواہ کوئی بھی فضل وکمال ہو اس کے حصول میں صبر واستقلال کا بڑا دخل ہوتا ہے۔ اور دوسری طرف نفس پر گراں ہے۔

☆☆☆☆☆

﴿يَـا أَيُّهَـا الَّـذِيْـنَ آمَـنُوْا كُتِبَ﴾ فرض ﴿عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ﴾ المماثلة ﴿فِى الْقَتْلٰى﴾ وصفاً وفعلاً ﴿اَلْحُرُّ﴾ يقتل ﴿بِالْحُرِّ﴾ ولا يقتل بالعبد ﴿وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى﴾ وبينت السنة أن الذكر يقتل بها وأنه تعتبر المماثلة فى الدين فلا يقتل مسلم ولو عبداً بكافرٍ ولو حراً ﴿فَمَنْ عُفِىَ لَهٗ﴾ من القاتلين ﴿مِنْ﴾ دم ﴿أَخِيْهِ﴾ المقتول ﴿شَيْءٌ﴾ بأن ترك القصاص منه وتنكير شئ يفيد سقوط القصاص بالعفو عن بعضه ومن بعض الورثة وفى ذكر أخيه تعطف داعٍ إلى العفو وإيذان بأن القتل لا يقطع أخوة الايمان ومن مبتدأ شرطية أو موصولة والخبر ﴿فَاتِّبَاعٌ﴾ أى فعلى العافى إتباع القاتل ﴿بِالْمَعْرُوْفِ﴾ بأن يطالبه بالدية بلاعنفٍ وترتيب الاتباع على العفو يفيد أن الواجب أحدهما وهو أحد قولى الشافعى والثانى الواجب القصاص والدية بدل عنه فلو عفا ولم يسمها فلا شئ ورجح ﴿وَ﴾ على القاتل ﴿أَدَاءٌ﴾ للدية ﴿إِلَيْهِ﴾ الى العافى وهو الوارث ﴿بِإِحْسَانٍ﴾ بلا مطل ولا بخس ﴿ذٰلِكَ﴾ الحكم المذكور من جواز القصاص والعفو عنه على الدية ﴿تَخْفِيْفٌ﴾ تسهيل ﴿مِنْ رَّبِّكُمْ﴾ عليكم ﴿وَرَحْمَةٌ﴾ بكم حيث وسع فى ذٰلك ولم يحتم واحداً منهما كما حتم على اليهود القصاص وعلى النصارىٰ الدية ﴿فَمَنِ اعْتَدٰى﴾ ظلم القاتل بأن قتله ﴿بَعْدَ ذٰلِكَ﴾ أى العفو ﴿فَلَهٗ عَذَابٌ أَلِيْمٌ﴾ مؤلم فى الآخرة بالنار أوالدنيا بالقتل ﴿وَلَكُمْ فِى الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ﴾ أى بقاء عظيم ﴿يّٰاُولِى الْاَلْبَابِ﴾ ذوى العقول لأن القاتل إذا علم أنه يقتل إرتدع فأحيىٰ نفسه ومن أراد قتله فشرع لكم ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ القتل مخافة القود.

﴿ترجمــــــه﴾

(اے ایمان والو! تم پر مقتول کے سلسلے میں قصاص) یعنی مماثلت کو (لکھ دیا) یعنی فرض کر دیا (گیا ہے) وصف اور فعل دونوں اعتبار سے (آزاد کو آزاد کے بدلے میں) قتل کیا جائے گا، غلام کے بدلے میں نہیں قتل کیا جائے گا (اور غلام کو غلام کے بدلے میں، اور عورت کو عورت کے بدلے میں) اور سنت نے وضاحت کی ہے کہ عورت کے بدلے میں مرد کو بھی قتل کیا جائے گا، نیز مماثلت دین میں بھی معتبر ہے، اس لئے کسی مسلمان کو خواہ وہ غلام ہی ہو، کسی کافر کے بدلے میں خواہ وہ آزاد ہی ہو قتل نہیں کیا جائے گا (پس) قاتلوں میں سے (جس کسی کو اس کے) مقتول (بھائی کے خون سے کچھ معافی دیدی گئی) جس کی صورت یہ ہے کہ اس کا قصاص ترک کر دیا، یا یہ کہ کسی وارث نے اپنے حصہ کا قصاص معاف کر دیا، تو پورا قصاص ساقط ہو جائے گا، اور أخیــــہ کے ذکر سے مہربانی کے جذبہ کو ابھارنا ہے جو معافی دیدینے کا باعث ہے، اور اس سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ قتل

کر دینے کی وجہ سے ایمانی اخوت ختم نہیں ہوتی، اور مَــن مبتدا شرطیہ ہے یا موصولہ ہے، اور اس کی خبر **فــاتبــاع بــالـمعروف** ہے، یعنی (تو پیچھے لگنا ہے) یعنی معاف کرنے والے کو حق ہے کہ وہ قاتل کے پیچھے (شریعت کے مطابق) لگے، جس کا طریقہ یہ ہے کہ اس سے بغیر کسی تشدد کے دیت کا مطالبہ کرلے، اور معاف کرنے پر پیچھے لگنے کو مرتب کیا ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ دونوں یعنی قصاص اور دیت میں سے ایک چیز برابری کے طور پر واجب ہے، اس سلسلہ میں امام شافعی علیہ الرحمہ کے دو قول میں سے یہ ایک قول ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ اصل واجب تو قصاص ہے، البتہ دیت اس کے عوض میں آئے گی، لہٰذا کسی نے قصاص کو معاف کردیا اور دیت کا ذکر نہیں کیا تو دیت واجب نہیں ہوگی، اسی دوسرے قول کو ترجیح دی گئی ہے (اور) معاف کرنے والے یعنی وارث کو دیت اچھے طریقہ پر (ادا کردینا) قاتل کی ذمہ داری (ہے) یعنی نہ ٹال مٹول کرے اور نہ اس میں کوئی کمی کرے (یہ) مذکورہ بالا حکم یعنی قصاص کا جواز اور دیت لے کر معاف کردینے کا حق (تمہارے رب کی طرف سے) تم پر (تخفیف اور رحمت ہے) کہ اتنی گنجائش رکھ دی ان میں سے کسی ایک کو فرض قطعی نہیں قرار دیا، جبکہ یہود کے مذہب میں صرف قصاص ہی فرض تھا عفو کی گنجائش نہ تھی، اور نصاریٰ کے مذہب میں صرف دیت فرض تھی قصاص ندارد تھا (پھر جو کوئی اس کے بعد) یعنی معافی کے بعد (زیادتی کرے) یعنی قاتل پر ظلم کرے یعنی اسے قتل کردے (اس کے لئے دردناک عذاب ہے) آخرت میں جہنم کا، یا دنیا میں قتل کا (اور تمہارے لئے قصاص میں زندگی ہے) یعنی بقاء عظیم ہے (اے عقل والو!) کیونکہ جب قاتل جانتا ہوگا کہ وہ قتل کردیا جائے گا، تو قتل کرنے سے باز رہے گا، اس طرح وہ اپنے آپ کی بھی زندگی بچالے گا، اور جس کے قتل کا ارادہ کیا ہے اس کی زندگی بھی محفوظ رہے گی، اس لئے قصاص کو مشروع کیا (شاید تم) قصاص کے خوف سے قتل کرنے سے (بچ جاؤ)

﴿تشریحات﴾

الـمـمــاثلة: ۔قصاص کے لغوی معنی مماثلت کے ہے، شریعت کی طرف سے قاتل کو قتل کے بدلے میں قتل کئے جانے کو قصاص کہتے ہیں، یہاں مفسر نے قصاص کی تفسیر لغوی معنی کے اعتبار سے شاید اس آیت کی شانِ نزول کو پیش نظر رکھ کر کی ہے۔ بات یہ ہے کہ مدینہ میں اوس وخزرج دو قبیلے آباد تھے، اور دونوں عمداً لڑا کرتے تھے، ان میں ایک قبیلے کو دوسرے قبیلے پر غلبہ حاصل ہوگیا تھا تو اس نے زبردستی ایک قانون بنادیا تھا کہ وہ دوسرے قبیلے کی عورتوں سے بغیر مہر کے نکاح کرسکتے ہیں اور اگر تمہارا آزاد ہمارے غلام کو قتل کرے گا، تو ہم اس آزاد کو قتل کریں گے، اور اگر ہماری عورت کو تمہارا مرد قتل کرے گا تو اسے بھی قتل کیا جائے گا، اور ایک آزاد مرد کے بدلے دو مرد قتل کئے جائیں گے، اور ادھر کے زخم اُدھر کے زخم کے دوگنے شمار کئے جائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری کے بعد لوگوں نے اس قانون کو آپ کے حضور پیش کیا، تو مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی، اور یہ ظالمانہ قانون باطل کردیا

گیا۔ (جمل)

فی القتلیٰ :۔ أی بسبب القتلیٰ، فی سبب کے معنی میں آتا ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: إن إمرأة دخلت النار فی هرةٍ، أی بسببها، قتلیٰ قتیل کی جمع ہے۔

وصفاً و فعلاً :۔ ان دونوں لفظوں کا تعلق مماثلت سے ہے، مماثلت فی الوصف کا بیان آیت میں یہ ہے: الحر بالحر والعبد بالعبد اور مماثلت فی الفعل کا مطلب یہ ہے کہ قاتل نے اگر تلوار سے قتل کیا ہے، تو اس کو بھی تلوار سے مارا جائے گا، اور اگر کسی اور چیز سے مارا ہے تو اسی چیز سے اسے بھی مارا جائے گا۔

ولا یقتل بالعبد :۔ یہ الحر بالحر کے مفہوم مخالف کا بیان ہے، حضرات شوافع نے کتاب وسنت میں مفہوم مخالف کا اعتبار کیا ہے، تو جب یہ کہا گیا کہ آزاد کو آزاد کے بدلے میں قتل کیا جائے گا، تو گویا کنایۃً یہ بھی کہا گیا کہ آزاد کو غلام کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا، حنفیہ کے نزدیک قرآن وسنت میں مفہوم مخالف معتبر نہیں ہے، اس کے حکم کے لئے علیحدہ دلیل کی ضرورت ہے، کیونکہ کتاب اللہ ہو یا سنت رسول اللہ ان میں قانونی زبان، قیود وضوابط والی نہیں استعمال کی گئی ہے، اس لئے اصل عبارت سے مفہوم مخالف کا حکم نکالنا صحیح نہیں ہے۔

وبینت السنة أن الذكر يقتل بها :۔ والعبد بالعبد والانثی بالانثی میں مفہوم مخالف کا حکم خود حضرات شوافع کے نزدیک نہیں بنتا، اس لئے مفسر نے تاویل فرمائی کہ چونکہ سنت سے ثابت ہے کہ مرد کو عورت کے بدلے میں قتل کیا جائے گا، اس لئے صریح سنت کے ہوتے ہوئے مفہوم مخالف کا اعتبار نہیں ہوگا۔

وأنه تعتبر المماثلة فی الدین :۔ مفسر فرماتے ہیں کہ سنت سے یہ بھی ثابت ہے کہ قصاص میں مماثلة فی الدین کا بھی اعتبار ہے، پس اگر کسی مسلمان نے کسی کافر کو قتل کیا ہو، تو اس کے بدلے میں مسلمان کو نہیں قتل کیا جائے گا، اگرچہ مقتول کافر آزاد ہو اور قاتل مسلم غلام ہو۔

(**نوٹ**) یہ تفسیر مفسر نے امام شافعی علیہ الرحمہ کے مسلک کے مطابق تحریر کی ہے، احناف کے نزدیک چونکہ کتاب اللہ سے مفہوم مخالف کا حکم نہیں نکلتا، اسلئے اس کے لئے جیسی دلیل ملے گی، عمل کیا جائے گا۔ تفصیلات کتب فقہ میں ملاحظہ ہوں۔

وتنکیر شئ :۔ اللہ تعالیٰ نے شئ کو جو نکرہ ذکر کیا ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ اگر وارث نے آدھا، تہائی یا قصاص کا کوئی ایک حصہ معاف کر دیا تو، یا کئی ورثہ تھے ان میں سے کسی ایک نے اپنا ایک حصہ معاف کر دیا تو پورا قصاص ساقط ہو جائے گا۔

وفی ذکر أخیه :۔ مقتول کو لفظ اخ سے ذکر کرنے سے قاتل اور مقتول کی بھائی چارگی یعنی ایمانی اخوت کا تذکرہ کیا گیا ہے، اس سے باطنی طور پر معاف کر دینے کا جذبہ ابھرتا ہے کہ بھائی کو معاف کر دینا ہی مناسب

ہے۔

وإیذان بأن القتل لا یقطع إخوة الایمان :۔اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قتل عمد کی وجہ سے گو کہ وہ گناہِ کبیرہ ہے، ایمان ختم نہیں ہوتا، اسی لئے تو ایمانی اخوت باقی رہتی ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اس کا حوالہ دیا ہے ، ورنہ خوارج کے مسلک کے لحاظ سے جب کبیرہ کے ارتکاب سے آدمی کافر ہو جاتا ہے، تو قتل کے بعد اخوت باقی نہیں رہنی چاہئے ، اس سے معلوم ہوا کہ خوارج کا نظریہ غلط ہے۔

وترتیب الاتباع علی العفو :۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ ، اس میں اللہ تعالیٰ نے معافی پر دیت دینے کو مرتب فرمایا ہے، اس سے حضرات شوافع استدلال فرماتے ہیں کہ قتل عمد میں قصاص اور دِیت دونوں میں کوئی ایک واجب ہے، وارث جس کو چاہے اختیار کرسکتا ہے، اور جسے چاہے چھوڑ سکتا ہے۔لہٰذا اگر کسی نے قصاص اختیار کیا تو دیت ختم ہوگئی، اور اگر کسی نے قصاص ترک کیا تو خود بخود دیت لازم ہو جائے گی، خواہ اس کا ذکر کرے یا نہ کرے۔لیکن امام شافعیؒ کا دوسرا قول یہ ہے کہ اصل واجب تو قصاص ہے، لیکن اگر کوئی دیت کے عوض میں قصاص کو ترک کرتا ہے تو اسے اختیار ہے، دیت لے سکتا ہے، لیکن اگر اس نے قصاص تو معاف کر دیا اور دیت کا کوئی تذکرہ نہیں کیا تو دیت لازم نہ ہوگی، کیونکہ وہ قتل عمد کا موجب نہیں ہے۔مفسر نے فرمایا ہے کہ اسی قول کو ترجیح دی گئی ہے، بندہ ناچیز کہتا ہے کہ احناف کا بھی یہی قول ہے۔

بقاء عظیم :۔وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ میں حَيٰوةٌ کی تنوین تعظیم کے لئے ہے، یعنی حکم قصاص کی وجہ سے لوگوں کی کثیر تعداد میں زندگی محفوظ رہتی ہے، کیونکہ اگر قصاص نہ ہو تو قاتل بھی جری ہوگا، اور مقتول کے ورثاء بھی انتقام کی آگ میں جلیں گے، پھر قتل وخونریزی کا بازار گرم ہوگا، اس کی کوئی انتہاء نہ ہوگی، اس کے برخلاف جب قصاص کا حکم نافذ کر دیا گیا تو قاتل، قتل کرنے سے پہلے سوچنے پر مجبور ہوگا کہ میں اگر قتل کروں گا تو اس کے بدلے میں مجھے بھی مار ڈالا جائے گا، یہ سوچ کر وہ قتل سے باز رہے گا، تو اس طرح دو زندگی اور اس کے طفیل بہت سی زندگیاں محفوظ رہیں گی، اور اگر اس نے فوری جوش کی بناپر قتل بھی کر دیا تو مقتول کے ورثاء کا قصاص کی وجہ سے غصہ ٹھنڈا ہو جائے گا، اور انتقام کی آگ بجھ جائے گی، پھر قتل وخونریزی کا سلسلہ دراز ہونے سے بچ جائے گا۔

فشــــرع :۔یہ لفظ مفسر نے لکھ کر دو بات کی طرف اشارہ کیا ہے، اوّل یہ کہ قصاص مشروع ہے، دوسرے یہ کہ **لعلکم تتقون** اسی **فشرع** سے متعلق ہے۔

☆☆☆☆☆

﴿كُتِبَ﴾ فرض ﴿عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ﴾ أی أسبابه ﴿إِنْ تَرَكَ خَيْرًا﴾ مالا ﴿نِالْوَصِيَّةُ﴾ مرفوع بکتب ومتعلق بإذا إن کانت ظرفية ودال علیٰ جوابها إن

كانت شرطية وجواب إن محذوف أى فليوص ﴿ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ بالعدل بأن لا يزيد على الثلث ولايفضل لغنى ﴿ حَقًّا ﴾ مصدر مؤكد لمضمون الجملة قبله ﴿ عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴾ وهٰذا منسوخ بآية الميراث وبحديث لاوصية لوارث رواه الترمذى ﴿ فَمَنْ بَدَّلَهٗ ﴾ أى الإيصاء من شاهد ووصى ﴿بَعْدَ مَاسَمِعَهٗ ﴾ علمه ﴿ فَإِنَّمَا إِثْمُهٗ﴾ أى الإيصاء المبدل﴿عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ﴾ فيه إقامة الظاهر مقام المضمر ﴿إِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ ﴾لقول الموصى ﴿ عَلِيْمٌ ﴾ بفعل الوصى فمجاز عليه ﴿فَمَنْ خَافَ مِنْ مُوْصٍ ﴾ مخففاً ومثقلاً ﴿جَنَفاً﴾ ميلاً عن الحق خطأً﴿ أَوْ إِثْماً﴾ بأن تعمد ذٰلک بالزيادة على الثلث أو تخصيص غنى مثلاً ﴿فَأَصْلَحَ بَيْنَهُمْ ﴾ بين الموصى والموصىٰ له بالامربالعدل﴿ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ﴾ فى ذٰلک﴿ إِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾

﴿ترجمـــــــه﴾

(جب تم میں سے کسی پر موت) یعنی اسبابِ موت (آجائیں، تو اگر اس نے مال چھوڑا ہے، تو تم پر وصیت فرض کی گئی ہے)الــوصية ، کتــب کا نائب فاعل ہے، اس لئے مرفوع ہے، اور یہی الــوصية، إذا حضــر کا متعلق ہے، یعنی اس کا عامل ہے، جبکہ إذا محض ظرف کے لئے ہو، اور اگر شرطیہ مانا جائے تو الــوصية اس کے جواب پر دلیل ہوگا، اور وہ فلیــوص ہے، یہ وصیت کن لوگوں کے لئے واجب ہے؟ (والدین کے لئے اور قریبی رشتہ داروں کے لئے انصاف کے ساتھ) اس کا طریقہ یہ ہے کہ وصیت تہائی سے زائد میں نہ کرے اور مالدار کو ترجیح نہ دے (واجب ہے) حقاً ماقبل کے مضمون جملہ کی تاکید ہے (اللہ سے ڈرنے والوں پر) یہ آیت، آیت میراث کے بعد منسوخ ہے، نیز حدیث لاوصية لــــوارثٍ کی وجہ سے بھی منسوخ ہے، حدیث مذکور امام ترمذیؒ نے روایت کی ہے، (پس جو کوئی اس کو) یعنی وصیت کو (بدل دے) خواہ وہ گواہ ہو یا وصی ہو (اس کے سن لینے) یعنی جان لینے کے بعد (تو اس کا) یعنی بدلی ہوئی وصیت کا (گناہ انھیں لوگوں پر ہوگا، جو اسے بدلیں گے) اس میں اسم ظاہر کو ضمیر کے بدلے میں ذکر کیا گیا ہے (بلاشبہ اللہ تعالیٰ) وصیت کرنے والے کی بات کا (سننے والا ہے) وصی کے فعل کو (جاننے والا ہے) پس اس کو اس کا بدلہ ملے گا (پھر جو کوئی وصیت کرنے والے کی طرف سے) خطاءً حق سے (انحراف کرجانے کا یا) قصداً (گناہ کا اندیشہ رکھتا ہو) یعنی یہ ڈر ہو کہ وہ ثلث سے زائد کی وصیت کردے گا، یا مالدار کو ترجیح دے گا (تو وہ ان کے درمیان اصلاح کردے) یعنی عدل کا حکم دے کر موصی اور موصیٰ لہ کے درمیان صحیح رائے قائم کرادے (تو) اس سلسلے میں (اس پر کوئی گناہ نہیں ہے، بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والے رحم کرنے والے ہیں)

﴿تشریحات﴾

أی أسبـــابـہ :۔موت کے آجانے کے بعد وصیت کرنا ممکن نہیں ہے،اس لئے مراد اس سے موت کے اسباب وآثار ہیں۔

مـالاً :۔خیـراً کی تفسیر مـالاً سے کی گئی ہے،اس میں اشارہ ہے کہ وصیت کا محل مال حلال وطیب ہے،حرام مال تو وبال ہے

مرفوع بکتب ومتعلق بإذا :۔ الوصیة کا کلمہ آیت کریمہ میں کتب کا مفعول مالم یسم فاعلہ ہے، پھر إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ میں،إذا کے اندر دواحتمال ہے۔اول یہ کہ إذ ظرفیہ ہو،اس صورت إذا کا تعلق الوصیة سے ہوگا کیونکہ یہ مصدر ہے، یا اسم مصدر (حاصل مصدر) پس وہ ظرف میں عامل ہوگا، گویا عبارت یوں ہوگی ،
کتب علیکم أن یوصی أحدکم وقت حضور الموت له۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ إذا شرطیہ ہو،اور إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ ،اور إن ترک خیراً ان دونوں شرطوں میں سے کسی کی جزالفظوں میں موجود نہیں ہے،اس لئے الوصیة کا کلمہ شرط کی جزا پر دلیل ہوگا،اور وہ جزا محذوف فلیوص ہے، یہی لفظ إذا اور إن دونوں کا جواب ہے،اس کا قرینہ الوصیة ہے،اس طرح مفسر نے اپنی مختصر عبارت میں تین باتیں ذکر کیں۔اول یہ کہ إذا اگر محض ظرف کے لئے ہوتو اس میں عامل الـوصیة ہے،اور اگر إذا میں شرط کا معنی بھی ہے تو اس کی جزا محذوف ہے،اور وہ فلیوص ہے،اور إن ترک کی جزا بھی محذوف ہے،اور وہ بھی فلیوص ہی ہے،ان دونوں کے لئے قرینہ الوصیة ہے،اور جواب ان مجرور ہے، کیونکہ وہ جوابھا پر معطوف ہے۔

بأن لا یزید علی الثلث ولا یفضل لغنی :۔وصیت میں عدل کا لحاظ مفسر نے دو طریقے سے کرنے کو بتایا ہے،ایک یہ کہ تہائی سے زیادہ کی وصیت نہ کرے، دوسرے یہ کہ وصیت میں غنی کے ساتھ ترجیحی معاملہ نہ کرے، لیکن اس پر اشکال یہ ہے کہ یہ حکم اس وقت کا ہے جبکہ آیت میراث ابھی نازل نہیں ہوئی تھی ، اور والدین اور اقربین کے حصے متعین نہیں ہوئے تھے،اس صورت میں وصیت کرنے کا امر ہوا تھا،اس میں یہ مسئلہ پیدا ہی نہیں ہوتا کہ تہائی سے زیادہ کی وصیت کی جائے۔ہاں غنی کی ترجیح کا مسئلہ ضرور پیدا ہوتا ہے،اور جبکہ اللہ تعالیٰ نے خود سب کا حصہ متعین کردیا ہے تو اصحاب حصص کیلئے وصیت جائز ہی نہیں ہے، ہاں ان کے علاوہ اگر کسی کو وصیت کرنی ہے تو تہائی سے زیادہ نہ کی جائے ،لیکن یہاں مسئلہ غیروں کے لئے نہیں ہے،خود وارثوں کے لئے ہے، اس لئے بأن لا یزید علی الثلث کی عبارت برمحل نہیں معلوم ہوتی ، فلیتامل۔

مـصـدر مؤکد لمضمون الجملة قبله :۔یہ ارشاد حقاً کے بارے میں ہے کہ وہ ماقبل کے مضمون جملہ

یعنی کتب علیکم الوصیۃ کی تاکید کے لئے ہے۔

وھٰذا منسوخ بآیة المیراث :۔ یہ مرنے کے وقت وصیت کا وجوب منسوخ ہے، اور اس کے لئے ناسخ سورۂ نساء کی آیت: **یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین الخ** ہے، نیز **لا وصیة لوارث** والی حدیث بھی ہے، جسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے: **إن اللہ اعطیٰ لکل ذی حقٍ حقَه فلاوصیةَ لوارثٍ**۔

﴿فَمَنْ بَدَّلَهٗ﴾ أی الإیصاء :۔ **بدّله** میں ضمیر کا مرجع **الایصاء** ہے، جو **الوصیة** سے مفہوم ہوتا ہے۔

فیه إقامة الظاهر مقام المضمر :۔ سیاق کے لحاظ سے عبارت اس طرح ہوگی: **فَمَنْ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَاسَمِعَهٗ فَإِنَّمَا إِثْمُهٗ عَلَیْهِ**، لیکن حق تعالیٰ نے بجائے ضمیر کے **الذین یبدلونه** اسم ظاہر ذکر کیا ہے، اور اس کا نکتہ یہ ہے کہ یہ گناہ محض تبدیل کرنے کی وجہ سے ہوا ہے، لہٰذا وصیت کو بدلنا سخت گناہ ہے اور یہ کہ اس گناہ میں وصیت کرنے والا شریک نہ ہوگا۔

﴿مضامین آیات وتفسیر﴾

اس رکوع میں حق تعالیٰ نے قبلہ کی کشمکش سے قلوب واذہان کو ہٹا کر نیکی اور تقویٰ کے اصول کو قدرے تفصیل سے ذکر کیا ہے، خواہ وہ اصول حقوق اللہ سے تعلق رکھتے ہوں یا حقوق العباد سے، آدمی کو زیادہ اہتمام ان حقوق کا کرنا چاہئے، اور یہ دیکھنا چاہئے کہ اس کی زندگی میں ان باتوں کا کتنا اہتمام ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ ساری نیکی یہی نہیں ہے کہ تم اپنی عبادات میں کسی خاص طرف رُخ کرلیا کرو، بلکہ اصل نیکی یہ ہے کہ تمہارا ایمان اللہ پر ہو، یوم آخر پر ہو، ملائکہ اور کتب الٰہیہ پر ہو، انبیاء پر ہو، اور پھر آدمی باوجود مال کی محبت اور ضرورت کے اپنے رشتہ مندوں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، ضرورت مند مانگنے والوں کو عطیہ دیتا رہے، اور غلاموں اور قیدیوں کو آزاد کرانے میں خرچ کرے، نیز نماز اور فرض زکوٰۃ کا بھی اہتمام کرتا ہو، پھر قول وعمل میں اتنی پختگی ہو کہ عہد ومیثاق کو ہر حال میں پورا کرنے کا اہتمام ہو، اور مصائب وآفات میں صبر واستقلال کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے، اور جہاد فی سبیل اللہ میں ثبات قدمی اس کا شعار ہو۔ حقیقت میں یہی لوگ سچے بھی ہیں اور متقی بھی ہیں۔

ایمان والوں پر مقتول کے بدلے میں قصاص فرض کیا گیا ہے، ہاں اگر مقتول کے ورثہ قصاص کو معاف کردیں تو وہ ساقط ہوجائے گا، ورثہ کو اختیار ہے کہ دیت کی شرط کے ساتھ قصاص کو معاف کریں یا بغیر دیت کے اللہ کیلئے معاف کردیں، اگر دیت کی شرط کی ہے تو قاتل کو چاہئے کہ نہایت احسان مندی کے ساتھ بغیر کسی حیلہ حوالہ کے دیت ادا کردے، اور مقتول کے ورثہ کو بھی چاہئے کہ معاف کردینے کے بعد درپئے انتقام نہ ہوں۔ حق تعالیٰ نے اس طرح خاص اپنے فضل وکرم سے حکم میں آسانی پیدا کردی ہے، اور قصاص کا حکم اللہ کا احسان عظیم

ہے، اس کی بدولت زندگیاں محفوظ رہتی ہیں۔ اسی طرح ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ مرنے سے پہلے اپنے مال کے بارے میں والدین اور رشتہ داروں کے حق میں انصاف کے ساتھ وصیت کر جاؤ، اور جسے وصیت کا ذمہ دار بنایا گیا ہو، وہ اس میں کسی طرح کی تبدیلی نہ کرے، ورنہ اس پر اس کا وبال پڑے گا، ہاں اگر وصیت کرنے والا اپنی وصیت میں اعتدال سے منحرف ہو رہا ہو، خواہ جان بوجھ کر یا ناواقفیت کے باعث، تو اس کی اصلاح کر دینا مناسب ہے، وہ رب کی مغفرت و مہربانی کا مستحق ہوگا۔

☆☆☆☆☆

﴿يَاأَيُّهَاالَّذِيْنَ آمَنُوْا كُتِبَ﴾ فرض ﴿عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ من الامم ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ المعاصى فإنه يكسر الشهوة التى هى مبدؤها ﴿أَيَّاماً﴾ نصب بالصيام أو بصوموا مقدراً ﴿مَعْدُوْدَاتٍ﴾ أى قلائل أى موقتاتٍ بعددٍ معلومٍ وهى رمضان كما سياتى وقَلَّلَهُ تسهيلاً على المكلفين ﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ﴾ حين شهوده ﴿مَرِيْضاً أَوْ عَلٰى سَفَرٍ﴾ أى مسافراً سفرَ القصر وأجهده الصوم فى الحالين فأفطر ﴿فَعِدَّةٌ﴾ فعليه عدد ما أفطر ﴿مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾ يصومها بدله ﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ﴾ لا ﴿يُطِيْقُوْنَهُ﴾ لكبرٍ أو مرضٍ لايرجىٰ برؤه ﴿فِدْيَةٌ﴾ هى ﴿طَعَامُ مِسْكِيْنٍ﴾ أى قدر مايا كله فى يوم وهو مد من غالب قوت البلد لكل يومٍ وفى قراءةٍ بإضافةِ فديةٍ وهى للبيان وقيل لا غير مقدرة وكانوا مخيرين فى صدر الاسلام بين الصوم والفدية ثم نسخ بتعيين الصوم بقوله فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ قال ابن عباسؓ إلا الحامل والمرضع إذا افطرتا خوفاً على الولد فإنها باقية بلا نسخٍ فى حقهما ﴿فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْراً﴾ بالزيادة على القدر المذكور فى الفدية ﴿فَهُوَ﴾ أى التطوع ﴿خَيْرٌلَّهُ أَنْ تَصُوْمُوْا﴾ مبتدأ خبره ﴿خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ من الافطار والفدية ﴿إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ أنه خيرلكم فافعلوه تلك الايام ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِىْ أُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْآنُ﴾ من اللوح المحفوظ إلى السماء الدنيا فى ليلة القدر ﴿هُدًى﴾ حال هادياً من الضلالة ﴿لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ﴾ آيات واضحات ﴿مِّنَ الْهُدٰى﴾ ممايهدى إلى الحق من الاحكام ﴿وَ﴾ من ﴿الْفُرْقَانِ﴾ مما يفرق بين الحق والباطل ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضاً أَوْ عَلٰى سَفَرٍفَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾ تقدم مثله وكَرَّرَهُ لئلا يتوهم نسخه بتعميم مَنْ شَهِدَ ﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلاَ يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ ولذا أباح لكم الفطر فى المرض والسفر ولكون ذٰلک فى معنى العلة أيضاً للأمر بالصوم عطف عليه ﴿وَلِتُكْمِلُوْا﴾ بالتخفيف والتشديد

﴿العِدَّةَ﴾ أی عدة صوم رمضان ﴿وَلِتُكَبِّرُوا اللهَ﴾عند إكمالها ﴿عَلىٰ مَاهَدٰكُمْ﴾ أرشدكم لمعالم دينه ﴿وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾الله على ذٰلک وسأل جماعةٌ النبیَّ ﷺ أقريب ربنا فنناجيه أم بعيد فنناديه فنزل ﴿وَإِذَا سَأَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّی فَإِنِّیْ قَرِيْبٌ﴾ منهم بعلمی فأخبرهم بذٰلک ﴿أُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ﴾بإنالته ماسأل ﴿فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِیْ﴾دعائی بالطاعة ﴿وَلْيُؤْمِنُوْا﴾ يديموا على الايمان ﴿بِیْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ﴾ يهتدون۔

﴿ترجمـــــہ﴾

(اے ایمان والو! تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے، جیسا کہ ان) امتوں (پر فرض کیا گیا تھا، جو تم سے پہلے تھیں، شاید تم) معاصی سے (بچو) کیونکہ روزہ شہوت کو توڑتا ہے، اور شہوت ہی معاصی کی بنیاد ہے (چند دن) أیاماً کا نصب الصیام کی وجہ سے ہے یا صوموا مقدر کی وجہ سے، یعنی تھوڑے دن، یعنی اتنے دن جو عدد معلوم کے ساتھ متعین ہیں، اور وہ رمضان کا مہینہ ہے، اور مکلفین پر آسان کرنے کے لئے اس کا قلیل ہونا ذکر فرمایا (پس جو کوئی تم میں سے) اس مہینے کے اندر (مریض ہو یا سفر پر ہو) یعنی ایسے سفر پر ہو جس میں قصر ہوتا ہے، اور ان دونوں حالتوں میں روزہ رکھنا مشکل ہو، اس بنا پر روزہ نہ رکھے (تو دوسرے دنوں میں اتنی تعداد) اس کے ذمے (ہے) یعنی اس پر دوسرے دنوں میں اتنی تعداد میں روزہ رکھنا ہوگا جتنا اس نے نہیں رکھا ہے، وہ ان دنوں کے بدلے میں رکھے گا (اور ان لوگوں پر جو روزہ کی طاقت) نہیں (رکھتے) خواہ بڑھاپے کی وجہ سے، یا کسی ایسی بیماری کی وجہ سے جس سے شفا کی امید نہیں ہے (فدیہ ہے) وہ (ایک مسکین کا کھانا ہے) یعنی اتنی مقدار میں کھانا جتنا وہ ایک دن میں کھاتا ہے، اور وہ شہر کی عام غذا کا ایک مُد ہے، اور ایک قرأت میں فدیة کی اضافت طعام کی جانب ہے، اور یہ اضافت بیانیہ، اور ایک قول یہ ہے کہ لا مقدر نہیں ہے، لوگوں کو شروع میں اختیار تھا کہ وہ روزہ رکھیں یا فدیہ دیں، پھر جب اللہ تعالیٰ کے ارشاد: فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ کی بنیاد پر روزہ متعین ہوگیا، تو یہ اختیار منسوخ ہوگیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ حاملہ اور مرضعہ کے حق میں یہ اجازت اب بھی باقی ہے، اگر اسے بچے کے سلسلے میں اندیشہ ہو تو روزہ افطار کرکے فدیہ دے سکتی ہے (پھر جو کوئی اپنی طرف سے اچھا کام کرے) یعنی فدیہ کی مقدار مذکور میں اضافہ کردے (تو یہ اس کیلئے بہتر ہے، اور یہ کہ تم روزہ رکھو، تمہارے لئے) افطار اور فدیہ سے (بہتر ہے) أن تصوموا مبتداء ہے اور خير لكم خبر ہے (اگر تم سمجھتے ہو) کہ یہ تمہارے لئے بہتر ہے، تو ایسا ہی کرو۔ یہ زمانہ (رمضان کا مہینہ ہے، جس میں) لوح محفوظ سے آسمانِ دنیا کی جانب ليلة القدر میں (قرآن نازل کیا گیا، وہ ہدایت ہے) یعنی گمراہی سے ہدایت دینے والا ہے (لوگوں کے واسطے، اور ہدایت کے واضح دلائل ہیں) جن سے سچے اور برحق احکام کی ہدایت ہوتی ہے (اور)

حق و باطل کے درمیان واضح (امتیاز ہے) جس سے حق و باطل دونوں الگ الگ ہو جاتے ہیں (پس جو کوئی تم میں سے اس مہینہ میں موجود ہو، اُسے چاہئے کہ اس کا روزہ رکھے، اور جو کوئی مریض ہو یا سفر پر ہو، تو دوسرے دنوں میں اتنی گنتی پوری کرنی چاہئے) یہ بات پہلے بھی گزر چکی ہے، یہاں دوبارہ اس کو اس لئے ذکر کر دیا کہ کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ **من شهد** کی تعمیم کی وجہ سے یہ رُخصت منسوخ ہو گئی ہے (اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ سہولت کا ارادہ فرماتے ہیں اور دشواری کا ارادہ نہیں فرماتے) اسی لئے مرض اور سفر میں افطار کو مباح قرار دیدیا، اور چونکہ یہ بات بھی روزہ کے امر کیلئے علت کے معنی میں ہے، اس لئے اس پر **وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ** کا عطف کیا (اور اس لئے تاکہ تم) روزہ رمضان کی (گنتی پوری کرو، اور اس لئے کہ) اس کی تکمیل کے وقت (اللہ کی بڑائی بولو، اس بات پر کہ اس نے تم کو) اپنے دین کے معالم کی (ہدایت دی، اور شاید تم) اس پر اللہ کا (شکر ادا کرو)

اور کچھ لوگوں نے نبی ﷺ سے سوال کیا کہ کیا ہمارا رب قریب ہے کہ اس سے آہستہ آہستہ مناجات کریں، یا دور ہے کہ اسے بلند آواز سے پکاریں، اس پر اگلی آیت نازل ہوئی، فرمایا (جب تم سے میرے بندے میرے متعلق سوال کریں تو میں) علم کے اعتبار سے (ان کے قریب ہوں) یہ بات انھیں بتادو (میں پکارنے والے کی پکار کو جب وہ پکارتا ہے قبول کرتا ہوں) جو کچھ مانگتا ہے، عطا کرتا ہوں (تو انھیں بھی چاہئے کہ وہ میری بات قبول کریں) یعنی جو انھیں طاعت کیلئے بلاتا ہوں اسے بھی مانیں (اور چاہئے کہ مجھ پر ایمان رکھیں) یعنی ایمان پر دائم رہیں (شاید وہ ہدایت یاب ہوں)

﴿تشریحات﴾

من الامم :۔ اگلی تمام امتوں پر روزہ فرض رہا ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ سب سے پہلے آدم علیہ السلام پر روزہ فرض ہوا، یہ عبادت قدیم ترین ہے۔

نصب بالصيام :۔ **أياماً معدودات**، مفعول فیہ ہے، اس میں عامل **الصيام** مصدر ہے، یا یہ کہ یہاں **صوموا** امر کا صیغہ مقدر مانا جائے۔

قلائل :۔ **معدودات** کی تفسیر دو طرح کی ہے، **معدود** عرفاً کم گنتی والی چیز کو کہتے ہیں، لیکن اس کم گنتی کی تعیین نہیں ہوتی، تو مراد یہ ہے کہ تھوڑے دن، دوسرے یہ کہ **معدود** متعین تعداد والی چیز کو بھی کہتے ہیں، اس لحاظ سے اس کی تفسیر **موقتات** سے کی، یعنی اتنے روزے جن کا وقت متعین ہے۔

فى الحالين :۔ یعنی مرض اور سفر کی حالت میں۔

لايطيقونه:۔ **وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ** میں **يطيقون** سے پہلے **لا** نافیہ مقدر ہے۔

وهو مد من غالب قوت البلد :۔ جس شہر میں جو غذا عام طور پر استعمال کی جاتی ہے، وہی غذا ایک مسکین کو

دی جائے گی، احناف کے نزدیک فدیہ کی مقدار وہی ہے جو صدقۂ فطر کی ہوتی ہے۔

وفی قراءة بإضافة فدية :۔ایک قرأت میں **فدية** مضاف ہے، اور **طعام مسكين** مضاف الیہ، یعنی ایک مسکین کے کھانے کا فدیہ ہے، یہ اضافت بیانیہ ہے، کیونکہ کھانا ہی فدیہ ہے، مضاف اور مضاف الیہ ذاتاً شئے واحد ہیں، اور پہلی قرأت میں **طعام مسكين، فدية** کا بیان ہے، یا یہ کہ بدل ہے۔

وقيل لا غير مقدرة :۔یہاں یطیقونہ کی تفسیر **لا** نافیہ مقدر مان کر کی گئی ہے، ایک قول یہ بھی ہے کہ **لا** نافیہ مقدر نہیں ہے، بلکہ اوائل میں اختیار تھا کہ روزہ کی طاقت کے باوجود روزہ نہ رکھیں اور اس کا فدیہ ادا کردیں، اب یہ حکم منسوخ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رمضان کے مہینے میں روزہ متعین کردیا ہے۔**فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ**

قال ابن عباس :۔لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فدیہ کا اختیار اب بھی حاملہ اور مرضعہ کے حق میں باقی ہے، گو کہ وہ روزہ رکھنے کی بذات خود طاقت رکھتی ہوں، لیکن انھیں ڈر ہو کہ روزہ رکھنے کی صورت میں بچے کو ضرر پہونچے گا، تو وہ روزہ نہ رکھ کر فدیہ دے سکتی ہیں۔

من اللوح المحفوظ إلى السماء الدنيا فی ليلة القدر :۔قرآن پورا بیک دفعہ لوح محفوظ سے آسمانِ دنیا پر رمضان میں شب قدر کے اندر نازل ہوا، اس نزول کا مطلب یہ ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے لوحِ محفوظ سے آسمانِ اول کے ملائکہ کو املا کرایا ہے، پھر وہاں سے حسب الحکم تیئیس [۲۳] سال میں زمین پر اتارا گیا۔

﴿**هُدًى**﴾ **حال بمعنى هادياً** :۔قرآن کریم کا کلمہ **هدىً، القرآن** سے حال ہے، اور یہ مصدر بمعنی اسم فاعل ہے، کیونکہ مصدر بذات خود حال نہیں ہوتا۔

بينات :۔بمعنی **واضحاتٍ** یہ **هدىً** سے حال ہے۔

﴿**مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ**﴾ :۔یہ جار اور مجرور **هدىً** اور **بينات** کی صفت ہے، پس محلاً یہ منصوب ہے، اس کا متعلق **كائناً** محذوف ہے۔

تقدم مثله و كرره لئلا يتوهم :۔**وَمَنْ كَانَ مَرِيضاً الخ** یہ کلمات ابتداء رکوع میں بھی گزرے ہیں، یہاں دوبارہ اس لئے ذکر کیا کہ **فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ** کے عموم میں مریض اور مسافر بھی داخل ہیں، تو شبہ ہوتا ہے کہ شاید ان کے حق میں افطار کی رُخصت منسوخ ہو تو اسے مکرر لا کر واضح کردیا کہ ان دونوں کی یہ رخصت علیٰ حالہ قائم ہے۔

ولذا أباح لكم الفطر :۔اس بات سے مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ حق تعالیٰ کا ارشاد **يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ**

وَلاَ یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ رمضان کے مہینے میں افطارِ صوم کی علت ہے کہ مریض اور مسافر کو حق تعالیٰ نے جو اِفطار کی رخصت دی تو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے ساتھ عبادت کے معاملہ کو سہل کرنا چاہتے ہیں۔

ولکون ذلک فی معنی العلۃ أیضاً للأمر بالصوم عطف علیہ: ۔اس عبارت سے مصنف ایک سوال کا جواب دے رہے ہیں، وہ سوال یہ ہے کہ وَلِتُکْمِلُوْا الْعِدَّۃَ کا کلمہ علت ہونے پر دلالت کرتا ہے، اور یہ معطوف ہے، تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ معطوف علیہ بھی کوئی اسی کے مناسب کلمہ ہو، تاکہ دونوں ایک سیاق میں مندرج ہوسکیں، مفسر نے جواب دیا کہ اس کلمہ یعنی وَلِتُکْمِلُوْا الْعِدَّۃَ کا یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلاَ یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ پر عطف ہے، اور اوپر بتایا جاچکا ہے کہ آیت کا مذکورہ حصہ اِفطارِ صوم کے لئے علت ہے جس کے لئے أباح لکم الفطر مشیر ہے، اسی کے ساتھ یہ کلمات صومِ قضا کے امر کیلئے بھی علت ہیں، کیونکہ حق تعالیٰ نے قضا کو مطلقاً افطار کے ایام کے بقدر فرض کیا ہے، اس میں تتابع یا تفرق اور تراخی یا عدم تراخی کی کوئی قید نہیں لگائی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ مطلق صومِ قضا کے امر کیلئے بھی علت ہے، پس اسی علت پر دوسری علت یعنی وَلِتُکْمِلُوْا الْعِدَّۃَ کا بھی عطف کیا۔

أی عدۃ صوم رمضان: ۔العدۃ سے مراد رمضان کے ان ایام کی تعداد ہے، جن میں روزہ نہیں رکھ سکا تھا، پس العدۃ میں الف لام عہد کا ہے، یعنی جن ایام کا ذکر پہلے فعدۃ من أیام أخر میں آچکا ہے، انھیں پورا کرنا ہے۔ یہ تمام تقریر اس بنیاد پر ہے کہ وَلِتُکْمِلُوْا الْعِدَّۃَ کا تعلق مریض اور مسافر کے حق میں روزہ کے افطار اور اس کی قضا سے ہو، لیکن اگر اسے پورے مہینے روزہ کی ادائیگی کے امر کی علت قرار دیا جائے اور محض قضا روزہ پر اسے مقصود و محدود نہ کیا جائے، جیسا کہ مفسر کی عبارت ولکون ذلک فی معنی العلۃ أیضاً للأمر بالصوم سے پتہ چلتا ہے، تو مذکورہ بالا سوال کے جواب کی تقریر اس طرح ہوگی کہ:

> ''اللہ تعالیٰ نے جو صرف گنتی کے چند ایام کا یعنی ایک ماہ کا روزہ فرض کیا ہے، اس کی علت یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے تمہارے حق میں آسانی کا ارادہ فرمایا ہے، اور اتنے ہی سے تم پر تقویٰ کی راہ کھولنا چاہتے ہیں، ورنہ چاہتے تو تقویٰ جیسی مہتم بالشان چیز کے حصول کیلئے تم پر پورے سال کا یا سال کے زیادہ تر حصے کا روزہ فرض کر دیتے، وہ تم پر مشکل ہوجاتا، لیکن اللہ نے تم پر آسانی چاہی تو صرف ایک ماہ کا روزہ فرض کیا، اور اس لئے کہ تم یہ گنتی پوری کرلو گے، اس تقریر کی بنیاد پر یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ الخ کا روزہ کے حکم کے لئے علت کے معنی میں ہونا واضح ہوجاتا ہے، اس صورت میں العدۃ سے اشارہ ایاماً معدوداتٍ کی طرف ہوگا۔ واللہ أعلم بالصواب۔

وَلِتُکْمِلُوْا الْعِدَّۃَ عند إکمالھا: ۔إکمالھا میں دو احتمال ہے، ایک یہ کہ قضا کی تعداد پورا کرنے کے وقت اللہ کی بڑائی بیان کرو، تو اس کی تکبیر سے اللہ کی حمد و ثناء مراد ہے کہ جب قضا کو مکمل کرلیا، تو اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد

وثناء بیان کرو۔اس صورت میں یہ امر بالقضاء کی تیسری علت ہوگی،اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ ادا کی تکمیل کے وقت تکبیر مراد ہو،تو اس کا مطلب عید کی تکبیر مراد ہوگی،یعنی نماز عید کی تکبیرات،اس صورت میں فَـمَـنْ شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ کی علت ہوگی

﴿ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ﴾ منهم بعلمی :۔قرب کا اطلاق اصل میں قرب مکانی کیلئے ہوتا ہے،لیکن حق تعالیٰ مکان وزمان کی تحدیدات سے پاک اور برتر ہیں،اس لئے مفسر نے فرمایا کہ اس سے مراد قرب علمی ہے،اللہ تعالیٰ کو بندوں کے تمام احوال وافعال کا علم تام حاصل ہے،اس لحاظ سے وہ ان کے قریب ہیں۔

بإنالته ماسأل :۔ إنالة باب افعال کا مصدر ہے،نیل بمعنی پانا سے مشتق ہے،مراد عطا کرنا ہے۔

﴿فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِیْ ﴾دعائی بالطاعة :۔ استجابت باب استفعال سے ہے،جس میں طلب کا معنی ہوتا ہے،لیکن مفسر کی تفسیر کے مطابق اس میں طلب کا معنی اس جگہ نہیں ہے،ان کی تفسیر کا حاصل یہ ہے کہ میرے بندوں کو چاہئے کہ انھیں جو اپنی طاعت کی جانب دعوت دے رہا ہوں،اسے وہ قبول کریں،اور اگر اس میں طلب کا معنی ہو،تو اس کا مطلب یہ ہوگا،بندے میری قبولیت کو میری اطاعت کے ذریعے طلب کریں،یعنی جب وہ میری اطاعت وعبادت کریں گے تو میں ان کی دعا قبول کروں گا۔

یـدیموا علی الایمان :۔ وَلْيُؤْمِنُوْا میں احداثِ ایمان مراد نہیں ہے،کیونکہ وہ تو حاصل ہی ہے،کیونکہ وَاِذَا سَـأَلَکَ عِبَـادِیْ عَنِّی میں عبـادی سے مراد اہل ایمان بندگانِ خدا ہیں،یہاں مراد ایمان پر برقرار رہنا اور استقامت ہے۔

☆☆☆☆☆

﴿ أُحِـلَّ لَـكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ﴾ بمعنى الإفضاء ﴿ إِلٰى نِسَائِكُمْ ﴾ بالجماع نزل نسخاً لما كان فى صدر الاسلام من تحريمه وتحريم الأكل والشرب بعد العشاء ﴿ هُنَّ لِبَـاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ﴾ كناية عن تعانقهما أو إحتياج كل منهما إلىٰ صاحبه ﴿ عَلِمَ اللّٰهُ أَنَّـكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ ﴾ تخونون ﴿ أَنْفُسَكُمْ ﴾ بالجماع ليلة الصيام وقع ذٰلك لعمر وغيره واعتـذروا إلى النبى ﷺ ﴿ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ﴾ قَبِلَ توبتكم ﴿وَعَفَا عَنْكُمْ فَالْئٰنَ ﴾ إذا أحل لكم ﴿بَـاشِـرُوْهُـنَّ ﴾ جـامعوهن ﴿وَابْتَغُوْا﴾ أطلبوا ﴿مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ﴾ أى أباحه من الجماع أو قـدره مـن الولد ﴿ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا﴾ الليل كله ﴿ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ ﴾ يظهر ﴿لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ﴾ أى الصادق بيان للخيط الابيض وبيان الاسود محذوف أى مـن الـليل شبه مايبدو من البياض ومايمتد معه من الغبش بخيطين أبيض وأسود فى الامتداد

﴿ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ﴾ من الفجر ﴿إِلَى اللَّيْلِ﴾ أى إلىٰ دخوله بغروب الشمس ﴿وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ﴾ أى نساء كم ﴿وَأَنتُمْ عَاكِفُونَ﴾ مقيمون بنية الاعتكاف ﴿فِي الْمَسٰجِدِ﴾ متعلق بعاكفون نهىٌ لمن كان يخرج وهو معتكف فيجامع إمرأته ويعود ﴿تِلْكَ﴾ الاحكام المذكورة ﴿حُدُودُ اللهِ﴾ حدّها لعباده ليقفوا عندها ﴿فَلَا تَقْرَبُوهَا﴾ أبلغ من لاتعتدوها المعبر به فى آية أخرىٰ ﴿كَذٰلِكَ﴾ كما بيّن لكم ما ذكر ﴿يُبَيِّنُ اللهُ آيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ﴾ محارمه ﴿وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ﴾ أى لاياكل بعضكم مال بعض ﴿بِالْبَاطِلِ﴾ الحرام شرعاً كالسرقة والغصب ﴿وَ﴾ لا ﴿تُدْلُوا﴾ تلقوا ﴿بِهَا﴾ أى بحكومتها أو بالاموال رشوةً ﴿إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا﴾ بالتحاكم ﴿فَرِيقًا﴾ طائفة ﴿مِنْ أَمْوَالِ النَّاسِ﴾ متلبسين ﴿بِالْإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ إنكم مبطلون۔

﴿ترجمـــــہ﴾

(تمہارے لئے روزہ کی رات میں تمہاری بیویوں کے پاس جانے کو) یعنی جماع کرنے کو (حلال کیا گیا) ابتداء اسلام میں عشاء کے بعد رمضان کی رات میں جماع کرنا اور کھانا پینا حرام تھا، اس آیت سے وہ حکم منسوخ کردیا گیا (وہ تمہارے لئے لباس ہیں اور تم ان کے لئے لباس ہو) یہ ان دونوں کے شدت تعلق اور ہر ایک کے دوسرے کے محتاج ہونے سے کنایہ ہے (اللہ نے جان لیا کہ تم) روزہ کی شب میں جماع میں مبتلا ہوکر (اپنے نفس کے ساتھ خیانت کرتے تھے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے علاوہ بعض حضرات کو یہ ابتلاء پیش آیا تھا، اور انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں معذرت پیش کی تھی (پس اللہ نے تم پر مہربانی فرمائی) کہ تمہاری توبہ قبول فرمائی (اور تم سے عفو و درگذر فرمایا پس) جبکہ تمہارے لئے یہ بات حلال کردی گئی تو (اب تم ان سے مباشرت کرو، اور جو کچھ تمہارے لئے اللہ نے لکھ دیا ہے) یعنی جماع کی اباحت یا اولاد (اسے تم طلب کرو، اور) پوری رات (کھاؤ اور پیو، یہاں تک کہ تمہارے لئے صبح کا سفید دھاگا سیاہ دھاگے سے واضح طور پر نکل آئے) من الفجر، الخیط الابیض کا بیان ہے، اور الخیط الاسود کا بیان من اللیل ہے، جو کہ محذوف ہے، صبح صادق کی روشنی اور باقی ماندہ رات کی سیاہی دونوں ایک ساتھ دکھائی دیتی ہیں، انھیں دونوں کو سفید و سیاہ دھاگے سے تشبیہ دی ہے (پھر روزے کو) صبح صادق سے (رات تک) یعنی غروب شمس کی وجہ سے رات کے داخل ہونے تک (پورا کرو اور تم ان سے) یعنی اپنی عورتوں سے (اس حال میں مباشرت مت کرو جبکہ تم مسجد میں معتکف ہو) فی المساجد کا تعلق عاکفون سے ہے، یہ اس بات سے ممانعت ہے کہ کوئی بحالت اعتکاف مسجد سے نکل کر عورت سے جماع کرے اور پھر لوٹ کر مسجد میں آجائے (یہ) مذکورہ احکام (اللہ کی حدیں ہیں) جنھیں اللہ نے

اپنے بندوں کے لئے اس واسطے مقرر کیا ہے کہ لوگ ان حدوں کے پاس ٹھہر جائیں (پس تم ان کے قریب نہ جاؤ (اس کلمہ یعنی فلاتقربوھا میں فلاتعتدوھا سے زیادہ تاکید ہے جو کہ ایک دوسری آیت میں وارد ہے (ایسے ہی) یعنی جیسا کہ تمہارے لئے مذکورہ بالا باتیں بیان کی گئیں، ایسے ہی (لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ اپنی آیات کو بیان کرتے ہیں تاکہ وہ) حرام چیزوں سے (بچیں، اور تم لوگ مالوں کو آپس میں) یعنی ایک دوسرے کے مال کو (غلط طور پر) یعنی اس طریقے پر جو شرعاً حرام ہو (نہ کھاؤ) جیسے چوری اور غصب کے طریقے پر (اور ان کو) یعنی ان کے مقدمے کو یا مال کو بطور رشوت کے (حاکموں کے پاس مت لے جاؤ کہ) اس مقدمہ بازی کے ذریعہ (لوگوں کے مال کے ایک حصہ کو بطور گناہ کے کھا جاؤ، حالانکہ تم) اس کے بطلان کو (جانتے ہو)

﴿تشریحات﴾

الرفث بمعنی الإفضاء :۔ **الرفث** کے معنی وہ کلام ہے، جو میاں بیوی کے درمیان جماع کے وقت اس کے جذبہ کو ابھارنے کے لئے ہوتا ہے، عام اوقات میں اس قسم کا کلام برا اور شرمناک سمجھا جاتا ہے، پھر اس کا اطلاق التزاماً جماع پر ہونے لگا، **الرفث** کا صلہ **باء** آتا ہے، لیکن آیت کریمہ میں اس کا صلہ **إلیٰ** آیا ہے، اس سے **إفضاء** کے معنی کی تضمین ہوتی ہے، اور جماع کا معنی کنایۃً اس میں شامل ہو گیا ہے۔

بعد العشاء :۔ روزہ کی فرضیت جب ہوئی تھی تو عشاء کی نماز کے بعد اور اسی طرح سو جانے کے بعد گو وہ عشاء کی نماز سے پہلے ہی ہو کھانا پینا اور جماع کرنا حرام ہو جاتا تھا، یعنی عشاء کی نماز کے بعد یا سو جانے کے بعد روزہ شروع ہو جاتا تھا، لیکن یہ حکم مشکل تھا، بعض صحابہ کو اس میں ابتلاء پیش آیا، تو وہ بہت روئے اور توبہ کی، پھر اللہ تعالیٰ نے سہل فرما دیا۔

کنایة عن تعانقهما الخ :۔ عورت اور مرد دونوں ایک دوسرے سے چسپاں ہوتے ہیں، اور دونوں ایک دوسرے کے محتاج ہوتے ہیں، اسی کو حق تعالیٰ نے بطور کنایہ کے لباس سے تعبیر فرمایا ہے۔

إحتیاج کل منهما إلیٰ صاحبه :۔ مرد و عورت میں سے ہر ایک گناہ سے بچنے میں دوسرے کا اسی طرح محتاج ہوتا ہے، جیسے اپنے آپ کو بے حیائی سے بچانے کے لئے لباس کا محتاج ہوتا ہے۔

لعمر وغیرہ :۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نیز حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کو ایسا حادثہ پیش آیا تھا۔ (خازن)

فتاب علیکم :۔ **فتاب** کا عطف ایک لفظ محذوف پر ہے، یعنی **تبتم فتاب علیکم**۔

باشروھن :۔ یہ امر، اور اس کے بعد امر یعنی **ابتغوا** اور **کلوا واشربوا** وجوب کے لئے نہیں اباحت کیلئے ہیں۔

أباحه من الجماع :۔ **ما کتب اللہ لکم** سے مراد جماع ہے، اس صورت میں **کتب** سے مراد **أباح** ہے، اور اس کا قرینہ **لکم** ہے، اور جب **کتب** بمعنی **فرض** آتا ہے، تو اس کے لئے **علیٰ** استعمال ہوتا ہے، اس

مطلب کی صورت میں ابتغوا ، باشروھن کی تاکید ہے۔

أو قدره من الولد :۔دوسرا معنی یہ ہے کہ ما کتب اللہ سے مراد ولد ہے، تو کتب کے معنی قدر کے ہیں۔

أی الصادق بیان للخیط الابیض :۔مِنَ الْفَجْرِ میں مِنْ بیانیہ ہے، اور خیط ابیض کا بیان ہے، اور فجر سے مراد فجر صادق ہے۔ بخاری و مسلم کی روایت میں ہے کہ ابتداءً اس آیت کا نزول اس طرح ہوا تھا: حَتّٰـی یَتَبَیَّـنَ لَـکُمُ الْخَیْطُ الْاَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْاَسْوَدِ ،اور مِـنَ الْفَجْرِ کا نزول نہیں ہوا تھا، تو بعض لوگوں نے روزہ رکھنے کے لئے اپنے پاؤں میں سفید اور کالا دھاگا باندھ لیا، اور رات میں ان دونوں کو دیکھتے رہے، جب تک دونوں دکھائی دیتے تب تک وہ کھاتے پیتے رہتے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مـن الفجر کا بیان اتارا، اسی طرح کا قصہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آیا تھا۔

وبیان الاسود محذوف :۔الخیط الاسود کا بیان محذوف ہے، اور وہ ہے من اللیل، ایک کا جب بیان ہوگیا تو دوسرا خود بخود سمجھ میں آ گیا، اور دونوں میں سے صرف الـخیـط الابیض کا بیان اس لئے ذکر کردیا کہ روزے کے احکام کا تعلق فجر صادق سے اور دن ہی سے ہے، رات سے اس کا حکم متعلق نہیں ہے، اس لئے الخیط الاسود کے بیان کو قرینہ عقلی پر چھوڑ دیا۔

شبـه مـا یبدو من البیاض الخ :۔صبح صادق جب ہوتی ہے تو نیچے سے سفیدی نمودار ہوتی ہے، رات کی سیاہی اوپر کو سمٹتی ہے، تو اس وقت دونوں رنگ دکھائی دیتے ہیں، ان دونوں کو سفید و سیاہ دھاگے سے تشبیہ دی ہے۔

﴿ ثُـمَّ أَتِـمُّوْا الصِّیَامَ ﴾ **من الفجر** ﴿ إِلَی اللَّیْلِ ﴾ :۔ **من الفجر** کا لفظ بڑھا کر مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ روزہ کی ابتداء صبح صادق سے ہوگی، اوپر کے کلمات سے یہ بات سمجھ میں آ گئی تھی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر نہیں کیا، مفسر نے اسی کی وضاحت کردی، اس سے یہ بات صاف ہوگئی کہ کھانے پینے کے ختم کرنے کے بعد سے روزہ شروع نہیں ہوتا، بلکہ صبح صادق کے نمودار ہونے سے شروع ہوتا ہے۔

﴿ وَلَا تُبَاشِـرُوْهُنَّ ﴾ :۔اوپر بیان کیا گیا ہے کہ رمضان کے دنوں میں جماع کرنا حرام ہے، لیکن رمضان کی راتوں میں بھی جماع کرنا حرام ہوجاتا ہے جبکہ آدمی بہ نیت اعتکاف مسجد میں ٹھہرا ہو، مسجد میں تو عام حالات میں بھی جماع کرنا حرام ہے، لیکن معتکف کے لئے یہ بھی حرام ہے کہ کسی عذر سے مسجد سے نکلے جس سے اعتکاف باطل نہ ہوتا ہو، مثلاً پیشاب پاخانہ کے لئے، اور بیوی سے جماع کرلے، معتکف کو اس کی بھی اجازت نہیں۔ اسی کو مفسر نے **نھیٌ لمن کان یخرج وھو معتکف الخ** سے تعبیر کیا ہے۔

﴿ فَلَا تَـقْرَبُـوْهَا ﴾ **أبلغ من لاتعتدوھا** :۔ فَلَا تَـقْرَبُوْهَا میں **لاتعتدوھا** سے زیادہ تاکید بلیغ ہے، کیونکہ اس کے قریب جانے سے منع کیا ہے، اور **لاتـعـتـدوا** اس حد سے آگے بڑھنے سے منع کیا ہے، قریب

جانے سے نہیں۔

أی لا یـاکل بعضکم مال بعض:۔اس تفسیر سے مفسر نے اشارہ فرمایا کہ **لاتاکلوا أموالکم** میں **مقابلة الـجـمـع بـالجمع** نہیں ہے، یعنی یہ نہیں کہا ہے تم لوگ اپنے اپنے مال کو غلط طریقے پر مت کھاؤ، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: **فاغسلوا وجوهکم** ،اس میں **مقابلة الجمع بالجمع** ہے، یعنی تم لوگ اپنے اپنے چہروں کو دھوؤ، زیر بحث آیت شریفہ کا مقصد یہ نہیں ہے، بلکہ تم لوگ آپس میں کوئی بھی دوسرے کے کسی مال کو غلط اور حرام طریقے پر نہ کھائے۔

﴿ **بِهَا** ﴾ **أی بحکومتها أو بالاموال رشوةً** :۔ **تُدْلُوْا بِهَا** کا عطف **تَاْكُلُوْا** پر ہے، پس یہ بھی لائے نہی کے تحت ہے اور بہا میں دو احتمال ہے۔ایک یہ کہ مضاف محذوف ہے، وہ ہے **حکومة** یعنی مقدمہ اور **تدلوا** کے معنی لے جانا، مطلب یہ ہوا کہ **لاتـدلوا بحکومة الاموال**،اموال کے مقدموں کو حکام کے پاس اس لئے نہ لے جاؤ کہ ناحق کو حق ثابت کر کے دوسرے کے مال کو تلف کرو۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ مضاف محذوف نہ ہو تو اس وقت مراد یہ ہوگی: **ولاتـدلوا بالاموال رشوة إلی الحکام**، کہ مال حکام کے پاس بطور رشوت کے نہ لے جاؤ کہ اسے حرام کھانے کا ذریعہ بنالو۔

متلبسین ﴿**بِالْاِثْمِ**﴾ :۔ **بـالاثم** میں باء مصاحبت کے لئے ہے، اور وہ حال ہے، اس کا تعلق **متلبسین** سے ہے، یعنی ﴿**لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقاً مِنْ أَمْوَالِ النَّاسِ**﴾ **متلبسین** ﴿**بِالْاِثْمِ**﴾ ،تاکہ تم لوگوں کے مال کے ایک حصہ کو گناہ میں ملوث ہو کر کھاؤ۔

﴿مضامین آیات وتفسیر﴾

اس رکوع میں اللہ تعالیٰ نے روزے کے احکام ومتعلقات کو بیان فرمایا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ روزہ تم پر بھی اسی طرح فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلی امتوں پر فرض کیا گیا تھا، اس سے تمہارے اندر تقویٰ کی صفت پیدا ہوگی، اور یہ کوئی بہت مشکل امر نہیں ہے، بس گنتی کے چند دن ہیں اور اس میں بھی سہولت یہ ہے کہ اگر کوئی مریض یا مسافر ہے، تو اسے اجازت ہے کہ مرض اور سفر کے بقدر روزہ نہ رکھے، بعد میں سہولت کے وقت اتنا رکھ لے جتنا چھوڑا ہے، اور یہ بھی سہولت ہے کہ اگر طاقت نہ ہو تو سرے سے نہ رکھے، البتہ اس کے بدلے فدیہ ادا کرے، جو ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہے، اور اگر کوئی مرض یا مسافرت کے باوجود روزہ رکھ لے یا ناطاقتی کے باعث جو فدیہ واجب ہے اس میں اپنی طرف سے اضافہ کر دے تو اور بہتر ہے، یہ روزہ کب رکھنا ہے؟ فرماتے ہیں کہ اس کیلئے رمضان کا مہینہ ہے، جس میں اللہ کا کلام لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا پر نازل ہوا جو کہ لوگوں کے واسطے ہدایت کا سامان ہے، نیز سیدھی راہ اور حق وباطل کے درمیان امتیاز کی واضح دلیل ہے، تو جو شخص رمضان کا

مہینہ پائے وہ اس میں روزہ رکھے، البتہ اگر کوئی بیمار ہے یا سفر پر ہے تو اسے موخر کرنے کی اجازت ہے، حق تعالیٰ کا ارادہ تمہارے حق میں دشواری کا نہیں سہولت کا ہے، اسی لئے سفر اور مرض میں روزہ نہ رکھنے اور بعد میں رکھ لینے کی ہدایت فرمائی، اور اس لئے کہ اس پر تم اللہ کی کبریائی بیان کرو کہ اس نے تمہاری ہدایت کا سامان عطا کیا، تاکہ تم اللہ کے شکر گزار رہو۔

رمضان المبارک کا مہینہ اور روزہ کی حالت خاص طور سے اللہ کے قرب اور دعاؤں کی قبولیت کی ہے، جب بندے میرے متعلق سوال کریں کہ ہمارا رب قریب ہے یا بعید ہے، تو تم بتادو کہ میں قریب ہوں، میں ان کا سوال سنتا ہوں اور قبول کرتا ہوں، ان کو بھی چاہئے کہ میری دعوت کو قبول کریں اور ایمان پر جمے رہیں، اسی سے ان کو ہدایت ملے گی، اور رمضان کی راتوں میں عورتوں سے صحبت کرنے کو حلال کیا گیا ہے، تم اور وہ سب ایک دوسرے کیلئے بمنزلہ لباس کے ہیں، کہاں تک ان سے پرہیز کرو گے، اللہ کو معلوم ہے کہ تم اس سلسلے میں خطا کے اندر مبتلا ہو چکے ہو، اب تم کو اجازت ہے کہ ان سے صحبت کرو، اور جو کچھ اللہ نے تمہارے لئے اولاد مقدر کر دی ہے اس کا انتظام کرو، اور صبح صادق ہونے تک کھانا پینا اور جماع کرنا مباح ہے، پھر صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک روزہ کی حالت میں رہو، ہاں گر مسجد میں معتکف ہو تو اعتکاف کے ایام میں رات میں بھی جماع کی اجازت نہیں ہے، یہ اللہ کی باندھی ہوئی حدیں ہیں، ان کے قریب بھی مت جاؤ، اللہ تعالیٰ اپنی آیات واحکام کو وضاحت کے ساتھ بیان کرتے ہیں تاکہ تم صاحب تقویٰ ہو جاؤ، ہاں! رمضان کا مہینہ خاص طور سے پاکیزگی کا ہے، اس میں ہر طرح کی احتیاط ہے۔ آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق کھانا حرام ہے، اس کے واسطے نہ حکام کے پاس جاؤ، نہ رشوت لے جاؤ، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم جانتے بوجھتے حرام کے مرتکب ہو جاؤ، یہ عام حالات میں حرام ہے، پھر رمضان کے اندر کیا کہنا جو کہ سراپا تقویٰ کا مہینہ ہے۔

☆☆☆☆☆

﴿ يَسْئَلُوْنَکَ ﴾ یا محمد ﴿ عَنِ الْاَهِلَّةِ ﴾ جمع هلالٍ لِمَ تبدو دقیقةً ثم تزید حتیٰ تمتلئ نوراً ثم تعود کما بدت ولاتکون علیٰ حالةٍ واحدةٍ کالشمس ﴿ قُلْ ﴾ لهم ﴿ هِیَ مَوَاقِیْتُ ﴾ جمع میقات ﴿ لِلنَّاسِ ﴾ یعلمون بها أوقات زرعهم ومتاجرهم وعدّة نساء هم وصیامهم وإفطارهم ﴿ وَالْحَجِّ ﴾ عطف علی الناس أی یعلم بها وقته فلو استمرت علیٰ حالةٍ واحدةٍ لم یعرف ذٰلک ﴿ وَلَیْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَاْ تُوا الْبُیُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا ﴾ فی الاحرام بأن تنقبوا فیها نقباً تدخلون منه وتخرجون وتترکوا الباب وکانوا یفعلون ذٰلک ویزعمونه براً ﴿ وَلٰکِنَّ الْبِرَّ ﴾ أی ذاالبر ﴿ مَنِ اتَّقٰی ﴾ الله بترک مخالفته ﴿ وَاْ تُوا الْبُیُوْتَ مِنْ أَبْوَابِهَا ﴾ فی

الاحرام كغيره ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ تفوزون ـ ولمّا صد ﷺ عن البيت عام الحديبية وصالح الكفار على أن يعود العام القابل ويخلوا له مكة ثلٰثة أيامٍ وتجهز لعمرة القضاء وخافوا أن لايفى قريش ويقاتلوهم وكره المسلمون قتالهم فى الحرم والاحرام والشهر الحرام نزل ﴿وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ أى لإعلاء دينه ﴿الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ﴾ من الكفار ﴿وَلَا تَعْتَدُوْا﴾ عليهم بالابتداء بالقتال ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَايُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ﴾ المتجاوزين ماحد لهم وهٰذا منسوخ بآية براءة أو بقوله ﴿وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ﴾ وجدتموهم ﴿وَأَخْرِجُوْهُمْ مِنْ حَيْثُ أَخْرَجُوْكُمْ﴾ أى من مكة وقد فعل بهم ذٰلک عام الفتح ﴿وَالْفِتْنَةُ﴾ الشرک منهم ﴿أَشَدُّ﴾ اعظم ﴿مِنَ الْقَتْلِ﴾ لهم فى الحرم والاحرام الذى استعظمتموه ﴿وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ أى فى الحرم ﴿حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ فَإِنْ قٰتَلُوْكُمْ﴾ فيه ﴿فَاقْتُلُوْهُمْ﴾ فيه وفى قراءةٍ بلا ألف فى الافعال الثلٰثة ﴿كَذٰلِکَ﴾ القتل والاخراج ﴿جَزَاءُ الْكٰفِرِيْنَ فَإِنِ انْتَهَوْا﴾ عن الكفر وأسلموا ﴿فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ﴾ لهم ﴿رَحِيْمٌ﴾ بهم ﴿وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ﴾ توجد ﴿فِتْنَةٌ﴾ شرک ﴿وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ﴾ العبادة ﴿لِلّٰهِ﴾ وحده لا يعبد سواه ﴿فَإِنِ انْتَهَوْا﴾ عن الشرک فلا تعتدوا عليهم دل علىٰ هٰذا ﴿فَلَا عُدْوَانَ﴾ إعتداء بقتل أو غيره ﴿إِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ﴾ ومن انتهىٰ فليس بظالمٍ فلا عدوان عليه ﴿اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ﴾ المحرم مقابل ﴿بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ﴾ فكما قاتلوكم فيه فاقتلوهم فى مثله رد لإستعظام المسلمين ذٰلک ﴿وَالْحُرُمٰتُ﴾ جمع حرمة مايجب احترامه ﴿قِصَاصٌ﴾ أى يقتص بمثلها إذا انتهكت ﴿فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ﴾ بالقتال فى الحرم أوالاحرام أو الشهر الحرام ﴿فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ﴾ سمّى مقابلته إعتداء لشبهها بالمقابل به فى الصورة ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ فى الانتصار وترک الاعتداء ﴿وَاعْلَمُوْا أَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ﴾ بالعون والنصر ﴿وَأَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ طاعته الجهاد وغيره ﴿وَلَا تُلْقُوْا بِأَيْدِيْكُمْ﴾ أى أنفسكم والباء زائدة ﴿إِلَى التَّهْلُكَةِ﴾ الهلاک بالامساک عن النفقة فى الجهاد أو تركه لانه يقوى العدو عليكم ﴿وَأَحْسِنُوْا﴾ بالنفقة وغيرها ﴿إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ أى يثيبهم ـ

﴿ترجمہ﴾

(تم سے) اے محمد (یہ لوگ ہلال کے متعلق سوال کرتے ہیں) أھلة ، ھلال کی جمع ہے، کہ وہ کیوں باریک سا طلوع ہوتا ہے، پھر بڑھتا رہتا ہے حتیٰ کہ روشنی سے بھر جاتا ہے، پھر وہ جیسا ابتداء میں تھا اسی طرح

ہو جاتا ہے، اور سورج کی طرح ایک حال پر کیوں نہیں رہتا (تم) ان سے (کہہ دو کہ یہ اوقات پہچاننے کا ذریعہ ہے) مواقیت، میقات کی جمع ہے (لوگوں کے واسطے) کہ اس سے لوگ اپنی کھیتی، تجارت، عورتوں کی عدت، روزے، عید وغیرہ کے اوقات کا علم رکھتے ہیں (اور حج کے واسطے) یہ الناس پر عطف ہے، یعنی اسی سے حج کے وقت کا بھی تعین ہوتا ہے، اگر وہ ایک حال پر رہتا تو یہ باتیں حاصل نہ ہوتیں (اور نیکی یہ نہیں ہے کہ تم گھروں میں) حالت احرام میں (ان کے پچھواڑے سے داخل ہو) اس طرح کہ ان میں پچھواڑے کی جانب سے سوراخ کر کے اس سے داخل ہو، اور اس سے نکلو اور دروازے کا استعمال ترک کر دو، اہل مکہ ایسا ہی کرتے تھے اور اسے نیک عمل گمان کرتے تھے (لیکن نیکی) یعنی نیکی والا (وہ ہے جو) اللہ سے (ڈرے) اس طرح کہ اس کے حکم کی خلاف ورزی کو ترک کرے (اور گھروں میں) حالت احرام میں بھی (دروازوں ہی سے آؤ) جیسے کہ عام حالات میں آتے ہو (اور اللہ سے ڈرو شاید تم کامیاب ہو)

شان نزول:۔ اور جب نبی کریم ﷺ کو صلح حدیبیہ کے سال بیت اللہ سے روک دیا گیا، اور کفار نے اس بات پر صلح کر لی کہ آپ اگلے سال آئیں، اور مکہ ان کے لئے تین دن کے لئے خالی ہو جائے گا، اس کے بعد آپ نے عمرۃ القضا کی تیاری کی، اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اندیشہ ہوا کہ قریش اپنا قول و قرار شاید نہ پورا کریں اور لڑائی کرنے لگیں، اور مسلمانوں کو اس سے گرانی ہوئی کہ ان سے حرم میں، حالت احرام میں اور محترم مہینہ میں لڑنا پڑے، تو اس پر اگلی آیت نازل ہوئی (اور اللہ کے راستے میں) دین کی سربلندی کے لئے (ان) کفار (سے لڑو، جو تم سے لڑیں اور) ان پر ابتدا بالقتال کر کے (حد سے تجاوز نہ کرو، بیشک اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے) یہ آیت سورۃ براءۃ کی آیت سے منسوخ ہے، یا یہ کہ اگلی ہی آیت کی وجہ سے منسوخ ہے، اور وہ اگلی آیت یہ ہے (اور ان کو قتل کرو جہاں تم ان کو پاؤ اور ان کو وہاں سے نکالو جہاں سے انھوں نے تم کو نکالا ہے) یعنی مکہ مکرمہ سے، چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر اس کی تعمیل کر دی گئی (اور فتنہ) یعنی ان کا شرک کرنا (ان کو) حرم میں یا احرام میں (قتل کرنے سے) جس کو تم بھاری سمجھ رہے ہو (بڑھ کر ہے اور ان سے مسجد حرام کے پاس) یعنی حرم میں (اس وقت تک نہ لڑو جب تک وہ تم سے اس میں نہ لڑیں، پس اگر وہ اس میں تم سے لڑیں، تو تم انھیں) اس میں (قتل کرو) اور ایک قرأت میں تینوں افعال بغیر الف کے ہیں، یعنی وَلَا تَقْتُلُوْهُمْ اور حَتّٰی يَقْتُلُوْكُمْ اور فَإِنْ قَتَلُوْكُمْ (ایسا ہی) یعنی قتل اور اخراج (کافروں کا بدلہ ہے، پس اگر وہ) کفر سے (باز آجائیں) اور اسلام قبول کر لیں تو اللہ تعالیٰ ان کو (بخشنے والے) ان پر (رحم کرنے والے ہیں) اور ان سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ) یعنی شرک (نہ رہے اور دین) یعنی عبادت صرف (اللہ کے لئے ہو جائے) اس کے سوا کسی کی عبادت نہ ہو (پس اگر وہ) شرک سے (باز آجائیں) تو ان پر زیادتی نہ کرو، اس جواب شرط پر دلیل اللہ تعالیٰ کا قول فلا عدوان ہے،

یعنی (تو) قتل وغیرہ کی (کوئی زیادتی نہیں بجز ظالموں کے) اور جو باز آ گیا وہ ظالم نہیں ہے، اس لئے اس پر کوئی زیادتی نہیں ہے (محترم مہینہ، محترم مہینے کے مقابلہ میں ہے) پس جبکہ وہ تم سے اس میں لڑیں تو تم انھیں مارو، اس آیت میں مسلمانوں کے اس خیال کی تردید ہے کہ محترم مہینوں میں مطلقاً لڑنا گناہِ عظیم ہے (اور حرمتوں کا بدلہ برابری سے ہے) **حــرمــات، حــرمة** کی جمع ہے، حرمت وہ چیز ہے جس کا احترام واجب ہے، یعنی حرمتوں کا احترام توڑا جائے گا تو اس کا انتقام لیا جائے گا (پس جو کوئی تم پر زیادتی کرے) یعنی حرم میں، یا حالت احرام میں، یا محترم مہینہ میں تم سے لڑے (تو تم بھی اس پر اتنی ہی زیادتی کرو جتنی اس نے تم پر کی ہے) **اعتــداء** کے انتقام کو بھی **اعتــداء** ہی کہا گیا کیونکہ وہ صورۃً اسی کے مشابہ ہے (اور) بدلہ لینے میں اور زیادتی نہ کرنے میں (اللہ سے ڈرو، اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ) مدد اور نصرت کے ساتھ (اہل تقویٰ کے ہمراہ ہیں، اور اللہ کی راہ میں) یعنی اس کی طاعت جہاد وغیرہ میں (خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں کو) یعنی اپنے آپ کو (ہلاکت میں نہ ڈالو) **ولا تــلــقــوا بــأيــديكم** میں باء زائدہ ہے، اس ہلاکت کا معنی یہ ہے کہ جہاد میں خرچ سے بخل کر کے یا جہاد کو ترک کر کے اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو، کیونکہ اس سے دشمن طاقتور ہو جائے گا (اور نیکی کرو) یعنی جہاد وغیرہ میں خرچ کرو (بے شک اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کو پسند کرتا ہے) یعنی انھیں ثواب عطا فرماتا ہے۔

﴿تشریحات﴾

أهلة جمع هلالٍ لِمَ تبدو دقيقةً :۔ **أهلة** ، **هلال** کی جمع ہے، ہلال کے معنی آواز بلند کرنے کے آتے ہیں، چونکہ جب چاند نظر آتا ہے، تو دیکھنے والے شور کرتے ہیں، اس مناسبت سے ابتدائی چاند کو ہلال کہتے ہیں، دو تین راتوں تک ہلال رہتا ہے، پھر اسے قمر کہتے ہیں۔ بعض لوگوں نے نبی کریم ﷺ سے سوال کیا تھا کہ چاند کیوں گھٹتا بڑھتا رہتا ہے، ایک حالت پر سورج کی طرح برقرار کیوں نہیں رہتا۔ بعض مفسرین کا ارشاد ہے یہ چاند کے گھٹنے بڑھنے کی علت کا سوال تھا، اور بعض دوسرے حضرات جیسے ابو سعود اور خازن کا خیال ہے کہ یہ اس کی حکمت اور فائدہ کا سوال تھا۔

يعلمون بها أوقات زرعهم الخ :۔ قرآن کریم نے جواب میں چاند کے گھٹنے بڑھنے کی حکمت ہی کو ذکر کیا، دوسرے قول کے لحاظ سے یہ جواب سوال پر ہو بہو منطبق ہے، لیکن پہلے قول کے لحاظ سے یہ جواب سوال پر منطبق نہیں ہے، کیونکہ سوال علت کے متعلق ہے اور جواب حکمت کا دیا گیا ہے، تو اس جواب میں بھی ایک حکمت ہے، وہ یہ کہ سائل کو متنبہ کیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ تکوینیات کی علت بیان کرنے کیلئے مبعوث نہیں کئے گئے، اور نہ اس کا احکام شرع میں کوئی خاص دخل ہے، نبی نے ان حکمتوں کو ظاہر کیا ہے تا کہ ان پر احکام شرع کی بنا رکھی جا سکے، اس لئے سائل کے لئے مناسب یہی ہے کہ وہ حکمت کا سوال کرے، اور اس کا جواب معلوم کرے۔ اس طرزِ خطاب کا

نام بلاغت میں جواب علیٰ اسلوب الحکیم ہے، چاند کے گھٹنے بڑھنے سے تاریخوں کا تعلق ہے، اس سے کھیتی، تجارت، عدت، روزہ اور حج وغیرہ کے اوقات کا علم ہوتا ہے۔

﴿وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا﴾ :۔سوال کرنے والوں نے دو سوال کئے تھے، ایک ہلال کے متعلق، دوسرا حالت احرام میں گھر سے پچھواڑے سے داخل ہونے کے متعلق، اللہ تعالیٰ نے ایک سوال کو ذکر کیا۔ اور دوسرے کا صرف جواب ارشاد فرمایا۔

جاہلیت میں دستور تھا کہ جب کوئی شخص حج یا عمرہ کا احرام باندھ لیتا تھا تو لازم سمجھتا تھا کہ اس کے درمیان اور آسمان کے درمیان کوئی پردہ نہ ہو، نہ چھت کا نہ سائبان کا نہ شامیانہ کا، اگر اس کو مکان میں جانے کی ضرورت ہوتی، تو اگر مٹی کا یا پتھر کا مکان ہوتا، تو پیچھے کی جانب اس میں بڑا سا سوراخ کر لیتا یا پتھر نکال دیتا اور ادھر سے مکان میں داخل ہوتا، تاکہ دروازے کی چھت حائل نہ ہو جائے، اور اگر خیمہ ہوتا تو اس کے دروازے سے نہ داخل ہوتا، اور نہ نکلتا پیچھے کی جانب سے مجبوری میں جاتا اور صحن میں کھڑا ہوتا۔

ذاالبر :۔ لکن البر من اتقی میں مضاف محذوف ہے کیونکہ البر جو کہ حاصل مصدر ہے، اس پر من کا حمل درست نہیں ہے، یعنی نیکی والا وہ ہے، جو اللہ سے ڈرے، گھر کے پچھواڑ سے گھسنا کوئی نیکی نہیں ہے۔

وکرہ المسلمون قتالھم فی الحرم والاحرام والشھر الحرام :۔حدیبیہ کی صلح کے موقع پر چونکہ عمرہ نہیں ہو سکا تھا، مسلمانوں نے دمِ احصار دے کر خود کو احرام سے آزاد کر لیا تھا، اس لئے دوسرے سال اس عمرہ کی قضا کی گئی۔ یہ عمرۃ القضــــاء ذوقعدہ کے مہینہ میں ہوا تھا جو کہ شہر حرام ہے، شہر حرام چار ہیں۔ ذوقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب۔

﴿وَلَا تَعْتَدُوا﴾ علیھم بالابتداء بالقتال :۔شہر حرام میں قتال کی ابتدا کرنا تعدی ہے، اس سے منع کیا گیا، لیکن جوابی کارروائی ممنوع نہیں ہے۔

بآیة براْۃ :۔وہ آیت یہ ہے: وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً، اس آیت سے ابتداء بالقتال کی بھی اجازت ہو گئی، پس پہلی آیت منسوخ ہے۔

أو بقولــه :۔پہلی آیت یا تو سورہ براءۃ سے منسوخ ہے، یا اسی سورہ کی اس آیت سے جو متصلاً آئی ہے، یعنی ﴿وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ الخ۔

وقد فعل بھم ذٰلک عام الفتح :۔ ۸ھ میں مکہ فتح ہوا، اس وقت جو مسلمان نہیں ہوئے وہ یا تو مارے گئے، یا مکہ چھوڑ کر بھاگ گئے۔

﴿وَالْفِتْنَةُ﴾ الشرک :۔شرک کو فتنہ اس لئے کہا گیا کہ تمام شرور وفتن کی جڑ وہی ہے۔

الذی استعظمتموہ :۔یہ القتل کی صفت ہے۔

﴿وَلَا تُقْتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ :۔عند بمعنی فی ہے،اسی لئے فی الحرم سے تفسیر کی۔

فیہ وفی قراءۃٍ بلا ألف فی الافعال الثلٰثۃ :۔یعنی وَلَا تَقْتُلُوْهُمْ اور حَتّٰی یَقْتُلُوکُمْ اور فَإِنْ قَتَلُوکُمْ۔

فلا تعتدوا علیهم دل علیٰ هٰذا الخ :۔فَإِنِ انْتَهَوْا شرط کی جزا موجود نہیں ہے، فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَی الظّٰلِمِیْنَ چونکہ جملہ اسمیہ ہے،اس لئے وہ جزا نہیں بن سکتا ہے، کیونکہ جزا کا فعل ہونا ضروری ہے،بس یہ جملہ جزا تو نہیں ہے،البتہ دلیل جزا ہے، جزا فلا تعتدوا علیهم ہے،جس پر مذکورہ جملہ اسمیہ دلالت کرتا ہے۔

فکما قاتلوکم فیه :۔اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ کا مطلب یہ ہے کہ محترم مہینہ محترم مہینے کے عوض میں ہے، یعنی ذو القعدۃ ۶ ھ میں حدیبیہ میں تم سے کفار نے جنگ آزمائی کی تھی، تو تم ۷ ھ میں عمرۃ القضا کے لئے ذو القعدۃ ہی میں جارہے ہو، تو اگر ضرورت پڑے تو بے تکلف انھیں قتل کرو، کوئی اندیشہ دل میں نہ لاؤ۔

سمّی مقابلته إعتداء لشبهها بالمقابل به فی الصورة :۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَمَنِ اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ ،یعنی جو تم پر زیادتی کرے،اس پر اتنی ہی زیادتی کرو، جتنی اس نے کی ہے۔حق تعالیٰ نے جوابی کارروائی کو بھی زیادتی کے عنوان سے بیان فرمایا ہے، حالانکہ وہ زیادتی تو کیا ہوتی عین ضروری اور ثواب ہے،اس کا مفسر نے جواب دیا کہ صورۃً جوابی کارروائی بھی اعتداء ہی کے مثل ہے، اس لئے صورت کے لحاظ سے اس کو اعتداء کہہ دیا، جیسے فرمایا گیا ہے:وَجَزَاءُ سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا ،حالانکہ جزا حقیقت میں سیئہ نہیں ہے۔

طاعته الجهاد وغیره :۔فی سبیل اللہ کا اطلاق اللہ کی طاعت میں خرچ کرنے یا محنت کرنے پر ہوتا ہے، لیکن قرآن کریم میں عموماً اور اس جگہ خصوصاً جہاد کے معنی میں ہے۔

﴿وَلَا تُلْقُوْا بِأَیْدِیْکُمْ﴾ أی أنفسکم :۔أیدی سے مراد ذات ہے،اور اس میں باء زائد ہے،اس نہی کا تعلق وقاتلوهم سے بھی ہے،اور أنفقوا سے بھی ہے، چنانچہ مفسر نے بالامساک عن النفقة فی الجهاد أو ترکه ، کہہ کر ان دونوں کی طرف اشارہ کیا ہے، یعنی جہاد میں مال کا خرچ نہ کرنا یا جہاد کا ترک کرنا تمہارے لئے باعث ہلاکت ہے، کیونکہ دونوں صورتوں میں دشمن کو قوت حاصل ہوگی، اور وہ تمہیں فنا کرنا چاہے گا۔

یثیبهم :۔یحب کی تفسیر محبت سے نہ کر کے إعطاء ثواب سے کی ہے،اس میں حکمت یہ ہے کہ محبت اپنی ابتداء میں ایک انفعالی اور تاثراتی جذبہ ہے، جو کمزوری کی دلیل ہے، اور اللہ تعالیٰ کمزوری سے پاک ہے، اور اپنی انتہاء کے لحاظ سے یہ ہے کہ محبّ اپنے محبوب کو پسندیدہ چیز سے نوازتا ہے،اس لحاظ سے اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی

ذات والا صفات متصف ہے۔ مفسر نے اشارہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حق میں محبت اپنے انتہائی درجہ کے اعتبار سے ثابت ہے، اسی بنا پر **یثیبھم** فرمایا۔

﴿مضامین آیات وتفسیر﴾

نبی ﷺ سے بعض صحابہ نے سوال کیا کہ چاند کیوں کم وبیش ہوتا ہے، اور حالت احرام میں گھر سے پچھواڑے سے داخل ہونا کیا ثواب ہے؟ اس کے جواب میں حق تعالیٰ نے حکم دیا کہ تم انھیں بتادو، چاند کے کم وبیش ہونے پر لوگوں کے بہت سے معاملات کا، اور حج کا مدار ہے، اسی سے تاریخیں متعین ہوتی ہیں، یہ تاریخیں انسان کے مشاہدہ سے تعلق رکھتی ہیں، ان میں کسی حساب وکتاب کا دخل نہیں ہے، اس سے ہر انسان براہ راست خود استفادہ کرسکتا ہے، برخلاف سورج کے لحاظ سے تاریخوں کے کہ وہ بہت دقیق حساب پر مبنی ہیں۔ اور حالت احرام میں گھر کے پچھواڑے سے داخل ہونا کچھ نیکی نہیں ہے، نیکی تو تقویٰ کا نام ہے، گھروں میں تو دروازوں ہی سے آمد ورفت رکھواور ہر معاملہ میں اللہ سے ڈرو، اسی سے کامیابی ملے گی۔ اور اللہ کے راستے میں کفار سے لڑو، البتہ ان پر زیادتی اور ظلم نہ کرو، اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے، اور جہاں انھیں پاؤ قتل کرو، اور جہاں سے انھوں نے تم کو نکالا ہے وہاں سے تم ان کو نکال دو، یہ فتح مکہ کے ہنگامی حالات میں ہوا تھا، اور حرم کو کفار ومشرکین سے پاک کرنا مقصود تھا، شرک میں مبتلا ہونا حرم میں قتل کرنے سے بڑا جرم ہے، البتہ یہ ہے کہ تم حرم میں لڑائی کی ابتداء نہ کرو، وہ لڑیں تو تم بھی جواب دو، کفار کا بدلہ یہی ہے، اور اگر وہ کفر وشرک سے توبہ کرکے مسلمان ہوجائیں تو اللہ تعالیٰ مغفرت ورحم فرمانے والے ہیں، اور یہ قتال اس وقت تک ہے، جب تک شرک فنا نہ ہوجائے اور عبادت خالص اللہ کے لئے نہ ہونے لگ جائے، پھر اگر یہ لوگ شرک سے باز آجائیں تو ان پر زیادتی نہ کرو، جوابی کارروائی کا تعلق صرف ظالموں سے ہے، تم حرمت کے مہینے میں لڑنے سے نہ گھبراؤ، انھوں نے حرمت کے مہینے میں لڑائی چھیڑی تو اس کے بدلے میں تم بھی کارروائی کرسکتے ہو، اور ہر واجب الاحترام معاملہ میں کارروائی ہوسکتی ہے، تو جتنی زیادتی ان کی طرف سے ہو، اسی کے بقدر کارروائی تم بھی کرو، اور اللہ سے ڈرو، اللہ تعالیٰ اہل تقویٰ کے ساتھ ہے، اور اللہ کے راستے میں خرچ کرو، اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو، اگر خرچ نہ کروگے تو دشمن کی طرف سے ہلاکت میں پڑوگے، اور نیکی کا عمل اختیار کرو، اللہ تعالیٰ نیکوکاروں سے محبت فرماتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

﴿وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ﴾ أَدُّوْهُمَا بحقوقهما ﴿فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ﴾ منعتم عن إتمامها بعدو أو نحوه ﴿فَمَا اسْتَيْسَرَ﴾ تيسر ﴿مِنَ الْهَدْيِ﴾ عليكم وهو شاة ﴿وَلَا تَحْلِقُوْا رُؤُوْسَكُمْ﴾ أى لاتتحللوا ﴿حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ﴾ المذكور ﴿مَحِلَّهُ﴾ حيث يحل ذبحه وهو

مـكـان الاحـصـار عـنـد الشـافـعـى فيذبح فيه بنية التحلل ويفرق علىٰ مساكينه ويحلق وبه يـحـصـل التـحـلـل ﴿ فَمَنْ كَانَ مِنكُمْ مَرِيْضاً أَوْ بِهِ أَذىً مِّنْ رَّاسِهِ﴾ كقمل وصداع فحلق فى الاحـرام ﴿ فَـفِـدْيَةٌ ﴾ عليه ﴿ مِّنْ صِيَامٍ﴾ لثلثة أيام ﴿ أَوْ صَدَقَةٍ ﴾ لثلثة آصع من غالب قوت البـلـد عـلـىٰ ستة مسـاكين ﴿ أَوْ نُسُكٍ﴾ أى ذبح شاةٍ وأو للتخيير والحق به من حلق بغير عذر لأنه أولىٰ بالكفارة وكذا من استمتع بغير الحق كالطيب واللبس والدّهن لعذر أو غيره ﴿ فـإذا أمـنـتـم ﴾ الـعدو بأن ذهب أو لم يكن﴿ فَمَنْ تَمَتَّعَ﴾ استمتع ﴿بِالْعُمْرَةِ ﴾ أى بسبب فراغه منها والتحلل عنها بمحظورات الاحرام ﴿ إِلَى الْحَجِّ﴾ أى الاحرام به بأن يكون أحرم بهـا فـى أشهـره ﴿فَـمَا اسْتَيْسَرَ﴾ تيسر ﴿ مِنَ الْهَدْيِ﴾ عليه وهو شاة يذبحها بعد الاحرام به والافـضـل يـوم النحر ﴿ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ ﴾ الهدى لفقده أو فقد ثمنه ﴿فَصِيَامُ﴾ أى فعليه صيام ﴿ثَـلٰثَةِ أَيَّـامٍ فِـى الْـحَـجِّ﴾ أى فـى حال أحرامه به فيجب حينئذٍ أن يحرم قبل السابع من ذى الـحجة والافضل قبل السادس لكراهة صوم يوم عرفة للحاج ولايجوز صومها أيام التشريق عـلـىٰ أصـح قولى الشافعى﴿ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ ﴾إلىٰ وطنكم مكة أو غيرها وقيل إذا فرغتم مـن أعـمـال الـحـج وفيـه إلتـفـاتٌ عـن الـغيبة ﴿ تِـلْكَ عَشَـرَـةٌ كَـامِلَةٌ ﴾ جملة تـاكيد لـمـاقبـلهـا﴿ذٰلِكَ﴾ الحكم المذكور من وجوب الهدى أو الصيام علىٰ من تمتع ﴿لِمَنْ لَّمْ يَـكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ﴾ بأن لم يكونوا علىٰ مرحلتين من الحرم عند الشافعى فـإن كـان فلادم عليه ولاصيام وإن تمتع وفى ذكر الاهل إشعار بإشتراط الاستيطان فلو أقام قبـل أشهـر الـحـج ولـم يستـوطـن وتـمـتـع فعليه ذٰلك وهو أحد الوجهين عند نا والثانى لا والاهـل كـنـاية عـن الـنفس وألحق بالمتمتع فيماذكر بالسنة القارن وهو من يحرم بالعمرة والـحج معاً أو يدخل الحج عليها قبل الطواف ﴿ وَا تَّـقُـوْاللّٰهَ ﴾ فيما يامركم به وينهاكم عنه ﴿وَاعْلَمُوْا أَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ لمن خالفه ـ

﴿ترجمـــــه﴾

(حج اور عمرہ کو اللہ کے لئے پورا کرو) یعنی ان دونوں کو ان کے حقوق کے ساتھ ادا کرو (پس اگر تم کو) ان دونوں کے اتمام سے دشمن وغیرہ کی وجہ سے (روک دیا جائے تو جو ہدی کا جانور تمہیں میسر آ جائے) وہ تمہارے اوپر لازم ہے، اور وہ بکری ہے (اور اپنے سروں کو نہ منڈاؤ) یعنی احرام نہ کھولو (یہاں تک کہ وہ ہدی) مذکور (اپنی جگہ) یعنی جہاں اس کا ذبح کرنا درست وہاں (پہونچ جائے) ااور وہ امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک مکانِ احصار ہے،

پس اس میں احرام کھولنے کی نیت سے ذبح کردے، اور وہاں کے مساکین پر تقسیم کردے، اور سر منڈوا دے، اس سے احرام کھل جائے گا (پھر اگر تم میں سے کوئی مریض ہو یا اس کے سر میں تکلیف ہو) مثلاً جوئیں ہوں یا دردِ سر ہو، اور اس کی وجہ سے حالت احرام میں سر منڈوالیا (تو) اس پر (فدیہ ہے) تین دن (روزے کا یا) تین صاع (صدقے کا) جو اس جگہ کی عام غذا سے چھ مسکینوں کو دیا جائے گا (یا ایک قربانی کا) یعنی ایک بکری ذبح کرے، اور أو، **تخییر** کے لئے ہے، اور اسی کے ساتھ وہ شخص بھی ملحق ہے، جس نے بغیر عذر کے سر منڈوا دیا ہو، کیونکہ وہ تو بدرجۂ اولیٰ کفارہ کے لزوم کا مستحق ہے، اور یہی حکم اس شخص کا بھی ہے، جس نے حلق کے علاوہ کسی اور محظور احرام کا ارتکاب کیا ہو، جیسے خوشبو لگانا، سلا ہوا لباس پہننا اور تیل لگانا، عذر سے ہو یا بغیر عذر کے ہو، (پس جب تم) دشمن سے (مامون ہو جاؤ) کہ وہ تھا، لیکن اب نہیں رہا، یا سرے سے کوئی دشمن تھا ہی نہیں (تو جو کوئی عمرہ سے فائدہ اٹھائے) یعنی عمرہ سے فارغ ہو کر محظوراتِ احرام سے آزاد ہوا (حج) کے احرام (تک) بشرطیکہ عمرہ کا احرام حج کے مہینوں میں باندھا ہو (پس جو ہدی کا جانور میسر ہو) اس کے ذمے ہے، اور وہ ایک بکری ہے جسے حج کا احرام باندھنے کے بعد ذبح کرے گا، اور افضل یوم نحر ہے (پس جو کوئی) ہدی (نہ پائے) خواہ اس لئے کہ ہدی کا جانور ہی نہیں ملا، یا یہ کہ اس کے پاس خریدنے کے لئے قیمت نہیں تھی (تو) اس پر (ایام حج میں تین دن روزہ لازم ہے) یعنی احرام کی حالت میں، لہٰذا واجب ہے کہ ۷/ ذی الحجہ سے پہلے احرام باندھے، اور افضل یہ ہے کہ ۶/ سے پہلے حج کا احرام باندھے، کیونکہ یوم عرفہ کا روزہ حاجی کے لئے مکروہ ہے، اور تینوں روزے ایام تشریق میں رکھنے جائز نہیں ہیں۔ امام شافعیؒ کے دو قولوں میں اصح قول یہی ہے (اور سات روزے جب تم) اپنے وطن کی جانب (لوٹو) خواہ مکہ ہو یا غیر مکہ، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ **رجعتم** کے معنی **فرغتم** ہے، یعنی جب تم اعمال حج سے فارغ ہو جاؤ، اور اس میں غیبت سے خطاب کی جانب التفات ہے (یہ کامل دس) روزے (ہوئے) یہ جملہ ماقبل کی تاکید ہے (یہ) حکم جو مذکور ہوا، یعنی تمتع کرنے والے پر ہدی یا روزے کا وجوب (اس شخص کے لئے جس کے گھر والے مسجد حرام کے رہنے والے نہ ہوں) یعنی حرم سے دو مرحلے سے کم کے رہنے والے نہ ہوں...... امام شافعیؒ کے نزدیک...... پس اگر وہ ایسا ہو تو اس کے ذمہ نہ دم ہے، نہ روزہ ہے، اگرچہ وہ تمتع کرے، اور **اهل** کے ذکر میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ وطن ہونا شرط ہے، لہٰذا اگر کسی نے **أشهر حج** کے پہلے سے حرم میں اقامت اختیار کر رکھی ہے، مگر اسے وطن نہیں بنایا تو اگر یہ تمتع کرے گا تو اس پر دم لازم ہوگا، اور یہ امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک دو وجہوں میں ایک ہے، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس پر بھی دم واجب نہ ہوگا، اس سے معلوم ہوا کہ وطن بنانا شرط نہیں ہے، اور اہل کنایہ ہے خود اس کی ذات سے، اور مذکورہ احکام میں متمتع کے ساتھ سنت سے ثابت ہے کہ قارن بھی ملحق ہے، اور وہ، وہ شخص ہے جو حج اور عمرہ کا ایک ساتھ احرام باندھے، یا عمرہ کا احرام باندھا تھا، اور اسکے

طواف سے پہلے اس پر حج کا احرام باندھ لیا (اور اللہ سے) اس بارے میں (ڈرو) جس کا تم کو حکم دیتے ہیں، اور اس بارے میں بھی جس سے تم کو منع کرتے ہیں (اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ) اس شخص کو جو خلاف ورزی کرتا ہے (سخت سزا دینے والے ہیں)

﴿تشریحات﴾

أدوهما بحقوقهما: وَأَتِمُّوْا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ کی تفسیر **أدوهما بحقوقهما** سے جو مفسر نے کی ہے، اس میں امام شافعی علیہ الرحمہ کے مسلک کی رعایت ہے، ان کے نزدیک عمرہ واجب ہے، اس وجوب کے لئے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ حج و عمرہ کو اللہ کے لئے تام کرو، اور تام کرنے کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ انھیں پورے طور پر حقوق و آداب کی رعایت کے ساتھ ادا کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ حج بھی واجب ہے اور عمرہ بھی۔

لیکن یہ تفسیر خلافِ ظاہر ہے، ظاہر یہ ہے کہ یہ حکم اس حالت سے متعلق ہے جبکہ حج و عمرہ کو احرام باندھ کر شروع کر چکا ہو، کیونکہ اتمام کا حکم وہیں ہوتا ہے جہاں شروعات ہو چکی ہو، پس جب کسی نے احرام باندھ لیا، خواہ حج کا یا عمرہ کا، تو اسے مکمل کرنے کا امر کیا گیا ہے، یہی اس کا متبادر معنی ہے، اور اس کے مراد لینے کا ایک قوی قرینہ یہ ہے کہ یہ آیت احصار کے حکم کے لئے نص ہے، اور احصار کا تحقق احرام کے بعد ہی ہوتا ہے، اور وَأَتِمُّوْا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ کا جملہ اسی حکم احصار کے لئے بطور تمہید ذکر کیا گیا ہے، یعنی کہنا یہ ہے کہ حج و عمرہ کو احرام باندھنے کے بعد اللہ کے لئے پورا کرنا واجب ہے، مگر یہ کہ اگر احصار کا عذر پیش آ گیا تو احرام سے آزاد ہونے کا یہ طریقہ ہے، جو بیان کیا جا رہا ہے۔

منعتم عن إتمامها بعدوٍ:۔ احصار یہ ہے کہ احرام باندھنے کے بعد کسی دشمن یا بدامنی یا کسی شدید مرض کی وجہ سے حرم تک پہونچنے سے مجبوری ہو جائے تو احرام سے آزاد ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک ہدی یعنی بکری یا گائے یا اونٹ کا ساتواں حصہ قربان کیا جائے، اس کے بعد سر منڈوا لیا جائے۔

﴿حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْىُ مَحِلَّهٗ﴾:۔ قربانی کہاں کی جائے گی، حق تعالیٰ نے اجمالاً یہ ارشاد فرمایا کہ سر منڈانا یعنی حلال ہونا اس وقت تک نہیں ہوگا جب تک کہ هـــدی کا جانور اس جگہ تک نہ پہونچ جائے، جہاں اس کی قربانی درست ہے، لیکن وہ محل کیا ہے؟ قرآن میں اس کی صراحت نہیں ہے۔ امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک وہ ''مکان احصار'' ہے، یعنی جہاں ''احصار'' ہوا ہے وہیں جانور قربان کیا جائے، لیکن اس پر اشکال ہے کہ اگر حاجی اپنے ساتھ ساتھ هدی کا جانور رکھے ہوئے ہے تو اس وقت حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْىُ مَحِلَّهٗ کہنا بے محل ہو جائے گا، دوسرے یہ کہ هـدی اس جانور کو کہتے ہیں جو حرم میں ذبح کیا جائے۔ امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک اس جانور کو حرم میں بھیجا جائے گا، اور اس کے ذبح کے لئے دن تاریخ مقرر کر لی جائے گی، اس وقت کے آنے کے بعد محرم

سر منڈوا کر آزاد ہو جائے گا۔

امام شافعیؒ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا احصار حدیبیہ میں ہوا تھا، اور آپ نے وہیں قربانی کی تھی، جبکہ حدیبیہ حرم میں نہیں حِلّ میں ہے، ہمارا جواب یہ ہے کہ حدیبیہ کا ایک بڑا حصہ حرم میں ہے، اور رسول اللہ ﷺ اسی حرم کے حصے میں تھے، اس لئے وہاں آپ نے جانور قربان کئے، امام زُہری علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے جانوروں کو حرم میں قربان کیا تھا۔

جانور قربان کر کے اس کا گوشت اسی جگہ فقراء میں تقسیم کر دیا جائے گا، محصر خود نہیں استعمال کرے گا۔

﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا﴾ :۔ مریضاً موصوف ہے، اس کی صفت **محتاجاً إلى الحلق** ہے، جو کہ محذوف ہے، یعنی ایسا مریض ہو، جسے سر منڈوانے کی ضرورت ہو، یا اس کے سر میں ایسی تکلیف ہو کہ بغیر سر منڈائے کوئی چارہ نہ ہو، مثلاً جوئیں اتنی ہوگئی ہیں کہ اس سے آدمی پریشان ہو گیا، ایسی صورت میں سر منڈانے کی اجازت ہے، لیکن اس کے عوض میں فدیہ دینا ہے، فدیہ تین طرح کا ہے، جو چاہے اختیار کر لے۔ (۱) تین روزے۔ (۲) تین صاع اس جگہ کا عام غلہ جو نصف نصف صاع چھ مسکینوں کو تقسیم کیا جائے۔ (۳) ایک قربانی۔

فإذا أمنتم العدو :۔ یہ حج تمتع کا بیان ہے، حج کے مہینے میں پہلے عمرہ کا حرام باندھا، اس سے فارغ ہو کر احرام کھول لیا، اس کے بعد وقت پر حج کا احرام باندھا تو اس صورت میں ایک ''دم شکر'' واجب ہوگا۔ اس دم شکر کو حج کا احرام باندھنے کے بعد ذبح کرنا جائز ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ ۱۰/ ذی الحجہ کو ذبح کرے، اور یہ قربانی بہر حال حرم میں ہے۔

﴿فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ أَيَّامٍ﴾ :۔ حج تمتع میں اگر کسی کو قربانی کا جانور نہیں مل سکا، خواہ قیمت نہ ہونے کی وجہ سے، یا یہ کہ جانور ملا ہی نہیں تو اس کو چاہئے کہ حج کا احرام باندھ کر تین روزے رکھے، اس کے لئے اسے زیادہ سے زیادہ ۶/ ذی الحجہ کو احرام باندھ لینا چاہئے تا کہ ۷/۸/۹/ کو روزہ رکھ سکے۔ ۱۰/ سے ۱۳/ تک روزہ رکھنا جائز نہیں ہے، اور اتنے میں حج سے فارغ ہو جائے گا، لیکن افضل یہ ہے کہ ۶/ سے پہلے احرام باندھ لے تا کہ ۶/۷/۸/ کو روزہ رکھ سکے، جس نے حج کا احرام باندھ رکھا ہے، اس کے لئے ۹/ کو روزہ رکھنا مکروہ ہے۔

﴿وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ﴾ :۔ اور جب وطن کو لوٹو تب سات روزے رکھو، خواہ مکہ میں رکھ لیا جائے یا گھر جا کر، **رجعتم** کا مطلب **فرغتم** بھی بتایا گیا ہے، یعنی جب حج سے فارغ ہو جائیں تب سات روزہ رکھیں، اس جملہ میں غیبت سے خطاب کی جانب التفات ہے، یعنی پہلے غائب کا صیغہ ذکر کیا گیا ہے، چنانچہ فرمایا گیا ہے: **فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ** اور اس کے بعد اُسلوب کلام بدل کر **وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ** فرمایا جو کہ حاضر کا صیغہ ہے۔

بأن لـم يـكـونـوا عـلـىٰ مرحلتين من الحرم :۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ذٰلِکَ لِـمَـنْ لَّـمْ یَکُنْ أَھْلُہٗ حَاضِرِی الْـمَسْجِدِ الْحَرَامِ ،تمتع کا حکم کہ وہ قربانی نہ کرسکے تو روزہ رکھے، یہ حکم اس شخص کے لئے ہے جس کے گھر والے حرم کے رہنے والے نہ ہوں، حرم کے نہ رہنے والے وہ ہیں جو حرم سے دو مرحلے سے کم مسافت کے رہنے والے نہ ہوں، بلکہ اس سے زیادہ مسافت کے رہنے والے ہوں، اگر دو مرحلے سے کم کے رہنے والے ہوں، وہ اگر اشہر حج میں عمرہ کا احرام باندھ کر عمرہ بھی کرلیں تب بھی ان پر دم لازم نہ ہوگا اور نہ روزہ ہوگا، کیونکہ وہ حرم کے رہنے والے ہیں۔ یہ تفصیل امام شافعی علیہ الرحمہ کے مسلک کے مطابق ہے، امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک مکہ میں جو کوئی مقیم ہے، اس کے لئے نہ تمتع جائز ہے نہ قران! تفصیل کتب مناسک میں دیکھیں۔

وفـي ذكر الاهل إشعار :۔أھل کے ذکر سے اس بات پر متنبہ کیا گیا ہے کہ حرم کو وطن بنانا شرط ہے، اگر کسی نے اشہر حج کے پہلے حرم میں اقامت اختیار کی، مگر وطن بنانے کا ارادہ نہیں کیا تو اگر وہ تمتع کرے گا، تو اس پر دم شکر واجب ہوگا۔ امام شافعی علیہ الرحمہ کے دو قولوں میں سے ایک قول یہ ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ ایسے شخص پر بھی دم شکر واجب نہ ہوگا، اس صورت میں أھـــل خود اس کی ذات سے کنایہ ہے، یعنی وہ خود حرم کا رہنے والا نہ ہو، اور موجودہ صورت میں وہ خود حرم کا مقیم ہے، کیونکہ وہ حج کے مہینوں کے پہلے ہی سے وہاں مقیم ہے۔

وألـحـق بـالـمتمتع فيماذكر بالسنة القارن :۔سنت سے ثابت ہے کہ متمتع کے ہی کے حکم میں قارن بھی ہے، قارن وہ شخص ہے جس نے حج اور عمرہ کا احرام ایک ساتھ باندھا ہو، یا پہلے عمرہ کا احرام باندھا اور عمرہ کا طواف کرنے سے پہلے اس نے حج کا احرام باندھ لیا۔

☆☆☆☆☆

﴿اَلْـحَـجُّ ﴾ وقته ﴿ أَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ﴾ شوال وذوالقعدة وعشر ليالٍ من ذى الحجة وقيـل كـلـه﴿ فَـمَـنْ فَـرَضَ﴾ علىٰ نفسه﴿ فِيْهِنَّ الْحَجَّ﴾بالاحرام به﴿ فَلَارَفَثَ﴾ جماع فيه ﴿وَلَافُسُـوْقَ﴾ معاصى﴿ وَلَاجِدَالَ﴾ خصام﴿ فِي الْحَجِّ﴾ وفى قراءة بفتح الاولين والمراد فـى الثـلـٰثةِ الـنهـىُ﴿ وَمَـا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ﴾ كصدقة ﴿يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ﴾ فيجازيكم به ونزل فى أهل اليـمـن وكـانـوا يـحـجـون بلا زادٍ فيكونون كَلاً على الناس﴿ وَتَزَوَّدُوْا﴾ مايبلغكم بسفركم ﴿فَإِنَّ خَيْـرَ الـزَّادِالتَّـقْـوٰى﴾ مايُتَّقىٰ به سوال الناس وغيره ﴿ وَاتَّقُوْنِ يٰاُوْلِى الْاَلْبَابِ﴾ ذوى العقول﴿ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ﴾ فى﴿ أَنْ تَبْتَغُوْا﴾ تطلبوا ﴿فَضْلًا﴾ رزقاً﴿مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ بالتجارة فـى الـحـج نزل ردّاً لكراهتهم ذٰلك﴿ فَإِذَا أَفَضْتُمْ ﴾دفعتم ﴿مِنْ عَرَفَاتٍ﴾ بعد الوقوف بها ﴿فَاذْكُرُوْا اللّٰهَ﴾ بعد المبيت بمزدلفة بالتلبية والتهليل والدعاء﴿ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ﴾ هو

جبل في آخر المزدلفة يقال له قُزَحُ وفي الحديث أنه ﷺ وقف به يذكر الله ويدعو حتىٰ أسفر جداً رواه مسلم ﴿وَاذْكُرُوْهُ كَمَاهَدٰكُمْ﴾ لمعالم دينه ومناسك حجه والكاف للتعليل ﴿وَإِنْ﴾ مخففة ﴿كُنتُمْ مِنْ قَبْلِهٖ﴾ قبل هداه ﴿لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ثُمَّ أَفِيْضُوْا﴾ ياقريش ﴿مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ﴾ أي من عرفة بأن تقفوا بها معهم وكانوا يقفون بالمزدلفة ترفعاً عن الوقوف معهم وثم للترتيب في الذكر ﴿وَاسْتَغْفِرُوْا اللهَ﴾ من ذنوبكم ﴿إِنَّ اللهَ غَفُوْرٌ﴾ للمومنين ﴿رَّحِيْمٌ﴾ بهم ﴿فَإِذَا قَضَيْتُمْ﴾ أَدَّيْتُمْ ﴿مَنَاسِكَكُمْ﴾ عبادات حجكم بأن رميتم جمرة العقبة وحلقتم وطفتم واستقررتم بمنىٰ ﴿فَاذْكُرُوْا اللهَ﴾ بالتكبير والثناء ﴿كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ﴾ كماكنتم تذكرونهم عند فراغ حجكم بالمفاخر ﴿أَوْأَشَدَّ ذِكْراً﴾ من ذكركم إياهم ونصب أشد على الحال من ذكر المنصوب بِاُذْكُرُوْا إذ لو تأخر عنه لكان صفة له ﴿فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَا آتِنَا﴾ نصيبنا ﴿فِيْ الدُّنْيَا﴾ فيؤتاه فيها ﴿وَمَالَهٗ فِيْ الْآخِرَةِ مِنْ خَلاقٍ﴾ نصيب ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَاآتِنَافِي الدُّنْيَا حَسَنَةً﴾ نعمة ﴿وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً﴾ وهو الجنة ﴿وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ بعدم دخولها وهٰذا بيان لما كان عليه المشركون ولحال المؤمنين والقصد به الحث على طلب خير الدارين كما وعد بالثواب عليه بقوله ﴿أُوْلٰئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ﴾ ثواب من أجل ﴿مِّمَّا كَسَبُوْا﴾ عملوا من الحج والدعاء ﴿وَاللهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ﴾ يحاسب الخلق كلهم في قدر نصف نهار من أيام الدنيا لحديث بذٰلك ﴿وَاذْكُرُوْا اللهَ﴾ بالتكبيرعند رمي الجمرات ﴿فِيْ أَيَّامٍ مَّعْدُوْدَاتٍ﴾ أي أيام التشريق الثلاثة ﴿فَمَنْ تَعَجَّلَ﴾ أي إستعجل بالنفر من منىٰ ﴿فِيْ يَوْمَيْنِ﴾ أي في ثاني أيام التشريق بعد رمي جماره ﴿فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ﴾ بالتعجيل ﴿وَمَنْ تَأَخَّرَ﴾ بها حتىٰ بات ليلة الثالث ورمى جماره ﴿فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ﴾ بذٰلك أي هم مخيرون في ذٰلك ونفي الاثم ﴿لِمَنِ اتَّقىٰ﴾ الله في حجه لأنه الحاج على الحقيقة ﴿وَاتَّقُوْاللهَ وَاعْلَمُوْا أَنَّكُمْ إِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ﴾ في الآخرة فيجازيكم بأعمالكم۔

﴿ترجمـــــه﴾

(حج) اس کا وقت (چند معلوم مہینے ہیں) وہ شوال، ذوقعدہ اور ذی الحجہ کے دس دن ہیں، اور کہا گیا ہے کہ پورا ذی الحجہ ہے (پس جو کوئی) اپنے اوپر (ان مہینوں میں حج فرض کرلے) یعنی حج کا احرام باندھ لے (پس حج میں جماع نہیں ہے، اور نہ معصیت ہے، اور نہ جھگڑا ہے) اور ایک قراۃ میں پہلے دونوں کلموں کے فتحہ کے

ساتھ ہے،اور مراد تینوں میں نہی ہے (اور جو کچھ تم خیر کا عمل کرو گے) جیسے صدقہ (اللہ اس کو جانتے ہیں) پس تم کو اس کا بدلہ دیں گے،اور اہل یمن کے بارے میں اگلی آیت نازل ہوئی، وہ لوگ بغیر سامانِ سفر کے حج کے لئے نکل جاتے تھے، اور لوگوں پر بوجھ بنتے تھے (اور سامانِ سفر لے لو) جو تم کو منزل سفر تک پہونچادے (بلا شبہ بہترین سامانِ سفر وہ ہے جس سے بچاؤ ہو سکے) یعنی جس کے ہوتے ہوئے لوگوں سے کچھ مانگنے کی ضرورت نہ پڑے (اور اے عقلمندو! مجھی سے ڈرو، تم پر کوئی حرج نہیں ہے) اس بارے میں (کہ تم) حج میں تجارت کر کے (اللہ کا فضل) یعنی روزی طلب کرو، چونکہ وہ سفر حج میں اس کو مکروہ سمجھتے تھے، اس لئے اس کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی (پس تم جب عرفات سے) اس میں وقوف کرنے کے بعد (کوچ کرو) مزدلفہ میں رات گزارنے کے بعد تلبیہ، تہلیل اور دعا میں (مشعر حرام کے پاس اللہ کو یاد کرو) مشعر حرام مزدلفہ کے آخری حصہ میں ایک پہاڑی ہے جسے قزح کہا جاتا ہے، حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وہیں وقوف کیا تھا، اللہ کا ذکر کر رہے تھے، اور دعا فرما رہے تھے، یہاں تک کہ خوب اجالا پھیل گیا رواہ مسلم (اور اللہ کو یاد کرو جیسا کہ اس نے تم کو) اپنے دین کے احکام اور حج کے مناسک (سکھائے ہیں) اور کاف تعلیل کے لئے ہے (اور بلاشبہ) إن مخففہ ہے (تم لوگ اس سے پہلے) یعنی اس کی ہدایت سے پہلے (گم کردہ راہ تھے، پھر) اے قریش (تم وہیں سے لوٹو جہاں سے لوگ لوٹے ہیں) یعنی میدان عرفات سے یعنی لوگوں کے ساتھ وہیں وقوف کرو، قریش مکہ دوسرے لوگوں کے ساتھ وقوف کرنے سے اپنے کو بلند سمجھتے تھے اس لئے وہ مزدلفہ میں وقوف کیا کرتے تھے۔ ثم ذکر کی ترتیب کے لئے ہے (اور اللہ سے) اپنے گناہوں کی (مغفرت چاہو، بے شک اللہ تعالیٰ) مومنین کی (مغفرت کرنے والے) ان پر (رحم کرنے والے ہیں، پس جب تم اپنے مناسک) یعنی ارکان وافعال حج (کو ادا کر چکو) یعنی جمرۂ عقبہ کی رمی اور طوافِ زیارت کر چکو، اور منیٰ میں مقیم ہو چکو (تو) تکبیر اور ثناء کے ساتھ (اللہ کو اسی طرح یاد کرو جیسا کہ) حج سے فارغ ہو کر فخر وناز کے ساتھ (اپنے باپ دادوں کو یاد کرتے تھے، یا اس سے بھی زیادہ) یعنی اپنے باپ دادوں کی یاد سے زیادہ، اور أشد حال ہونے کی بنا پر منصوب ہے ذکرا گا، جو کہ أذکروا کا مفعول ہے، کیونکہ اگر اسے بعد میں لایا جائے تو وہ صفت بن جائے گا (تو بعض آدمی ایسا ہے جو کہتا ہے کہ اے ہمارے رب! ہم کو) ہمارا حصہ (دنیا میں عطا فرما) پس اس کو دنیا میں دیدیا جاتا ہے (اور اس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے، اور بعض آدمی ایسا ہے جو کہتا ہے کہ اے ہمارے رب! ہم کو دنیا میں بھلائی عطا فرما) یعنی نعمت (اور آخرت میں بھلائی عطا فرما) اور وہ جنت ہے (اور ہم کو آگ کے عذاب سے بچا) یعنی اس میں داخل نہ ہوں۔ یہ مشرکین کے حال اور اہل ایمان کے حال کا بیان ہے، اور مقصود دارین کے خیر کی طلب کی ترغیب ہے، چنانچہ اس پر ثواب کا وعدہ فرمایا، چنانچہ فرمایا (یہی لوگ ہیں کہ ان کے واسطے حصہ ہے) یعنی ثواب ہے (اس کام کی وجہ سے) یعنی حج اور دعا کے

عمل کی وجہ سے (جوانھوں نے کیا، اور اللہ جلد حساب لینے والے ہیں) تمام مخلوق کا حساب دنیاوی دن کے آدھے وقت میں لے لیں گے، جیسا کہ حدیث میں وارد ہے (اور) رمی جمرات کے وقت تکبیر کے ساتھ (اللہ کو یاد کرو گنتی کے چند ایام میں) یعنی تشریق کے تین دنوں میں (پس جو کوئی عجلت کرے) یعنی منیٰ سے نکلنے میں جلدی کرے (دو دن میں) یعنی تشریق کے دوسرے دن میں، اس کے رمی جمار کے بعد (تو اس پر کوئی حرج نہیں، اور جو کوئی) اس میں (تاخیر کرے) اور تشریق کی تیسری رات گزارے اور اس دن میں بھی رمی کرے (تو) اس کی وجہ سے (اس پر کوئی گناہ نہیں) انھیں اس سلسلے میں اختیار ہے، اور گناہ کا نہ ہونا (اس شخص کے لئے ہے جو) اپنے حج میں اللہ سے (ڈرے) اس لئے کہ حقیقت میں حاجی وہی ہے (اور اللہ سے ڈرو اور سمجھ لو کہ تم) آخرت میں (اسی کے پاس جمع کئے جاؤ گے) پس وہ تم کو تمہارے اعمال کا بدلہ دے گا۔

﴿تشریحات﴾

وقته:۔ حج ایک عبادت ہے، اور أشهر معلومات زمانہ ہے، أشھر کا حمل الحج پر بظاہر درست نہیں معلوم ہوتا ہے، مفسر نے بتایا کہ یہاں مضاف محذوف ہے، یعنی وقت الحج۔

بالاحرام به:۔ آدمی جب احرام باندھ لیتا ہے، تو اپنے اوپر حج کو لازم کر لیتا ہے۔

وفی قراءة بفتح الاولین:۔ مفسر نے جو قرأت اختیار کی ہے، اس میں رفث، مرفوع مع التنوین ہے، اور جدال مفتوح ہے، فرمایا کہ ایک قرأت میں رفث اور فسوق بھی مفتوح ہیں، روایت حفص میں یہی ہے۔

والمراد فی الثلٰثةِ النهیُ:۔ فَلَارَفَثَ وَلَافُسُوْقَ وَلَاجِدَالَ، جملہ خبریہ ہے، لیکن مراد اس سے نہی ہے، مایُتَّقیٰ به، یہاں تقویٰ کا معنی وہ نہیں ہے جو شریعت کی اصطلاح ہے، بلکہ لغوی معنی مراد ہے، یعنی ایسا زادِ سفر کہ آدمی سوال کی ذلت سے محفوظ رہے۔

بالتجارة فی الحج:۔ عبادات میں غلو کرنے والے جس طرح توکل کا نام لے کر بغیر سامانِ سفر کے حج کے لئے نکل پڑتے تھے، پھر لوگوں سے مانگتے پھرتے تھے اور تنگ کرتے تھے، اسی طرح وہ سفر حج میں تجارت کو گناہ سمجھتے تھے، اللہ نے ان کے اس خیال کی تردید فرمائی کہ اللہ کا فضل تلاش کرنے کیلئے کچھ تجارت کر لی جائے، تو کوئی حرج نہیں۔

بعد المبیت بمزدلفة:۔ یہ وقوفِ مزدلفہ کا بیان ہے، دسویں ذی الحجہ کی رات گذر جانے کے بعد صبح صادق سے طلوعِ آفتاب تک اس کا وقت ہے، رات مزدلفہ میں گزارنی مسنون ہے، اور وقوفِ مزدلفہ واجب ہے۔

والکاف للتعلیل:۔ کماهداکم میں کاف تعلیلیہ ہے، یعنی چونکہ تم کو ہدایت دی ہے اس لئے اللہ کو یاد کرو۔

﴿مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ﴾ :۔ قریش اپنے کو اہل حرم کہتے تھے، باہر کے لوگ تو عرفات کا وقوف کرتے تھے، مگر اہل حرم مزدلفہ میں وقوف کرتے تھے، ان کا خیال یہ تھا کہ عرفات حرم سے باہر ہے، باہر والے وہاں وقوف کریں، اور ہم اہل حرم ہیں، ہمارا وقوف حرم ہی میں ہوگا، اور مزدلفہ حرم کے اندر ہے، اس طرح انھوں نے اپنا ایک امتیاز قائم کر رکھا تھا، اس کے علاوہ اور بھی ان کے امتیازات تھے، مثلاً باہر والوں پر لازم تھا کہ وہ اہل حرم کے دیئے ہوئے کپڑوں میں طواف کریں، اور اگر انھیں منظور نہ ہو تو ننگے بدن طواف کریں، اس طرح باہر کے زائرین کو اپنے رحم وکرم کا پابند بنا رکھا تھا۔

﴿فَإِذَا قَضَيْتُمْ﴾ أَدَّيْتُمْ :. قضیتم کی تفسیر أدیتم سے کر کے متنبہ کیا ہے کہ یہ قضاء، اداء کے معنی میں ہے، قضا کے معنی میں نہیں۔

ثم للترتیب فی الذکر :۔ یہ ایک سوال کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ وقوف مزدلفہ بعد میں ہوتا ہے، وقوف عرفات پہلے ہوتا ہے، اور یہاں ترتیب الٹ گئی ہے، وقوف مزدلفہ کے بعد فرمایا کہ تم وہاں سے کوچ کرو جہاں سے لوگ لوٹیں، اس کا جواب مفسر نے یہ دیا کہ یہ ترتیب ذکر میں ہے، یعنی وقوف مزدلفہ کے بیان کے بعد قریش کو متنبہ کیا گیا کہ تم جو مزدلفہ ہی سے لوٹتے ہو، یہ صحیح نہیں ہے، عرفات تم بھی جاؤ، اور وہاں سے لوٹو، اس سے اعمال حج کی ترتیب بیان کرنی مقصود نہیں ہے، اس کو قریش کی غلطی پر تنبیہ کے لئے ذکر کیا گیا ہے۔

جمرۃ العقبۃ : وقوف مزدلفہ کی بعد یوم نحر میں صرف ایک جمرہ کی رمی ہے، اور وہ، وہ جمرہ ہے جو مکہ مکرمہ کی طرف واقع ہے، اسے جمرۃ العقبۃ کہتے ہیں۔

طفتم :۔ یہ طوافِ زیارت، حج کا آخری رُکن اور فرض ہے، اس کے بعد آدمی احرام کی تمام پابندیوں سے آزاد ہو جاتا ہے، اس کا وقت ۱۰/۱۱/۱۲/ ذی الحجہ ہے

واستقررتم بمنیٰ :۔ ۱۰/۱۱/۱۲/ کو منیٰ میں ٹھہرنا مسنون ہے، طواف زیارت سے فارغ ہو کر منیٰ میں آ جانا چاہئے۔

کما کنتم تذکرونهم عند فراغ حجکم بالمفاخر :۔ کفار منیٰ کے دنوں میں مشاعرے کرتے تھے، اپنے آباء واجداد کے سلسلے میں فخریہ نظمیں پڑھتے تھے۔

ونصب أشد علی الحال من ذکر المنصوب بِاُذْكُرُوْا :. أَوْأَشَدَّ ذِكْراً کی ترکیب بنا رہے ہیں، لفظ أشد حال ہونے کی بنا پر منصوب ہے، سوال یہ ہے کہ تب ذوالحال کون ہے؟ اس کا جواب دیا کہ ذکراً کا کلمہ جو أشد کے بعد ہے، وہی ذوالحال ہے جو کہ أذکروا کا مفعول مطلق ہے، اور قاعدہ یہ ہے کہ ذوالحال عموماً معرفہ ہوتا ہے، لیکن اگر کبھی وہ نکرہ ہوتا ہے تو حال اس پر مقدم ہو جاتا ہے، اگر ایسا نہ ہو تو اس کا التباس صفت سے

ہوتا ہے، یہاں اگر ذکراً أشد فرماتے تو أشد صفت بن جاتا۔

والقصد به الحث :۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ کے بیان کا مقصود یہ ہے کہ لوگ یہی دعا اختیار کریں، اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر ثواب کا وعدہ کیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے: ﴿ اُوْلٰئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ﴾

بالتكبير عند رمى الجمرات :۔ جمرہ کی رمی کے وقت **بسم الله الله اكبر** پڑھنا چاہئے۔

أيام التشريق الثلاثة :۔ ایام تشریق تین ہیں، ۱۱/۱۲/۱۳/ ذی الحجہ، تشریق کے معنی دھوپ میں گوشت سکھانے کے ہیں، اہل عرب ۱۰/ کو قربانی کرتے تھے، اور ۱۱/۱۲/۱۳/ کو قربانی کا گوشت پتھروں پر ڈال کر سکھا کر رکھ لیتے تھے، اور پھر انھیں بہت دنوں تک کھاتے رہتے تھے۔

استعجال بالنفر من منىٰ :۔ اگر کوئی منیٰ سے دو ہی دن میں رُخصت ہونا چاہے، یعنی ۱۲/ کو تو کوئی حرج نہیں ہے، اس دن جمرات کی رمی کر کے چلا جائے، اور کوئی ایک روز اور ٹھہرنا چاہے تو بھی کوئی حرج نہیں، وہ تیسرے دن یعنی ۱۳/ کو رمی کر کے جائے۔

﴿ مضامین آیات وتفسیر ﴾

حج وعمرہ کا اصل حکم یہ ہے کہ جب اس کا احرام باندھ لیا جائے تو اس کے تمام ارکان کو پورا کرنا لازم ہے، اس کے بغیر احرام سے آزاد نہیں ہوسکتا، لیکن اگر کبھی مجبوری ہو جائے کہ احرام تو باندھا مگر حرم تک پہونچنے کی کوئی سبیل نہیں، جنگ کی وجہ سے، بدامنی کی وجہ سے یا مرض کی وجہ سے، تو اب کیا کرے، احرام کی پابندی میں کب تک رہے، تو اس کا حل حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ قربانی کا ایک جانور حرم میں بھیج دیا جائے، اس کا وقت مقرر کر دیا جائے، اس وقت پر وہ جانور وہاں ذبح کر دیا جائے، اس کے بعد یہ محرم اپنے سر کو منڈ والے، اس سے احرام کھل جائے گا، بعد میں اس کی قضا لازم ہوگی، اس قربانی کا گوشت فقراء حرم میں تقسیم کیا جائے گا۔

اور اگر کسی نے احرام باندھا مگر مرض یا سر کی تکلیف کی وجہ سے سر منڈ وانے کی مجبوری ہے، یا ممنوعات احرام میں سے کسی اور کے ارتکاب کی مجبوری پیش آگئی تو سر منڈ والے، لیکن بطور کفارے کے اس کا فدیہ دینا ہوگا، فدیہ میں تین چیزوں میں سے کوئی ایک چیز دے سکتا ہے، یا تو تین روزے رکھ لے، یا صدقہ دے، امام صاحب کے نزدیک اس کی مقدار صدقۂ فطر کی مقدار ہے، چھ مسکینوں کو دیا جائے گا، یا ایک دم دیدے، اگر کسی نے بغیر کسی عذر کے یہ کام کئے ہیں تو اسے بھی یہی کفارہ دینا ہوگا۔

اور اگر احرام باندھنے کے بعد رُکاوٹ ہوئی لیکن پھر وہ زائل ہوگئی، یا سرے سے رکاوٹ ہی نہیں ہوئی اور اس نے تمتع کا احرام باندھا ہے، یعنی عمرہ کا احرام باندھا اور اسے کر کے احرام سے آزاد ہونے کا ارادہ ہے، اور

پھر وقت پر حج کا احرام باندھے گا، اس کے لئے ایک دم شکر واجب ہے، جو حج کا احرام باندھنے کے بعد حرم میں ذبح کیا جائے گا، اس کے لئے ۱۰/ ذی الحجہ بہتر ہے، اور اگر وہ کسی وجہ سے قربانی کرنے سے مجبور ہے، جانور نہیں ہے، یا پاس میں رقم نہیں ہے، تو اس کو چاہئے کہ حج کا احرام زیادہ سے زیادہ ۵/ ذی الحجہ کو باندھ لے، اور ۶/ ۷/ ۸/ کو روزہ رکھے، اس سے پہلے بھی احرام باندھ کر رکھ سکتا ہے، ۹/ کو روزہ رکھنا جائز تو ہے مگر مکروہ ہے، اور ۷/ روزے حج سے فراغت کے بعد رکھے۔

حج تمتع وہی شخص کر سکتا ہے، جو حرم کا رہنے والا نہ ہو، جس نے حج قران کا احرام باندھا ہو اس کے لئے بھی یہی حکم ہے۔

حج کا وقت شوال، ذوقعدہ اور ذی الحجہ کے دس دن ہیں، جس نے ان دنوں میں حج کا احرام باندھا، وہ حالت احرام میں نہ جماع کرے اور نہ اس کی گفتگو بیوی سے کرے، نہ معصیت کا ارتکاب کرے اور نہ جھگڑا کرے، اچھے اعمال اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں۔ اور حج کا سامان سفر توشہ وغیرہ ساتھ میں لے لیا کرو، اتنا سامان بہتر ہے کہ لوگوں کے سامنے ہاتھ نہ پھیلانا پڑے، اور عقل والو! مجھی سے ڈرو، حج کے سفر میں تلاشِ رزق میں کوئی حرج نہیں، تجارت اور خرید و فروخت کر سکتے ہو، اور عرفات سے لوٹو تو مزدلفہ میں مشعر حرام کے پاس رات گزارنے کے بعد وقوف کرو، اور اس میں خوب اللہ کا ذکر کرو، اور ہاں اے اہل مکہ! تم کو بھی وہیں سے لوٹنا ہے، جہاں سے لوگ لوٹتے ہیں، یعنی عرفات سے اس مسئلے میں تمہاری خصوصیت نہیں ہے، اور اللہ کے حضور میں استغفار کرتے رہو، وہ غفور رحیم ہے، جب حج کے فرائض ادا کر چکو تو منیٰ میں رہ کر اللہ کو یاد کرو، اس طرح جیسے پہلے اپنے باپ دادوں کو یاد کیا کرتے تھے بلکہ اس سے زیادہ! بعض لوگ صرف دنیا کی بھلائی چاہتے ہیں، ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے، اور بعض لوگ دنیا اور آخرت دونوں کی بھلائی اور جہنم سے پناہ مانگتے ہیں، انھیں ان کی عبادات کا ثواب ملتا ہے، اور اللہ جلد حساب لینے والے ہیں، اور رمی جمرات کے وقت اللہ کو یاد کرو یعنی **بسم اللہ اکبــــر** پڑھو، ایسا چند دن کرنا ہے یعنی ۱۱/ ۱۲/ ۱۳/ کو اگر کوئی دوسرے ہی دن رمی کر کے جانا چاہے تو جا سکتا ہے، اور کوئی تیسرے دن بھی رمی کر کے جائے تو بھی حرج نہیں، بشرطیکہ وہ اللہ سے ڈرتا ہو، اور اللہ سے ڈرو اور اچھی طرح جان لو کہ تم سب اسی کے پاس جمع کئے جاؤ گے۔

☆☆☆☆☆

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ ولا يعجبك في الآخرة لمخالفته لإعتقاده ﴿وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَافِيْ قَلْبِهٖ﴾ أنه موافق لقوله ﴿وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ﴾ شديد الخصومة لك ولأتباعك لعدواته لك وهو الاخنس بن شريق كان منافقاً

حلو الكلام للنبى ﷺ يحلف أنه مؤمن به ومحب له فيدنى مجلسه فأكذبه الله تعالىٰ فى ذٰلك ومرّ بزرعٍ وحمر لبعض المسلمين فأحرقه وعقرها ليلاً كما قال تعالىٰ ﴿وَإِذَا تَوَلّٰى﴾ انصرف عنك ﴿سَعىٰ﴾ مشى ﴿فِى الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ﴾ من جملة الفساد ﴿وَاللهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ﴾ أى لا يرضىٰ به ﴿وَإِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللهَ﴾ فى فعلك ﴿أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ﴾ حملته الأنفة والحمية على العمل ﴿بِالْإِثْمِ﴾ الذى أمر بإتقائه ﴿فَحَسْبُهٗ﴾ كافيه ﴿جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ﴾ الفراش هى ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ﴾ يبيع ﴿نَفْسَهُ﴾ أى يبذلها فى طاعة الله تعالىٰ ﴿ابْتِغَاءَ﴾ طلب ﴿مَرْضَاتِ اللهِ﴾ رضاه وهو صهيب لمّا آذاه المشركون هاجر إلى المدينة وترك لهم ماله ﴿وَاللهُ رَؤُوْفٌ بِالْعِبَادِ﴾ حيث أرشدهم لما فيه رضاه ونزل فى عبد الله بن سلام وأصحابه لمّا عظموا السبت وكرهوا الابل وألبانها بعد الاسلام ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا ادْخُلُوْا فِى السِّلْمِ﴾ بفتح السين وكسرها الاسلام ﴿كَافَّةً﴾ حال من السلم أى فى جميع شرائعه ﴿وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوَاتِ﴾ طرق ﴿الشَّيْطٰنِ﴾ أى تزيينه بالتفريق ﴿إِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾ بين العداوة ﴿فَإِنْ زَلَلْتُمْ﴾ ملتم عن الدخول فى جميعه ﴿مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْكُمُ الْبَيِّنَاتُ﴾ الحجج الظاهرة علىٰ أنه حق ﴿فَاعْلَمُوْا أَنَّ اللهَ عَزِيْزٌ﴾ لا يعجزه شئ عن انتقامه منكم ﴿حَكِيْمٌ﴾ فى صنعه ﴿هَلْ﴾ ما ﴿يَنْظُرُوْنَ﴾ ينتظر التاركون الدخول فيه ﴿إِلَّا أَنْ يَّأْتِيَهُمُ اللهُ﴾ أى أمره كقوله أو يأتى أمر ربك أى عذابه ﴿فِىْ ظُلَلٍ﴾ جمع ظلة ﴿مِّنَ الْغَمَامِ﴾ السحاب ﴿وَالْمَلٰئِكَةُ وَقُضِىَ الْاَمْرُ﴾ تم أمر إهلاكهم ﴿وَإِلَى اللهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ﴾ بالبناء للمفعول والفاعل فى الآخرة فيجازى۔

﴿ترجمــــــه﴾

(اور کوئی کوئی آدمی ایسا ہے کہ اس کی بات تم کو دنیاوی زندگی میں بھلی معلوم ہوتی ہے) اور آخرت میں بھلی معلوم نہ ہوگی، کیونکہ وہ اس کے اعتقاد کے خلاف ہے (اور وہ اللہ کو اپنے دل کی بات پر شاہد بناتا ہے) کہ وہ اس کے قول کے موافق ہے (اور وہ سخت جھگڑالو ہے) تمہارے حق میں بھی اور تمہارے پیروؤں کے حق میں بھی، کیونکہ وہ تمہارا دشمن ہے، یہ اخنس بن شریق تھا، یہ منافق تھا، نبی ﷺ سے میٹھی میٹھی باتیں کرتا تھا اور قسم کھایا کرتا تھا کہ وہ آپ پر ایمان رکھتا ہے، اور آپ سے محبت کرتا ہے، آپ اس کو اپنے قریب بیٹھاتے تھے، اللہ نے اسے جھوٹا قرار دیا۔

وہی آدمی رات میں بعض مسلمانوں کی کھیتی اور ان کے پالتو گدھوں کی طرف گزرا تو کھیتی میں آگ

لگا دی اور گدھوں کی کونچیں کاٹ دیں، اللہ نے اس کا حال ذکر فرمایا کہ (جب وہ تمہارے پاس سے لوٹتا ہے تو زمین میں اس لئے پھرتا ہے تاکہ اس میں خرابی پیدا کرے، اور کھیتی اور جانوروں کو برباد کرے) یہ منجملہ اس کی شرارتوں کے ایک ہے (اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا) یعنی اس پر راضی نہیں ہے (اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ) اپنے اس کام میں (اللہ کا خوف کرو تو اس کو غرورِ نفس) گناہ کے کام پر جس سے بچنے کے لئے کہا گیا تھا (پکڑ لیتا ہے، تو اس کو جہنم کافی ہے اور وہ برا بچھونا ہے، اور بعض آدمی ایسا ہے کہ وہ اپنے آپ کو اللہ کی رضامندی) کی طلب (میں فروخت کر دیتا ہے) یعنی اللہ کی طاعت میں اسے صرف کرتا ہے، یہ حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ ہیں، ان کو جب مشرکین مکہ نے ستایا تو انھوں نے مدینہ کی جانب ہجرت کی اور اپنا سارا مال کفار کے حوالے کر دیا (اور اللہ تعالیٰ بندوں پر مہربان ہیں) کہ انھیں ایسی بات کی ہدایت دی جس میں اس کی رضا ہے۔

اور عبد اللہ بن سلام اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں اگلی آیت نازل ہوئی، جبکہ انھوں نے یوم السبت کی تعظیم کو اور اونٹوں کی کراہیت کو برقرار رکھا (اے ایمان والو! پورے طور پر اسلام میں داخل ہو جاؤ) سلم سین کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ ہے، یعنی شریعت کے تمام احکام میں، **کافۃ**، **السلم** سے حال ہے (اور شیطان) کے راستوں (کی پیروی نہ کرو) یعنی شیطان جو اعمال میں تفریق کرنے کو بنا سنوار کر پیش کرتا ہے اس کے پیچھے نہ لگو (کیونکہ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے) اس کی عداوت ظاہر ہے (پس اگر پھسل جاؤ) یعنی پوری شریعت میں داخل ہونے سے منحرف ہو جاؤ (بعد اس کے کہ تمہارے پاس واضح دلائل آ گئے) اس بات پر کہ یہ حق ہے (تو سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ غالب ہیں) ان کو کوئی چیز انتقام لینے سے عاجز نہیں کر سکتی اپنے تصرف میں (حکیم ہے، کیا یہ لوگ انتظار کرتے ہیں) یعنی پوری شریعت میں نہ داخل ہونے والے کسی اور چیز کا انتظار نہیں کرتے (بجز اس کے کہ اللہ ان کے پاس آ جائے) یعنی اللہ کا امر آ جائے، ایک دوسری جگہ ارشاد ہے: **أو یاتی أمر ربک یعنی عذابہ** (بدلیوں کے سائبان میں) **ظلل ظلۃ** کی جمع ہے (اور فرشتے آ جائیں اور معاملہ کا فیصلہ کر دیا جائے) یعنی ان کی بربادی مکمل ہو جائے (اور اللہ کی جانب آخرت میں امور کو لوٹایا جانا ہے) پس وہ سزا دے گا، **ترجع** فعل مجہول بھی پڑھا گیا، اور فعل معروف بھی۔

﴿تشریحات﴾

ولا یعجبک فی الآخرۃ: بعض لوگ اتنے چرب زبان ہوتے ہیں کہ ان کا کلام اچھا معلوم ہوتا ہے، حتیٰ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان کا کلام بھلا معلوم ہونے لگتا ہے، لیکن آخرت میں وہ اچھا نہیں معلوم ہوگا، کیونکہ وہاں پتہ چلے گا کہ اس کا یہ کلام خواہ کتنا ہی شیریں ہو، اس کے دلی اعتقاد کے موافق نہ تھا، مشہور منافق اخنس بن شریق تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے خوب چکنی چپڑی باتیں کرتا تھا، اور قسمیں کھا کھا کر کہتا تھا کہ میں آپ پر سچے دل سے ایمان

رکھتا ہوں، آپ سے مجھے دلی محبت ہے، اس سے متاثر ہو کر آپ اس کو اپنے قریب جگہ دیتے تھے، مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے جھوٹ کی قلعی کھول دی۔ اس کی شرارت کا عالم یہ تھا کہ آپ کے پاس سے رات کو اٹھا اور مسلمانوں کی کچھ کھیتی اور کچھ جانوروں کو دیکھا تو مارے جلن اور غصہ سے کھیتی میں آگ لگا دی اور گدھوں کی کونچیں کاٹ دی۔

عقرھا :۔ باب ضرب سے زخمی کرنا، پاؤں کی شہ رگ کاٹ دینا، جس سے جانور مر جاتا ہے، عقر کے معنی ذبح اور نحر بھی ہے۔

من جملة الفساد :۔ یعنی یہی اس کا کل فساد نہیں ہے، اس کے فسادوں اور خرابیوں میں سے ایک ہے۔

حملته الانفة و الحمية :۔ اس کا غرورِ نفس اور غیرت جاہلیت اسے مزید گناہ پر آمادہ کر دیتی ہے، متکبر آدمی کا یہی حال ہوتا ہے۔

الفراش ھی :۔ **ھی** مخصوص بالذم ہے، جو **لبئس المھاد** کے بعد محذوف ہے، **مھاد** کے معنی بچھونا ہے۔

یبذلھا فی طاعة الله :۔ باب نصر سے ہے، بخوشی کسی چیز کو صرف کرنا، دوسرے کو دینا، یہ لوگ خوشی خوشی اپنی جان اللہ کی طاعت میں لگاتے ہیں۔

وترک لھم مالہ :۔ **یشری** کا ایک ترجمہ تو وہ ہے جو اوپر لکھا گیا، یعنی بیچنا، اس کے لحاظ سے تفسیر کی گئی تھی کہ **یبذلھا فی طاعة الله**، یعنی اللہ کی طاعت میں بخوشی اپنے نفس کو لگاتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ خدا کے ہاتھ اسے فروخت کر دیتے ہیں۔ اب وہ خود اپنا کوئی تصرف نہیں کرتے۔

لیکن **وترک لھم مالہ** کہہ کر ایک دوسری تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے، وہ یہ کہ **یشری** کے معنی یہاں **یشتری** کے ہیں، حضرت صہیب نے جب ہجرت کرنی چاہی تو کفار مانع ہوئے، انھوں نے اپنا سب مال دے کر اپنے آپ کو ان کے ہاتھ سے خرید لیا اور مدینہ پہونچے۔

ونزل فی عبد الله بن سلام و أصحابه :۔ حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ یہودی عالم تھے، وہ مسلمان ہوئے، ان کے ساتھ اور بھی یہودی مسلمان ہوئے، یہ حضرات مخلص تھے، لیکن چونکہ یہ لوگ پہلے ایک اور شریعت پر تھے، اس لئے مسلمان ہونے کے بعد بھی پچھلی شریعت کے بعض احکام پر کاربند رہے، یہ سمجھ کر کہ یہ اسلام کے احکام کے خلاف نہیں ہے، مثلاً یہود کے مذہب میں یوم سبت کی تعظیم ہے، اور اونٹ کا گوشت اور دودھ حرام ہے، ان حضرات نے یہ خیال کیا کہ شریعت موسوی میں سنیچر کی تعظیم فرض ہے، اور شریعت محمدی میں اس کی بے تعظیمی واجب نہیں ہے، لہٰذا ہم عملاً اس کی تعظیم پر برقرار رہیں، مچھلی وغیرہ کا شکار نہ کریں، اور اعتقاد وہی رکھیں جو شریعت محمدی کا ہے، تو دونوں شریعتوں میں توافق ہو جائے گا۔ اسی طرح شریعت موسوی میں اونٹ کا گوشت اور دودھ حرام ہے، اور شریعت محمدی میں اس کا استعمال واجب نہیں ہے، پس اسے حرام تو نہ سمجھیں لیکن استعمال بھی نہ

کریں۔اس پر اللہ تعالیٰ نے نکیر فرمائی،شریعت محمدی کے تمام احکام کو اختیار کرو۔ان میں تفریق نہ کرو۔

کـافةً :۔یہ السلـم سے حال ہے،یعنی اس کے تمام احکام میں داخل ہو،راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ کـافةً ، أدخلـوا کی ضمیر سے بھی حال ہوسکتا ہے،تب اس کے معنی یہ ہوں گے کہ تم اسلام میں پورے طور پر داخل ہو جاؤ، کچھ اسلام میں اور کچھ دوسرے مذہب میں نہ رہو،یہ احتمال قریب ہے، کیونکہ ذوالحال میں کوئی تاویل نہیں کرنی ہوگی۔

تزیینه :۔یہ خطوات کی تفسیر نہیں ہے بلکہ یہ لفظ محذوف ہے،یعنی تزیین خطوات الشیطٰن ،یعنی شیطان جو اپنی راہ کو مزین کر کے پیش کرتا ہے تو اس کے دھوکے میں نہ آؤ۔

بـالتـفـریق :۔باء ملابست کے لئے ہے،یعنی شیطان کی تزئین تفریق احکام کے ساتھ ہے کہ بعض چیزوں کو اچھا کر کے پیش کرتا ہے حالانکہ وہ اچھی نہیں ہیں،اور بعض احکام جو برحق ہیں ان سے منحرف کر دیتا ہے۔

بین العداوۃ :۔مبین کی تفسیر بین سے مفسر نے اس لئے کی ہے کہ یہ مبین ، أبان فعل لازم کا فاعل ہے، أبان فعل متعدی بھی ہوتا ہے،بین کا لفظ لا کر مفسر نے تنبیہ کر دی کہ یہ فعل متعدی سے مشتق نہیں ہے۔

هل ما ینظرون :۔ هل ینظرون میں استفہام انکار وتوبیخ کے لئے ہے،اسی لئے ما سے تفسیر کی۔

ینتظر التارکون :۔ التارکون ،ینظرون کے فاعل ضمیر جمع کی تفسیر ہے،اس کے بجائے اگر الزالون کہے ہوتے تو قرآن کے لفظ کے مناسب ہوتا۔

السحاب:۔سفید ہلکی بدلی جو رحمت لایا کرتی ہے۔

تـرجـع :۔فعل معروف بھی ہے،اس صورت میں یہ فعل لازم ہوگا،اس کا مصدر رجـوع ہے،اور فعل مجہول بھی ہے،اس صورت میں فعل متعدی ہے،اس کا مصدر رجع ہے، بمعنی لوٹانا۔

﴿مضامین آیات وتفسیر﴾

پہلے دو طرح کے آدمیوں کا ذکر ہوا تھا،ایک وہ جو صرف دنیا کی بھلائی کا طالب ہے،دوسرے وہ جو دنیا اور آخرت دونوں کی بھلائی کا طالب ہے۔ایک محض دنیا دار ہے،اور ایک خالص دیندار ہے۔ان آیتوں میں دو قسمیں اور ذکر کی گئی ہیں۔ایک وہ جو ظاہراً دیندار ہے لیکن باطناً دنیا دار ہے،ایسا شخص منافق ہوتا ہے، یہ خوب میٹھی میٹھی باتیں کرتا ہے،بات بات پر قسم کھاتا ہے، سننے والوں کو اس کی باتیں خوب لبھاتی ہیں،لیکن حقیقت میں وہ صرف زبان کا قول ہوتا ہے،دل کا اعتقاد نہیں ہوتا۔تنہائیوں میں ان کے دل کی شرارت اور خباثت ظاہر ہوتی ہے، چنانچہ جب موقع ملتا ہے تو ہر طرح کی خرابی ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں،اور تکبر کا عالم یہ ہوتا ہے کہ اگر ان سے کوئی کہہ دے کہ اللہ سے ڈرو تو ایک دم آگ بگولہ ہو جاتے ہیں،اور پھر ضد میں آکر وہی کام کرتے ہیں جس سے ان کو منع کیا گیا ہوگا،ایسے لوگوں کی اصلاح مشکل ہے،ان کی سزا کے لئے جہنم ہی مناسب اور کافی ہے۔

اور دوسرا آدمی وہ ہے جو نہ صرف یہ کہ دیندار ہے بلکہ دنیا کو اپنی نظر سے ساقط کر چکا ہے، وہ دنیا سے منہ موڑے ہوئے ہے، ایسے بندوں پر اللہ کی مہربانیاں بہت ہیں۔

پھر ایک عام حکم ہو رہا ہے کہ اسلام کو پورے طور پر تھامو اور اس سے منحرف ہو کر شیطان کی پیروی نہ کرو، وہ کھلا ہوا دشمن ہے، اور اگر کوئی شخص ایسا کرتا ہے تو اسے اللہ کے فیصلے سے ڈرنا چاہئے، اس لئے کہ سب کاموں کا اختیار اسے ہی ہے۔

☆☆☆☆☆

﴿ سَلْ ﴾ یا محمد﴿ بَنِی اِسْرَائِیْلَ ﴾ تبکیتاً﴿ کَمْ آتَیْنٰھُمْ﴾ کم استفهامية معلقة لسل من المفعول الثاني وهي ثاني مفعولي آتينا ومميزها﴿ مِنْ آيَةٍ بَيِّنَةٍ ﴾ ظاهرة كفلق البحر وإنزال المن والسلوىٰ فبدلوها كفراً ﴿ وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللهِ ﴾ أى ما أنعم به عليه من الآيات لأنها سبب الهداية ﴿ مِنْ بَعْدِ مَاجَاءَ تْهُ﴾ كفراً ﴿ فَإِنَّ اللهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ له ﴿زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ من أهل مكة ﴿الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا﴾ بالتمويه فأحبوها﴿ وَ﴾ هم﴿ يَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا ﴾ لفقرهم كعمار وبلال وصهيب أى يستهزؤن بهم ويتعالون عليهم بالمال ﴿وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا﴾ الشرك وهم هٰؤلآء ﴿فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَاللهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾أى رزقاً واسعاً في الآخرة أوالدنيا بأن يملك المسخور منهم أموال الساخرين ورقابهم ﴿ كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً ﴾ على الايمان فاختلفوا بأن آمن بعض وكفر بعض ﴿فَبَعَثَ اللهُ النَّبِيِّيْنَ﴾ إليهم ﴿ مُبَشِّرِيْنَ﴾ من آمن بالجنة ﴿وَمُنْذِرِيْنَ﴾ من كفر بالنار﴿وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ﴾ بمعنى الْكُتُبِ﴿بِالْحَقِّ﴾ متعلق بأنزل﴿لِيَحْكُمَ ﴾ به ﴿ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَااخْتَلَفُوْا فِيْهِ﴾ من الدين ﴿وَمَااخْتَلَفَ فِيْهِ ﴾ أى الدين ﴿ إِلَّاالَّذِيْنَ أُوْتُوْهُ﴾ أى الكتب فآمن بعض وكفر بعض﴿ مِنْ بَعْدِ مَاجَاءَ تْهُمُ الْبَيِّنٰتُ﴾الحجج الظاهرة على التوحيد ومن متعلقة باختلف وهي وما بعدها مقدم على الاستثناء في المعنى ﴿بَغْياً﴾ من الكافرين ﴿بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ ﴾للبيان﴿الْحَقِّ بِإِذْنِهٖ﴾ بإرادته ﴿ وَاللهُ يَهْدِیْ مَنْ يَّشَاءُ﴾ هدايته ﴿إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ طريق الحق ونزل في جهد أصاب المسلمين ﴿أَمْ﴾ بل أ ﴿حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوْا الْجَنَّةَ وَلَمَّا﴾ لم ﴿يَاتِكُمْ مَثَلُ ﴾ شبه ما أتى ﴿الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ﴾من المؤمنين من المحن فتصبروا كما صبروا ﴿مَّسَّتْهُمُ﴾ جملة مستانفة مبينة لماقبلها﴿الْبَاسَآءُ ﴾ شدة الفقر﴿ وَالضَّرَّآءُ﴾المرض﴿ وَزُلْزِلُوْا﴾ ازعجوا بأنواع البلاء

﴿حَتّٰى يَقُوْلَ﴾ بالنصب والرفع أى قال ﴿الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا مَعَهٗ﴾ استبطأ للنصر لتناهى الشدة عليهم ﴿مَتٰى﴾ ياتى ﴿نَصْرُ اللّٰهِ﴾ الذى وعدناه فأجيبوا من قبل الله تعالىٰ ﴿أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ﴾ إتيانه ﴿يَسْئَلُوْنَكَ﴾ يا محمد ﴿مَاذَا﴾ أى الذى ﴿يُنْفِقُوْنَ﴾ والسائل عمرو بن الجموح وكان شيخاً ذامالٍ فسأل النبى ﷺ عما ينفق وعلىٰ من ينفق ﴿قُلْ﴾ لهم ﴿مَآ أَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ﴾ بيان لما شامل للقليل والكثير وفيه بيان المنفق الذى هو أحد شقى السوال وأجاب عن المصرف الذى هو الشق الآخر بقوله ﴿فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ﴾ أى هم أولىٰ به ﴿وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ﴾ إنفاقٍ وغيره ﴿فَإِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ﴾ فمجازٍ عليه ﴿كُتِبَ﴾ فرض ﴿عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ﴾ للكفار ﴿وَهُوَ كُرْهٌ﴾ مكروه ﴿لَّكُمْ﴾ طبعاً لمشقته ﴿وَعَسٰى أَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئاً وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسٰى أَنْ تُحِبُّوْا شَيْئاً وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ﴾ لميل النفس إلى الشهوات الموجبة لهلاكها ونفورها عن التكليفات الموجبة لسعادتها فلعل لكم فى القتال وإن كرهتموه خيراً لأن فيه إما الظفر والغنيمة أو الشهادة والاجر وفى تركه وإن احببتموه شراً لأن فيه الذل والفقر وحرمان الاجر ﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ﴾ ما هو خير لكم ﴿وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ ذٰلك فبادروا إلىٰ مايامركم به۔

﴿ترجمـــــه﴾

اے محمد (تم پوچھو بنی اسرائیل سے) انھیں چپ کرنے کے لئے (کہ ہم نے ان کو کتنی واضح نشانیاں دی تھیں) کم استفہامیہ ہے، جو سل کے مفعول ثانی پر عمل کرنے سے مانع ہے، اور وہ خود آتینا کا دوسرا مفعول ہے، اور کم کی تمیز ہے مِنْ آيَةٍ بَيِّنَةٍ، واضح نشانیاں، جیسے سمندر پھاڑ کر راستہ نکال دینا، من وسلویٰ کا اتارنا، لیکن ان لوگوں نے ان نشانیوں کے عوض کفر کی راہ اختیار کی (اور جو اللہ کی نعمت کو اس کے آجانے کے بعد) کفر سے (بدلے تو اللہ تعالیٰ) اس کے حق میں (سخت سزا دینے والے ہیں) اللہ کی نعمت سے مراد وہ واضح نشانیاں ہیں جو اللہ نے انعام فرمائی ہیں، انعام اس لئے کہ وہ ہدایت کا ذریعہ ہیں۔

(کافروں) یعنی اہل مکہ (کے لئے دنیاوی زندگی مزین کردی گئی ہے) اس لئے وہ اسے چاہتے ہیں اور) وہ (ایمان والوں) مثلاً بلال، عمار اور صہیب (سے) ان کے فقر کی وجہ سے (استہزاء کرتے ہیں) اور مال کی وجہ سے ان پر برتری ظاہر کرتے ہیں (اور وہ لوگ جو) شرک سے (بچے) اور وہ یہی لوگ ہیں (قیامت کے دن ان کے اوپر ہوں گے، اور اللہ جس کو چاہتا ہے روزی بے حساب دیتا ہے) یعنی آخرت میں کشادہ روزی دیتا ہے، یا دنیا ہی میں پھیلی ہوئی روزی دیتا ہے، اس طرح کہ جن کا استہزاء کیا گیا انھیں ان استہزاء کرنے والوں کے

اموال اوران کی ذات کا مالک بنا دیتا ہے۔

(لوگ) ایمان لانے میں (ایک ہی جماعت تھے) پھر اختلاف کیا کہ بعض ایمان پر رہے اور بعض نے کفر کیا (پھر اللہ نے) ان کی طرف (انبیاء کو اٹھایا (جو کہ) ایمان لانے والوں کو جنت کی (بشارت دینے والے اور) کفر کرنے والوں کو (جہنم سے ڈرانے والے ہیں اور ان کے ساتھ کتابیں اتاری حق کے ساتھ تا کہ اس کے مطابق لوگوں کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کرے جس میں انھوں نے اختلاف کیا) یعنی دین کی حقانیت کا (اور اس میں) یعنی دین میں (نہیں اختلاف کیا مگر انھیں لوگوں نے جن کو وہ) یعنی کتاب (دی گئی) پس بعض ایمان لائے اور بعض نے کفر کیا، اور یہ سب (اس کے بعد کہ ان کے پاس) توحید کے اوپر (واضح دلائل آ گئے) **مِنْ بَعْدِ مَاجَاءَ تْهُم** ،**وَمَا اخْتَلَفَ** سے متعلق ہے، اور وہ اور اس کا مابعد معنی کے لحاظ سے استثناء پر مقدم ہے (آپس کی ضد کی وجہ سے، پھر اللہ نے اپنے ارادے سے ایمان والوں کو اس حق کی ہدایت دی جس میں ان لوگوں نے اختلاف کیا تھا، اور اللہ جس) کی ہدایت (کو چاہتا ہے سیدھی راہ کی ہدایت دیتا ہے)

اور اگلی آیت ان مصائب کے سلسلے میں نازل ہوئی جن میں اہل اسلام کو مبتلا ہونا پڑا تھا (بلکہ کیا تم نے سمجھا تھا کہ جنت میں داخلہ پا جاؤ گے، حالانکہ ابھی تک تم پر ان جیسے حالات نہیں آئے ہیں جیسے ان لوگوں پر آئے، جو تم سے پہلے گزرے ہیں) یعنی پچھلے مومنین پر جو مشقتیں آئیں کہ تم بھی اسی طرح صبر کرو، جیسے انھوں نے صبر کیا تھا (وہ تنگدستی، فقر و فاقہ اور امراض کی شدت میں مبتلا ہوئے اور) مختلف بلاؤں میں (وہ جھنجھوڑے گئے) یہ جملہ مستانفہ ہے اور اپنے ماقبل کا بیان ہے (یہاں تک کہ رسول نے اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے تھے انھوں نے) یہ سمجھتے ہوئے کہ مدد کے آنے میں تاخیر ہو رہی ہے، کیونکہ شدائد انتہا کو پہونچ گئے ہیں (کہا) **یقول** نصب کے ساتھ ہے، اور رفع کے ساتھ بھی، انھوں نے کہا (کہ کب اللہ کی مدد آئے گی) جس کا ہم سے وعدہ کیا ہے، تو اللہ کی طرف سے جواب مرحمت فرمایا گیا (سنو! اللہ کی مدد قریب ہے) یعنی اس کا آنا قریب ہی ہے۔

اے محمد (تم سے پوچھتے ہیں کہ کیا چیز خرچ کریں) یعنی وہ مال بتائیے، جسے اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے، پوچھنے والے حضرت عمرو بن جموح ﷛ تھے جو ایک مال دار بوڑھے تھے، انھوں نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا تھا کہ کون سا مال خرچ کریں؟ اور کن لوگوں پر خرچ کریں؟ (تم ان سے کہو کہ جو بھی مال تم نے خرچ کیا) **من خیر**، **ماأنفقتم** کا بیان ہے، جو قلیل و کثیر دونوں کو عام ہے، اور اس میں خرچ کئے جانے والے مال کا بیان ہے، جو سوال کا ایک جز ہے، اور کن پر خرچ کریں یعنی مصرف کے متعلق جواب، جو کہ دوسرا جز ہے، ان الفاظ میں جواب دیا کہ (وہ والدین کیلئے ہے، اور رشتہ داروں کیلئے ہے، یتیموں اور مساکین کیلئے، اور مسافروں کیلئے ہے) یعنی یہ لوگ اس کے زیادہ مستحق ہیں (اور جو کچھ تم بھلا کام کرتے ہو) یعنی دوسروں پر خرچ کرنا وغیرہ (اللہ

تعالیٰ اسے جانتا ہے) وہ اس کی جزا عطا فرمائے گا (تم پر قتال فرض کیا گیا ہے) یعنی کفار سے جنگ کرنی (اور وہ تم پر) دشوار ہونے کی وجہ سے طبعًا (گراں ہے، اور ہوسکتا ہے کہ تم کسی چیز کو گراں سمجھو، حالانکہ وہ تمہارے حق میں بہتر ہو، اور ہوسکتا ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو، حالانکہ وہ تمہارے لئے شر ہو) کیونکہ نفس کا میلان عموماً شہوات وخواہشات کی طرف ہوتا ہے، جو اس کی ہلاکت کا باعث ہوتی ہیں، اور وہ ان تکلیفات سے بھاگتا ہے، جو اس کی سعادت کے سامان ہوتے ہیں، پس ہوسکتا ہے کہ تمہارے حق میں قتال وجنگ میں ہی، گوکہ وہ تم پر گراں ہے، خیر ہو، کیونکہ اس پر اجر عظیم ہوگا، اور جنگ کے ترک میں اگرچہ وہ تمہیں مرغوب ومحبوب ہے، شر ہو، کیونکہ اس میں ذلت وفقر ہے، اور اجر سے محرومی ہے (اور) جو کچھ تمہارے لئے خیر ہے، اسے (اللہ جانتے ہیں، اور تم اس کو نہیں جانتے) اس لئے اللہ تعالیٰ جس چیز کا تم کو حکم دیتے ہیں، اس کے کرنے میں سبقت کرو۔

﴿تشریحات﴾

تبکیتاً:۔ رسول اللہ ﷺ سے فرمایا گیا کہ بنی اسرائیل سے پوچھو، تو یہ پوچھنا، اس لئے نہیں کہ آپ کو یہ بات معلوم نہیں ہے، ان سے پوچھ کر معلوم کیجئے، کیونکہ آپ کو تو وحی الٰہی کے ذریعے سب باتیں معلوم ہی تھیں، پوچھنے کا یہ حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ وہ اپنی گمراہیوں پر متنبہ ہوں، اور جو کٹ حجتیاں وہ کیا کرتے تھے اس میں لاجواب ہوں، اور ان کی سرزنش ہو، تبکیت کے معنی لاجواب کرنا۔

کم استفھامیۃ:۔ کَمْ آتَیْنٰھُمْ میں کَمْ استفہام تقریری ہے، استفہام تقریری کا مطلب یہ ہے کہ اس سے آدمی اقرار کرنے پر مجبور ہوجائے۔ تبکیت استفہام تقریری کے منافی نہیں ہے۔

معلقۃ لسل من المفعول الثانی:۔ استفہام چونکہ صدر کلام میں آتا ہے، اس لئے اس کا ماقبل اس میں عمل نہیں کرتا، پس سل کا عمل اس پر وارد نہیں ہوگا جبکہ وہ سل کے مفعول ثانی کے محل پر ہے، اس کا پہلا مفعول بنی اسرائیل ہے، عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ کم استفہامیہ نے مفعول ثانی سے سل کے عمل کو معلق کردیا ہے، یعنی روک دیا ہے۔

وھی ثانی مفعولی آتینا:۔ اور یہ کم، آتینا کا مفعول ثانی ہے، اس کا مفعول اوّل ھم ضمیر ہے، اور کم استفہامیہ کی تمیز من آیۃ بینۃ ہے۔

فبدلوھا کفراً:۔ جو واضح نشانیاں بنی اسرائیل کو عطا فرمائی گئی تھیں، جن کے بارے میں سوال کرنے کا حکم دیا گیا ہے، ان کا تقاضا یہ تھا کہ وہ ان نعمتوں کا شکر ادا کرتے، اور ان پر برقرار رہتے، اور جہاں یہ دولت ملتی، اس کی طرف سبقت کرتے، مگر سوال کا لہجہ بتا رہا ہے کہ انھوں نے شکر ادا نہیں کیا، اسی لہجے کی ترجمانی میں مفسر فبدلوھا کفراً کا لفظ تحریر کیا ہے، اور اس کا لفظی قرینہ آگے بھی موجود ہے، اور وہ ہے: وَمَنْ یُّبَدِّلْ نِعْمَۃَ

اللہِ الخ،

لإنها سبب الهداية :۔آیات کو نعمت اس لئے فرمایا کہ وہ ہدایت کیلئے سبب ہیں۔

کفراً :۔یہ وَمَنْ یُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللہِ کا مفعول ثانی ہے، تبدیل دو مفعول کو چاہتا ہے، ایک وہ جس کو بدلا گیا، اور دوسرے وہ جس سے بدلا گیا۔

﴿فَإِنَّ اللہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ﴾ له :۔مفسر نے فَإِنَّ اللہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ کے بعد له کا اضافہ کیوں فرمایا؟

جواب: وَمَنْ یُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللہِ الخ شرط ہے، اور شرط کے لئے جزا چاہئے، لیکن جزا میں کوئی لفظ ضروری ہے جو اس کو شرط کے ساتھ مربوط کر سکے، یہاں فَإِنَّ اللہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ محل جزا پر ہے، مگر اس میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جو اسے شرط کے ساتھ مربوط کر سکے، تو مفسر نے فرمایا کہ یہاں رابط له ہے جس کی ضمیر شرط کی جانب راجع ہے۔

بالتمویه :۔باء سببیہ ہے، تمویہ کے معنی کسی چیز کے ظاہر کو مزین کرنا ہے، چونکہ دنیا بظاہر بہت رنگین اور رعنائی وزیبائی لئے ہوئے ہے، اس لئے کم نظر لوگ اس پر فریفتہ ہیں۔

﴿وَ﴾ هم ﴿یَسْخَرُوْنَ﴾ :۔ یَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِیْنَ آمَنُوْا یہ جملہ حالیہ ہے، لیکن فعل مضارع کا حال بنانا اسی وقت صحیح ہوتا ہے جبکہ اس سے پہلے مبتدا ہو، یعنی وہ جملہ اسمیہ ہونا چاہئے، اسی لئے مفسر نے وهم مبتدا کو مقدر مانا ہے۔

بأن یملك المسخور منهم :۔رزق بغیر حساب کی ایک صورت یہ ہے کہ جن کا استہزاء کیا گیا ہے، وہ استہزاء کرنے والوں کی ذات اور ان کے مال کے منجانب اللہ مالک ہو جاتے ہیں، مثلاً جنگ ہو اور یہ لوگ غلام بنا لئے جائیں اور ان کا مال، مالِ غنیمت بن جائے۔

﴿الْکِتٰبَ﴾ بمعنی الْکُتُبِ :۔ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْکِتٰبَ میں الکتاب پر الف لام جنس بمعنی استغراق ہے، اس سے مراد وہ سب کتابیں ہیں، جو رسولوں پر اتاری گئی تھیں، اس کی صراحت مفسر نے اس لئے کی کہ بعض لوگوں نے الکتاب سے مراد صرف توریت کو قرار دیا ہے، مفسر نے اس کی تردید کر دی۔

فآمن بعض و کفر بعض :۔مفسر علام نے اختلف فیه کا مصداق متعین کیا ہے کہ یہ اختلاف جو لوگوں میں کتاب کے اترنے اور علم حاصل ہونے کے بعد ہوا، یہ کفر و ایمان کا اختلاف تھا، اور یہ مذموم ہے، اس اختلاف کے دائرے میں وہ اختلاف نہیں آتا جو مجتہدین کے درمیان احکام فرعیہ میں ہوتا ہے، وہ مذموم نہیں ہے۔

ومن متعلقة باختلف وهی وما بعدها مقدم علی الاستثناء فی المعنی :۔وَمَا اخْتَلَفَ فِیْهِ إِلَّا الَّذِیْنَ أُوْتُوْهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَیِّنٰتُ آیت کریمہ کے اس جزء کی ترکیب بتاتے ہیں کہ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَیِّنٰتُ کا تعلق أُوْتُوْهُ سے نہیں وَمَا اخْتَلَفَ سے ہے، اور اس لحاظ سے یہ پورا حصہ یعنی مِنْ بَعْدِ

مَـاجَاءَ تْھُمُ الْبَیِّنٰت بَغْیاً بَیْنَھُمْ معنوی لحاظ سے اِلَّاالَّذِیْن استثناء سے پہلے آجائے گا، یعنی وَمَااخْتَلَفَ فِیْہِ مِنْ بَعْدِ مَاجَاءَ تْھُمُ الْبَیِّنٰتُ بَغْیاً بَیْنَھُمْ اِلَّاالَّذِیْنَ اُوْتُوْہُ۔

أم بـل أحسبتـم :۔أم کی تفسیر میں بـل أذکرکر کے مفسر نے بتایا کہ یہ ام منقطعہ ہے، یہاں بـل اور أ ہمزہ استفہام دونوں مقدر ہیں، بـــل تو ایک بات سے دوسری بات کی جانب انتقال کے لئے ہے، اور ہمزہ انکار وتوبیخ کے لئے ہے۔

شبه ما أتی ﴿الَّذِیْنَ﴾ :۔حق تعالیٰ نے فرمایا کہ أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوْا الْجَنَّةَ وَلَمَّایَاتِکُمْ مَثَلُ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِکُمْ ،اس کا ظاہری ترجمہ یہ ہے کہ کیا تم نے سمجھ لیا ہے کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے، حالانکہ ابھی تمہارے پاس ان لوگوں جیسا نہیں آیا ہے، جو تم سے پہلے گزرے۔اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اگلوں جیسے لوگ تمہارے پاس نہیں آئے، حالانکہ یہ مطلب نہیں ہے، اس عبارت کا مقتضا یہ ہے کہ الـــذیـــن سے پہلے ایک مضاف محذوف ہو، مفسر نے اس کو مـــاأتـــی الـــذیـن کہہ کر ظاہر کیا ہے، اور شبـــه ، مثـل کی تفسیر ہے، یعنی وَلَـمَّـایَـاتِکُمْ مَثَلُ (ماأتی) الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِکُمْ ،یعنی جو تم سے پہلے گزرے ہیں، ان پر جو حالات آئے تھے ان کے جیسے حالات ابھی تم پر نہیں آئے ہیں۔

من المؤمنین من المحن :۔من المؤمنین، الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِکُم ،کا بیان ہے، اور من المحن ، ماأتی الذین کا بیان ہے۔

فتـصبـروا کما صبروا :۔اس کا عطف لما کے مدخول یاتکم پر ہے، اور یہ بھی نفی کے تحت ہے، یعنی لما یـاتـکـم مثـل ماأتاھم ولم تصبروا ،مطلب یہ ہے کہ اگلوں پر جیسے حالات آئے تھے وہ ابھی تم پر نہیں آئے ہیں، اور نہ تم نے ابھی وہ صبر وضبط کیا ہے۔

جـمـلة مستانفة :۔یہ جملہ یعنی مَّسَّتْھُـمُ الْبَـاسَـآءُ وَالضَّرَّآءُ جملہ مستانفہ ہے، اس میں اگلے لوگوں پر جو حالات پیش آئے، ان کا بیان اور ان کی تفصیل ہے۔

بـالـنصب والرفع :۔ حتیٰ بمعنی إلیٰ ہے، اور اس کے بعد أن مقدر ہے، اس لئے یقول منصوب ہے، اور دوسری قرأت میں وہ مرفوع ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یقول فعل حال ہے، اور حتیٰ کے بعد جب فعل ہو اور اس میں زمانۂ حال پایا جاتا ہو تو وہ منصوب نہیں ہوتا، مرفوع ہوتا ہے۔

أی الذی ینفقونه :۔ماذا ینفقون میں ذا اسم موصول ہے، الذی کے معنی میں، اور صلہ میں ایک ضمیر ہوتی ہے، جو یہاں محذوف ہے، مفسر نے ینفقونه کہہ کر اسے ظاہر کیا ہے۔

فسـأل الـنبـی ﷺ عـمـا ینفق وعلیٰ من ینفق :۔مفسر نے فرمایا کہ سوال کرنے والے نے یہاں دو

سوال کئے تھے۔اول یہ کہ کیا خرچ کریں، دوسرے یہ کہ کن لوگوں پر خرچ کریں؟ حق تعالیٰ نے دونوں سوال کے جواب دیئے، پہلے سوال کا اجمالاً، اور دوسرے کا جواب تفصیلاً۔

بیان لما شامل للقلیل والکثیر: ۔ما أنفقتم من خیرٍ ، یہ کیا خرچ کریں؟ کا اجمالی جواب ہے، اس میں ما عام ہے، اس میں قلیل وکثیر سب شامل ہیں، یعنی جو بھی خرچ کرو، کم ہو یا زیادہ بہر حال اللہ کے یہاں معتبر ہے، اور دوسرے سوال کا تفصیلی جواب فللوالدین والاقربین والیتمی الخ سے دیا، اور اس اجمال وتفصیل میں حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ کیا خرچ کریں؟ سے زیادہ اہم یہ ہے کہ کس پر خرچ کریں، اس پر اہتمام سے دھیان دینا چاہئے۔

أی ھم أولیٰ بہ: ۔یہی لوگ اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ ان پر خرچ کیا جائے، یہ کہہ کر مفسر نے اشارہ کیا کہ یہ مسئلہ نفقاتِ واجبہ کا نہیں ہے بلکہ نفقاتِ نافلہ کا ہے، نفقاتِ نافلہ میں زیادہ استحقاق رکھنے والے یہی لوگ ہیں، اور غالباً ان میں ترتیب مذکور بھی ملحوظ ہے۔

وھو کرہ لکم طبعاً: ۔جہاد وقتال کو حق تعالیٰ نے گراں فرمایا، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اہل ایمان اس حکم کی تعمیل میں کوتاہی کرتے تھے، بلکہ یہ ہے، چونکہ اس میں مشقت ہے، اس لئے انسانی طبیعت پر بھاری پڑتا ہے، طبیعت کا کسی چیز کا بھاری پڑنا جبکہ اس کو خوش دلی سے انجام دینے کے لئے آدمی تیار ہو، مذموم نہیں ہے، اور نہ ان دونوں میں کچھ منافات ہے۔

لمیل النفس إلی الشھوات الموجبۃ لھلاکھا: ۔انسانی طبیعت عموماً ایسی خواہشات کے پیچھے دوڑتی ہے جن میں پڑ کر آدمی اور آدمیت کی بربادی ہوتی ہے، اور جن احکام واعمال میں اس کی دائمی سعادت مضمر ہوتی ہے، ان سے انسانی نفس بھاگتا ہے، تو لڑائی اگرچہ گراں ہے، مگر وہ سراپا خیر وبرکت ہے، کیونکہ یا تو فتح ونصرت ہوگی، اور مال غنیمت ہاتھ آئے گا، ورنہ شہادت جیسی نعمت عظمیٰ حاصل ہوگی، اور آدمی اجرِ عظیم کا مستحق ہوگا، اور لڑائی سے جی چرانے میں، اگرچہ وہ طبیعت کو پسند ہے لیکن اس میں شر ہے، کیونکہ جب دشمن کے مقابلہ سے آدمی بیٹھ رہے گا تو ذلیل ہوگا، دشمن اس پر حملہ کر کے مال چھین لے گا، تو تنگدستی بھی لازم ہوگی، اور اجر سے محرومی تو ظاہر ہے۔

﴿مضامین آیات وتفسیر﴾

یہود بنی اسرائیل جو نبوت اور کلامِ الٰہی کے انکار میں بڑی تیزی دکھار ہے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کی تنبیہ ونصیحت کے لئے اور اس لئے کہ ہوسکتا ہے کہ ان کی آنکھیں کھلیں، اور اپنی حرکات سے باز آجائیں، یا کم از کم اپنی یاوہ گوئیوں سے باز آجائیں۔ایک سوال ان کے سامنے رکھا، وہ یہ کہ وہ خود بتائیں کہ حق تعالیٰ نے ان کو کتنی کتنی نعمتوں سے نوازا تھا، اور انھیں خوب معلوم ہے کہ جو شخص یا جو گروہ احسانات کا بدلہ ناشکری کی صورت میں

دیتا ہے، اس پر اللہ کی گرفت کتنی سخت ہوتی ہے، لیکن بات یہ ہے کہ کفر وانکار میں جو لوگ گرفتار ہیں، خواہ کفار ہوں یا اہل کتاب، ان کے سامنے دنیاوی زندگی کی چمک دمک مزین ہو کر آتی ہے، اور اسی چمک دمک کی بنا پر اہل ایمان سے استہزا کرتے ہیں، کیونکہ انھوں نے اس رونق پر دھیان نہیں دیا۔ اور دیکھ لینا یہی شرک وکفر سے بچنے والے، خواہ دنیا میں کتنے ہی بے رونق دکھائی دیتے ہوں، ایک دن آئے گا کہ ان دنیاداروں سے بدرجہا بڑھ کر ہوں گے، اور یہ تو اللہ تعالیٰ کی حکمت ومصلحت ہے کہ جسے چاہتے ہیں بے حساب روزی عنایت فرماتے ہیں، ایک زمانہ وہ تھا کہ ایمان کے باب میں تمام لوگ ایک جماعت تھے، لیکن بعد میں لوگ مختلف راہوں پر ہو لئے۔ بعض تو ایمان پر قائم رہے، اور بعض نے کفر کا راستہ پکڑ لیا، تب اللہ تعالیٰ نے انبیاء کا سلسلہ قائم فرمایا کہ وہ اہل ایمان کو بشارت سنائیں اور مشرکین کو جہنم کا خوف دلائیں، اور اللہ نے ان کے پاس کتابیں نازل فرمائیں تاکہ وہ ان کے اختلافات کا سچا فیصلہ صادر کریں، اور عجیب بات یہ ہے کہ پھر اختلاف کرنے والی وہی قومیں ہوئیں، جنھیں کتاب الٰہی ملی تھی، حالانکہ ان کے پاس دلائل موجود تھے، اور یہ اختلافات انھوں نے باہمی کشمکش اور نفسانیت کی وجہ سے کیا تھا، پھر اللہ نے اپنے فضل وارادہ سے ایمان والوں کی حق وصداقت کی جانب رہنمائی فرمائی، اور یہ اللہ کی مشیّت ہے، جس کو چاہتے ہیں سیدھی راہ کی ہدایت دیتے ہیں، لیکن ہدایت کا یہ راستہ آزمائشوں اور دشواریوں سے خالی نہیں ہے۔ یہ نہ سمجھ لو کہ تم یونہی جنت پا جاؤ گے، جبکہ ابھی تم ان بلاؤں اور مصیبتوں سے دوچار نہیں ہوئے ہو، جن سے اگلی امتوں کے لوگ دوچار ہو چکے ہیں، انھیں تو اتنی سختیوں اور دشواریوں میں مبتلا ہونا پڑا تھا، اور اس طرح وہ بلاؤں میں جھنجھوڑ دیئے گئے تھے، اور اس حد تک پریشان کئے گئے تھے کہ رسول بھی اور اہل ایمان بھی گھبرا کر کہنے لگے کہ اب کب اللہ کی مدد آئے گی، جب ایسی حالت ہوگئی تو اللہ کی طرف سے فوراً جواب آیا کہ ٹھہرو بس نصرتِ خداوندی آیا ہی چاہتی ہے۔

بعض لوگوں نے سوال کیا کہ اللہ کے واسطے کیا چیز خرچ کریں، اور کن پر خرچ کریں؟ حکم ہوا کہ قلیل وکثیر جو بھی خرچ کرو اس کے مستحق والدین ہیں، قریبی رشتہ دار ہیں، یتیم بچے ہیں، مساکین ہیں اور مسافر ہیں، اور اس کے علاوہ جو بھی نیک کام تم سے صادر ہوگا اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔

جس طرح اللہ کے لئے مال خرچ کرنا ہے، اسی طرح اللہ کی راہ میں جان کی بازی بھی لگانی ہے، اس کے لئے تم پر کفار سے جنگ کرنا فرض کیا گیا ہے، اگرچہ وہ تمہارے اوپر طبعاً گراں ہے، لیکن دیکھو ہوسکتا ہے کہ کوئی چیز طبعاً تمہیں ناپسند ہو، مگر وہ تمہارے لئے خیر کا سامان ہو، اور ہوسکتا ہے کہ کوئی چیز تمہیں پسند ہو مگر وہ باعث ہلاکت ہو، یہ تو اللہ ہی جانتا ہے کہ کیا چیز خیر ہے اور کیا چیز شر ہے، تمہیں اس کی کیا خبر؟

☆☆☆☆☆

وأرسل النبى ﷺ أول سراياه وأمّر عليها عبد الله بن جحش فقاتلوا المشركين وقتلوا ابن الحضرمى فى آخر يوم من جمادى الأخرة والتبس عليهم برجب فعيرهم الكفار باستحلاله فنزل﴿يَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ﴾ بدل إشتمال﴿ قُلْ﴾ لهم ﴿ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ﴾ عظيم وزراً مبتدأ وخبر﴿ وَّصَدٌّ﴾ مبتدأ منع للناس﴿عَنْ سَبِيْلِ اللهِ﴾ دينه﴿ وَكُفْرٌ بِهٖ﴾ بالله وصد﴿ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾أى مكة ﴿ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهٖ مِنْهُ﴾ وهم النبى ﷺ والمؤمنون وخبر المبتدأ﴿أَكْبَرُ﴾ أعظم وزراً﴿عِنْدَ اللهِ﴾ من القتال فيه ﴿ وَالْفِتْنَةُ ﴾ الشرک منكم ﴿أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ﴾ لكم فيه ﴿وَلَايَزَالُوْنَ﴾ أى الكفار﴿يُقَاتِلُوْنَكُمْ ﴾ أيهاالمؤمنون ﴿ حَتّٰى﴾ كى ﴿ يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ﴾ إلى الكفر﴿إِنِ اسْتَطَاعُوْا وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُوْلٰئِکَ حَبِطَتْ﴾ بطلت﴿أَعْمَالُهُمْ﴾ الصالحة ﴿ فِىْ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ﴾ فلا إعتدادبها ولاثواب عليها والتقييد بالموت عليه يفيد أنه لورجع إلى الاسلام لم يبطل عمله فيثاب عليه ولايعيده كالحج مثلاً وعليه الشافعیؒ﴿ اُوْلٰئِکَ اَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خَالِدُوْنَ﴾ ولما ظن أنهم أن أسلموا من الاثم فلا يحصل لهم أجرٌ نزل ﴿ إِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا﴾ فارقوا أوطانهم ﴿ وَجَاهَدُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللهِ ﴾ لإعلاء دينه ﴿اُوْلٰئِکَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللهِ﴾ ثوابه ﴿ وَاللهُ غَفُوْرٌ﴾للمومنين ﴿رَّحِيْمٌ﴾ بهم ﴿وَيَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ﴾ القمار ماحكمهما﴿قُلْ﴾لهم ﴿فِيْهِمَا﴾أى فى تعاطيهما﴿إِثْمٌ كَبِيْرٌ﴾ عظيم وفى قراءةٍ بالمثلثة لما يحصل بسببهما من المخاصمة والمشاتمة وقول الفحش ﴿ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ﴾ باللذة والفرح فى الخمر وإصابة المال بلاكد فى الميسر﴿ وَإِثْمُهُمَا﴾ أى ماينشأ عنهما من المفاسد ﴿ أَكْبَرُ﴾أعظم﴿ مِنْ نَّفْعِهِمَا﴾ولما نزلت شربها قوم وامتنع آخرون إلى أن حرمتهما آية المائدة ﴿وَ يَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ﴾ أى ماقدره ﴿ قُلِ ﴾ أنفقوا ﴿ الْعَفْوَ﴾ أى الفاضل عن الحاجة ولا تنفقوا ماتحتاجون إليه وتضيعوا أنفسكم وفى قراءةٍ بالرفع بتقدير هو﴿ كَذٰلِکَ﴾ كما بين لكم ماذكر﴿ يُبَيِّنُ اللهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ فِىْ ﴾ أمر﴿الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ﴾ فتاخذون بالاصلح لكم فيهما ﴿يَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْيَتٰمٰى﴾ ومايلقونه من الحرج فى شانهم فإن واكلوهم ياثموا وإن عزلوا مالهم من أموالهم وصنعوا لهم طعاماً وحدهم فحرج ﴿ قُلْ إِصْلَاحٌ لَّهُمْ ﴾ فى أموالهم بتنميتها ومداخلتكم ﴿ خَيْرٌ﴾ من ترک ذٰلک ﴿ وَإِنْ تُخَالِطُوْهُمْ ﴾ أى تخلطوا نفقتهم بنفقتكم ﴿فَإِخْوَانُكُمْ﴾ أى فإخوانكم فى

الـديـن ومـن شـان الاخ أن يـخـالـط أخـاه أى فلكم ذٰلک ﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ﴾ لاموالهم بـمـخـالطته ﴿مِنَ الْمُصْلِحِ﴾ لها فيجازى كُلًّا منهما ﴿وَلَوْشَاءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ﴾ لضيق عليكم بتـحـريـم الـمخالطة ﴿إِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ﴾ غالب علىٰ أمره ﴿حَكِيْمٌ﴾ فى صنعه ﴿وَلَاتَنْكِحُوْا﴾ تتـزوجـوا أيهـا الـمسـلمون ﴿الْمُشْرِكٰتِ﴾ أى الكافرات ﴿حَتّٰى يُؤْمِنَّ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِنْ مُّشْرِكَةٍ﴾ حـرة لأن سبب نزولها العيب على من تزوج أمة مومنة والترغيب فى نكاح حرة مشركة ﴿وَلَوْأَعْجَبَتْكُمْ﴾ لجمالها ومالها وهٰذا مخصوص بغيرالكتابيات بآية (وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّـذِيْـنَ اُوْتُـوْا الْـكِتٰـبَ) ﴿وَلَاتُنْكِحُوْا﴾ تزوجوا ﴿الْمُشْرِكِيْنَ﴾ أى الكفارَالمؤمناتِ ﴿حَتّٰى يُؤْمِنُوْا وَلَعَبْدٌ مُؤْمِنٌ خَيْرٌ مِنْ مُّشْرِكٍ وَلَوْأَعْجَبَكُمْ﴾ لماله وجماله ﴿اُوْلٰئِكَ﴾ أى أهل الشـرک ﴿يَدْعُوْنَ إِلَى النَّارِ﴾ بدعائهم إلى العمل الموجب لها فلا تليق مناكحتهم ﴿وَاللّٰهُ يَدْعُوْ﴾ علىٰ لسـان رُسُلِهِ ﴿إِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ﴾ أى العمل الموجب لهما ﴿بِإِذْنِهِ﴾ بإرادته فتجب إجابته بتزويج أوليائه ﴿وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ﴾ يتعظون۔

﴿ترجمـــــه﴾

نبی ﷺ نے اپنا پہلا سریہ بھیجا، اوراس پر حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کوامیر مقرر کیا، اور جمادی الاخریٰ کی آخری تاریخ میں انھوں نے مشرکین سے جنگ کی اور ابن حضرمی کوقتل کرڈالا، اس تاریخ پر رجب کی پہلی تاریخ کا شبہہ ہوا، تو کفار نے اس کوحلال سمجھنے کی مسلمانوں کوشرم دلائی، اس پراگلی آیات نازل ہوئیں۔

(تم سے یہ محترم مہینوں کے بارے میں دریافت کرتے ہیں، یعنی ان میں جنگ کرنے کے سلسلے میں) قتـال فيــه ، الشهـرا لحـرام سے بدل اشتمال ہے (تم) ان سے (کہہ دو کہ اس میں جنگ کرنی بڑی بات ہے) یعنی بڑا گناہ ہے، یہ مبتداء اور خبر ہے (اور) لوگوں کو (اللہ کی راہ) یعنی دین (سے روکنا اور اس کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام) مکہ (سے) روکنا (اور اس کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا) مکہ کے رہنے والے نبی ﷺ اور اہل ایمان ہیں، مبتداء کی خبر أكبـر عند الله ہے (اللہ کے نزدیک) اس میں جنگ کرنے سے (بڑا) گناہ (ہے، اورفتنہ) یعنی تمہارا شرک کرنا اس میں (قتل سے بڑھ کر ہے، اور) اے مومنو! یہ کفار (تم سے مسلسل جنگ کرتے رہیں گے تاکہ تم کوتمہارے دین سے واپس پلٹادیں، اگران سے ہوسکے) یعنی کفر میں لوٹادیں (اور جوشخص تم میں سے اپنے دین سے لوٹ جائے، اور وہ کفر کی حالت میں مرجائے تو سمجھ لو کہ ایسے ہی لوگوں کے اعمال) صالحہ (دنیا اورآخرت میں برباد ہوئے) بس نہ وہ قابل اعتبار ہیں، اور نہ ان پر کوئی ثواب ہے، اور کفر کی حالت پر مرنے کی قید کا فائدہ یہ ہے کہ اگر وہ پھر اسلام کی طرف لوٹ آیا تو اس کا عمل ضائع نہ ہوگا، اس پر ثواب بھی ملے گا، اوراسے

دہرانا بھی نہ پڑے گا، مثلاً حج، اور اسی کے مطابق امام شافعیؒ کا مسلک ہے (اور یہی لوگ اہل جہنم ہیں، اس میں ہمیشہ رہیں گے) اتنے کے باوجود اہل سریہ کو یہ خدشہ رہا کہ اگرچہ وہ لوگ گناہ سے تو محفوظ رہے، لیکن غالباً وہ اجر سے محروم رہیں گے، اس پر اگلی آیت نازل ہوئی (بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے، اور جن لوگوں نے ہجرت کی) یعنی اپنے وطنوں کو چھوڑا (اور اللہ کی راہ میں) اس کے دین کے سربلند کرنے کے واسطے (جہاد کیا، یہ لوگ اللہ کی رحمت) یعنی ثواب (کے امیدوار ہیں، اور اللہ) اہل ایمان کی (مغفرت فرمانے والے) ان پر (رحم فرمانے والے ہیں، تم سے شراب اور جوئے کے متعلق پوچھتے ہیں) کہ ان دونوں کا حکم کیا ہے (تم) ان سے (کہو کہ ان دونوں میں) یعنی ان دونوں کے ارتکاب میں (بڑا گناہ ہے) اور ایک قرأت میں مثلثہ یعنی ثاء ہے (کثیر) مطلب یہ ہے کہ ان دونوں میں بہت سے گناہ ہیں، مثلاً نزاع و کشمکش، گالی گلوج اور بے حیائی کی باتیں وغیرہ (اور لوگوں کے لئے کچھ فائدے بھی ہیں) مثلاً شراب میں لذت و سرور ہے، اور جوئے میں کبھی بغیر محنت کے مال حاصل ہو جاتا ہے (اور ان دونوں کا گناہ) یعنی جو مفاسد ان سے وجود میں آتے ہیں (وہ ان کے فائدوں سے بڑھ کر ہے) جب یہ آیت اتری، تو بعض لوگ تو اپنے حال پر پیتے رہے، لیکن بعض حضرات اس سے رُک گئے، تا آنکہ سورۂ مائدہ کی آیت نے اسے قطعاً حرام کر دیا (اور پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں) یعنی کتنی مقدار (تم کہہ دو کہ اپنی ضرورت سے زائد مال کو خرچ کرو) جو کچھ تمہاری ضرورت کی چیز ہے اسے نہ خرچ کرو کہ خود اپنی بربادی لازم ہو، اور ایک قرأت میں **العفو** رفع کے ساتھ ہے، تب یہ خبر ہے اور مبتدا ھو ہے (ایسے ہی) یعنی جیسے تمہارے لئے مذکورہ بالا امور بیان کئے گئے اسی طرح (اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آیات کا بیان کرتے ہیں، تاکہ تم دنیا و آخرت) کے معاملہ (میں غور کرو) اور دونوں جہان میں اس چیز کو اختیار کرو، جو تمہارے لئے زیادہ مناسب ہے (اور تم سے یتیموں کے بارے میں پوچھتے ہیں) کہ ان کے متعلق انھیں تنگی پیش آتی ہے کہ اگر ان کا کھانا پینا اپنے ساتھ رکھتے ہیں، تو مبتلائے گناہ ہوتے ہیں، اور اگر ان کے مال الگ کر دیں اور علیحدہ ان کے کھانے کا انتظام کریں، تو بڑی دشواری پیش آتی ہے (تم ان سے کہو کہ ان کے لئے) ان کے مال میں اضافہ اور بڑھوتری کی راہ اختیار کر کے (اچھائی پیدا کرنا) اور تمہارا مداخلت کرنا اس کے ترک سے (بہتر ہے، اور اگر تم) اپنے اخراجات کے ساتھ ان کے اخراجات کو بھی (شامل کر لو تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں) اور بھائی بھائی کے مل کر رہنے کا دستور ہی ہے، یعنی تمہیں اس کا اختیار ہے (اور اللہ جانتا ہے کہ) اس کے حکم کے خلاف کر کے (کون) ان کے مالوں کو (برباد کرنے والا ہے، اور کون اصلاح کرنے والا ہے) ہر ایک کو اس کے مطابق جزا دے گا (اور اگر اللہ چاہتا تو) مخالطت کو حرام قرار دے کر (تمہیں تنگی میں ڈال دیتا، بیشک اللہ تعالیٰ) اپنے امر پر (غالب ہیں) اپنے کام میں (صاحب حکمت ہیں، اور) اے مسلمانو! (تم مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو تا آنکہ وہ ایمان لائیں، اور مومن باندی) آزاد (مشرک

عورت سے بہتر ہے) مشرکہ کی تفسیر میں آزاد کی قید اس لئے بڑھائی کہ اس آیت کا سبب نزول یہی ہوا ہے کہ بعض لوگوں نے مومن باندی سے نکاح کرنے کو عیب شمار کیا، اور اس کے برخلاف مشرک آزاد عورت سے نکاح کی ترغیب دی (اگرچہ وہ تم کو پسند آئے) مال کی وجہ سے، یا جمال کی وجہ سے یہ آیت غیر کتابی مشرکات کے ساتھ مخصوص ہے، کیونکہ کتابی عورت کو **والمحصنات من الذین اوتوا الکتاب** کی آیت نے جائز قرار دیا ہے (اور) مومن عورتوں کو (مشرکین کے نکاح میں مت دو، تا آنکہ وہ ایمان لائیں، اور صاحب ایمان غلام مشرک سے بہتر ہے خواہ وہ) اپنے مال اور جمال کی وجہ سے (تمہیں پسند آئے، یہ لوگ) یعنی اہل شرک (جہنم کی طرف بلاتے ہیں) یعنی وہ ایسے عمل کی طرف دعوت دیتے ہیں، جو جہنم میں جانے کے اسباب ہیں، اس لئے ان سے رشتۂ مناکحت مناسب نہیں ہے (اور اللہ) اپنے ارادہ سے اپنے رسولوں کی زبان پر (جنت اور مغفرت کی دعوت دیتا ہے) یعنی ایسے عمل کی دعوت دیتا ہے جو جنت اور مغفرت کے اسباب ہیں، لہٰذا اس کے دوستوں کے ساتھ رشتۂ مناکحت قائم کرکے، اس کے حکم کی تعمیل واجب ہے (اور وہ اپنی آیات کو لوگوں کے لئے بیان فرماتا ہے، تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں)

﴿تشریحات﴾

بدل اشتمال :۔لفظ **قتال فیه** ، **الشهرا لحرام** سے بدل اشتمال ہے، کیونکہ مسئول عنہ خود شہر حرام نہیں، اس سے متعلق فعل قتال ہے۔

ای مكة :۔ **المسجد الحرام** سے مراد محض مسجد حرام نہیں ہے، بلکہ مکہ مکرمہ ہے، بلکہ پورا حرم ہے۔

فلا إعتدادبها ولاثواب عليها مرتد ہوجانے کا نتیجہ یہ ہے کہ دنیا میں بھی، اور آخرت میں بھی آدمی کا سب نیک عمل برباد ہوجاتا ہے، دنیاوی بربادی کو مفسر نے **فلااعتداد بها** سے بیان کیا ہے، اور اُخروی بربادی کو **ولا ثواب عليها** سے بیان کیا ہے۔

والتقييد بالموت عليه الخ :۔حضرات شوافع علیہم الرحمہ کے نزدیک آیات واحادیث میں بھی چونکہ مفہوم مخالف کا اعتبار ہوتا ہے، اور اس سے وہ مسئلہ بھی ان کے نزدیک ثابت ہوجاتا ہے، جس کے ذکر سے آیت اور حدیث خاموش ہے، اس لحاظ سے مفسر فرماتے ہیں کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ''حبط اعمال'' کے لئے **وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ** کے ساتھ **فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ** کی قید لگائی ہے، اس لئے مرتد جب کفر کی حالت میں مرے گا جبھی اس کے اعمال باطل ہوں گے، اور اگر وہ واپس مسلمان ہوگیا تو اس کے اعمال ضائع نہ ہوں گے ، بلکہ ان پر ثواب ملے گا، اور جو عمل سابق اسلام کے زمانے میں کرچکا ہے اسے بعد کے دورِ اسلام میں دہرانا واجب نہ ہوگا، مثلاً کسی نے دورِ اول میں حج فرض ادا کرلیا تھا، مرتد ہونے کے بعد پھر مسلمان ہوا تو حج کا فریضہ

دوبارہ اس پر عائد نہ ہوگا، وہی پہلا حج معتبر ہوگا، اور اس پر ثواب بھی ملے گا۔

شارح عرض کرتا ہے کہ صاحب جمل نے لکھا ہے کہ امام شافعی علیہ الرحمہ کی جانب اس مسلک کی نسبت ضعیف ہے۔ معتمد مذہب ان کا یہ ہے کہ اِرتداد کے پہلے والا عمل ثواب کا مستحق نہ ہوگا، البتہ دنیاوی اعتبار سے اس کو معتبر مانا جائے گا، یعنی اسے اس عمل کو دہرانا نہیں پڑے گا۔

احناف کے نزدیک چونکہ قرآن کی آیات اور حدیث کی روایات میں مفہوم مخالف معتبر نہیں ہے، کیونکہ اس سے سکوت اختیار کیا گیا ہے، اور سکوت سے موقع بیان کے علاوہ اور کہیں کوئی مسئلہ ثابت نہیں ہوتا، اس لئے یہ بات تو قرآن نے بیان کردی ہے کہ حالت ارتداد میں اگر موت واقع ہوگئی، تو اس کے تمام اعمالِ صالحہ باطل ہوجائیں گے، لیکن اگر وہ پھر مسلمان ہوگیا تو سابقہ اعمال کا کیا حال ہوگا، اس سے آیاتِ قرآنی خاموش ہے، پس اس سے کوئی مسئلہ ثابت نہ ہوگا، اس کے لئے علیٰحدہ دلیل کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **ومن یکفر بالایمان فقد حبط عمله**۔ اور دوسری جگہ ارشاد ہے کہ: **لئن أشركت ليحبطن عملك** ۔ ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ نفس ارتداد سے عمل حبط ہوجاتا ہے، پھر اسلام لانے کے بعد حبط شدہ عمل دوبارہ کیونکر معتبر ہوگا۔

بالمثلثة:۔ اس سے مراد ثاء ہے، جس پر تین نقطے ہوتے ہیں، یعنی کبیر کے بجائے کثیر۔

ولما نزلت شربها قوم وامتنع آخرون :۔ اس آیت نے شراب کو اور جوئے کو چونکہ قطعی طور پر حرام نہیں کیا، اس لئے بعض لوگ منافع اور فوائد کے پیش نظر پیتے اور کھیلتے رہے، لیکن دوسرے لوگوں نے **إثم كبير** پر نظر کی، تو اسے بالکلیہ ترک کردیا۔ پھر سورۂ مائدہ کی آیت: **يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ** نے اسے بالکلیہ ہی حرام کردیا۔

وتضیعوا أنفسكم :۔ **تضیعوا** کا عطف **تنفقوا** پر ہے، اور یہ بھی لائے نہی کے تحت ہے، یعنی خود کو ضائع نہ کرو۔

وفی قراءةٍ بالرفع بتقدير هو :۔ ایک قرأت میں **العفو** منصوب ہے، اس صورت میں **أنفقوا** مقدر تھا، یہاں دوسری قرأت بیان کی ہے کہ **العفو** مرفوع ہے، اس صورت میں یہ خبر ہے، اور اس کا مبتداء **هو** محذوف ہے۔

لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ ﴿ أمر ﴾ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ :۔ **لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ** ، کے درمیان **امر** کا اضافہ مفسر نے اس لئے کیا کہ کہیں کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا اور آخرت

دونوں جگہ میں غور کرنے کا حکم دیا گیا ہے، نہیں یہ دونوں **تتفکرون** کا ظرف نہیں ہیں، بلکہ یہ غور کرنا دنیا و آخرت کے معاملے میں ہے، اور اس غور کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ **فتاخذون بالاصلح لکم فیھما** کہ دنیا و آخرت میں جو بات زیادہ عمدہ ہو، اسے اختیار کرو۔

﴿یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْیَتٰمٰی﴾ ومایلقونه من الحرج فی شانهم :۔ یتیموں کے سلسلے میں جب اللہ تعالیٰ کا یہ تہدیدی فرمان نازل ہوا کہ: **اِنَّ الَّذِیْنَ یَاکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتَامٰی ظُلْماً اِنَّمَا یَاکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَاراً وَسَیَصْلَوْنَ سَعِیْراً** ، بے شک جو لوگ یتیموں کا مال ظلماً کھاتے ہیں، وہ اپنے شکم میں بجز آگ کے اور کچھ نہیں کھاتے، اور عنقریب دہکتی آگ میں جا پڑیں گے۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد لوگوں نے یتیموں کے مال سے اتنا اجتناب برتا کہ ان کا کھانا الگ پکاتے، اگر کچھ بچ جاتا تو اسے کوئی استعمال نہ کرتا، وہ یونہی ضائع ہو جاتا، یہ بات ان کو گراں گزرتی، انھوں نے اس باب میں آپ ﷺ سے دوبارہ مراجعت کی، تب زیر نظر آیت نازل ہوئی۔

﴿قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ﴾ فی أموالهم بتنمیتها ومداخلتکم :۔ حکم ہوا کہ ان کے لئے بھلائی اور درستگی کا معاملہ بہتر ہے، درستگی کی صورت یہ بیان کی گئی کہ ان کے مال کو تجارت وغیرہ سے بڑھانے کی تدبیر کی جائے، اور اس کے واسطے ان کے مال میں مداخلت کی جائے تو یہ بہتر ہے۔

خیر من ترک ذٰلک :۔ خیر اسم تفضیل ہے، اس کا صلہ من سے مفسر نے ظاہر کیا ہے۔

فإخوانکم فی الدین :۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: **وَاِنْ تَخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُکُمْ** میں **فَاِخْوَانُکُمْ** جزاء کے موقع پر ہے، اور جزاء کے لئے جملہ ہونا ضروری ہے، تو مفسر نے اسے خبر قرار دیا، اور مبتدا **هم** محذوف ہے، یعنی **وَاِنْ تَخَالِطُوْهُمْ فَهُمْ اِخْوَانُکُم** ۔ یہ جملہ اسمیہ جزائیہ محلاً مجزوم ہے، **وَاِنْ تَخَالِطُوْهُمْ** کی اصل جزاء **توفلکم ذٰلک** ہے، اور **فَاِخْوَانُکُمْ** اس کی تعلیل ہے، یعنی چونکہ یہ یتیم دینی اعتبار سے تمہارے بھائی ہیں، اس لئے اگر ضرورت اور مصلحت متقاضی ہو تو ان کے مال کو اپنے مال کے ساتھ شامل کر کے انھیں بڑھانے کا انتظام کرو۔

خیر من مشرکةٍ حرةٍ :۔ مومن باندی آزاد مشرک عورت سے بہتر ہے، مشرکہ کے ساتھ حرہ کی قید اس لئے بڑھائی کہ اس آیت کا نزول اسی طرح کے مسئلہ سے متعلق ہے، بعض لوگوں نے مومن باندی سے نکاح کرنے کو معیوب گردانا، اور اس کے مقابلے میں آزاد عورت سے گو کہ وہ مشرک ہو نکاح کرنے کو بہتر جانا، اس کا جواب اس آیت کریمہ سے دیا گیا۔

وھٰذا مخصوص بغیر الکتابیات :۔ مشرک عورتوں سے نکاح کرنے سے منع کیا گیا ہے، تو یہ مطلقاً عام نہیں ہے، بلکہ ان مشرک عورتوں کے حق میں یہ حکم خاص ہے، جو اہل کتاب نہ ہوں، رہا اہل کتاب کا مسئلہ، تو ان سے

نکاح کرنا جائز ہے۔اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:الیوم أحل لکم الطیبات وطعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم وطعامکم حل لهم والمحصنٰت من المومنٰت والمحصنٰت من الذین اوتوا الکتاب إذا آتیمتموهم محصنین غیر مسافحین ولامتخذی أخدان ۔(آج تمہارے واسطے ستھری چیزیں حلال کی گئیں،اور اہل کتاب کا ذبیحہ تمہارے لئے اور تمہارا ذبیحہ اہل کتاب کے لئے حلال ہے،اور پاک دامن عورتیں حلال ہیں،خواہ وہ اہل ایمان میں سے ہوں یا اہل کتاب میں سے۔جبکہ تم نے ان کو ان کی مہر دی ہو،اس حال میں کہ تم نکاح میں لانے والے ہو،نہ کہ زنا کرنے والے اور چوری چھپے دوستی کرنے والے۔)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اہل کتاب عورتیں مسلمانوں کے لئے حلال ہیں۔

﴿اُولٰٓئِکَ یَدْعُوْنَ اِلَی النَّارِ﴾ بدعائهم إلی العمل الموجب لها :۔مشرکین جہنم کی طرف دعوت دیتے ہیں،بظاہر اشکال ہوتا ہے کہ آج تک تو کسی شخص نے کسی کو جہنم میں جانے کی دعوت نہیں دی ہے۔اس کا جواب مفسر نے بدعائهم الخ سے دیا ہے،کہ مشرکین ایسے عمل کی دعوت دیتے ہیں جس کا انجام سیدھا جہنم ہے،تو ایسے عمل کی دعوت دینا جہنم ہی کی دعوت دینا ہے۔اس لئے ایسی عورت سے نکاح کرنا ہرگز مناسب نہیں ہے۔

﴿وَاللّٰہُ یَدْعُوْٓا﴾ علیٰ لسان رُسُلِهٖ :۔اللہ تعالیٰ جنت کی دعوت دیتے ہیں،اللہ کی یہ دعوت رسولوں کے واسطے سے بندوں تک پہونچتی ہے۔

﴿مضامین آیات وتفسیر﴾

رسول اللہ ﷺ نے اپنے پھوپھی زاد بھائی حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں مشرکین کے مقابلے میں پہلا سریہ بھیجا،ان حضرات نے یہ سمجھ کر کہ آج ۳۰؍ جمادی الاخریٰ ہے،ایک مشرک کو قتل کر دیا،بعد میں تصدیق ہوئی کہ وہ پہلی رجب تھی۔رجب کا مہینہ محترم مہینہ ہے،جس میں قتل وقتال درست نہیں،مشرکین بھی محترم مہینوں کا بہت احترام کرتے تھے،ایسے محترم چار مہینے ہیں۔ذی القعدہ،ذی الحجہ،محرم اور رجب،ان مہینوں میں لڑنے بھڑنے کو بالکل رَوا نہیں رکھتے تھے،اب جو ظاہر ہوا کہ مسلمانوں نے رجب میں ایک مشرک کو قتل کر دیا،تو انھیں بدنام کرنے اور پروپیگنڈہ کرنے کا موقع مل گیا۔بہت چہ میگوئیاں ہوئیں،مسلمان بھی اس سے متاثر ہوئے۔اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا،اللہ نے خود ہی جواب کا تکفل فرمایا،کہ یہ تو ٹھیک ہے کہ اس ماہ میں لڑنا سخت بات ہے،لیکن یہ بھی تو سوچو کہ یہ جو مشرکین حرکتیں کرتے ہیں،یعنی اللہ کے راستے سے لوگوں کو روکتے ہیں،کفر میں مبتلا ہیں،مسجد حرام سے روکتے ہیں،وہاں کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالتے ہیں،یہ سب بھی تو اللہ کے نزدیک بڑا گناہ ہے،اور شرک کرنا تو محترم مہینوں میں قتل وقتال سے کہیں بڑھ کر ہے۔اور ان کفار کے طعنوں اور زبان درازیوں سے متاثر نہ ہو،ان کا حال تو یہ ہے کہ یہ تم سے مسلسل لڑیں گے،تاکہ تم اسلام سے

کفر کی جانب پلٹ جاؤ، اگر ان کے بس میں ہوتا تو یہ ضرور ایسا کر لیتے، لیکن سن لو جو کوئی اپنے دین اسلام سے مرتد ہو گیا اور پھر اسی ارتداد کی حالت میں مر گیا تو اس کے تمام اعمال باطل ہو جائیں ہو گئے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، نہ وہ دنیا میں قابل اعتبار ہیں اور نہ آخرت میں لائق ثواب! یہ اہل جہنم ہیں، اسی میں ہمیشہ رہیں گے، اصولی بات یہ ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی، اور اللہ کے راستے میں جہاد کیا، یہی لوگ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں، اور اللہ تو غفور رحیم ہیں ہی۔

یہ لوگ تم سے شراب اور جوئے کے بارے میں سوال کرتے ہیں، انھیں بتادو کہ ان میں بڑا گناہ ہے، گوکہ قدرے قلیل نفع بھی ہے، لیکن گناہ، نفع سے بڑھ کر ہے، اور یہ بھی پوچھتے ہیں کہ اللہ کے لئے کتنا خرچ کریں ،تم بتادو کہ اپنی ضرورت اور حاجت سے جو زائد ہے، اسے خرچ کرو، اللہ تعالیٰ اپنے احکام وآیات کو بیان کرتے ہیں تا کہ دنیا وآخرت کے معاملات میں غور وفکر سے کام لو، اور جو بہتر ہو اسے اختیار کرو۔

اور یہ لوگ یتیموں کے متعلق بھی پوچھتے ہیں کہ ان کے معاملے میں بڑی پریشانی ہے، اگر ان کے مال کو اپنے مال کے ساتھ ملا کر ان کی پرورش اور تربیت کا اہتمام کریں تو گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے، اور اگر ان کا ہر انتظام جدا کرتے ہیں تو بہت پریشانی لاحق ہوتی ہے، تم انھیں سمجھا دو کہ ان کے مال کو ٹھیک ٹھاک رکھنا اور ان کے بڑھانے کا انتظام کرنا بہتر ہے۔ اگر بہ نیت اصلاح ان کے مال کو اپنے مال کے ساتھ ملا لو تو وہ تمہارے بھائی ہی تو ہیں، کیا حرج ہے؟ لیکن یہ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ بدنیتی کو اور حسن نیت کو خوب جانتے ہیں، خدا کی مہربانی ہے کہ اتنی وسعت دے دی ہے، ورنہ ان کی مشیت ہوتی تو تم تنگی میں ہی پڑے رہتے، اللہ تعالیٰ عزیز وحکیم ہیں۔

اور ہاں مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرنا جب تک وہ ایمان نہ لائیں، اس سے اچھی تو مومن باندی ہے اگرچہ مشرک عورت تمہیں مال وجمال کے لحاظ سے اچھی معلوم ہوتی ہو، اور مومن عورتوں کا نکاح مشرک مرد سے مت کرو، اگرچہ وہ اچھا معلوم ہوتا ہے، اس سے اچھا تو مومن غلام ہے۔ یہ مشرکین جہنم کی طرف دعوت دیتے ہیں ،اور اللہ تعالیٰ مغفرت اور جنت کی دعوت دیتے ہیں، اس لئے مشرکین سے بچے رہو۔

☆☆☆☆☆

﴿وَيَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْمَحِيْضِ﴾ أی الحيض أو مكانه ماذا يفعل بالنساء فيه ﴿قُلْ هُوَ أَذىً﴾ قذر أو محله ﴿ فَاعْتَزِلُوْا النِّسَاءَ ﴾ أتركوا وطيهن ﴿فِیْ الْمَحِيْضِ﴾أی وقته أو مكانه ﴿ وَلا تَقْرَبُوْهُنَّ﴾ بالجماع ﴿ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ﴾ بسكون الطاء وتشديدها والهاء وفيه ادغام التاء فی الاصل فی الطاء أی يغتسلن بعد انقطاعه ﴿فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوْهُنَّ﴾للجماع ﴿مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللّٰهُ﴾بتجنبه فی الحيض وهو القبل ولاتعدوه إلیٰ غيره ﴿ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ﴾ يثيب

ویکرم ﴿التَّوَّابِیْنَ﴾ من الذنوب ﴿ وَیُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ﴾ من الاقذار﴿ نِسَاؤُکُمْ حَرْثٌ لَّکُمْ﴾ أی محل زرعکم للولد ﴿ فَاْتُوْا حَرْثَکُمْ ﴾ أی محله وهو القبل﴿ أَنّٰی﴾ کیف ﴿شِئْتُمْ ﴾من قیامٍ وقعودٍ وإضطجاعٍ وإقبالٍ وإدبارٍ نزل ردّاً لقول الیهود من أتیٰ إمرأته فی قبلها من جهة دبرها جاء الولد أحول ﴿ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِکُمْ ﴾ العمل الصالح کالتسمیة عند الجماع ﴿وَاتَّقُوْا اللهَ ﴾ فی أمره ونهیه ﴿ وَاعْلَمُوْا أَنَّکُمْ مُّلٰقُوْهُ﴾ بالبعث فیجازیکم باعمالکم ﴿وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴾ الذین اتقوه بالجنة ﴿ وَلَا تَجْعَلُوْا اللهَ ﴾ أی الحلف به ﴿ عُرْضَةً لِاَیْمَانِکُمْ ﴾ أی نصباً لها بأن تکثروا الحلف به ﴿ أَنْ﴾ لا ﴿ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَیْنَ النَّاسِ﴾ فتکره الیمین علیٰ ذٰلک ویسن فیه الحنث ویکفر بخلافها علیٰ فعل البر ونحوه علی طاعةٍ المعنیٰ لاتمتنعوا من فعل ماذکر من البر ونحوه إذا حلفتم علیه بل إئتوه وکفروا لأن سبب نزولها الامتناع من ذٰلک ﴿ وَاللهُ سَمِیْعٌ ﴾ لأقوالکم ﴿ عَلِیْمٌ ﴾ بأحوالکم ﴿ لَایُؤَاخِذُکُمُ اللهُ بِاللَّغْوِ﴾ الکائن ﴿فِیْ اَیْمَانِکُمْ ﴾ وهو مایسبق إلیه اللسان من غیر قصد الحلف نحو لا والله وبلیٰ والله فلاإثم فیه ولا کفارة ﴿ وَلٰکِنْ یُّؤَاخِذُکُمْ بِمَا کَسَبَتْ قُلُوْبُکُمْ ﴾ أی قصدته من الایمان إذا حلفتم ﴿ وَاللهُ غَفُوْرٌ﴾ لما کان من اللغو﴿ حَلِیْمٌ ﴾ بتاخیر العقوبة عن مستحقها ﴿ لِلَّذِیْنَ یُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَائِهِمْ ﴾ أی یحلفون أن لایجامعوهن ﴿ تَرَبُّصُ﴾ انتظار﴿ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ فَإِنْ فَآءُوْا﴾ رجعوا فیها أو بعدها عن الیمین إلی الوطی ﴿فَإِنَّ اللهَ غَفُوْرٌ﴾ لهم ما أتوه من ضرر المرأة بالحلف ﴿ رَحِیْمٌ ﴾ بهم ﴿ وَإِنْ عَزَمُوْا الطَّلَاقَ﴾ أی علیه بأن لم یفیئوا فلیوقعوه ﴿ فَإِنَّ اللهَ سَمِیْعٌ ﴾ لقولهم ﴿ عَلِیْمٌ ﴾ بعزمهم المعنیٰ لیس لهم بعد تربص ماذکر إلا الفیئة أو الطلاق ﴿ وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ ﴾ أی لینتظرن﴿ بِأَنْفُسِهِنَّ ﴾ عن النکاح ﴿ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ ﴾ تمضی من حین الطلاق جمع قرء بفتح القاف وهو الطهر أو الحیض قولان وهٰذا فی المدخول بهن أما غیرهم فلاعدة لهن لقوله تعالیٰ ’’فَمَالَکُمْ عَلَیْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا‘‘ وفی غیر الآئسة والصغیرة فعدتهن ثلثة أشهرٍ والحوامل فعدتهن أن یضعن حملهن کمافی سورة الطلاق والإماء فعدتهن قراٰن بالسنة ﴿ وَلَایَحِلُّ لَهُنَّ أَنْ یَّکْتُمْنَ مَاخَلَقَ اللهُ فِیْ أَرْحَامِهِنَّ ﴾ من الولد أو الحیض ﴿ إِنْ کُنَّ یُؤْمِنَّ بِاللهِ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ وَبُعُوْلَتُهُنَّ ﴾ أزواجهن ﴿ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ﴾ أی بمراجعتهن ولوأبین فی ذٰلک أی فی زمن التربص ﴿ إِنْ أَرَادُوْا إِصْلَاحاً﴾ بینهما لا ضرر المرأة وهو تحریض علیٰ قصده لاشرط لجواز الرجعة وهٰذا فی الطلاق

الرجعي وأحق لاتفضيل فيه إذ لاحق لغيرهم في نكاحهن في العدة ﴿وَلَهُنَّ﴾ على الازواج ﴿مِثْلُ الَّذِيْ﴾ لهم ﴿عَلَيْهِنَّ﴾ من الحقوق ﴿بِالْمَعْرُوْفِ﴾ شرعاً من حسن العشرة وترك الضرار ونحو ذلك ﴿وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ﴾ فضيلة في الحق من وجوب طاعتهن لهم لما ساقوه من المهر والانفاق ﴿وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ﴾ في ملكه ﴿حَكِيْمٌ﴾ فيما دبره لخلقه۔

﴿ تـــرجمـــــه ﴾

(اورتم سے محیض کے بارے میں لوگ سوال کرتے ہیں) یعنی حیض سے متعلق، یا مکانِ حیض سے متعلق، کہ اس حالت میں عورتوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے (تم کہو کہ وہ اذیٰ ہے) یعنی نجاست ہے یا محل نجاست ہے (پس عورتوں سے الگ رہو) یعنی ان سے وطی نہ کرو (حیض میں) یعنی حیض کے دوران، یا مراد مکانِ حیض ہے، یعنی حیض آنے کی جگہ میں وطی نہ کرو (اور) جماع کے لئے (ان کے قریب نہ جاؤ، جب تک وہ پاک نہ ہوجائیں) یطھرن میں دو قرأت ہے، ایک تو طاء کے سکون کے ساتھ مجرد باب نصر سے یعنی یَطْهُرْنَ، دوسری قرأت طای اور یاء کی تشدید کے ساتھ یعنی یَطَّهَّرْنَ، اس قرأت کے اعتبار سے تاء تفعل کا طاء حرف اصلی میں ادغام ہے، پاک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حیض بند ہوجائے اور وہ غسل کرلیں (پس جب پاک ہوجائیں تو) جماع کے لئے (ان کے پاس آؤ، جس طرح کہ اللہ نے حکم دیا ہے) وہ یہ کہ حالت حیض میں پرہیز کرو، اور جماع قُبُل میں کرو، اس کے علاوہ تجاوز مت کرو (بلاشبہ اللہ تعالیٰ) گناہوں سے (توبہ کرنے والوں سے محبت کرتے ہیں) یعنی انھیں ثواب عطا فرماتے ہیں، اور ان کا اکرام فرماتے ہیں (اور نجاستوں سے پاکی حاصل کرنے والوں سے محبت کرتے ہیں، تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں) یعنی اولاد کے لئے بیج ڈالنے کی جگہ ہیں (تو اپنی کھیتی پر) یعنی بیج کے ڈالنے کے محل پر جو کہ قُبُل ہے (جیسے چاہو آؤ) کھڑے ہوکر، بیٹھ کر، لیٹ کر، سامنے کی طرف سے، پیچھے کی جانب سے۔ یہودیوں کا کہنا تھا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے پیچھے کی جانب سے قُبُل میں وطی کرے تو بچہ بھینگا پیدا ہوتا ہے، اس آیت نے اس کی تردید کردی (اور اپنے واسطے) عمل صالح کو (آگے بھیجو) مثلاً جماع کرتے وقت بسم اللہ پڑھنا (اور اللہ سے) اس کے امر و نہی کے سلسلے میں (ڈرو، اور یقین کرو کہ تم) دوبارہ زندہ ہوکر (ان سے ملوگے) وہ تمہارے اعمال کا بدلہ دیں گے (اور اہل ایمان کو) جو اللہ سے ڈرتے ہیں، جنت کی (خوش خبری سنادو، اور اللہ کو) یعنی اللہ کے نام کو (اپنی قسموں کے لئے رکاوٹ کی چیز مت بناؤ) **عرضة** کے معنی رکاوٹ پیدا کرنے والی علت ہے، یعنی اسے اپنا مقصد نہ بنالو کہ ہر بات پر قسم بکثرت کھاؤ (اس لئے کہ نیکی اور تقویٰ) نہ (اختیار کروگے) پس اس پر قسم کھانا مکروہ ہے، اور اس میں قسم توڑ دینا ضروری ہے، اور اس کے

خلاف نیک عمل کر کے کفارہ ادا کرے، کیونکہ وہ طاعت ہے (اور یہ کہ لوگوں کے درمیان صلح) نہ (کراؤ) مطلب یہ ہے کہ اگر کسی نیک کام کے نہ کرنے کی قسم کھالی ہے، تو قسم کی وجہ سے اسے ترک مت کرو، بلکہ اس کو کر ڈالو، اور کفارہ ادا کرلو، یہ ہم نے اس لئے کہا کہ اس آیت کے نزول کا سبب کسی اچھے کام کی قسم کھا کر لوگ اسے چھوڑ دیتے تھے، اور اپنی قسم کی مجبوری بیان کر دیتے تھے (اور اللہ) تمہارے اقوال کو (سننے والے) تمہارے احوال کو (جاننے والے ہیں، اللہ تعالیٰ تمہاری قسموں میں جو لغو قسم ہے، اس پر مواخذہ نہیں کرتے) لغو قسم وہ ہے، کہ بغیر ارادہ کے زبان سے قسم کا لفظ ادا ہو جائے، جیسے لا و اللہ، بـلـٰـی و اللہ، اس میں کوئی گناہ نہیں ہے اور نہ کفارہ ہے (لیکن تمہارا مواخذہ ان قسموں پر کرتا ہے جن کا تمہارے قلوب نے قصد کیا ہے، اور اللہ تعالیٰ) لغو قسم کی (مغفرت کرنے والے، حلیم ہیں) یعنی مستحق عذاب سے بھی عذاب کو ٹالتے رہتے ہیں۔

(وہ لوگ جو اپنی عورتوں سے ایلاء کرتے ہیں) یعنی قسم کھا لیتے ہیں کہ ان سے جماع نہ کریں گے (ان کے لئے چار ماہ کا انتظار ہے، پس اگر) چار ماہ کے دوران یا اس کے بعد یمین سے (رجوع کرلیا) اور ان سے وطی کرلی تو اللہ تعالیٰ) ان کے اس گناہ کو کہ قسم کھا کر عورت کو دکھ پہونچایا (مغفرت فرمانے والے ہیں) ان پر (رحم فرمانے والے ہیں، اور اگر انھوں نے طلاق کا عزم کر رکھا ہے) یعنی ان سے رجوع نہیں کیا تو چاہئے کہ طلاق دیدیں (تو اللہ تعالیٰ) ان کے قول کو (سنتے) ان کے عزم کو (جانتے ہیں) مطلب یہ ہے کہ جتنے انتظار کا اوپر ذکر کیا گیا ہے، اس کے بعد دو ہی راستہ ہے، یا تو فئے یعنی رجوع یا طلاق (اور وہ عورتیں جنھیں طلاق دی گئی ہے وہ اپنے آپ کو) نکاح سے (تین قـــروء تک روک کر انتظار کریں گی) جن کی ابتداء طلاق کے وقت سے ہوگی۔ قـروء جمع ہے قـرء بفتح القاف کی، اس کے معنی طہر ہے یا حیض ہے، اس مسئلہ میں یہ دو قول ہے، عدت کا یہ مسئلہ مدخول بہا کے حق میں ہے، غیر مدخول بہا مطلقہ پر کوئی عدت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فـمـا لكم عليهن مـن عـــدةٍ (سورۃ الاحزاب) نیز عدت کا یہ تعین اس عورت کے حق میں ہے جو آئسہ اور نابالغہ نہ ہو، ان دونوں کی عدت تین ماہ ہے، اور حاملہ کی عدت یہ ہے کہ وضع حمل ہو جائے، جیسا کہ سورہ طلاق میں ہے، اور باندی مطلقہ ہو تو اس کی عدت دو قـروء ہے، یہ سنت سے ثابت ہے (اور ان کے لئے جائز نہیں ہے کہ اللہ نے ان کے رحم میں جو کچھ پیدا فرمایا ہے) خواہ بچہ ہو یا حیض (اسے وہ چھپائیں، اگر وہ اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہیں، اور ان کے شوہران سے رجعت کرنے کے حقدار ہیں) اگر چہ عورتوں کو انکار ہو (اس) مدت یعنی عدت (میں اگر ان کا ارادہ اصلاح کا ہو) نہ کہ عورت کو تکلیف پہونچانے کا، یہ شرط جوازِ رجعت کے لئے شرط نہیں ہے، بلکہ اصلاح کی ترغیب وتحریض ہے، رجعت کا یہ مسئلہ صرف طلاق رجعی میں ہے، أحق صیغہ تفضیل کا ہے، مگر تفضیل کا معنی مراد نہیں ہے، کیونکہ عدت کے دوران کسی اور کو نہ نکاح کا حق ہے اور نہ رجعت کا (اور ان کیلئے) شوہروں پر (اسی

طرح کا حق ہے جیسا) شوہروں کیلئے (ان پر حق ہے) شرعی (دستور کے مطابق) یعنی حسن معاشرت اور ترک ضرار وغیرہ کے تقاضوں کے موافق (اور مردوں کے لئے ان پر ایک درجہ) حق میں فضیلت کا (ہے) یعنی عورتوں کے ذمہ شوہروں کی فرمانبرداری ہے، کیونکہ مرد کی جانب سے انھیں مہر ملتی ہے اور نفقہ ملتا ہے (اور اللہ) اپنے ملک میں (غالب ہیں) اور اپنی مخلوق کے لئے جو تدبیر کرتے ہیں، اس میں (حکمت والے ہیں)

﴿تشریحات﴾

﴿عَنِ الْمَحِيْضِ﴾ أی الحیض أو مکانه :۔ محیض مصدر میمی بھی ہے، اور ظرف بھی، اگر مصدر ہے تو اس کے معنی حیض کے ہیں، یعنی خون کا بہنا، اور اگر ظرف ہے، تو حیض کی جگہ معنی ہے، یعنی سوال یہ ہے کہ حالت حیض میں قبل میں وطی کرنے کا کیا حکم ہے؟

أذیً قذر أو محله :۔ محیض اگر مصدر ہے، تو جواب میں اسے قذر کہا گیا ہے، اور اگر ظرف ہے، تو اسے محل قذر کہا گیا ہے۔

أترکوا وطیهن :۔ فاعتزلوا النساء میں بظاہر اعتزال کا حکم مطلق ہے، اس سے محسوس ہوتا ہے کہ حالت حیض میں مطلقاً عورتوں سے جدا رہنا چاہئے۔ مفسر نے واضح کر دیا کہ جواب، سوال پر وارد ہے، یہاں وطی کا سوال تھا تو جواب میں بھی وہی بات ہے، یعنی اس حالت میں وطی کرنے سے علیحدہ رہو۔

فی المحیض أی وقته :۔ اس جگہ محیض ظرف زمان ہے، ظرف مکان بھی ہوسکتا ہے۔

لاتقربوهن بالجماع :۔ یہاں قربت بمعنی جماع ہے، مطلق قربت مراد نہیں ہے۔

یطهرن الخ :۔ مجرد کی قرأت میں اس کا اطلاق حیض کے بند ہونے پر ہے، اور مزید کی قرأت میں اس کا اطلاق غسل کر لینے پر ہے۔

ولاتعدوه إلیٰ غیره :۔ ﴿مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللهُ﴾ سے مراد یہ ہے کہ وطی قبل میں کی جائے، اور اس کو چھوڑ کر بدن کے کسی اور حصے کو وطی کا محل نہ بنایا جائے۔

یحب یثیب ویکرم الخ :۔ یحب محبة سے ماخوذ ہے، لیکن مفسر نے اس کا ترجمہ یثیب اور یکرم سے کیا ہے، اس کا ایک نکتہ ہے، اور وہ یہ ہے کہ محبت اپنی ابتداء میں ایک انفعالی جذبہ ہے، وہ ایک تاثر ہے جو دل میں پیدا ہوتا ہے، پھر اس کی انتہا یہ ہے کہ جس سے محبت ہوتی ہے اس پر بخشش ونوازش ہوتی ہے، اس کا اکرام ہوتا ہے، تو محبت اپنے ابتدائی معنی کے لحاظ سے باری تعالیٰ کے شایان شان نہیں، لیکن اپنی انتہا کے اعتبار سے محبت بارگاہِ حق کے شایان شان ہے، مفسر نے ترجمہ میں انتہائی معنی کا لحاظ کیا ہے۔

أی محل زرعکم :۔ حرث کے معنی بیج ڈالنے کے ہیں، عورتیں محل حرث ہیں، کیونکہ اولاد کا بیج ان کے رحم میں

ڈالا جاتا ہے،اس کے بعد والے جملہ ﴿ فَـأْتُـوْا حَـرْثَكُمْ ﴾میں بھی حرث کے معنی محل حرث کے ہیں،اور ظاہر ہے کہ محل حرث قبل ہے، دبر نہیں۔أنیٰ بمعنی کیف ہے،مطلب یہ ہے کہ وطی کا محل تو قبل ہے،باقی جماع کی ہیئت میں اختیار ہے، بیٹھ کر، لیٹ کر، سامنے سے،اور پیچھے کی جانب سے۔

یہود کا عقیدہ یہ تھا کہ پیچھے سے عورت کے قبل میں وطی کی جائے تو لڑکا بھینگا پیدا ہوتا ہے،اس آیت سے اس غلط عقیدہ کا انسداد ہو گیا۔

الذین اتقوہ بالجنة :۔یہ عبارت ﴿ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ کے بعد مومنین کی تشریح کے طور پر لکھی گئی ہے، **بـالـجـنـة** کا تعلق **بَشِّرْ** سے ہے،ترجمہ اس طرح ہوگا،مومنین جنھوں نے اللہ کا تقویٰ اختیار کیا،انھیں جنت کی خوشخبری سنادو۔﴿ وَلَا تَـجْـعَـلُـوْا اللهَ ﴾ **أی الـحـلـف بـه** ﴿ عُرْضَةً ﴾ **علةً مانعةً** ﴿ لِاَيْمَانِكُمْ ﴾ **أی نـصـبـاً لـهـا بـأن تـكـثـروا الـحـلـف بـه** ﴿ أَنْ ﴾ **لا** ﴿ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ﴾ **فتكره اليمين عليٰ ذٰلک**:

شانِ نزول: حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اور ان کے رشتہ دار حضرت بشیر بن نعمان رضی اللہ عنہ کے درمیان کچھ ناچاقی ہوئی،حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے قسم کھالی کہ نہ اب ان کے پاس جائیں گے،نہ ان سے بات کریں گے،اور نہ ہی ان کے کسی معاملہ کے درمیان پڑیں گے۔اس طرح انھوں نے قطع تعلق کر لیا،اس صورت حال کی اصلاح کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔(جمل)

عُرْضَةً:۔ بروزن **فعلة** اسم فاعل کے معنی میں ہے،یعنی وہ چیز جو کسی مقصد کے لئے آڑ اور رکاوٹ بن جائے، یعنی اللہ کے نام کو اعمالِ خیر کے سامنے رکاوٹ مت بناؤ۔مطلب یہ ہے کہ کسی کارِ خیر کے سلسلے میں قسم کھا کر اس کو کارِ خیر کے سامنے رکاوٹ مت بناؤ،مثلاً تقویٰ اور نیکی کا کوئی کام،اس پر جب قسم کھالوگے تو قسم کے بچانے کے لئے خواہ مخواہ اس سے اجتناب کرنا پڑے گا،تو ایسی قسم نہ کھاؤ،اس معنی کے لحاظ سے ﴿ عُـرْضَـةً لِاَيْـمَـانِكُمْ ﴾ میں **اَيْـمَـان** سے مراد قسم نہیں ہے، بلکہ وہ کارِ خیر ہے جس کے سلسلے میں نہ کرنے کی قسم کھائی ہے۔اس تفسیر کے اعتبار سے کارِ خیر کے سلسلے میں قسم کھانے کی علی الاطلاق ممانعت ہے،اور عمل محلوف علیہ کو یمین مجازاً کہا گیا ہے، کیونکہ اس کا اس سے تعلق ہے۔

عُـرْضَةً:۔بمعنی مفعول بھی ہوسکتا ہے،وہ شے ہے جس کو کسی مقصود کے سامنے حائل بنادیا جائے،مراد اس سے نشانہ ہے۔اس معنی کے لحاظ سے مطلب یہ ہوگا کہ اللہ کے نام کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ،یعنی اللہ کے نام کو بار بار اپنی قسموں کیلئے استعمال نہ کرو،اس سے اللہ کے نام کی بے توقیری ہوتی ہے،مطلب یہ ہے کہ بکثرت قسمیں نہ کھاؤ،اور اللہ کے نام کو ایسا معمولی نہ سمجھو کہ ادنیٰ ادنیٰ بات پر قسم کھاتے پھرو۔اس تفسیر کے لحاظ سے **اَيْمَان** اپنے

حقیقی معنی میں ہے، اور اس میں کثرتِ حلف سے منع کیا گیا ہے۔

پہلی تفسیر کے لحاظ سے أَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا میں لا مقدر ہے، جسے مفسر علام نے عبارت میں ظاہر فرمادیا ہے، اور دوسری تفسیر کے اعتبار سے لا کی تقدیر کی ضرورت نہیں ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ نیکی، تقویٰ اور اصلاح بین الناس کے لئے سہی، مگر اللہ کے نام کو قسموں کا نشانہ نہ بناؤ، اور بہت زیادہ قسم نہ کھاؤ، کیونکہ اس سے اللہ کے نام کی بے حرمتی ہوتی ہے، بکثرت قسم کھانے والے کے دل میں اللہ کی حرمت باقی نہیں رہتی۔

اس آیت کریمہ کی یہ دو تفسیریں ہیں۔ مفسر کے ایجازِ عبارت نے دونوں تفسیروں کو خلط کردیا ہے، أَنْ تَبَرُّوْا کے ساتھ لا کو مقدر مان کر اور پھر **فتکره اليمين علىٰ ذٰلک ويسن فيه الحنث** کہہ کر کسی فعل خیر کے سلسلے میں قسم کھانے کی ممانعت کردی ہے، یہ تو پہلی تفسیر کا بیان ہوا۔

لیکن **نصباً لها بأن تكثروا الحلف به** سے دوسری تفسیر کا بیان ہے کہ بکثرت قسم مت کھاؤ۔

ويسن فيه الحنث :۔ کسی نے عمل خیر کے نہ کرنے کی قسم کھائی ہے، تو اسے توڑ دینا مسنون ہے، اس عمل خیر کو کرلے، اور کفارہ ادا کرلے۔

وهو مايسبق إليه اللسان الخ :۔ مفسر نے یمین لغو کی تفسیر امام شافعی علیہ الرحمہ کے مسلک کے مطابق کی ہے، یمین لغو یہ ہے کہ قسم کا ارادہ نہ ہو، یونہی بلا ارادہ زبان پر قسم کے الفاظ جاری ہوجائیں، اہل عرب کی عادت تھی کہ بات بات پر لا و اللہ اور بلیٰ و اللہ کہہ دیا کرتے تھے۔ اس یمین لغو پر امام شافعی علیہ الرحمہ کے اعتبار سے کوئی مواخذہ نہیں ہے، کفارہ نہ گناہ۔ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک یمین لغو کا مطلب یہ ہے کہ کسی کام کے بارے میں یہ سمجھ کر کہ کام ہوگیا ہے، قسم کھائے کہ واللہ ایسا ہوا ہے، بعد میں معلوم ہوا کہ وہ کام نہیں ہوا ہے، تو یہ یمین لغو ہے، اس میں قسم کھانے والے نے جھوٹ کا قصد نہیں ہے۔ اس قسم میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک نہ کفارہ ہے نہ گناہ!

شوافع نے جو یمین لغو کی تعریف کی ہے، اگر وہ آئندہ کسی کام کے متعلق ہے، اور اس نے اس کے خلاف کردیا، تو امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک کفارہ واجب ہوگا، اور احناف نے جو یمین لغو کی تعریف کی ہے اس میں اگر قسم کا خلاف واقعہ ہونا ثابت ہوا، تو امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک کفارہ واجب ہوگا۔

أى قصدته من الايمان إذا حنثتم :۔ یمین لغو پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی مواخذہ نہیں ہے، لیکن وہ قسم جو قصداً دل کے ارادہ کے ساتھ کھائی گئی ہو، اس پر خدا کا مواخذہ ہے، لیکن یہ کیا مواخذہ ہے، اس کا یہاں پر بیان نہیں ہے۔

درحقیقت یمین کی ابتداءً دو صورتیں ہیں۔ ایک وہ جو دل کے ارادہ سے قسم کھائی گئی ہو۔ دوسرے وہ جو ارادہ کے بغیر زبان سے ادا ہوئی، دوسری کا نام یمین لغو ہے۔ پہلی قسم کی دو صورتیں ہیں۔ اوّل یہ کہ مستقبل کے کسی

کام پر ہو۔ دوسرے یہ کہ ماضی کے کسی عمل سے متعلق جھوٹی قسم قصداً ہو۔ مستقبل والی قسم کو یمین منعقدہ کہتے ہیں، اس کا حکم یہ ہے کہ بذات خود اس قسم پر کوئی مواخذہ نہیں ہے۔ ہاں اگر کسی نے اس قسم کے خلاف کرلیا، تو گناہ ہے، اور اس گناہ کا ایک کفارہ متعین ہے، جس کا ذکر ساتویں پارے میں آ رہا ہے۔ اور ماضی کے متعلق جھوٹی قسم کا نام یمین غموس ہے۔ اس میں امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک شدید گناہ ہے، مگر دنیوی کوئی جزاء، کفارہ وغیرہ نہیں ہے، اور امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک اس میں بھی کفارہ ہے۔

أی یحلفون أن لا یجامعوهن :۔ یہ ایلاء کی تعریف ہے، ایلاء کے معنی قسم کھانے کے ہیں۔ یہاں ایک خاص طرح کی قسم مراد ہے، وہ یہ کہ شوہر قسم کھالے کہ اپنی بیوی سے جماع نہیں کرے گا۔ اگر اس میں کوئی مدت مقرر نہیں کی ہے، یا چار ماہ یا اس سے زیادہ مدت مقرر کی ہے، تب وہ اصطلاح شرع میں ایلاء ہے، اور اگر چار ماہ سے کم مدت مقرر کی ہے تو وہ مطلق یمین ہے، ایلاء نہیں ہے۔

انتظار أربعة أشهر :۔ ایلاء کرنے والا خواہ اس نے سرے سے کوئی مدت متعین نہیں کی ہے، یا چار ماہ یا اس سے زیادہ کی مدت مقرر کی ہے، دونوں صورتوں میں شوہر ایلاء کرنے والا چار ماہ تک جماع سے رکا رہ سکتا ہے۔

﴿ فَاِنْ فَآءُوْ ا﴾ **رجعوا فیها أو بعدها عن الیمین إلی الوطی** :۔ یہ تفسیر مفسر نے امام شافعی علیہ الرحمہ کے مسلک پر کی ہے۔ چار مہینے کے اندر یا چار ماہ کے بعد اگر اس نے اپنے قسم کے خلاف وطی کرلی، تو اللہ تعالیٰ مغفرت فرمانے والے رحیم ہیں، یعنی اس قسم کے ذریعے عورت کو جو تکلیف شوہر نے دی ہے، فئے کے بعد اللہ تعالیٰ اس کے گناہ کو معاف فرمادیں گے۔ یہ مسلک امام شافعی علیہ الرحمہ کا ہے، کہ چار ماہ کے بعد بھی قسم سے رجوع کیا جاسکتا ہے، لیکن اس تفسیر کے لحاظ سے چار ماہ کی تحدید اور **فیها** کا کوئی فائدہ معلوم نہیں ہوتا، یہ دونوں لفظ اگر نہ ہوتے، تب تو یہ مسئلہ بنتا، مگر ان دونوں لفظوں کی موجودگی اس تفسیر سے مانع ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ چار ماہ تک اس قسم کا عمل **تربص** ہے، یعنی چار ماہ کے اندر عورت اس کی بیوی ہے، چاہے تو قسم توڑ کر نکاح کو برقرار رکھے، اور چاہے تو چار ماہ تک قسم برقرار رکھے۔ اس کے بعد نکاح برقرار نہ رہے گا، بلکہ از خود طلاقِ بائن پڑ جائے گی، تو **فاءوا فیها** کا مطلب یہ ہے کہ چار ماہ کے اندر رجوع کرنے سے ایلاء سے رجوع متحقق ہوگا، اور اگر چار ماہ کے اندر رجوع نہیں کیا، تو اس کی تعبیر اللہ تعالیٰ نے اس طرح فرمائی ہے کہ ﴿ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴾، اور اگر طلاق کا عزم ہے تو اللہ تعالیٰ سننے والے جاننے والے ہیں۔ طلاق کا یہ عزم کیا ہے؟ اس کی تفسیر مفسر نے یہ کی ہے کہ **بأن لم یفیئوا**۔ اس سے معلوم ہوا کہ رجوع نہ کرنا ہی عزم طلاق ہے، چار ماہ گزر جانے کے بعد یہ عزم طلاق، طلاق بن کر عورت کو نکاح سے جدا کردے گا، الگ سے طلاق دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

لیکن مفسر نے فلیو قعوہ کا لفظ لا کر امام شافعی علیہ الرحمہ کا مسلک ظاہر کیا کہ چار ماہ رک رجوع نہ کرنے کی صورت میں اسے طلاق دے دینی چاہئے، یا یہ کہ رجوع کر لینا چاہئے، چنانچہ فرماتے ہیں: المعنیٰ لیس لهم بعد تربص ماذكر إلا الفيئة أو الطلاق ، مذکورہ بالا تربص یعنی چار ماہ کے بعد فئے (رجوع) یا طلاق کے علاوہ اور کوئی صورت نہیں ہے، اب حالت انتظار میں رکھنا جائز نہیں ہے۔

هو الطهر أو الحيض :۔لفظ قروء، قرء کی جمع ہے، یہ لفظ حیض اور طہر کے معنی کے درمیان مشترک ہے، طہر امام شافعی علیہ الرحمہ کا قول ہے، اور حیض امام ابوحنیفہ اور امام مالک علیہما الرحمہ کا قول ہے۔

وهٰذا في المدخول بهن الخ :۔عدت طلاق کے سلسلے میں آیت بظاہر عام ہے، لیکن اس میں تخصیص ہے، اصل یہ ہے کہ مطلقہ عورتیں چھ طرح کی ہوسکتی ہیں۔(۱) حرہ بالغہ مدخول بہا (۲) حرہ بالغہ غیر مدخول بہا (۳) حرہ نابالغہ مدخول بہا (۴) حرہ آئسہ مدخول بہا (۵) حاملہ (۶) باندی۔

ان چھ قسموں میں سے تین قروء والی عدت صرف قسم اوّل کی ہے۔ دوسری قسم کے لئے سرے سے عدت ہی نہیں ہے۔ تیسری اور چوتھی قسم کے لئے عدت تین ماہ ہے۔ پانچویں قسم کی عدت وضع حمل ہے۔ چھٹی قسم کی عدت دو قروء ہے۔

دلائل علی الترتیب یہ ہیں: (۱) وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ (۲) يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا (سورۃ الاحزاب ۴۹) (۳،۴،۵) وَاللَّائِيْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَائِكُمْ إِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ أَشْهُرٍ وَّاللَّائِيْ لَمْ يَحِضْنَ وَأُوْلَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ (سورۃ الطلاق:۴) (۶) طَلَاقُ الْأَمَةِ ثِنْتَانِ وَعِدَّتُهَا حَيْضَتَانِ، اس حدیث کو امام ترمذی، امام ابن ماجہ اور امام ابوداؤد نے نقل کیا ہے۔ سند کے اعتبار سے یہ حدیث ضعیف ہے، لیکن مسئلہ طلاق میں تمام ائمہ کے نزدیک یہ حدیث مقبول و معمول بہ ہے۔ اس لئے معنیً قوی ہے۔

ولو أبين الخ: رجعت کرنے کیلئے عورت کی رضا اور اجازت شرط نہیں ہے، طلاق سے رجوع میں شوہر بااختیار ہے۔

وهو تحريض علىٰ قصده :۔﴿ وَبُعُوْلَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ ﴾ سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شوہروں کو رجعت کا حق کسی اور کے مقابلے میں زیادہ ہے، مفسر فرماتے ہیں کہ یہاں ظاہر معنی مراد نہیں ہے، أحق گو کہ اسم تفضیل ہے، مگر تفضیل والا معنی یہاں معتبر نہیں ہے، کیونکہ شوہروں کے علاوہ کسی اور کو رجعت کا استحقاق ہی نہیں ہے، نہ کم نہ زیادہ، عدت کے دوران نہ تو کسی اور کو رجعت کا حق ہے اور نہ نکاح کا۔ اور إِنْ أَرَادُوْا إِصْلَاحًا سے بظاہر یہ خیال ہوتا ہے کہ ارادۂ اصلاح رجعت کے لئے شرط ہے، اس ارادہ کے بغیر رجعت درست نہ ہوگی، مفسر

نے فرمایا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ شرط ارادۂ اصلاح کے لئے ترغیب ہے۔

فضیلة فی الحق من وجوب طاعتهن لهم: ۔عورتوں کے اوپر مردوں کا ایک درجہ زائد ہے۔وہ کیا ہے؟ فرماتے ہیں کہ حقوق میں انھیں ایک فضیلت حاصل ہے، وہ یہ کہ عورتوں کے اوپر مردوں کی اطاعت لازم ہے، کیونکہ مردوں پر ان کیلئے انفاق مالی واجب ہے، عطاء مہر اور نان ونفقہ کی وجہ سے۔اس کی بنیاد پر انھیں عورتوں پر فوقیت حاصل ہے۔

﴿مضامین آیات وتفسیر﴾

رسول اکرم ﷺ سے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے سوال کیا تھا کہ حالت حیض میں عورت کس سلوک کی مستحق ہے؟ اور یہ سوال اس لئے ہوا تھا کہ مدینہ میں یہودیوں کے معاشرہ میں حیض کے دوران عورت اچھوت بن جاتی تھی۔اس کا کھانا پینا، رہن سہن حتیٰ کہ برتن تک الگ کر دیا جاتا تھا، ظاہر ہے کہ یہ عورتوں پر ایک ظلم تھا، اور مردوں کے لئے اس صورت حال میں بڑی تنگی تھی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس سوال کا یہ جواب دیا گیا کہ حیض تو ایک نجاست ہے، اس لئے اس حالت میں عورتوں سے صحبت نہ کرو جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں، اس سے زیادہ احتراز کی ضرورت نہیں۔ پاک ہو جانے کے بعد خدا کے حکم کے مطابق ان سے ملنے کی آزادی ہے، توبہ اور طہارت اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ چیز ہے۔

عورتیں تمہارے لئے بمنزلہ کھیتی کے ہیں، اولاد کا بیج تمہیں ڈالنا ہے، تمہیں اختیار ہے، جس طرح چاہو تخم ریزی کرو، اس میں لیٹنے، بیٹھنے، کھڑے ہونے، آگے پیچھے کی کوئی قید نہیں ہے، بس یہ ہے کہ صحبت تخم ریزی کے محل ہی میں ہو، بے محل نہ ہو۔اور اس میں عمل صالح کا خیال رکھو، یعنی اللہ کا نام لے کر عورتوں سے ملو۔مقصود صرف لذتِ نفس نہ ہو بلکہ طلبِ اولاد کی نیت ہو، اور زندگی کے ہر موقع پر اللہ سے ڈرتے رہو، اور یہ خوب سمجھ لو کہ ایک دن اللہ سے ملنا ہے، اور ہر عمل کی جزا پانی ہے، تو اللہ پر ایمان کی وجہ سے جنت کی بشارت ہو۔

اور اللہ کے نام کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ، اور اس کی آڑ میں خود کو نیکی، تقویٰ اور اصلاح بین الناس سے بچانے کی کوشش نہ کرو، اور اگر کبھی ایسی کسی بات پر جس میں نیکی وتقویٰ ہو قسم کھا بیٹھے تو قسم توڑ کر کفارہ ادا کر دو، اللہ تعالیٰ تمہارے اقوال واحوال کو سنتے ہیں اور جانتے ہیں۔تم جو قسمیں کھاتے ہو، ان میں جو لغو ہیں، یعنی بلا ارادہ زبان سے نکلتی رہتی ہیں ان پر کوئی مواخذہ نہیں ہے، لیکن اگر دل کے ارادہ کے ساتھ قسم کھائی ہے، اس پر مواخذہ ہے، مگر اللہ تعالیٰ مغفرت کرنے والے بھی ہیں، حلیم بھی ہیں، فوراً سزا نہیں دیتے۔

اور اگر تم نے اس بات کی قسم کھالی ہے کہ بیوی کے پاس نہ جاؤ گے، تو اس قسم میں بیوی کے پاس نہ جانے کی مدت چار ماہ ہے، اگر چار ماہ کے اندر اندر بیوی سے صحبت کر لی تو قسم ختم، کفارہ واجب، بیوی حلال، اور

اگر چار ماہ گزر گئے اور تم بیوی کے پاس نہ گئے تو بیوی نکاح سے نکل گئی، ایک طلاقِ بائن پڑ گئی۔(۱)

اور مطلقہ عورتوں کی عدت جس میں کسی اور مرد سے عورت کا نکاح جائز نہیں ہے، تین حیض ہے۔ اس دوران اگر طلاق رجعی ہے تو بہ نیت اصلاحِ حال مرد رجعت کرنے کا حق رکھتا ہے۔ مطلقہ عورت کو اپنا حال چھپانا نہیں چاہئے، یعنی اگر پیٹ میں بچہ ہے، یا خالی ہے، دونوں کو ظاہر کر دینا چاہئے، تاکہ اسی کے حساب سے عدت کا تعین ہو۔ جس طرح مردوں کے عورتوں پر کچھ حقوق ہیں، اسی طرح عورتوں کے مردوں پر بھی کچھ حقوق ہیں، البتہ مردوں کو ایک گونہ فضیلت اس لئے حاصل ہے کہ عورت مرد کی کفالت میں ہوتی ہے، تو جب مرد عورت کا کفیل ہے تو اس پر مرد کی اطاعت واجب ہے، اور اللہ تعالیٰ صاحبِ غلبہ و حکمت ہے۔

(۱) یہ خلاصہ مذہب حنفی کے مطابق لکھا گیا ہے، صاحب تفسیر نے جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ چار ماہ تک تو مہلت ہے، خواہ بیوی کے پاس جائے یا نہ جائے، لیکن اس کے بعد دو بات میں سے ایک بات لازم ہے، یا تو قسم توڑ دے اور رجوع کرے، یا طلاق دیدے۔

☆☆☆☆☆

﴿اَلطَّلَاقُ﴾ أی التطليق الذی يراجع بعده ﴿مَرَّتَانِ﴾ أی اثنتان ﴿فَإِمْسَاكٌ﴾ أی فعليكم إمساكهن بعده بأن تراجعوهن ﴿بِمَعْرُوْفٍ﴾ من غير ضرار ﴿أَوْ تَسْرِيْحٌ﴾ إرسال لهن ﴿بِإِحْسَانٍ وَلَايَحِلُّ لَكُمْ﴾ أيها الازواج ﴿أَنْ تَاخُذُوْا مِمَّا آتَيْتُمُوْهُنَّ﴾ من المهور ﴿شَيْئاً﴾ إذا طلقتموهن ﴿إِلَّا أَنْ يَّخَافَا﴾ أی الزوجان ﴿أَنْ لَّايُقِيْمَا حُدُوْدَاللهِ﴾ أی لاياتيا بما حده لهما من الحقوق وفی قراءةٍ يُخافا بالبناء للمفعول فان لايقيما بدل اشتمال من الضمير فيه وقرئ بالفوقانية فی الفعلين ﴿فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّايُقِيْمَا حُدُوْدَاللهِ فَلَاجُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَاافْتَدَتْ بِهٖ﴾ نفسها من المال ليطلقها أی لاحرج علی الزوج فی أخذه ولاالزوجة فی بدله ﴿تِلْكَ﴾ الاحكام المذكورة ﴿حُدُوْدُاللهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَاللهِ فَاُولٰئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ. فَإِنْ طَلَّقَهَا﴾ الزوج بعد الثنتين ﴿فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدُ﴾ بعد الطلقة الثالثة ﴿حَتّٰى تَنْكِحَ﴾ تتزوج ﴿زَوْجاً غَيْرَهٗ﴾ ويطأها كما فی الحديث رواه الشيخان ﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا﴾ الزوج الثانی ﴿فَلَاجُنَاحَ عَلَيْهِمَا﴾ أی الزوجة والزوج الاول ﴿أَنْ يَّتَرَاجَعَا﴾ الی النكاح بعد إنقضاء العدة ﴿إِنْ ظَنَّا أَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَاللهِ وَتِلْكَ﴾ أی المذكورات ﴿حُدُوْدُاللهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ﴾ يتدبرون ﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ﴾ قاربن انقضاء عدتهن ﴿فَأَمْسِكُوْهُنَّ﴾ بان تراجعوهن ﴿بِمَعْرُوْفٍ﴾ من غير ضرارٍ ﴿أَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ﴾ أتركوهن حتى تنقضی عدتهن ﴿وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ﴾ بالرجعة ﴿ضِرَاراً﴾ مفعول له ﴿لِّتَعْتَدُوْا﴾ عليهن بالالجاء إلی الافتداء أو التطليق وتطويل الحبس ﴿وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ

﴿فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ﴾ بتعريضها إلىٰ عذاب الله تعالىٰ ﴿وَلَا تَتَّخِذُوْا آيٰتِ اللهِ هُزُوًا﴾ مهزوءًا بها بمخالفتها ﴿وَّاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللهِ عَلَيْكُمْ﴾ بالاسلام ﴿وَمَا اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ﴾ القرآن ﴿وَالْحِكْمَةِ﴾ مافيه من الاحكام ﴿يَعِظُكُمْ بِهٖ﴾ بأن تشكروها بالعمل به ﴿وَاتَّقُوا اللهَ وَاعْلَمُوْا أَنَّ اللهَ بِكُلِّ شَيْئٍ عَلِيْمٌ﴾ لا يخفىٰ عليه شئ

﴿ترجمـــــه﴾

(طلاق) یعنی وہ تطلیق جس کے بعد رجعت ہوسکتی ہے (دو مرتبہ ہے) یعنی دو طلاق ہے (پھر روک لینا ہے) یعنی اس کے بعد انھیں روک لینا تم پر لازم ہے، جس کا طریقہ یہ ہے کہ ان سے رجعت کرلو (دستورِ شرع کے مطابق) تکلیف دینے کے لئے نہیں (یا چھوڑ دینا ہے) یعنی انھیں آزاد کر دینا ہے (اور) اے شوہرو! (تمہارے لئے جائز نہیں ہے کہ جو کچھ) مہر (تم نے انھیں دے رکھی ہے، اس میں سے کچھ بھی واپس لو) جبکہ تم نے انھیں طلاق دیدی ہے (مگر یہ کہ زوجین) اس بات کا اندیشہ محسوس کریں کہ اللہ کے حدود کو برقرار نہ رکھ سکیں گے) یعنی اللہ نے جو حقوق ایک دوسرے کے متعین کئے ہیں وہ ادا نہ کرسکیں گے، اور ایک قرأت میں یُخافا فعل مجہول ہے، اس صورت میں ألا یقیما، یخافا کی ضمیر سے بدل اشتمال ہے، اور ایک قرأت شاذہ میں دونوں فعلوں کو تاء کے ساتھ پڑھا گیا ہے یعنی إِلَّا أَنْ تَخَافَا أَنْ لَّا تُقِيْمَا حُدُوْدَ اللهِ، (پس اگر تم لوگوں کو اندیشہ ہو کہ یہ دونوں اللہ کے حدود کو برقرار نہ رکھ سکیں گے تو ان دونوں پر اس بات میں کوئی مضائقہ نہیں کہ عورت) اپنے آپ کا مالی (فدیہ دیدے) تاکہ شوہر اسے طلاق دیدے، یعنی اس کے لینے میں شوہر کو حرج نہیں، اور دینے میں عورت پر کوئی مضائقہ نہیں (یہ) مذکورہ بالا احکام (اللہ کے حدود ہیں، پس ان سے آگے نہ بڑھو، اور جو کوئی اللہ کے حدود سے تجاوز کرتا ہے، وہی لوگ ظالم ہیں، پھر اگر) شوہر نے دو کے بعد تیسری (طلاق دیدی، تو عورت اس کے لئے) تیسری طلاق کے بعد (حلال نہ ہوگی تا آنکہ وہ اس کے علاوہ دوسرے شوہر سے نکاح کرلے) اور اس سے وطی بھی کرلے جیسا کہ حدیث میں ہے، اس کو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے (پھر اگر) شوہر ثانی (اسے طلاق دیدے، تو ان دونوں) یعنی بیوی اور شوہر اول (پر کوئی حرج نہیں کہ) عدت کے ختم ہونے کے بعد نکاح کی جانب (رجوع کرلیں، اگر وہ سمجھتے ہوں کہ اللہ کے حدود کو برقرار رکھ سکیں گے، اور یہ) مذکورہ چیزیں (اللہ کے حدود ہیں، انھیں وہ ان لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں) یعنی تدبر کرتے ہیں (بیان فرماتے ہیں، اور جب تم عورتوں کو طلاق دو، پھر وہ اپنی مدت کو پہونچ جائیں) یعنی عدت کے پورا ہونے کا وقت قریب ہوجائے تو (انھیں روک لو) یعنی (دستور شرع کے مطابق) بغیر تکلیف کے قصد کے ان سے رجعت کرلو (یا دستور شرع کے مطابق ان کو آزاد کردو) یعنی انھیں چھوڑے رکھو، یہاں تک کہ عدت پوری ہوجائے (اور انھیں) رجعت کرکے (تکلیف پہونچانے کے

لئے نہ روکو) ضــرارا مفعول لہ ہے (تا کہ تم) انھیں فدیہ پر مجبور کر کے اور پھر طلاق دے کر اور عدت کی قید لمبی کر کے (ان پر زیادتی کرو، اور جو یہ کام کرے گا، اس نے) اپنے آپ کو اللہ کے عذاب پر پیش کر کے (خود اپنے اوپر ظلم کیا، اور اللہ کی آیتوں کو) ان کے خلاف کر کے (مذاق) کی چیز (نہ بناؤ، اور اپنے اوپر اللہ کے احسان) یعنی اسلام (کو یاد کرو اور) یاد کرو (جو کچھ اللہ نے تم پر کتاب اتاری ہے) یعنی قرآن نازل فرمایا ہے (اور حکمت) اتاری ہے، یعنی وہ احکام جو اس میں ہیں (اللہ تم کو اس سے نصیحت کرتے ہیں) کہ ان پر عمل کر کے ان کی قدر کرو (اور اللہ سے ڈرو، اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والے ہیں) ان پر کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔

﴿تشریحات﴾

التطليق الذى يراجع بعده :۔طلاق مصدر ہے، اس کا تعلق عورت سے بھی ہوتا ہے، اس صورت میں اس کو طالق کہتے ہیں، اور اس کا تعلق مرد سے بھی ہوتا ہے، اس صورت میں یہ تطلیق کے معنی میں ہوتا ہے، یعنی طلاق دینا۔ظاہر ہے طلاق دینا مرد ہی سے متعلق ہوتا ہے۔

مرتان أى إثنتان :۔مرتان کا لفظ اشارہ کرتا ہے کہ طلاق رجعی صرف وہ ہے، جو دو مرتبہ میں دی، بیک مجلس یا بیک لفظ نہ دی جائے، اس لئے کہ دوبار اسی طلاق کو کہا جائے گا، جو الگ الگ دی گئی، اور طلاق سنت ہے بھی یہی کہ ہر طلاق علیٰحدہ ایسے طہر میں دی جائے جس میں عورت سے صحبت نہ کی گئی ہو، اس سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک دفعہ دی گئی دو طلاق یا تو پڑتی ہی نہیں، یا پڑتی ہے تو اس سے رجعت نہیں ہوسکتی، حضرت مفسر نے اس کی تفسیر **ثنتان** سے کر کے بتا دیا کہ دو طلاق رجعی ہوتی ہے، خواہ وہ علیٰحدہ علیٰحدہ دی گئی ہو، جبکہ وہی بہتر ہے، یا بیک دفعہ دی گئی ہو، گو کہ وہ نامناسب ہے، مگر وہ پڑ بھی جائے گی، اور رجعت کا حق بھی رہے گا۔

فعليكم إمساكهن :۔**فعليكم** کا لفظ لا کر مفسر علام نے بتایا کہ **امساک** مبتداء ہے، اور اس کی خبر محذوف ہے، جو کہ **عليكم** ہے، اور اس **عليكم** مقدر کا تعلق **امساک** سے بھی ہے، اور **تسريح** سے بھی ہے۔

إرسال لهن : دو طلاق کے بعد عورت کو اسی حالت پر چھوڑے رکھیں، عدت کے بعد اسی سے بائنہ ہو جائے گی۔

من المهور :۔**مما آتيتموهن** میں **ما** سے مراد مہر ہے، یعنی شوہر نے عورت کو جو مہر دیدیا ہے، اسے طلاق دینے کے بعد واپس لینا درست نہیں ہے۔

أى لايأتيا بما حده لهما من الحقوق :۔ہاں مہر کے واپس لینے کی ایک صورت ہے، وہ یہ ہے کہ زوجین میں آپسی مناسبت نہیں اور نباہ کی کوئی صورت نہ ہو، لیکن طلاق دینے میں شوہر ہچکچا رہا ہو کہ عورت اس کا دیا ہوا مال لے کر چلی جائے گی، تو عورت بھی گئی اور مال کا نقصان بھی ہوا، اس کی وجہ سے وہ طلاق نہیں دیتا اور نکاح کے باقی رکھنے کی صورت میں اس کے حقوق کی ادائیگی بہت مشکل ہے، ایسی صورت میں عورت اپنی جان کا

چھٹکارا اس طرح حاصل کرسکتی ہے کہ مہر میں لیا ہوا مال وہ واپس کردے، اور شوہر اسے آزاد کردے، اس کا مال اس کے پاس آگیا اور بیوی نے اپنی جان چھڑالی۔ اب حقوق میں خیانت کا کوئی مسئلہ نہ رہا، یہ صورت قانون شریعت میں ''خلع'' کہلاتی ہے۔

اس آیت کا حضرات مفسرین ایک خاص سبب نزول ذکر فرماتے ہیں، وہ یہ کہ عبداللہ بن ابی بن ابی سلول رئیس المنافقین کی بیٹی جمیلہ جو کہ مسلمان تھیں، ایک دن بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا تو میں، یا تو ثابت! میرے سر کو اور ان کے سر کو کوئی چیز جمع نہیں کرسکتی۔ واللہ میں ان کے دین اور ان کے اخلاق میں کوئی عیب نہیں دیکھتی، لیکن میں اسلام کے اندر کفر سے ڈرتی ہوں، یعنی مجھے ان سے اتنی ہی نفرت ہے کہ میں مسلمان ہوتے ہوئے معصیت میں مبتلاء ہوجاؤں گی، میں نے چند آدمیوں کے درمیان انھیں دیکھا، تو وہ سب سے سیاہ فام، کوتاہ قد اور بدنما چہرے والے تھے، اس شکایت کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت جمیلہ کو مہر میں ایک باغ ملا تھا، انھوں نے باغ واپس دے کر اپنا چھٹکارا کرالیا۔

وفی قــراءةٍ یُخافا بالبناء للمفعول :۔ مفسر نے جس قرأت کو بنیاد بنا کر تفسیر کی ہے وہ **یخافا** فعل معروف ہے، اور ضمیر فاعلی کا مرجع زوجان ہے، دوسری قرأت میں یہ فعل مجہول ہے، تو معنی یہ ہوگا کہ دونوں سے ڈرا جائے، یعنی دونوں کے بارے میں اندیشہ ہو کہ حدودِ الٰہی کو برقرار نہ رکھ سکیں گے، اس قرأت میں **أن لا یقیما**، **یخافا** کی ضمیر سے بدل اشتمال ہوگا۔ بدل اشتمال کا مطلب یہ ہے کہ بدل مبدل منہ کے متعلقات میں سے ہو، یہاں **یخافا** کی ضمیر زوجین کی طرف راجع ہے، عدم اقامت حدود کا تعلق ظاہر ہے کہ انھیں دونوں سے ہے اور اندیشہ کی چیز یہی ہے، تو یہ بدل اشتمال ہے۔

قرئ :۔ فعل مجہول قرئ سے اشارہ قرأت شاذہ کی جانب ہے۔

فإن خفتم :۔ یہاں خطاب حکام اور ذمہ داروں سے ہے، کلامِ الٰہی میں عبارت کا اُسلوب مختلف ہوا ہے، اس کو بلاغت کی اصطلاح میں ''التفات'' کہتے ہیں، **ولا یحل لکم** میں مخاطب شوہر ہیں، پھر **إلا أن یخافا** میں صیغہ غائب کا استعمال ہوا ہے، اور وہ تثنیہ ہے، یہاں میاں بیوی دونوں مراد ہیں، اور **فإن خفتم** میں حکام اور ذمہ داروں سے خطاب ہے۔

ویطـــأھــا :۔ تیسری طلاق کے بعد عورت سے نکاح کرنا اس وقت جائز ہے، جب اس کا کسی اور سے نکاح ہوجائے، اتنی بات تو قرآن میں مذکور ہے، لیکن دوسرے شوہر کا اس سے وطی کرنا بھی ضروری ہے، یہ بات حدیث سے ثابت ہے اور اس پر امت کا اجماع ہے۔ اجماع کے شمول کی وجہ سے یہ حدیث اور حدیث کا یہ حکم قطعی اور یقینی ہوگیا، بلکہ بشمول اجماع خبر متواتر ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ رفاعہ بن وہب قرظی نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی، انھوں نے عبدالرحمٰن بن زبیر سے نکاح کیا، پھر رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں شکایت لائیں کہ عبد الرحمٰن کے اندر عورت کی اہلیت نہیں ہے، آپ نے فرمایا کہ کیا تم رفاعہ کے پاس واپس ہونا چاہتی ہو، انھوں نے کہا جی ہاں! آپ نے فرمایا نہیں، جب تک کہ وہ تمہاری لذت اور تم ان کی لذت سے نہ چکھ لو، (شوہر اول کے پاس نہیں جاسکتی) رواہ الشیخان۔

قاربن انقضاء عدتھن :۔ بَلَغْنَ أَجَلَهُن کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان کی عدت پوری ہوجائے، اس صورت میں تو عدت کی گنجائش نہیں رہتی، بلکہ مطلب یہ ہے کہ عدت پوری ہونے کا وقت قریب آ لگے۔

بالالجاء إلى الافتداء :۔ رجعت کر کے عورت کو ضرر پہونچانے کی صورتیں ذکر کی ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ عدت پوری ہونے کا وقت آ گیا، تو اس خیال سے رجعت کرلیا کہ عورت پریشان ہوکر خلع پر مجبور ہوگی، اس طرح کچھ مال ہاتھ آجائے گا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس نیت سے رجعت کی کہ بعد میں پھر طلاق دیدے گا، اس سے عورت کو پریشانی ہوگی۔ اور تیسری پریشانی یہ ہوگی کہ عدت لمبی ہوگی، پریشان کرنے کیلئے رجعت کرنا گناہ کا کام ہے۔

بتعریضھا إلىٰ عذاب الله تعالى :۔ اپنے اوپر ظلم کرنا اس لئے ہے کہ اس کی وجہ سے آدمی عذابِ الٰہی کی زد میں آجاتا ہے۔

مافیہ من الاحکام :۔ یہ حکمت کی تشریح ہے، یعنی کتاب تو قرآن کریم ہے، اور اس میں جو احکام ہیں انھیں حکمت کہا گیا ہے۔ قسطلانی نے شرح بخاری میں لکھا ہے کہ ابن وہب نے امام مالک علیہ الرحمہ سے دریافت کیا کہ حکمت کیا چیز ہے؟ امام مالکؒ نے فرمایا: دین کی معرفت اور اس کی سمجھ۔ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ حکمت، سنت رسول اللہ ﷺ ہے۔ مشہور صاحب تفسیر مقاتل نے فرمایا کہ قرآن کریم میں مذکورہ لفظ حکمت کی چار صورتیں ہیں، اوّل قرآن کریم کے نصائح، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔ ﴿وَمَا أَنزَلَ عَلَيْكُم مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ﴾ یعنی موعظت اور نصیحت، اور ﴿وَ يُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَ التَّوْرَاةَ وَالْإِنجِيلَ﴾ (سورہ آل عمران: ۴۸) دوسرے حکمت بمعنی علم اور فہم ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: أُولٰئِكَ الَّذِينَ آتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ (سورۃ الانعام: ۸۹) آیت میں لفظ حکم ہے، جو حکمت ہی کا مثنیٰ ہے، مراد اس سے علم وفہم ہے، اسی معنی میں سورہ ص میں ہے: وَ آتَيْنَا الْحِكْمَةَ (آیت: ۲۰) تیسرا معنی نبوت ہے۔ چوتھا معنی قرآن ہے کیونکہ اس میں حکمت کی باتیں تمام ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: أُدْعُ إِلىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ (سورۃ النحل: ۱۲۵) اور غور کیا جائے، تو چاروں معنی کا مرجع علم وفہم ہی ہے۔

﴿مضامین آیات وتفسیر﴾

عورت کو طلاق دینے کے سلسلے میں یہ رکوع ہدایات پر مشتمل ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ ایک اور دو طلاق رجعی ہوتی ہے، عدت کے دوران اس سے رجوع کیا جاسکتا ہے، رجوع کر لینے کے بعد طلاق کا اثر ختم ہو جاتا ہے، مگر وہ طلاق نہیں ختم ہوتی، یا یہ کہ اس کو اسی طلاق کی حالت پر چھوڑ دیا جائے، رجعت نہ کی جائے تو عدت ختم ہونے کے بعد وہ مرد کے نکاح سے بالکل خارج ہو جائے گی۔ دوسری بات یہ ہے کہ عورت کو طلاق دینے کی صورت میں اس سے مہر کی واپسی کا مطالبہ درست نہیں ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ اگر بے مناسبتی کی وجہ سے اندیشہ ہو کہ نباہ نہ ہوگا اور حقوق کی ادائیگی میں خلل ہوگا، تو عورت کے لئے جائز ہے کہ مہر واپس کر کے خلع کرالے، اور مرد کے لئے بھی جائز ہے کہ واپس کی ہوئی مہر لے لے۔ چوتھی بات یہ ہے کہ دو طلاق کے بعد خواہ اس سے رجعت کی گئی ہو یا نہ کی گئی ہو، اگر تیسری طلاق دیدی، تو اس عورت کا نکاح اس شوہر کے ساتھ اس وقت تک جائز نہیں ہے جب تک اس کا نکاح کسی اور شوہر سے نہ ہو جائے، اور اس سے وہ وطی نہ کر لے، پھر جب شوہر ثانی اسے طلاق دیدے یا اسے چھوڑ کر مر جائے تو عدت گذرنے کے بعد شوہر اول اس سے نکاح کر سکتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے یہ ہدایت کی کہ رجعت ہو یا طلاق ہر دو میں مرد کی نیت صالح ہونی چاہئے، عورت کو ستانے، پریشان کرنے اور کسی مالی فدیے پر مجبور کر دینے کا جذبہ بالکل نہ ہو، ورنہ خطرہ ہے کہ عذاب الٰہی میں گرفتار ہو جائے گا، اللہ کا بڑا کرم ہے کہ انھوں نے اسلام جیسی دولت عنایت کی، اور کتاب وحکمت کو نازل فرمایا، اس احسان کا شکریہ اور اس کی قدر دانی یہ ہے کہ عمل کرنے میں اسے فراموش نہ کیا جائے، اور ہمیشہ اللہ سے ڈرتے رہنا چاہئے، اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ہے۔

☆☆☆☆☆

﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ﴾ إنقضت عدتهن ﴿فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ﴾ خطاب للاولياء أى لاتمنعوهن من ﴿أَنْ يَّنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ﴾ المطلقين لهن لأن سبب نزولها أن أخت معقل بن يسارٍ طلّقها زوجها فأراد أن يراجعها فمنعها معقل كما رواه الحاكم ﴿إِذَا تَرَاضَوْا﴾ أى الازواج والنساء ﴿بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ﴾ شرعاً ﴿ذٰلِكَ﴾ النهى عن العضل ﴿يُوعَظُ بِهِ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ لأنه المنتفع به ﴿ذٰلِكُمْ﴾ أى ترك العضل ﴿أَزْكىٰ لَكُمْ وَأَطْهَرُ﴾ لكم ولهم لما يخشىٰ على الزوجين من الريبة بسبب العلاقة بينهما ﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ﴾ مافيه من المصلحة ﴿وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ ذٰلك فاتبعوا أمره ﴿وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ﴾ أى ليرضعن ﴿أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ﴾ عامين ﴿كَامِلَيْنِ﴾ صفة مؤكدة

ذلک ﴿لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ﴾ ولازيادة عليه ﴿وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ﴾ أى على الاب ﴿رِزْقُهُنَّ﴾ إطعام الوالدات ﴿وَكِسْوَتُهُنَّ﴾ على الارضاع إذا كن مطلقات ﴿بِالْمَعْرُوْفِ﴾ بقدر طاقته ﴿لا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا﴾ طاقتها ﴿لا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا﴾ بسببه بان تكره علىٰ إرضاعه إذا امتنعت ﴿وَلا﴾ يضار ﴿مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ﴾ أى بسببه بأن يكلف فوق طاقته وإضافة الولد إلى كل منهما فى الموضعين للإستعطاف ﴿وَعَلَى الْوَارِثِ﴾ أى وارث الاب وهو الصبى أى علىٰ وليه فى ماله ﴿مِثْلُ ذٰلِكَ﴾ الذى على الاب للوالدة من الرزق والكسوة ﴿فَاِنْ اَرَادَا﴾ أى الوالدان ﴿فِصَالًا﴾ فطاما له قبل الحولين صادرا ﴿عَنْ تَرَاضٍ﴾ اتفاق ﴿مِنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ﴾ بينهما ليظهر مصلحة الصبى فيه ﴿فَلا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا﴾ فى ذٰلک ﴿وَاِنْ اَرَدْتُّمْ﴾ خطاب للآباء ﴿اَنْ تَسْتَرْضِعُوْا اَوْلَادَكُمْ﴾ مراضع غير الوالدات ﴿فَلاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ﴾ فيه ﴿اِذَا سَلَّمْتُمْ﴾ إليهن ﴿مَا آتَيْتُمْ﴾ أى أردتم إيتاء ه لهن من الاجر ﴿بِالْمَعْرُوْفِ﴾ بالجميل كطيب النفس ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ لايخفىٰ عليه شئ منه ﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ﴾ يموتون ﴿مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ﴾ يتركون ﴿اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ﴾ أى ليتربصن ﴿بِاَنْفُسِهِنَّ﴾ بعدهم عن النكاح ﴿اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا﴾ من الليالى وهٰذا فى غير الحوامل ، أما الحوامل فعدتهن أن يضعن حملهن بآية الطلاق والامة على النصف من ذٰلک بالسنة ﴿فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ﴾ إنقضت مدة تربصهن ﴿فَلاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ﴾ ايها الاولياء ﴿فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْ اَنْفُسِهِنَّ﴾ من التزين والتعرض للخطاب ﴿بِالْمَعْرُوْفِ﴾ شرعاً ﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ﴾ عالم بباطنه كظاهره ﴿وَلاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ﴾ لوحتم ﴿بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ﴾ المتوفىٰ عنهن ازواجهن فى العدة كقول الانسان مثلاً إنک لجميلة ومن يجد مثلک ورُبّ راغب فيک ﴿اَوْ اَكْنَنْتُمْ﴾ أضمرتم ﴿فِيْ اَنْفُسِكُمْ﴾ من قصد نكاحهن ﴿عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ﴾ بالخطبة ولاتصبرون عنهن فأباح لكم التعريض ﴿وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا﴾ أى نكاحاً ﴿اِلَّا﴾ لكن ﴿اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا﴾ أى ماعرف شرعاً من التعريض فلكم ذٰلک ﴿وَلاتَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ﴾ أى علىٰ عقده ﴿حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ﴾ أى المكتوب من العدة ﴿اَجَلَهٗ﴾ بأى ينتهى ﴿وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَافِيْ اَنْفُسِكُمْ﴾ من العزم وغيره ﴿فَاحْذَرُوْهُ﴾ أن يعاقبكم إذا عزمتم ﴿وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ﴾ لمن يحذره ﴿حَلِيْمٌ﴾ بتاخير العقوبة عن مستحقها۔

﴿ترجمہ﴾

(اور جب تم عورتوں کو طلاق دو، اور وہ اپنی مدت کو پہونچ جائیں) ان کی عدت گذر جائے (تو انھیں

اس بات سے نہ روکو کہ وہ اپنے) انھیں (شوہروں سے) جنھوں نے ان کو طلاق دی ہے (نکاح کر لیں) فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ کا خطاب عورت کے اولیاء اور سر پرستوں سے ہے، اور ازواجھن سے ان کے سابق شوہر مراد ہیں، کیونکہ اسی طرح کے ایک معاملہ میں یہ آیت اتری ہے۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت معقل بن یسار کی بہن کو ان کے شوہر نے طلاق دیدی تھی، پھر انھوں نے دوبارہ چاہا، تو معقل بن یسار نے منع کر دیا'' رواه الحاکم '' (جبکہ وہ میاں بیوی (باہم رضامند ہوں، شرعی دستور کے مطابق، یہ) یعنی عضل سے نہی کی (نصیحت کی جاتی ہے، اس شخص کو، جو تم میں سے اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتا ہے) کیونکہ اسی کو اس سے نفع ہوگا (یہ) یعنی ترک عضل (تمہارے لئے بہتر اور پاکیزہ تر ہے) تمہارے لئے بھی اور ان شوہروں کے لئے بھی، کیونکہ سابقہ تعلقات کی وجہ سے تہمت کا اندیشہ رہے گا (اور اللہ جانتے ہیں) جو کچھ اس میں مصلحت ہے (اور تم لوگ) اس کو (نہیں جانتے) پس اس کے امر کی تابعداری کرو (اور مائیں اپنی اولاد کو دو سال کامل دودھ پلائیں گی) یعنی چاہئے کہ دو سال دودھ پلائیں کـاملین، حولین کی صفت مؤکدہ ہے، (اس شخص کے لئے جو رضاعت کو پورا کرنا چاہے) اس سے زیادہ نہیں (اور مولود لہ) یعنی والد (پر ان کا) یعنی والدات کا (کھانا اور کپڑا ہے) دودھ پلانے پر جبکہ وہ مطلقہ ہوں (دستور شرعی) یعنی اس کی طاقت (کے مطابق، کسی بھی نفس کو اس کی طاقت کے بقدر ہی مکلّف بنایا جاتا ہے، کسی بھی ماں کو اس کی اولاد کی وجہ سے ضرر میں نہیں ڈالا جائے گا) یعنی اگر وہ انکار کرتی ہے تو اسے دودھ پلانے پر مجبور نہیں کیا جائے گا (اور نہ کسی والد کو اس کی اولاد کی وجہ سے ضرر میں مبتلا کیا جائے گا) کہ اس کو اس کی طاقت سے زیادہ کا مکلّف بنایا جائے، اور ولد کی اضافت والدین میں سے ہر ایک کی طرف اس لئے ہے تاکہ محبت و مہربانی کا جذبہ بیدار ہو (اور وارث کے اوپر) یعنی باپ کے وارث کے اوپر اور وہ بچہ ہے، یعنی اس کے ولی کے اوپر اس کے مال میں (اسی کے مثل ہے) یعنی جتنا باپ کے ذمے والدہ کے لئے کھانا اور کپڑا ہے، اتنا ہی باپ کے وارث پر ہے (پس اگر) والدین (ارادہ کریں) دو سال سے پہلے ہی (دودھ چھڑانے کا، آپس کی باہمی رضامندی اور مشورے سے) تاکہ بچے کی مصلحت ظاہر ہو جائے (تو) اس سلسلے میں (دونوں پر کوئی مضائقہ نہیں، اور اگر تم) والد کو خطاب ہے (اپنی اولاد کو) والدہ کے علاوہ کسی اور دایہ سے (دودھ پلوانا چاہو، تو) اس بات میں (تم پر کوئی تنگی نہیں ہے، جبکہ تم) ان کو (وہ چیز حوالے کر دو جو تم نے دی ہے) یعنی جس اجرت کے دینے کا تم نے ارادہ کیا ہے (اچھے طریقے پر) خوش دلی سے (اور اللہ سے ڈرو، اور جان لو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ دیکھتے ہیں) ان پر کوئی چیز مخفی نہیں ہے، (اور وہ لوگ جو تم میں سے انتقال کر جاتے ہیں، اور بیویاں چھوڑ جاتے ہیں، وہ انتظار کریں گی) یعنی چاہئے کہ انتظار کریں ان کے بعد (اپنے آپ کو) نکاح سے (روک کر چار ماہ دس دن) راتوں سمیت، یہ عدت حاملہ کے علاوہ کی ہے، حاملہ کی عدت وضع حمل ہے، جیسا کہ سورہ طلاق

میں ہے، اور باندی کی عدت وفات سنت سے ثابت ہے کہ حرائر [آزاد] کے مقابلے میں نصف ہے (پھر وہ اپنی مدت کو پہونچ جائیں) یعنی ان کے انتظار کی مدت پوری ہو جائے (تو تم پر) اے اولیاء (ان کاموں کے سلسلے میں کوئی حرج نہیں جو وہ اپنی ذات میں اختیار کریں) یعنی مزین ہونا، اور پیغام دینے والوں کے لئے تیار ہونا (دستور شرع کے مطابق، اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کی خبر رکھتے ہیں) یعنی اس کے باطن کو بھی جانتے ہیں جیسا کہ ظاہر کو جانتے ہیں (اور تم پر اس سلسلے میں کوئی حرج نہیں کہ تم) عدت کے دوران (ان عورتوں سے نکاح کے پیغام کا اشارہ کرو) مثلاً کوئی آدمی کہے کہ تم خوبصورت ہو یا تمہارے جیسے کو کون پائے گا، اور تم کو چاہنے والے بہت ہیں وغیرہ (یا تم اپنے دل میں) ان سے نکاح کے قصد کو (پوشیدہ رکھو، اللہ کو معلوم ہے کہ تم لوگ عنقریب) نکاح کے پیغام کیلئے (ان کا تذکرہ کروگے) اور تم سے صبر نہ ہو سکے گا، اس لئے اشارہ کرنے کی اجازت دے دی (لیکن ان سے نکاح کا معاہدہ مت کرو، مگر یہ کہ اچھی بات کہو) یعنی ایسی بات جو شرعاً اچھی ہو، مثلاً اشارہ، اس کی تمہیں اجازت ہے (اور نکاح کی گرہ کو پکا نہ کرو، یہاں تک کہ عورت کا فریضہ اپنی مدت کو پہونچ جائے) یعنی پورا ہو جائے، (اور جان لو کہ جو کچھ تمہارے دل) میں عزم وغیرہ ہے (اللہ اسے جانتے ہیں، پس اس سے ڈرو) کہ کہیں تمہارے عزم پر تم کو سزا نہ دینے لگیں، (اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ) اس شخص کی جوان سے ڈرتا ہے (مغفرت فرمانیوالے، حکمت والے ہیں) عقوبت کو اس کے مستحق سے موخر کر دیتے ہیں۔

﴿تشریحات﴾

انقضت عدتھن:۔ یہاں بلغن أجلھن کے معنی عدت کے ختم ہونے کے ہیں۔

لما یخشیٰ علی الزوجین من الریبة:۔ اگر چاہنے کے بعد باوجود سابق شوہر سے نکاح نہ کر دیا جائے، تو اندیشہ ہے کہ پچھلے تعلقات کی وجہ سے وہ تہمت میں نہ گرفتار ہو جائیں، اس سے بچنے کے لئے انھیں سے نکاح کر دینا چاہیے۔

أی لیرضعن ﴿وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ﴾:۔ میں یرضعن ہے تو خبر کا صیغہ لیکن مراد اس سے امر ہے، اسی لئے مفسر نے تفسیر میں لیرضعن فرمایا، یعنی ماؤں کو چاہئے کہ اپنی اولاد کو دو سال کامل دودھ پلائیں، ماؤں کے ذمہ دودھ پلانا بعض حالات میں واجب ہے، مثلاً کوئی دودھ پلانے والی اجرت پر نہ مل رہی ہو، یا باپ کو اجرت دینے کی قدرت نہیں ہے، یا بچہ کسی اور کا دودھ قبول ہی نہیں کرتا، ان صورتوں میں دودھ پلانا ماں کا فریضہ ہے، اور اگر تینوں باتیں نہ پائی جاتی ہوں، تو ماں پر واجب نہیں ہے کہ دودھ پلائے۔

ولا زیـــادة علیـه:۔ یہ اضافہ مفسر نے امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ پر رد کرنے کیلئے کیا ہے، امام صاحب کے نزدیک مدتِ رضاعت زیادہ سے زیادہ ڈھائی سال ہے، مفسر نے فرمایا کہ دو سال سے زیادہ نہیں، حالانکہ اس اضافہ کی

کوئی معقول دلیل نہیں ہے۔

﴿وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ﴾ أی علی الاب :۔مَوْلُوْدِ لَهٗ کا معنی یہ ہے کہ جس کے لئے بچہ ہے، مراد اس سے باپ ہے۔اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بچہ کی نسبت باپ کے ساتھ مختص ہے، یعنی نسب میں باپ کی ہی طرف منسوب ہوگا، اوراس کے تمام اخراجات کا ذمہ دار باپ ہوگا، ماں والدہ ضرور ہے، لیکن نسبی اور خاندانی تعلق میں ماں کی طرف نسبت نہ ہوگی، اور نہ وہ بچے کے اخراجات میں باپ کے ساتھ شریک ہوگی۔

إذا کن مطلقات :۔دودھ پلانے والی عورت کا کھانا کپڑا باپ کے ذمے ہے، دودھ پلانے والی اگر بچے کی ماں ہے، اور وہ بچے کے باپ کے نکاح میں ہے تو دودھ پلانے کی اجرت میں وہ کھانے کپڑے کی مستحق نہیں ہے بلکہ وہ بیوی ہونے کی وجہ سے نان ونفقہ کی مستحق ہے، دودھ پلانے کی وجہ سے اس وقت اجرت کی مستحق ہوگی جبکہ وہ مطلقہ ہوکر باپ کے نکاح سے جدا ہوگئی ہو، عدت کی حالت میں بھی وہ اجرت رضاعت کی مستحق نہ ہوگی۔

﴿لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا﴾ بسببه بان تکرہ علیٰ إرضاعه إذا امتنعت :۔بچے کے سبب سے ماں کو کسی تکلیف میں مبتلا کرنے کی اجازت نہیں ہے، مثلاً عورت کسی مجبوری اور تکلیف کے باعث دودھ پلانے سے معذرت کررہی ہے تو اسے دودھ پلانے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، یا دودھ پلانا چاہتی، مگر باپ زبردستی دوسرے کے حوالے بچے کو کرنا چاہے، تو ماں کو تکلیف ہوگی، یہ درست نہیں ہے، یا اگر ماں مطلقہ ہے اور بلا اجرت یا اجرت مثل پر دودھ پلانے کو تیار ہے، تو بغیر کسی ضروری وجہ کے اس سے بچے کو لے کر کسی اور مرضعہ کے حوالے کرنا جائز نہیں ہے۔

﴿وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ﴾ أی بسببه بأن یکلف فوق طاقته :۔یعنی باپ کو بھی اس کے بچے کی وجہ سے کسی تکلیف میں نہ ڈالا جائے گا، مثلاً جتنی اجرت کی وہ استطاعت رکھتا ہے، اس سے زیادہ کا اسے مکلّف نہ بنایا جائے گا۔

وإضافة الولد إلی کل منهما فی الموضعین للإستعطاف :۔آیت کے پچھلے مضمون سے یہاں ایک سرسری اشکال ہورہا ہے، وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مولودلہٗ باپ کو قرار دیا ہے، یعنی بچے کی نسبت باپ کی طرف ہونی چاہئے، نسب اور نسبت کے استحقاق میں ماں شریک نہیں ہے، لیکن یہاں اللہ تعالیٰ نے بچے کو ماں کی طرف بھی منسوب کیا ﴿لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا﴾ اور باپ کی طرف بھی نسبت ہے، یہ بظاہر ماسبق کے حکم کے خلاف ہے۔اس اشکال کا مفسر نے مذکورہ بالا عبارت میں جواب دیا ہے، حاصل اس کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس جگہ دونوں کی طرف جو بچے کی نسبت کی ہے یہ بیان نسب اور بیان نسبت نہیں ہے، بلکہ ماں باپ دونوں کے اندر جذبۂ مہربانی کو مہمیز کرنا اور ابھارنا مقصود ہے، کہ انھیں بچے کی بہتری کا خیال رکھنا چاہئے، کیونکہ وہ بچہ انھیں دونوں کا ہے۔

﴿وَعَلَى الْوَارِثِ﴾ أی وارث الاب وهو الصبی أی علیٰ ولیه فی ماله ﴿مِثْلُ ذٰلِکَ﴾ الذی علی الاب للوالدة من الرزق والکسوة: اگر باپ موجود نہ ہو، اس کا انتقال ہو چکا ہو تو مرضعہ کی اجرت باپ کے وارث پر ہوگی، اور باپ کا وارث کون ہے؟ خود یہی بچہ ہے جس کی رضاعت مقصود ہے۔ ظاہر ہے کہ باپ کی وراثت اسے ملی ہے، اسی مال سے اجرت دی جائے گی، سوال یہ ہے کہ بچہ تو ابھی دودھ پی رہا ہے، اسے اجرت دینے کا شعور کہاں ہے؟ جواب یہ ہے کہ اس بچے کا کوئی ولی اور سرپرست ہوگا وہی ولی اور سرپرست بچے کے مال سے اجرت ادا کرے گا، بچے کے مال میں کتنی اجرت ہوگی؟ بس اتنی ہوگی جتنی باپ کے ذمے تھی، یعنی کھانا اور کپڑا۔

(اضافه از شارح) ایک قول یہ بھی ہے کہ وارث سے مراد بچہ کا وارث ہے، یعنی جو لوگ بچے کے مرنے کے بعد اس کی وراثت کا استحقاق رکھتے ہیں، باپ کے مرنے کے بعد ان کے ذمے مرضعہ کی اجرت ہوگی۔ حضرت شیخ الہندؒ لکھتے ہیں کہ اگر باپ مرجائے تو وارثوں پر بھی یہی لازم ہے کہ دودھ پلانے کی مدت میں اس کی ماں کے کھانے کپڑے کا خرچ اٹھائیں اور تکلیف نہ پہونچائیں، اور وارث سے مراد وہ وارث ہے جو محرم بھی ہو۔

لیتربصن :۔ یتربصن کی تفسیر لیتربصن سے کرنے میں اشارہ ہے کہ یتربصن گوکہ خبر کا صیغہ ہے، مگر معنی میں امر کے ہے۔

﴿اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا﴾ من اللیالی :۔ چار ماہ دس راتیں، یہ دس راتیں دنوں سمیت ہیں، اہل عرب عموماً دنوں کی گنتی بتانے کیلئے لیل کا استعمال کرتے ہیں، کیونکہ قمری حساب میں دن کے چوبیس گھنٹے کی شروعات رات سے ہوتی ہے، ایسے موقع پر رات سے مراد صرف رات کا وقت نہیں ہے بلکہ چوبیس گھنٹے ہیں۔

وهٰذا فی غیر الحوامل ، أما الحوامل الخ :۔ یہاں مفسر نے بتایا کہ عدت وفات کی اس آیت میں دو تخصیصیں ہیں، اوّل یہ کہ چار ماہ دس دن کا اطلاق حاملہ پر نہیں ہے، اس کی مدت سورہ طلاق میں بیان کی گئی ہے کہ وہ وضع حمل ہے۔ دوسرے یہ کہ باندی کی عدت دو ماہ پانچ دن ہے اور یہ تخصیص ایک ایسی سنت کی وجہ سے ہے جس پر علماء امت کا اجماع ہے، ان دونوں کے علاوہ پر متوفیٰ عها زوجها پر اس عدت کا اطلاق ہے، خواہ وہ بالغ ہو یا نابالغ، مدخول بہا یا غیر مدخول بہا، جوان ہو یا بڑھیا، بالغ کی بیوی ہو یا نابالغ کی۔

للخُطّاب:۔ خطاب، خاطب کی جمع ہے، یعنی نکاح کا پیغام دینے والا۔

﴿وَلٰکِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا﴾ أی نکاحاً :۔ لیکن تم ان سے صراحۃً نکاح کا معاہدہ نہ کرو، سراً کی تفسیر نکاحاً سے اس لئے کی، کہ نکاح ایک فعل سر یعنی وطی کا سبب ہوتا ہے، تو مسبب کا اطلاق مجازاً یہاں سبب پر ہوا، دورانِ عدت عورتوں سے نکاح کی گفتگو درست نہیں ہے، بس اشاروں میں اپنا ارادہ ظاہر کرنے کی اجازت ہے،

عدت کے بعد باقاعدہ پیغام اور بات چیت کی اجازت ہے۔

علیٰ عقدہ :۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَاتَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ أَجَلَهٗ اس کی میں مفسر نے **ولا تعزموا علیٰ عقدہ** فرما کر اشارہ کیا کہ **عزم** کا صلہ علیٰ آتا ہے، اور اس جگہ علیٰ محذوف ہے، اور **عقدۃ النکاح** منصوب بنزع الخافض ہے۔

﴿مضامین آیات وتفسیر﴾

مطلقہ عورتوں کے سرپرستوں کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے حکم ہو رہا ہے کہ اگر عورت کو شوہر نے تین سے کم طلاق دی اور اس کی عدت پوری ہوگئی، اور وہ شوہر کے نکاح سے بالکل علیٰحدہ ہوگئی، تب بھی اگر طلاق دینے والا شوہر دوبارہ اس کو اپنے نکاح میں لانا چاہے تو تم غیرت اور عداوت کی وجہ سے انھیں باہمی نکاح سے نہ روکو، جبکہ وہ شرعی دستور کے مطابق آپس میں رضامند ہوں، جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتے ہیں، ان کے لئے یہ نصیحت ہے، یہ بات تمہارے لئے بھی اور زوجین کے لئے بھی بہتر ہے، کیونکہ اگر رکاوٹ پیدا کی گئی تو چونکہ سابقہ تعلقات رہ چکے ہیں، اس لئے تہمت کا اندیشہ ہے، اور مصلحتیں تو اللہ ہی جانتے ہیں، تمہیں کیا معلوم کہ اللہ تعالیٰ کے احکام میں کیا کیا مصلحتیں اور حکمتیں ہیں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ رضاعت کے سلسلے میں ہدایت فرماتے ہیں کہ اگر باپ چاہتا ہے کہ بچے کی مدت رضاعت پوری کرے، تو ماؤں کو چاہئے کہ پورے دو سال دودھ پلائیں، خواہ عورت نکاح میں ہو یا مطلقہ ہو چکی ہو، دودھ پلانے کے دوران وہ بچے کے باپ کی طرف سے کھانے اور کپڑے کی مستحق ہوگی، اگر مطلقہ ہے تو بطور اُجرت کے مستحق ہوگی اور اگر منکوحہ ہے تو نکاح کی وجہ سے نان ونفقہ پائے گی، اور اجرت ونفقہ باپ کی استطاعت کے بقدر لازم ہوگا، کیونکہ دستورِ خداوندی ہے کہ کسی کو اس کی وسعت سے زیادہ کا مکلّف نہیں بنایا جاتا، اور اگر کسی معقول عذر کی بنا پر ماں دودھ پلانے سے معذرت کرے تو اسے اس پر مجبور نہیں کیا جائے گا، اس سے عورت ضرر میں مبتلا ہوگی، اور اولاد کی وجہ سے والدہ کو ہرگز تکلیف نہیں دی جائے گی، اسی طرح باپ کو اولاد کی وجہ سے ضرر میں مبتلا نہیں کیا جائے گا، مثلاً اس کی وسعت سے زیادہ اجرت نہیں مقرر کی جائے گی، اور اگر باپ موجود نہ ہو، اس کا انتقال ہو گیا ہے تو جو باپ کا، اور ایک قول کے مطابق بچے کا وارث ہوگا، اس پر رضاعت کی اجرت بقدر استطاعت ہوگی، اور اگر وقت مقررہ سے پہلے ہی کسی مصلحت سے بچے کا دودھ دونوں باہمی مشورہ سے چھڑانا چاہیں تو کوئی حرج نہیں ہے، اور اگر بچے کا باپ اس کی ماں کے علاوہ کسی اور مرضعہ کا دودھ کسی خاص مصلحت کی بنا پر پلانا چاہے، تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں، بس یہ ہے کہ ان کی اجرت پوری پوری ادا کر دی جائے، اور اللہ سے ڈرتے رہیں، یہ خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھتے ہیں۔

اور وہ عورتیں جن کے شوہروں کا انتقال ہوگیا ہے، ان کی عدت چار ماہ دس دن ہے، بشرطیکہ وہ حاملہ نہ ہوں، اور باندی نہ ہوں، اگر حاملہ ہوں گی تو ان کی عدتِ وفات وضع حمل ہے، اور اگر باندی ہیں تو ان کی عدتِ وفات دو ماہ پانچ دن ہے، جب یہ عدت پوری ہوجائے تو وہ اگر نکاح کی تیاری کریں تو کچھ حرج نہیں۔ عدت کے دوران عورتوں سے نکاح کی گفتگو کرنی، انھیں نکاح کا پیغام دینا جائز نہیں ہے، البتہ اشارہ کنایہ میں نکاح کی خواہش کا ان سے اظہار کردینا جائز ہے، یا کوئی دل میں یہ ٹھانے ہوئے ہے کہ عدت ختم ہونے پر نکاح کا پیغام دوں گا، تو اس میں بھی حرج نہیں، البتہ دورانِ عدت نکاح کا بالتصریح پیغام دینا درست نہیں ہے، جب تک عدت پوری نہ ہوجائے ہرگز نکاح نہ کرو، اور نہ اس کی بات چلاؤ، خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دل کی بات جانتے ہیں، اور وہ غفور و حلیم ہیں۔

☆☆☆☆☆

﴿لَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ مَالَمْ تَمَسُّوْهُنَّ﴾ وفى قراءةٍ تماسوهن أى تجامعوهن ﴿أَوْ﴾ لم ﴿تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً﴾ مهراً ومامصدرية ظرفية أى لاتبعة عليكم فى الطلاق زمن عدم المسيس والفرض باثم ولامهر فطلقوهن ﴿وَمَتِّعُوْهُنَّ﴾ أى أعطوهن مايتمتعن به ﴿عَلَى الْمُوْسِعِ﴾ الغنى منكم ﴿قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ﴾ الضيق الرزق ﴿قَدَرُهٗ﴾ يفيد أنه لانظر إلى قدر الزوجة ﴿مَتَاعاً﴾ تمتيعاً ﴿بِالْمَعْرُوْفِ﴾ شرعاً صفة متاعاً ﴿حَقًّا﴾ صفة ثانية أو مصدر مؤكد ﴿عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ﴾ المطيعين ﴿وَإِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَافَرَضْتُمْ﴾ يجب لهن ويرجع لكم النصف ﴿إِلَّا﴾ لكن ﴿أَنْ يَّعْفُوْنَ﴾ أى الزوجات فيتركنه ﴿أَوْ يَعْفُوَ الَّذِىْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ﴾ وهو الزوج فيترك لها الكل وعن ابن عباس الولى إذا كانت محجورة فلاحرج فى ذٰلك ﴿وَأَنْ تَعْفُوْا﴾ مبتدأ خبره ﴿أَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ﴾ أى أن يتفضل بعضكم علىٰ بعض ﴿إِنَّ اللهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ فيجازيكم به ﴿حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوَاتِ﴾ الخمس بأدائها فى أوقاتها ﴿وَالصَّلوٰةِ الْوُسْطىٰ﴾ هى العصر كمافى الحديث رواه الشيخان أو الصبح أو الظهر أو غيرها أقوال وأفردها بالذكر لفضلها ﴿وَقُوْمُوْا للهِ﴾ فى الصلوة ﴿قَانِتِيْنَ﴾ قيل مطيعين لقوله ﷺ كل قنوت فى القرآن فهو طاعة رواه أحمد وغيره، وقيل ساكتين لحديث زيد بن ارقم كنا نتكلم فى الصلوٰة حتىٰ نزلت فأمرنا بالسكوت ونهينا عن الكلام رواه الشيخان ﴿فَإِنْ خِفْتُمْ﴾ من عدو أو سيل أو سبع ﴿فَرِجَالًا﴾ جمع راجل مشاة صلّوا ﴿أَوْرُكْبَاناً﴾ جمع راكبٍ أى

كيف أمكن مستقبلى القبلة وغيرها ويؤمى بالركوع والسجود ﴿ فَإِذَا أَمِنتُمْ ﴾من الخوف ﴿فَاذْكُرُوا اللهَ﴾ أى صلّوا ﴿كَمَا عَلَّمَكُمْ مَالَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ﴾قبل تعليمه من فرائضها وحقوقها والكاف بمعنى مثل وماموصولة أو مصدرية ﴿ وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ اَزْوَاجاً﴾ فليوصوا ﴿ وَّصِيَّةً ﴾ وفى قراءة بالرفع أى عليهم ﴿ لِأَزْوَاجِهِمْ ﴾ ويعطوهن ﴿ مَتَاعاً ﴾ مايتمتعن به من النفقة والكسوة ﴿إِلَى﴾ تمام ﴿الْحَوْلِ﴾من موتهم الواجب عليهن تربصه ﴿غَيْرَ إِخْرَاجٍ﴾ حال أى غير مخرجات من مسكنهن ﴿ فَإِنْ خَرَجْنَ﴾ بأنفسهن ﴿فَلاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ﴾يا اولياء الميت ﴿فِيمَا فَعَلْنَ فِيْ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ﴾شرعاً كالتزين وترك الاحداد وقطع النفقة عنها﴿وَاللهُ عَزِيْزٌ﴾ فى ملكه ﴿حَكِيْمٌ﴾فى صنعه والوصية المذكورة منسوخة بآية الميراث وتربص الحول بآية أربعة أشهرٍ وعشراً السابقة المتاخرة فى النزول، والسكنىٰ ثابتة لها عند الشافعى﴿وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ﴾ يعطونه ﴿بِالْمَعْرُوْفِ﴾ بقدر الامكان ﴿حَقًّا﴾ نصب بفعله المقدر﴿عَلَى الْمُتَّقِيْنَ﴾ الله كرره ليعم الممسوسة أيضاً إذالآية السابقة فى غيرها ﴿كَذٰلِكَ﴾ كما بيّن لكم ماذكر ﴿يُبَيِّنُ اللهُ لَكُمْ آيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ تتدبرون.

﴿ترجمـــــه﴾

(اگرتم عورتوں کو ایسے وقت میں طلاق دو، جبکہ تم نے انھیں ہاتھ نہیں لگایا ہے) ایک قرأت میں تماسوھن ہے، یعنی تم نے جماع نہیں کیا (یا تم نے ان کے لئے فریضہ) یعنی مہر کو نہیں (متعین کیا ہے) ما مصدریہ ہے (تو تم پر کچھ مضائقہ نہیں) یعنی جب عورت سے صحبت نہ ہوئی ہو اور مہر مقرر نہ ہوئی، تو طلاق دینے میں نہ کوئی گناہ ہے، نہ مہر کا مطالبہ ہے، تو تم انھیں طلاق دے سکتے ہو (اور انھیں متعہ دو) یعنی کچھ ایسا سامان دو جس سے وہ فائدہ حاصل کریں (وسعت والے پر) جو تم میں سے مالدار ہیں (وسعت کے بقدر، اور تنگی والے) یعنی تنگ روزی والے (پر اس کے بقدر) ضروری (ہے) اس سے معلوم ہوا کہ اس میں عورت کی حیثیت کا لحاظ نہیں ہے (دستور) شریعت (کے مطابق فائدہ پہونچانا ہے) بالمعروف ترکیب میں متاعاً کی صفت ہے (فرمانبرداروں پر واجب ہے) حقاً، متاعاً کی صفت ثانیہ ہے، یا مصدر موکد ہے یعنی مفعول مطلق ہے، جو تاکید کیلئے آیا ہے (اور اگر تم نے ان کو ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دی اور ان کے لئے فریضہ مقرر کیا تھا، تو مقررہ فریضہ کا نصف) ان کے لئے واجب ہوگا، اور باقی نصف تم کو واپس ہوگا (مگر یہ کہ وہ درگزر کریں) یعنی بیویاں اسے چھوڑ دیں (یا وہ شخص درگذر کرے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے) اور وہ شخص شوہر ہے، یعنی شوہر پوری

مہر عورت کو دیدے اور واپس نہ لے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عورت اگر مجور ہے تو ولی، وہ شخص ہے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے، اس سلسلے میں کوئی تنگی نہیں ہے (اور درگذر کرنا) أن تعفوا مبتدا ہے، اس کی خبر أقرب الخ ہے (تقویٰ کے قریب تر ہے، اور آپس میں احسان کرنے کو نہ بھولو) یعنی تم میں ایک دوسرے پر احسان کرنے کو نہ بھولے (بے شک جو تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اسے دیکھتے ہیں) تمہیں اس کی جزاء دیں گے، پانچوں (نمازوں کی حفاظت کرو) یعنی ان کے اوقات پر ادا کرو، اور صلوٰۃ وسطیٰ کی) حفاظت کرو، وہ عصر کی نماز ہے، یا فجر کی، یا ظہر کی، یا اس کے علاوہ، چند اقوال ہیں، صلوٰۃ وسطیٰ کو علیحدہ اس کی خاص فضیلت کی وجہ سے ذکر کیا (اور اللہ کے لئے) نماز میں (قانت ہو کر کھڑے ہو) قانت کے معنی، کہا گیا ہے کہ فرمانبردار ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ قرآن کریم میں جو بھی قنوت کا لفظ آیا ہے وہ طاعت ہے، اسے امام احمد وغیرہ نے روایت کیا ہے، اور کہا گیا ہے کہ اس کے معنی خاموش رہنے کے ہیں، حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ نماز میں باتیں کیا کرتے تھے، یہ آیت جب نازل ہوئی تو ہمیں خاموشی کا حکم دیا گیا، اور بات کرنے سے منع کر دیا گیا، اسے بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے (پس اگر تم کو) دشمن یا سیلاب یا درندے کا (خطرہ ہو تو پیدل چلتے ہوئے (رجال، راجل کی جمع ہے، یعنی پیدل چلتے ہوئے نماز پڑھو (یا سوار ہونے کی حالت میں) رکبان، راکب کی جمع ہے، یعنی جیسے بھی ممکن ہو خواہ استقبال قبلہ ہو یا نہ ہو، رکوع اور سجدے کا اشارہ کرے (پھر جب تم) خوف سے (بے خطر ہو جاؤ تو اللہ کو یاد کرو) یعنی نماز پڑھو (اسی طریقے پر جیسا کہ تم کو سکھایا ہے جسے تم) اس کی تعلیم سے پہلے (نہیں جانتے تھے) یعنی نماز کے فرائض اور حقوق، اور کاف مثل کے معنی میں ہے، اور ما مصدریہ ہے، یا یہ کہ موصولہ ہے (اور وہ لوگ جو تم میں سے وفات پاتے ہیں اور بیویاں چھوڑ جاتے ہیں) انھیں چاہئے کہ وصیت کر جائیں (وصیت کرنا) اور ایک قرأت میں وصیة رفع کے ساتھ ہے، تب یہ مبتدا ہے اور علیھم اس کی خبر محذوف ہے (اپنی بیویوں کے لئے) اور انھیں (فائدہ حاصل کرنے کا سامان) دیدیں یعنی نفقہ اور کپڑا (سال) کے پورا ہونے (تک) یعنی مرنے کے وقت سے سال مکمل ہونے تک.... یہی عدت ان پر واجب تھی.... (گھر سے نکالے بغیر) یہ حال ہے، یعنی ان کے گھروں سے انھیں اس مدت میں نکالا نہیں جائے گا (پس اگر وہ خود نکل جائیں تو) اے اولیاء میت (تم پر اس کام میں کوئی حرج نہیں جو وہ اپنے سلسلے میں شرع کے مطابق کریں) مثلاً زینت اختیار کرنا، سوگ کو موقوف کرنا، اور ان سے نفقہ کا منقطع ہو جانا (اور اللہ) اپنے ملک میں (غلبہ والے) اپنے کام میں (حکمت والے ہیں) مذکورہ وصیت آیت میراث سے منسوخ ہے، اور ایک سال کی عدت أربعة اشھر وعشراً کی آیت سے منسوخ ہے، جو پہلے گذر چکی ہے اور وہ نزول میں مؤخر ہے، اور سکنیٰ اس کے لئے امام شافعیؒ کے نزدیک ثابت ہے (مطلقہ عورتوں کے لئے سامان ہے) جو وہ دیں گے (دستور کے مطابق) یعنی

حسب استطاعت (ضروری ہے) حقاً مفعول مطلق ہے، اس کا فعل مقدر ہے (اہل تقویٰ پر) جو اللہ سے ڈرتے ہیں، اسے دوبارہ ذکر کیا تا کہ مدخول بہا بھی اس کے عموم میں آ جائے، کیونکہ پچھلی آیت غیر مدخول بہا کے حق میں تھی (ایسے ہی) جیسا کہ مذکورہ چیزیں بیان کیں (اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنی آیات بیان کرتے ہیں، شاید تم لوگ عقل سے کام لو) یعنی غور و تدبر کرو۔

﴿تشریحات﴾

وفی قراءۃ تماسوھن :۔اس اضافہ کا مقصد بیانِ قرأت کے ساتھ تمسوھن کی تفسیر بھی ہے، مس ہاتھ سے چھونے کو کہتے ہیں، لیکن یہاں مالم تمسوھن میں ہاتھ سے چھونا مراد نہیں ہے بلکہ جماع مراد ہے، جو **تماسوھن** کا مفہوم ہے۔

﴿أَوْ﴾ لم ﴿تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً﴾ : ﴿أَوْتَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً﴾ کا عطف تمسوھن پر ہے، اور یہ دونوں فعل لم حرف نفی جازم کے ماتحت ہیں، اس لئے مفسر نے تفرضوا سے پہلے لم کو ظاہر کر دیا، اور أو دو چیزوں میں سے ایک کے لئے آتا ہے، اور یہی جب نفی کے تحت آتا ہے تو دونوں کو عام ہو جاتا ہے، اس لئے مطلب یہ ہوا کہ جب مساس بھی نہ ہوا اور مہر بھی مقرر نہ ہوئی ہو اور طلاق ہوگئی ہو، تو مرد پر نہ کوئی گناہ ہے اور نہ اس سے مہر کا مطالبہ ہے، اور اگر مساس ہوا ہو، اور مہر متعین نہ کی گئی، تو مہر مثل واجب ہوگی، یا مساس نہ ہوا، لیکن مہر متعین ہوئی تھی تو طلاق کی صورت میں نصف مہر واجب ہوگی۔

فطلّقوھن ومتّعوھن :۔قرآن پاک میں ومتّعوھن واو حرف عطف کے ساتھ ہے، اس کا تقاضا ہے کہ کوئی معطوف علیہ ہو، اور ماقبل میں کوئی ایسا لفظ صراحۃً نہیں ہے، جس پر اس کا عطف ہو سکے، تو مقابل کے جملے سے فعل فطلّقوھن مقدر مانا، جو کہ معطوف علیہ ہوگا اور متّعوھن کا اس پر عطف ہوگا۔

متعہ سے مراد کپڑوں کا جوڑا ہے، جو عورت کی تطییب قلب کے لئے مرد کی جانب سے دیا جائے گا۔

یفید أنه لانظر إلی قدر الزوجة :۔﴿عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ متعہ دینے میں عورت کی حیثیت کا اعتبار نہیں ہے، لیکن یہ بات امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک ضعیف ہے، ان کے نزدیک قاضی دونوں کی حیثیت دیکھ کر فیصلہ کرے گا۔

تمتیعاً :۔ متاعاً کی تفسیر میں تمتیعاً لانا، اشارہ ہے کہ متاعاً جو کہ حاصل مصدر ہے وہ مصدر یعنی مفعول مطلق کے معنی میں ہے۔

فیترک لها الکل :۔اہل عرب کی عادت یہ تھی، اور یہی شرعاً پسندیدہ بھی ہے کہ نکاح کے وقت ہی پوری مہر ادا کر دیتے تھے، اسی بنا پر مفسر نے فرمایا کہ شوہر عورت کے پاس پوری مہر چھوڑ دے، کچھ واپس نہ لے۔

الــوسـطـیٰ :۔ یہ اس اوسط کے معنی میں نہیں ہے، جس کا مطلب یہ ہوتا ہے ترتیب میں کوئی چیز دو چیزوں کے درمیان ہو، بلکہ **وسطیٰ** اسم تفضیل مونث ہے، جس کے معنی بہتر اور عمدہ کے ہیں۔

أو غیــرھـا :۔ایک قول مغرب کی نماز کے متعلق بھی ہے، ایک قول میں عشاء کی نماز کو بتایا گیا ہے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ نماز جنازہ ہے، اور بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ **لاعلی التعیین** پانچوں نمازوں میں سے ایک ہے، لیکن احادیث میں جتنے اہتمام سے عصر کی نماز کی حفاظت کی تاکید آئی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عصر کی نماز ہی صلوٰۃ وسطیٰ ہے۔ **واللہ اعلم**

أی کیف أمکن :۔مطلب یہ ہے کہ **فرجالاً** اور **رکباناً** کے مجموعے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ خوف کے وقت میں بھی نماز کی فرضیت ساقط نہیں ہوتی، بلکہ نماز پڑھنی ضروری ہے، جیسے بھی ممکن ہو، خواہ استقبال قبلہ ہو سکے یا نہ ہو سکے، رکوع سجدہ کرنے کی گنجائش نہ ہو، تو اشارہ سے کام لے، مگر پڑھے ضرور! نماز، خوف کا یہ ایک طریقہ ہے، اس کے اور بھی طریقے ہیں، کچھ ذکر سورۂ نساء میں آئے گا۔

الـکـاف بـمـعـنـی مثل :۔کاف حرفِ تشبیہ ہے، لیکن یہ معنیً اسم ہے، مثل کے معنی میں، اس لئے کہ یہ مصدر محذوف کی صفت ہے، تقدیر عبارت یوں ہے: **فصلوا صلوٰۃ مثل الصلوٰۃ التی علمکم**، یعنی اس جیسی نماز پڑھو جیسی تمہیں سکھائی ہے۔

مامصدریة أو موصولة :۔ **کما علمکم** میں **ما** مصدریہ ہے یا موصولہ ہے، اس صورت میں عائد محذوف ہے، یعنی **کـمـا علمکموہ**، اور دوسرا **ما** موصولہ ہونے کی صورت میں پہلے **ما** کا بدل ہے، یا عائد محذوف کا بدل ہے، اور **ما** مصدریہ ہونے کی صورت میں دوسرا **ما** علم کا مفعول بہ ہوگا۔

فلیوصوا :۔ **وصیة** مفعول مطلق ہے، اس کا عامل محذوف ہے، یعنی **فلیوصوا**۔

ویـعـطـوھـن :۔مفسر نے **وصیة** کے منصوب ہونے کی صورت میں اس کے عامل **فـلـیـوصـوا** کو مقدر مانا تھا، **ویـعـطـوھن** اسی **یوصوا** امر پر معطوف ہے، اس لئے وہ بھی امر ہی کا صیغہ ہے اور مجزوم ہے، اور **متاعاً** اس کا مفعول ہے۔

مـایتمتعن :۔ یہ متاع کی تفسیر ہے، یعنی وہ سامان جس سے وہ سال بھر مستفید ہوں، یہ تین چیزیں ہیں، کھانا، کپڑا اور مسکن۔

مـن مـوتھم الواجب علیھن تربصه :۔ یہ ایک سال کی عدت ہے، جس کی ابتداء شوہر کی موت کے وقت سے ہے، سال بھر تک بیویاں شوہر کے مکان میں رہیں گی، انھیں کھانا کپڑا ملے گا، اتنی مدت ان کی عدت اور سوگ کی ہوگی۔

﴿فَإِنْ خَرَجْنَ﴾ بأنفسهن :۔حکم یہ تھا کہ ایک سال تک بیوہ عورت کو شوہر کے گھر سے نکالا نہ جائے، اگر شوہر کے ورثہ نے اسے سال بھر سے پہلے نکال دیا تو گنہگار ہوں گے، اور وہ نفقہ کی مستحق ہوگی، لیکن خود عورت کو اختیار تھا کہ وہ اپنی مرضی سے شوہر کا گھر ورثہ کے حق میں خالی کردے تو اگر وہ خود نکل جائے تو اس کا نفقہ اور کسوہ ساقط ہوجائے گا، البتہ نکاح کی ممانعت سال تمام ہونے تک بدستور تھی۔

کالتزین وترک الاحداد وقطع النفقة عنها :۔سال تمام ہونے سے پہلے اگر شوہر کا گھر بیوہ نے چھوڑ دیا تو سوگ کے ترک کردینے، زینت کی چیزیں استعمال کرنے اور نفقہ کے بند ہوجانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

والوصية المذكورة منسوخة :۔عدت کا یہ طریقہ مزید کچھ اور پابندیوں کے ساتھ عہد اسلام سے پہلے رائج تھا، ابتداء میں اسے برقرار رکھا گیا، پھر جب تقسیم میراث کی آیات نازل ہوئیں تو عورت کے حق میں وصیت کرنے کا حکم منسوخ ہوگیا، اب تو یہ اللہ کے حکم سے شوہر کی جائداد میں حصہ پاتی ہیں، اس لئے وصیت کی محتاج نہ رہیں۔

اور ایک سال کی عدت بھی منسوخ ہوگئی، اس کے بجائے قرآن کریم نے چار ماہ دس دن کا حکم دیا، زیر بحث آیت نزول میں اس آیت سے مقدم ہے، جس میں چار ماہ دس دن کی عدت متعین کی گئی ہے۔

والسکنیٰ ثابتة لها عند الشافعی :۔امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک متوفی عنہا زوجہا کے لئے سکنیٰ کا وجوب ثابت ہے، لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ زیر بحث آیت میں سکنیٰ جو واجب ہے وہ سال بھر کے لئے ہے، یہ سکنیٰ یقیناً منسوخ ہے، اور جو سکنیٰ واجب ہے صرف وہ چار ماہ دس دن کا ہے، کیونکہ عدت کے دوران میں من وجہٍ نکاح قائم رہتا ہے، اس لئے وہ اس مدت میں نکاح کرنا تو درکنار، نکاح کا پیغام بھی قبول نہیں کرسکتی، پس اس دوران سکنیٰ واجب ہوگا، اگر اس کی وراثت میں رہنے کے بقدر مکان حاصل ہوگیا تو تب تو اسی میں رہے گی، ورنہ ورثہ کے ذمہ ہے کہ اسے چار ماہ دس دن شوہر کے مکان میں رہنے دیں۔

کررہ لیعم الممسوسة أیضاً :۔حق تعالیٰ نے مطلقہ عورت کو متعہ دینے کا حکم ابتداء رکوع میں دیا ہے، پھر آخر رکوع میں اسی حکم کو مکرر ارشاد فرما رہے ہیں، اس تکرار کی توجیہ مفسر نے یہ فرمائی ہے کہ ابتداءً متعہ دینے کا حکم جو دیا گیا ہے، اس کا تعلق اس عورت سے ہے جس کو شوہر نے ہاتھ نہ لگایا ہو، اور اس کی مہر مقرر نہ کی گئی ہو، یہاں اس خاص عورت کے علاوہ دوسری مطلقات کو بھی متعہ کے حکم میں شامل کیا گیا ہے، کسی کے حق میں متعہ واجب ہوگا، کسی کے حق میں مستحب، کسی کے حق میں کپڑے کا جوڑا ہوگا، کسی کے حق میں نصف مہر کی صورت میں متعہ ہوگا۔ تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے۔

﴿مضامین آیات وتفسیر﴾

اس رکوع میں طلاق کے سلسلے میں مزید ہدایات دی گئی ہیں، فرمایا کہ اگر عورت کو اس حال میں طلاق دی

گئی کہ شوہر نے نہ اسے ہاتھ لگایا ہے، اور نہ اس کی مہر عقد نکاح میں متعین کی گئی تھی، تو اس طلاق میں کوئی حرج نہیں ہے، عورت کی طرف سے مہر کا مطالبہ نہ ہوگا، البتہ اس عورت کو متعہ یعنی کپڑوں کا جوڑا دینا واجب ہوگا، جتنی وسعت ہو اس کے بقدر متعہ دیا جائے گا، اور اگر طلاق ہاتھ لگانے سے پہلے ہی دی گئی ہے، لیکن مہر کی تعیین ہو چکی تھی تو آدھی مہر کی عورت مستحق ہوگی، اور آدھی مہر شوہر کے حق میں مسلم ہوگی، ہاں دونوں میں سے اگر کوئی ایثار سے کام لے، یعنی شوہر پوری مہر ادا کردے، یا عورت کل چھوڑ دے، تو یہ تقویٰ کی بات ہے، اور آپس میں احسان وایثار کرنا اچھی بات ہے، اسے نہیں بھولنا چاہئے۔ اور دیکھو حقوق العباد کی ادائیگی کے ساتھ حقوق اللہ کی بھی پوری نگہداشت رکھو، پانچوں نمازوں کا اہتمام رکھو، ہر نماز کو اس کے وقت پر تمام آداب وشرائط کا لحاظ کرتے ہوئے ادا کرو، اور خاص طور سے صلوٰۃ وسطیٰ کا اہتمام کرو، اور نماز میں خشوع وخضوع اور وقار واطمینان سے کھڑے ہو، اور اگر تمہیں دوران نماز دشمن یا درندہ یا سیلاب وغیرہ کا اندیشہ ہو، تو جس طرح ممکن ہو، چلتے ہوئے یا سواری پر قبلہ رُو یا اس کے بغیر بہرحال نماز ادا کرو، اور حالت اطمینان میں اصل طریقے کے مطابق ادا کرو۔

اور ہاں جن شوہروں کی وفات ہو جائے تو وہ اپنی بیویوں کے لئے اپنے مال میں اور گھر میں سال بھر کی وصیت کر جائیں کہ انھیں ان کے مکان میں رہنے دیا جائے، اور انھیں کھانا کپڑا ملتا رہے، البتہ اگر وہ از خود سال بھر سے پہلے مکان چھوڑنا چاہیں تو چھوڑ سکتی ہیں، اور مکان چھوڑنے کے بعد انھیں حق ہے کہ سوگ وغیرہ ترک کردیں، اور جو زینت شرعاً جائز ہے اسے اختیار کریں، البتہ سال گذرنے سے پہلے نکاح نہیں کرسکتیں، سال بھر والی وصیت کا حکم منسوخ ہے، اور سال بھر کی عدت بھی منسوخ ہے، تفصیل گذر چکی ہے۔

اور جو بھی عورت مطلقہ ہو، اس کے لئے متعہ کا استحقاق ہے، اللہ تعالیٰ نے آیات واحکام کو بیان کردیا ہے، تاکہ تم غور وتدبر سے کام لو۔

☆☆☆☆☆

﴿اَلَمْ تَرَ﴾ استفهام تعجيبٍ وتشويقٍ إلىٰ إستماع مابعده أى لم ينته علمك ﴿إِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ أُلُوْفٌ﴾ أربعة أو ثمانية أو عشرة أو ثلٰثون أو أربعون أو سبعون ألفاً ﴿حَذَرَ الْمَوْتِ﴾ مفعول له وهم قوم من بنى اسرائيل وقع الطاعون ببلادهم ففروا ﴿فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا﴾ فماتوا ﴿ثُمَّ أَحْيَاهُمْ﴾ بعد ثمانيه أيامٍ أو أكثرَ بدعاء نبيهم حزقيل بكسر المهملةوالقاف وسكون الزاى فعاشوا دهراً عليهم أثر الموت لايلبسون ثوباً إلا عاد كالكفن واستمرت فى أسباطهم ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَذُوْفَضْلٍ عَلَى النَّاسِ﴾ ومنه إحياء هؤلاء ﴿وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ﴾ وهم الكفار ﴿لَايَشْكُرُوْنَ﴾ والقصد من ذكر خبر هؤلاء تشجيع المومنين على

القتال ولذاعطف عليه﴿وَقَاتِلُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللهِ﴾أى لإعلاء دينه﴿وَاعْلَمُوْا أَنَّ اللهَ سَمِيْعٌ﴾لأقوالكم﴿عَلِيْمٌ﴾بأحوالكم فيجازيكم﴿مَنْ ذَاالَّذِىْ يُقْرِضُ اللهَ﴾بإنفاق ماله فى سبيل الله﴿قَرْضاً حَسَناً﴾بأن ينفقه لله تعالىٰ عن طيب قلبه﴿فَيُضٰعِفَهُ﴾وفى قراءةٍ فَيُضَعِّفَهُ بالتشديد﴿لَهُ أَضْعَافاً كَثِيْرَةً﴾من عشر إلىٰ أكثر من سبعمائة كماسيأتى﴿وَاللهُ يَقْبِضُ﴾ يمسك الرزق عمن يشاء إبتلاءً﴿وَيَبْسُطُ﴾يوسعه لمن يشاء امتحاناً﴿وَإِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾فى الآخرة بالبعث فيجازيكم بأعمالكم﴿اَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَأِ﴾ الجماعة﴿مِنْ بَنِى اِسْرَائِيْلَ مِنْ بَعْدِ﴾ موت ﴿مُوْسىٰ﴾أى إلىٰ قصتهم وخبرهم﴿إِذْ قَالُوْا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ﴾هو شمويل﴿ابْعَثْ﴾ أقم﴿لَنَامَلِكاً نُّقَاتِلْ﴾معه﴿فِىْ سَبِيْلِ اللهِ﴾تنتظم به كلمتنا ونرجع إليه قال النبى لهم﴿هَلْ عَسَيْتُمْ﴾بالفتح والكسر﴿إِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ أَلَّا تُقَاتِلُوْا﴾خبر عسىٰ والاستفهام لتقرير التوقع بها﴿قَالُوْا وَمَالَنَاأَلَّا نُقَاتِلَ فِىْ سَبِيْلِ اللهِ وَقَدْ أُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَأَبْنَاءِ نَا﴾ بسبيهم وقتلهم وقد فعل بهم ذٰلک قوم جالوت أى لامانع لنا منه مع وجود مقتضيه قال تعالىٰ﴿فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا﴾عنه وجبنوا﴿إِلَّا قَلِيْلاً مِّنْهُمْ﴾وهم الذين عبروا النهر مع طالوت كماسيأتى﴿وَاللهُ عَلِيْمٌ بِالظّٰلِمِيْنَ﴾فيجازيهم وسأل النبىُّ ربَّهٗ إرسال ملک فأجابه إلى إرسال طالوت﴿وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكاً قَالُوْا أَنّٰى﴾ كيف ﴿يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْکُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْکِ مِنْهُ﴾ لأنه ليس من سبط المملكة ولاالنبوة وكان دباغاً أو راعياً ﴿وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ﴾يستعين بها على إقامة الملک ﴿قَالَ﴾النبى لهم﴿إِنَّ اللهَ اصْطَفَاهُ﴾إختاره للملک﴿عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً﴾ سعةً﴿فِى الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ﴾وكان أعلم بنى اسرائيل يومئذٍ وأجملهم وأتمهم خلقاً﴿وَاللهُ يُؤْتِىْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَاءُ﴾إيتاءه لااعتراض عليه﴿وَاللهُ وَاسِعٌ﴾فضله﴿عَلِيْمٌ﴾بمن هو اهل له﴿وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ﴾لما طلبوا منه آية علىٰ ملكه﴿إِنَّ آيَةَ مُلْكِهٖ أَنْ يَّاتِيَكُمُ التَّابُوْتُ﴾الصندوق كان فيه صور الانبياء أنزله الله تعالىٰ علىٰ آدم واستمر إليهم فغلبتهم العمالقة عليه وأخذوه وكانوا يستفتحون به علىٰ عدوهم ويقدمونه فى القتال ويسكنون إليه كماقال تعالىٰ ﴿فِيْهِ سَكِيْنَةٌ﴾ طمانينة لقلوبكم﴿مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّاتَرَکَ آلُ مُوْسىٰ وَآلُ هٰرُوْنَ﴾أى تركاه وهو نعلاموسىٰ وعصاه وعمامة هارون وقفيز من المن الذى كان ينزل عليهم ورضاض الالواح ﴿تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ﴾حال من فاعل ياتيكم﴿إِنَّ فِىْ ذٰلِکَ لَآيَةً لَّكُمْ﴾علىٰ ملكه﴿إِنْ كُنْتُمْ

مُّؤْمِنِيْنَ﴾فحملته الملائكة بين السماء والارض وهم ينظرون إليه حتىٰ وضعته عند طالوت فاقروا بملكه وتسارعوا إلى الجهاد فاختار من شبانهم سبعين ألفاً ۔

﴿ ترجمـــــــه ﴾

(کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا؟) یہ استفہام اس لئے ہے کہ بعد میں آنے والے مضامین کا دل میں اشتیاق پیدا ہو، اور ان پر تعجب ہو، یعنی کیا تم کو ان لوگوں کا علم نہیں ہوا (جو اپنے گھروں سے موت کے خوف سے ہزاروں کی تعداد میں نکلے) یہ چار ہزار یا آٹھ ہزار یا دس ہزار، یا تیس ہزار یا چالیس ہزار یا ستر ہزار تھے، حـــذر الموت مفعول لہ ہے، یہ لوگ بنی اسرائیل سے تعلق رکھتے تھے، ان کے علاقے میں طاعون پھیلا تو یہ لوگ گھروں کو چھوڑ کر بھاگ نکلے (پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں فرمایا کہ مرجاؤ) وہ سب مر گئے (پھر ان کو) آٹھ دن یا کچھ اور زیادہ دنوں کے بعد ان کے نبی حزقیل'' حا کے کسرہ ، زا کے سکون اور قاف کے کسرہ کے ساتھ'' کی دعا سے (زندہ کردیا) پھر ایک زمانہ تک زندہ رہے، اور ان کے اوپر موت کے اثرات نمایاں رہے، جو بھی کپڑا پہنتے وہ کفن جیسا ہو جاتا، اور یہ بات ان کی اولاد میں بھی قائم رہی (بلاشبہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر فضل فرمانے والے ہیں) اور اس میں یہ بھی ہے کہ ان لوگوں کو پھر زندہ کردیا (لیکن اکثر لوگ) یعنی کفار (شکر گزار نہیں ہوتے) ان لوگوں کے اس واقعہ کو ذکر کرنے کا مقصد مسلمانوں کو جہاد پر آمادہ کرنا ہے اور ان میں بہادری پیدا کرنا ہے، اسی لئے اس پر اگلے جملہ کا عطف کیا (اور اللہ کی راہ میں یعنی ان کے دین کی سربلندی کیلئے (لڑو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ) تمہارے اقوال کو (سننے والے) تمہارے احوال کو (جاننے والے ہیں) پس تم کو جزا دیں گے (کون ہے جو) اللہ کے راستے میں اپنا مال خرچ کر کے (اللہ کو قرضِ حسن دے) یعنی خوشی دل سے اللہ کے لئے مال خرچ کرے (تو اللہ تعالیٰ اسے کئی گنا بڑھا کر دیں گے) دس گنے سے سات سو گنے سے زائد تک جیسا کہ آرہا ہے، اور ایک قرأت میں باب تفعیل سے ہے، یعنی فَيُضَعِّفُهُ (اور اللہ تعالیٰ) جس سے چاہتے ہیں روزی امتحاناً (روک لیتے ہیں، اور) جس کے لئے چاہتے ہیں امتحاناً (پھیلا دیتے ہیں، اور انھیں کی جانب تم) آخرت میں دوبارہ زندہ کئے جانے کے بعد (لوٹائے جاؤ گے) تو تمہارے اعمال کا بدلہ دیں گے۔

(کیا تم نے بنی اسرائیل کے اس گروہ کو جو موسیٰ کے بعد) یعنی ان کے مرنے کے بعد (تھا نہیں دیکھا) یعنی ان کے واقعے اور خبر کو نہیں جانا (جبکہ انھوں نے اپنے نبی) شمویل (سے کہا کہ ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کر دیجئے کہ) جس کے ساتھ مل کر (ہم اللہ کے راستے میں لڑیں) اس بادشاہ کی وجہ سے ہمارے معاملہ کا انتظام ہو، اور ہم اس کی طرف رجوع کریں، ان سے نبی نے (کہا: کیا ممکن ہے کہ تم پر اگر قتال فرض کر دیا جائے، تو تم نہ لڑو) عسیتم سین کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ ہے، اَلّا تقــاتلو ، عسیتم کی خبر ہے، اور استفہام

تقریری ہے، یعنی تم سے اسی بات کا اندیشہ ہے (انھوں نے کہا اور ہم کو کیا ہوا کہ ہم اللہ کی راہ میں نہ لڑیں، حالانکہ ہم اپنے گھروں سے اور اپنی اولادوں سے نکال دیئے گئے ہیں) یعنی ان کے گرفتار ہونے اور قتل ہونے کی وجہ سے، ان کے ساتھ یہ سلوک قومِ جالوت نے کیا تھا، یعنی ہمارے لئے اس قتال سے کوئی چیز مانع نہیں ہے، بلکہ اس کا مقتضی موجود ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا (پس جب ان پر قتال فرض کر دیا گیا تو ان لوگوں نے) اس سے (رُوگردانی کی) اور بزدلی دکھائی (بجز ان میں سے تھوڑے کے) اور یہ وہی لوگ تھے جنھوں نے طالوت کے ساتھ ندی پار کی تھی، جیسا کہ آگے آرہا ہے (اور اللہ تعالیٰ ظالموں سے باخبر ہیں) انھیں ظلم کی سزا دیں گے۔

پھر نبی نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ ایک بادشاہ مقرر کر دیا جائے، اللہ تعالیٰ نے طالوت کو نامزد کر کے ان کی دعا قبول فرمائی (اور کہا ان سے ان کے نبی نے کہ اللہ نے طالوت کو بادشاہ مقرر کیا ہے، وہ کہنے لگے اس کی ہم پر حکومت کیسے ہوگی، حالانکہ حکومت کے ہم زیادہ حق دار ہیں) کیونکہ وہ شاہی خاندان سے تعلق نہیں رکھتا، اور نہ نبوت کے خاندان سے، وہ دباغ تھے، یا یہ کہ چرواہے تھے (اور انھیں مال کی فراوانی بھی نصیب نہیں ہے) جس سے اقامت حکومت میں مدد ملتی، نبی نے ان سے کہا (بے شک اللہ تعالیٰ نے اس کو) بادشاہت کے لئے (منتخب فرمایا ہے، اور اس کو علم اور جسم میں وسعت عطا فرمائی ہے) اس وقت بنی اسرائیل میں وہ سب سے بڑے عالم بھی تھے، اور جسم وجثہ کے اعتبار سے بھی مکمل تھے (اور اللہ جسے دینا چاہتے ہیں حکومت عطا فرماتے ہیں) ان پر کوئی اعتراض نہیں ہے (اور اللہ وسیع) فضل والے (باخبر ہیں) کہ کون اس کا اہل ہے (اور) انھوں نے جب ان کی حکومت پر نشانی کا مطالبہ کیا تو (تو ان سے ان کے نبی نے کہا کہ اس کی حکومت کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس تابوت آئے گا) جس میں انبیاء کی تصویریں ہیں، اللہ نے اسے آدم علیہ السلام کے پاس اتارا تھا، اور بنی اسرائیل میں وہ برابر رہا، پھر عمالقہ کا اس پر غلبہ ہو گیا، اور وہ اس تابوت کو لے گئے۔ اس تابوت کے واسطے سے وہ لوگ دشمن کے خلاف دعا کرتے تھے اور جنگ میں اسے آگے رکھتے تھے اور اس کے سائے میں انھیں اطمینان ہوتا تھا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (اس میں تمہارے رب کی طرف سے سکینہ ہے) یعنی اطمینانِ قلب ہے (اور جو چیزیں آلِ موسیٰ اور آلِ ہارون نے چھوڑی تھیں، ان کے کچھ بچے کھچے آثار ہیں) یعنی خود موسیٰؑ اور ہارونؑ نے جو چیزیں چھوڑی تھیں، وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جوتا، ان کا عصا، حضرت ہارون علیہ السلام کا عمامہ، من وسلویٰ کا کچھ حصہ اور آسمانی تختیوں کے کچھ ٹکڑے تھے (فرشتے اسے اٹھا کر لائیں گے) یہ **یاتیکم** کے فاعل سے حال ہے (بے شک اس میں تمہارے لئے نشانی ہے) اس کی حکومت پر (اگر تم ایمان رکھتے ہو) چنانچہ فرشتے زمین وآسمان کے درمیان اٹھا کر اسے لے آئے اور وہ دیکھ رہے تھے، فرشتوں نے اسے طالوت کے پاس رکھ دیا، تب ان لوگوں نے ان کی حکومت کو تسلیم کیا، اور جہاد کی طرف دوڑے، انھوں نے بنی اسرائیل میں سے ستر ہزار

جوانوں کا انتخاب کیا۔

﴿تشریحات﴾

استفهام تعجيبٍ وتشويق :۔**الم تر** میں مقصود استفہام نہیں ہے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ آگے آنے والے واقعہ کے سننے کا اشتیاق پیدا ہو، نیز واقعہ حیرت ناک ہے، اس لئے تعجب انگیزی بھی مقصود ہے، پھر یہ بھی ہے کہ یہ **الم تر** افعال قلوب میں ہے جو کہ علم کے معنی میں ہوتا ہے، اور ظاہر ہے کہ **علم** کا صلہ **إلى** نہیں آتا، بلکہ وہ بغیر صلہ کے متعدی ہوتا ہے، اور یہاں **الى الذين** ، **الیٰ** کے ساتھ ہے، بظاہر یہ قرینہ اس بات کا ہے کہ یہاں رویت بصری مراد ہے، مگر رویت بصری والا معنی یہاں ممکن نہیں، کیونکہ واقعہ بہت پہلے کا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ لفظی قرینہ رویت بصری کا ہے، اور معنوی قرینہ علم کا ہے، مگر اس کے ساتھ **إلى** کا آنا محل نظر ہے۔

مفسر نے اس اشکال کو اس طرح حل کیا ہے کہ **لم ينته علمك الى الذين** ، **إلیٰ** کے لفظ نے علم کے اندر انتہاء کے معنی کی تضمین کر دی ہے، اور انتہاء کا صلہ **إلیٰ** آتا ہے، پس اشکال نہیں رہا۔

فماتوا :۔اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: **فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ أَحْيَاهُمْ** ، اس عبارت میں **أَحْيَاهُم** معطوف ہے، اور بظاہر اس کا معطوف علیہ لفظوں میں موجود نہیں ہے، مفسر نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان **موتوا** کا اقتضا **فماتوا** ہے، اسی مقتضی پر **ثُمَّ أَحْيَاهُم** کا عطف ہے۔

حزقيل :۔ان کے بارے میں صاحب جمل نے درجِ ذیل تفصیل لکھی ہے۔ **والله أعلم**

> ''ان کو ابن العجوز بھی کہتے ہیں، ان کی ماں بہت بوڑھی ہو چکی تھیں، لیکن انھوں نے حق تعالیٰ سے بانجھ پن کے باوجود اولاد کی دعا کی، تو اللہ تعالیٰ نے اولاد عطا فرمائی، ان کا نام حزقیل رکھا، اور ان کو ذوالکفل بھی کہا جاتا ہے، ان کو ذوالکفل اس لئے کہا جاتا ہے کہ انھوں نے ستر نبیوں کی کفالت کی، اور انھیں قتل ہونے سے بچایا، وہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کے تیسرے خلیفہ تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت یوشع علیہ السلام، ان کے بعد کالب، ان کے بعد حزقیل (خازن)

عليهم أثر الموت :۔موت کا اثر بدن پر بھی تھا، یعنی ان کے بدن زرد تھے، اور لباس پر بھی تھا، وہ یہ کہ جو بھی لباس پہنتے تھے ان کے بدن پر وہ کفن کی شکل اختیار کر لیتا، رنگ کی زردی ان کی نسل میں بھی باقی رہی۔

والقصد من خبر هٰؤلاء الخ :۔ان الفاظ سے مفسر نے ایک سوال کا جواب دیا ہے، سوال یہ ہے کہ اس فرار، پھر بحکم خداوندی موت اور اس کے بعد ایک نبی کی دعا سے اعادۂ حیات کے واقعے کے بعد اللہ تعالیٰ نے واو حرفِ عطف کے ساتھ ایک حکم صادر فرمایا کہ : **وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ**، تو اگر سابقہ واقعہ کا بیان معطوف علیہ قرار دیا جائے، اور **قاتلوا** کو معطوف مانا جائے تو معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان کیا مناسبت ہے؟ اس کا جواب

مفسر نے دیا ہے کہ اس واقعہ کے بیان کا مقصد جہاد وقتال کے اوپر مسلمانوں کو آمادہ کرنا ہے کہ موت وحیات اللہ کے ہاتھ میں ہے، اسبابِ موت سے بھاگنے والے بھاگے، مگر موت نے آدبوچا، پھر حق تعالیٰ نے موت کے بعد زندگی لوٹائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسبابِ حیات کے لئے حیات لازم نہیں ہے، اور اسبابِ موت کے لئے موت لازم نہیں ہے، پس جنگ کو سبب موت سمجھ کر اس سے فرار اختیار کرنا مناسب نہیں ہے۔ اس طرح معطوف علیہ اور معطوف میں مناسبت ظاہر ہے، درحقیقت یہ عطف اس واقعہ پر یہ مبنی نہیں ہے، بلکہ ایک جملہ مقدرہ پر ہے جو اس واقعہ کی حکایت سے سمجھ میں آتا ہے۔ تقدیر یہ ہے: **لاتفروا من الموت کما هرب هؤلاء فلم ینفعهم ذٰلک بل اثبتوه وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الخ۔**

بإنفاق ماله فی سبیل الله: ۔اللہ کو قرض دینے کا بعض لوگوں نے مطلب یہ لیا ہے کہ اللہ کے بندوں کو قرض دیں، کیونکہ بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائیں گے: اے ابن آدم! میں مریض تھا، تو نے میری عیادت نہیں کی، میں نے تم سے کھانا مانگا، تم نے مجھے کھلایا نہیں، میں نے تم سے پانی مانگا، تم نے نہیں دیا۔ بندہ کہے گا، آپ رب العالمین ہیں، بیمار کیوں ہوتے، کھانا کیوں کھاتے، پانی کیوں مانگتے، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے میرا فلاں بندہ بیمار تھا، فلاں بھوکا تھا، فلاں پیاسا تھا، اگر اس کی خبر گیری کرتے، اس کی ضرورت پوری کرتے، تو مجھے اس کے پاس پاتے۔ (بخاری ومسلم شریف)

اس حدیث کی روشنی میں بعض حضرات نے مَنْ ذَاالَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضاً حَسَناً کا مطلب یہی بتایا کہ یہ درحقیقت بندوں کو قرض دینے کی ترغیب ہے، مفسر نے اس تفسیر کو قبول نہیں کیا ہے، ان کے نزدیک اس کی تفسیر یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا درحقیقت اللہ کو قرض دینا ہے، اللہ تعالیٰ اسے بطور قرض کے قبول فرماتے ہیں، اور کئی گنا بڑھا کر واپس کریں گے۔

أی إلیٰ قصتهم وخبرهم: ۔اس لفظ کے اضافہ سے مفسر نے یہ بتایا کہ **ألم تر إلی الملأ** میں مضاف محذوف ہے، اور وہ ہے: **ألم تر إلی قصة الملأ.**

الملأ: ۔ملأ قوم کے بڑے لوگوں اور باوجاہت اصحاب کو کہتے ہیں، اس کا اطلاق جماعت پر ہوتا ہے، لفظاً واحد ہے، معنیً جمع ہے۔ **سموا بذٰلک لأنهم یملئون القلوب مهابةً، والعیون حسناً وبهاءً**، ملأ کے لفظی معنی بھرنے کے ہیں، بڑے لوگوں کو ملأ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ قلوب کو ہیبت سے اور نگاہوں کو حسن وجمال اور رونق سے بھر دیتے ہیں۔

هو شمویل: ۔حضرت شمویل کا تعارف صاحب جمل نے تفسیر خازن کے حوالے سے اس طرح کرایا ہے کہ:
''جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وصال ہوا تو ان کے خلیفہ حضرت یوشع ہوئے، حضرت یوشع کے بعد

حضرت کالب، اوران کے بعد حضرت حزقیل، پھر الیاس، پھر الیسع ہوئے، ان کے بعد عمالقہ نے بنی اسرائیل پر غلبہ پایا، ان کی زمینوں پر قبضہ کیا، ان کے بچوں اور عورتوں کو گرفتار کیا، اس وقت ان کے درمیان کوئی نبی نہ تھا، جو کچھ تدبیر کرتا، نبوت والا خاندان بھی ختم ہی تھا، اس گھرانے کی صرف ایک عورت حاملہ تھی، اس نے بچہ جنا، اس کا نام شمویل رکھا گیا، بڑے ہوئے تو نبوت سے نوازے گئے، انھوں نے بنی اسرائیل میں کام شروع کیا تو ان سے مطالبہ ہوا کہ ایک بادشاہ ہم پر مقرر کر دیجئے۔

والاستفهام لتقرير التوقع بها :۔**هل عسيتم** کا استفہام، استفہام تقریری ہے، اور توقع کا مفہوم **عسىٰ** سے ظاہر ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اندیشہ اس کا ہے کہ اگر قتال تم پر فرض کر دیا جائے تو تم منحرف ہو جاؤ گے اور لڑنے سے جان چراؤ گے۔

بسبيهم وقتلهم :۔اولاد سے نکالے جانے کا مطلب یہ ہے کہ دشمنوں نے اولاد کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور بہت کو گرفتار کر کے لے گئے، اس طرح وہ اپنی اولاد سے جدا کر دیئے گئے، **أخرجنا من ديارنا** کے سیاق میں **أبنائنا** لا کر مذکورہ مطلب مراد لیا گیا ہے، یہ صنعت استخدام کی ایک شکل ہے کہ ایک لفظ کا معنی مطابقی مراد لیا گیا ہے، اور اس کے سیاق میں معنی التزامی بھی سمجھا جائے۔

جالوت :۔قوم عمالقہ کا ایک ظالم بادشاہ تھا، اس نے بنی اسرائیل کے شیرازہ کو منتشر کر دیا تھا۔

طـــالـوت :۔بنی اسرائیل میں بارہ خاندان تھے، ان میں اسرائیلی روایات کے مطابق نبوت ایک خاندان کے ساتھ مخصوص تھی، اور وہ خاندان لادی بن یعقوب کا تھا، اور حکومت ایک خاندان کے ساتھ مخصوص تھی، اور وہ تھا یہودا بن یعقوب کا خاندان۔ حضرت طالوت ان دونوں خاندانوں کے بجائے بنیامین کی اولاد میں تھے، بنی اسرائیل کے قبائل نے بنیامین کی اولاد کو سب سے گھٹیا قرار دے رکھا تھا، ان کا کام خدمتگاری کا تھا، پانی بھرنا، بکریاں چرانا، کھال کی دباغت دینا، گویا یہ لوگ ان کے درمیان اچھوت اور شودر تھے۔ اس خاندان میں حضرت طالوت پیدا ہوئے، جسم وجثہ کے اعتبار سے کافی طویل وعریض تھے، صاحب حسن وجمال بھی تھے، اور علم وعقل سے حصۂ وافر پائے ہوئے تھے، اللہ کے حکم سے نبی علیہ السلام نے انھیں بادشاہ مقرر کیا۔

لأنه ليس من سبط المملكة :۔بادشاہت کا مطالبہ کرنے والے اس انتخاب پر دم بخود ہو گئے، نسل پرستی میں مبتلا یہ قوم سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ خدمتگاروں کے خاندان کا کوئی فرد ہم پر حکومت کرے گا، انھوں نے اس انتخاب پر اعتراض کیا کہ طالوت سے زیادہ حکومت کے حقدار موجود ہیں، پھر ان کا انتخاب کیوں ہوا؟ چھوٹی خاندان کا ایک فرد اونچی ناک والوں پر حکومت کرے، یہ تو عار کی بات ہے، یہ انسانیت کا پرانا روگ ہے، جس نے ہر زمانے میں انکار وتمرد کے گڈھے میں انسانوں کو گرایا ہے۔

اس کے ساتھ ایک بات اور ان لوگوں نے جوڑ دی کہ وہ غریب آدمی ہے، حکومت تو مال کا کھیل ہے، مال ہی نہیں تو یہ حکومت کی بازی کیونکر جیتے گا۔

پیغمبر نے جواب میں دو بات کہی۔ اوّل یہ کہ ان کا انتخاب اللہ نے کیا ہے، اس میں کسی کو دم مارنے کی گنجائش نہیں، انتخاب تو انھیں کا انتخاب ہے۔ دوسری بات یہ فرمائی کہ خاندان اونچا نہ سہی، علم تو اونچا اور فراواں ہے، اس کے مقابلے میں خاندانی وجاہت کچھ نہیں، اور مال نہ سہی جسم تو کامل ہے، کہ دیکھتے ہی دشمنوں پر ہیبت چھا جائے، پھر مال کے آنے میں کتنی دیر لگتی ہے۔

الصندوق کان فیہ صور الانبیاء :۔ حضرت آدم علیہ السلام جب جنت سے اتارے گئے تو جنت کی بعض چیزیں ان کے ساتھ زمین پر اتری تھیں، مشہور ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا کرتا جسے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کنویں میں حضرت یوسف علیہ السلام کو پہنایا تھا وہ جنت سے آیا تھا، اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا بھی جنت سے آیا تھا، انھیں میں وہ صندوق بھی تھا جس کا تذکرہ اس جگہ ہے، اس میں انبیاء کی تصویریں تھیں، اور ان کا تعارف تھا، یہ صندوق بنی اسرائیل کے قبضے میں تھا، اس میں دوسرے انبیاء کی بھی بعض یادگاریں اور تبرکات تھے، مثلاً موسیٰ علیہ السلام کے نعلین، ان کا عصا، حضرت ہارون علیہ السلام کا عمامہ، من وسلویٰ کی کچھ مقدار، اور جو تختیاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو طور پر ملی تھیں، ان کے کچھ ٹکڑے۔

بنی اسرائیل اسے بطور تبرک جنگ میں آگے رکھتے تھے، اور اس کی برکت سے فتح پاتے تھے، اس کے رہنے سے لوگ مطمئن رہتے تھے، قوم عمالقہ نے جب بنی اسرائیل کو شکست دی تو اس صندوق کو لوٹ لے گئے، بنی اسرائیل کی شامت اعمال کی نحوست میں سے یہ بڑی نحوست تھی، پیغمبر نے حضرت طالوت کی حکومت کے برکات میں یہ بشارت سنائی کہ فرشتے عینی طور پر وہ صندوق قوم عمالقہ کی گرفت سے نکال کر طالوت کے پاس لے آئیں گے، اس سے تم سمجھ جانا کہ طالوت منجانب اللہ حاکم مقرر کئے گئے ہیں۔

چنانچہ فرشتے اسے زمین وآسمان کے درمیان اٹھا کر لائے، بنی اسرائیل نے اپنی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کیا، فرشتوں نے اسے حضرت طالوت کے پاس لاکر رکھ دیا، اتنی زبردست نشانی کے بعد بنی اسرائیل نے ان کی حکومت کو تسلیم کیا، اور اب جہاد کی تیاری ہونے لگی، حضرت طالوت نے بنی اسرائیل کے ستر ہزار جوانوں کا جہاد کیلئے انتخاب کیا۔

﴿مضامین آیات وتفسیر﴾

اس رکوع میں اللہ تعالیٰ نے جہاد وقتال اور اس میں مال خرچ کرنے کی اہمیت وفضیلت بیان کی ہے، اور اس کی تمہید میں ایک قوم کا تذکرہ کیا، اس قوم کے وطن میں طاعون کی وبا پھوٹ پڑی، یہ لوگ موت کے خوف سے

وطن چھوڑ کر بھاگ نکلے، اوران کی تعداد ہزاروں تھی، جس موت کے ڈر سے یہ لوگ بھاگے تھے، خدا نے اسی موت کوان کے پیچھے لگا دیا، سب پر موت کا حکم آیا اور سب مر گئے، اور اسی طرح کم وبیش ایک ہفتہ پڑے رہے، وقت کے پیغمبر کا ان مردوں پر گذر ہوا، وہ انھیں پہچان گئے، انھیں ترس آیا، انھوں نے خدا سے دعا کی، اللہ تعالیٰ نے انھیں دوبارہ زندہ کر دیا، لیکن اللہ تعالیٰ نے موت کی نشانی ان پر چھوڑ دی، رنگ زرد، کپڑا کفن نما، چلتی پھرتی لاش محسوس ہوتے تھے، یہ رنگ ان کی نسل میں بھی باقی رہا، جب موت کا یہ حال ہے کہ اس سے بھاگنا کچھ مفید نہیں ہوتا، تو پھر زندگی کی محبت اور موت کے اندیشے سے جہاد سے جان چرانا کیا معنی رکھتا ہے، پس جہاد میں ڈٹے رہو، اور اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لئے اس کی راہ میں جنگ کرو، اللہ تعالیٰ تمہارے اقوال واحوال کو سنتے اور جانتے ہیں۔

پھر مال خرچ کرنے کی ترغیب دیتے ہیں، فرماتے ہیں: کون ہے؟ جو اللہ کو قرض حسن دے، اللہ تعالیٰ اس کے عوض میں کئی گنا عطا فرمائیں گے، یعنی دل کی خوشی اور رضا مندی سے اللہ کے راستے میں مال خرچ کرے، تو اللہ تعالیٰ دس گنے سے سات سو گنے تک ثواب عطا فرمائیں گے، اور اس سے بھی زیادہ جس کی کوئی حد نہیں مقرر کی جاسکتی، اور یہ اللہ ہی کا تصرف ہے کہ جس کی چاہتے ہیں آزمائش کرتے ہیں، اور روزی اس کی سمیٹ دیتے ہیں، جس کو چاہتے ہیں امتحاناً روزی میں وسعت فرماتے ہیں، لوٹنا سب کو اسی کے دربار میں ہے۔

پھر ایک مثال پیش فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد جب بنی اسرائیل کو ایک ظالم بادشاہ نے منتشر کر دیا تھا، بنی اسرائیل بکھرے ہوئے تھے، حکومت پارہ پارہ ہو چکی تھی، وقت کے نبی سے ایک جماعت نے درخواست کی کہ ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر فرما دیجئے، نبی نے کہا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ بادشاہ مقرر کر دیا جائے، اور تم لوگ جہاد سے منحرف ہو جاؤ، کہنے لگے ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟ ہم اپنے گھروں سے بے گھر کئے گئے، ہماری اولادیں ہم سے جدا کر دی گئیں، اب کیا بچا ہے جس کی خاطر ہم جہاد سے جی چرائیں گے؟ لیکن ہوا یہی کہ جب ان پر جہاد فرض کیا گیا تو پیٹھ پھیرنے اور بزدلی کا مظاہرہ کرنے لگے، ہاں تھوڑے لوگ ثابت قدم رہے اور اللہ کو ظالموں کی خبر ہے۔

نبی نے اللہ سے دعا کی کہ ایک بادشاہ کا انتخاب کر دیا جائے، حکم ہوا کہ طالوت کو بادشاہ متعین کیا جاتا ہے، قوم کو اس پر اعتراض ہوا کہ طالوت شاہی خاندان کا آدمی نہیں ہے، اس سے زیادہ تو ہم اس کے مستحق ہیں، اس کے پاس دولت وثروت بھی نہیں ہے، نبی نے ان سے فرمایا کہ حکومت کے لئے جن دو چیزوں کی ضرورت ہے اللہ نے اسے عطا کی ہیں۔ علم بھی فراواں ہے، اور جسمانی قوت بھی بہت ہے، اور یہ تو اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے، جسے چاہتے ہیں حکومت عطا کرتے ہیں، قوم کو اب بھی اطمینان نہ ہوا، کہنے لگی کہ طالوت کی بادشاہت پر کوئی نشانی منجانب اللہ ظاہر ہو، تو ہم مانیں۔ نبی نے فرمایا کہ نشانی یہ ہے کہ تمہارا گم شدہ تابوت جس میں قدیم زمانے سے

انبیاء کے تبرکات چلے آتے ہیں اور وہ تمہارے لئے وجہِ سکینت تھا، آجائے گا، فرشتے اسے اٹھا کر لائیں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، اس تابوت کو فرشتے اٹھا کر لائے اور حضرت طالوت کے پاس لا کر رکھ دیا، اب انھیں اطمینان ہوا، اور جہاد کی تیاری میں لگ گئے۔

☆☆☆☆☆

﴿ فَلَمَّافَصَلَ﴾خرج﴿طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ﴾من بيت المقدس وكان حرّاً شديداً وطلبوا منه الماء ﴿قَالَ إِنَّ اللهَ مُبْتَلِيْكُمْ﴾ مختبركم ﴿بِنَهَرٍ﴾ ليظهر المطيع منكم والعاصى وهو بين الاردن وفلسطين ﴿فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ﴾أى من مائه ﴿فَلَيْسَ مِنِّى﴾أى من أتباعى﴿وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ﴾يذقه﴿فَإِنَّهُ مِنِّى إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً﴾بالفتح والضم ﴿بِيَدِهٖ﴾فاكتفىٰ بها ولم يزد عليها فإنه منى﴿فَشَرِبُوْا مِنْهُ﴾لما وافوه بكثرة ﴿إِلَّا قَلِيْلًامِّنْهُمْ﴾فاقتصروا على الغرفة روى أنها كفتهم لشربهم ودوابهم وكانوا ثلثمائة وبضعة عشر﴿فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا مَعَهٗ﴾ هم الذين اقتصروا على الغرفة ﴿قَالُوْا﴾أى الذين شربوا ﴿ لَاطَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ﴾ أى بقتالهم وجبنوا ولم يجاوزوه﴿قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ﴾ يوقنون﴿ أَنَّهُمْ مُّلٰقُوْااللهِ﴾ بالبعث وهم الذين جاوزوه ﴿كَمْ ﴾خبرية بمعنى كثير ﴿مِّنْ فِئَةٍ﴾جماعة ﴿قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِإِذْنِ اللهِ﴾ بإرادته ﴿وَاللهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ بالنصر والعون﴿وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ﴾ أى ظهروا لقتالهم وتصافوا﴿قَالُوْارَبَّنَا أَفْرِغْ﴾اصبب﴿عَلَيْنَا صَبْراًوَّثَبِّتْ أَقْدَامَنَا﴾ بتقوية قلوبنا على الجهاد﴿وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ فَهَزَمُوْهُمْ ﴾ كسروهم ﴿بِإِذْنِ اللهِ﴾ بإرادته﴿وَقَتَلَ دَاوٗدُ﴾ وكان فى عسكر طالوت﴿جَالُوْتَ وَآتٰهُ﴾أى داؤد ﴿اللهُ الْمُلْكَ﴾فى بنى اسرائيل ﴿وَالْحِكْمَةَ﴾النبوة بعد موت شمويل وطالوت ولم يجتمعا لأحدٍ قبله ﴿وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَاءُ﴾ كصنعة الدروع ومنطق الطير﴿وَلَوْلَادَفْعُ اللهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ﴾بدل بعض من الناس ﴿بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ﴾بغلبة المشركين وقتل المسلمين وتخريب المساجد﴿وَلٰكِنَّ اللهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ﴾فدفع بعضهم ببعضٍ﴿تِلْكَ﴾هٰذه الآيات ﴿آيٰتُ اللهِ نَتْلُوْهَا﴾ نقصها ﴿عَلَيْكَ﴾يامحمد﴿بِالْحَقِّ﴾بالصدق﴿وَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ﴾التاكيد بإن وغيرها ردٌّ لقول الكفار له لَسْتَ مُرْسَلاً ﴿**تِلْكَ**﴾ مبتدأ﴿**الرُّسُلُ**﴾ صفة والخبر﴿فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾بتخصيصه بمنقبة ليست لغيره﴿مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللهُ﴾ كموسىٰ ﴿وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ﴾أى محمداًﷺ﴿ دَرَجٰتٍ﴾علىٰ غيره

بعموم الدعوة وختم النبوة به وتفضيل أمتـــــه علىٰ سائر الامم والمعجزات المتكاثرة والخصائص العديدة﴿وَآتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَأَيَّدْنٰهُ﴾ قويناه ﴿بِرُوْحِ الْقُدُسِ﴾ جبرئيل يسير معه حيث سار﴿وَلَوْشَاءَ اللّٰهُ﴾هدى الناس جميعا ﴿مَااقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ﴾بعد الرسل أى أممهم﴿ مِنْ بَعْدِ مَاجَاءَ تْهُمُ الْبَيِّنٰتُ﴾لإختلافهم وتضليل بعضهم بعضاً﴿ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا﴾ لمشيئة ذٰلک﴿فَمِنْهُمْ مَّنْ آمَنَ﴾ثبت على إيمانه﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ﴾ كالنصارىٰ بعد المسيح﴿وَلَوْشَاءَ اللّٰهُ مَااقْتَتَلُوْا﴾ توكيد﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَايُرِيْدُ﴾ من توفيق من شاء وخذلان من شاء۔

﴿ترجـــــمہ﴾

(پھر جب طالوت لشکر کو لے کر) بیت المقدس سے (نکلے) اور وہ شدید گرمی کا زمانہ تھا، اور فوج نے ان سے پانی کا مطالبہ کیا (تو کہا کہ بے شک اللہ تعالیٰ تم کو ایک ندی کی آزمائش میں ڈالنے والے ہیں) تاکہ فرمانبردار اور نافرمان کھل کر سامنے آجائیں، یہ ندی اردن اور فلسطین کے درمیان ہے (جو اس سے) یعنی اس کے پانی کو (پی لے گا وہ مجھ سے) یعنی میرے گروہ میں سے (نہیں ہے اور جو اسے نہ چکھے، اس کا تعلق مجھ سے ہے، مگر یہ کہ کوئی اپنے ہاتھ سے ایک گھونٹ پی لے) اور اسی پر اکتفا کرے، اس سے زیادہ نہ لے، تو اس کا تعلق مجھ سے رہے گا (لیکن ان سب نے) جب پانی فراواں دیکھا تو (اس سے پی لیا سوائے قدرے قلیل آدمیوں کے) کہ انھوں نے ایک چلو پر اکتفا کیا، مروی ہے کہ وہی ایک چلو ان کے لئے کافی ہوگیا، ان کے لئے بھی اور ان کے جانوروں کے لئے بھی، یہ لوگ تین سو دس سے اوپر افراد تھے (پھر جب طالوت اس ندی کے پار ہوئے اور ان کے ساتھ وہ لوگ بھی، جو صاحب ایمان تھے) اور وہ وہی لوگ تھے جنھوں نے ایک چلو پر اکتفا کیا تھا (تو) وہ لوگ، جنھوں نے پانی سیر ہو کر پیا تھا (کہنے لگے کہ ہمیں آج جالوت اور اس کے لشکر سے لڑنے کی طاقت نہیں ہے) انھوں نے بزدلی کی، اور یہ لوگ ندی کے پار نہیں اترے (وہ لوگ جو اس بات کا یقین رکھتے تھے کہ انھیں) دوبارہ زندہ ہو کر (اللہ سے ملاقات کرنی ہے) اور یہ وہی لوگ تھے جو ندی کو پار کر کے اترے تھے (انھوں نے کہا بہت ایسا ہوا کہ قلیل جماعت، کثیر گروہ پر اللہ کے حکم سے غالب ہوگئی ہے، اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے) مدد اور نصرت کے ساتھ (اور جب وہ جالوت اور اس کے لشکر کے سامنے آئے) یعنی جنگ کے لئے ان کے مقابلے میں کھڑے ہوئے اور صفیں باندھ لیں (تو انھوں نے کہا اے ہمارے رب! ہم پر صبر انڈیل دیجئے اور) ہمارے دلوں کو جہاد کی قوت دے کر (ہمارے قدموں کو جمادے، اور کفار کے اوپر ہماری مدد فرما، پس ان لوگوں نے انھیں ہزیمت دی اللہ کے ارادے سے، اور داؤد نے) جو کہ طالوت کی فوج میں تھے (جالوت کو قتل

کر دیا، اور اللہ نے اسے) یعنی داؤد کو بنی اسرائیل میں (حکومت بخشی اور حکمت عطا فرمائی) اور ایسا شمویل اور طالوت کے انتقال کے بعد ہوا، نبوت اور حکومت ان سے پہلے کسی اور کے لئے اکٹھا نہیں ہوئی تھی (اور جو چاہا سکھایا) مثلاً زرہوں کا بنانا، اور پرندوں کا کلام (اور اگر اللہ کی جانب سے لوگوں کا دفع کرنا، بعض کو بعض کے ذریعے نہ ہوتا) **بعضهم ببعض** ، **الناس** سے بدل البعض ہے (تو ملک برباد ہو جاتا) مشرکین کا غلبہ ہوتا، مسلمانوں کا قتل ہوتا اور مساجد کی بربادی ہوتی (لیکن اللہ تعالیٰ دنیا والوں پر فضل فرماتے ہیں) پس بعض کو بعض کے ذریعہ دھکا مار کے ہٹاتے رہتے ہیں (یہ اللہ کی آیات ہیں، ہم تمہیں) اے محمد (سچ سچ بیان کرتے ہیں اور بلاشبہ تم رسولوں میں ہو) إنَّ وغیرہ سے تاکید لانے کا مقصد کفار کے اس قول کا جواب ہے، جو وہ آپ سے کہتے تھے کہ آپ رسول نہیں ہیں، (وہ) مبتدا ہے (رسول) صفت ہے، خبر یہ ہے (ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر) خاص خاص منقبت کے ذریعے جو دوسروں کو حاصل نہیں ہے (فضیلت دی، ان میں سے بعض سے اللہ نے کلام کیا) جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام (اور بعض) یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم (کے درجات کو بلند کیا) ان کی دعوت کو عام کر کے اور انھیں ختم نبوت عطا فرما کے، اور ان کی امت کو تمام امتوں پر فضیلت بخش کر، اور بکثرت معجزات اور متعدد خصائص سے نواز کر (اور ہم نے عیسیٰ بن مریم کو واضح دلائل عطا کئے، اور ان کو روح القدس کے ذریعہ قوت پہونچائی) کہ وہ ان کے ساتھ ساتھ رہا کرتے تھے (اور اگر اللہ تعالیٰ سب کو ہدایت دینا چاہتے، تو ان کے) یعنی انبیاء کے (بعد والے) یعنی ان کی امت کے افراد (واضح دلائل کے آجانے کے بعد آپس میں نہ لڑتے) یعنی آپس میں اختلاف نہ کرتے اور ایک دوسرے کو گمراہ نہ قرار دیتے (لیکن انھوں نے اختلاف کیا) کیونکہ مشیت یہی تھی (تو ان میں سے بعض ایمان لائے) یعنی ایمان پر جمے رہے (اور بعض نے کفر کیا) جیسے عیسیٰ علیہ السلام کے بعد نصاریٰ (اور اگر اللہ چاہتے تو یہ نہ لڑتے) یہ تاکید ہے (لیکن اللہ تعالیٰ جو ارادہ کرتے ہیں، کرتے ہیں) جس کو چاہتے ہیں توفیقِ خیر دیتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں توفیق سے محروم کر دیتے ہیں۔

﴿ تشریحات ﴾

یذقه :۔ نہ چکھے، یعنی سرے سے پانی کو ہاتھ نہ لگائے، حضرت طالوت کے اس کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے تین حصے لشکریوں کے اپنے ذہن میں رکھے ہیں، ایک وہ جو خوب سیر ہو کر پانی پی لے۔ دوسرے وہ جو سرے سے ہاتھ نہ لگائے۔ تیسرے وہ جو قدرے قلیل چلو بھر پی لے، پہلے گروہ کی اپنے سے تعلق کی نفی کر دی، اور بعد کے دونوں کا تعلق اپنے سے برقرار رکھا، لیکن جب اس پر عمل کا وقت آیا تو قرآن کے اشارے سے بتصریح مفسر معلوم ہوتا ہے کہ ساری فوج دو حصوں میں تقسیم ہوئی، ایک وہ جنھوں نے خوب سیر ہو کر پیا، دوسرے وہ جنھوں نے ایک چلو پی لیا، اور یہ تھوڑے لوگ تھے، کل تین سو دس سے کچھ اوپر تھے۔

روی أنهــا کفتهم :۔ یہ بھی مروی ہے کہ جن لوگوں نے ایک چلو پیا، ان کے قلوب پختہ ہوئے اور ان کا ایمان سالم رہا، اور سلامتی کے ساتھ انھوں نے ندی کو پار کیا، اور جن لوگوں نے زیادہ پیا تھا ان کے ہونٹ سیاہ پڑ گئے، پیاس ان پر چھا گئی، انھیں آسودگی نہیں ہوئی، ان کے دل کمزور ہوگئے، اور وہ ندی کے اسی کنارے پڑے رہ گئے۔

بضعة عشر :۔ **بضعة** کا اطلاق تین سے نو تک ہوتا ہے، اس جگہ مشہور یہ ہے کہ وہ ۳۱۳ر تھے، جو اصحابِ بدر کے عدد کے مطابق ہے۔

الــذیــن شــربــوا :۔ یعنی نافرمان لوگوں نے کہا کہ ہمیں جالوت سے لڑنے کی طاقت نہیں ہے، اکثر مفسرین یہ فرماتے ہیں کہ ندی کے پار سب اترے تھے، ادھر جا کر جب جالوت کے لشکر کا سامنا ہوا، تو نافرمانوں نے یہ صدا لگائی اور واپس ہوگئے، اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ ان لوگوں نے سرے سے ندی کو عبور ہی نہیں کیا، بلکہ ساحل پر ہی پڑے رہ گئے، اور ادھر ہی سے معذرت کرتے رہے۔ مفسر نے اسی کو اختیار کیا ہے، چنانچہ آگے وہ فرمارہے ہیں: **وجبنوا ولم یجاوزه** کہ وہ بزدل ہوئے اور ندی کو پار نہیں کیا۔

یوقنون :۔ **یظنون** کا ترجمہ **یوقنون** سے کیا، اس میں اشارہ ہے کہ ظن اضداد میں سے ہے، یہ گمان اور یقین کے معنی میں آتا ہے۔

لــم یــجتــمـع لأحدٍ قبلـه :۔ فرماتے ہیں داؤد علیہ السلام سے پہلے نبوت اور حکومت کسی ایک شخص کو نہیں ملی تھی، بنی اسرائیل میں نبوت کا خاندان الگ تھا، ورحکومت کا خاندان الگ تھا، ان کا دستور تھا کہ شرعی احکام کے مرجع نبی ہوتے اور انتظام حکومت کسی اور سے متعلق ہوتا، جو ان سے احکام حاصل کر کے عمل درآمد کراتا۔ حضرت داؤد علیہ السلام خاندان نبوت سے نہ تھے، مگر انھیں نبوت بھی ملی اور حکومت بھی۔

شارح کہتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام میں بھی نبوت وحکومت کا اجتماع ہوا تھا۔

لإختــلافهم وتضلیلهم :۔ یہ **ما اقتتل** کی علت بیان کی ہے، یعنی اگر اللہ تعالیٰ ان کی ہدایت کو چاہے ہوتا تو یہ آپسی اختلافات اور ایک دوسرے کی تضلیل کی وجہ سے لڑائی میں مبتلا نہ ہوتے۔

﴿مضامین آیات وتفسیر﴾

حضرت طالوت نے جالوت سے جہاد کرنے کے لئے جو لشکر ترتیب دیا، اس کی تعداد ستر ہزار تھی، گرمی کی وجہ سے یہ پیاس میں مبتلا ہوا، حضرت طالوت سے انھوں نے پانی کا مطالبہ کیا، فرمایا کہ آگے چلو ایک ندی آنے والی ہے، وہ تمہارے لئے امتحان ہے، پانی بافراط ملے گا، مگر پینے کی اجازت نہیں ہوگی، جو پی لے گا وہ میری جماعت سے کٹ جائے گا، اور جو نہیں پئے گا، یا ایک چلو ہی پئے گا وہ میری جماعت میں ہوگا، جب یہ فوج ندی پر اتری تو پیاس سے بے تاب ہو کر سب اسی پر ٹوٹ پڑے، صرف چند لوگوں نے جن کی تعداد تین سو تیرہ تھی،

پانی کونہیں پیا، یا پیا تو ایک ہی چلو پیا، جن لوگوں نے نافرمانی کی وہ تو سست اور بزدل ہوکر وہیں پڑے رہ گئے، اور جالوت کے لشکر کا سامنا کرنے سے ڈر گئے۔ باقی لوگوں نے جہاد کیا، خدا پر بھروسہ کیا، ان میں حضرت داؤد علیہ السلام بھی تھے، جو ابھی کم عمر تھے، انھوں نے جالوت کو ہلاک کیا، اللہ نے داؤد کو پھر نبوت بخشی اور حکومت بھی دی، اور بہت کچھ سکھایا۔ جانوروں کی بولی سکھائی، زرہ بنانے کی تعلیم دی وغیرہ، اور اللہ کا یہی دستور ہے کہ آدمیوں کا زور وظلم آدمیوں ہی کے ذریعے توڑتے ہیں، اگر ایسا نہ ہوتا تو ساری زمین برباد ہوکر رہ جاتی، کفر وشرک کا غلبہ ہوجاتا، مسلمان قتل ہوتے، مساجد ویران کردی جاتیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: ہم تمہیں یہ آیات پڑھ کر سناتے ہیں اور یہ بالکل سچے واقعات ہیں، اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تم اللہ کے رسول ہو، یہ رسولوں کی مقدس جماعت ہے، ان میں بعض کو بعض پر خاص خاص خصوصیات وامتیازات کی وجہ سے فضیلت ملی ہے، بعض سے اللہ نے کلام کیا، بعض کے درجات کو بلند کیا، اور عیسیٰ بن مریم کو بہت سے معجزات عطا کئے، مثلاً مردوں کو زندہ کرنا، مادرزاد نابینا کو بینائی عطا کرنا وغیرہ اور انھیں جبرئیل کے ذریعے مدد پہونچائی، یہ تو اللہ کی مشیت ہے کہ وہ باہم قتال میں مبتلا ہوئے، اگر یہ مشیت نہ ہوتی تو مبتلائے قتال نہ ہوتے، لیکن ایسا ہوا۔ بعض لوگ گمراہ ہوئے بعض ہدایت پر قائم رہے، بہر کیف اللہ کا ارادہ پورا ہوکر رہتا ہے۔

☆☆☆☆☆

﴿يَـاأَيُّهَـا الَّـذِيْـنَ آمَـنُـوْا أَنْـفِـقُـوْا مِـمَّـا رَزَقْـنٰـكُـمْ﴾ زكـوتـه ﴿مِنْ قَبْلِ أَنْ يَّـاتِـيَ يَوْمٌ لَابَيْـعٌ﴾ فـداءٌ ﴿فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ﴾ صداقة تنفع ﴿وَلَا شَفَاعَةٌ﴾ بغير إذنه وهو يوم القيٰمة وفى قراءةٍ بـرفـع الثـلاثة ﴿وَالْكٰفِرُوْنَ﴾ بالله أو بما فرض عليهم ﴿هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ لوضعهم أمر الله تعالىٰ فـى غيـر مـحـلـه ﴿اَللّٰهُ لَا إِلٰـهَ﴾ أى لامعبود بحقٍ فـى الـوجـود ﴿إِلَّا هُوَ الْحَيُّ﴾ الدائم البقاء ﴿الْـقَيُّـوْمُ﴾ الـمبـالغ فى القيام بتدبير خلقه ﴿لَا تَاخُذُهٗ سِنَةٌ﴾ نعاس ﴿وَلَا نَوْمٌ لَهٗ مَافِي السَّمٰوٰتِ وَمَـافِـي الْاَرْضِ﴾ مـلـكـاً وخـلـقـاً وعبيداً ﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ﴾ أى لا أحدٌ ﴿يَشْفَعُ عِنْدَهٗ إِلَّا بِإِذْنِهٖ﴾ له فيهـا ﴿يَـعْـلَـمُ مَـا بَيْـنَ أَيْدِيْهِمْ﴾ أى الخلق ﴿وَمَا خَلْفَهُمْ﴾ من أمر الدنيا والآخـرة ﴿وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَـيْءٍ مِـنْ عِـلْـمِـهٖ﴾ لايـعـلـمـون شيئاً من معلوماته ﴿إِلَّا بِمَاشَاءَ﴾ أى يعلمهم به منها باخبار الـرسل ﴿وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضَ﴾ قيل أحاط علمه بهما وقيل ملكه وقيل الكرسى بعينه مشتمل عليها لعظمته لحديث ما السموات السبع فى الكرسى إلا كدراهم سبعة ألقيت فـى تـرسٍ ﴿وَلَا يَـؤُدُهٗ﴾ يثـقلـه ﴿حِفْظُهُمَا﴾ أى السموات والارض ﴿وَهُوَ الْعَلِيُّ﴾ فوق خلقه بـالـقهـر ﴿الْـعَـظِيْـمُ﴾ الـكبيـر ﴿لَا إِكْـرَاهَ فِـي الـدِّيْـنِ﴾ على الدخول فيه ﴿قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ

الْغَيِّ﴾أی ظهر بالآيات البينات أن الايمان رشد والكفر غی نزلت فيمن كان له من الانصار أولاد أراد أن يكرههم على الاسلام﴿فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ﴾الشيطان أو الاصنام وهو يطلق على المفرد والجمع﴿وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ﴾تمسك﴿بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى﴾بالعقد المحكم﴿لَا انْفِصَامَ﴾انقطاع﴿لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ﴾ لما يقال ﴿عَلِيْمٌ﴾بما يفعل﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ﴾ناصر﴿الَّذِيْنَ آمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ﴾الكفر﴿إِلَى النُّوْرِ﴾الايمان﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا أَوْلِيَاءُ هُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِنَ النُّوْرِ إِلَى الظُّلُمٰتِ﴾ذكر الاخراج إما فی مقابلة قوله يخرجهم من الظلمت أو فی كل من آمن بالنبی ﷺ قبل بعثته من اليهود ثم كفر به ﴿أُولٰئِكَ اَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خَالِدُوْنَ﴾

﴿ترجمــــــــه﴾

(اے ایمان والو! جو کچھ ہم نے تم کو روزی بخشی ہے، اس میں سے خرچ کرو) اس کی زکوٰۃ دو (اس دن کے آنے سے پہلے جس میں نہ بیع) یعنی فدیہ (ہے، نہ) ایسی (دوستی ہے) جو نافع ہو (نہ) اللہ کی اجازت کے بغیر (کوئی سفارش ہے) وہ قیامت کا دن ہے، اور ایک قرأت میں تینوں کے رفع کے ساتھ ہے (اور کافر) یعنی اللہ کا انکار کرنے والے، یا جو کچھ اللہ نے ان پر فرض کیا ہے، اس کا انکار کرنے والے (وہی ظالم ہیں) کہ انھوں نے اللہ کے حکم کو اس کے محل سے ہٹا دیا (اللہ! نہیں ہے کوئی معبود) حقیقت میں (مگر وہی) ہمیشہ باقی رہنے والا (زندہ ہے، قیوم ہے) یعنی اپنی مخلوق کی تدبیروں کو قائم کرنے والا ہے (اسے نہ اونگھ پکڑتی ہے، اور نہ نیند، اسی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے) حکومت کے لحاظ سے بھی، خلقت کے لحاظ سے بھی اور غلام و بندہ ہونے کے اعتبار سے بھی (کون ہے جو) یعنی کوئی نہیں ہے (اس کے پاس اس کی اجازت کے بغیر شفاعت کر سکے، وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے) یعنی مخلوقات کے (سامنے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے) یعنی دنیا کا معاملہ بھی اور آخرت کا معاملہ بھی (اور وہ لوگ اس کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کرتے) یعنی اس کی معلومات میں سے کچھ نہیں جانتے (مگر جو اللہ) ان کو رسولوں کے واسطے سے بتانا (چاہے، اس کی کرسی آسمانوں کی اور زمین کی وسعت رکھتی ہے) کہا گیا ہے کہ اس کا علم ان دونوں کو محیط ہے، اور کہا گیا ہے کہ اس کی حکومت ایسی ہے، اور کہا گیا ہے کہ خود کرسی ہی مراد ہے، جو اپنے بہت بڑے ہونے کی وجہ سے زمین و آسمان دونوں کو اپنے احاطے میں لئے ہوئے ہے، چنانچہ حدیث میں ہے کہ ساتوں آسمان، کرسی کے اندر ایسے ہیں جیسے سات درہم جو کسی ڈھال میں ڈال دیئے گئے ہوں (اور ان دونوں کی نگرانی) یعنی آسمان و زمین کی (اسے نہیں تھکاتی اور وہ) اپنی مخلوق کے اوپر غلبہ کے ساتھ (بلند ہے، عظیم ہے، دین میں) داخل ہونے کے سلسلے میں (کوئی جبر اور

زبردستی نہیں ہے، بے شک گمراہی کے مقابلے میں ہدایت ظاہر ہوچکی ہے) یعنی واضح دلائل سے یہ بات ظاہر ہوچکی ہے کہ ایمان ہدایت ہے، اور کفر گمراہی ہے، یہ آیت ان حضرات انصار کے بارے میں نازل ہوئی جن کی اولادیں کافر تھیں، انھوں نے انھیں اسلام لانے پر مجبور کرنا چاہا تھا(تو جو کوئی طاغوت) یعنی شیطان یا بتوں (کا انکار کرے) طاغوت کا اطلاق مفرد اور جمع دونوں پر ہوتا ہے (اور اللہ پر ایمان لائے، تو اس نے مضبوط حلقہ تھام لیا، جس کے لئے ٹوٹنا نہیں ہے، اور) جو کچھ کہا جاتا ہے (اللہ تعالیٰ) اسے (سنتے) اور جو کچھ کیا جاتا ہے (اسے جانتے ہیں، اللہ ولی) یعنی مددگار (ہیں ایمان والوں کے، انھیں تاریکیوں) یعنی کفر (سے نور) ایمان (کی جانب نکالتے ہیں، اور جن لوگوں نے کفر کیا، ان کے ولی طاغوت ہیں، انھیں نور سے تاریکیوں کی جانب نکالتے ہیں) یہاں نکالنے کا ذکر کیا تو اللہ تعالیٰ کے قول يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ کے مقابلے میں ہے، یا یہ آیت ان یہودیوں کے بارے میں ہے، جو نبی کریم ﷺ پر ان کی بعثت سے پہلے ایمان رکھتے تھے، اس کے بعد پھر کفر کیا (یہی لوگ جہنم والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے)

﴿تشریحات﴾

زکوته: ۔أنفقوا سے مراد مطلق خرچ نہیں ہے، بلکہ اس کا مفعول زکوٰۃ ہے، جو کہ مقدر ہے، اس سے اشارہ ہے کہ یہاں انفاق سے مراد انفاقِ واجب ہے، کیونکہ اس کے بعد وعید کا ذکر ہے، اور وعید ترکِ واجب پر ہوتی ہے۔

فداء: ۔بیع کا ترجمہ فدیہ کیا ہے، کیونکہ فدیہ دے کر اپنی جان بچاتا ہے، گویا اس کے عوض میں اپنی جان کو خرید لیتا ہے، اس لئے فدیہ بھی گویا معنیً بیع ہے۔

صداقة: ۔خلة کے معنی سچی دوستی کے ہیں، یہ دوستی چونکہ انسان کے رگ و پے کے درمیان سرایت کرتی ہے، اس لئے اس کو خلت کہتے ہیں، خلة ماخوذ ہے خلال سے، جس کے معنی درمیان و اندرون کے آتے ہیں۔

بغير إذنه: ۔شفاعت کے ساتھ بغير إذنه کی قید ایک سوال کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں شفاعت کا ہونا اور اس کا نافع و مقبول ہونا، قرآن کی آیات اور احادیث متواترہ سے ثابت ہے، تو یہاں شفاعت کی مطلقاً نفی کیسے کردی گئی؟ جواب یہ ہے کہ جو شفاعت ہوگی وہ باذن خداوندی ہوگی، بغیر اذن کے شفاعت کا وجود نہ ہوگا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا۔

وفي قراءةٍ برفع الثلاثة: ۔ایک قرأت میں لَا بَيْعٌ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ تینوں مرفوع ہیں، اس صورت میں لا محض نفی کے لئے ہے، عامل نہیں ہے۔

بالله أو بما فرض عليهم: ۔مفسر نے ان الفاظ کے اضافہ سے اشارہ کیا ہے کہ یہاں کفر سے مراد کفر حقیقی بھی

ہوسکتا ہے، چنانچہ کفر باللہ کفر حقیقی ہے کہ وہ سرے سے اللہ کا انکار ہے، اور کفر مجازی بھی ہوسکتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ جو فرض کی ہے، اسے نہ ادا کرے تو یہ بھی کفر کی ایک شاخ ہے، لیکن یہ وہ کفر نہیں ہے جس کی مغفرت کا اللہ نے انکار فرمایا ہے، تارکِ فرض بھی کفر کا کام کرتا ہے، مگر یہ کفر حقیقی نہیں ہے۔

لامعبود بحقٍ فی الوجود :۔کوئی معبودِ حقیقی بجز اللہ کے موجود نہیں ہے۔

المبالغ فی القیام بتدبیر خلقه :۔قیوم مبالغہ کا صیغہ ہے، اسی لئے اس کی تشریح میں مفسر نے **المبالغ** کا لفظ ذکر کیا۔

نعاس :۔یہ نیند کا ابتدائی مرحلہ ہے جس میں طبیعت سست ہو جاتی ہے، دماغ پر غفلت کا غبار چھانے لگتا ہے، اس کے بعد غفلت مکمل ہو جاتی ہے تو اسے **نوم** کہتے ہیں۔

ملکاً:۔یہ لفظ میم کے کسرہ اور ضمہ دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے، مگر ضمہ بہتر ہے، کیونکہ ملکیت کا معنی **عبیداً** سے ظاہر ہوتا ہے۔اس لئے **ملکاً** بمعنی حکومت مناسب ہے۔

أی لا أحد :۔**لا أحد** کا لفظ اشارہ ہے کہ **من** استفہامِ انکاری ہے۔

له فیها :۔**له** کی ضمیر **من** کی جانب اور **فیها** کی ضمیر شفاعت کی جانب راجع ہے، اور **باذنه** کی ضمیر اللہ کی جانب، یعنی اللہ جس کو شفاعت کی اجازت دے۔

من أمر الدنیا والآخرة :۔**مابین أیدیهم** سے مراد دُنیا ہے، کیونکہ وہ سامنے موجود ہے، اور **ماخلفهم** سے مراد آخرت ہے، کیونکہ وہ پیچھے آنے والی ہے۔

معلوماته:۔ **علمه** سے مراد معلوم چیزیں ہیں، یعنی خدا کی معلومات کا کچھ بھی کوئی احاطہ نہیں کرسکتا۔

أی یعلمهم به منها :۔**بما شاء** کا مفعول مقدر ہے، اور وہ ہے **أن یعلمهم به** ہے، اور **منها** کی ضمیر معلومات کی جانب راجع ہے۔

بإخبار الرسل :۔اللہ تعالیٰ اپنا علم دنیا میں رسولوں کے واسطے سے بھیجتے ہیں، اور وہی یقینی علم ہوتا ہے، اور جو علم رسولوں کے واسطے سے نہ ہو وہ یقینی نہیں ہوتا۔

قیل أحاط علمه الخ :۔کرسی کی متعدد تفسیریں کی گئی ہیں، ایک یہ ہے کہ وہ مجازاً علم کے معنی میں ہے، دوسرے یہ کہ وہ حکومت کے معنی میں ہے، تیسرے یہ کہ کرسی اپنے حقیقی معنی میں مراد ہے۔اس کی کیفیت اللہ ہی کو معلوم ہے۔

الشیطان أو الاصنام :۔طاغوت کی تفسیر شیطان سے کی ہے، یا یہ کہ وہ بت ہے، طاغوت، طغیان سے مشتق ہے، مبالغہ کا صیغہ ہے، جیسے جبروت اور ملکوت۔اس کا اِطلاق مفرد اور جمع دونوں پر ہوتا ہے۔

ذکر الاخراج الخ :۔ یہ ایک سوال کا جواب ہے، جو بظاہر اللہ تعالیٰ کے ارشاد: وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا أَوْلِيَاءُ هُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِنَ النُّوْرِ إِلَى الظُّلُمٰتِ پر وارد ہوتا ہے، وہ یہ کہ نکالنا تو اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص کسی محل میں ہو اور وہاں سے باہر کیا جائے، یہاں کافروں کے متعلق کہا گیا ہے کہ طاغوت انھیں نور سے ظلمت کی طرف نکالتے ہیں، تو وہ نور میں تھے ہی کب جو اس سے نکالنے کی نوبت آتی۔

مفسر نے اس کے دو جواب ذکر کئے ہیں۔ اوّل یہ کہ بلاشبہ وہ نور میں نہ تھے، لیکن اس کا تذکرہ يُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمٰتِ إِلَى النُّوْرِ (یعنی اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ ظلمت سے نور میں نکالتے ہیں) کے مقابلے اور اس کی مشاکلت میں کیا گیا ہے۔

دوسرا جواب یہ دیا کہ یہ آیت ان یہود کے بارے میں ہے، جو رسول اللہ ﷺ کی بعثت اور ظہور سے پہلے اپنی کتابوں کی بشارتوں کی بنا پر ایمان رکھتے تھے، یا ایمان لانے کا تہیہ کئے ہوئے تھے، تو یہ لوگ نور میں تھے، مگر جب آپ کی دعوت ان تک پہونچی تو شیطان نے انھیں کفر میں ڈھکیل دیا، یہ مصداق ہوا اس کا کہ طاغوت انھیں نور سے ظلمات کی جانب لے جاتے ہیں۔

﴿مضامین آیات وتفسیر﴾

اس سے پہلے کے دو رکوع میں انفاق اور جہاد فی سبیل اللہ کی ترغیب تھی، اور اس سلسلے میں کچھ مثالیں دے کر اللہ نے اپنے بندوں کو راہِ ہدایت سمجھائی ہے، اس رکوع میں بھی انفاق فی سبیل اللہ کا حکم ہے، اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی کبریائی وعظمت اور مہربانی وکرم کا تذکرہ ہے۔ فرماتے ہیں کہ ایک دن ایسا آنے والا ہے جس میں نہ کوئی فدیہ کام دے گا نہ دوستی وشفاعت کارآمد ہوگی۔ آدمی جب مصیبت میں گھرتا ہے تو مال خرچ کر کے اپنی جان بچانے کی کوشش کرتا ہے، یا دوستوں سے مدد کا طالب ہوتا ہے، یا کسی صاحب وجاہت شخص کی سفارش لاتا ہے، قیامت کے دن یہ سب نجات دینے والی چیزیں معدوم ہوں گی، اس لئے اس ہولناک دن کے آنے سے پہلے اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرلو۔ یہ اس دن بہت کام آئے گا، اور ظالم تو درحقیقت کافر ہی ہے کہ اس نے بڑا ہی بے تکا اور بے محل کام کیا ہے کہ اللہ کو نہیں مانا، وہ اللہ کہ اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، وہ ہمیشہ ہمیش زندہ ہے، بلکہ وہ ساری کائنات کو تھامنے والا ہے، وہ ہر کمزوری سے پاک ہے، اسے نہ اونگھ آتی ہے اور نہ وہ کبھی سوتا ہے، آسمان وزمین میں جو بھی ہے، سب کا مالک وخالق اور حاکم وہی ہے، اس کے پاس مجال نہیں ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر کوئی سفارش کا دم مار سکے، اس کا علم دنیا وآخرت کو محیط ہے، اور لوگوں کو اس کے علم کا کوئی حصہ حاصل نہیں، بجز اس کے کہ وہی جو کچھ چاہے بتادے۔ اس کی کرسی (تختِ حکومت) ساری کائنات، ساتوں آسمان وزمین سب کو اپنے احاطہ میں لئے ہوئے ہے، اور وہ زمین وآسمان کے تھامنے اور ان کی تدبیر کرنے میں

ذرا بھی مشقت سے دوچار نہیں ہوتا، وہ سب سے برتر اور بڑی عظمت والا ہے۔

دین اسلام میں کوئی جبر واکراہ نہیں ہے کہ زبردستی اس میں کسی کو داخل کیا جائے، ہدایت کی راہ ظاہر ہوچکی ہے، گمراہی بھی واضح ہوچکی ہے، تو اب جو کوئی طاغوت کا یعنی شیطان یابت کا انکار کرتا ہے اور اللہ پر ایمان رکھتا ہے، اس نے ایک مضبوط حلقہ تھام لیا ہے جو کبھی ٹوٹ نہیں سکتا، اور اللہ تعالیٰ سمیع وعلیم ہیں۔

اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے حامی وناصر ہیں، وہ انھیں ظلمتوں یعنی کفر سے روشنی یعنی ایمان کی طرف لاتے ہیں، اور کفار کے پاسدار شیاطین ہیں، جو انھیں روشنی سے کھینچ کر اندھیرے میں لاتے ہیں، یہی لوگ اصحابِ جہنم ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

﴿فضائل آیت الکرسی﴾

اس رکوع میں قرآن کریم کی اہم ترین آیت، آیت الکرسی ہے، جو حق تعالیٰ کی وحدانیت اور عظمت وکبریائی کا ایک بلیغ ترین بیان ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قرآن کریم میں عظیم ترین آیت آیت الکرسی ہے، جو اسے پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کیلئے ایک فرشتہ بھیجتے ہیں جو اس وقت سے دوسرے دن تک اس کے لئے نیکیاں لکھتا ہے، اور برائیوں کو مٹاتا ہے، اور فرمایا کہ جس نے ہر فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھی اس کو جنت میں داخل ہونے سے کوئی رکاوٹ نہیں، بس مرنے کی دیر ہے اس پر دوام کرنے والا یا تو صدیق ہوگا یا عابد، جس نے سوتے وقت اس آیت کو پڑھا اسے اللہ تعالیٰ اپنی پناہ میں لے لیتے ہیں، اسے بھی اور اس کے پڑوسی کو بھی اور پڑوسی کے پڑوسی کو بھی کئی گھروں تک۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے صبح کو آیت الکرسی پڑھی اور اس کے ساتھ حٰمٓ، تَنْزِيْلُ الْكِتَابِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ غَافِرِ الذَّنْبِ وَ قَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ پڑھا۔ تو دن بھر شام تک اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں رہے گا، اور اگر شام کو اسے پڑھا تو صبح تک اللہ کی حفاظت میں رہے گا، اور مروی ہے کہ اگر کسی گھر میں آیت الکرسی پڑھی گئی تو اسے شیاطین ایک ماہ کیلئے قطعاً چھوڑ دیتے ہیں، نہ اس میں کوئی جادوگر داخل ہوگا، اور نہ جادوگرنی، اے علی! اسے اپنی اولاد، اپنے اہل اور اپنے پڑوس والوں کو سکھادو، اس سے بڑی اور کوئی آیت نہیں نازل ہوئی۔

ایک بار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم آپس میں قرآن کریم کی افضل ترین آیت کے بارے میں مذاکرہ کر رہے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ آپ حضرات آیت الکرسی سے کیوں غافل ہیں، پھر فرمایا مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اے علی! سید البشر آدم علیہا السلام ہیں، سید العرب محمد ﷺ ہیں اور کوئی فخر نہیں، اہل فارس کے سردار سلمان ہیں، اہل روم کے سردار صہیب ہیں، حبشہ کے سردار بلال ہیں، پہاڑوں کا

سردار طور ہے، دنوں کا سردار جمعہ ہے، کلام کا سردار قرآن ہے اور سید القرآن سورہ بقرۃ ہے اور سید البقرۃ آیت الکرسی ہے (خطیب) (فضائل کا پورا مضمون الفتوحات الالٰھیه المعروف "بالجمل" سے ماخوذ ہے)

☆☆☆☆☆

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْ حَآجَّ﴾ جادل ﴿اِبْرَاهِیْمَ فِیْ رَبِّهٖۤ اَنْ اٰتٰهُ اللّٰهُ الْمُلْکَ﴾ ای حمله بطره بنعمة الله علی ذلک البطر وهو نمروذ ﴿اِذْ﴾ بدل من حاج ﴿قَالَ اِبْرَاهِیْمُ﴾ لما قال له من ربک الذی تدعونا الیه ﴿رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ﴾ ای یخلق الحیاة والموت فی الاجساد ﴿قَالَ﴾ هو ﴿اَنَا اُحْیٖ وَ اُمِیْتُ﴾ بالقتل والعفو عنه و دعیٰ برجلین فقتل احدهما وترک الآخر فلما راٰه غبیا ﴿قَالَ اِبْرَاهِیْمُ﴾ منتقلا الی حجة اوضح منها ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا﴾ انت ﴿مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِیْ کَفَرَ﴾ تحیر ودهش ﴿وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ بالکفر الی محجة الاحتجاج ﴿اَوْ﴾ رأیت ﴿کَالَّذِیْ﴾ الکاف زائدة ﴿مَرَّ عَلٰی قَرْیَةٍ﴾ هی بیت المقدس راکبا علی حمار و معه سلة تین و قدح عصیر وهو عزیر ﴿وَهِیَ خَاوِیَةٌ﴾ ساقطة ﴿عَلٰی عُرُوْشِهَا﴾ سقوفها لما خربها بخت نصر ﴿قَالَ اَنّٰی﴾ کیف ﴿یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا﴾ استعظاما لقدرة الله تعالیٰ ﴿فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ﴾ والبثه ﴿مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ﴾ احیاه لیریه کیفیة ذلک ﴿قَالَ﴾ تعالیٰ له ﴿کَمْ لَبِثْتَ﴾ مکثت هنا ﴿قَالَ لَبِثْتُ یَوْماً اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ﴾ لانه نام اول النهار فقبض واحیی عند الغروب فظن انه یوم النوم ﴿قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰی طَعَامِکَ﴾ التین ﴿وَشَرَابِکَ﴾ العصیر ﴿لَمْ یَتَسَنَّهْ﴾ یتغیر مع طول الزمان والهاء قیل اصل من سانهت وقیل للسکت من سانیت وفی قرأة بحذفها ﴿وَانْظُرْ اِلٰی حِمَارِکَ﴾ کیف هو فراٰه میتا وعظامه بیض تلوح فعلنا ذلک لتعلم ﴿وَلِنَجْعَلَکَ آیَةً﴾ علی البعث ﴿لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَی الْعِظَامِ﴾ من حمارک ﴿کَیْفَ نُنْشِزُهَا﴾ نحییها بضم النون وقرئ بفتحها من انشز و نشز لغتان و فی قرأة بضمها والزای نحرکها و نرفعها ﴿ثُمَّ نَکْسُوْهَا لَحْماً﴾ فنظر الیها وقد ترکبت وکسیت لحماونفخ فیه الروح ونهق ﴿فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗ﴾ ذٰلک بالمشاهدة ﴿قَالَ اَعْلَمُ﴾ علم مشاهدة ﴿اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ وفی قراءة اعلم امر من الله له ﴿وَ﴾اذکر ﴿اِذْقَالَ اِبْرَاهِیْمُ رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی قَالَ﴾ تعالیٰ له ﴿اَوَلَمْ تُؤْمِنْ﴾ بقدرتی علی الاحیاء سأله مع علمه بایمانه بذٰلک لیجیب بما قال له فیعلم السامعون غرضه ﴿قَالَ بَلٰی﴾ اٰمنت ﴿وَلٰکِنْ﴾

سـالتک ﴿لِّیَطْمَئِنَّ﴾ یسکن ﴿قَلْبِیْ﴾ بالمعاینه المضمومة الی الاستدلال ﴿قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْکَ﴾ بکسر الصاد وضمها املهن الیک وقطعهن واخلط لحمهن وریشهن ﴿ثُمَّ اجْعَلْ عَلیٰ کُلِّ جَبَلٍ﴾ من جبال ارضک ﴿مِّنْهُنَّ جُزْءً ثُمَّ ادْعُهُنَّ﴾ الیک ﴿یَاتِیْنَکَ سَعْیاً﴾ سریعا ﴿وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ﴾ لایعجزه شئی ﴿حَکِیْمٌ﴾ فی صنعه فاخذطاؤسا ونسرا وغرابا ودیکا وفعل بهن ماذکروامسک رؤسهن عنده ودعاهن فتطایرت الاجزاء الیٰ بعضها حتی تکاملت ثم اقبلت الیٰ رؤسها .

﴿ تــــرجمـــــہ ﴾

(کیا تم نے اس آدمی کو نہیں دیکھا جس نے ابراہیم سے ان کے رب کے بارے میں) اس لئے (جھگڑا کیا کہ اللہ نے اسے حکومت عطا کی تھی) اس جھگڑے پر وہ اس لئے آمادہ ہوا کہ اللہ کے احسان کی وجہ سے وہ مبتلائے ناز وتکبر ہو گیا تھا اور وہ شخص نمروذ تھا۔ (جب کہ) یہ حـاجّ سے بدل ہے (ابراہیم نے کہا) یہ انھوں نے اس وقت کہا تھا، جب اس بادشاہ نے ابراہیم علیہ السلام سے یہ کہا کہ تمہارا رب کون ہے جس کی طرف تم ہم کو دعوت دیتے ہو، انھوں نے کہا (میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مردہ کرتا ہے) یعنی جسم میں زندگی بھی پیدا کرتا ہے، اور موت بھی پیدا کرتا ہے (اس نے کہا میں بھی زندہ کرتا ہوں اور موت دیتا ہوں) قتل کر کے اور معاف کر کے، اور اس نے دو آدمیوں کو بلایا، ایک کو اس نے قتل کر دیا، اور دوسرے کو زندہ چھوڑ دیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ یہ غبی ہے، تب (ابراہیم نے کہا) پہلی دلیل سے واضح دلیل کی جانب انھوں نے کلام کو منتقل کیا (بے شک اللہ تعالیٰ سورج کو مشرق سے نکالتے ہیں، تم اسے مغرب سے نکالو، پس کافر حیرت زدہ ہو کر رہ گیا، جن لوگوں نے) کفر کر کے (ظلم کیا ہے، اللہ تعالیٰ انہیں) استدلال کی (راہ نہیں دکھاتے یا وہ شخص) یعنی کیا تم نے اس شخص کو دیکھا (جو ایک بستی کے پاس سے گزرا) یہ بستی بیت المقدس تھی، وہ شخص ایک گدھے پر سوار تھا، اس کے ساتھ انجیر کا تھیلا تھا، اور شراب کا پیالہ تھا، یہ حضرت عزیر علیہ السلام تھے (اور وہ بستی اپنی چھتوں سمیت گری پڑی تھی) اسے بخت نصر نے برباد کیا تھا (کہا کہ اس کو اللہ تعالیٰ اس کے برباد ہونے کے بعد کیونکر زندہ کریں گے) یہ بات انھوں نے حق تعالیٰ کی عظمت شان کے پیش نظر کہی (تو اللہ تعالیٰ نے انہیں موت دیدی) اور اسی حال پر (سو سال تک) باقی رکھا (پھر انہیں زندہ کر دیا) تاکہ انہیں اس کی کیفیت کا مشاہدہ کرا دیں،، اللہ تعالیٰ نے (فرمایا، کتنی مدت تم) یہاں (ٹھہرے، کہا ایک دن یا یا ایک دن کا کچھ حصہ میں یہاں رہا) کیونکہ وہ دن کے ابتدائی حصے میں سوئے تھے، اور ان کی روح نکالی گئی تھی، اور غروب آفتاب کے وقت انہیں زندہ کیا گیا تھا، انھوں نے سمجھا کہ وہ آج ہی سوئے تھے (فرمایا، بلکہ تم سو سال تک یہاں رہے، اب اپنے کھانے کی چیز) انجیر (کو دیکھو

اوراپنے پینے کی چیز) شربت (کودیکھو کہ وہ) مدت دراز کے بعد بھی (خراب نہیں ہوئی) لم یتسنہ میں جو ہا ہے اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ حرف اصلی ہے۔ سانہت سے ماخوذ ہے، اور کہا گیا ہے کہ وہ سکتہ کیلئے ہے، اس کی اصل سانیت سے ہے، یعنی لم یتسن ، اور ایک قرأت میں ھا محذوف ہے، یعنی لم یتسن (اوراپنے گدھے کو دیکھو) کہ وہ کیسا ہے، انھوں نے دیکھا کہ وہ مردہ ہو گیا ہے اور اس کی ہڈیاں سفید چمک رہی ہیں، ہم نے ایسا اس لئے کیا کہ تم جان لو (اور اس لئے تاکہ ہم تم کو) دوبارہ زندہ کئے جانے پر (لوگوں کیلئے ایک نشانی بنادیں اور گدھے کی (ہڈیوں کو دیکھو کہ ہم انہیں کیونکر زندہ کرتے ہیں) ننشر ، ن کے ضمہ کے ساتھ ہے، اور ایک قرأۃ شاذہ میں نون کے فتحہ کے ساتھ ہے، نشر اور انشر دو لغتیں ہیں، اور ایک قرأۃ میں نون کے ضمہ اور زاء معجمہ کے ساتھ ہے، جسکے معنی حرکت دینے اور اٹھانے کے ہیں (پھر ہم انہیں گوشت کا لباس پہناتے ہیں) انھوں نے ہڈیوں کو دیکھا کہ وہ آپس میں مل کر جڑ رہی ہیں اور ان پر گوشت چڑھ رہا ہے، اور اس میں روح پھونک دی گئی، اور وہ بولنے لگا۔ (پس جب ان کے سامنے) یہ مشاہدہ سے (ظاہر ہو گیا تو وہ بولے کہ میں) بطور مشاہدہ کے (جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتے ہیں) اور ایک قرأۃ میں اعلم امر کا صیغہ ہے، یعنی اللہ نے حکم دیا کہ جان لو (اور) یاد کرو (جب ابراہیم نے کہا، اے میرے پروردگار! مجھے دکھا دیجئے کہ آپ مردوں کو کیسے زندہ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا) میرے زندہ کرنے کی قدرت پر (تمہیں ایمان نہیں ہے) اللہ تعالیٰ ان کے ایمان کو جانتے تھے، اس کے باوجود یہ سوال اس لئے کیا تاکہ ان کے جواب سے سامعین کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سوال کی غرض معلوم ہو جائے (کہا کیوں نہیں) میں ایمان رکھتا ہوں (لیکن) میں نے اس لئے سوال کیا ہے (تاکہ میرا دل) دلیل کے ساتھ مشاہدہ کے شامل ہونے کی وجہ سے بالکل (مطمئن ہو جائے، فرمایا اچھا چار پرندے پکڑ لو، انہیں اپنے سے خوب مانوس کر لو) فصرھن میں دو قرأت ہے صاد کے کسرے کے ساتھ اور اس کے ضمے کے ساتھ، انہیں اپنی جانب مائل کر لو، اور انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دو، اور ان کے گوشت اور پروں کو باہم مخلوط کر دو (پھر) اپنی زمین کے پہاڑوں میں سے (ہر ایک پہاڑ پر ان کے ایک ایک جز کو رکھ دو، پھر انہیں آواز دو، تمہارے پاس دوڑتے ہوئے آئیں گے، اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ غلبہ والے ہیں) انہیں کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی، اپنے کام میں (صاحب حکمت میں) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک مور، ایک گدھ، ایک کوا اور ایک مرغ کو پکڑا، اور ان کے ساتھ مذکورہ بالا عمل کیا اور اپنے پاس ان کے سر رکھے اور انہیں آواز دی، تو ایک ایک کے اجزاء اڑے اور باہم ملے اور پورا ڈھانچہ تیار ہو کر سر کے پاس آیا (اور اس ڈھانچے کو زندگی مل گئی)

﴿تشریحات﴾

(لان آتاه الله) :۔ ان آتاه الله سے پہلے ل مقدر مان کر مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ ان اتاه الله مفعول لہ ہے،

لیکن اس میں بظاہر ایک اشکال ہے کہ مفعول لہ ہونے اور اس میں لام کے محذوف ہونے کے لئے شرط یہ ہے فعل عامل اور مفعول لہ دونوں کا فاعل ایک ہونا چاہئے، اور یہاں **حاج** کا فاعل اور **ان آتاہ** کا فاعل الگ الگ ہے، اسی اشکال کے جواب میں مفسر نے لام ظاہر کر دیا ہے اور حذف کی توجیہ یہ ہے کہ **ان** مصدریہ پر حرف جر کا حذف کلام عرب میں بہت عام ہے۔

وھو نمروذ :۔ یہ پہلا بادشاہ ہے جس نے اپنے سر پر تاج پہنا بڑا ظالم و جابر تھا، اس نے بھی رب ہونے کا دعویٰ کیا، مشہور ہے کہ چار بادشاہوں نے پوری آباد دنیا پر حکومت کی ہے دو مومن تھے اور دو کافر، مومن تو حضرت سلیمان علیہ السلام اور ذوالقرنین، اور کافر نمروذ تھا، اور بخت نصر، نمروذ میں نون مضموم ہے اور آخر میں ذال معجمہ ہے۔

بدل من حاج :۔ **اذ قال ابراھیم** والی آیت **حاج** کا بدل ہے جس سے اس کی وضاحت ہوتی ہے۔

انا :۔ **انا** ضمیر مرفوع منفصل کے بارے میں صاحب جمل لکھتے ہیں کہ ضمیر در حقیقت اَنَ ہے اس میں الف اس لئے بڑھایا گیا ہے تاکہ یہ معلوم رہے کہ حالت وقف میں نون کو ساکن نہیں کریں گے، اسی لئے وصل کی حالت میں الف محذوف ہوتا ہے، پھر فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ اس میں دو لغتیں ہیں، ایک بنی تمیم کی لغت ہے کہ حالت وصل اور حالت وقف دونوں میں الف موجود رہے گا اور دوسری لغت یہ ہے کہ حالت وقف میں تو الف برقرار رہے گا، لیکن حالت وصل میں نہیں پڑھا جائے گا، اور یہ بھی ایک قول ہے کہ پورا لفظ انا الف کے ساتھ ضمیر مرفوع منفصل ہے۔

بالقتل و العفو :۔ لف ونشر غیر مرتب ہے۔

منتقلا الی حجۃ اخریٰ :۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ بادشاہ بدفہم ہے کہ مستحق قتل کو معاف کر دینے کا نام احیاء سمجھ رہا ہے، حالانکہ وہ زندہ کرنا نہیں ہے، ایک زندہ شخص کی زندگی سے تعرض نہ کرنا ہے، وہ اس دلیل سے اپنے معتقدین کو مغالطہ میں مبتلا کرنا چاہتا تھا، تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایسی دلیل اختیار کی، جس میں کسی حیل و حجت کی گنجائش نہیں ہے۔

(او) رأیت (کالذی) :۔ **او** کے بعد **رأیت** کو محذوف مان کر مفسر نے یہ اشارہ دیا ہے کہ **کالذی** ایک عامل محذوف کا معمول ہے، جس پر سیاق کلام دلالت کرتا ہے، لیکن جب اسے مفعول مانا جائے گا تو **کالذی** میں کاف حرفی نہیں ہوگا، بلکہ اسم ہوگا مثل کے معنی میں اور زائد نہ ہوگا، اور یہ جو مفسر نے آگے فرمایا ہے کہ کاف زائدہ ہے، یہ ایک دوسری توجیہ ہے، کاف کے زائد ماننے کی صورت میں عامل کو محذوف ماننے کی حاجت نہیں رہتی، بلکہ یہ **الم تر الی الذی حاج ابراھیم** میں آئے ہوئے اسم موصول **الذی** پر معطوف ہوگا، مفسر نے اختصار کی دھن میں دونوں قولوں کو خلط کر دیا ہے۔

بخت نصر :۔ باء مضموم ہے اور خا ساکن اور اس کے بعد تاء اس کے معنی بیٹے کے ہیں! اور نصر میں ن مضموم

ہے اور صاد مشدد ہے آخر میں راء ہے، یہ ایک بت کا نام ہے، یہ عجمی علم ہے جو مرکب ہے قاموس میں ہے کہ یہ بچہ مذکورہ نام والے بت کے پاس پڑا ملا تھا۔اس کے باپ کا کچھ پتہ نہ تھا۔لوگوں نے اسے بخت نصر (نصر کا بیٹا کہنا شروع کر دیا)

استعظاماً لقدرته :-حضرت عزیر نے یہ جو فرمایا تھا **انی یحی هذه الله بعد مو تها** -اللہ تعالیٰ اس کی بربادی کے بعد دوبارہ کیونکر آباد کریں گے،ان کا یہ قول قدرت الٰہی میں کسی شک کی وجہ سے نہ تھا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی عظمت پیش نظر تھی،اور شاید اس کی تمنا دل میں موجزن تھی کہ اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کاش اسے پھر اپنی پرانی آبادی پر لوٹا دیں۔

والبثه : -اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ **فاماته الله مائة عا م** اس میں ایک ظاہری اشکال ہے، وہ یہ کہ موت کا دینا تو آن واحد کا عمل ہے،اس میں سو سال کی مدت کیسی؟ مفسر نے جواب دیا کہ **مائة عام** کا تعلق موت سے نہیں ہے، بلکہ مرنے کے بعد جسم کے وہیں برقرار رکھنے کی مدت کی تعیین ہے۔

والهاء قيل اصل من سانهت :-**لم يتسنه** کا لفظ **سنه** سے ماخوذ ہے،**سنه** کے بارے میں دو قول ہے۔ایک یہ کہ اس کا لام کلمہ ھاء ہے،اسی کی طرف مفسر نے یہ کہہ کر اشارہ کیا ہے کہ ھاء اصلی ہے،**سانهت** سے ماخوذ ہے۔اس صورت میں **لم يتسنه** کے اندر ھاء حالت وصل ہو یا وقف برقرار رہے گی، دوسرا قول یہ ہے کہ **سنه** کا لام کلمہ واو ہے،اس صورت میں جزم کی حالت میں حرف علت واو ساقط ہو گیا ہے،اور ھاء سکتہ کے لئے بڑھا دیا گیا ہے، جو وقف کی حالت میں تو برقرار رہے گا،مگر وصل کی حالت میں نہیں رہے گا۔حمزہ اور کسائی کی یہی قرأۃ ہے۔

وفي قرأة بحذفها :۔ایک قرأت میں **ها** محذوف ہے،اس عبارت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مستقل ایک قرأت ہے کہ خواہ وصل ہو یا وقف ہو، ھا محذوف ہے،لیکن ایسا نہیں ہے بلکہ یہ وہی قرأۃ ہے جس میں حالت وقف میں ھاء برقرار رہتی ہے،اور حالت وصل میں حذف ہو جاتی ہے۔

فعلنا ذلک لتعلم : اللہ تعالیٰ نے فرمایا **و لنجعلک آية** یہ عبارت معطوف ہے،مگر لفظوں میں اس کا کوئی معطوف علیہ نہیں ہے،مفسر نے عبارت کے قرینہ سے اس کا معطوف علیہ مقدر ظاہر کیا ہے اور وہ ہے **لتعلم** ،اور اس کا فعل **فعلنا ذلک** کو مانا،اور یہ عبارت پر غور کرنے سے واضح ہے۔

ننشرها :اس لفظ میں مفسر نے تین قرأتین بیان فرمائی ہیں، دو قرأت متواترہ،اور ایک قرأت شاذہ،قرأت متواترہ باب افعال سے ہے، راء مہملہ کے ساتھ اور زاء معجمہ کے ساتھ، یعنی **نُنشِرُهَا** اور **نُنشِزُهَا**،اور قرأۃ شاذ میں نشر مجرد ہے، یعنی **نَنشُزُهَا**، **انشر** اور **نشر** کا مطلب زندہ کرنا ہے،اور **نشز ينشز** کا معنی حرکت دینا اور اٹھانا ہے۔

ساله مع علمه بایمانه بذلک:۔ سالہ میں ضمیر مفعولی ابراہیم کی طرف راجع ہے، اور **علمه** میں ضمیر مجرور اللہ کی جانب راجع ہے، **بایمانه** میں ضمیر ابراہیم کی طرف لوٹتی ہے، **بذلک** کا تعلق ایمان سے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم سے **اولم تؤمن** کا سوال کیا حالانکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ ابراہیم احیاء موتی پر ایمان رکھتے ہیں، یہ سوال اللہ نے اس لئے کیا تاکہ ان کے جواب سے لوگوں کو اس سوال کی غرض معلوم ہو جائے، چنانچہ انھوں نے جواب میں عرض کیا کہ ایمان تو ہے ہی، لیکن دل کو سکون و اطمینان حاصل ہو جائے، اس لئے کہ دیکھنے سے قلب کی جو کیفیت ہوتی ہے، وہ بن دیکھے نہیں ہوتی۔

املهن:۔ یہ باب افعال **امال یمیل** سے فعل امر ہے۔

مضامین آیات وتفسیر

اس رکوع میں اللہ تعالیٰ نے تین واقعے بطور مثال کے بیان فرمائے ہیں، جن سے کفر کی قباحت و شناعت اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا متعدد وجوہ سے اظہار ہوتا ہے۔

نمروذ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد میں حکمراں تھا، اس کی وسعت حکومت نے اس کا دماغ خراب کر دیا تھا، وہ خود خدائی کا مدعی تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کو دین حق کی دعوت دی اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی ہدایت کی تو وہ ازراہ تکبر کہتا ہے کہ تمہارا رب کون ہے، جس کی تم دعوت دیتے ہو، حضرت ابراہیم نے جواب دیا، میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے، اس نے اکڑ کر کہا، یہ کام تو میں بھی کرتا ہوں، چنانچہ ایک بے خطا آدمی کو بلایا اور اسے قتل کروا دیا۔ اور دوسرے مستحق قتل کو بلایا اور اسے معاف کر کے رہا کر دیا، اس طرح اس نے اپنے زندہ کرنے اور مارنے کا ثبوت فراہم کیا، حالانکہ یہ اس کی حماقت تھی، لیکن ابراہیم علیہ السلام اس میں الجھے نہیں، اگر اس میں الجھتے اور زندہ کرنے اور موت دینے کا مفہوم سمجھاتے تو سوال و جواب کا سلسلہ دراز ہوتا، اور حاصل بجز اس کے کچھ نہ نکلتا کہ بات ادھوری رہ جاتی اور مقصد کی بات ہاتھ سے چلی جاتی۔ اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس دلیل کو نظر انداز کر دیا، اور ایک ایسی دلیل لے آئے جس میں اسے قیل وقال کی گنجائش نہ رہی آپ نے فرمایا کہ میرا رب سورج کو پورب سے نکالتا ہے تم اسے پچھّم سے نکال دو، تاکہ تمہاری قدرت کا ظہور برملا ہو جائے، یہ سن کر اس سے کوئی بات نہ بن پڑی، اور کفر کا راستہ ایسا ہی ہے کہ اس سے صحیح استدلال نہیں ملتا۔

دوسرا واقعہ یہ ہے: بنی اسرائیل کے ایک پیغمبر حضرت عزیر علیہ السلام ایک گدھے پر سوار ہو کر بیت المقدس کے شہر سے گزر رہے تھے، ایک ظالم بادشاہ (بخت نصر) نے اسے بالکل ویران اور تباہ و برباد کر دیا تھا، اس کی تمام عمارتیں زمیں بوس ہو چکی تھیں، حضرت عزیر کے منہ سے بے ساختہ یہ بات نکلی کہ دیکھیں اللہ تعالیٰ اسے دوبارہ کیونکر آباد کرتے ہیں، قدرت خداوندی نے ایک نمونہ کا مشاہدہ کرانا چاہا، اللہ تعالیٰ نے انہیں موت دیدی،

ان کی روح نکال لی گئی، اوران کی سواری کی بھی، ان کے پاس ایک ٹوکری میں کچھ انجیریں تھیں، پینے کیلئے کسی پھل وغیرہ کا رس تھا، وہ سب چیزیں وہیں پڑی رہیں، سوسال تک عزیر کا جسم اطہر اور گدھے کی لاش اور کھانے پینے کا سامان وہیں پڑا رہا، نہ جانے کتنی دھوپ لگی ہوگی، کتنی بارش ہوئی ہوگی، کتنی آندھیاں چلی ہوں گی جنگلی کتنے جانوروں کا وہاں رات دن گزر رہا ہوگا، مگر کرشمۂ قدرت دیکھئے کہ جو چیز سب سے پہلے سڑ اور ختم ہوسکتی تھی، یعنی کھانا اور رَس، دونوں سوسال تک جوں کا توں محفوظ رہے، حضرت عزیر علیہ السلام کا پاک جسم صحیح وسالم رہا، البتہ گدھے کی لاش سڑ گل کر اس کی ہڈیوں پر سے گوشت اور چمڑا ختم ہوگیا، ہڈی بچ گئی، سوسال کے بعد اللہ نے انہیں زندہ کیا تو پوچھا کہ کتنے دن تم یہاں رہے، عرض کیا، بس یہی کچھ ایک دن یا اس سے کم، کیونکہ شروع دن میں موت طاری ہوئی تھی، اور جب زندہ کئے گئے تو شام تھی، اللہ نے بتایا کہ نہیں تم سوسال تک یہیں رہے ہو۔ اچھا اب تم اپنے کھانے پینے کو دیکھو اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہے، سوسال گزرنے پر بھی وہ جوں کا توں ہے، اور گدھے کو دیکھو اس کی ہڈیاں دیکھو، ہم اسے تمہاری نگاہوں کے سامنے زندہ کرتے ہیں، ان ہڈیوں پر گوشت کا لباس پہناتے ہیں، اب تم سمجھ لو کہ ہم کیسے زندہ کرتے ہیں، اور یہ بھی سمجھ لو کہ ہم تم کو لوگوں کیلئے اپنی ایک نشانی بناتے ہیں، حضرت عزیر نے عرض کیا، اب میں نے دیکھ لیا، مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتے ہیں۔

تیسرا واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پروردگار سے درخواست کی کہ آپ مردوں کو کس طرح زندہ کرتے ہیں، میں دیکھنا چاہتا ہوں، فرمایا کیا تمہیں یقین نہیں ہے، عرض کیا یقین تو بلاشبہ ہے، لیکن مشاہدہ سے یقین کے اندر جو اطمینان کی ایک کیفیت حاصل ہوتی ہے، وہ چاہتا ہوں، فرمایا اچھا! چار پرندوں کو پال لو، انہیں اپنے ساتھ مانوس کرلو، جب خوب مانوس ہوجائیں، اور تمہارے اشارے سمجھنے لگیں تو سب کو ذبح کرکے ان کے جسم چار ٹکڑے کردو، اور ہر ٹکڑا، علیحدہ علیحدہ پہاڑ پر رکھ دو، پھر ایک ایک کر کے سب کو بلاؤ، دیکھو کس طرح زندہ ہوکر دوڑتے ہوئے آتے ہیں۔ انھوں نے ایسا ہی کیا اور یہ پورا منظر نگاہوں کے سامنے آگیا۔

☆☆☆☆☆

﴿مَثَلُ﴾ صفة نفقات ﴿الَّذِيْنَ يُنفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ اى طاعته ﴿كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِىْ كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِائَةُ حَبَّةٍ﴾ فكذلك نفقاتهم تتضاعف بسبع مائة ضعف ﴿وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ﴾ اكثر من ذلك ﴿لِمَن يَّشَاءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ﴾ فضله ﴿عَلِيْمٌ﴾ بمن يستحق المضاعفة ﴿اَلَّذِيْنَ يُنفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَا اَنْفَقُوْا مَنًّا﴾ على المنفق عليه بقولهم مثلا قد احسنت اليه وجبرت حاله ﴿وَلَا اَذًى﴾ له بذكر ذٰلك الىٰ من لا يحب وقوفه عليه ونحو ذٰلك ﴿لَهُمْ اَجْرُهُمْ﴾ ثواب انفاقهم ﴿عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ

عَـلَيۡهِـمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ﴾ فی الاٰخرة ﴿قَوۡلٌ مَّعۡرُوۡفٌ﴾ کلام حسن ورد علی السائل جمیل ﴿وَمَـغۡـفِـرَةٌ﴾ له فی الحاجه﴿خَيۡرٌ مِنۡ صَدَقَةٍ يَتۡبَعُهَا اَذًى﴾ بالمن وتعییر له بالسؤال ﴿وَاللّٰهُ غَـنِـيٌّ﴾ عـن صـدقة العباد ﴿حَلِيۡمٌ﴾ بتاخیر العقوبة عن المان والموذی ﴿يٰاَيُّهَاالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡالَا تُبۡـطِـلُـوۡاصَدَقٰتِكُمۡ﴾ ای اجورها ﴿بِالۡمَنِّ وَالۡاَذٰى﴾ ابطالا ﴿كَالَّذِىۡ﴾ ای کابطال نفقة الذی ﴿يُـنۡـفِـقُ مَـالَـهٗ رِئَـآءَ النَّاسِ﴾ مرائیالهم ﴿وَلَا يُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ﴾وهوالمنافق ﴿فَمَثَلُهٗ كَـمَثَلِ صَفۡوَانٍ﴾ حجر املس ﴿عَلَيۡهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ﴾ مطر شدید ﴿فَتَرَكَهٗ صَلۡدًا﴾صلبا امـلـس لاشئـی علیه﴿ لَا يَقۡدِرُوۡنَ﴾ استیناف لبیان مثل المنافق المنفق ریاء وجمع الضمیر باعتبار معنی الذی ﴿عَلٰى شَـىۡءٍ مِمَّا كَسَبُوۡا﴾ عملوا ای لا یجدون له ثوابا فی الآخرة کما لا یـوجـد عـلـی الـصفوان شئی من التراب الذی کان علیه لاذهاب المطر له ﴿وَاللّٰهُ لَا يَهۡدِىۡ الۡـقَـوۡمَ الۡكٰفِرِيۡنَ وَمَثَلُ﴾ نفقات ﴿الَّذِيۡنَ يُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمُ ابۡتِغَاءَ﴾ طلب ﴿مَرۡضَاتِ اللّٰهِ وَتَثۡبِيۡتاً مِّنۡ اَنۡـفُسِهِمۡ﴾ ای تحقیقا للثواب علیه بخلاف المنافقین الذین لا یرجونه لانکارهم له ومن ابتـدائیة ﴿كَـمَثَـلِ جَـنَّةٍ﴾ بستـان ﴿بِرَبۡوَةٍ﴾ بضم الراء وفتحها مکان مرتفع مستو﴿اَصَابَهَا وَابِـلٌ فَاٰتَتۡ﴾ اعطت ﴿اُكُلَهَا﴾ بضم الکاف وسکونها ثمرها ﴿ضِعۡفَيۡنِ﴾ مثلی مایثمرغیرها ﴿فَـاِنۡ لَـمۡ يُصِبۡهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ﴾ مطر خفیف یصیبها ویکفیها لارتفاعها المعنی تثمروتزکو کثر الـمـطـر ام قـل فـکـذٰلک نفقات من ذکر تزکو عندالله کثرت ام قلت ﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَـصِيۡـرٌ﴾ فیـجـازیـکـم بـه ﴿اَيَـوَدُّ﴾ایـحب ﴿اَحَدُكُمۡ اَنۡ تَكُوۡنَ لَهٗ جَنَّةٌ﴾ بستان ﴿مِن نَّخِيۡلٍ وَّاَعۡـنَـابٍ تَـجۡـرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ لَهٗ فِيۡهَا﴾ ثمر ﴿مِنۡ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَ﴾قد﴿ اَصَابَهُ الۡكِبَرُ﴾ فـضـعـف عـن الـکسب ﴿وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَاءُ﴾ اولاد صغار لایقدرون علیه ﴿فَاَصَابَهَا اِعۡصَارٌ﴾ ریـح شـدیـد ة ﴿فِيۡهِ نَارٌ فَاحۡتَرَقَتۡ﴾ ففقــدها احوج ماکان الیها و بقی هــو واولاده عجـزة متـحـیـریـن لا حیـلة لهـم وهذا تمثیل لنفقة المرائی والمان فی ذهابها و عدم نفعها احوج ما یکون الیها فی الآخرة والاستفهام بمعنی النفی و عن ابن عباس هو لرجل عمل بالطاعات ثم بـعـث لـه الشیـطان فعمل بالمعاصی حتی اغرق اعماله ﴿كَذٰلِكَ ﴾کما بین ما ذکر﴿ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الآيٰتِ لَعَلَّكُمۡ تَتَفَكَّرُوۡنَ﴾ فتعتبرون.

﴿ تــــر جمــــــه ﴾

(ان لوگوں) کے خرچ (کی مثال، جو اپنے مالوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں) یعنی اللہ کی طاعت

میں (اس ایک دانے جیسی ہے جس نے سات بالیاں پیدا کیں، اور ہر بالی میں سو دانے ہیں) اسی طرح ان حضرات کے نفقات سات سو گنے تک بڑھتے ہیں (اور اللہ تعالیٰ جس کیلئے چاہتے ہیں، اس سے بھی زیادہ بڑھاتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ وسیع فضل والے ہیں، اور جانتے ہیں) کہ کون اس طرح بڑھائے جانے کا استحقاق رکھتا ہے (جو لوگ اپنے مالوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، پھر خرچ کرنے کے بعد) جس پر خرچ کیا ہے، اس پر (نہ احسان جتلاتے) مثلا! اس طرح کی کوئی بات نہیں کرتے کہ میں نے تم پر احسان کیا، اور تمہارے بگڑے ہوئے حال کو بنا دیا وغیرہ (اور نہ) اس کا تذکرہ کسی ایسے شخص کے پاس کرکے، جس کے بارے میں وہ چاہتا ہے کہ اسے اس احسان کا علم نہ ہو (تکلیف پہونچاتے، ان کے لئے ان کے رب کے پاس، ان) کے انفاق (کا اجر و ثواب ہے، اور ان پر کوئی خوف نہیں ہے، اور نہ وہ آخرت میں غمگین ہوں گے اچھی بات کہہ دینا) اور مانگنے والے کو خوبصورتی سے ٹال دینا (اور) اس کے اصرار سے (درگزر کر دینا، اس صدقہ سے بہتر ہے، جس کے بعد) احسان جتلا کر یا اسے سوال سے عار دلا کر (تکلیف پہونچائی جائے، اور اللہ تعالیٰ) بندوں کے صدقات سے (غنی ہیں حلیم ہیں) احسان جتلانے والے اور تکلیف پہونچانے والے کے مواخذہ و سزا میں جلدی نہیں کرتے ہیں (اے ایمان والو! اپنے صدقات کو) یعنی ان کے ثواب کو، احسان رکھ کر یا تکلیف پہونچا کر (برباد نہ کرو جیسے کہ وہ شخص) یعنی اس شخص کا صدقہ برباد ہو جاتا ہے (جو) اپنے مال کو لوگوں کے دکھاوے کیلئے خرچ کرتا ہے، اور اللہ اور یوم آخر پر ایمان نہیں رکھتا) یہ منافق ہے (اس کی مثال، اس چکنے پتھر جیسی ہے، جس پر کچھ مٹی پڑی ہو، پھر اس پر بارش ہوئی اور اسے چکنا کرکے چھوڑ دیا) جس پر کچھ نہیں ہے (انھوں نے جو کچھ عمل کیا ہے، اس میں کسی چیز پر نہیں قدرت حاصل نہیں ہے) یہ جملہ مستانفہ ہے، اس میں اس منافق کی مثال ہے، جو اپنا مال محض لوگوں کے دکھاوے کیلئے خرچ کرتا ہے، اور ضمیر کو جمع اس لئے لائے ہیں کہ الذی معنی کے لحاظ سے جمع کے حکم میں ہے، مطلب یہ ہے کہ آخرت میں اس قسم کے صدقات کا کوئی ثواب ہاتھ نہیں آئے گا، جیسے چکنے پتھر پر تھوڑی سی مٹی پڑ جائے، اور اس پر تیز بارش ہو جائے، تو اس مٹی کا کوئی اثر نہیں باقی رہتا (اور اللہ تعالیٰ کافروں کو ہدایت نہیں دیتے) (اور ان لوگوں) کے نفقات (کی مثال، جو اپنے مال کو اللہ کی رضامندی کی طلب میں، اس پر ثواب کا یقین کرکے خرچ کرتے ہیں) بخلاف منافقین کے کہ وہ ثواب کی امید ہی نہیں رکھتے، کیونکہ انھیں تو اسکا انکار ہے، من **انفسھم** میں من ابتدائیہ ہے (اس باغ جیسی جو قدرے بلند زمین پر ہو) [نشیب میں نہ ہو۔ ش] ربوہ را کے ضمہ اور فتحہ کے ساتھ ہے، ایسی زمین جو نشیب میں نہ ہو، قدرے بلند ہو، اور ہموار ہو (اس پر بارش ہوئی، پس اس نے پیداوار دوگنی دی) یعنی جتنی پیداوار عام طور سے ہوتی ہے، اس سے دوگنی ہوئی، اکل کاف کے ضمے اور اس کے سکون کے ساتھ (اور اگر اسے تیز بارش نہ ملی تو پھوار ہی سہی) یعنی ہلکی بارش ہی اس کو کافی ہوتی

ہے، کیونکہ قدرے اونچائی پر ہے، مطلب یہ ہے کہ وہ باغ پھل دیتا ہے، خواہ بارش کم ہو یا زیادہ، اسی طرح مذکورہ بالا لوگوں کا صدقہ بڑھتا ہے، زیادہ ہو یا کم (اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ تعالیٰ اسے دیکھتے ہیں) اس کا تمہیں بدلہ دیں گے (کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرے گا کہ اس کے پاس ایک باغ ہو، کھجوروں اور انگوروں کا، اس کے نیچے نہریں بہتی ہوں، اس کے لئے اس میں تمام پھلوں میں سے) پھل (ہوں اور اس پر بڑھاپا آگیا ہو) اس کی وجہ سے کسب سے کمزور ہو گیا ہو (اور اس کی کمزور) نابالغ (اولادیں ہوں) جو کچھ قدرت نہ رکھتی ہوں (پھر اس پر بگولہ آیا) یعنی تیز ہوا (جس میں آگ ہو اور وہ جل گیا) تو اسے ایسے وقت کھویا، جبکہ اسے اس کی زیادہ ضرورت تھی، اور وہ اور اس کی اولاد عاجز اور متحیر ہو کر رہ گئے، اب ان کیلئے کوئی تدبیر بھی نہیں ہے، یہ اس شخص کے نفقات وصدقات کی مثال ہے جو دکھاوے کے لئے خرچ کرتا ہے، یا احسان کر کے جتلاتا ہے کہ وہ یونہی برباد ہو جاتا ہے، اور جس وقت اس کی زیادہ ضرورت ہوگی، اسی وقت وہ بے فائدہ و بے کار ہو کر رہ جائے گا۔ یہ استفہام نفی کے معنی میں ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ اس شخص کی مثال ہے، جس نے نیک اعمال کئے، پھر اس پر شیطان مسلط ہوا، اور وہ گناہوں میں مبتلا ہوا اور اس کے اعمال کو جلا کر رکھ دیا (ایسے ہی) یعنی جیسے مذکورہ مثال بیان کی گئی ایسے ہی (اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنی آیات بیان کرتے ہیں تاکہ تم غور کرو، پس عبرت حاصل کرو۔

﴿تشریحات﴾

طاعته:۔ فی سبیل الله سے مراد اللہ کی طاعت کی راہ ہے، خواہ طاعت واجبہ ہو یا مستحبہ۔

اکثــر مـن ذلک:۔ اللہ کی راہ میں سات سو گنے تک اجر ملنا تو عام ہے، لیکن اس سے بھی زیادہ اللہ کی مشیت سے حالات کے اعتبار سے یا اخلاص واستحکام کے اعتبار سے ملتا ہے۔

یـذکر ذلک الی من لا یحب وقوفه علیه الخ:۔ من کا مطلب تو یہ ہے کہ جس کو صدقہ دیا ہے، اس پر اپنے احسان کا تذکرہ کرے، اور اذیٰ کا مفہوم یہ ہے کہ اپنے احسان کا تذکرہ ایسے شخص یا ایسے لوگوں سے کرے، جن کا اس احسان سے واقف ہونا، اس شخص کو پسند نہ ہو، جس پر احسان کیا ہے، یہ انسانی فطرت ہے کہ آدمی کسی کا احسان قبول کرتا ہے، لیکن وہ چاہتا ہے کہ یہ بات کوئی دوسرا نہ جانے، یا فلاں شخص نہ جانے تو اگر احسان کرنے والا اسے ادھر ادھر کہتا پھرے یا اس شخص خاص سے کہہ دے، تو اسے اپنی سبکی محسوس ہوتی ہے۔

فی الحاحه:۔ الحاح کے معنی لپٹنے کے ہیں، مانگنے میں، بہت اصرار سے مانگتا ہے، تب بھی ترش رو ہونا نہیں چاہئے، اس سے درگزر کرنا ہی بہتر ہوتا ہے۔

بالمن:۔ قـول مـعـروف و مغفرة خیر من صدقة یتبعها اذیً میں اذیٰ سے مراد وہ مخصوص مفہوم نہیں

ہے۔ جو اوپر ذکر کیا گیا، بلکہ یہ اذیٰ عام ہے، اسی میں احسان جتلانا بھی شامل ہے۔

ای اجورھا :۔صدقات کا باطل ہونا یہ ہے کہ ان پر ثواب نہ ملے۔

ابطالا : . **کـالـذی یـنـفق ماله رئاء الناس** میں کاف حرف جر محل نصب میں ہے اور یہ ایک مصدر محذوف کی صفت ہے، عبارت اس طرح ہوگی **لا تبطلوا صدقاتکم بالمن والاذی ابطالا کابطال نفقة الذین ینفق ماله رئاء الناس**۔

اس عبارت میں اولا **ابـطـالا** مفعول مطلق محذوف ہے، دوسرے **الذی** سے پہلے دو مضاف محذوف ہیں، ہر زبان میں اس طرح کے محذوفات بکثرت ہوتے ہیں جو قرینہ مقام سے سمجھ میں آجاتے ہیں، کلام کی بلاغت میں حذف کا بنیادی کردار ہوتا ہے، اگر کلام کے تمام اجزاء اہتمام وکمال سے ذکر کئے جائیں تو فضولیات کا مجموعہ بن کر رہ جائے گا۔

مرائیا لھم :. **رئاء الناس** کی تفسیر میں **مرائیا لھم** کہہ کر مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ رئاء مصدر اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے، اور وہ مصدر اسم فاعل کے معنی میں ہے، یعنی لوگوں کو دکھانے کیلئے خرچ کرتا ہے، ریاء شریعت کی اصطلاح میں یہ ہے کہ کوئی کار خیر اللہ کے علاوہ دوسروں کو دکھانے اور خوش کرنے کی نیت سے کیا جائے، اگر بغیر ارادہ اور نیت کے لوگوں کی طرف عمل میں ذھن چلا گیا تو وہ ریا نہیں ہے۔

وجـمـع الـضمیر باعتبار معنی الذی :۔آیت کریمہ **کـالـذی ینفق ماله** واحد ہے، اور پھر اسی **الذی** سے متعلق **لا یقدرون** جمع کا صیغہ ہے، تو بظاہر مرجع اور ضمیر میں مطابقت نہیں ہے، اس کا جواب مفسر نے یہ دیا کہ **الذی** گوکہ لفظاً واحد ہے لیکن اپنے مفہوم کے اعتبار سے جمع ہی کے حکم میں ہے۔

ای تـحـقیقاً للثواب علیه :۔ یہ تثبیت کا ترجمہ ہے، یہ مصدر ہے، اس کا مفعول ثواب ہے، جوکہ محذوف ہے اور مفسر نے اسے ظاہر کردیا ہے، اور فاعل **مـن انـفسهم** کے قرینہ میں سمجھ میں آتا ہے، تثبیت کے معنی ہیں کسی شے کے موجود و محقق ہونے کا اعتقاد۔ مطلب یہ ہوا کہ وہ اپنے مال کو اللہ کی رضا کیلئے اور دل سے اجر و ثواب کے ملنے کے یقین و اعتقاد کے ساتھ خرچ کرتے ہیں، اس کے برخلاف منافقین تو ثواب آخرت کے منکر ہیں، اس لئے انہیں اس کی امید ہی نہیں کہ اس اعتقاد و یقین کے ساتھ خرچ کریں۔

من ابتدائیه :۔یعنی ان کا یہ اعتقاد و یقین خود انہیں کی ذات کی طرف سے ہے۔

یصیبها ویکفیها : **فطل** مبتدا ہے، اس کی خبر محذوف ہے، وہ **یصیبها و یکفیها** ہے۔

وقـد (اصابه) عبارت میں **قد** مقدر مانا، کیونکہ **اصـابـه** حال ہے، اور فعل ماضی جب حال واقع ہو تو اس سے پہلے **قد** ضرور ہوگا، خواہ لفظاً خواہ تقدیراً۔

﴿مضامین آیات وتفسیر﴾

جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنے مالوں کو صرف کرتے ہیں، ان کی مثال ایسی ہے، جیسے کسی نے ایک دانہ زمین میں بویا، بظاہر وہ دانہ اس کے ہاتھ سے گیا، مگر جب وہ لوٹا تو اس میں سات بالیاں پیدا ہوئیں، ہر بالی میں سو سو دانے ہیں، گویا ایک دانے سے سات سو دانے اسے حاصل ہوئے، اسی طرح جس نے اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کیا، تو بظاہر دنیا میں کسی مادی منفعت کے بغیر وہ مال چلا گیا، مگر جب وہ آخرت میں اگے گا، تو سات سو گنا بڑھ کر ملے گا، اور اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہیں گے اس سے زیادہ عطا فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل میں وسعت بھی ہے، اور وہ خوب جانتا ہے کہ کون اس کا مستحق ہے۔

جو لوگ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتے ہیں، اور پھر اس پر نہ احسان جتلاتے، اور نہ تکلیف والی کوئی بات کرتے، ان کے لئے ان کے رب کے پاس اجر ہے، اور انہیں نہ کوئی اندیشہ ہوگا، نہ وہ افسوس میں مبتلا ہوں گے۔

صدقہ دینے کے بعد تکلیف دینے والی بات سے بہتر یہ ہے کہ باصرار مانگنے والے کو اچھی بات کہہ کر ٹال دیا جائے، اور ان کے اصرار سے درگزر کیا جائے، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے صدقات سے بے نیاز ہیں، اور حلیم بھی کہ غلطی پر فوراً نہیں گرفت کرتے۔

اے ایمان والو! اپنے صدقات کے اجر وثواب کو، احسان جتلا کر اور تکلیف کی بات کہہ کر برباد مت کرو۔ یہ ایسا ہی ہوگا، جیسے کسی نے از راہ نفاق مال صرف اس لئے خرچ کیا کہ لوگوں میں شہرت ونیک نامی ہو، اور اسے اجر آخرت کا یقین ہی نہ ہو، اس کا صدقہ بھی سب ضائع ہوتا ہے، اس صدقۂ برباد کی مثال ایسی ہے، جیسے کسی چکنے پتھر پر مٹی جمی، مگر تیز بارش اسے بہالے گئی، اور پتھر جوں کا توں چکنا رہ گیا، اسی طرح، منافق یا کافر صرف دکھاوے کیلئے خرچ کرتے ہیں، یا اہل ایمان نے خرچ تو ایمان واعتقاد کے ساتھ کیا، مگر جس پر خرچ کیا اس پر احسان جتلایا یا اسے تکلیف پہونچائی تو ادھر کفر ونفاق کی آندھی چلی اور ادھر ’’من و اذی‘‘ کا طوفان آیا، تو صدقہ کا جو کچھ تھوڑا سا جماؤ ہوا تھا، بہہ گیا، اور کافر قوم یونہی گمراہی میں پڑی اور اللہ کی عنایت سے محروم رہتی ہے۔

اور وہ لوگ جو اپنے مالوں کو صرف اللہ کی رضا کیلئے اور ثواب آخرت کی تحصیل کیلئے خرچ کرتے ہیں، ان کے اس عمل کی مثال ایسی ہے جیسے قدرے اونچی ہموار جگہ میں کوئی باغ ہو، اور زوردار بارش ہوئی، اس میں خوب پھل آئے، اور اگر تیز بارش نہیں ہوئی تو ہلکی پھلکی بارش بھی اس کی شادابی کیلئے کافی ہوئی، کیونکہ اس کا محل وقوع عمدہ ہے، اسی طرح جو لوگ محض اللہ کیلئے مال خرچ کرتے، وہ کم ہو یا زیادہ بہرحال اس کا نفع ملتا ہے، اور جو کچھ تمہارا عمل ہے اللہ کی نگاہ میں ہے۔

وہ لوگ سوچیں جو اپنے صدقات کو برباد کر دیتے ہیں کہ کیا کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اس کے پاس

باغ ہو، اس میں کھجوریں ہوں، انگور ہوں، اس کے نیچے نہریں جاری ہوں، اس میں ہر طرح کے پھل ہوں اور وہ بوڑھا ہو چکا ہو، محنت سے کمانے کی طاقت نہ رکھتا ہو ، اور اس کے پاس کمزور اولادیں بھی ہوں جو کمانے کی صلاحیت نہ رکھتی ہوں اور پھر اس باغ پر ایسا بگولہ چلے جس میں آگ ہو اور وہ باغ پورا جل کر خاک ہو جائے، اور سب کچھ آنکھوں کے سامنے موجود ہوتے ہوئے، عین شدت حاجت کے وقت اس کی تمام آرزو برباد ہو جائے تو کیا کوئی بھی شخص اس صورت حال کو پسند کرے گا، ظاہر ہے کبھی پسند نہیں کرے گا، تو یہی حال تو ان لوگوں کا بھی ہے۔ جو محض دکھاوے کیلئے خرچ کرتے ہیں، یا احسان جتلاتے اور تکلیف پہونچاتے ہیں، انہیں آخرت میں جب اپنے صدقات کے باغ کی شدید ضرورت ہوگی، تو اس وقت اسے جلا ہوا پائیں گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ یہ اس شخص کی بھی مثال ہے، جو نیک اعمال کرتا رہتا ہے، لیکن آخر میں اس پر شیطان مسلط ہو جاتا ہے، وہ اسے نافرمانیوں میں مبتلا کر دیتا ہے، اور اس کے تمام اعمال نیک کو جلا کر رکھ دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ یہ باتیں بتا رہے ہیں، تم غور و فکر سے کام لو اور عبرت حاصل کرو۔

☆☆☆☆☆

﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اَنْفِقُوْا﴾ زکوا ﴿مِنْ طَیِّبٰتِ﴾ جیاد ﴿مَا كَسَبْتُمْ﴾ من المال ﴿وَ مِنْ﴾ طیبٰت ﴿مَّا اَخْرَجْنَالَكُمْ مِنَ الْاَرْضِ﴾ من الحبوب والثمار ﴿وَلَا تَیَمَّمُوْا﴾ تقصدوا ﴿الْخَبِیْثَ﴾ الردی ﴿مِنْهُ﴾ ای من المذکور ﴿تُنْفِقُوْنَ﴾ فی الزکوٰة حال من ضمیر تیمموا ﴿وَلَسْتُمْ بِآخِذِیْهِ﴾ ای الخبیث لو اعطیتموه فی حقوقکم ﴿اِلَّا اَنْ تُغْمِضُوْا فِیْهِ﴾ بالتساهل و غض البصر فکیف تؤدون منه حق الله ﴿وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ﴾ عن نفقاتکم ﴿حَمِیْدٌ﴾ محمود علی کل حال ﴿اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُكُمُ الْفَقْرَ﴾ یخوفکم به ان تصدقتم فتمسکوا ﴿وَیَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاءِ﴾ البخل ومنع الزکوٰة ﴿وَاللّٰهُ یَعِدُكُمْ﴾ علی الانفاق ﴿مَّغْفِرَةً مِّنْهُ﴾ لذنوبکم ﴿وَفَضْلاً﴾ رزقاً خلفا منه ﴿وَاللّٰهُ وَاسِعٌ﴾ فضله ﴿عَلِیْمٌ﴾ بالمنفق ﴿یُؤْتِی الْحِكْمَةَ﴾ العلم النافع المؤدی الی العمل ﴿مَن یَّشَاءُ وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْراً كَثِیْراً﴾ لمصیره الی السعادة الابدیة ﴿وَمَا یَذَّكَّرُ﴾ فیه ادغام التاء فی الاصل فی الذال یتعظ ﴿اِلَّا اُوْلُوا الْاَلْبَابِ﴾ اصحاب العقول ﴿وَمَا اَنْفَقْتُمْ مِنْ نَفَقَةٍ﴾ ادیتم من زکوٰة او صدقة ﴿اَوْ نَذَرْتُمْ مِنْ نَّذْرٍ﴾ فوفیتم ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُهُ﴾ فیجازیکم علیه ﴿وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ﴾ بمنع الزکوٰة والنذر او بوضع الانفاق فی غیر محله من معاصی الله ﴿مِنْ اَنْصَارٍ﴾ مانعین لهم من

عذابه ﴿اِنْ تُبْدُوْا﴾ تظهروا ﴿الصَّدَقٰتِ﴾ ای النوافل ﴿فَنِعِمَّا هِیَ﴾ ای نعم شئی ابداؤها ﴿وَاِنْ تُخْفُوْهَا﴾ تسروها ﴿وَ تُؤْتُوْهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ﴾ من ابدائها وایتائها الاغنیاء اما صدقة الفرض فالافضل اظهارها لیقتدیٰ به ولئلا یتهم وایتاؤها الفقراء متعین ﴿وَیُکَفِّرُ﴾ بالیاء وبالنون مجزوما بالعطف علی محل فهو ومرفوعا علی الاستیناف ﴿عَنْکُمْ مِنْ﴾ بعض ﴿سَیِّـٰاتِکُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ﴾ عالم بباطنه کظاهره لا یخفیٰ علیه شئی منه ولما منع ﷺ من التصدق علی المشرکین لیسلموا نزل ﴿لَیْسَ عَلَیْکَ هُدٰهُمْ﴾ ای الناس الی الدخول فی الاسلام انما علیک البلاغ ﴿وَلٰکِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَاءُ﴾ هدایته الی الدخول فیه ﴿وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ﴾ مال ﴿فَلِاَنْفُسِکُمْ﴾ لان ثوابه لها ﴿وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ﴾ ای ثوابه لا غیره من اغراض الدنیا خبر بمعنی النهی ﴿وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ یُّوَفَّ اِلَیْکُمْ﴾ جزاؤه ﴿وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ﴾ تنقصون منه شیئا و الجملتان تاکید للاولیٰ ﴿لِلْفُقَرَاءِ﴾ خبر مبتدأ محذوف ای الصدقات ﴿الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾ ای حبسوا انفسهم علی الجهاد و نزلت فی اهل الصفة وهم اربعمائة من المهاجرین ارصدوا لتعلیم القرآن والخروج مع السرایا ﴿لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْبًا﴾ سفرا ﴿فِی الْاَرْضِ﴾ للتجارة والمعاش لشغلهم عنه بالجهاد ﴿یَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ﴾ بحالهم ﴿اَغْنِیَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ﴾ ای لتعففهم عن السوال وترکه ﴿تَعْرِفُهُمْ﴾ یا مخاطبا ﴿بِسِیْمٰهُمْ﴾ علامتهم من التواضع واثر الجهد ﴿لَا یَسْئَلُوْنَ النَّاسَ﴾ شیئا فیلحفون ﴿اِلْحَافًا﴾ ای لا سوال لهم اصلا فلا یقع منهم الحاف وهوالالحاح ﴿وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ﴾ فیجازیکم علیه.

﴿ترجمہ﴾

(اے ایمان والو! خرچ کرو) یعنی زکوٰۃ ادا کرو (ان پاکیزہ مالوں سے جو تم نے کمایا ہے اور ان) پاکیزہ (چیزوں سے جو ہم نے تمہارے لئے) غلہ اور پھل وغیرہ (زمین سے پیدا کئے ہیں اور ان میں سے گھٹیا مال کا ارادہ نہ کرو کہ) اسے تم زکوٰۃ میں (خرچ کرو) یہ تیمموا کی ضمیر سے حال ہے (حالانکہ) اگر تمہیں تمہارے حقوق کی ادائیگی میں وہی دیا جائے تو (تم اسے نہیں لوگے، مگر یہ کہ چشم پوشی سے کام لو) تو تم اسے اللہ کے حق میں کیوں کر ادا کرتے ہو (اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ) تمہارے نفقات سے (بے نیاز ہیں) اور ہر حال میں (لائق حمد) وہی (ہیں، شیطان تمہیں تنگدستی کا اندیشہ دلاتا ہے،) کہ اگر صدقہ کرو گے تو فقیر ہو جاؤ گے، اس لئے بخل کرو (اور تم کو برے کام) بخل اور منع زکوٰۃ (کا حکم دیتا ہے، اور اللہ تعالیٰ تم سے) انفاق پر تمہارے گناہوں کی (اپنی

جانب سے مغفرت اور فضل) یعنی نعم البدل (کا وعدہ کرتے ہیں ، اور اللہ کا فضل وسیع ہے) وہ انفاق کرنے والے کا (علم رکھتے ہیں ، جسے چاہتے ہیں ، حکمت عطا فرماتے ہیں) یعنی علم نافع جو عمل کا سبب بنتا ہے (اور جسے حکمت دی گئی ، اسے بہت سارا خیر دے دیا گیا) کیونکہ اس سے سعادت ابدیہ حاصل ہوتی ہے (اور نصیحت وہی لوگ حاصل کرتے ہیں ، جو عقل والے ہیں) یذّکر میں اصل میں تاء تھی اس کا ذال میں ادغام ہو گیا ہے ۔ اصل میں یتذکر باب تفعل سے ہے (اور جو کچھ تم خرچ کرتے ہو) یعنی زکوٰۃ اور صدقہ دیتے ہو (یا جو نذر مانتے ہو) اور اسے پورا کرتے ہو (تو بلا شبہ اللہ تعالیٰ اسے جانتے ہیں) اس پر تمہیں جزا عطا فرمائیں گے (اور ان لوگوں کیلئے) جو زکوٰۃ نہ دے کر یا بے محل معاصی میں خرچ کر کے (ظلم کرنے والے ہیں ، کوئی مددگار نہیں ہے) یعنی عذاب سے بچا نہیں سکتے (اگر تم صدقہ) نافلہ (کو ظاہر کرو ، تو یہ بجا ہے) یعنی اس کا ظاہر کرنا ٹھیک ہے (اور اگر تم اسے پوشیدہ رکھو اور فقیروں کو دو ، تو وہ تمہارے لئے) اس کے ظاہر کرنے اور مالداروں کو دینے سے (بہتر ہے) لیکن صدقہ فرض تو اس کا ظاہر کرنا ہی افضل ہے تا کہ اس کی اقتداء کی جائے ، اور اس لئے تا کہ تہمت سے محفوظ رہیں ، اور صدقہ فرض تو فقراء ہی کے لئے متعین ہے (اور یہ تم سے تمہاری خطاؤں کا کفارہ بن جائے گا) یکفر میں دو قرأت ہے ۔ دوسری قرأت نکفر ہے نون کے ساتھ ، مجزوم ہے ، توفھو کے محل پر عطف ہے ، اور مرفوع ہے ، تو جملہ مستانفہ ہے (اور جو کچھ تم کرتے ہو ، اللہ تعالیٰ اس کی خبر رکھتے ہیں) یعنی ظاہر و باطن دونوں کو جانتے ہیں ، ان پر کوئی چیز مخفی نہیں ہے ۔

اور ایک وقت رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو منع کر دیا تھا کہ مشرکین کو صدقہ نہ دیں ، شاید وہ اسی طرح اسلام قبول کریں تو یہ حکم نازل ہوا (تمہارے ذمے ان کی ہدایت نہیں ہے) یعنی لوگوں کی ہدایت کہ وہ اسلام میں داخل ہوں ، تمہارے ذمے تو بات کا پہونچا دینا ہے (اور جو بھی مال تم خرچ کرتے ہو ، تو وہ تمہارے نفس کیلئے ہے) کیونکہ اس کا ثواب اسی کے لئے ہے (اور تم بجز اللہ کی رضا مندی کی طلب کے نہیں خرچ کرتے) یعنی ثواب کیلئے ، اس کے علاوہ اور کسی غرض دنیا کیلئے نہیں ، یہ خبر نہی کے معنی میں ہے (اور جو کچھ تم مال خرچ کرتے ہو وہ سب تم کو پورا پورا دیا جائے گا) یعنی اس کا ثواب (اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا) یعنی اس میں سے کچھ کم نہیں کیا جائیگا ۔ یہ دونوں جملے پہلے جملے کی تاکید ہیں (ان فقراء کے لئے ہیں) یہ خبر ہے ، اس کا مبتدا محذوف ہے ، یعنی صدقات (جو اللہ کے راستے میں روک دیئے گئے ہیں) یعنی انھوں نے اپنے آپ کو جہاد کیلئے روک رکھا ہے ، یہ آیت اہل صفہ کے حق میں اتری ہے ، یہ حضرات چار سو مہاجرین تھے ، جو قرآن پڑھنے اور جہاد میں نکلنے کیلئے تیار رکھے گئے تھے (وہ زمین میں) تجارت اور معاش کے لئے (سفر کی قدرت نہیں رکھتے ، کیونکہ انہیں جہاد کی مشغولیت سے ان کاموں کی فرصت نہ تھی (جو) ان کے حال سے (ناواقف ہے ، وہ انہیں تعفف کی وجہ سے)

یعنی ان کیا جتناب سوال کی وجہ سے (مالدار سمجھتا ہے) اے مخاطب (تم ان کی علامت) یعنی تواضع اور مشقت کے آثار (کی وجہ سے انہیں پہچان لوگے، وہ لوگوں سے) کچھ (نہیں مانگتے کہ اصرار پایا جاتا) یعنی وہ سرے سے سوال ہی نہیں کرتے ، کہ ان کی طرف سے اصرار والحاح کا وجود ہوتا (اور جو کچھ تم مال خرچ کرتے ہو، وہ اللہ کو معلوم ہے) تم کو اس کی جزا ملے گی۔

﴿تشریحات﴾

زکوا: ۔یہاں انفاق سے مراد زکوۃ ہے۔

من الحبوب والثمار : ۔یہ زمین کے عشر کا بیان ہے، احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں نصاب شرط نہیں ہے، اور نہ سال کا گزرنا شرط ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ **وآتوا حقه یوم حصاده** ، اور دوسرے اموال میں نصاب شرط ہے، اور سال کا گزرنا۔

منه ای من المذکور : . **ولا تیمموا الخبیث منه** میں **منه** کی ضمیر **طیبات ما کسبتم** اور **ما اخرجنا لکم من الارض** کے مجموعے کی جانب لوٹتی ہے، ایسے موقع پر بظاہر مؤنث کی ضمیر چاہئے، لیکن مذکر کی ضمیر لائی گئی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ المذکور کی جانب یہ ضمیر راجع ہے۔

فی الزکوٰۃ : . **تنفقون** کا مفعول محذوف ہے، وہ ضمیر منصوب ہے، اور یہ جملہ **تیمموا** کی ضمیر سے حال ہے۔

البخل ومنع الزکاۃ : . **فحشاء** کا لفظ عموماً بے حیائی کے گناہوں کیلئے استعمال ہوتا ہے، عام طور سے اس سے زنا مراد ہوتا ہے، لیکن اس جگہ اس سے بخل مراد ہے، اور بخل بھی ایک طرح کی بے حیائی ہے۔

العلم النافع المودی الی العمل : ۔حکمت کی تعریف مختلف انداز میں علماء نے کی ہے، مفسر نے ایک ایسی تعریف کی ہے جو اکثر تعریفوں کی جامع ہے، یعنی وہ علم جو نافع ہو، یعنی خود صاحب علم کو بھی اور دوسروں کو بھی، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ، اور یہ وہی علم ہوگا جس کا تعلق قرآن وحدیث سے ہو، عقل وفہم کی درستگی بھی اس کے لئے بنیادی شرط ہے، تفقہ فی الدین بھی ضروری ہے، تعریف کا دوسرا جزیہ ہے کہ وہ عمل کے لئے داعی اور سبب ہو، یعنی اس کے نتیجے میں عمل وجود میں آجائے۔ ظاہر ہے کہ جس علم سے عمل وجود میں آئے، اس میں اللہ کا تقویٰ اور خشیت ضرور شامل ہوگی ، اس لئے جن لوگوں نے حکمت کی تفسیر خشیت سے کی ہے، وہ بھی اس میں داخل ہے۔

اصحاب العقول : ۔عقل سے مراد وہ عقل ہے جو سلیم ہو، اوہام وظنون سے پاک ہو، آیت سے معلوم ہوا کہ صاحب عقل اور حکیم وہی ہے جو، اللہ کی راہ میں انفاق کا جذبہ رکھتا ہو، بخل وامساک سے دور ہو، اور فقر کے

خوف سے صدقات وزکوٰۃ کو نہ روکتا ہو۔

وما للظالمین بمنع الزکوٰۃ الخ :. **ظلم وضع الشی فی غیر محله**: (بے محل استعمال) کو کہتے ہیں ، یہاں ظالم اس کو کہا گیا ہے جو زکوٰۃ کو روکتا ہو۔ اور نذر پوری نہ کرتا ہو، دونوں کام بے محل ہیں، یا معاصی میں مال برباد کرتا ہو، یہ بھی بے محل خرچ ہے۔

ای نعم شئ ابداء ھا :۔**نعم** فعل مدح ہے، **ما** تمیز ہے، شیئاً کے معنی میں، **نعم** کی میم کا **ما** کی میم میں ادغام کر دیا گیا ہے، اور عین پر کسرہ دے دیا گیا تا کہ اجتماع ساکنین نہ ہو، کیونکہ میم کو ادغام کرنے کیلئے ساکن کیا گیا تھا، **نعما ھی** میں **ھی** مخصوص بالمدح ہے، وہ بحذف المضاف ہے، یعنی **ابداء ھا** ۔اب شرح عبارت یوں ہوگی، **نعم شیئاً ابداء ھا** ، ان کا ظاہر کرنا بہتر ہے۔

امــا صــدقة الفرض :۔صدقات کو چھپانے اور انہیں فقراء کو دینے کی افضلیت جو بیان کی گئی ہے، اس کا تعلق صدقہ نافلہ سے ہے، فرض زکوٰۃ کا اعلانیہ ادا کرنا بہتر ہے، اس میں دو مصلحتیں ہیں، ایک یہ کہ دوسروں کو بھی دینے کی ترغیب ہوگی، دوسرے یہ کہ آدمی تہمت سے بچے گا، ورنہ لوگ شبہہ کریں کہ یہ زکوٰۃ نہیں دیتا۔

یــکــفر بالیاء وبالنون :. **یکفر** میں تین قرأتیں ہیں۔ایک قرأت یاء کے ساتھ ہے، اس قرأت میں یہ فعل مرفوع ہے، مجزوم نہیں ہے، اور وہ جو مفسر نے فرمایا کہ **مــجــزومــاً**...... **ومـرفوعـاً** ، اس کا تعلق صرف نون والی قرأت سے ہے، اسی لئے نون والی قرأت کو انھوں باء حرف جر کا اعادہ کر کے بیان کیا ہے، چنانچہ بالیاء وبالنون کہا ہے، تاکہ اشارہ ہو جائے، بالیاء کے بعد مستقلاً ایک دوسری قرأت کا بیان ہے، اس کی تفصیل میں جو کچھ تحریر کیا جائے گا، اس کا تعلق بالیاء کے ساتھ نہ ہوگا۔

دوسری قرأت **نکفر** ، بالنون والجزم ہے، اس صورت میں اس کا عطف **فھو** کے محل پر ہے، کیونکہ وہ جواب شرط ہے، اور جواب شرط کا محل جزم ہے، تیسری قرأۃ **نــکــفــر** بالنون والرفع ہے، اس طرح یہ جملہ مستانفہ ہے۔

بــعـض سیئاتکم :. **مـن تبعیضیه** ہے، اس لئے اس کی تفسیر **بعض** سے کی **سیـئـات سیئة** کی جمع ہے، **فیـعلة** کے وزن پر، اس کا عین کلمہ واو ہے، اس کی اصل **سیوئة** ہے، واو کو یاء سے بدل کر یاء کا یاء میں ادغام کر دیا، یہ سوء سے مشتق ہے۔

عالم بباطنه وکظاھره :خفیہ اور اعلانیہ دونوں طرح کے اعمال کو اللہ تعالیٰ جانتے ہیں۔

ھدایته:۔**من یشاء** کا مفعول محذوف ہے، اور وہ **ھدایته** ہے۔

خبـر بمعنی النھی :. **ومــا تـنـفقون الا ابتغاء وجه الله** :۔یہ لفظا جملہ خبریہ ہے، لیکن امر کے معنی میں

ہے،، مطلب یہ ہے کہ صرف اللہ کی رضا وخوشنودی کی طلب میں مال خرچ کرو، لیکن اس تعبیر کے اختیار کرنے میں اشارہ ہے کہ صحابہ کرام محض خوشنودی الٰہی کے لئے مال خرچ کیا کرتے تھے کوئی اور غرض نہ ہوتی تھی، یہاں بھی صدقہ کو روکنے کا ارادہ مشرکین کے حق میں صرف اس لئے کیا گیا تھا کہ وہ مسلمان ہو کر اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار بندے بن جائیں۔ ظاہر ہے کہ یہ بھی بالواسطہ طلب رضا الٰہی ہی ہے۔

والجملتان تاکید للاولیٰ :۔ پہلا جملہ **وما تنفقوا من خیر فلانفسکم** ہے، اس کی دو تاکیدیں لائی گئی ہیں، پہلی تاکید **وما تنفقو ا من خیریوف الیکم** ہے اور دوسری تاکید **وانتم لا تظلمون** ہے۔

لتعففھم عن السوال :۔ **تعفف عفت** سے باب **تفعیل** ہے، اس کے معنی ہیں، کسی کام کی قدرت کے باوجود اس سے احتراز کرنا۔

یا مخاطباً :۔ **تعرفھم** کا مخاطب کوئی خاص شخص نہیں ہے، بلکہ عام مخاطب مراد ہے، کیونکہ ان فقراء کا حال اتنا ظاہر ہے کہ علامت سے ہر شخص پہچان سکتا ہے۔

ای لا سوال لھم اصلا فلا یقع منھم الالحاف :۔ آیت شریفہ **لا یسالون الناس الحافا** سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات لپٹ کر اور باصرار سوال نہیں کرتے، یہ ہوسکتا ہے کہ نرمی وآہستگی کے ساتھ بغیر اصرار کے سوال کرتے ہیں، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ دوسرے سے سوال کرتے ہی نہیں، اس اشکال کا جواب مفسر نے یہ دیا کہ یہ اشکال اس صورت میں ہوسکتا ہے، جبکہ **الحافاً** کو حال قرار دیا جائے، یعنی۔

لا یسألون الناس ملحفین :۔ لیکن یہ معنی ماسبق کے مضمون کے خلاف ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ پہلے فرما چکے ہیں کہ **یحسبھم الجاھل اغنیاء من التعفف**

یعنی سوال نہ کرنے اور اس سے بچنے کی وجہ سے ناواقف انہیں مالدار سمجھتا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سرے سے سوال ہی نہیں کرتے، تو اب یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ وہ لپٹ کر اصرار سے سوال نہیں کرتے، بلکہ بغیر اصرار کے سوال کرتے ہیں؟ پس یہ بات متعین ہے کہ **الحافاً** کو حال نہ قرار دیا جائے گو کہ اس کی بھی توجیہ و تاویل ہوسکتی ہے۔ بلکہ اسے مفعول مطلق قرار دیا جائے، اور اس کے عامل فعل کو محذوف مانا جائے۔ چنانچہ مفسر نے تفسیری عبارت یوں لکھی ہے۔ **لا یسالون الناس شیئاً فیلحفون الحافاً** اس میں مقید یعنی سوال اور قید یعنی الحاف دونوں کی نفی ہوتی ہے، یعنی سرے سے سوال ہی نہیں کرتے، اس لئے الحاف کا تو کوئی سوال ہی نہیں۔

﴿مضامین آیات وتفسیر﴾

اے ایمان والو! زکوٰۃ ادا کرنے کیلئے عمدہ مال کا انتخاب کرو، خواہ وہ تمہاری کمائی کا ہو یا زمین کی پیداوار ہو، ایسا نہ ہو کہ اللہ کی راہ میں گھٹیا مال؛ چھانٹ کر دو، ایسا گھٹیا مال جو اگر تمہیں دیا جائے تو لینا گوارا نہ کرو، ہاں کسی

خاص مصلحت سے چشم پوشی کروتو ہوسکتا ہے کہ اسے قبول کرلو، تو تم اللہ کی راہ میں دینے کے لئے ایسے گھٹیا مال کا انتخاب نہ کرو، اور یہ خوب سمجھ لو اللہ تعالیٰ تمہارے صدقات کے محتاج نہیں ہیں، وہ ہر حال میں لائق حمد وثناء ہیں۔

شیطان تمہیں ڈراتا ہے کہ صدقہ دو گے تو غربت کا حملہ ہوگا، اور یہ ڈرا کر بخل پر آمادہ کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ وعدہ کرتے ہیں کہ تم صدقہ دو گے تو تمہاری مغفرت ہوگی، اور اس کا نعم البدل یعنی فضل خداوندی میسر ہوگا، اور اللہ کا فضل بہت وسیع ہے، وہ صاحب انفاق کو جانتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ جسے چاہتے ہیں حکمت عطا فرماتے ہیں اور جسے حکمت عطا کر دی گئی اسے بہت سارا خیر دیا گیا، کیونکہ یہ حکمت ہر خیر کی طرف رہنما ہوتی ہے، اور اہل عقل ہی وہ ہیں جو نصیحت کا اثر قبول کرتے ہیں۔

اور جو بھی تم صدقہ یا زکوٰۃ ادا کرتے ہو، یا نذر مان کر اسے پورا کرتے ہو، اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتے ہیں، اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے۔

اگر تم صدقات نافلہ کو ظاہر کر کے دو تو یہ اظہار بھی بہتر ہے، لیکن اگر تم اسے خفیہ طور پر دو اور فقراء کو دو تو یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے، زکوٰۃ فرض البتہ ظاہر کر کے دینا بعض وجہوں سے زیادہ بہتر ہے، اس سے تمہارے بہت سے گناہ مٹ جائیں گے، اور اللہ تعالیٰ پوشیدہ اور علانیہ سب کو جانتے ہیں۔

بعض حضرات نے سوچا تھا، اور مفسر نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمادیا تھا کہ مشرکین کو صدقہ نہ دیا جائے شاید اسی کی حرص میں اسلام قبول کرلیں، اللہ تعالیٰ نے اس سوچ کی نفی کر دی، فرمایا کہ کسی کو ہدایت دینا تمہاری ذمہ داری نہیں ہے، اللہ تعالیٰ جسے چاہتے ہیں، ہدایت سے نوازیں گے، تم تو جو کچھ خرچ کرو گے، وہ دوسروں کے فائدے کیلئے نہیں خود تمہارے فائدہ کے لئے ہے، تم تو صرف رضاء الٰہی کے لئے مال خرچ کرتے ہو، اور جو کچھ تم خرچ کرتے ہو اس کا عوض تم کو پورا پورا ملے گا اور تم پر کسی طرح کا ظلم نہ ہوگا۔

یہ صدقات وزکوٰۃ ان فقراء مہاجرین کے لے ہے، جو اللہ کی راہ میں یعنی جہاد وغیرہ کیلئے تیار رکھے گئے ہیں، وہ اس مقصد کی وجہ سے نہ تو تلاش معاش میں نکل سکتے، نہ کہیں سفر کر سکتے ہیں، وہ لوگ بالکل تنگدست ہیں، مگر جو لوگ ان کے حال سے ناواقف ہیں، وہ انہیں مالدار سمجھتے ہیں، کیونکہ وہ کسی کے سامنے دست سوال نہیں دراز کرتے، ان کے چہرے اور حال کی علامتوں سے انہیں پہچانا جا سکتا ہے، وہ لوگوں سے سوال نہیں کرتے، نہ اصرار کرتے، اور جو کچھ تم اللہ کیلئے خرچ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اسے جانتے ہیں، اس کا ثواب عطا فرمائیں گے۔

☆☆☆☆☆

﴿اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِاللَّیْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا﴾ ای یاخذونه وهو الزیادة فی المعاملة

بـالـنقود و المطعومات فی القدر او الاجل ﴿لَایَقُوْمُوْنَ﴾ من قبورهم ﴿اِلَّا﴾ قیاما ﴿کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ﴾ یصرعه ﴿الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ﴾ الجنون بهم متعلق بیقومون ﴿ذٰلِکَ﴾ الذی نـزل بهـم ﴿بِـاَنَّهُـمْ﴾ بسبب انهم ﴿قَالُوْا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا﴾ فی الجواز وهذا من عکس التشبیـه مبـالـغة فـقـال تـعـا لیٰ ردا علیهم ﴿وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا فَمَنْ جَآءَهٗ﴾ بلغه ﴿مَـوْعِـظَةٌ﴾ وعـظ ﴿مِّن رَّبِّهٖ فَانْتَهیٰ﴾ عن اکله ﴿فَلَهٗ مَا سَلَفَ﴾ قبل النهی ای لا یسترد منه ﴿وَاَمْـرُهٗ﴾ فـی الـعـفـو عـنـه ﴿اِلَـی الـلّٰـهِ وَ مَـنْ عَـادَ﴾ الـیٰ اکـله مشبها له بالبیع فی الحل ﴿فَـاُولٰـٓئِکَ اَصْـحٰـبُ الـنَّارِ هُمْ فِیْهَا خَالِدُوْنَ یَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا﴾ ینقصه و یذهب برکته ﴿وَ یُرْبِـی الـصَّـدَقَـاتِ﴾ یـزیـدها وینمیها ویضاعف ثوابها ﴿وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ کُلَّ کَفَّارٍ﴾ بتحلیل الـربٰـوا ﴿اَثِیْـمٍ﴾ فـاجـرباکله ای یعاقبه ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَ عَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوْا الصَّلٰوةَ وَآتَـوُا الـزَّکٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ٥ یٰا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا﴾ اترکوا ﴿مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ کُنْتُمْ مُؤْمِنِیْنَ﴾ صادقین فی ایمانکم فان من شـان الـمـؤمـن امتثـال امـر الله نزلت لما طالب بعض الصحابة بعد النهی بربوا کان له قبل ﴿فَـاِنْ لَّـمْ تَفْعَلُوْا﴾ ما امرتم به ﴿فَاْذَنُوْا﴾ اعلموا ﴿بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ لکم فیه تهدید شـدیـد لهـم ولـمـا نـزلـت قـالوا لا یدی لنا بحربه ﴿وَاِنْ تُبْتُمْ﴾ رجعتم عنه ﴿فَلَکُمْ رُؤُسُ﴾ اصـول ﴿اَمْوَالِکُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ﴾ بزیادة ﴿وَلَا تُظْلَمُوْنَ﴾ بنقص ﴿وَاِنْ کَانَ﴾ وقع غریم ﴿ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ﴾ لـــه ای علیکم تاخیره ﴿اِلٰی مَیْسَرَةٍ﴾ بفتح السین و ضمها ای وقت یسره ﴿وَاَنْ تَصَدَّقُوْا﴾ بالتشدید علی ادغام التاء فی الاصل فی الصاد وبالتخفیف علی حذفها ای تتـصـدقـوا علی المعسر بالابراء ﴿خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ انه خیر فافعلوه فی الحدیث مـن انـظـر مـعسرا او وضع عنه اظله الله فی ظله یوم لا ظل الا ظله رواه مسلم ﴿وَاتَّقُوْا یَوْماً تُـرْجَـعُـوْنَ﴾ بـالبـنـاء للمفعول تردون و للفاعل تصیرون ﴿فِیْهِ اِلَی اللّٰهِ﴾ هو یوم القیٰمة ﴿ثُمَّ تُـوَفّٰـی﴾ فیـه ﴿کُـلُّ نَـفْسٍ﴾ جزاء ﴿مَّاکَسَبَتْ﴾ عملت من خیر و شر ﴿وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ﴾ بنقص حسنة او زیادة سیئة۔

﴿ تـــرجمـــه ﴾

(وہ لوگ جو اپنے مالوں کو رات اوردن، پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں، ان کیلئے ان کے رب کے پاس ان کا اجر ہے، اور ان پر نہ خوف ہوگا، اور نہ وہ غمگین ہوں گے، جو لوگ سود کھاتے ہیں) یعنی سود لیتے ہیں اور

وہ نقود اور مطعومات کے معاملہ میں مقدار یا مدت کا اضافہ ہے (وہ) اپنی قبروں سے (ایسے ہی اٹھیں گے، جس طرح وہ آدمی اٹھتا ہے، جس کو شیطان نے جنون میں مبتلا کر دیا ہو) من المس، یقومون سے متعلق ہے (یہ حالت) جوان پر پڑی ہے (اس وجہ سے ہے کہ انھوں نے کہا کہ بیع تو ربوا ہی کے مثل ہے) یعنی جائز ہونے میں دونوں یکساں ہیں یہ تشبیہ معکوس ہے اس سے مبالغہ مقصود ہے اللہ تعالیٰ نے ان پر رد کرتے ہوئے فرمایا (اور اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور ربوا کو حرام قرار دیا ہے، تو جس کے پاس نصیحت پہونچی اس کے رب کی جانب سے، پس وہ) اس کے کھانے سے (باز رہا، تو اس کے لئے وہ ہے جو) نہی سے پہلے (گزر چکا) یعنی اسے واپس نہیں کرنا ہوگا، اور معافی اور درگزر میں (اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے، اور جو) اس کے کھانے کی طرف دوبارہ یہ سوچ کر (لوٹے) کہ یہ حلت میں بیع کے مشابہ ہے (تو یہی لوگ آگ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتے ہیں) یعنی اسے گھٹاتے ہیں، اور اس کی برکت سلب کر لیتے ہیں (اور صدقات کو زیادہ کرتے ہیں) یعنی اسے بڑھاتے ہیں، اس کی پرورش کرتے ہیں، اور اس کے ثواب کو کئی گنا بڑھاتے ہیں (اور اللہ تعالیٰ کسی) ایسے شخص سے جو سود کو حلال قرار دیکر (کافر) ہو اس (سے) اور جو اسے کھا کر (فاسق) ہو۔ اس (سے محبت نہیں رکھتے) یعنی اسے عذاب میں مبتلا کر دیں گے (بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے عمل صالح کئے اور نماز قائم کی اور زکوۃ دی ان کے لئے ان کے رب کے پاس ان کا اجر ہے، اور ان پر نہ خوف ہوگا۔ اور نہ وہ غمگین ہوں گے، اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا ہے، اسے ترک کر دو، اگر تم صاحب ایمان ہو) یعنی اپنے ایمان میں سچے ہو، کیونکہ مومن کی شان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے امر کا امتثال کرے۔

بعض صحابہ نے اس نہی کے بعد اپنے اس سود کا مطالبہ کیا جو نہی سے پہلے طے ہو چکا تھا، تب یہ آیت نازل ہوئی کہ (پس اگر تم نے ایسا نہیں کیا) جس کا تم کو حکم دیا گیا ہے (تو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کا یقین کرلو) اس میں ان کے لئے تہدید شدید ہے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ان حضرات نے فرمایا کہ ہمیں اللہ اور اس کے رسول سے لڑنے کی طاقت نہیں ہے (اور اگر تم نے) اس سے (رجوع کرلیا، تو تمہارے لئے، تمہارا اصل مال ہے، نہ) زیادہ کر کے (تم ظلم کرو، اور نہ) کمی کر کے (تم پر ظلم کیا جائے، اور اگر کوئی) مقروض (تنگ دست ہو تو) اس کے لئے (مہلت ہے) یعنی تمہاری ذمہ داری ہے کہ اسے مہلت دو (فراخی ہونے تک) میسرہ سین کے فتحہ اور ضمہ کے ساتھ ہے، یعنی خوش حالی ہونے کے وقت تک مہلت دو (اور یہ بات کہ تم صدقہ کر دو) **تصدقوا** صاد اور دال کی تشدید کے ساتھ ہے، اصل میں **تتصدقوا** ہے، تاء کا صاد میں ادغام ہو گیا ہے، اور ایک قرأت میں صاد بغیر تشدید کے ہے، اس صورت میں تاء محذوف ہے، یعنی یہ کہ تنگدست مقروض کو معافی دیکر قرض اس پر صدقہ کر دو (یہ تمہارے لئے بہتر ہے، اگر تم جانتے ہو) کہ یہ تمہارے لئے بہتر ہے، تو ایسا کرو، حدیث میں

ہے کہ جس نے کسی تنگدست کو مہلت دی یا اس سے قرض کا بوجھ اتار دیا تو اللہ اسے اپنے سایہ میں جگہ دیں گے، جس دن کہ ان کے سایہ کے علاوہ کوئی اور سایہ نہ ہوگا (مسلم) (اور اس دن سے ڈرو، جس میں تم کو اللہ کی جانب واپس کیا جائے گا) ترجعون میں دو قرأت ہے، فعل مجہول بھی اور فعل معروف بھی، وہ دن قیامت کا دن ہے (پھر) اس دن میں (ہر شخص کو اس) کام (کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، جو اس نے) خیر و شر کا (عمل کیا ہے، اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا) نہ نیکی کو گھٹا کر اور نہ برائی کو بڑھا کر۔

﴿تشریحات﴾

یاخذونه :. یاکلون سے صرف یہی مراد نہیں ہے کہ وہ اسے کھاتے ہیں بلکہ مطلقاً لینا مراد ہے۔

فی المعاملة بالنقود والمطعومات: ۔نقود سے مراد اصلاً تو سونا اور چاندی ہے، اور اسی کے حکم میں وہ چیزیں بھی ہیں، جن کو لوگوں نے بالاتفاق، یا حکومت نے ثمن بنا دیا ہو، اور مطعومات (کھانے کی چیزوں) کا سود کے ساتھ مخصوص ہونا، امام شافعی علیہ الرحمہ کا مسلک ہے، ان کے نزدیک انہیں دونوں چیزوں کے اندر کمی وبیشی کا معاملہ کرنے سے سود ہوتا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہر وہ چیز جو مقداری، یعنی کیل میں ناپی جانے والی یا وزن سے تولی جانے والی ہو، اگر ہم جنس کے عوض میں کمی یا زیادتی کے ساتھ اس کا معاملہ کیا جائے تو سود ہوگا۔ تفصیلات کتب فقہ میں موجود ہیں۔

فی القدر والاجل : ۔یہ مفسر کے قول **فی المعامله** سے بدل ہے، پہلا ربوا الفضل ہے اور یہ محض اتحاد جنس کی صورت میں ہوگا یعنی سونے کے بدلے میں سونا، اگر مقدار گھٹا بڑھا کر معاملہ کیا جائے، تو سود ہے، اور دوسرا ربوالنساء ہے، یہ متحد الجنس اور مختلف الجنس دونوں میں ہوتا ہے، مثلاً سونے کی بیع سونے یا چاندی کے ساتھ اس طور پر کہ ادھار کر دیا جائے تو یہ بھی ربوا کی ایک شکل ہے، اسے ربوالنساء یا ربو النسیئه کہتے ہیں۔

یصرعه: ۔جیسے شیطان اپنی گرفت میں لے کر کبھی آدمی کو دیوانہ بنا دیتا ہے، اسی طرح سود خوار دیوانوں کے مانند اٹھے گا۔

من المس : ۔یہ ظرف **لا یقومون** سے متعلق ہے، اور یہ تعلیل کیلئے ہے، مس کے معنی جنون ہیں معنی یہ ہوا کہ **لا یقومون من اجل الجنون الا کقیام الذی یتخبطه الشیطان۔**

من عکس التشبیه مبالغه : ۔یہ تشبیہ معکوس ہے، ہونا یہ چاہیئے کہ سود کو بیع کے ساتھ تشبیہ دے، لیکن یہاں اس کے برعکس بیع کو سود کے مشابہ قرار دیا، یہ انھوں نے بطور مبالغہ کے کہا ہے۔ گویا وہ یہ دعوی کرتے ہیں کہ اصل حلت تو سود کی ہے، اس میں حرمت کا کوئی سوال نہیں ہے، پھر کہا کہ بیع بھی اسی سود ہی کی طرح حلال ہے، یہ تشبیہ، تشبیہ کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے۔

مشبها لـه بالبیع فی الحل :۔ یہاں بظاہر ایک اشکال ہوتا ہے، مفسر نے **مشبها** کہہ کر اسی اعتراض کو دفع کیا ہے۔

اشکال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے **ومن عاد** فرمایا ہے کہ نہی کے بعد بھی جو شخص سود لے گا، وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا، حالانکہ سود لینا ایک گناہ کبیرہ ضرور ہے، لیکن اس کا لینا دینا گناہ کبیرہ ہی ہے، کفر نہیں ہے، پھر اس پر **خلود فی النار** کی وعید کیوں آئی۔ جواب یہ ہے کہ یہاں مطلقاً سود لینا مراد نہیں، بلکہ سود کو بیع کے مثل حلال سمجھ کر لینا مراد ہے، ظاہر ہے کہ جو چیز نص قطعی کے ذریعے حرام ہو، اگر اسے حلال قرار دیا جائے تو یہ صراحۃً کفر ہے، اور اس پر **خلود فی النار** کی وعید ہے۔

﴿مضامین آیات وتفسیر﴾

جن لوگوں کا مزاج ایسا ہے کہ رات میں بھی اور دن میں بھی خفیہ بھی اور اعلانیہ بھی اللہ کے لئے مال خرچ کرتے رہتے ہیں، ان کے ساتھ حق تعالیٰ کی طرف سے یہ انعام ہے کہ ان کو آخرت میں پورا پورا ثواب ملے گا، اس کی برکت سے، نہ انہیں کسی طرح کا خوف ہوگا۔ نہ رنج ہوگا، اللہ کی راہ میں خرچ کرنے اور صدقہ دینے کے ٹھیک برعکس سود لینا ہے، صدقہ دینے میں ایثار ہے، اور سود لینے میں خالص خودغرضی، اور دوسروں کی تکلیف و زحمت سے آنکھ بند کر کے محض نفع اندوزی ہے، اس کا اثر یہ ہوگا کہ قبروں سے پاگلوں کی طرف کھڑے ہوں گے، انہیں کچھ سمجھ میں نہ آئے گا کہ کیا کریں اور کدھر جائیں۔ ایسا اس لئے ہوگا کہ انھوں نے بیع کو سود ہی کے مثل سمجھا اور اسے حلال کر دیا۔ حالانکہ بیع کو اللہ نے حلال کیا ہے، اور سود کو حرام کیا ہے، بیع میں کسی کسی اعتبار سے جانبین میں سے ہر ایک کو فائدہ ہوتا ہے، اور سود میں صرف ایک فریق کو فائدہ ہوتا ہے۔ تو جس کے پاس اللہ کی جانب سے نصیحت آگئی، اور وہ سودی معاملے سے باز آگیا، تو پچھلا لیا دیا سود اس کے حق میں ہے، اور معاف ہونے میں اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، اور جو کوئی دوبارہ سود کی طرف پلٹے اور اسے حلال سمجھے گا، اس کا ٹھکانا جہنم ہے، اس میں ہمیشہ رہے گا کیونکہ سود کو حلال عقیدہ رکھنے کی وجہ سے وہ کافر ہے۔

اللہ تعالیٰ سود کو گھٹاتے اور مٹاتے ہیں، اس میں ذرا بھی برکت نہیں ہوتی، اس کے برخلاف صدقہ میں خوب برکت دیتے ہیں، اس سے مال میں اضافہ فرماتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کسی کافر گناہگار سے محبت نہیں رکھتے، البتہ جو لوگ ایمان لائے، اور عمل صالح میں لگے رہے، نمازوں کا انھوں نے اہتمام کیا، زکوٰۃ بھی دیتے رہے، ان کے لئے ان کے رب کے پاس اجر ہے، اور وہ نہ خوف زدہ ہوں گے۔ اور نہ انہیں رنج وغم ہوگا۔

اے ایمان والو! اگر تم سچا ایمان رکھتے ہو، تو پچھلا سب سود جو ابھی باقی ہے، چھوڑ دو، اور اگر تم ایسا نہ کرو گے، تو اللہ اور اسکے رسول کی طرف سے اعلان جنگ ہے، اور اگر تم توبہ کر لیتے ہو، تو تمہارا اصل مال تمہیں مل

جائے گا، نہ تم پر ظلم کیا جائے اور نہ تم کسی پر ظلم کرو۔

اور اگر کوئی مقروض تنگدست ہے تو کشادہ دستی ہونے تک اسے مہلت دو، اور اگر ایسے کسی شخص کا قرض بالکل یا کچھ معاف کر کے صدقہ کر دو تو اور بہتر ہے، اگر اسے بہتر سمجھتے ہو، تو ایسا کرو، اور اس دن سے ڈرو، جس دن تم سب خدا کے دربار میں حاضر ہوگے، پھر ہر ایک کو اس کے کئے کا پورا بدلہ ملے گا، نہ نیکیوں میں کچھ گھٹایا جائے گا اور نہ برائیوں میں کوئی اضافہ کیا جائیگا۔

☆☆☆☆☆

﴿يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اِذَا تَدَايَنْتُمْ﴾ تعاملتم ﴿ بِدَيْنٍ﴾ كسلم و قرض ﴿اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ معلوم ﴿فَاكْتُبُوْهُ﴾ استيثاقا و دفعا للنزاع ﴿وَلْيَكْتُبْ ﴾ كتاب الدين﴿ بَيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ﴾ بالحق فى كتابته لا يزيد فى المال والاجل ولا ينقص ﴿وَلَا يَأْبَ﴾ يمتنع ﴿كَاتِبٌ﴾ من ﴿اَنْ يَّكْتُبَ﴾ اذا دعى اليها ﴿كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ﴾ اى فضله بالكتابة فلا يبخل بها والكاف متعلقة بياب ﴿فَلْيَكْتُبْ﴾ تاكيد ﴿وَلْيُمْلِلِ﴾ على الكاتب ﴿الَّذِىْ عَلَيْهِ الْحَقُّ﴾ الدين لانه المشهود عليه فيقر ليعلم ما عليه ﴿وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ﴾ فى املائه ﴿وَلَا يَبْخَسْ﴾ ينقص ﴿مِنْهُ﴾ اى الحق﴿ شَيْئاً فَاِنْ كَانَ الَّذِىْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهاً﴾ مبذرا ﴿اَوْ ضَعِيْفاً﴾ عن الاملاء لصغر او كبر﴿ اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ﴾ لخرس او جهل باللغة او نحو ذلك ﴿فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ﴾ متولى امره من والد ووصى و قيم و مترجم﴿ بِالْعَدْلِ وَاسْتَشْهِدُوْا﴾ اشهدوا على الدين ﴿شَهِيْدَيْنِ﴾ شاهدين ﴿مِنْ رِّجَالِكُمْ﴾ اى بالغى المسلمين الاحرار ﴿فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا﴾ اى الشاهدان ﴿رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَأَتٰنِ﴾ يشهدون ﴿مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ﴾ لدينه و عدالته و تعدد النساء لاجل﴿ اَنْ تَضِلَّ﴾ تنسى ﴿اِحْدٰهُمَا﴾ الشهادة لنقص عقلهن و ضبطهن ﴿فَتُذَكِّرَ﴾ بالتخفيف والتشديد ﴿اِحْدَاهُمَا﴾ الذاكرة ﴿الْاُخْرٰى﴾ الناسية و جملة الاذكار محل العلة اى لتذكر ان ضلت و دخلت على الضلال لانه سببه و فى قراءة بكسر ان شرطية و رفع تذكر استيناف جوابه ﴿وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ اِذَا﴾ ما زائدة ﴿دُعُوْا﴾ الى تحمل الشهادة وادائها﴿ وَلَا تَسْئَمُوْا﴾ تملوا من ﴿اَنْ تَكْتُبُوْهُ﴾ اى ما شهدتم عليه من الحق لكثرة وقوع ذلك ﴿صَغِيْراً﴾ كان ﴿اَوْ كَبِيْراً ﴾ قليلا او كثيراً ﴿اِلٰى اَجَلِهٖ﴾ وقت حلوله حال من الهاء فى تكتبوه ﴿ذٰلِكُمْ﴾ اى الكتب ﴿اَقْسَطُ﴾ اعدل ﴿عِنْدَاللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ﴾ اى اعون على اقامتها لانه يذكرها ﴿وَ اَدْنٰى﴾ اقرب الى ﴿اَنْ لَّا

تَـرُتَابُوۡا﴾ تشكوا فى قدر الحق والاجل ﴿اِلَّا اَنۡ تَكُوۡنَ﴾ تقع ﴿تِجَارَةٌ حَاضِرَةٌ﴾ و فى قراء ة بـالـنـصـب فتكون ناقصة واسمها ضمير التجارة﴿ تُدِيۡرُوۡنَهَا بَيۡنَكُمۡ ﴾اى تقبضونها ولا اجل فيهـا﴿ فَلَيۡسَ عَـلَيۡـكُـمۡ جُنَاحٌ﴾ فى ﴿اَلَّا تَكۡتُبُوۡهَا﴾ والمراد بها المتجر فيه﴿ وَاشۡهِدُوۡا اِذَا تَبَـايَـعۡتُـمۡ﴾ عليه فانه ادفع للاختلاف وهذا وما قبله امر ندب﴿ وَلَا يُضَارَّ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيۡدٌ﴾ صـاحـب الـحـق ومـن عليه بتحريف او امتناع من الشهادة اوالكتابة او لا يضرهما صاحب الـحق بتكليفهما ما لا يليق فى الكتابة والشهادة ﴿وَاِنۡ تَفۡعَلُوۡا﴾ ما نهيتم عنه ﴿فَاِنَّهٗ فُسُوۡقٌ﴾ خـروج عـن الـطـاعة لا حـق ﴿بِـكُـمۡ وَاتَّقُوۡا اللّٰهَ﴾ فى امره و نهيه ﴿وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ﴾ مصالح اموركم حال مقدرة او مستانف ﴿وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيۡءٍ عَلِيۡمٌ وَاِنۡ كُنۡتُمۡ عَلٰى سَفَرٍ﴾ اى مسافرين و تـداينتم ﴿وَلَمۡ تَجِدُوۡا كَاتِباً فَرِهٰنٌ﴾ و فى قـراء ة فَرُهُن ﴿مَقۡبُوۡضَةٌ﴾ تستوثقون بها و بينت السنة جـوازالـرهـن فى الحضر ووجود الكاتب فالتقييد بما ذكر لان التوثق فيه اشد وافاد قـولـه مـقـبـوضـة اشـتـراط الـقـبـض فـى الـرهـن والاكتفاء به من المرتهن ووكيله ﴿فَاِنۡ اَمِنَ بَـعۡـضُـكُـمۡ بَعۡضاً﴾ اى الدائن المدين على حقه فلم يرتهن ﴿فَلۡيُوَدِّ الَّذِیۡ اؤۡتُمِنَ﴾ اى المدين ﴿اَمَانَتَهٗ﴾ دينه ﴿وَلۡيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ﴾ فى ادائه ﴿وَلَا تَكۡتُمُوۡا الشَّهَادَةَ﴾ اذا دعيتم لاقامتها ﴿وَمَن يَّكۡتُمۡهَا فَاِنَّهٗ آثِمٌ قَلۡبُهٗ﴾ خص بالذكر لانه محل الشهادة ولانه اذا اثم تبعه غيره فيعاقب معاقبة الآثمين ﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ عَلِيۡمٌ﴾ لا يخفىٰ عليه شئى منه

﴿ تـــرجمـــه ﴾

(اے ایمان والو! جب تم کسی مدت مقررہ تک دین کا معاملہ کرو) مثلاً بیع سلم اور قرض (تو اسے) وثوق کے لئے اور دفع نزاع کیلئے (لکھ لو) اور دین کی تحریر (چاہئے کہ تمہارے درمیان کوئی کاتب عدل کے ساتھ لکھ دے) یعنی لکھنے میں سچائی سے کام لے، نہ مال اور مدت میں زیادتی لکھے اور نہ کمی (اور کاتب) کو جب لکھنے کیلئے بلایا جائے تو (لکھنے سے انکار نہ کرے، جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے اسے سکھایا ہے) یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے لکھنے کی تعلیم سے اس کی فضیلت بخشتی ہے، تو اس میں بخل نہ کرے، اور کـمـا عـلـمـه الـلـه میں کاف حرف جر یــاب سے متعلق ہے (بس چاہئے کہ لکھدے) یہ تاکید ہے (اور چاہئے کہ) کاتب کو (وہ شخص املاء کرائے، جس کے اوپر حق ہے) یعنی دین ہے، کیونکہ وہ مشہود علیہ ہے۔ پس وہی اقرار کرے، تاکہ اسے معلوم رہے کہ اس کے ذمے کیا ہے (اور چاہئے کہ) املاء کرانے میں (اپنے رب سے ڈرے، اور اس میں) یعنی حق میں (کوئی کمی نہ کرے پس اگر وہ شخص جس کے اوپر حق ہے سفیہ) مبذر ہے (یا) بچہ ہونے یا بہت بوڑھا ہونے کیوجہ سے، املاء

کرانے سے (ضعیف ہو یا) گونگے ہونے یا زبان کے نہ جاننے وغیرہ کی وجہ سے (املاء کرانے کی قدرت نہیں رکھتا، تو اس کا ولی) یعنی اس کے معاملات کا ذمہ دار والد ہو، یا وصی ہو قیم ہو یا مترجم ہو (عدل کے ساتھ املا کرادے اور) دین کے اوپر (دو گواہ بنالو، اپنے مردوں میں سے) یعنی بالغ آزاد مسلمانوں میں سے (پس اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں) گواہ ہوں گی (جن گواہوں سے تم) ان کے تدین اور عادل ہونے کی وجہ سے (راضی ہو) اور عورتوں کا متعدد ہونا اس واسطے ہے (کہ ان میں سے ایک) اپنی عقل اور ضبط کی کمی کی وجہ سے گواہی میں کچھ (بھولے، تو دوسری یاد دلادے) **فتذکر** : میں دو قرأت ہے تخفیف کیساتھ یعنی **افعال** سے اور تشدید کے ساتھ یعنی باب **تفعیل** سے، اور اذکار والا یہ جملہ، یہی محل علت ہے، یعنی اس لئے کہ اگر ایک بھٹک جائے تو دوسری اسے یاد دلادے، لیکن علت والا کلمہ ضلال پر داخل کر دیا گیا ہے، کیونکہ یاد دلانے کا سبب وہی ہے، اور ایک قرأت میں ان شرطیہ کے ساتھ ہے، اور **فتذکر** کے رفع کے ساتھ اس صورت میں یہ جملہ مستانفہ ہوگا (اور) گواہوں کو (جب) تحمل شہادت یا اداء شہادت کے لئے (بلایا جائے تو گواہ انکار نہ کریں، اور تم اس کے لکھنے سے اکتاہٹ محسوس نہ کرو) یعنی جس حق کو تم نے جانا ہے، اس کے کثرت وقوع کی وجہ سے لکھنے سے گھبراؤ مت (خواہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو) یعنی کم ہو یا زیادہ (اس کی مدت تک) یعنی مدت کا وقت پورا ہونے تک) یہ **تکتبوه** کی ضمیر سے حال ہے (یہ) لکھ لینا (اللہ کے نزدیک زیادہ انصاف کی اور شہادت کو زیادہ قائم رکھنے والی چیز ہے) کیونکہ یہ چیز معاملہ کو یاد دلائے گی (اور اس بات کے قریب تر ہے کہ تم) حق کی مقدار میں اور مدت کے بارے میں (شک کے اندر نہ پڑو، مگر یہ کہ نقد تجارت ہو) ایک قرأت میں **تجارة** کے نصب کے ساتھ ہے، اس صورت میں **تکون** فعل ناقص ہے۔ اور رفع کی قرأت میں **تکون** فعل تام ہے، اسی لئے مفسر نے اس کی تفسیر میں **تقع** ذکر کیا ہے، اور نصب کی صورت میں اس کا اسم وہ ضمیر ہے، جو تجارت کی جانب راجع ہے (جسے تم آپس میں دائر کرو) یعنی اس پر قبضہ ہو جائے، تو کوئی مدت اس کے لئے نہ ہو (تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ اسے نہ لکھو) یعنی تجارت کو اور اس سے مراد وہ چیز ہے، جس میں تجارت کی گئی ہے (اور جب تم باہم بیع وشراء کا معاملہ کرو تو) اس پر (گواہ بنالیا کرو) کیونکہ اس سے اختلاف دور ہوگا، اور یہ اور اس سے ماقبل کا امر استحباب کے لئے ہے (اور تکلیف نہ پہونچائے کاتب اور نہ گواہ) صاحب حق کو اور اس شخص کو جس کے اوپر حق ہے، تحریف کر کے یا شہادت اور کتابت سے انکار کر کے، یا یہ کہ ان دونوں کو صاحب حق تکلیف نہ پہونچائے، کتابت اور گواہی میں ایسی چیز کا انہیں مکلّف بنا کر، جو مناسب نہیں ہے (اور اگر تم نے) وہ کام (کیا) جس سے تم کو منع کیا گیا ہے (تو یہ فسق ہے) یعنی خروج عن الطاعة ہے جو تم کو لاحق ہے (اور اللہ سے ڈرو) اس کے امر و نہی میں (اور اللہ تعالیٰ تمہیں) تمہارے امور کی مصلحتیں (سکھاتے ہیں) یہ حال مقدرہ ہے یا جملہ مستانفہ ہے (اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو

جاننے والے ہیں، اور اگر تم سفر پر ہو) اور دین کا معاملہ کرو (اور کوئی کاتب نہ پاؤ تو ایسا رہن ہو، جس پر قبضہ ہو چکا ہو) جس سے تم کو اطمینان حاصل رہے، مفسر کی قرأۃ میں ''رُھن'' ہے، اور ایک قرأت میں رِھان ہے، یہ دونوں لفظ رِھن کی جمع ہے۔ اور سنت سے ثابت ہے کہ حضر میں بھی اور کاتب کے ہوتے ہوئے بھی رھن رکھنا جائز ہے، پس مذکورہ دونوں باتوں کی قید لگانا، اس لئے ہے کہ توثیق کی ضرورت ان دونوں صورتوں میں زیادہ ہے، اور مقبوضۃ کے لفظ کا فائدہ یہ ہے کہ رھن میں قبضہ شرط ہے خواہ مرتہن قبضہ کرے یا اس کا وکیل قبضہ کرے، دونوں کافی ہے۔ (پس اگر تم میں کا بعض، بعض سے مطمئن ہو) یعنی دائن اپنے حق کے سلسلے میں مدیون سے مطمئن ہو، اور رھن نہ لے (تو چاہئے کہ جسے امین بنایا گیا ہے) یعنی مدیون (وہ اپنی امانت) یعنی دین کو (ادا کر دے اور چاہئے کہ) اس کے ادا کرنے میں (اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے، اور) جب تم کو اقامت شہادت کے لئے بلایا جائے تو (گواہی کو مت چھپاؤ اور جو اسے چھپائے گا، تو اس کا دل گناہگار ہوگا) دل کو خاص طور سے ذکر کیا، کیونکہ وہی محل شہادت ہے، اور اس لئے کہ جب وہ گنہگار ہوگا، تو دوسرے اعضاء اس کے تابع ہیں، پس اس کو گنہگاروں والی سزا ہوگی، (اور جو کچھ تمہارا عمل ہے، اللہ تعالیٰ اس سے واقف ہیں) ان پر کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔

تشریحات

کسلم :۔ بیع سلم یہ ہے کہ قیمت نقد ہو اور مبیع ادھار ہو، یہ بیع کچھ شرطوں کے ساتھ جائز ہے، تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے۔

استیثاقاً۔ وثوق سے باب استفعال ہے، یعنی وثوق واطمینان حاصل کرنا

مبذراً :۔ مبذر وہ ہے جسے مال صرف کرنے کے مواقع کی تمیز نہ ہو، بے محل خرچ کرتا ہو۔

والد ووصی :۔ جو لوگ اقرار نامہ خود نہیں لکھوا سکتے، ان میں تین کمزوریاں بتائی گئی ہیں، اس طرح ان کمزوروں کی تین قسمیں ہوگئیں، ایک وہ جو سفیہ ہو، دوسرے وہ جو ضعیف ہو، تیسرے وہ جسے قدرت نہ ہو، پھر ضعیف کی دو صورتیں ہیں، بچہ ہو یا بہت بوڑھا ہو اور جو قدرت نہ رکھتا ہو اس کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ وہ گونگا ہو، دوسرے یہ کہ، جس زبان میں اقرار نامہ لکھوانا ہے، وہ اس زبان کو نہ جانتا ہو، اب اولیاء کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(۱) والد اور وصی:۔ بچے کا ولی ہے

(۲) قیم:۔ بوڑھے اور گونگے اور سفیہ کا ولی ہے

(۳) مترجم:۔ زبان کے نہ جاننے والے کا ولی ہے۔

اشھدوا علی الدین :. استشھدوا باب استفعال سے ہے، لیکن معنی میں باب افعال کے ہے۔

(فان لم یکونا) ای الشاھدان :۔ اگر دو مرد گواہ موجود نہ ہوں، اس کی دو صورت ہے، اول یہ کہ گواہی

کے لئے دو مرد ہوں ہی نہ، دوسرے یہ کہ ہیں تو ضرور، مگر کسی مصلحت کی وجہ سے دو مردوں کو گواہ بنانے کا ارادہ نہ ہو، تو ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی معتبر ہوگی۔

لدینه و عدالته : ۔تدین اور عدالت، اداءِ شہادت کیلئے شرط ہے۔

تعدد النساء لاجل ان تضل :. ان تضل ایک مصدر محذوف کا مفعول لہ ہے، قرینۂ مقام سے وہ مصدر محذوف ظاہر ہے،، فسر نے اسے نوٹ کیا، یعنی تعدد النساء لاجل ہے۔

وجملة الاذكار محل العلة : ۔ترکیب کے لحاظ سے تعدد النساء کا مفعول لہ ان تضل ہے، لیکن حقیقت کے لحاظ سے مفعول لہ اذکار والا جملہ ہے یعنی فتذکر احداهما الاخرىٰ ہے، کیونکہ عورتیں دو اسی لئے متعین کی گئی ہیں کہ بھولنے کی صورت میں ایک دوسری کو یاد دلا دے، مگر ظاہر ہے کہ یاد دلانے کی ضرورت اسی وقت پڑے گی، جب ایک بھولے، تو بھولنا، یاد دلانے کا سبب ہے، تو مسبب کے قائم مقام سبب کو قرار دے کر، اسی کو مفعول لہ بنا دیا گیا۔

و فی قرأة بکسر ان شرطية : ۔ایک قرأت میں اَن تضل کے بجائے اِن تضل شرط ہے، اس صورت میں، فتذکر مرفوع ہے، عبارت اس طرح ہوگی، اِن تضل احداهما فتذکرُ احداهما الاخرىٰ، اگر ایک بھولے گی تو دوسری اسے یاد دلائیگی۔ اس عبارت میں تذکر خبر ہے، اس کا مبتداء محذوف ہے، جو کہ ضمیر شان ہے یعنی فهی تذکر احداهما الاخرى، اور اس مبتدا کے محذوف ہونے کا قرینہ فاء جزائیہ ہے، کیونکہ فاء جزائیہ اسی جزاء پر داخل ہوتا ہے، جو ان شرطیہ کے تحت آکر مجزوم نہ ہو سکے، اور یہ بات جملہ اسمیہ میں پائی جاتی ہے، کہ وہ محلاً تو مجزوم ہوتا ہے، مگر لفظاً مجزوم ہونے کی اس میں صلاحیت نہیں ہے۔ تو یہاں تذکر پر جب فاء جزائیہ داخل ہوا تو معلوم ہوا کہ یہ جملہ اسمیہ ہے، پس مبتدا کا یہاں ہونا ضروری ہے۔

استیناف : ۔استیناف سے مراد یہ نہیں ہے کہ یہ جملہ مستانفہ ہے، یہ تو جواب شرط ہے چنانچہ مفسر نے جوابہ کہا ہے، تو جملہ مستانفہ کیسے بن سکتا ہے، استیناف کا مطلب یہ ہے کہ حرف شرط نے اس کے لفظ پر کوئی عمل نہیں کیا ہے، اس لئے اس کے لحاظ سے یہ ایک نیا جملہ ہے۔

(الا ان تکون) تقع :. تکون کی تفسیر تقع سے بیان کر کے مفسر نے یہ بتایا ہے کہ یہاں تکون فعل ناقص نہیں ہے، بلکہ فعل تام ہے، تقع کے معنی میں ہے اور تجارة حاضرة اس کا اسم نہیں فاعل ہے، اور فعل ناقص نہ ہونے کی وجہ سے خبر کی ضرورت ہی نہیں۔

وفی قرأة بالنصب : ۔ایک قرأۃ میں تجارةً حاضرةً منصوب ہے، تب یہ فعل ناقص کی خبر ہے، اور اس کا اسم وہ ضمیر ہے جو تکون میں ہے اور تجارة اس کا مرجع ہے۔

والمراد بها المتجر فیه :. ان لا تکتبوھا میں ھا ضمیر کا مرجع تجارۃ ہے، لیکن مراد اس سے وہ مال ہے جس میں تجارت کی گئی ہے۔

وھذا وما قبلہ امر ندب :۔اس آیت میں امر کے جو صیغے آئے ہیں، وجوب کیلئے نہیں ہیں، بلکہ استحباب کے لئے ہیں، چنانچہ گواہ بنانا، معاملہ کو لکھ لینا واجب نہیں ہے، مندوب ومستحب ہے، اکثر مفسرین نے اسے امر ارشاد لکھا ہے، ندب اور ارشاد میں یہ فرق ہے کہ ندب کا تعلق ثواب آخرت سے ہے، ارشاد کا تعلق دنیاوی امور سے ہے۔

صاحب الحق ومن علیہ الخ :۔ لا یضار کاتب ولا شھید میں لا یضار باب مفاعلت سے ہے، یہ فعل معروف بھی ہوسکتا ہے، اور فعل مجہول بھی، مفسر نے دونوں جہتوں کے لحاظ سے تفسیر کی ہے، پہلی تفسیر فعل معروف ہونے کی جہت سے ہے، یعنی کاتب اور گواہ صاحب حق کو یا مدیون ومقروض کو ضرر نہ پہونچائیں، یعنی معاملہ کچھ تبدیل نہ کر دیں، اور گواہی یا کتابت سے انکار نہ کریں، اور دوسری تفسیر اس کے فعل مجہول ہونے کی جہت سے کی گئی ہے، یعنی کاتب اور گواہ کو ضرر نہ پہونچایا جائے۔یعنی صاحب حق اسے ایسی بات لکھنے پر مجبور نہ کرے جو مناسب نہیں ہے، اور نہ گواہ کو ایسی بات پر مجبور کرے، جو درست نہ ہو۔

لاحق بکم :۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا و ان تفعلوا فانہ فسوق بکم ،اس میں بظاہر اشکال یہ ہے کہ فسوق کا صلہ باء حرف جر نہیں آتا، اس کا جواب مفسر نے دیا کہ بکم کا تعلق فسوق سے نہیں، بلکہ اس کی صفت محذوف لاحق سے ہے، یعنی اگر نافرمانی کروگے تو تم کو فسق لاحق ہوگا، یعنی یہ تمہارا فسق ہوگا۔

حال مقدرہ : ویعلمکم اللہ کو حال مقدرہ قرار دیا ہے، لیکن یہ بغیر تاویل کے صحیح نہیں ہوسکتا، اور تاویل بغیر ضرورت کے ہوگی، جو تکلف ہے، تفصیل اس کی یہ ہے کہ فعل مضارع مثبت ہو، اور اس سے پہلے واؤ ہو تو قاعدہ یہ ہے کہ وہ حال نہیں بن سکتا، اور یہاں ایسا ہی ہے، ایسے موقع پر حال بنانا ہو تو واو کے بعد مبتداء مقدر مان کر فعل مضارع کو اس کی خبر بنا دیا جاتا ہے، اب وہ جملہ اسمیہ بن کر حال بنتا ہے، تو یہاں عبارت یوں مقدر ہوگی، واتقو اللہ وھو یعلمکم اللہ، یہ بے ضرورت ہے، اس لئے اسے جملہ مستانفہ ہی قرار دینا چاہئے۔

حال مقدرۃ :۔وہ حال کہلاتا ہے، جس کا زمانہ، عامل کے زمانہ کے بعد ہو، دونوں کا زمانہ ایک نہ ہو، یہ ایک تاویلی حال ہے، قاعدہ یہ ہے کہ حال کا زمانہ اور اس کے عامل کا زمانہ ایک ہوتا ہے، مثلاً جاء نی زید راکباً میں جو زمانہ آنے کا ہے، وہی زمانہ رکوب کا بھی ہے، دونوں زمانے یکے بعد دیگرے نہیں ہیں، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ عامل کا زمانہ اور حال کا زمانہ علیحدہ علیحدہ ہوتا ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: فادخلوھا خالدین ، جنت میں داخل ہو جاؤ، اس حال میں کہ اس میں ہمیشہ رہوگے، اس میں خالدین حال ہے۔لیکن غور کیجئے تو معلوم ہوگا

دخول کا زمانہ پہلے ہے اور خلود کا زمانہ اس کے بعد ہے تو یہ حال مقدرہ ہے، چونکہ ایسا ہونا قواعد کے لحاظ سے صحیح نہیں ہے، اس لئے اس جگہ تقدیر کو مقدر مانتے ہیں، چنانچہ کہیں گے **فادخلوها مقدرين الخلود**، اس میں داخل ہو جاؤ، اس حال میں کہ خلود مقدر ہے، اب دونوں کے زمانے میں اتحاد ہو گیا، کیونکہ دخول اور تقدیر خلود دونوں کا زمانہ ایک ہے۔

(**فائدہ**) یہ آیت قرآن کی الفاظ وعبارت کے لحاظ سے سب سے بڑی آیت ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے مالی معاملات میں حزم واحتیاط کے پہلو پر زور دیا ہے، کیونکہ معاش ومعاد کی نہ جانے کتنی مصلحتیں مال ہی سے وابستہ ہیں، حضرت قفال فرماتے ہیں کہ قرآن پاک میں عموماً مسائل معاملات کے لئے الفاظ میں اختصار، اللہ تعالیٰ نے اختیار فرمایا ہے، لیکن اس آیت کریمہ میں بہت بسط وتفصیل سے کام لیا ہے، ملاحظہ ہو پہلے فرمایا: **اذا تداینتم بدین الی اجل مسمی فاکتبوہ**، جب تم دین کا معاملہ کرو، کسی مدت مقررہ تک تو اسے لکھ لو، پھر فرمایا **ولیکتب بینکم کاتب بالعدل**، چاہئے کہ کوئی کاتب عدل کے ساتھ لکھ دے، پھر فرمایا، **ولا یاب کاتب ان یکتب کما علمه الله** کوئی کاتب لکھنے سے انکار نہ کرے، یہ سب تکرار ہے، **فاکتبوہ** کی پھر **فلیکتب**، یہ امر اول کا اعادہ ہے، پھر فرمایا **ولیملل الذی علیه الحق**، پھر **ولیتق الله ربه**، پھر فرمایا **لا یبخس منه شیئا**، پھر ارشاد ہوا، **ولا تساموا ان تکتبوہ صغیراً او کبیراً الی اجله**، پھر فرمایا: **ذلکم اقسط عندالله واقوم للشهادة وادنی ان لا ترتابوا**، یہ سب مسلسل تاکیدیں ہیں کہ احتیاط کا ہر پہلو ملحوظ رکھنا چاہئے، اور مال کو کسی طرح ضائع اور برباد نہیں کرنا چاہئے، اور یہ کہ مالی معاملات میں ایسی کوئی کور کسر نہیں چھوڑنی چاہئے کہ کسی بے ایمانی وبددیانتی اور کسی کو بدگمانی والزام تراشی کا بہانہ ملے، مال محفوظ رہے گا تو انفاق فی سبیل اللہ کا موقع ملے گا، اور معاملات صاف رہیں گے تو کسی کو بدگمانی وغیرہ کا موقع نہیں ملے گا۔ انسانی قلوب کا ٹکراؤ سب سے زیادہ مالی معاملات ہی کی وجہ سے ہوتا ہے، کیونکہ اس کی ضرورت اور اس کی محبت قلوب میں شدید ہے اور اس کی ضرورت زندگی کے ہر لمحہ میں ہے، تو ادنیٰ ادنیٰ بہانوں سے بدگمانیاں بلکہ عداوتیں ابھرتی ہیں، اور انسانی معاشرے کو تباہ وبرباد کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسانی نفسیات کا مکمل لحاظ کر کے بدگمانی کے تمام رخنوں کو بند کر دیا ہے، اگر اسی دستور کے مطابق عمل ہو تو شکایات اور تہمتوں کے دفتر لپیٹ کر رکھ دیئے جائیں گے۔

افاد قوله مقبوضة اشتراط القبض الخ:۔ اللہ تعالیٰ نے رھان کی صفت مقبوضہ ذکر فرمائی، اس سے ایک بات صراحتاً معلوم ہوئی، اور ایک بات اشارۃً، صراحتاً تو یہ کہ رھن کے معاملہ کی تکمیل کیلئے قبضہ شرط ہے، اس کے بغیر رھن کا معاملہ مکمل نہیں ہوتا، اور اشارۃً یہ کہ اللہ نے یہ ذکر نہیں کیا ہے کہ رھن کس کے قبضے میں آئے، مطلق مقبوضہ فرمایا یعنی اسے قبضہ میں آجانا چاہئے، اس سے معلوم ہوا کہ مرتہن جو قبضہ کا اصل ذمہ دار اور صاحب

معاملہ ہے، اس کا بھی قبضہ معتبر ہے، اور اگر اس کے وکیل نے قبضہ کیا تو وہ بھی معتبر ہے۔

﴿مضامین آیات وتفسیر﴾

اے ایمان والو! جب تم ادھار کا معاملہ کرو، تو اس کی ایک مدت مقرر کر کے اسے لکھ لو، تاکہ بعد میں نزاع نہ ہو، اور معاملہ میں اعتماد رہے، خود نہ لکھ سکو تو کوئی لکھنے والا انصاف کے ساتھ اسے قلم بند کر دے کہ مال یا مدت میں کچھ کم وبیش نہ کرے اور لکھنے والا، اگر اسے اس کے لئے بلایا جائے، تو لکھنے سے انکار نہ کرے، اللہ کا احسان ہے کہ اسے یہ ہنر دیا ہے، پس ضروری ہے کہ وہ لکھ دے، اور جس پر دین ہے، وہی لکھوائے تاکہ اس کی طرف سے اقرار رہے، اور وہ اللہ سے ڈرے، جو اس کا پروردگار ہے، اور کسی طرح کی کمی اور خیانت نہ کرے، اور اگر وہ کسی کمزوری کی وجہ سے لکھوانے پر قادر نہ ہو مثلاً بچہ ہو، گونگا ہو، زبان نہیں جانتا وغیرہ تو اس کا ولی لکھوائے، والد ہو یا وصی ہو قیم ہو یا مترجم ہو، اور دو مسلمان مردوں کو گواہ بناؤ، جو بالغ ہوں اور آزاد ہوں، اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں، جو دیندار اور دیانت دار ہوں، دو عورتیں اسلئے کہ خدانخواستہ ایک غلط راہ پر چلے تو دوسری اسے ٹوک دے، اور گواہوں کو بھی جب بلایا جائے تو انکار نہ کریں، اور معاملہ چاہے چھوٹا ہو یا بڑا ہو اور خواہ کتنی ہی کثرت سے ہوتا ہو، مگر ادھار ہو، تو لکھنے سے گھبراؤ مت، مدت کی تعیین کے ساتھ اسے لکھ لیا کرو، یہ اللہ کے نزدیک انصاف سے قریب تر ہے، اور اس سے صحیح صحیح گواہی قائم ہوگی، اور اس میں کسی طرح کا ریب اور تردد نہ ہوگا۔ ہاں البتہ خرید وفروخت نقد ہو، مجلس میں ہی تقابض ہو، تو نہ لکھو تو کوئی حرج نہیں ہے۔ البتہ خرید وفروخت پر گواہ بنا لیا کرو، اس سلسلے میں لکھنے والا اور گواہ کسی فریق کو ضرر نہ پہونچائے، اور نہ خود ان دونوں کو کسی تکلیف میں ڈالا جائے، اور اگر خدانخواستہ تم نے ایسا کیا۔ تو یہ صریح نافرمانی ہے، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو، وہ تمہیں تمہارے کاموں کی مصلحتیں سکھاتے ہیں، اور اللہ ہر چیز تو جانتے ہیں، اور اگر تم سفر میں ہو اور باہم ادھار کا معاملہ کیا، اور کوئی گواہ نہیں ہے، تو اطمینان کے لئے رھن لے لو، رھن کا یہ معاملہ سفر کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، حضر میں بھی ہو سکتا ہے، اور اگر ایک دوسرے پر اطمینان ہو، تو امانت والے کو چاہیے کہ اپنی امانت ادا کر دے، اور اس کی ادائیگی کے باب میں اللہ سے ڈرے جو پروردگار ہیں، اور جب گواہی کے لئے طلب کئے جاؤ، تو اسے مت چھپاؤ، اور جو کوئی چھپائے گا اس کا دل گنہگار ہوگا۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے۔ اس پر کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔

☆☆☆☆☆

﴿لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاِنْ تُبْدُوْا﴾ تظهروا ﴿مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ﴾ من السوء والعزم عليه ﴿اَوْ تُخْفُوْهُ﴾ تسروه ﴿يُحَاسِبْكُمْ﴾ يجزكم ﴿بِهِ اللّٰهُ﴾ يوم القيٰمة

﴿فَیَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَاءُ﴾ المغفرة له ﴿وَ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَاءُ﴾ تعذیبه والفعلان بالجزم عطفا علی جواب الشرط والرفع ای فهو ﴿وَاللّٰهُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ ومنه محاسبتکم وجزاؤکم ﴿آمَنَ﴾ صدق ﴿الرَّسُوْلُ﴾ محمد ﴿بِمَااُنْزِلَ اِلَیْهِ مِن رَّبِّهٖ﴾ من القرآن ﴿وَالْمُؤْمِنُوْنَ﴾ عطف علیه ﴿کُلٌّ﴾ تنوینه عوض عن المضاف الیه ﴿آمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰئِکَتِهٖ وَ کُتُبِهٖ﴾ بالجمع والافراد ﴿وَرُسُلِهٖ﴾ یقولون ﴿لاَ نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ﴾ فنؤمن ببعض و نکفر ببعض کما فعل الیهود والنصاریٰ ﴿وَقَالُوْاسَمِعْنَا﴾ ما امرتنا به سماع قبول ﴿وَاَطَعْنَا﴾ نسألک ﴿غُفْرَانَکَ رَبَّنَا وَاِلَیْکَ الْمَصِیْرُ﴾ المرجع بالبعث ولما نزلت الآیة التی قبلها شکا المؤمنون من الوسوسة وشق علیهم المحاسبة بها فنزل ﴿لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْساً اِلَّا وُسْعَهَا﴾ ای ما تسعه قدرتها ﴿لَهَا مَا کَسَبَتْ﴾ من الخیر ای ثوابه ﴿وَعَلَیْهَا مَا اکْتَسَبَتْ﴾ من الشر ای وزره ولا یؤاخذ احد بذنب احد ولا بما لم یکسبه مما وسوست به نفسه قولوا ﴿رَبَّنَا لَا تُوَاخِذْنَا﴾ بالعقاب ﴿اِنْ نَسِیْنَا اَوْ اَخْطَأْنَا﴾ ترکنا الصواب لا عن عمد کما اخذ ت به من قبلنا وقد رفع الله ذلک عن هذه الامة کما ورد فی الحدیث فسواله اعتراف بنعمة الله ﴿رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَیْنَا اِصْراً﴾ امر ایثقل علینا حمله ﴿کَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا﴾ ای بنی اسرائیل من قتل النفس فی التوبة واخراج ربع المال فی الزکوٰة و قرض موضع النجاسة ﴿رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ﴾ قوة ﴿لَنَابِهٖ﴾ من التکالیف والبلاء ﴿وَاعْفُ عَنَّا﴾ امح ذنوبنا ﴿وَاغْفِرْلَنَا وَارْحَمْنَا﴾ فی الرحمة زیادة علی المغفرة ﴿اَنْتَ مَوْلٰنا﴾ سیدنا ومتولی امورنا ﴿فَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکَافِرِیْنَ﴾ باقامة الحجة والغلبة فی قتالهم فان من شان المولی ان ینصرموا الیه علی الاعداء و فی الحدیث لما نزلت هذه الآیة فقرأها رسول الله ﷺ قیل له عقب کل کلمة قد فعلت ۔

﴿ترجمہ﴾

(اللہ ہی کی ملکیت میں ہے، جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اور جو کچھ تمہارے جی میں ہے) بدی یا بدی کا عزم (اسے تم ظاہر کرو یا مخفی رکھو، اللہ تم سے اس کا حساب لے گا) اور اسے قیامت کے دن ظاہر کردے گا (پس جس کے لئے) مغفرت (چاہے گا مغفرت کردے گا اور جس کو) عذاب دینا (چاہے گا عذاب دیگا) دونوں فعل جزم کے ساتھ ہیں، جواب شرط پر ان کا عطف ہے، اور رفع کے ساتھ بھی ہیں، یعنی فھو (اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے) اور انہیں میں تمہارا حساب اور جزا بھی ہے۔ (رسول) یعنی محمد ﷺ (ایمان لائے

اس بات پر جو ان کے پاس اتاری گئی) یعنی قرآن پر (اور اہل ایمان بھی) یہ عطف ہے الرسول پر (ہر ایک) کلٌ کی تنوین مضاف الیہ کا عوض ہے (ایمان لایا، اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر) کتب جمع بھی ایک قرأت میں ہے اور مفرد بھی (اور اس کے رسولوں پر) کہتے ہیں کہ (ہم اس کے رسولوں کے درمیان کسی کی تفریق نہیں کرتے) کہ کسی پر ایمان لائیں اور کسی کا انکار کریں، جیسا کہ یہود و نصاریٰ نے یہ کام کیا ہے (اور کہا کہ ہم نے) جو ہمیں حکم دیا گیا ہے، اسے قبولیت کے کانوں سے (سنا اور ہم نے اطاعت کی) ہم آپ سے (آپ کی مغفرت) کا سوال کرتے ہیں (اے ہمارے رب، اور) دوبارہ زندہ ہوکر (آپ ہی کے پاس لوٹنا ہے) ماقبل کی آیت جب نازل ہوئی تو مسلمانوں نے وسوسوں کی شکایت کی، وسوسوں کا حساب انہیں بھاری معلوم ہوا تو یہ آیت اتری کہ (اللہ تعالیٰ کسی نفس کو، اس کی وسعت کے بقدر ہی مکلّف بناتا ہے) یعنی جتنا اس کی طاقت میں ہے (اس کے لئے وہ ہے، جو اس نے) خیر کے عمل کا (کسب کیا) یعنی ثواب (اور اس کے اوپر وہ ہے جو اس نے) شر کے کام کا (ارتکاب کیا) یعنی اس کا گناہ، اور کسی کو دوسرے کے گناہ میں گرفتار نہیں کیا جائے گا، اور نہ ان وسوسوں پر مواخذہ کیا جائے گا، جن کا ارتکاب نہیں کیا ہے، تم کہو (اے ہمارے پروردگار! ہمارا مواخذہ) سزا میں (نہ کیجئے) اگر ہم بھول جائیں، یا غلطی کر جائیں) یعنی بغیر قصد و ارادہ کے درستگی کو ترک کر دیں، جیسا کہ آپ نے اگلوں کا مواخذہ کیا ہے، اللہ نے اس مواخذہ کو اس امت سے پہلے ہی ہٹا دیا، تو اس کا بار بار سوال کرنا، اللہ کے احسان کا اعتراف ہے (اے ہمارے پروردگار! اور ہم پر) وہ (بوجھ نہ لادیئے) جس کا اٹھانا مشکل ہو (جیسا کہ آپ نے ان لوگوں پر لاد دیا تھا، جو ہم سے پہلے تھے) یعنی بنی اسرائیل، چنانچہ ان پر فرض تھا کہ توبہ میں اپنے آپ کو قتل کریں، اور زکوٰۃ میں چوتھائی نکالیں اور نجاست کی جگہ کو کاٹ دیں وغیرہ (اے ہمارے پروردگار! اور ہم پر وہ) تکلیفیں اور بلائیں (نہ لادیئے جن کی ہمیں طاقت نہیں، اور ہمیں معاف کر دیجئے) ہمارے گناہوں کو محو کر دیجئے (اور ہماری مغفرت فرما دیجئے اور ہم پر رحم فرما دیجئے) رحمت کے اندر مغفرت پر اضافہ ہے (آپ ہمارے مولا ہیں) ہمارے سردار اور ہمارے کاموں کے ذمہ دار ہیں (پس کافروں کے خلاف ہماری مدد فرمایئے) دلائل کو قائم کر کے، اور جنگ میں غلبہ عطا فرما کر، مولیٰ کی شان یہی ہے کہ اپنے غلاموں کی ان کے دشمنوں کے خلاف مدد کرتے ہیں۔

حدیث میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی اور رسول اللہ ﷺ نے اسے پڑھا تو ہر کلمہ کے بعد اللہ نے کہا **قد فعلتُ**۔

تشریحات

وان تبدو ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ: کے ظاہر سے **من السوء والعزم علیہ** :.

معلوم ہوتا ہے کہ دل کے تمام وساوس وخطرات پر محاسبہ ہوگا، چنانچہ بعد میں مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ یہ حکم منسوخ ہے۔لیکن جب ما فی انفسکم کی تفسیر میں حضرت مفسر نے **من السوء و العزم علیه** ۔یعنی برائی اور برائی کا پختہ ارادہ کی وضاحت کردی تو اس سے معلوم ہوتا ہے یہ آیت منسوخ نہیں ہے، کیونکہ دل کی برائیوں اور ان کے پختہ عزم پر تو محاسبہ اب بھی موجود ہے۔

دل میں جب کوئی خیال آتا ہے تو خیال سے عزم تک پانچ مرحلے ہوتے ہیں، پہلا مرحلہ ھاجس، دوسرا خاطر تیسرا حدیث نفس، چوتھا ھم ہے پانچواں عزم ہے، ان میں صرف عزم پر محاسبہ ہے باقی چاروں درگزر ہیں۔

مراتب القصد خمس هاجس ذكروا

وخاطر فحديث النفس فاستمعـــا

يليـــه هم فعـــزم كلهـــا رفعت

سوى الاخير فعليه الاخذ قد وقعـــا

قصد کے پانچ مرتبے ہیں، ھاجس لوگوں نے ایسا ہی ذکر کیا ہے اور خاطر، پھر حدیث نفس، غور سے سنو اس سے متصل ھم ہے، پھر عزم ہے، یہ سب معاف ہیں، سوائے اخیر کے کہ اس پر محاسبہ ہوگا۔

یخبر کم :. یحاسبکم به الله کی تفسیر یخبر سے کرنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مفسر نے یحاسبکم کو مواخذہ کے معنی میں لینے کے بجائے خبر کے معنی میں لے کر ارادے کے مذکورہ چاروں مرحلوں کے معاف ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے، اس صورت میں اس آیت کو منسوخ نہیں ماننا پڑے گا جیسا کہ یہی **من السوء والعزم علیـــه** کے لفظ سے بھی نکلتا ہے، لیکن مفسر نے آگے اس کے منسوخ ہونے کی صراحت کی ہے، مفسر نے تفسیری عبارت میں اختصار کا حد درجہ اہتمام کیا ہے، اس لئے اس طرح کی پیچیدگیاں کہیں کہیں پیدا ہوگئی، اہل فہم ہر ایک کو اس کے محل پر سمجھ لیں گے۔

والـرفع ای فهو :. فیـغـفـر لمن یشاء اگر مرفوع ہے تو مبتدا اس سے پہلے مقدر ہوگا، اور وہ مبتدا فھو ہے۔

فنو من ببعض و نکفر ببعض :.۔رسولوں کے درمیان تفریق کی صورت کا یہ بیان ہے کہ رسولوں کے درمیان کفر وایمان کا فرق کیا جائے، یعنی بعض رسولوں پر ایمان رکھا جائے، اور بعض پر نہیں، فرق مراتب جو رسولوں کے درمیان ہے، اس کا ماننا تفریق نہیں ہے۔

باقامة الحجة و الغلبة فی قتالهم :.۔کافرون پر غلبہ کی دوصورتیں ہیں، اول یہ کہ دلائل و براہین کے ذریعے اسلام کا کفر پر غلبہ ہو، دوسرے یہ کہ اگر جہاد ہو تو لشکر اسلام غالب رہے۔

لما نزلت هذه الآية الخ :۔ لا يكلف الله نفساً الا وسعها سے آخر تک ہر دعا پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے قبولیت کی بشارت ملی ہے، یہ سات کلمے یہ ہیں۔(۱) ربنـا لا تواخذنا ان نسينا او اخطأنا (۲) ربنا ولا تحـمـل علينا اصرا كما حملته على الذين من قبلنا (۳) ربنا ولا تحملنا ما لا طاقةلنابه (۴) واعف عـنا (۵) واغفرلنا (۶) وارحمنا (۷) فانصرنا على القوم الكافرين ۔گویا سات مرتبہ اللہ تعالیٰ سے قبولیت کا مژدہ سنایا گیا (مسلم شریف)

سورۂ بقرہ کی آخری دو آیات کے فضائل

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اس سورہ کو پڑھ کر فارغ ہوتے تو آمین کہتے، مسلم شریف میں حضرت ابومسعود انصاری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے سورہ بقرہ کی آخری دو آیتیں رات میں پڑھیں تو قیام اللیل کا ثواب پاتا ہے۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ سے میں نے سنا، آپ فرما رہے تھے کہ اللہ نے میرے اوپر جنت کے خزانوں میں سے دو آیتیں نازل فرمائی ہیں، جن پر سورہ بقرہ کا اختتام ہوا ہے، جو انہیں بعد نمازِ عشاء دو مرتبہ پڑھے گا اس کے لئے تہجد کی نماز کے قائم ہوں گی۔ آمـن الـرسول سے آخری سورہ تک یہ بھی کہا گیا ہے کہ شیطان کے شر سے وہ حفاظت بن جائیں گی، شیطان کا اس پر تسلط نہیں ہوگا۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ میں نہیں سمجھتا کہ کوئی عاقل مسلمان، ان دونوں آیتوں کو پڑھے بغیر رات میں سو جائے گا۔حضرت حذیفہ بن الیمان سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ رب العزت نے مخلوق کے پیدا کرنے سے دو ہزار سال قبل ایک کتاب لکھی، اسی میں سے یہ تین آیتیں، جن پر سورہ بقرہ کا اختتام ہوا ہے، اتاریں، جو شخص انہیں اپنے جی میں پڑھے گا، شیطان تین رات اس کے گھر کے قریب نہیں جائے گا، یہ تین آیتیں لله ما في السمٰوات وما في الارض سے آخر سورہ تک ہیں۔

﴿مضامین آیات وتفسیر﴾

زمین وآسمان میں جو کچھ ہے، سب اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں ہے، اللہ کی قدرت وملکیت کا تو یہ عالم ہے، اور علم کی وسعت کا حال یہ ہے کہ جو کچھ بھی تمہارے دل میں ہے، اسے خواہ ظاہر کرو یا پوشیدہ رکھو، سب اللہ کے علم میں ہے اور اس کا حساب تمہیں دینا ہوگا، پھر اللہ کی مشیت ومرضی ہے۔جس کو چاہیں گے معاف فرمائیں گے اور جس کو چاہیں گے عذاب میں پکڑیں گے، ان کا ہاتھ پکڑنے والا کوئی نہیں، اللہ تعالیٰ بلا شبہہ ہر چیز پر قدرت رکھتے ہیں پروردگار کی جانب سے جو کچھ اتارا گیا ہے، اس پر رسول کا ایمان ہے، اور تمام اہل ایمان، ایمان رکھتے ہیں، یہ سب لوگ اللہ پر، ان کے فرشتوں پر، ان کی کتابوں پر، اور ان کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں

اوراس طرح ایمان رکھتے ہیں کہ رسولوں کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے کہ کسی پر ایمان لائیں اور کسی پر نہ لائیں اور انھوں نے یہ کہا کہ ہم نے سنا اور ہم نے مانا، اے ہمارے رب مغفرت فرما دیجئے، آپ ہی کے پاس لوٹنا ہے، یہ بات بظاہر مشکل معلوم ہوتی ہے کہ دل کے ہر خیال وقصد پر اللہ تعالیٰ کے دربار میں گرفت ہو، دل کے کتنے خیالات وخطرات ایسے ہیں، جن پر سرے سے قابو ملتا ہی نہیں، اس خیال کو دفع کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آدمی اتنے ہی کا مکلّف ہے، جو اس کی وسعت وقدرت میں ہو، وہ جو کچھ اچھا عمل کرے گا، اس کا نفع اسی کے لئے ہے، اور جو کچھ برا کام کرے گا، اس کا ضرر اسی پر پڑے گا، ایک کے گناہ پر دوسرے کی پکڑ نہ ہوگی، اسی طرح محض وسوسوں پر بھی کوئی مواخذہ نہیں ہے، اے ہمارے رب ہماری بھول چوک پر ہمارا مواخذہ نہ فرمایئے، بھول چوک گو کہ اس امت پر معاف ہے، مگر بندگی اور شکر نعمت کا یہ حق ہے کہ ہم معافی مانگتے رہیں۔ اے ہمارے پروردگار! ہم پر اس طرح کا بوجھ نہ لادیئے گا، جیسا اگلی امتوں پر لادا گیا تھا اور ہم پر وہ بلائیں اور تکلیفیں بھی نہ ڈالئے گا جن کی ہمیں طاقت نہیں ہے، اور ہمارے گناہوں کو معاف فرما دیجئے، اور ہماری مغفرت فرما دیجئے، ہم پر رحم فرمایئے، آپ ہمارے مولی ہیں، کفار کے اوپر ہماری مدد فرمایئے۔

❁❁❁❁❁

تفسیر سورہ بقرہ کی شرح بحمد اللہ وعونہ ۲۸ ربیع الاول ۱۴۲۳ھ مطابق
۱۰ جولائی ۲۰۰۲ء بروز چہارشنبہ بوقت صبح بمقام شیخو پور
پوری ہوئی، اللہ تعالیٰ باقی کے اتمام کی بھی
توفیق عطا فرمائیں اور آسان فرمادیں۔

الحمد لله الذی بنعمته تتم الصالحات

☆☆☆☆☆

﴿سورہ آل عمران﴾

سورة آل عمران مدنية وهى مائتا آيةً

سورہ آل عمران مدنی ہے، اس میں دوسو آیتیں ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

﴿الٓمّٓ﴾ اللّٰه اعلم بمراده بذلک ﴿اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الۡحَیُّ الۡقَیُّوۡمُ ، نَزَّلَ عَلَیۡکَ﴾ يا محمد ﴿الۡکِتٰبَ﴾ القرآن متلبسا ﴿بِالۡحَقِّ﴾ بالصدق فى اخباره ﴿مُصَدِّقاً لِّمَا بَیۡنَ یَدَیۡهِ﴾ قبله من الكتب ﴿وَاَنۡزَلَ التَّوۡرَاةَ وَالۡاِنۡجِیۡلَ مِنۡ قَبۡلُ﴾ اى قبل تنزيله ﴿هُدًی﴾ حال بمعنى هاديين من الضلالة ﴿لِّلنَّاسِ﴾ ممن تبعهما و عبر فيهما بانزل و فى القرآن بنزل المقتضى للتكرير لانهما انزلا دفعة واحدة بخلافه ﴿وَاَنۡزَلَ الۡفُرۡقَانَ﴾ بمعنى الكتب الفارقة بين الحق والباطل و ذكر بعد ذكر الثلاثة ليعم ما عداها ﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِآیٰتِ اللّٰهِ﴾ القرآن وغيره ﴿لَهُمۡ عَذَابٌ شَدِیۡدٌ وَاللّٰهُ عَزِیۡزٌ﴾ غالب على امره فلا يمنعه شى من انجاز وعيده ووعده ﴿ذُوۡانۡتِقَامٍ﴾ عقوبة شديدة ممن عصاه لا يقدر على مثلها احد ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یَخۡفٰی عَلَیۡهِ شَیۡءٌ﴾ كائن ﴿فِی الۡاَرۡضِ وَلَا فِی السَّمَاءِ﴾ لعلمه بما يقع فى العالم من كلى و جزئى و خصهما بالذكر لان الحس لا يتجاوز هما ﴿هُوَ الَّذِیۡ یُصَوِّرُکُمۡ فِی الۡاَرۡحَامِ کَیۡفَ یَشَاءُ﴾ من ذكورة و انوثة و بياض و سواد وغير ذلک ﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الۡعَزِیۡزُ﴾ فى ملكه ﴿الۡحَکِیۡمُ﴾ فى صنعه ﴿هُوَ الَّذِیۡ اَنۡزَلَ عَلَیۡکَ الۡکِتٰبَ مِنۡهُ آیٰتٌ مُحۡکَمٰتٌ﴾ واضحات الدلالة ﴿هُنَّ اُمُّ الۡکِتٰبِ﴾ اصله المعتمد عليه فى الاحكام ﴿وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ﴾ لا يفهم معانيها كاوائل السور و جعله كله محكما فى قوله تعالىٰ اُحكمت آياته بمعنى انه ليس فيه عيب و متشابها فى قوله كتابا متشابها بمعنى انه يشبه بعضه بعضا فى الحسن و الصدق ﴿فَاَمَّا الَّذِیۡنَ فِی قُلُوۡبِهِمۡ زَیۡغٌ﴾ ميل عن الحق ﴿فَیَتَّبِعُوۡنَ مَا تَشَابَهَ مِنۡهُ ابۡتِغَاءَ﴾ طلب ﴿الۡفِتۡنَةِ﴾ لجهالهم بوقوعهم فى الشبهات واللبس ﴿وَابۡتِغَاءَ تَاوِیۡلِهٖ﴾ تفسيره ﴿وَمَایَعۡلَمُ تَاوِیۡلَهٗ اِلَّا اللّٰهُ﴾ وحده ﴿وَالرَّاسِخُوۡنَ﴾ الثابتون المتمكنون ﴿فِی الۡعِلۡمِ﴾ مبتدأ خبره ﴿یَقُوۡلُوۡنَ اٰمَنَّا بِهٖ﴾ اى بالمتشابه انه من عندالله ولا نعلم معناه ﴿کُلٌّ﴾ من المحكم والمتشابه ﴿مِنۡ عِنۡدِ رَبِّنَا وَمَا

یَذَّکَّرُ﴾ بادغام التاء فی الاصل فی الذال ای یتعظ﴿ اِلَّا اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ اصحاب العقول ویقولون ایضا اذا رأوا من یتبعه ﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا﴾ تملها عن الحق بابتغاء تاویله الذی لا یلیق بنا کما ازغت قلوب اولئک ﴿بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا﴾ ارشد تنا الیه ﴿وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ﴾ من عندک ﴿رَحْمَةً﴾ تثبیتا﴿ اِنَّکَ اَنْتَ الْوَهَّابُ﴾ یا ﴿رَبَّنَا اِنَّکَ جَامِعُ النَّاسِ﴾ تجمعهم ﴿لِیَوْمٍ﴾ ای فی یوم﴿ لَا رَیْبَ﴾ شک ﴿فِیْهِ﴾ هو یوم القیامة فتجازیهم با عمالهم کما وعدت بذٰلک﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ﴾ موعده بالبعث فیه التفات عن الخطاب و یحتمل ان یکون من کلامه تعالیٰ و الغرض من الدعاء بذلک بیان أن همهم امر الآخرة ولذلک سالوا الثبات علی الهدایة لینالوا ثوا بها روی الشیخان عن عائشة قالت تلا رسول الله ﷺ هذه الآیة هو الذی انزل علیک الکتاب منه آیٰت محکمٰت الی آخرها وقال فاذا رأیت الذین یتبعون ما تشابه منه فاولٰئک الذین سمی الله تعالیٰ فاحذروهم و روی الطبرانی فی الکبیر عن ابی مالک الاشعری انه سمع النبی ﷺ یقول ما اخاف علی امتی الا ثلٰث خلال و ذکر منها ان یفتح لهم الکتٰب فیاخذه المؤمن یبتغی تاویله ولیس یعلم تاویله الا الله والراسخون فی العلم یقولون آمنا به کل من عند ربنا وما یذکر الا اولوا الالباب الحدیث.

﴿ ترجمہ ﴾

(الم) اس لفظ سے اپنی مراد اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں (اللہ، کوئی معبود نہیں ہے اس کے سوا، زندہ ہے، تھامنے والا ہے) اے محمد (تم پر کتاب، برحق اتاری) یعنی قرآن کریم جس کی تمام خبریں سچی ہیں (اس سے پہلے جو کچھ) کتابیں (ہیں، ان سب کی تصدیق کرنے والی ہے، اور اس سے پہلے توریت اور انجیل کو اتارا) یعنی اس کتاب کے اتارنے سے پہلے (ہدایت ہے لوگوں کے لئے) ھدی حال ہے۔ ھادیین کے معنی میں، الناس سے مراد وہ لوگ ہیں جنھوں نے ان دونوں کتابوں کی پیروی کی، ان دونوں کتابوں کے لئے انـــزل کا کلمہ استعمال اور قرآن کریم کے لئے نـــزّل کا کلمہ استعمال کیا ہے، جس میں تکرار کا معنی پایا جاتا ہے، کیونکہ وہ دونوں کتابیں بیک دفعہ نازل کی گئی ہیں، اور قرآن کریم بدفعات مختلفہ (اور فرقان کو اتارا) یعنی وہ کتابیں، جو حق و باطل کے درمیان فرق و امتیاز پیدا کرنے والی ہیں۔ تین کتابوں کے بعد فرقان کا ذکر کیا، تا کہ دوسری آسمانی کتابیں بھی اس کے ذیل میں شامل ہو جائیں (بے شک جن لوگوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا) یعنی قرآن وغیرہ کا (ان کے لئے سخت عذاب ہے، اللہ تعالیٰ) اپنے امر پر (غلبہ رکھتے ہیں) کوئی چیز انہیں وعدہ اور وعید کو پورا کرنے سے روک

نہیں سکتی (انتقام والے ہیں) یعنی نافرمانوں کو سخت سزا دینے والے ہیں، کہ اس جیسی سزا پر کوئی دوسرا نہیں قدرت رکھتا (بے شک اللہ پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے، نہ زمین میں نہ آسمان میں) کیونکہ عالم میں جو کچھ بھی ہوتا ہے، کلی ہو یا جزئی سب کا علم انہیں ہے، آسمان و زمین کا ذکر خصوصیت سے اس لئے کیا کہ انسانی حسیات ان دونوں سے آگے نہیں بڑھ سکتیں (وہی ہے، جو تمہاری صورت گری ماں کے شکم میں کرتا ہے، جیسی چاہتا ہے) ذکورت وانا ثت، سفیدی وسیاہی وغیرہ (اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں) اپنے ملک میں (غلبہ رکھتا ہے) اپنے کام میں (حکمت والا ہے، وہی ہے جس نے تم پر کتاب نازل کی، ان میں بعض آیات محکم ہیں) یعنی واضحۃ الدلالت ہیں (یہی کتاب کی اصل بنیاد ہیں) جو احکام کے باب میں بنیاد ہیں (اور دوسری متشابہات ہیں) جن کے معانی، انسانی سمجھ سے بالاتر ہیں، جیسے بہت سی سورتوں کے اوائل، اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک ارشاد: **احکمت آیاته** میں پوری کتاب کو محکم قرار دیا ہے، اس معنی کر کے کہ اس میں کوئی عیب نہیں ہے اور دوسرے ارشاد **کتاباً متشابهاً** میں پوری کتاب کو متشابہ قرار دیا ہے، وہ اس معنی کر کے کہ حسن وصدق میں پوری کتاب آپس میں متشابہ ہے (پس بہر حال وہ لوگ جن کے دلوں میں) حق سے (انحراف ہے، وہ لوگ ان آیتوں کے پیچھے لگتے ہیں جو متشابہ ہیں) اور ایسا وہ (فتنہ کی تلاش میں) کرتے ہیں، یعنی اپنے جاہلوں کو شبہات والتباس میں ڈال کر آزمائش میں ڈالتے ہیں اور ایسا وہ (اس کی تاویل کی تلاش میں) بھی کرتے ہیں (حالانکہ اس کی تاویل وتفسیر بجز اللہ کے کوئی اور نہیں جانتا، اور وہ لوگ جو علم میں راسخ اور مضبوط ہیں) یہ مبتدا ہے اس کی خبر یہ ہے (کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے) یعنی متشابہ پر کہ وہ بھی اللہ کی طرف سے ہے، اور ہم اس کا معنی نہیں جانتے، محکم اور متشابہ میں سے (ہر ایک ہمارے رب کی طرف سے ہے، اور نصیحت تو وہی قبول کرتے ہیں جو اہل عقل ہیں) **یذکر** میں تاء کا ادغام ذال میں ہوا ہے، اصل میں **یتذکر** تھا، اور نیز جب ان لوگوں کو دیکھتے ہیں جو متشابہ کے پیچھے پڑے رہتے ہیں تو کہتے ہیں (اے ہمارے رب آپ ہمارے قلوب کو) حق سے (منحرف نہ فرمائیو) کہ ہم بھی وہی تاویل ڈھونڈھنے لگیں جو ہمارے لئے مناسب نہ ہو جیسا کہ ان لوگوں کے قلوب کو منحرف کر دیا ہے (بعد اس کے کہ ہم کو ہدایت دی ہے، اور ہم کو اپنے پاس سے رحمت عطا فرمایئے) یعنی ثبات قدمی (بے شک آپ عطا فرمانے والے ہیں، اے ہمارے پروردگار! بے شک آپ لوگوں کو اس دن جمع کریں گے، جس میں کوئی شبہ نہیں ہے) یعنی قیامت کے دن، پس ان کے اعمال کا بدلہ دیں گے، جیسا کہ آپ نے اس کا وعدہ کیا ہے (بے شک اللہ تعالیٰ) دوبارہ زندہ کرنے کے (وعدے کے خلاف نہیں کریں گے) اس میں خطاب سے التفات ہے اور احتمال ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کلام ہو، اور اس دعا کی غرض یہ بیان کرنا ہے کہ ان حضرات کی ساری فکر، فکر آخرت ہے، اسی لئے انھوں نے ہدایت پر ثبات قدمی کا سوال کیا ہے تا کہ اس کا ثواب انہیں حاصل ہو، شیخین (بخاری ومسلم) نے

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی: **هو الذی انزل علیک الکتاب** سے آخر تک، اور فرمایا کہ جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو متشابہات کے درپے ہوتے ہیں تو یہی لوگ ہیں جن کا ذکر اللہ نے کیا ہے، ان سے بچو، اور طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے نبی کریم ﷺ سے سنا آپ فرما رہے تھے، مجھے اپنی امت پر تین ہی باتوں کا اندیشہ محسوس ہوتا ہے، اوران میں ایک یہ ذکر کیا کہ ان کے لئے کتاب کھول دی جائے گی، اور مومن اس کی تاویل کی فکر میں پڑ جائے گا حالانکہ اس کی تاویل اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا، اور علم میں رسوخ والے یوں کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے، سب کچھ ہمارے پروردگار کے پاس سے ہے، اور اہل عقل ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

﴿تشریحات﴾

هدیً: ۔مصدر ہے، ترکیب میں حال ہے، پس یہ اسم فاعل کے معنی میں ہے، اسی لئے مفسر نے اس کی تفسیر **هادیین**، بصیغہ تثنیہ سے کی ہے۔

وعبر فیهما: ۔قرآن کریم کے اتارے جانے کی تعبیر اللہ نے نزل باب تفعیل سے فرمائی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ یہ علیحدہ علیحدہ مختلف دفعات میں نازل ہوا ہے۔ نزّل بالتشدید تکرار کا مقتضی ہے، اور توریت وانجیل کے لئے **انزل** کا لفظ لائے جو بیک دفعہ نازل ہونے پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ وہ دونوں کتابیں **دفعةً واحدةً** ہی پیغمبروں کو عطا فرمائی گئی ہیں۔

ذکره بعد ذکر الثلاثة لیعم ما عداها: ۔قرآن کریم اور توریت وانجیل کے نازل کرنے کے تذکرہ کے بعد ایک عام لفظ **الفرقان** لائے، جس کا مطلب یہ ہے اور دیگر کتب سماویہ جو حق وباطل کے درمیان فرق وامتیاز کرنے والی ہیں نازل فرمائیں، اس کو بعد میں اس لئے لائے تاکہ تین کتابوں کے علاوہ اور سب کتابیں بھی اس کے تحت آجائیں

شئي کائن فی الارض: -کائن کا تشریحی لفظ لاکر مفسر نے بتایا کہ **فی الارض ولا فی السماء** کا تعلق **لایخفی** سے نہیں ہے، بلکہ ایک صفت محذوف سے ہے اور وہ کائن ہے اور **شئ** موصوف ہے۔

لعلمه بما یقع فی العالم من کلی وجزئی: -مراد ارض وسما سے سارا عالم ہے، من کلی وجزئی کہہ کر حکماء کا رد کیا ہے، فلاسفہ کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو جزئیات کا تفصیلی علم وقوع سے پہلے حاصل نہیں ہے، وقوع سے پہلے کلی اور اجمالی علم ہوتا ہے، ہاں جب کام ہوجاتا ہے، تب اس کا تفصیلی علم ہوتا ہے۔ مفسر نے **من کلی وجزئی** کہہ کر اس کی تردید کی ہے،

وخصهما بالذکر: -آسمان وزمین کا تذکرہ خصوصیت سے اس لئے کیا ہے کہ انسانی احساسات ان دونوں

پر ہی تام ہو جاتے ہیں، ان سے آگے ان کا گزر نہیں ہے۔

واضحات الدلالة :- وہ آیتیں جن کا معنی و مفہوم بالکل واضح ہے، جن کے لئے کسی بیان وغیرہ کی حاجت نہیں ہے، یہ آیتیں محکم کہلاتی ہیں دین میں اور قرآن میں اصل اور بنیاد کی حیثیت انھیں کو حاصل ہے، اور دوسری قسم کی وہ آیتیں ہیں، جن کا مفہوم خوب واضح نہیں ہے یا بالکل معلوم نہیں ہے، ایسی آیتوں کا کوئی مطلب و مفہوم بیان کرے تو اسے محکمات کے معیار پر پرکھا جائے گا۔ اگر وہ مطلب، محکمات کے خلاف نہیں ہے تو قابل قبول ہے، ورنہ قابل رد! گمراہ فرقے، اس کے برعکس متشابہات کا ایک مطلب لے کر اس کو بنیاد بنا دیتے ہیں، اور اسی بنیاد پر محکمات کو توڑتے اور مروڑتے ہیں، اور گمراہی پھیلاتے ہیں۔

وجعله كله محكماً الخ :- اس عبارت سے مفسر ایک اشکال کا جواب دینا چاہتے ہیں۔ اشکال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی آیتوں کو دو طبقوں میں تقسیم کر دیا ہے، ایک محکم، جو اصل معیار ہیں، دوسرے متشابہ، اور دوسری جگہ سورۂ ہود میں فرمایا ہے **كتاب احكمت آياته ثم فصلت من لدن حكيم خبير** (آیت:۱) اس آیت سے معلوم ہوا کہ پورا قرآن حکیم محکم ہے، اور سورہ زمر میں فرمایا **الله نزل احسن الحديث كتابا متشابها مثانى تقشعر منه جلود الذين يخشون ربهم** (آیت:۲۳) اس آیت سے معلوم ہوا کہ پورا قرآن متشابہ ہے۔ مفسر نے جواب دیا کہ قرآن کریم کی آیات محکم اور متشابہ ہی ہیں، اور جہاں پوری کتاب کو محکم کہا گیا ہے، وہاں محکم سے مراد **واضحة الدلالة** نہیں ہے، بلکہ یہ معنی ہے کہ اس میں نقص اور خرابی نہیں ہے، اور جہاں پوری کتاب کو متشابہ کہا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ قرآن کی تمام آیتیں صداقت اور حسن عبارت بلکہ حسن بلاغت میں ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں، ان میں کہیں باہم تعارض نہیں ہے۔

فاما الذين فى قلوبهم زيغ ميل عن الحق :- آیات متشابہات کے سلسلے میں دو طرح کے لوگ ہیں، بعض وہ ہیں، جن کے قلوب میں ٹیڑھ ہے اور حق سے منحرف ہونے کا جذبہ مخفی ہے، وہ محکمات کو چھوڑ کر ''متشابہات'' کی تحقیق کے درپے رہتے ہیں ان کا مطلب تلاش کرتے ہیں اس میں کچھ اپنی قابلیت کا اظہار مقصود ہوتا ہے، اور کچھ یہ بھی مقصد ہوتا ہے کہ لوگ کی پیروی کریں اور فتنہ میں مبتلا ہوں۔ چنانچہ جتنے فرقے گمراہ ہیں سب کا خاصہ یہی ہے، وہ متشابہات پر اپنے نظریے کی بنیاد رکھتے ہیں اور محکمات اسی پر توڑتے مروڑتے ہیں، مثلاً ہمارے دور میں بریلویت ایک فرقہ ہے، جس میں سخت انحراف ہے، اس کے بانی اول نے نظریہ پیش کیا کہ رسول اللہ ﷺ علم غیب رکھتے تھے، اس کے لئے وہ استدلال کرتے ہیں **وعلمک مالم تكن تعلم** سے یعنی ہم نے تم کو وہ باتیں سکھائیں، جو تم نہیں جانتے تھے، اور **ونزلنا عليک الكتاب تبيانا لكل شئ وهدًى ورحمةً وبشرىٰ للمسلمين** (سورہ النحل:۸۹) سے، یعنی ہم نے تم پر کتاب اتاری، جس میں ہر شے کی وضاحت ہے اور ہدایت

اور رحمت و بشارت ہے مسلمانوں کے لئے ،حالانکہ یہ اور اس طرح کی آیتیں علم غیب کے سلسلے میں قطعاً واضح دلالت نہیں رکھتیں ، بلکہ ان کا مطلب یہ ہے کہ ہدایت وضلالت کے متعلق جو کچھ تمہیں معلوم نہیں تھا ،اللہ تعالیٰ نے انہیں سکھایا ہے اور قرآن میں جو ہر شے کا بیان ہے اس سے مطلق علم غیب مراد نہیں ہے ، بلکہ آپ ﷺ کے موضوع (ہدایت) سے متعلق جتنی باتیں ہیں ان سب کا بیان اس میں ہے،تو بریلویت کے بانی نے اور اس کے اتباع میں اس کے مقلدین نے اسی طرح کی آیات کو جو قطعاً واضحۃ الدلالۃ نہ تھیں بنیاد بنایا ،اور اس مسئلے میں جو بالکل محکم آیت ہے،جس میں کسی ریب وتردد اور کسی دوسرے احتمال کی کوئی گنجائش نہیں ہے،اس سے صرف نظر کیا ہے، بلکہ اس محکم کو متشابہات کے خودساختہ معانی پر منطبق کرنے میں اس درجہ خردسوز تاویل کی ہے کہ عقل سلیم سر پیٹ کر رہ جاتی ہے،وہ محکم آیت ہے،**قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ وما یشعرون ایان یبعثون** (سورۃ النمل:۶۵) تم کہدو کہ جو لوگ بھی آسمان وزمین میں ہیں،کوئی بھی غیب کا علم نہیں رکھتا ،بجز اللہ کے ،اور انہیں کچھ خبر نہیں کہ کب دوبارہ پیدا کئے جائیں گے۔ یہ آیت غیر اللہ سے علم غیب کی نفی پر بالکل واضح دلالت رکھتی ہے،لیکن بانی بریلویت نے اس کو اس طرح توڑا مروڑا ہے کہ آیت نہیں فلسفہ بن کر رہ گئی ہے۔طوالت نا قابل تحمل نہ ہوجاتی تو میں منطق وفلسفہ کی منہ زوری کو نقل کرتا۔بس اتنا عرض ہے کہ ان کے رسالہ ''خالص الاعتقاد'' کا مطالعہ کرلیا جائے۔ خاں صاحب کے قلم نے تلوار کا کام کیا ہے ، کتنے محکمات کی گردنیں،انھوں نے ''متشابہات'' کے درپے ہونے کے نتیجہ میں اڑادی ہیں،اور یہی حال ہر گمراہ فرقہ کا ہے،خواہ وہ غیر مقلد ہوں یا جماعت اسلامی ،یا دوسرے فرقے ، ہر ایک کے یہاں اس کے نمونے ملتے ہیں۔

دوسرے وہ لوگ ہیں جو متشابہات پر ایمان پختہ رکھتے ہیں ،لیکن اس کے معنی ومطلب کو اللہ کے حوالے کرتے ہیں ، اور اگر ان کے مفہوم ومطلب کو بیان کرنے کی ضرورت ہوتی ہے،مثلاً کسی معترض کو جواب دینا ہے، یا کسی کی گمراہی کا احتساب کرنا ہے،تو ان کا وہی مطلب لیتے ہیں جو محکمات کے موافق ہو اور ان کی وجہ سے محکمات میں کسی ناروا تاویل کا ارتکاب نہ کرنا پڑے۔اور اس باب میں وہ ڈرتے رہتے ہیں ، اور اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ دل میں کہیں کجی نہ راہ پاجائے۔وہ اللہ تعالیٰ سے ہدایت اور رحمت کا سوال کرتے ہیں ، یہ لوگ ''راسخ فی العلم'' ہیں۔

راسخ فی العلم کی تعریف علماء نے یہ کی ہے کہ وہ ایسا عالم ہے جس میں چار صفات پائی جاتی ہوں۔چاروں میں سے کوئی ایک نہیں بلکہ چاروں مجموعی طور پر اس کا حال بن جائیں۔اول یہ کہ اسے اللہ کا تقویٰ حاصل ہو۔ دوسرے یہ کہ اسے تواضع بطور ملکہ کے حاصل ہو۔تیسرے یہ کہ دنیا میں اسے زہد کا ملکہ ہو، چوتھے یہ کہ وہ اپنے نفس کے خلاف مجاہدے کا خوگر ہو۔(۱) **التقویٰ بینه و بین اللہ تعالیٰ** (۲) **التواضع بینه و بین الناس** (۳)

الزهد بينه و بين الدنيا (۴) المجاهدة فيما بينه و بين نفسه ۔

عالم کا سابقہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ سے ہے، اپنے ابنائے جنس سے ہے، دنیا سے ہے، اپنے نفس کی خواہشات سے ہے۔اس کا طرز عمل اللہ کی جناب میں تقویٰ کا ہونا چاہئے ، ابنائے جنس کیساتھ تواضع کا ہونا چاہئے۔ دنیا کے ساتھ زہد یعنی اس سے بے رغبتی کا ہونا چاہئے ، اور اپنے نفس کی خواہشات کے حق میں مجاہدہ کا ہونا چاہئے۔ یہ چاروں باتیں کسی عالم میں ہوں تو وہ راسخ فی العلم ہے۔

تثبیتاً: رحمۃً کی جو دعاء کی ہے، اس کا مطلب ہے ہدایت پر استقامت۔

فيه التفات عن الخطاب :۔ **ان الله لا يخلف الميعاد** سے پہلے سب دعا کے صیغے ہیں، جن میں براہ راست اللہ کو مخاطب بنا کر درخواست پیش کی گئی۔ مگر دعا کا آخری جملہ **ان الله لا يخلف الميعاد** میں خطاب نہیں ، بلکہ غائب کا صیغہ استعمال ہوا ہے، حالانکہ یہ بھی دعا کا جز ہے۔ تو مفسر نے بتایا کہ یہ التفات ہے، یعنی اسلوب کلام خطاب سے غیبوبت کی طرف منتقل ہو گیا، اس کو اصطلاح بلاغت میں التفات کہتے ہیں۔

ويحتمل ان يكون من كلامه تعالىٰ :۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ راسخین فی العلم کی دعا **ربنا انک جامع الناس ليوم لاريب فيه** پر ختم ہوگئی ہو، اور **ان الله لا يخلف الميعاد** دعاء کا جز نہ ہو، بلکہ اللہ تعالیٰ نے بندے کی اس بات **انک جامع الناس ليوم لاريب فيه** کی تائید و توثیق کی ہو۔ اور اس میں بشارت ہے قبولیت دعا کی ، کیونکہ دعا کے آخری جملے کے فوراً بعد جب اللہ تعالیٰ نے دعا مانگنے والے کی آخری بات کو خود اپنی طرف سے مؤکد اور موثق کر دیا ہے، تو ظاہر ہے کہ اس سے پہلے والی درخواستیں بھی قبولیت پا چکی ہیں۔

ما اخاف على امتى الا ثلث خصال :۔ حضرت مفسر نے اختصار کی غرض سے یہاں تین باتوں میں سے ایک ہی بات نقل کی ہے، جو یہاں سے متعلق ہے، پوری حدیث انھوں نے اپنی تفسیر "**الدر المنثور**" میں طبرانی کے حوالے سے نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اپنی امت پر تین ہی باتوں کا اندیشہ ہے۔(۱) یہ کہ ان کے پاس مال کی کثرت و وسعت ہو جائے اور وہ اس کی وجہ سے مبتلائے حسد ہو کر قتل و قتال کرنے لگیں، (۲) اور یہ کہ ان کے سامنے کتاب کھلے، اور مومن اس کی تاویل میں سرگرداں ہو جائے ، حالانکہ اس کی تاویل بجز اللہ کے اور کوئی نہیں جانتا، اور جو لوگ علم میں راسخ ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے ، یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہے، اور نصیحت تو عقل والے ہی حاصل کرتے ہیں، (۳) اور یہ کہ ان کا علم بڑھ جائے اور وہ اسے ضائع کر دیں اور ان سے اس علم کی پوچھ نہ ہو۔

فائدہ :۔ تاویل اور تفسیر کو مفسر نے اس مقام پر ایک ہی قرار دیا ہے، اور بلاشبہ استعمال میں توسیع ہے، تاویل کو تفسیر کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے، لیکن حقیقت کے لحاظ سے دونوں میں فرق ہے، تفسیر مطلقاً وضاحت

کو کہتے ہیں، لیکن تاویل، اول سے مشتق ہے، آل یؤل کے معنی لوٹنے کے آتے ہیں، بعض الفاظ کلام میں ایسے استعمال ہوتے ہیں کہ ان کا ظاہری معنی اگر مراد لیا جائے تو کلام درست نہیں ہوگا۔ اسے ظاہر سے ہٹا کر ایسے معنی کی جانب لوٹایا جاتا ہے، جو محل ومقام کے اعتبار سے اور متکلم کے احوال کے اعتبار سے صحیح ہو اسے تاویل کہتے ہیں، تاویل کا عمل بہت وسیع نظر چاہتا ہے، اور گہری بھی، اس کیلئے بڑی ذہانت درکار ہوتی ہے ورنہ بعض تاویلیں مضحکہ بن جاتی ہیں۔

﴿مضامین آیات وتفسیر﴾

سورہ بقرہ میں براہ راست خطاب یہودیوں سے تھا، سورہ آل عمران میں خطاب عیسائیوں سے ہے۔ فرماتے ہیں کہ اللہ کے علاوہ اور کوئی اس لائق نہیں ہے کہ اس کی عبادت کی جائے، وہ خود زندہ ہے، دوسروں کو قائم رکھنے والا ہے، نبی کریم ﷺ پر جو کتاب اللہ تعالیٰ نے اتاری ہے، وہ برحق ہے، اور اگلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور اس سے پہلے توریت اور انجیل کو نازل فرمایا ہے، وہ لوگوں کے لئے سامان ہدایت تھیں، اور بھی دیگر کتابیں جو حق وباطل کو الگ الگ کرنے والی تھیں، اتاریں، جو لوگ اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں، ان کیلئے سخت عذاب ہے، اور اللہ تعالیٰ صاحب عزت اور صاحب انتقام ہے، اللہ پر زمین وآسمان کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔ وہ ہر کلی اور جزئی سے پوری تفصیل سمیت واقف ہے، اور وہی ہے جو ماں کے رحم میں بچے کی صورت گری کرتا ہے جو چاہتا ہے بناتا ہے، اس کے علاوہ کوئی بھی معبود نہیں ہے۔ وہ عزیز وحکیم ہے، اسی نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام پر کتاب اتاری ہے، جس کی کچھ آیات محکم اور واضح المعنی ہیں، یہی اصل اور معیار ہیں، اور دوسری کچھ آیتیں متشابہات ہیں، جن کے معانی کا ادراک ممکن نہیں یا مشکل ہے، فتنہ جو طبیعتیں، آیات متشابہات کو مشق ستم بناتی ہیں اور الٹی سیدھی تاویلیں، تلاش کرتی ہیں، جن سے جاہل مبتلائے فتنہ ہوتے ہیں، لیکن جو لوگ علم میں رسوخ رکھتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں، محکم ہو، یا متشابہ سب خدا ہی کی جناب سے ہے، اور نصیحت اہل عقل ہی کو مفید ہوتی ہے، وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہمارے قلوب کو حق سے منحرف نہ فرمائیے، جبکہ ہم کو آپ ہدایت دے چکے ہیں اور اپنے پاس سے ہمیں رحمت یعنی ثابت قدمی عطا فرمائیے۔ بے شک عطا فرمانے والے تو آپ ہی ہیں، اے ہمارے پروردگار! بلاشبہ آپ تمام لوگوں کو ایک ایسے دن میں جمع کرنے والے ہیں جس کے آنے میں ذرا بھی شبہ نہیں ہے، اور اللہ کا وعدہ کبھی خلاف نہیں ہوسکتا۔

☆☆☆☆☆

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَنْ تُغْنِیَ﴾ تدفع ﴿عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَا اَوْلَادُهُمْ مِنَ اللّٰهِ﴾ ای عذابه ﴿شَیْئًا وَاُولٰئِکَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ﴾ بفتح الواو ما یوقد به دابهم ﴿کَدَاْبِ﴾ کعادة ﴿اٰلِ فِرْعَوْنَ

وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ من الامم كعاد وثمود ﴿كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ﴾ اهلكهم﴿ بِذُنُوْبِهِمْ ﴾ والجملة مفسرة لما قبلها﴿وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴾ونزل لما امر النبى ﷺ اليهود بالاسلام فى مرجعه من بدر فقالو اله لا يغرنک ان قتلت نفرامن قريش اغمارا لا يعرفون القتال ﴿قُلْ﴾ يا محمد ﴿لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ من اليهود﴿ سَتُغْلَبُوْنَ﴾ بالتاء والياء فى الدنيا بالقتل والاسروضرب الجزيةوقد وقع ذلک ﴿وَتُحْشَرُوْنَ ﴾بالوجهين فى الآخرة ﴿اِلٰى جَهَنَّمَ﴾ فتدخلونها ﴿وَبِئْسَ الْمِهَادُ﴾ الفراش هى ﴿قَدْكَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ﴾ عبرة وذكر الفعل للفصل ﴿فِىْ فِئَتَيْنِ﴾ فرقتين ﴿اِلْتَقَتَا﴾ يوم بدر للقتال ﴿فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ اى طاعته وهم النبى ﷺ واصحابه ؓ وكانوا اثلثمائةو ثلاثة عشر رجلا معهم فرسان وست ادرع وثمانية سيوف واكثر هم رجالة ﴿وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَرَوْنَهُمْ﴾ بالياء والتاء اى الكفار ﴿مِثْلَيْهِمْ﴾ اى المسلمين اى اكثرمنهم كانوا نحو الف ﴿رَأْىَ الْعَيْنِ﴾ اى روية ظاهرة معاينة وقد نصرهم الله تعالىٰ مع قلتهم ﴿وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ ﴾يقوى﴿ بِنَصْرِهٖ مَن يَّشَاءُ﴾ نصره ﴿اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ﴾ المذكور ﴿لَعِبْرَةً لِّاُوْلِى الْاَبْصَارِ﴾ لذوى البصائر افلا تعتبرون بذالک فتؤمنون﴿ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ﴾ ماتشتهيه النفس وتدعوا إليه زيَّنَهَاالله تعالىٰ ابتلاء اوالشيطان﴿مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ﴾ الاموال الكثيرة ﴿الْمُقَنْطَرَةِ﴾ المجمعه ﴿مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ﴾الحسان﴿ وَالْاَنْعَامِ﴾ اى الابل والبقر والغنم ﴿وَالْحَرْثِ﴾ الزرع ﴿ذٰلِكَ ﴾المذكور ﴿مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ يتمتع به فيها ثم يفنى ﴿وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ﴾ المرجع وهو الجنة فينبغى الرغبة فيه دون غيره﴿ قُلْ﴾ يامحمد لقومک ﴿اَؤُنَبِّئُكُمْ﴾ اخبركم﴿ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ﴾ المذكور من الشهوات استفهام تقرير ﴿لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا﴾الشرک ﴿عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ خبر مبتدؤه ﴿جَنّٰتٌ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خٰلِدِيْنَ﴾ اى مقدرين الخلود﴿فِيْهَا﴾ اذادخلوها ﴿وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ﴾ من الحيض وغيره مما يستقذر﴿وَرِضْوَانٌ﴾ بكسر اوله وضمه لغتان اى رضى كثير ﴿مِنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ﴾ عالم ﴿بِالْعِبَادِ﴾فيجازى كلامنهم بعمله ﴿اَلَّذِيْنَ﴾ نعت او بدل من الذين قبله﴿ يَقُوْلُوْنَ﴾ يا ﴿رَبَّنَا اِنَّنَا آمَنَّا﴾ صدقنابک و برسولک﴿ فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النّٰارِ اَلصَّابِرِيْنَ﴾ على الطاعة و عن المعصية نعت ﴿وَالصّٰدِقِيْنَ﴾ فى الايمان﴿ وَالْقٰنِتِيْنَ﴾ المطيعين لله ﴿وَالْمُنْفِقِيْنَ﴾ المتصدقين ﴿وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ﴾ الله بان يقولوا اللهم اغفر لنا ﴿بِالْاَسْحَارِ﴾

اواخر الليل خصت بالذكر لانها وقت الغفلة و لـذة النوم ﴿شَهِدَ اللّٰهُ﴾ بين لخلقه بالدلائل والآيـات﴿ اَنَّـهٗ لَا اِلٰـهَ﴾ لا مـعبـود بـحق فى الوجود ﴿اِلَّا هُوَ﴾ و شهد بذلك ﴿الْمَلٰئِكَةُ﴾ بالاقرار ﴿وَاُولُوا الْعِلْمِ﴾ من الانبياء والمؤمنين بالاعتقاد واللفظ﴿ قَائِماً﴾ بتدبير مصنوعاته ونـصبه على الحال والعامل فيها معنى الجملة اى تفرد ﴿بِالْقِسْطِ ﴾بالعدل﴿ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ كـرره تاكيداً﴿ الْعَزِيْزُ﴾ فى ملكه ﴿الْحَكِيْمُ﴾ فى صنعه﴿ اِنَّ الدِّيْنَ﴾ المرضى﴿ عِنْدَاللّٰهِ﴾ هـو﴿ الْاِسْلَامُ﴾ اى الشـرع الـمبعوث به الرسل المبنى على التوحيد و فى قـراءة بفتح ان بدل من انه الخ بدل اشتمال ﴿وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ﴾ اليهود والنصارىٰ فى الدين بـان وحـد بعض و كفر بعض ﴿اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَ هُمُ الْعِلْمُ﴾ بالتوحيد ﴿بَغْياً﴾ من الكٰفرين ﴿ بَيْـنَهُمْ وَمَن يَّكْفُرْ بِآيَاتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ﴾ اى المجازاة له﴿ فَاِنْ حَاجُّوْكَ﴾ خـاصـمك الـكـفـار يـا مـحمد فى الدين﴿ فَقُلْ﴾ لهم﴿ اَسْلَمْتُ وَجْهِىَ لِلّٰهِ﴾ انقدت له انا ﴿وَمَنِ اتَّبَعَنِ﴾ وخص الوجه بالذكر لشرفه فغيره اولىٰ ﴿وَ قُلْ لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ﴾ اليهود والـنـصـارىٰ ﴿وَالْاُمِّيِّـيْـنَ﴾ مشـركـى الـعـرب ﴿ ءَاَسْـلَـمْتُمْ﴾ اى اسلموا﴿ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَـدَوْا﴾ مـن الـضـلال ﴿وَاِنْ تَـوَلَّوْا﴾ عن الاسلام﴿ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ﴾ التبليغ للرسالة ﴿وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ﴾ فيجازيهم باعمالهم وهذا قبل الامر بالقتال .

﴿ ترجمہ ﴾

(بے شک جن لوگوں نے کفر کیا، ان کو ان کے مال اور ان کی اولاد اللہ کے) عذاب کے (مقابلے میں کچھ کام نہیں آسکتیں، اور یہی لوگ جہنم کے ایندھن ہیں) وقود، واو کے فتحہ کے ساتھ، وہ چیز جس سے آگ جلائی جاتی ہے، یعنی ایندھن، ان کا طریقہ (آل فرعون اور ان سے پہلے کے لوگوں) جیسے عاد وثمود (کے طریقے کے مطابق ہے کہ انھوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا، تو اللہ نے انہیں ان کے گناہوں کی پاداش میں پکڑا) یعنی ہلاک کیا، اور یہ جملہ یعنی کـذبـوا بـآيـاتنا، ماقبل کی تفسیر ہے (اور اللہ سخت عذاب والے ہیں) اور جب نبی کریم ﷺ نے جنگ بدر سے لوٹنے کے بعد مدینہ کے یہودیوں کو اسلام کی دعوت دی، تو وہ کہنے لگے کہ آپ اس بات سے دھوکے میں نہ پڑیں کہ قریش کے چند بھولے بھالے ناتجربہ کار افراد کو آپ نے ختم کر دیا، جو لڑنا جانتے ہی نہ تھے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی (تم) اے محمد (ان لوگوں سے کہہ دو، جنھوں نے کفر کیا) یعنی یہودیوں سے (بہت جلد تم بھی مغلوب ہوگے) تاء سے یعنی بصیغۂ مخاطب، اور یاء سے بصیغۂ غائب، یہ مغلوب ہونا دنیا میں ہوگا۔ قتل وقید سے اور جزیہ کے تعین سے، اور یہ سب ہوا (اور آخرت میں جہنم کی جانب جمع کئے جاؤ گے) یہ بھی تاء اور یاء کی

قرأت کے ساتھ ہے، پس اس میں داخل ہوگے (اور وہ برا بچھونا) ٹھکانا (ہے بے شک تمہارے لئے ان دونوں گروہوں میں جو) بدر کے دن لڑنے کے لئے (آمنے سامنے ہوئے تھے، ایک نشانی) یعنی عبرت تھی، قد کان فعل کو مذکر لائے ہیں، کیونکہ فعل ناقص اور اس کے اسم آیة کے درمیان لکم کا فصل ہے (ایک گروہ اللہ کی راہ میں) اس کی طاعت میں (لڑ رہا تھا) اور یہ لوگ نبی کریم ﷺ اور آپ کے اصحاب تھے، ان کی تعداد ۳۱۳ تھی، ان کے ساتھ صرف دو گھوڑے تھے اور چھ زرہیں، اور آٹھ تلواریں تھیں، اور اکثر لوگ پیدل تھے (اور دوسرا گروہ کافر تھا، وہ انہیں) یعنی کفار کو (اپنے سے) یعنی مسلمانوں سے (کھلی آنکھیں دوگنا دیکھتے تھے) مطلب یہ ہے کہ ان سے زیادہ تھے، اور وہ ایک ہزار کی تعداد میں تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے قلت کے باوجود ان کی نصرت فرمائی (اور اللہ تعالیٰ، اپنی مدد سے جس کو چاہتے ہیں طاقت پہونچاتے ہیں، بے شک اس کے اندر آنکھ والوں) یعنی عقل والوں (کے لئے عبرت کا سامان ہے) کیا اس سے تم کو نصیحت نہیں ملتی کہ ایمان لاؤ (لوگوں کے لئے شہوات کی محبت مزین کر دی گئی ہے) یعنی اس چیز کی محبت، جسے نفس چاہتا ہے اور جس کی طرف دعوت دیتا ہے، ان کو اللہ نے بطور امتحان کے مزین فرمایا ہے، یا یہ کہ شیطان نے مزین کیا ہے (یعنی عورتوں اور اولاد) کی محبت (اور بہت سارے مال کی) محبت (مثلاً سونا، چاندی، اور نشان لگے ہوئے) عمدہ (گھوڑے اور چوپائے اور کھیتی، یہ) جو کچھ ذکر کیا گیا (حیات دنیوی کا سامان ہے) جس سے دنیا میں قدرے فائدہ حاصل کیا جاتا ہے، پھر وہ فنا ہو جاتا ہے (اور اللہ کے پاس لوٹنے کی عمدہ جگہ ہے) اور وہ جنت ہے، پس اس کی رغبت چاہئے، نہ کہ کسی اور کی، اے محمد اپنی قوم سے (کہہ دو کہ کیا میں تم کو اس) شہوت مذکور (سے اچھی بات کی خبر دوں) یہ استفہام تقریری ہے (ان لوگوں کے لئے جو) شرک سے (بچے رہے، ان کے رب کے پاس) عند ربھم خبر ہے، اس کا مبتدا یہ ہے (ایسے باغ میں، جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے) یعنی ان میں ہمیشہ رہنے کا فیصلہ ہو چکا ہے، جب وہ اس میں داخل ہوں گے (اور ایسی بیویاں ہیں جو) حیض وغیرہ کراہت طبع کی چیزوں سے (پاک ہوں گی اور اللہ کی جناب سے رضامندی ہوگی) رضوان میں دو لغت ہیں راء کے کسرہ کے ساتھ اور اس کے ضمہ کے ساتھ بھی یعنی بہت زیادہ رضامندی (اور اللہ بندوں کو دیکھنے والے) یعنی جاننے والے ہیں، پس ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ دیں گے (وہ لوگ جو کہتے ہیں) الذین، ماقبل کے للذین کی صفت ہے، یا اس سے بدل ہے، اے (ہمارے پروردگار بے شک ہم ایمان لائے) آپ کی اور آپ کے رسول کی ہم نے تصدیق کی (پس ہمارے لئے ہمارے گناہوں کی مغفرت فرما دیجئے، اور ہم کو جہنم کے عذاب سے بچا لیجئے، جو لوگ) طاعت پر اور معصیت سے (صبر کرنے والے ہیں) یہ صفت ہے (اور) ایمان میں (سچے ہیں اور) اللہ کی (اطاعت کرنے والے ہیں، اور صدقہ دینے والے ہیں اور) اللہ سے (استغفار کرنے والے ہیں) یعنی یوں کہتے ہیں کہ اللھم اغفر لنا (صبح

کے وقت میں) یعنی رات کے آخری حصے میں، اسے خاص طور سے ذکر کیا، کیونکہ یہ غفلت اور لذت خواب کا وقت ہے (اللہ نے گواہی دی) یعنی اپنی مخلوق کے لئے دلائل اور نشانیوں کے واسطے سے بیان کیا (کہ اس کے علاوہ کوئی معبود) برحق موجود (نہیں ہے، اور) اس کی گواہی اپنے اقرار کے ذریعے (فرشتوں نے بھی دی) اور اعتقاد اور لفظ سے (اہل علم) یعنی انبیاء و اہل ایمان (نے بھی دی، اس حال میں کہ وہ) اپنے مصنوعات کی (تدبیر کرنے والا ہے) **قائماً** کا نصب حال ہونے کی بنا پر ہے اور اس میں عامل جملہ کا معنی ہے، یعنی تفرّد (عدل کے ساتھ، اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں) اس کو تاکید کے لئے مکرر لائے، اپنی حکومت میں (غلبہ رکھتا ہے) اپنے کام میں (صاحب حکمت ہے، بے شک اللہ کے نزدیک) پسندیدہ (دین تو اسلام ہی ہے) یعنی وہ شریعت جسے دے کر انبیاء و رسل بھیجے گئے، جو کہ توحید پر مبنی ہے، اور ایک قرأت میں أن کے فتحے کے ساتھ ہے اور **انـــه** سے بدل اشتمال ہے (اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی) یعنی یہود و نصاریٰ (انھوں نے) دین کے باب میں (اس وقت اختلاف کیا) یعنی بعض توحید پر قائم رہے، اور بعض نے کفر کیا (جب کہ ان کے پاس) توحید کا (علم آچکا تھا) کافروں کی (باہمی سرکشی کی وجہ سے اور جو کوئی اللہ کی آیات کا منکر ہو، تو اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والے ہیں) یعنی جلد بدلہ دینے والے ہیں (پس اگر وہ تم سے) دین کے بارے میں (جھگڑیں۔ تو تم) ان سے (کہہ دو کہ میں نے اپنی ذات کو اللہ کے حوالے کر دیا ہے) یعنی اللہ کا فرمانبردار بن گیا ہوں (اور ان لوگوں نے بھی جنھوں نے میری پیروی کی) آیت میں خاص طور سے **وجہ** یعنی چہرے کا ذکر کیا ہے، کیونکہ وہ اشرف الاعضاء ہے، جب وہ تابع ہے تو دوسرے اعضاء بدرجہ اولیٰ تابع ہوں گے۔ (اور تم ان لوگوں سے جن کو کتاب دی گئی ہے) یعنی یہود و نصاریٰ سے (اور امیوں سے) یعنی مشرکین عرب سے (کہہ دو کہ کیا تم اسلام لائے) یعنی تم اسلام لاؤ (پس اگر وہ اسلام لائیں تو یقیناً ہدایت کی راہ پر آگئے، اور اگر انھوں نے) اسلام سے (روگردانی کی تو تمہارے ذمے صرف) پیغام کو (پہونچا دینا ہے، اور اللہ تعالیٰ بندوں کو دیکھنے والے ہیں) تو ان کے اعمال کا بدلہ دیں گے یہ بات جہاد و قتال کے امر سے پہلے کی ہے۔

تشریحات

کعاد و ثمود: ۔حضرت ھود علیہ السلام کی قوم کا نام عاد ہے، اور حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کا نام ثمود۔

والجملة مفسرة لما قبلها :. **كذبوا بآياتنا** کا جملہ ماقبل یعنی **كدأب آل فرعون والذين من قبلهم** کی تفسیر ہے۔

مرجعه من بدر : ۔رسول اللہ ﷺ جب میدان بدر سے کامیاب و منصور واپس تشریف لائے، تو یہاں کے یہودیوں کے ایک قبیلہ بنی قینقاع نے کچھ شرارت کی، آپ نے اُنہیں، انہیں کے بازار میں جمع کر کے فہمائش کی،

اور قریش کے انجام سے عبرت حاصل کرنے کی تلقین کی، تو وہ ازراہ غرور کہنے لگے، کہ اگر آپ نے قریش کے چند ناتجربہ کار اور بھولے بھالے لوگوں کو ختم کر دیا ہے، تو اس کے دھوکے میں نہ پڑیئے، اگر ہم سے پالا پڑا، تب آپ کو معلوم ہوگا۔

الفراش ھی : ۔الفراش، المھاد کی تفسیر ہے، اور ھی مخصوص بالذم ہے۔

و ذکر الفعل للفصل :. کان کا اسم آیۃ ہے جو مونث ہے، اس لحاظ سے فعل بھی مونث یعنی کانت چاہئے تھا، اس کا جواب مفسر نے دیا کہ چونکہ فعل اور اس کے اس کے درمیان فصل ہے، اس لئے فعل کا مذکر لانا درست ہے، قاعدہ یہی ہے کہ فعل کا فاعل جب مونث بالتاء ہو، تو دونوں کے درمیان فصل کی صورت میں فعل کی تانیث اور تذکیر دونوں جائز ہے۔

کانوا ثلثمائۃ و ثلاثۃ عشر رجلا: ۔۳۱۳ میں ۷۷ مہاجرین تھے اور ۲۳۶ انصار تھے، مہاجرین کا جھنڈا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور انصار کا جھنڈا حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔

(یرونھم) ای الکفار (مثلیھم) ای المسلمین : ۔مفسر کی اس تفسیر میں دو احتمال ہیں۔اول یہ کہ الکفار مرفوع ہو، اس صورت میں یہ یرون کے فاعل کا بیان ہوگا۔اور ھم مفعول بہ ہے، اس سے مراد مسلمان ہیں، اور مثلیھم میں بھی ضمیر مضاف الیہ کا تعلق مسلمانوں ہی سے ہے، یعنی کفار، مسلمانوں کو ان کی تعداد کا دوگنا سمجھ رہے تھے، گویا انہیں ۶۲۶ کی تعداد میں سمجھ رہے تھے۔

اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ الکفار منصوب ہو، اور یرون کی ضمیر فاعلی کا تعلق مسلمانوں سے ہو، یعنی اہل اسلام، کفار کو اپنے سے دوگنا سمجھ رہے تھے، یہ احتمال واقعہ بدر کے حقائق کے پیش نظر مناسب نہیں معلوم ہوتا۔

ای اکثر منھم : ۔مفسر نے فرمایا کہ یہاں مثلیھم سے یہ مراد نہیں ہے کہ وہ ٹھیک دوگنا سمجھ رہے تھے بلکہ مطلقاً زائد دیکھ رہے تھے، خواہ دوگنا ہو یا اس سے زیادہ۔

سوال: یہاں اللہ تعالیٰ نے جو کچھ فرمایا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ کفار مسلمانوں کو زیادہ سمجھ رہے تھے، اور مسلمان کفار کو زیادہ سمجھ رہے تھے، اس کے برخلاف سورۂ انفال میں اسی واقعہ کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ **واذ یریکموھم اذا لتقیتم فی اعینکم قلیلا ویقللکم فی اعینھم**، اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمانوں کی نگاہوں میں کفار کی تعداد کم دکھائی دے رہی تھی، اور کفار کی نگاہوں میں مسلمانوں کی تعداد کم دکھائی دے رہی تھی، بظاہر دونوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے۔

جواب: مفسر نے اس سوال کا جواب سورہ انفال کی مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں دیا ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ جنگ کے آغاز میں ہر فریق کو دوسرا فریق کم دکھائی دیا تاکہ حوصلہ بلند کر کے ایک دوسرے پر حملہ کریں، خدا

کی مشیت یہی تھی، دونوں گروہ بھڑ جائیں تا کہ حق و باطل واضح ہو جائے، اگر بغیر بھڑے ہی کفار کو شکست ہو جاتی تو اس کی سوتا ویلیں کر لی جاتیں، کم سے کم یہی کہ محمد جادوگر ہیں کہہ کر اپنے باطل ہونے کو کچھ دیر بچا لیجاتے، اور جب جنگ شروع ہوگئی تو مسلمانوں کی تعداد زیادہ دکھائی دینے لگی، لیکن اس جواب کی صورت میں **الکفار** کے نصب کا احتمال اور یہ کہ مسلمان، کفار کو دوگنا سمجھ رہے تھے، یہ احتمال کالعدم ہو جائے گا، کیونکہ جنگ شروع ہو جانے کے بعد مسلمانوں کا کفار کی نگاہ میں زیادہ دکھائی دینا برمحل بھی ہے، مناسب بھی ہے، اور حقیقت کے مطابق بھی ہے، کیونکہ فرشتوں کی بڑی تعداد شریک جنگ ہوگئی، اور وہ بسا اوقات کفار کو نظر آجاتے تھے، اس وقت کفار کا مسلمانوں کی نگاہ میں زیادہ دکھائی دینا بے محل بات ہوگی۔

ای لذوی البصائر: . **اولوالابصار** کی تفسیر مفسر نے **ذوی البصائر** سے کی ہے، ابصار ظاہری نگاہ کو کہتے ہیں، اور آنکھ بول کر عقل و فراست بھی مراد لیتے ہیں، یہاں وہی مراد ہے۔

زینها الله ابتلاءً او الشیطان :۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ خواہشات نفس کی چاہت لوگوں کے سامنے بنا کر سنوار کر پیش کر دی گئی ہے۔

سوال یہ ہے کہ یہ کام کس نے کیا۔ **زین** فعل مجہول میں فاعل مذکور نہیں ہوتا، لیکن کوئی نہ کوئی فاعل ہونا ضرور ہے تو یہاں زین کا فاعل کون ہے؟

مفسر نے جواب دیا کہ **زین** کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے بندوں کو آزمانے اور ان کا امتحان لینے کے لئے ان چیزوں کو بنا سنوار دیا ہے تا کہ معلوم ہو کہ یہ اللہ کی محبت اور ایمان کو ترجیح دیتا ہے، یا شہوات کو، اگر یہ چیزیں مزین نہ کی جاتیں تو ادھر رغبت ہی نہ ہوتی، اور پھر امتحان بھی نہ ہوتا۔

اور یہ بھی احتمال ہے کہ شیطان نے شہوات کو مزین کر دیا ہو، تا کہ لوگ ٹوٹ کر اس پر گریں اور گمراہ ہوں۔

الحسان :۔ گھوڑ دوڑ کے مقابلہ میں جو گھوڑا کامیاب ہوتا ہے، اس پر "نشان امتیاز" لگا دیا جاتا ہے، تو "نشان امتیاز" والے گھوڑے لازم ہے کہ عمدہ ترین ہوں۔

مقدرین الخلود :. **خالدین فیها** حال مقدرہ ہے، کیونکہ دخول جنت اور خلود فی الجنۃ دونوں کا زمانہ ایک نہیں ہے، کیونکہ دخول کے بعد خلود ہوگا، مفسر نے بتایا کہ یہاں **خالدین** سے خلود مراد نہیں ہے بلکہ تقدیر خلود مراد ہے۔

رضیً کثیر :. **رضوان** میں تنوین تعظیم کے لئے ہے، اس لئے اس کو ظاہر کرنے کے لئے مفسر نے **رضی کثیر** کہا۔

اواخر اللیل :۔ **اسحار**، **سحر** کی جمع ہے، اس کی تفسیر مفسر نے رات کے آخری حصے سے کی ہے، چنانچہ زجاج نے کہا ہے کہ یہ طلوع صبح صادق سے پہلے کا وقت ہے، بعض نے کہا کہ رات کے آخری حصے سے طلوع صبح

صادق تک کا وقت ہے۔

بین لخلقه بالدلائل و الآیات :۔اللہ کی وحدانیت کی گواہی خود اللہ تعالیٰ بھی دیتے ہیں، فرشتے بھی دیتے ہیں اور اہل علم بھی دیتے ہیں۔اللہ کی گواہی یہ ہے کہ اس پاک ذات نے دلائل اور نشانیوں کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، فرشتوں کی گواہی، ان کا اقرار کرنا ہے، اور اہل علم کی گواہی یہ ہے کہ وہ دل سے اعتقاد بھی رکھتے ہیں، اور زبان سے اقرار و اظہار بھی کرتے ہیں۔

ونصبه علی الحال:۔ **قائما بالقسط** کے بارے میں فرمایا کہ یہ حال ہونے کی بنا پر منصوب ہے، اس کا ذوالحال وہ ضمیر منفصل ہے جو الا کے بعد ہے، اس طرح یہ حال بھی شہادت کے ذیل میں آجائے گا، یعنی اللہ نے، ملائکہ نے، اہل علم نے اس بات کی گواہی دی کہ اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، اور اس کی بھی گواہی کہ وہ عدل کے ساتھ اپنی مخلوقات کا انتظام واہتمام کرتا ہے، اس میں عامل اس جملہ کا مضمون ہے، یعنی تفرد کہ وہ تنہا ان سب انتظامات کا کفیل ہے۔

وفی قرأة بفتح أن بدل من أنه الخ بدل اشتمال :۔ایک قرأۃ اس طرح اَنَّ الدِّیْنَ عِنْدَاللّٰہِ الْاِسْلَام بجائے اِن مکسورہ کے اَن مفتوحہ کے ساتھ، اس صورت میں انہ لا الہ الا ھو سے بدل اشتمال ہوگا، یعنی جس بات کی گواہی دی گئی ہے، وہ اللہ کی وحدانیت ہے، یعنی یہ کہ پسندیدہ دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے۔ بدل اشتمال کا مطلب یہ ہے کہ بدل کا مبدل منہ سے کوئی التزامی ربط وتعلق ہو۔اللہ کی وحدانیت کے اقرار واعتراف اور دین اسلام کے عنداللہ حق ہونے کے درمیان التزامی ربط واضح ہے۔

بان وجد بعض وکفر بعض :۔سابق اہل کتاب فرقوں کے اختلاف کا بیان ہے، کہ یہ کفر وایمان کا اختلاف تھا، یہ سخت مذموم ہے، مسائل فرعیہ کا اختلاف یہاں مراد نہیں ہے۔

بغیاً :۔یہ مفعول لہ ہے، اس کا عامل **اختلف** ہے، یعنی **وما اختلف الذین اوتوا الکتاب الا لاجل البغی لا لغیرہ**.

انقدت له اناو من اتبعن :۔ **انا** کی ضمیر مرفوع لاکر مفسر نے بتایا کہ **من اتبعن** محلاً مرفوع ہے، کیونکہ اس کا عطف ضمیر مرفوع پر ہے۔اور معطوف علیہ **اسلمت** کی ضمیر تاء ہے، اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ تاء ضمیر متصل ہے، اس پر اسم ظاہر کا عطف ضمیر منفصل کی صورت میں تاکید لائے بغیر درست نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے معطوف علیہ اور معطوف کے درمیان اگر فصل آجائے تو بغیر تاکید کے عطف ہوسکتا ہے۔

اسلموا:۔ أأسلمتم صورۃً استفہام ہے، حقیقۃً امر ہے۔

وهذا قبل الامر بالقتال :۔ **وان تولوا فانما علیک البلاغ** سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اگر یہ کفار

بات کو نہ مانیں تو ان سے بس اعراض کرنا ہے، پیغمبر کی ذمہ داری ہے کہ پیغام پہونچا دے اور بس! مفسر نے فرمایا کہ یہ کلی حکم امر جہاد وقتال کی وجہ سے منسوخ ہے۔ اب حکم یہ ہے کہ موقع ومحل کے لحاظ سے، صفح و درگزر، جہاد وقتال سب جائز ہے۔

﴿مضامین آیات وتفسیر﴾

جو لوگ کفر کی راہ اختیار کئے ہوئے ہیں، ان کو اللہ کے عذاب سے، نہ ان کا مال بچا سکتا اور نہ ان کی اولاد، اس سلسلے میں یہ دونوں مددگار کچھ بھی کام نہیں آسکتے۔ یہ لوگ درحقیقت جہنم کے جلاون (ایندھن) ہیں، ان کفار کا حال وہی ہے، جو آل فرعون کا حال تھا، ان فرعونیوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی اور وہ اپنے گناہوں کی پاداش میں پکڑے گئے، اسی طرح یہ بھی گرفت سے نہیں بچ سکتے۔ اور اللہ کی پکڑ سخت ہے، اے رسول! تم ان یہودیوں اور کافروں سے جو تم کو دھمکیاں دیتے ہیں کہدو کہ جلد ہی تم پسپا ہوگے، دنیا میں مغلوب ہوگے، قتل، قید اور جزیہ سب میں مبتلا ہوگے، اور آخرت میں، جہنم کے اندر ڈال دیئے جاؤ گے۔ وہ بہت بری جگہ ہے، عبرت کی بات ہے کہ دو لشکر بدر کے میدان میں آمنے سامنے ہوئے، ایک لشکر اللہ کی راہ میں لڑ رہا تھا، اور یہ صرف تین سو تیرہ کی تعداد پر مشتمل تھا، اس میں صرف دو گھوڑے، چھ زرہیں اور آٹھ تلواریں تھیں، زیادہ تر پا پیادہ تھے، اور دوسرا لشکر کفار کا تھا، لیکن کفار کی نگاہ میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ دکھائی دے رہی تھی جبکہ وہ ایک ہزار تھے، اور اللہ تعالیٰ جس کی چاہتے ہیں نصرت فرماتے ہیں۔ اس میں عقل والوں کے لئے عبرت کا سامان ہے۔ آدمیوں کا حال یہ ہے کہ ان کے لئے نفس وطبیعت کی چاہتیں، خوب بنا اور سنوار دی گئیں ہیں، یعنی عورتوں اور بچوں کی محبت، بہت زیادہ مال کی محبت، خواہ سونا چاندی ہو، خواہ عمدہ گھوڑے ہوں، یا چوپائے اور کھیتیاں ہوں، لیکن یہ سب دنیا کی زندگی میں برتنے اور استعمال کرنے کے سامان ہیں، باقی رہنے والی کوئی چیز نہیں ہے، اور بہترین ٹھکانا اللہ ہی کے پاس ہے، یعنی جنت۔

اے رسول! اپنی قوم سے کہو کہ جن چیزوں کو تم دل سے چاہتے ہو، ان سے بہتر بات تمہیں بتاؤں، جو لوگ شرک سے بچے رہے، ان کے واسطے ان کے رب کے پاس ایسی جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور پاک صاف بیویاں ہوں گی، اور اللہ کی طرف سے رضامندی ہوگی، اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے باخبر ہیں، یہ وہ بندے ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم ایمان لائے، آپ ہمارے گناہوں کی مغفرت فرما دیجئے، اور ہم کو جہنم کے عذاب سے بچا لیجئے، وہ صبر کرنے والے ہیں، ایمان میں سچے ہیں، فرمانبردار ہیں، داد ودہش والے ہیں، آخر شب میں اللہ سے مغفرت چاہنے والے ہیں۔ اللہ نے دلائل اور نشانیوں سے یہ بات پختہ کر دی ہے کہ ان کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے، فرشتوں نے بھی اس کا اقرار کیا، اہل علم نے بھی دل

اورزبان سے اسے تسلیم کیا، اورساتھ ہی یہ کہ وہ عدل وانصاف کے ساتھ تمام کاموں کی تدبیر بذات خود کرتے ہیں۔ان کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہے، وہ اکیلے معبود برحق ہیں، غلبہ اور حکمت والے ہیں، اوران کے نزدیک پسندیدہ اورمقبول دین تو صرف اسلام ہے، جس کے تمام انبیاء کرام داعی رہے ہیں اور وہ جو اہل کتاب نے مختلف راہیں اختیار کیں، بعض ایمان پر قائم اور برقرار رہے، اور بعض کفر کی راہ پر چل پڑے، تو یہ اختلاف توحید کے علم کے آجانے کے بعد ہوا، اورصرف آپس کی سرکشی اورنفسانیت کی وجہ سے ہوا۔علم کی وجہ سے نہیں ہوا۔اور واقعہ یہ ہے کہ جواللہ کی آیات سے کفراختیار کرے گا، اس کا حساب جلدی ہی ہوجائے گا۔اس صاف صاف علم آجانے کے بعد بھی اگر یہ لوگ تم سے دین کے متعلق الجھیں تو واضح طور پر بتادو کہ میں بھی اورمیرے ماننے والے بھی اللہ کے فرمانردار ہیں، اوراہل کتاب سے نیز مشرکین عرب سے پوچھو کہ کیا تم بھی فرمانبردار ہو؟ پھراگر وہ بھی فرمانبرداری اوراطاعت پرآجائیں، تو وہ ہدایت کی راہ پرآگئے، اوراگر اس سے گریز کریں، تو تمہاری ذمہ داری پیغام پہونچانے کی ہے، اوراللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے احوال واعمال کو دیکھتے ہیں، وہ ان کا بدلہ چکائیں گے۔

☆☆☆☆☆

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِآیَاتِ اللّٰهِ وَیَقْتُلُوْنَ﴾ و فی قرائة یقاتلون ﴿النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ حَقٍّ وَّ یَقْتُلُوْنَ الَّذِیْنَ یَامُرُوْنَ بِالْقِسْطِ﴾ بالعدل ﴿مِنَ النَّاسِ﴾ وهم الیهود روی انهم قتلوا ثلثة و اربعین نبیا فنهاهم مائة و سبعون من عبادهم فقتلوهم فی یومهم ﴿فَبَشِّرْهُمْ﴾ اعلمهم ﴿بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ﴾ مولم وذکر البشارة تهکم لهم و دخلت الفاء فی خبر ان لشبه اسمها الموصول بالشرط ﴿اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ حَبِطَتْ﴾ بطلت ﴿اَعْمَالُهُمْ﴾ ما عملوه من خیر کصدقة و صلة رحم ﴿فِی الدُّنْیَا وَالآخِرَةِ﴾ فلا اعتداد بها لعدم شرطها ﴿وَمَا لَهُمْ مِّنْ نَّاصِرِیْنَ﴾ مانعین لهم من العذاب ﴿اَلَمْ تَرَ﴾ تنظر ﴿اِلَی الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْباً﴾ حظاً ﴿مِنَ الْکِتٰبِ﴾ التوراة ﴿یُدْعَوْنَ﴾ حال ﴿اِلٰی کِتٰبِ اللّٰهِ لِیَحْکُمَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ یَتَوَلّٰی فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ وَ هُمْ مُّعْرِضُوْنَ﴾ عن قبول حکمه نزل فی الیهود زنیٰ منهم اثنان فتحاکموا الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فحکم علیهما بالرجم فابوا فجئ بالتوراة فوجد فیها فرجما فغضبوا ﴿ذٰلِکَ﴾ التولی والاعراض ﴿بِاَنَّهُمْ قَالُوْا﴾ ای بسبب قولهم ﴿لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّا اَیَّاماً مَّعْدُوْدَاتٍ﴾ اربعین یوماً مدة عبادة آبائهم العجل ثم تزول عنهم ﴿وَ غَرَّهُمْ فِیْ دِیْنِهِمْ﴾ متعلق بقوله ﴿مَّا کَانُوْا یَفْتَرُوْنَ﴾ من قولهم ذلک ﴿فَکَیْفَ﴾ حالهم ﴿اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِیَوْمٍ﴾ ای فی یوم ﴿لَا رَیْبَ﴾ شک ﴿فِیْهِ﴾ هو یوم القیٰمة ﴿وَوُفِّیَتْ کُلُّ نَفْسٍ﴾ من اهل الکتٰب وغیرهم جزاء ﴿مَّا

كَسَبَتْ﴾ عملت من خير و شر﴿ وَهُمْ﴾ اى الناس ﴿لاَ يُظْلَمُوْنَ﴾ بنقص حسنة او زيادة سيئة و نزل لما وعد ﷺ امته ملك فارس والروم فقال المنافقون هيهات ﴿قُلِ اللّٰهُمَّ﴾ يا الله ﴿مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِى الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ﴾ من خلقك ﴿وَ تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ﴾ بايتائه اياه ﴿وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ﴾ بنزعه منه﴿ بِيَدِكَ﴾ بقدرتك ﴿الْخَيْرُ﴾ اى والشر ﴿اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَئٍ قَدِيْرٌ تُوْلِجُ﴾ تدخل﴿ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ﴾ تدخله ﴿فِى الَّيْلِ﴾ فيزيد كل منهما بما نقص من الآخر ﴿وَ تُخْرِجُ الْحَىَّ مِنَ الْمَيِّتِ﴾ كالانسان والطائر من النطفة والبيضة ﴿وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ﴾ كالنطفة والبيضة ﴿مِنَ الْحَيِّ وَ تَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ اى رزقا واسعا﴿ لاَ يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَاءَ﴾ يوالونهم ﴿مِنْ دُوْنِ﴾ اى غير﴿ الْمُؤْمِنِيْنَ وَمَن يَّفْعَلْ ذٰلِكَ﴾ اى يواليهم ﴿فَلَيْسَ مِنَ﴾ دين﴿ اللّٰهِ فِىْ شَئٍ اِلَّا اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰةً﴾ مصدر تقيته اى تخافوا مخافة فلكم موالاتهم باللسان دون القلب وهذا قبل عزة الاسلام و يجرى فى من فى بلد ليس قويا فيها﴿وَ يُحَذِّرُكُمُ﴾ يخوفكم﴿ اللّٰهُ نَفْسَهٗ﴾ اى ان يغضب عليكم ان واليتموهم﴿ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ﴾ المرجع فيجازيكم﴿ قُلْ﴾ لهم﴿ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِىْ صُدُوْرِكُمْ﴾ قلوبكم من موالاتهم ﴿ اَوْ تُبْدُوْهُ﴾ تظهروه ﴿ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ﴾ وهو ﴿يَعْلَمُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَئٍ قَدِيْرٌ﴾ ومنه تعذيب من والاهم واذكر﴿ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَراً وَ مَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْءٍ﴾ مبتدأ خبره ﴿تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَ بَيْنَهٗ اَمَداً بَعِيْداً ﴾ غاية فى نهاية البعد فلا يصل اليها﴿ وَ يُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ﴾ كرره للتاكيد﴿ وَاللّٰهُ رَؤُفٌ بِالْعِبَادِ﴾

﴿ ترجمہ ﴾

(بے شک وہ لوگ جو اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں، اور انبیاء کو ناحق قتل کرتے ہیں) ایک قرأۃ میں یقاتلون ہے، یعنی انبیاء سے لڑتے ہیں (اور ان لوگوں کو بھی قتل کرتے ہیں جو عدل کا حکم کرتے ہیں) اور یہ یہود ہیں، مروی ہے کہ انھوں نے ۴۳ر انبیاء کو قتل کیا، انہیں اس جرم سے ۱۷۰ر عابدون نے منع کیا، تو انہیں بھی اسی دن قتل کر دیا (انہیں دردناک عذاب کی بشارت سنا دو) یعنی اطلاع کر دو، اور بشارت کا ذکر ان کے ساتھ تہکم ہے، اور انّ کی خبر میں فاء اس لئے داخل ہوئی کہ اس کا اسم جو کہ موصول ہے، شرط کے مشابہ ہے (یہی لوگ ہیں جن کے اعمال) یعنی انھوں نے جو کچھ عمل خیر کیا ہے، جیسے صدقہ اور صلہ رحمی سب (دنیا و آخرت میں ضائع ہو گئے) یعنی وہ قابل شمار نہیں ہیں، کیونکہ اس کی شرط معدوم ہے۔ (اور ان کے لئے کوئی مدد گار نہیں ہے) یعنی عذاب سے

کوئی بچانے والا نہیں ہے (کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا، جنھیں کتاب کا ایک حصہ دیا گیا) یعنی تورات کا (انہیں دعوت دی جاتی ہے) یدعون حال ہے (اللہ کی کتاب کی جانب تا کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے، پھر ان میں سے ایک فریق) اس فیصلے کو قبول کرنے سے (اعراض کرتے ہوئے روگردانی کرتا ہے) یہ آیت یہودیوں کے حق میں نازل ہوئی ہے، دو یہودیوں نے زنا کیا تھا، وہ مقدمہ نبی کریم ﷺ کے پاس لائے، آپ نے ان پر رجم کا فیصلہ کیا، انھوں نے انکار کیا، پھر توریت کو لایا گیا تو یہ حکم اس میں پایا گیا۔ لہذا ان دونوں کو رجم کر دیا گیا، اس پر وہ غضبناک ہوئے۔ (یہ) روگردانی اور اعراض (اس واسطے ہے کہ انھوں نے کہا) یعنی ان کے اس قول کی وجہ سے (کہ جہنم ہمیں بس گنتی کے چند دن چھوئے گی) چالیس دن، جتنے دن ان کے آباء واجداد نے بچھڑے کی پوجا کی تھی، پھر ان سے ہٹ جائے گی (اور ان کو ان کے دین کے بارے میں اس چیز نے دھوکے میں ڈال دیا جو وہ افترا کرتے تھے) فی دینھم کا تعلق ما کانوا یفترون سے ہے، اور اس سے مراد ان کا مذکورہ بالا قول ہے (پس اس وقت ان کا حال کیا ہوگا، جب ہم انہیں ایک ایسے دن میں جمع کریں گے جس میں کوئی شبہ نہیں ہے) وہ قیامت کا دن ہے (اور) اہل کتاب اور غیر اہل کتاب (سب کو) ان تمام خیر وشر کا (جو کچھ انھوں نے کیا ہے پورا پورا) بدلہ (دیا جائے گا اور ان پر) کسی نیکی کو کم کر کے یا کسی برائی کو زیادہ کر کے (ظلم نہیں کیا جائے گا) اور اگلی آیت اس وقت نازل ہوئی جب رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت سے ملک فارس اور ملک روم کا وعدہ کیا، تو منافقوں نے کہا کہ یہ کبھی نہ ہوگا (تم کہو: اے اللہ، اے ملک کے مالک، آپ) اپنی مخلوق میں (جس کو چاہتے ہیں حکومت عطا فرماتے ہیں، اور جس سے چاہتے ہیں حکومت چھین لیتے ہیں، اور جس کو چاہتے ہیں) حکومت دے کر (غلبہ دیتے ہیں، اور جس کو چاہتے ہیں) حکومت اس سے چھین کر (ذلیل کرتے ہیں، آپ کے ہاتھ میں) آپ کی قدرت میں (خیر) اور شر (ہے، بے شک آپ ہر چیز پر قادر ہیں، رات کو دن میں داخل کرتے ہیں، اور دن کو رات میں داخل کرتے ہیں) پس ان میں سے ہر ایک کو اتنا بڑھا دیتے ہیں جتنا دوسرے کو گھٹاتے ہیں (اور زندہ کو مردہ سے نکالتے ہیں) جیسے انسان کو اور پرندہ کو نطفہ سے اور انڈے سے نکالتے ہیں (اور مردہ کو) جیسے نطفہ کو اور انڈے کو (زندہ سے نکالتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں روزی بے حساب دیتے ہیں) یعنی بہت زیادہ (اہل ایمان کافروں کو اپنا دلی دوست نہ بنائیں) یعنی ان سے موالات نہ کریں (بجز مومنوں کے، اور جو ایسا کرے گا) یعنی ان سے موالات کرے گا (اس کا اللہ) کے دین (سے کوئی تعلق نہیں، مگر یہ کہ تم ان سے اپنا بچاؤ کرو) تقاۃ، تقیت کا مصدر ہے، یعنی تمہیں ان سے اندیشہ ہو، تو زبان سے اظہار موالات تو تمہارے لئے جائز ہے، لیکن دل سے نہیں، اور یہ حکم غلبہ اسلام سے پہلے کا ہے، اور اب بھی ایسی جگہ جہاں مسلمان کمزور ہوں، یہی حکم ہے (اور اللہ تعالیٰ تم کو اپنی ذات سے خوف کھانے کا حکم دیتے ہیں) کہ کہیں ان کی موالات کی وجہ سے تم پر ان کا غضب نہ

نازل ہو جائے (اور اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے) پس وہ تمہیں بدلہ دیں گے (تم) ان سے (کہہ دو کہ جو کچھ تمہارے دل میں ہے، اسے خواہ تم چھپاؤ) یعنی ان سے محبت (یا ظاہر کرو، اللہ تعالیٰ اسے جانتے ہیں اور) وہ (وہ بھی جانتے ہیں جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں) اور اسی میں کفار سے موالات کرنے والے کو مبتلائے عذاب کرنا بھی ہے، یاد کرو (جب ہر شخص، جو کچھ اس نے خیر کا عمل کیا ہوگا، اسے سامنے حاضر پائے گا، اور جو کچھ اس نے برا عمل کیا ہوگا) **ما عملت من سوء** مبتدا ہے، اس کی خبر **تود لو ان بینها و بینه امداً بعیداً** ہے، یعنی (چاہے گا کہ اس کے درمیان اور اس کے درمیان ایک لمبی مسافت ہو) کہ وہ وہاں تک نہ پہونچ سکے (اور اللہ تعالیٰ اپنی ذات سے خوف رکھنے کا حکم دیتے ہیں) اس کو تاکید کے لئے مکرر لائے (اور اللہ تعالیٰ بندوں پر بہت مہربان ہیں)

تشریحات

تھکم بہ:۔عذاب کی بشارت، درحقیقت ان پر ایک طرح کا طنز ہے، ورنہ بشارت خوش خبری کو کہتے ہیں، پس عذاب کی بشارت نہیں ہو سکتی، چونکہ انبیاء کرام علیہم السلام کو قتل کرنے والوں نے اس قتل کرنے کو اپنا ایک کارنامہ سمجھا۔ اور ظاہر ہے کہ کسی بڑے کام پر انعام و اکرام کی بشارت ملتی ہے، تو ان کے اس گمان کی بنیاد پر بشارت کا لفظ لایا گیا، مگر اس کے ساتھ **عذاب الیم** کو چسپاں کر کے بتا دیا گیا۔ کہ تمہارے لئے کس قسم کی بشارت ہے۔ بشارت خیر کی اطلاع کو کہتے ہیں۔

و دخلت الفاء فی خبر اِنَّ الخ:۔ مفسر نے یہاں ایک سوال کا جواب دیا ہے، وہ یہ کہ **الذین یکفرون بآیات الله** سے **من الناس** تک مجموعی اعتبار سے اِنَّ کا اسم ہے اور **فبشرهم** اس کی خبر ہے، نہ مبتدا شرط ہے، اور نہ خبر جزا ہے، پھر خبر میں فاء جزائیہ کیوں داخل کیا گیا؟ اس کا جواب مفسر نے یہ دیا کہ: **الذین یکفرون بآیات الله الخ** میں شرط کی مشابہت پائی جاتی ہے، اس لئے اس کی خبر جزاء کے مشابہ ہے، کیونکہ کفر بآیات اللہ اور قتل انبیاء و صلحاء عذاب الیم کی بشارت کا سبب ہے، اور معلوم ہے کہ شرط، جزاء کے لئے سبب ہے، تو یہاں ان کا اسم اس کی خبر کے لئے سبب ہے۔ تو گو کہ لفظاً شرط و جزا نہیں ہے، لیکن مشابہت تو ضرور ہے، اس لئے فاء جزائیہ خبر میں آیا، قاعدہ یہ ہے کہ مبتدا اسم موصول ہو، یا اسم موصول کا مضاف ہو، اور موصول کا صلہ فعل ہو، تو اس میں شرط کی مشابہت پائی جاتی ہے، اور خبر پر فاء جزائیہ کا داخل کرنا جائز ہوتا ہے، لیکن اس میں اختلاف ہے کہ نواسخ جملہ کے داخل ہونے کے بعد بھی کیا فاء جزائیہ کا داخل ہونا درست ہوتا ہے؟ تو اخفش نے کہا کہ اِنَّ اور اَنَّ کے داخل ہونے کے بعد مبتدا اپنے حال پر باقی نہیں رہتا۔ پس اس میں شرط کی مشابہت باقی نہیں رہتی، لیکن جمہور نحویوں کا کہنا ہے کہ اِنّ کے داخل ہونے سے معنی میں کوئی تغیر نہیں ہوتا، بلکہ اس میں تاکید پیدا ہو جاتی ہے، پس وہ شرط کی

مشابہت سے مانع نہیں ہے،اور نقلاً اس کی دلیل مذکورہ بالا آیات کریمہ ہے،اور اَن ولکن بھی دخول فاء سے مانع نہیں ہیں۔اللہ تعالیٰ کاارشاد ہے واعلموا ان ما غنمتم من شئی فان للّٰہ خمسہ الخ اور کسی شاعر کا شعر ہے:

فو اللہ ما فارقتکم عن ملالۃ ولکن ما یقضی فسوف یکون

ہاں لیت اور لعل خبر میں دخول فاء سے مانع ہیں، کیونکہ ان کی وجہ سے وہ جملہ خبریہ باقی نہیں رہتا۔پس وہاں نہ شرط ہے اور نہ جزا ہے کیونکہ شرط وجزا کا تعلق جملہ خبریہ سے ہوتا ہے۔

لعدم شرطھا :۔کسی بھی عمل کے آخرت میں باعث اجر وثواب ہونے کے لئے اسلام شرط ہے، جب شرط ہی نہیں تو ثواب کہاں؟

تنظر :۔یہاں الم تر سے مراد رُویتِ بصری ہے فعل قلب نہیں ہے۔

نزل فی الیھود زنی منھم الخ :۔تفسیر خازن میں اس واقعہ کی تفصیل اس طرح لکھی ہے کہ خیبر میں ایک مرد اور ایک عورت نے زنا کیا،معاملہ علمائے یہود کے سامنے پیش کیا گیا،توریت میں رجم کا حکم ہے،لیکن یہ دونوں کسی بڑے خاندان سے تعلق رکھتے تھے،انھوں نے رجم کا فیصلہ چاہا کہ نہ ہو،تو حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں لے کر معاملہ کو حاضر ہوئے،انہیں امید تھی کہ شاید یہاں کچھ رخصت ہو،مگر آپ نے ان پر رجم کا فیصلہ کر دیا،دو آدمیوں نے کہا کہ ان دونوں پر رجم نہیں ہے،آپ نے فرمایا کہ میرے اور تمہارے درمیان توریت فیصل ہے،انھوں نے قبول کیا فرمایا کہ تم میں توریت کا سب سے بڑا عالم کون ہے؟ بولے کہ ایک مرد اعور (کانا) ہے جس کا نام عبداللہ بن صوریا ہے،فدک میں رہتا ہے، یہودیوں نے اسے بلوایا،وہ آیا تو آپ نے فرمایا کہ تم ابن صوریا ہو،کہا ہاں، فرمایا کہ توریت کے سب سے بڑے عالم تم ہو؟ اس نے کہا لوگ ایسا ہی خیال کرتے ہیں۔آپ نے توریت منگوائی اور اس سے فرمایا کہ اسے پڑھو،اس نے پڑھنا شروع کیا،جب آیت رجم پر پہونچا تو اس پر اپنا ہاتھ رکھ کر آگے پڑھ دیا۔حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وہاں موجود تھے،عرض کیا۔یارسول اللہ! یہ اسے چھوڑ کر آگے بڑھ گیا ہے، پھر وہ اٹھے اور اس کا ہاتھ ہٹا کر آیت رجم پڑھ کر سنادی،اس میں تھا کہ اگر شادی شدہ مرد یا عورت زنا کریں اور اس پر بینہ قائم ہو جائے تو دونوں کو رجم کر دیا جائے گا،اور اگر عورت حاملہ ہو تو وضع حمل تک انتظار کیا جائے گا۔آپ نے حکم دیا اور وہ دونوں سنگسار کر دیئے گئے،اس پر یہود بہت ناراض ہوئے۔تب اللہ تعالیٰ نے الم تر الی الذین اوتوا الخ نازل فرمائی۔

بسبب قولھم :. بانھم قالوا میں باء سبب کیلئے ہے، انھم قالوا مصدر کے معنی میں ہے،یعنی بسبب قولھم متعلق بقولہ ما کانوا یفترون :. فی دینھم ، ماکانوا یفترون کے متعلق ہے،بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اسم موصول کا مابعد اس کے ماقبل میں عامل نہیں ہوتا،پس فی دینھم جو ما موصولہ سے پہلے آیا ہے، ما کانوا

یفترون کے تحت نہیں ہوسکتا، ان کے نزدیک فی دینهم کا تعلق غرهم سے ہے۔

من قولهم :. یہ ما کانوا یفترون میں ما کا بیان ہے

حالهم :. کیف خبر ہے، اس کا مبتدا حالهم ہے جو کہ مقدر ہے۔

یا الله :. اللهم اصل میں یا اللہ ہے، حرف نداء کو حذف کر کے اس کے عوض میں آخر میں میم کا اضافہ کر دیا، عوض لانے کا یہ مسئلہ صرف اسم جلالت اللہ کے ساتھ مختص ہے، اس کلمۂ مبارکہ کی اور بھی خصوصیات ہیں، مثلاً یہ کہ اس پر یا حرف ندا براہ راست داخل ہوتا ہے، اور اس صورت میں الف لام میں الف قطعی بن جاتا ہے، ورنہ دوسرے کسی معرف باللام پر حرف ندا براہ راست داخل نہیں ہوتا، اس کیساتھ ایھا لانا پڑتا ہے، اسی طرح اس کلمۂ مبارکہ کی خصوصیت ہے کہ اس پر تاء قسم داخل ہوتی ہے۔

بایتائه:. اے بایتاء الملک

اے والشر : ۔اللہ نے فرمایا بیدک الخیر ، آپ ہی کے ہاتھ میں خیر ہے، ظاہر ہے کہ جب خیر ان کے ہاتھ میں ہے تو اس کا مقابل شر بھی انہیں کے ہاتھ میں ہے، لیکن ذکر میں ایک مقابل پر اکتفاء کر لیا جاتا ہے، قرینہ سے دوسرے کو بھی سمجھا جاتا ہے، جیسے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے تقیکم الحر یعنی والبرد ، اور خیر پر اس لئے اکتفا کیا گیا کہ وہ رغبت والی چیز ہے۔

یوالونهم :. یہ لا یتخذ المومنون الکافرین اولیاء کی تفسیر ہے، اس لحاظ سے اسے بحذف النون ذکر کرنا چاہئے تھا کیونکہ مفسَّر مجذوم ہے۔ لیکن جواب یہ ہے کہ لفظاً مفسِّر کا مفسر کے مطابق ہونا ضروری نہیں، بس معنی کی توضیح کافی ہے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ اولیاء کی صفت ہوتا کہ اس کے ساتھ من دون المومنین کا تعلق ظاہر ہو۔

مصدر تقیته: ۔تقاة مصدر ہے اصل مادہ میں تاء کے بجائے واو ہے، اس کو تاء سے بدل دیا ہے، اور یہ تبدیلی اسم اور فعل سب میں ہے، چنانچہ وقاة سے تقاة ہے، وقیت سے تقیت ، وقویٰ سے تقویٰ ہے۔

اے تخافوا مخافة فلکم موالاتهم باللسان :۔یعنی اگر کفار کے درمیان آدمی مغلوب ہو، اور ان سے جان و مال پر اندیشہ ہو تو زبان سے اظہار تعلق کر سکتا ہے۔ مگر دل سے ان سے محبت رکھنا جائز نہیں ہے، اور جہاں اسلام کا غلبہ ہو، وہاں یہ بھی درست نہیں ہے۔

وهذا قبل عزة الاسلام الخ :۔موالاة باللسان کا حکم اس وقت تک تھا، جب تک اسلام کو غلبہ حاصل نہیں ہوا تھا، غلبۂ اسلام کے بعد یہ حکم موقوف ہوا۔ ہاں یہ حکم ایسی جگہوں میں اب بھی قائم ہے، جہاں اسلام کو قوت حاصل نہ ہو۔

ان یغضب علیکم :۔ یہ نفسه سے بدل اشتمال ہے، خدا سے ڈرنے کا مصداق یہ ہے کہ خدا کے غضب سے

ڈرا جائے۔

(و) ھو (یعلم ما فی السمٰوات) :۔درمیان میں ھو مبتدا مقدر ہے، کیونکہ **یعلم** ماقبل کی شرط کے تحت نہیں ہے، اسی لئے وہ مجزوم نہیں ہے، بلکہ یہ جملہ مستانفہ ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے **ما فی السمٰوات وما فی الارض** کے جاننے کے لئے کوئی شرط نہیں ہے۔

غایة فی نهایة البعد :۔غایت، امد کی تفسیر ہے، اور **فی نهایة البعد**، **بعیدًا** کی تشریح میں لائے ہیں۔

مضامین آیات وتفسیر

اہل کتاب کے غرور وتکبر اور علم وجہل کی کشمکش اور ان کی پیچیدہ نفسیات کا لطیف اظہار کر کے اللہ تعالیٰ نے انہیں سیدھی راہ کی ہدایت دی ہے، فرماتے ہیں کہ جو لوگ اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں، اور انبیاء کو اور عدل وانصاف کی تلقین کرنے والوں کو قتل کر دیتے ہیں، ان کے ہدایت پر ہونے کا کیا سوال؟ انہیں تو دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دو، یہ لوگ وہی ہیں کہ ان کے تمام اعمال صالحہ دنیا میں بھی ضائع ہوئے۔ اور آخرت میں بھی، اور آخرت کے عذاب سے بچاؤ کا کوئی سہارا ان کے پاس نہ ہوگا۔

کچھ لوگ اس قماش کے ہیں کہ انہیں توریت کا کچھ حصہ دیا گیا، مگر جب ان کو کتاب اللہ کی طرف دعوت دی جاتی کہ آؤ اس روشنی میں اپنے معاملات کا تصفیہ کرو، تو وہ منہ موڑ لیتے ہیں، رسول اللہ ﷺ کے دور میں یہود کے درمیان زنا کا جرم پایا گیا، وہ لوگ مقدمہ آپ کے پاس لائے، آپ نے رجم کا فیصلہ کر دیا، یہودیوں نے انکار کر دیا کہ ہماری شریعت میں یہ سزا نہیں ہے، آپ نے توریت منگوائی، اور ابن صوریا جو یہود کا بڑا عالم تھا، اس نے کتاب پڑھنی شروع کی، اور جب آیت رجم آئی تو اس پر ہاتھ رکھ کر ادھر ادھر سے پڑھ دیا، وہاں عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ موجود تھے، انھوں نے اسکے خیانت کی اطلاع حضور اکرم ﷺ کو کر دی۔ آپ نے دونوں کو رجم کرا دیا۔

ان کی یہ جرأت اس لئے ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ جہنم سے نجات یافتہ ہیں، ان پر اگر جہنم کا اثر آیا بھی تو بس چند روز، جتنے دن ان کے آباء واجداد بچھڑے کی پوجا میں مبتلا ہوئے تھے، یعنی چالیس روز محض! یہ بات من گھڑت ہیں، جس کی وجہ سے وہ دھوکے میں مبتلا ہیں تو اس دن ان کا حال کیا ہوگا۔ جب سب لوگوں کو اکٹھا کیا جائے گا، اور ہر شخص کو اس کے کئے ہوئے کا بدلہ ملے گا، اور کسی پر کوئی ظلم نہ ہوگا، تم کہہ دو کہ اے اللہ، اے مالک الملک آپ جسے چاہتے ہیں حکومت عطا فرماتے ہیں اور جس سے چاہتے ہیں، حکومت چھین لیتے ہیں، جسے چاہتے ہیں غلبہ دیتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں ذلت میں ڈال دیتے ہیں، آپ ہی کے قبضہ میں سب خیر وشر ہے اور بلا شبہہ آپ ہر چیز پر قادر ہیں، آپ دن کے وقت کو رات میں ڈال دیتے ہیں، اور رات کے اوقات کو دن کے اندر ڈال دیتے ہیں، اس طرح دن اور رات گھٹتے بڑھتے رہتے ہیں، اور جاندار کو بے جان سے اور بے جان کو جاندار

سے نکالتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں، بے حساب روزی عطا فرماتے ہیں، جب سب کچھ قدرت خداوندی میں ہے، تو اہل ایمان ان کافروں سے دلی دوستی اور محبت نہ رکھیں۔ یہ تعلق ایمان والوں سے چاہئے، اور اگر کوئی یہ کام کرے گا تو اللہ کے قانون میں اس کا کوئی حصہ نہیں، مگر یہ کہ کمزوری کی وجہ سے بچاؤ کا راستہ اختیار کرنے کیلئے زبانی طور پر ان سے موالات کا اظہار کر کے اپنی عزت و آبرو اور اپنا ایمان بچالیا جائے، تو اس کی گنجائش ہے، اور اللہ تعالیٰ تلقین فرماتے ہیں کہ ان کے غضب سے ڈرو، انہیں کے پاس پلٹ کر جانا ہے، انہیں بتادو کہ دل کی بات کو تم چھپاؤ یا ظاہر کرو، اللہ تعالیٰ اسے جانتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کی ہر چیز کو جانتے ہیں، انہیں ہر چیز پر قدرت کاملہ حاصل ہے، وہ دن کبھی نہ بھولو جس دن اپنا کیا ہوا سب خیر وشر سامنے موجود ہوگا، اور شر کے بارے میں آدمی تمنا کرے گا کہ کاش اس کے درمیان اور شر کے درمیان انتہائی لمبی مسافت ہوتا کہ دونوں باہم قریب نہ آسکیں، اور خدا تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان سے ڈرو، اور اللہ تعالیٰ بندوں پر بہت مہربان ہیں۔

☆☆☆☆☆

ونزل لما قالوا ما نعبد الاصنام الا حبا لله ليقربونا اليه ﴿قُلْ﴾ لهم يا محمد ﴿اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾ بمعنى انه يثيبكم ﴿وَيَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ﴾ لمن اتبعني ماسلف منه قبل ذلك ﴿رَحِيْمٌ﴾ به ﴿قُلْ﴾ لهم ﴿اَطِيْعُوْا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ﴾ فيما يامركم به من التوحيد ﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا﴾ اعرضوا عن الطاعة ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ﴾ فيه اقامة الظاهر مقام المضمر اى لا يحبهم بمعنى انه يعاقبهم ﴿اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى﴾ اختار ﴿آدَمَ وَ نُوْحاً وَّ آلَ اِبْرَاهِيْمَ وَآلَ عِمْرَانَ﴾ بمعنى انفسهما ﴿عَلٰى الْعٰلَمِيْنَ﴾ بجعل الانبياء من نسلهم ﴿ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ﴾ ولد ﴿بَّعْضٍ﴾ منهم ﴿وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ اذكر ﴿اِذْ قَالَتِ امْرَاَةُ عِمْرَانَ﴾ حنة لما اسنت واشتاقت للولد فدعت الله واحست بالحمل ﴿يَا رَبِّ اِنِّيْ نَذَرْتُ﴾ ان اجعل ﴿لَكَ مَافِيْ بَطْنِيْ مُحَرَّراً﴾ عتيقا خالصامن شواغل الدنيا لخدمة بيتك المقدس ﴿فَتَقَبَّلْ مِنِّيْ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ﴾ للدعا ﴿الْعَلِيْمُ﴾ بالنيات وهلك عمران وهى حامل ﴿فَلَمَّا وَضَعَتْهَا﴾ ولدتها جاريةً وكانت ترجوان يكون غلاماذلم يكن يحرر الا الغلمان ﴿قَالَتْ﴾ متعذرة يا ﴿رَبِّ اِنِّيْ وَضَعْتُهَا اُنْثٰى وَاللّٰهُ اَعْلَمُ﴾ اى عالم ﴿بِمَا وَضَعَتْ﴾ جملة اعتراض من كلامه تعالىٰ وفى قراءة بضم التاء ﴿وَلَيْسَ الذَّكَرُ﴾ الذى طلبت ﴿كَالْاُنْثٰى﴾ التى وهبت لانه يقصد للخدمة وهى لا تصلح لها لضعفها وعورتها ومايعتريها من الحيض ونحوه ﴿وَاِنِّيْ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَاِنِّيْ اُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا﴾ اولادها ﴿مِنَ

الشَّيُطَانِ الرَّجِيُمِ﴾ المطرود فی الحديث مامن مولود يولد الا مسه الشيطان حين يولد فيستهل صارخا الا مريم وابنهارواه الشيخان﴿ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا﴾ ای قبل مريم من امها﴿ بِقُبُوُلٍ حَسَنٍ وَاَنُبَتَهَا نَبَاتاًحَسَناً﴾ انشأها بخلق حسن فكانت تنبت فی اليوم كما ينبت المولود فی العام واتت بها امها الاحبار سد نة بيت المقدس فقالت دونكم هٰذه النذيرة فتنا فسوافيها لا نها بنت امامهم فقال زكريا انا احق بها لان خالتها عندی فقالو الا حتی نقترع فا نطلقوا وهم تسعة و عشرون الی نهر الا ردن والقوا اقلامهم علی ان من ثبت قلمه فی الماء وصعد فهوا ولٰی بها فثبت قلم زكريا فا خذ ها وبنی لها غرفة فی المسجد بسلم لا يصعد اليها غيره وكان يا يتها با كلها وشربها ودهنها فيجد عندها فا كهة الشتاء فی الصيف و فاكهة الصيف فی الشتاء كما قال الله تعالی﴿ وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا﴾ ضمها اليه وفی قراة با لتشديد ونصب زكريا ء ممدوداً ومقصوراً والفا علُ الله ﴿كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيُهَا زَكَرِيَّا الُمِحُرَابَ ﴾ الغرفة وهی اشرف المجالس ﴿وَجَدَ عِنُدَ هَا رِزُقاً قَالَ يٰمَرُيَمُ اَنّٰی﴾ من اين ﴿لَكِ هٰذَا قَالَتُ﴾ وهی صغيرة﴿ هُوَ مِنُ عِنُدِ اللّٰهِ﴾ ياتينی به من الجنة﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَرُزُقُ مَن يَّشَاءُ بِغَيُرِ حِسَابٍ﴾ رزقا واسعا بلا تبعة ﴿هُنَا لِكَ﴾ ای لمارأی زكريا ذالک وعلم ان القادرعلی الاتيان با لشئ فی غير حينه قادر علی الا تيان بالولد علی الكبرو كان اهل بيته انقرضوا﴿دَعَا زَكَرِيَّارَبَّه﴾ لما دخل المحراب للصلوة جوف الليل﴿ قَالَ رَبِّ هَبُ لِیُ مِن لَّدُنُكَ﴾ من عندک ﴿ذُرِّيَةً طَيِّبَةً﴾ ولداصالحا﴿ اِنَّكَ سَمِيُعٌ ﴾مجيب ﴿الدُّعآ ءِ فَنَادَتُهُ الُمَلٰئِكَةُ﴾ای جبرئيل ﴿وَهُوَ قَآ ئِمٌ يُّصَلِّیُ فِی الُمِحُرَابِ﴾ ای المسجد﴿اَنَّ﴾ای بان وفی قراء ة با لكسر بتقدير القول ﴿اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ﴾ مثقلا و مخففا﴿ بِيَحُيیٰ مُصَدِّقاً بِكَلِمَةٍ﴾ كائنة﴿ مِّنَ اللّٰهِ﴾ ای بعيسٰی انه روح الله وسمی كلمة لانه خلق بكلمة كن﴿ وَسَيِّداً﴾ متبو عا﴿ وَّحُصُوُراً﴾ منوعا عن النساء﴿ وَ نَبِيّاً مِّنَ الصَّالِحِيُنَ﴾ روی انه لم يعمل خطيئة ولم هم بها﴿ قَالَ رَبِّ اَنّٰی ﴾ كيف﴿ يَكُوُنُ لِیُ غُلَامٌ﴾ ولد ﴿وَقَدُ بَلَغَنِیُ الُكِبَرُ﴾ای بلغت نها ية السن مائة وعشرين سنة﴿ وَامُرَأَتِیُ عَاقِرٌ﴾ بلغت ثمانی وتسعين﴿ قَالَ﴾ الا مر ﴿كَذالِكَ﴾ من خلق الله غلا ما منكما﴿ اللّٰهُ يَفُعَلُ مَايَشَآءُ﴾ لايعجزه شئی ولا ظهار هذه القدرة العظيمة الهمه الله السؤال ليجاب بها ولما تا قت نفسه الی سر عة المبشربه ﴿قَالَ رَبِّ اجُعَلُ لِیُ آيَةً﴾ ای علا مة علی حمل امرأتی﴿ قَالَ آيَتُكَ﴾ عَلَيُه﴾ اَن لَّا تُكَلِّمَ

الـنَّـاسَ﴾ ای تـمتنـع مـن کـلا مهم بخلا ف ذکر الله﴿ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ﴾ ای بلیا لیها﴿ اِلَّا رَمْزاً﴾ اشارة ﴿وَاذْکُرْرَبَّکَ کَثِیْراًوَّ سَبِّحْ﴾ صل ﴿بِالْعَشِیِّ وَالْاِ بْکَارِ﴾اواخر النهارو اوائله.

﴿ تــــرجمـــــه ﴾

جب مشرکین نے بت پرستی کی تاویل بیان کی کہ ہم بتوں کی عبادت اللہ کی محبت ہی میں کرتے ہیں، تاکہ یہ اصنام ہمیں اللہ کے قرب میں پہونچادیں، اس پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: (تم) ان سے اے محمد یہ (کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت فرمائیں گے) یعنی تمہیں ثواب عطا فرمائیں گے (اور تمہارے لئے تمہارے گناہوں کی مغفرت فرمادیں گے۔ اور) جس نے میری پیروی کی، اس کے پچھلے گناہوں کو (اللہ تعالیٰ معاف فرمانے، رحم فرمانے والے ہیں، تم) ان سے (کہہ دو کہ) جس توحید کا حکم دیا جارہا ہے، اس میں (تم اللہ اور رسول کی اطاعت کرو، پس اگر تم) طاعت سے (روگردانی کروگے، تو اللہ تعالیٰ کافروں سے محبت نہیں کرتے) اس میں اسم ظاہر کو ضمیر کی جگہ پر استعمال کیا گیا ہے، یعنی لا یحبهم. اس کا مطلب یہ ہے کہ انہیں سزادیں گے (بے شک اللہ تعالیٰ نے چن لیا ہے آدم کو اور نوح کو اور آل ابراہیم کو اور آل عمران کو) مطلب یہ ہے کہ خود انہیں کو (تمام عالم پر) کیونکہ انبیاء تمام تر انہیں کی نسل میں آئے، ان میں سے (بعض، بعض کی اولاد یں ہیں، اور اللہ تعالیٰ سمیع علیم ہیں اور) یاد کرو (جب عمران کی بیوی) حنہ (نے کہا) وہ بوڑھی ہوگئی تھیں، لیکن اولاد کا اشتیاق تھا، انھوں نے اللہ سے دعا کی، اور انہیں حمل کا احساس ہوا (اے میرے پروردگار! میں نے نذر مانی کہ جو کچھ میرے پیٹ میں ہے، میں اسے دنیا کے مشاغل سے، آپ کے) بیت مقدس کی خدمت کے (لئے آزاد کردوں گی، پس میری طرف سے قبول فرمالیجئے، بیشک، آپ) دعا کو (سننے والے) نیتوں کو (جاننے والے ہیں) ابھی وہ حمل سے تھیں کہ ان کے شوہر حضرت عمران کا انتقال ہوگیا (پھر جب اس کو بچی تولد ہوئی) انہیں توقع تھی کہ بچہ ہوگا، کیونکہ لڑکوں کو ہی بیت المقدس کی خدمت کے لئے آزاد کیا جاتا تھا (تو اس نے) بطور معذرت کے (کہا، اے میرے رب! میرے تو بچی تولد ہوئی، اور اللہ کو خوب معلوم ہے، جو کچھ اس نے جنا) جملہ معترضہ ہے، اللہ کی بات ہے، اور ایک قرأت میں تاء کے ضمہ کے ساتھ ہے، یعنی بما وضعت (اور وہ لڑکا) جس کو اس نے چاہا تھا (اس لڑکی کی طرح نہیں ہے) جو اسے بخشی گئی، کیونکہ مقصد خدمت کرنا تھا، اور لڑکی اپنے ضعف، پردہ نشینی اور حیض ونفاس جیسے عوارض کی وجہ سے اس کی صلاحیت نہیں رکھتی (اور میں نے اس کا نام مریم رکھا، اور میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان رجیم سے آپ کی پناہ میں دیتی ہوں) حدیث میں ہے کہ جب بھی کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو شیطان اسے کچوکا لگاتا ہے۔ تو چیخ مارتا ہے، سوائے مریم اور ان کے بیٹے کے اسے بخاری ومسلم نے روایت کیا ہے (پھر اس کے رب نے اسے قبول فرمالیا) یعنی مریم کو ان کی ماں کی طرف سے قبول فرمالیا۔

(بہترین قبولیت کے ساتھ، اور اس کی اچھی نشو ونما کی) وہ ایک دن میں اتنا بڑھتی تھیں جتنا دوسرے بچے ایک سال میں بڑھتے ہیں۔ اور ان کی ماں انہیں بیت المقدس کے عابد وزاہد خدام کے پاس لے آئیں اور ان سے کہا کہ اس نذر والی بچی کو لو، انھوں نے ایک دوسرے سے اس کی پرورش میں منافست کی، کیونکہ وہ ان کے امام کی بیٹی تھیں۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اس کا زیادہ حقدار ہوں، کیونکہ اس کی خالہ میرے پاس ہے، دوسرے لوگوں نے کہا کہ ایسے نہیں، قرعہ ڈالا جائے گا، یہ لوگ ۲۹ ر تھے، اردن کی ندی کے پاس پہونچے، اور انھوں نے اپنے اپنے قلم اس میں ڈالے اور بات یہ طے ہوئی کہ جس کا قلم پانی میں جمارہ جائے اور اوپر چڑھ آئے، وہی حقدار ہوگا، حضرت زکریا علیہ السلام کا قلم جمارہ گیا، انھوں نے حضرت مریم کو اپنی نگرانی اور پرورش میں لے لیا، اور ان کے لئے مسجد میں ایک بالا خانہ بنادیا، اور ایک زینہ لگادیا، جس پر ان کے علاوہ کوئی نہیں جاسکتا تھا، وہ ان کے لئے کھانے پینے کا سامان اور تیل وغیرہ لایا کرتے تھے، وہاں وہ کبھی کبھی گرمی کا میوہ جاڑے میں اور جاڑے کا میوہ گرمی میں پایا کرتے تھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (اور زکریا نے اسے اپنی کفالت میں لے لیا) اور ایک قرأۃ میں کفّل فاء کی تشدید کے ساتھ ہے، اور زکریا منصوب ہے، اس میں بھی دو قرأت ہے۔ الف ممدودہ اور الف مقصورہ کے ساتھ، اور کفّل کا فاعل اللّٰہ ہے، یعنی اللہ نے زکریا کو اس کا کفیل بنایا (جب بھی زکریا اس کے پاس بالا خانہ میں داخل ہوتے) محراب بمعنی بالا خانہ جو ایک عمدہ جگہ ہے (تو اس کے پاس کھانے کی چیز پاتے، کہتے اے مریم! یہ تمہارے لئے کہاں سے آیا، وہ کہتی) جبکہ وہ چھوٹی تھی (یہ اللہ کے پاس سے ہے) اللہ تعالیٰ اسے میرے پاس جنت سے بھیجتے ہیں (بے شک اللہ تعالیٰ جسے چاہتے ہیں روزی بے حساب دیتے ہیں) یعنی بغیر مشقت کے بہت وسیع رزق عطا فرماتے ہیں (اس وقت) یعنی جب زکریا نے اسے دیکھا اور ان کے دل میں یہ خیال جما کہ جو پروردگار کسی شے کو بے وقت لانے پر قادر ہے، وہ بڑھاپے کی حالت میں اولاد عطا فرمانے پر بھی قادر ہے، اور ان کے گھر والے سب ختم ہو چکے تھے، اس وقت (زکریا نے اپنے رب کو پکارا) جب وہ رات کے سناٹے میں نماز کے لئے اپنی عبادت گاہ میں کھڑے ہوئے (بولے اے میرے پروردگار! مجھے اپنے پاس سے ایک نیک وصالح بچہ عطا فرمایئے بے شک آپ دعا کو سننے والے ہیں، تب فرشتوں نے) یعنی جبرئیل نے (انہیں پکارا جبکہ وہ مسجد میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے کہ) اَنّ کے اوپر باء مقدر ہے، اور ایک قرأت اِنَّ مکسورہ کے ساتھ ہے، تب قول مقدر ہوگا، یعنی **فنادته الملائكة وهو قائم يصلي في المحراب وقالت ان الله يبشرك الخ** (اللہ تعالیٰ تمہیں یحییٰ کی خوشخبری دیتے ہیں) **يبشر** تشدید کے ساتھ بھی ہے، باب تفعیل سے اور تخفیف کے ساتھ بھی باب افعال سے (جو کہ اللہ کے ایک کلمہ) یعنی عیسیٰ (کی تصدیق کرنیوالا ہے) کہ وہ اللہ کی روح ہیں انہیں کلمہ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے کیونکہ وہ کلمہ **کن** سے پیدا ہوئے ہیں (اور سردار ہے) جس کی

پیروی ہوگی (حصور) یعنی عورتوں سے احتراز کرنے والا (اور نبی ہے صالحین میں سے) مروی ہے کہ انھوں نے نہ کبھی غلطی کی اور نہ کبھی اس کا قصد کیا (کہا اے میرے رب! میرے لڑکا کیونکر ہوگا اور حال یہ ہے کہ بڑھاپا مجھے لگ گیا ہے) یعنی میں عمر کی انتہا کو پہونچ گیا ہوں۔ ۱۲۰ر سال کا ہوں (اور میری بیوی بانجھ ہے) اس کی عمر ۹۸ سال کی ہوگئی ہے (فرمایا) معاملہ کچھ (ایسا ہی ہے) یعنی تم دونوں سے لڑکا تولد ہوگا (اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے) اسے کوئی چیز اس سے عاجز نہیں کرسکتی، اور اسی قدرت عظیمہ کے اظہار کے لئے اللہ نے انہیں یہ سوال الہام فرمایا تاکہ مذکورہ بالا قدرت عظیمہ کو جواب میں ذکر کیا جائے، اور جب انہیں بشارت کے سلسلے میں جلد معلومات کا شوق ہوا تو (بولے اے میرے رب! میرے لئے کوئی علامت متعین کردیجئے) یعنی میری بیوی کے حاملہ ہونے کی علامت (تو فرمایا کہ) اس پر (تمہاری نشانی یہ ہے کہ تم لوگوں سے تین دن تک) راتوں سمیت (بات نہیں کر سکو گے) یعنی لوگوں سے بات کرنے میں رکاوٹ پیدا ہوجائے گی، بخلاف اللہ کے ذکر کے کہ وہ ہوتا رہے گا (مگر اشارہ سے اور اپنے رب کو بہت یاد کرو اور شام وصبح کو تسبیح) نماز (پڑھتے رہو) یعنی دن کے آخر میں اور اس کے شروع میں۔

تشریحات

ونزل لما قالوا : الخ: ۔کفار ومشرکین نے ہر زمانے میں اپنے کفر وشرک کی خوبصورت تاویل کرنے کی کوشش کی ہے، وہ مسلمانوں سے کہتے تھے کہ ہم جو بتوں کی پوجا کرتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ کی محبت میں ہی کرتے ہیں، ہم خود سے تو خدا تک نہیں پہونچ سکتے، ہماری رسائی ان مورتیوں تک ہے، اور جن ارواح سے ان مورتیوں کا تعلق ہے، وہ ہمیں خدا کے حضور پہونچادیں گی۔ اللہ نے اس تاویل باطل کی تردید فرماتے ہوئے کہا: **قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ**، کہ اگر تمہیں اللہ تعالیٰ سے محبت ہے، تو بتوں کو چھوڑو، اور میری پیروی کرو، خدا تعالیٰ تم سے محبت فرمائیں گے۔

بمعنی انہ یثیبکم :. **یحببکم اللہ** کا معنی **یثیبکم** ہے، محبت ایک نفسیاتی تاثر ہے، کسی کا حسن وجمال یا کسی کی خوبی وکمال دیکھ کر انسان کی طبیعت میں ایک خاص طرح کا انفعال اور تاثر پیدا ہوتا ہے، جس کے نتیجے میں آدمی کو اس کی طرف کشش پیدا ہوتی ہے، پھر اگر وہ چھوٹا ہے تو محبوب کی اطاعت ورضا جوئی میں سرگرم ہوتا ہے، اور اگر وہ بڑا ہے، تو محبوب کو انعام واکرام سے نوازتا ہے، تو محبت اپنی ابتداء کے لحاظ سے ایک انفعال اور تاثر ہے، اور انتہاء کے لحاظ سے ایک فعل اور تاثیر ہے۔ اللہ تعالیٰ نفسیاتی تاثر سے پاک ہیں، کیونکہ تاثر خارجی دباؤ کو کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند ہیں۔ ہاں محبت کا انتہائی معنی یعنی انعام واکرام کی نوازش خدا کے شایان شان ہے، چنانچہ مفسر نے اسی کی تعبیر **یثیبکم** سے کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ثواب وانعام عطا فرمائیں گے۔

راقم شارح عرض کرتا ہے کہ حضرت مفسر نے یہ گفتگو حضرات متکلمین کے طرز پر کی ہے۔ حضرات صوفیہ محبت کو محبت ہی کے معنی میں رکھتے ہیں، لیکن وہ محبت، بندوں کی محبت کے مشابہ نہیں ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی ذات عالی کے شایان شان محبت ہے، جس کی حقیقت کا ادراک ہم کو نہیں۔

لمن اتبعنی سلف منه قبل ذٰلک :۔ یعنی جس شخص نے میری پیروی کی اس کے ان گناہوں کی مغفرت فرمادیں گے جو میری پیروی سے پہلے اس سے صادر ہو چکے ہیں۔

فیه اقامة الظاهر مقام المضمر :۔ **فان تولوا** کا سیاق کلام چاہتا ہے کہ اس کی جزاء میں بھی ضمیر ہی آئے، یعنی **فان تولوا فان الله لایحبهم**، لیکن اللہ تعالیٰ نے **لایحبهم** کہنے کے بجائے **لا یحب الکافرین** فرمایا۔ یہ ایک صنعت ہے کہ کسی مصلحت سے ضمیر کے بجائے اسم ظاہر کا استعمال کر دیا جاتا ہے، اور یہاں غالبًا اشارہ کرنا مصلحت ہے، کہ اللہ ورسول کی اطاعت سے روگردانی کرنے والا کافر ہی ہوسکتا ہے، اسی مصلحت سے فرمایا کہ اگر یہ لوگ روگردانی کریں، تو اللہ تعالیٰ کافروں سے محبت نہیں رکھتے، یعنی روگردانی کرنے والا وہی ہوگا جو کافر ہو۔

ای لا یحبهم بمعنی یعاقبهم :۔ یہاں بھی **لا یحب** میں وہی کلام ہوگا، جو **یحب** میں گزر چکا اور اللہ تعالیٰ کا محبت نہ کرنا اپنے انتہائی درجہ کے لحاظ سے سزا دینا ہے، اس لئے **یعاقبهم** فرمایا۔

بمعنی انفسهما :۔ آل ابراہیم اور آل عمران میں مراد ابراہیم وعمران کی اولاد نہیں ہے، بلکہ خود یہی دو بزرگ مراد ہیں، تو آل بمعنی نفس ہے۔ یا یہ کہ آل مقحم ہے، اس کا معنی مراد نہیں ہے، کسی کی عظمت کے اظہار کے لئے آل کا لفظ عربی میں بڑھا دیتے ہیں، جیسے اردو میں حضرت کہتے ہیں "حضرت" کے معنی دربار اور اہل دربار کے ہیں، لیکن یہاں مراد وہ ہیں جن کا دربار قائم ہے، مگر تعظیم کے لئے حضرت کہہ دیتے ہیں۔

حنة :۔ عبرانی زبان کا لفظ ہے، حاء مفتوح ہے اور نون مشدد ہے، حضرت حنہ دو بہنیں تھیں، حضرت حنہ بنت فاقوداور حضرت اشاع بنت فاقود، حنہ امام بیت المقدس حضرت عمران کے نکاح میں تھیں، عمران پیغمبر نہ تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد کا نام بھی عمران ہے، زیر تذکرہ عمران حضرت مریم کے والد تھے، دونوں کے درمیان فاصلہ بہت ہے، دوسری بہن حضرت اشاع مشہور پیغمبر حضرت زکریا علیہ السلام کی زوجہ مکرمہ اور حضرت یحیٰ علیہ السلام کی والدہ معظّمہ ہیں، اولاد دونوں میں سے کسی کو نہ تھی، دونوں بوڑھی ہوگئی تھیں۔ ایک مرتبہ حضرت حنہ نے ایک درخت پر دیکھا کہ ایک پرندہ اپنے چوزے کو کھلا رہا ہے تو ان کے جی میں گدگدی ہوئی اور دل کا شوق لہرایا، اس وقت انھوں نے دعا کی۔ اے اللہ مجھے بھی اولاد عنایت فرمائیے، اللہ نے یہ دعا سن لی، اور پیٹ میں بچہ محسوس ہوا، تو محبت کے جوش میں انھوں نے دعا کی کہ اے میرے پروردگار، جو کچھ میرے پیٹ میں ہے، اسے

میں نے آپ کے نام پر آزاد کر دیا، اس سے دنیا کا کوئی کام نہیں لینا ہے، وہ صرف آپ کے مقدس گھر کی خدمت کیا کرے گا۔

ولدتها جارية :. **فلما وضعتها** میں ضمیر مونث مفعول بہ کا تعلق **ما فی بطنی** سے ہے اور مونث اس لئے کہ بطن مادر میں لڑکی تھی جو اللہ کے علم میں تھی۔

اذ لم یکن یحرر الا الغلمان :۔اس دور میں دنیا کے مشاغل سے آزاد کر کے صرف اللہ کی عبادت اور مسجد کی خدمت کیلئے ، لوگ اپنی اولاد کو وقف کر دیا کرتے تھے، وقف کی یہ نذر صرف لڑکوں کے ساتھ مخصوص تھی، لڑکیوں پر یہ نذر روا رد نہیں ہوتی تھی، شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام میں اس نذر کا دستور نہیں ہے۔

جملۃاعتراض :۔حضرت حنہ کے کلام کے درمیان میں اللہ تعالیٰ نے اپنا ایک کلام بطور جملہ معترضہ کے ذکر کیا ہے، یعنی **واللہ اعلم بما وضعت** ،اس صورت میں **وضعت** واحد مونث غائب کا صیغہ ہے، مطلب یہ ہے کہ ماں نے تو صرف اتنا ہی جانا کہ اس کے لڑکی پیدا ہوئی ہے، اس کے علاوہ اسے کیا خبر کہ یہ لڑکی کس شان و عظمت کی مالک ہوگی، یہ بات تو اللہ ہی جانتا ہے کہ اس نے کیا کچھ جنا ہے۔

وفی قرأۃ بضم التاء: ۔ایک قرأت میں وَضَعۡتُ واحد متکلم کا صیغہ ہے، اس صورت میں یہ حضرت حنہ کا کلام ہے، وہ خود اپنا ایمان تازہ کر رہی ہیں کہ اللہ ہی جانتے ہیں، جو کچھ میں نے جنا ہے، اس میں خطاب سے غیبت کی جانب التفات ہے، ورنہ اگر کلام اپنے سیاق پر ہوتا تو یوں ہوتا: **وانت اعلم بما وضعت**۔

(ولیس الذکر)الذی طلبت(کالانثیٰ) التی وھبت :. **الذکر** اور **الانثیٰ** میں الف لام عہد کا ہے، یعنی حضرت حنہ نے جس لڑکے کی طلب کی تھی، وہ کوئی ہوتا، اس لڑکی کے مرتبہ ومقام کا نہ ہوتا جو اسے دی گئی۔ یہ کلام بھی اللہ تعالیٰ کا ہی ہے، گوکہ وہ لڑکی ہونے کی وجہ سے ضعیف بھی ہے، پردہ نشین بھی ہے۔اور دوسرے عورتوں والے اعذار اسے پیش آئیں گے، اس لئے مسجد کی خدمت کی اس میں صلاحیت نہیں ہوگی، لیکن پھر بھی، یہ لڑکوں سے افضل ہے۔

مریم :۔مریم کے معنی اس وقت کی زبان میں عابدہ کے ہے جو اپنے پروردگار کی عبادت گزار اور خدمت گار ہو، حضرت حنہ نے یہ نام رکھ کر اللہ کی خوشنودی کا ارادہ کیا ہے، اور اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ لڑکی ہونے کی وجہ سے ان کی نیت اور نذر بدلی نہیں ہے، گوکہ مسجد کی خدمت مردوں کی طرح نہیں کر پائے گی، مگر مسجد کا اصل کام یعنی عبادت وطاعت میں اسے لگا دوں گی۔

ما من مولود یولد الا مسه الشیطان :۔حضرت حنہ نے حضرت مریم کو اور ان کی اولاد کو مس شیطان سے اللہ کی حفاظت میں دے دیا، یہ حفاظت اللہ نے اپنے ذمے لے لی، چنانچہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے، جب کوئی

بچہ پیدا ہوتا ہے تو شیطان اس کے پہلو میں اپنے انگلیوں سے کچوکا مارتا ہے، چنانچہ بخاری کی ایک روایت میں ہے: **کل ابن آدم لیطعنه الشیطان فی جنبیه باصبعیه حین یولد غیر عیسیٰ بن مریم**۔ آدم کے ہر بیٹے کو شیطان پیدائش کے وقت اپنی انگلیوں سے اس کے دونوں پہلوؤں میں کچوکا لگاتا ہے، بجز حضرت عیسیٰ بن مریم کے۔

جو حدیث مفسر نے ذکر کی ہے، اس پر صاحب جمل نے فرمایا ہے کہ ایک قوی اشکال ہے۔ لیکن میرے علم میں کسی مفسر نے اس کو نہیں چھیڑا ہے، حاصل اس کا یہ ہے کہ **وانی اعیذها** جو حضرت مریم کی والدہ نے دعا کی ہے وہ حضرت مریم کی پیدائش کے بعد کی ہے، تو اس کی قبولیت اور پھر شیطان کا نہ چھیڑنا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں تو سمجھ میں آتا ہے، مگر خود حضرت مریم کی پیدائش کے وقت جبکہ ابھی یہ دعا نہیں ہوئی تھی، کیونکر وہ قبولیت کا مورد ہوگی۔

راقم شارح عرض کرتا ہے کہ یہ اشکال میرے ذھن میں بھی ابتدائے طالب علمی سے گردش کر رہا ہے، مگر نہ کسی استاذ سے پوچھنے کی نوبت آئی، اور نہ کسی کتاب میں اس کا حل دیکھا، بلکہ کماحقہ اس پر غور ہی نہیں کیا، اور نہ اہتمام سے اس کا جواب تلاش کیا آج جبکہ یہ سطریں لکھ رہا ہوں جمل میں بھی اس اشکال کا تذکرہ پڑھا، مگر انھوں نے بھی کوئی حل نہیں لکھا۔

انہیں حضرات کی برکت سے ایک بات ذہن میں آرہی ہے، ناقص ذہن کی بات بھی ناقص ہوگی، لیکن عرض کئے دیتا ہوں شاید قبول ہو، یا کسی کے ذہن کی رسائی صحیح جواب کی طرف ہو جائے۔

حضرت مریم کی ولادت کوئی عام اور معمول کی بات نہ تھی، دنیا میں شاید ہی کسی ماں نے اتنے خلوص سے اپنی اولاد کو اس کی پیدائش کے پہلے ہی خدمت خداوندی کے لئے وقف کیا ہو، حضرت حنہ نے ابتداء حمل میں ہی یہ نذر کر لی کہ میری یہ اولاد صرف اللہ کی عبادت کے لئے اور مسجد قدس کی خدمت کے لئے ہوگی۔ اس کی برکت یہ ہوئی کہ وہ شیطان کے کچوکوں سے محفوظ رہیں، پھر یہ بھی عجیب بات ہوئی کہ ابھی پیدا ہوئی ہیں آئندہ اللہ معلوم کتنی زندگی پائیں، اور پائیں بھی تو صاحب اولاد ہوں یا نہ ہوں، لیکن اسی وقت وہ یہ دعا کرتی ہیں کہ میں اپنی اس لڑکی کو بھی اور اس لڑکی کی اولاد کو بھی آپ کی پناہ میں دیتی ہوں۔ تو یہاں دو باتیں عجیب ہوئیں، ایک تو حمل ہوتے ہی خدمت قدس کے لئے وقف کی نذر! حالانکہ کچھ معلوم نہ تھا کہ لڑکا ہوگا یا لڑکی ہوگی، اور دوسرے ولادت کے معاً بعد اس کے لئے اور اس کی اولاد کے لئے اس تیقن کے ساتھ دعا جیسے وہ جانتی ہوں کہ یہ صاحب اولاد ہوگی۔ بہر حال اس واقعہ میں عجائب در عجائب ہیں، اور یہ سب خالص اللہ کے لئے، تو کیا عجب کی اس کی برکت حضرت مریم پر پہلے ہی ظاہر ہوگئی ہو، مگر حدیث میں دونوں کا ایک سیاق میں بیان کر دیا گیا، کیونکہ دونوں آپس

میں ایک دوسرے کے قریب ہیں۔ واللہ اعلم

وفی قرأۃ بالتشدید ونصب زکریا :۔ ایک قرأت میں کفّل باب تفعیل سے ہے، اس صورت میں زکریا مفعول بہ ہوگا اور کفّل کا فاعل اللہ ہوگا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے زکریا کو حضرت مریم کا کفیل بنایا۔

ای جبرئیل :. **فنادته الملائكة** میں ملائکہ جمع کا صیغہ ہے، مگر مراد صرف جبرئیل ہیں، کلام میں اس طرح کے محاورے ہوتے ہیں چنانچہ کہتے ہیں **فلان یرکب الخیل ویلبس الثیاب**، حالانکہ اس کے پاس صرف ایک ہی گھوڑا ہوتا ہے اور ایک ہی کپڑا ہوتا ہے۔

ای بأن :. **فنادته الملائكة وهو قائم یصلی فی المحراب انّ الله یبشرک الخ** :۔ اس میں أن باء حرف جر کے ساتھ ہے مگر وہ محذوف ہے، اور ایک قرأت میں اِن بالکسر ہے تو **نادته** کے قرینے سے قول مقدر ہوگا یعنی **وقالت ان الله** اور قول کے بعد اِن مکسورۃ الہمزہ آتا ہے۔

منوعاً من النساء :۔ **حصور** ایسے شخص کو کہتے ہیں جو باوجود قدرت کے عورتوں کی رغبت نہ رکھتا ہو، اور ان سے صحبت نہ کرتا ہو۔

ای بلغت نهایة السن :. **وقد بلغنی الکبر** (بڑھاپا مجھے پہونچ گیا ہے) کی تفسیر **بلغت نهایة السن** (میں انتہاء عمر کو پہونچ گیا ہوں) سے کر کے مفسر نے بتایا کہ اصل عبارت مقلوب ہے، بڑھاپا آدمی کو نہیں پہونچتا، آدمی بڑھاپے کی عمر کو پہونچتا ہے، لیکن تعبیر برعکس کردی گئی ہے۔

ای بلیالیها :۔ سورہ مریم میں اللہ تعالیٰ نے **ثلث لیال سویاً** فرمایا ہے۔ وہیں سے اخذ کر کے حضرت مفسر نے یہاں **ثلثة ایام** کے ساتھ **بلیالیها** کا اضافہ کیا ہے۔

صل :. **سبح** سے مراد نماز ہے، کیونکہ اسے وقت کے ساتھ مقید کیا گیا ہے، یعنی صبح وشام، حالانکہ مطلق تسبیح کیلئے وقت کی کوئی قید نہیں ہے، وقت کی قید سے اشارہ ملتا ہے کہ تسبیح سے مطلق تسبیح مراد نہیں ہے، بلکہ نماز مراد ہے۔

﴿مضامین آیات وتفسیر﴾

کفار ومشرکین اور باطل پرست فرقے اپنی گمراہیوں اور کج رویوں کی خوبصورت تاویل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، کفار نے بت پرستی کی تو کبھی کہا کہ ہم ان بتوں کو نہیں ان کی ارواح کو قبلہ عبادت بنا کر اللہ تک پہونچنا چاہتے ہیں۔ کبھی کہا کہ ہم ان بتوں کی عبادت اس لئے کرتے ہیں کہ یہ معبود ہم کو خدا تک پہنچادیں گے، عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدائی منصب پر بٹھایا تو وہ بھی یہی کہتے تھے کہ ہم ایسا اللہ کو راضی کرنے کے لئے کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے نبی! تم کہدو کہ واقعی اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو، اور اس کی محبت چاہتے ہو، تو میرے نقش قدم پر چلو، اللہ تعالیٰ کی محبت تمہیں حاصل ہوگی، اور تمہارے گناہوں کی مغفرت بھی

ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کی شان یہی ہے کہ وہ غفور ہیں، رحیم ہیں۔ تم ان سے کہو کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو، اور اگر تم روگردانی کر کے بالکل منکر ہو گئے تو یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو محبت سے نہیں نوازتے بلکہ مبتلائے عذاب کریں گے۔

جن لوگوں کی عبادت کر کے تم خدا تک پہونچنے کی امید لگائے بیٹھے ہو، سنو کہ وہ بھی اللہ کے بندے اور ان کے محتاج ہیں، ان میں بعض اللہ کے منتخب اور برگزیدہ بندے ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو، نوح کو، ابراہیم، عمران کو دنیا والوں میں انتخاب فرمایا کہ انبیاء کو انہیں کی نسل میں مبعوث فرمایا، جو کہ سب ایک دوسرے کی اولاد یں ہیں، اور اللہ سننے جاننے والے ہیں، عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معبود بنایا، سننا چاہئے کہ وہ عالم وجود میں کیونکر آئے۔ کیا اس طرح سے عدم سے وجود میں آنے والا بھی خدا ہو سکتا ہے۔ یاد کرو جب عمران کی بیوی حنہ نے کہا کہ میں منت مانتی ہوں کہ میرے پیٹ میں جو اولاد ہے، اے اللہ وہ آپ کے لئے آزاد ہے، دنیا کے دھندوں سے اسے کوئی واسطہ نہ ہوگا، وہ بچہ بیت المقدس کی خدمت کے لئے آزاد ہوگا۔ اس کو میری طرف سے قبول فرما لیجئے۔ آپ بیشک دعا کو سنتے اور نیتوں کو جانتے ہیں۔ لیکن جب ولادت ہوئی تو توقع کے خلاف بچی پیدا ہوئی، اور بچیاں بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف نہیں کی جاتی ہیں۔ حضرت حنہ کو پریشانی ہوئی کہ نذر تو ٹوٹتی ہوئی معلوم ہوتی ہے، انھوں نے عذر کرتے ہوئے کہا کہ اے پروردگار یہ تو لڑکی پیدا ہوئی، اور اللہ کو خوب معلوم ہے کہ کس کی پیدائش ہوئی ہے، اور جس بچے کی وہ توقع باندھے ہوئے تھیں وہ اس بچی کے مانند نہیں ہے۔ اس کا شرف اور مرتبہ بڑا ہوگا، پھر کہتی ہیں کہ میں نے اس کا نام مریم رکھا، اور میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے بچانے کے لئے آپ کی پناہ میں دیتی ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مریم کو قبولیت سے نوازا، اور ان کی نشو ونما اور پرورش بہت عمدہ طریقے سے ہوئی، وہ اس طرح کہ حضرت حنہ نے بیت المقدس کے عبادت گزاروں اور خدام کے سامنے حضرت مریم کو پیش کیا کہ میری نذر میں یہ بچی پیدا ہوئی، اسے سنبھالئے۔ سب کو شوق ہوا کہ بچی کی کفالت وہ کرے کیونکہ وہ ان کے امام کی بیٹی تھیں۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنا حق پیش کیا کہ میرے نکاح میں اس بچی کی حقیقی خالہ ہے، اس لئے میرا حق مقدم ہے، لوگوں نے کہا کہ قرعہ اندازی ہوگی، چنانچہ قرعہ ڈالا گیا، اس میں حضرت زکریا علیہ السلام ہی کا نام آیا، چنانچہ منجانب اللہ وہ انہیں کی کفالت میں آ گئیں۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے ان کے لئے ایک الگ حجرہ بالائی منزل میں متعین کر دیا ان کے بڑھنے کی رفتار اور لڑکیوں سے زیادہ تھی، اور عقل وتمیز میں بھی وہ ممتاز تھیں، عبادت کا بھی خاص ذوق تھا۔ حضرت زکریا علیہ السلام جب کبھی ان کے عبادت خانے میں جاتے تو وہاں کھانے پینے کا سامان دیکھتے جبکہ ان کے علاوہ کوئی اور وہاں نہیں جاتا تھا، وہ پوچھتے یہ سامان کہاں سے آیا، وہ کہتیں اللہ کی جانب سے، اس میں بے موسم کے پھل بھی ہوتے، اللہ کی قدرت

ورحمت کا یہ مشاہدہ کر کے حضرت زکریا علیہ السلام پر ایک خاص کیف چھا گیا، اسی کیف میں انھوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ پروردگار! مجھے بھی ایک اولاد عنایت فرما دیجئے، رحمت حق کی طرف سے قبولیت کا پروانہ آیا، فرشتے نے پکارا جبکہ ابھی وہ مصروف عبادت ہی تھے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک بیٹا کی خوش خبری دیتے ہیں، اس بیٹے کا نام یحییٰ ہوگا، وہ اللہ کے ایک کلمے کی تصدیق کرے گا، پیشوا ہوگا، لذات وشہوات سے بے نیاز ہوگا، اور صالح نبی ہوگا، جب یہ بشارت مل گئی تو ان پر کشمکش جیسی حیرت طاری ہوگئی، کہنے لگے پروردگار! میرے اولاد ہوگی؟ میں تو بہت بوڑھا ہوگیا ہوں، میری بیوی بھی بوڑھی اور نا قابل اولاد ہے، فرمایا بات یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں۔ حضرت زکریا کا یہ سوال شک کی وجہ سے نہ تھا، اس میں مصلحت یہ تھی کہ ان کے سوال کے جواب سے اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ کا اظہار فرمایا ہے، اور ایسے حیرت خیز واقعہ میں طبعی خوشی سے یہ سوالات پیدا ہو ہی جاتے ہیں، انھوں نے درخواست کی کہ بچے کے شکم مادر میں آنے کی کوئی نشانی مقرر فرما دیجئے۔ حکم ہوا کہ نشانی یہ ہے کہ تین دن کے لئے تمہاری گفتگو بند ہو جائے گی۔ لوگوں سے تم بات نہیں کرسکو گے، یہ بات کسی بیماری کی وجہ سے نہ ہوگی، ذکر الٰہی زبان پر جاری رہے گا، لوگوں سے صرف اشارات میں بات کرسکو گے، ان دنوں میں اللہ کو خوب یاد کرتے رہو، اور صبح وشام نماز پڑھتے رہو۔

☆☆☆☆☆

﴿وَ﴾ اذکر ﴿اِذْقَالَتِ الْمَلٰئِکَۃُ﴾ ای جبرئیل ﴿یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰکِ﴾ اختارک ﴿وَطَهَّرَکِ﴾ من مسیس الرجال ﴿وَاصْطَفٰکِ عَلٰی نِسَآءِ الْعٰلَمِیْنَ﴾ ای اهل زمانک ﴿یٰمَرْیَمُ اقْنُتِیْ لِرَبِّکِ﴾ اطیعیه ﴿وَاسْجُدِیْ وَارْکَعِیْ مَعَ الرّٰکِعِیْنَ﴾ ای صل مع المصلین ﴿ذٰلِکَ﴾ المذکور من امر زکریا و مریم ﴿مِنْ اَنْبَآءِ الْغَیْبِ﴾ اخبار ما غاب عنک ﴿نُوْحِیْهِ اِلَیْکَ﴾ یا محمد ﴿وَمَا کُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ یُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ﴾ فی الماء یقترعون لیظهر لهم ﴿اَیُّهُمْ یَکْفُلُ﴾ یربّی ﴿مَرْیَمَ وَمَا کُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ یَخْتَصِمُوْنَ﴾ فی کفا لتها فتعرف ذٰلک فتخبر به وانما عرفته من جهة الوحی اذکر ﴿اِذْقَالَتِ الْمَلٰئِکَۃُ﴾ ای جبرئیل ﴿یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰہَ یُبَشِّرُکِ بِکَلِمَۃٍ مِّنْهُ﴾ ای ولد ﴿اسْمُهُ الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ﴾ خاطبها بنسبته الیها تنبیها علٰی انها تلده بلا اب اذعادة الرجال نسبتهم الٰی آباء هم ﴿وَجِیْهًا﴾ ذاجاه ﴿فِی الدُّنْیَا﴾ با لنبوة ﴿وَالْاٰخِرَۃِ﴾ با لشفاعة والدرجات العلٰی ﴿وَمِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ﴾ عندالله ﴿وَ یُکَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَهْدِ﴾ ای طفلا قبل وقت الکلام ﴿وَ کَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِیْنَ قَالَتْ رَبِّ اَنّٰی﴾ کیف ﴿یَکُوْنُ لِیْ وَلَدٌ وَّ لَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ﴾ بتزوج ولاغیره ﴿قَالَ﴾ الامر ﴿کَذٰلِکَ﴾ من خلق

ولد منک بلا اب ﴿اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ اِذَا قَضٰى اَمْرًا﴾ اراد خلقه ﴿فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ اى فهو يكون ﴿وَ يُعَلِّمُهُ﴾ بالنون والياء ﴿الْكِتٰبَ﴾ الخط ﴿وَالْحِكْمَةَ وَ التَّوْرَاةَ وَالْاِنْجِيْلَ﴾ و نجعله ﴿رَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَائِيْلَ﴾ فى الصبا او بعد البلوغ فنفخ جبرئيل فى جيب درعها فحملت و كان من امرها ما ذكر فى سورةمريم فلما بعثه الله تعالىٰ الى بنى اسرائيل قال لهم انى رسول الله اليكم ﴿اَنِّيْ﴾ اى بانى ﴿قَدْ جِئْتُكُمْ بِآيَةٍ﴾ علامة على صدقى ﴿مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ هى ﴿اَنِّيْٓ﴾ و فى قراءة بالكسر استينافاً ﴿اَخْلُقُ﴾ اصور ﴿لَكُمْ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ﴾ مثل صورته والكاف اسم مفعول ﴿فَاَنْفُخُ فِيْهِ﴾ الضمير للكاف ﴿فَيَكُوْنُ طَيْرًا﴾ و فى قراءة طائرا ﴿بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ بارادته فخلق لهم الخفاش لانه اكمل الطير خلقاً فكان يطيروهم ينظرونه فاذا غاب عن اعينهم سقط ميتا ﴿وَ اُبْرِئُ﴾ اشفى ﴿الْاَكْمَهَ﴾ الذى ولد اعمىٰ ﴿وَالْاَبْرَصَ﴾ وخصا لانهما داء ان اعييا الاطباء وكان بعثه فى زمن الطب فابرأ فى يوم خمسين الفاً بالدعاء بشرط الايمان ﴿وَاُحْيِى الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ بارادته كرره لنفى توهم الالوهية فيه فاحيا عازرصديقا له و ابن العجوز وابنةالعاشر فعاشوا وولد لهم وسام بن نوح و مات فى الحال ﴿وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ﴾ تخبأون ﴿فِيْ بُيُوْتِكُمْ﴾ مما لم اعاينه فكان يخبر الشخص بما اكل و ما ياكل بعد ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ﴾ المذكور ﴿لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ وَ﴾ جئتكم ﴿مُصَدِّقاً لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ﴾ قبلى ﴿مِنَ التَّوْرَاةِ وَ لِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ﴾ فيها فاحل لهم من السمک والطير ما لا صيصية له و قيل احل الجميع فبعض بمعنى كل ﴿وَ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَبِّكُمْ﴾ كرره تاكيداً اوليبنى عليه ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ﴾ فيما امركم به من توحيد الله و طاعته . ﴿اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا﴾ الذى امركم به ﴿صِرَاطٌ﴾ طريق ﴿مُسْتَقِيْمٌ﴾ فكذبوه و لم يؤمنوا به ﴿فَلَمَّا اَحَسَّ﴾ علم ﴿عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ﴾ وارادوا قتله ﴿قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْ﴾ اعوانى ذاهبا ﴿اِلَى اللّٰهِ﴾ لا نصر دينه ﴿قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ﴾ اعوان دينه و هم اصفياء عيسىٰ اول من آمن به وكانوا اثنى عشر رجلا من الحور وهو البياض الخالص قيل كانوا قصارين يحورون الثياب اى يبيضونها ﴿آمَنَّا﴾ صدقنا ﴿بِاللّٰهِ وَاشْهَدْ﴾ يا عيسىٰ ﴿بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ رَبَّنَا آمَنَّا بِمَا اَنْزَلْتَ﴾ من الانجيل ﴿وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ﴾ عيسىٰ ﴿فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ﴾ لک بالوحدانية و لرسولک بالصدق قال تعالىٰ ﴿وَ مَكَرُوْا﴾ اى كفار بنى

اسرائیل بعیسیٰ اذ وکلوا به من یقتله غیلة ﴿وَمَكَرَ اللّٰهُ﴾ بهم بان القی شبه عیسیٰ علی من قصد قتله فقتلوه و رفع عیسیٰ ﴿وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ﴾ اعلمهم به.

﴿ترجمہ﴾

(اور) یاد کرو (جب فرشتوں) یعنی جبرئیل (نے کہا اے مریم! بے شک اللہ نے تم کو منتخب کیا ہے اور) مردوں کے ہاتھ لگانے سے (تمہیں پاک رکھا ہے، اور تم کو دنیا کی عورتوں میں انتخاب کیا ہے) یعنی تمہارے زمانے کی عورتوں میں (اے مریم! اپنے رب کی اطاعت کرو اور سجدہ کرو اور رکوع کرو، رکوع کرنے والوں کے ساتھ) یعنی نمازیوں کے ساتھ نماز پڑھو (یہ) جو کچھ حضرت زکریا اور حضرت مریم کا تذکرہ ہوا یہ سب (غیب کی خبروں میں سے ہے) یعنی ان باتوں کی خبریں ہیں، جو تم سے پوشیدہ تھیں (یہ باتیں ہم تمہارے پاس بذریعہ وحی بھیجتے ہیں) اے محمد (اور تم ان کے پاس اس وقت نہ تھے، جب وہ اپنے قلموں کو) پانی میں (ڈال رہے تھے) یعنی قرعہ ڈال رہے تھے تا کہ ان کے معاملہ کی وضاحت ہو جائے (کہ کون مریم کا کفیل) مربی (ہوگا، اور تم ان کے پاس اس وقت نہ تھے، جب وہ) اس کی کفالت کے سلسلے میں (جھگڑ رہے تھے) اگر تم اس وقت ہوتے، تو اسے جانتے ہوتے، تب تم اس کے بارے میں لوگوں کو بتاتے، اس کو تو تم نے وحی کیواسطے سے جانا ہے، یاد کرو (جب فرشتوں نے) یعنی جبرئیل نے (کہا، اے مریم! بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی جانب سے ایک کلمہ) یعنی بیٹے (کی بشارت دیتے ہیں، اس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہوگا) حضرت مریم کو خطاب کرتے ہوئے بیٹے کی نسبت انہیں کی طرف اس لئے کی کہ انہیں معلوم ہو جائے گا کہ ان سے یہ بیٹا بغیر باپ کے پیدا ہوگا، کیونکہ عموماً عادت یہ کہ باپ کی طرف نسبت کی جاتی ہے (دنیا میں) نبوت کی وجہ سے (اور آخرت میں) شفاعت اور بلند درجات کی وجہ سے (مرتبے والا ہوگا، اور) اللہ کے نزدیک (مقرب ہوگا، اور لوگوں سے گہوارے میں) یعنی بچہ ہونے کی حالت میں بولنے کے وقت سے پہلے (اور ادھیڑ ہونے کی عمر میں گفتگو کرے گا، اور صالحین میں ہوگا، بولی: اے میرے رب! میرے بچہ کیسے پیدا ہوگا حالانکہ مجھے کسی آدمی نے ہاتھ نہیں لگایا ہے) نہ نکاح سے اور نہ بغیر نکاح (فرمایا) بات (ایسی ہی ہے) کہ تم سے بن باپ کے بچہ پیدا ہوگا (اللہ جو چاہتے ہیں پیدا کرتے ہیں، جب کسی چیز کا فیصلہ کرتے ہیں) یعنی اس کے پیدا کرنے کا ارادہ کرتے ہیں (تو اس کے لئے کہتے ہیں کہ ہو جا، تو) وہ (ہو جاتی ہے، اور ہم اسکو لکھنا سکھائیں گے) **نعلم** میں ن اور یاء دونوں طرح قرأت ہے (اور حکمت، اور توریت و انجیل) کی تعلیم دیں گے (اور) ہم اس کو (بنی اسرائیل کی جانب) بچپن میں یا بلوغ کے بعد (رسول) بنائیں گے، پس حضرت جبرئیل نے ان کے پیراہن کے دامن میں پھونک ماری، اور وہ حاملہ ہوگئیں، اور ان کا واقعہ وہ ہوا جو سورہ مریم میں مذکور ہے، پھر جب اللہ تعالیٰ نے انہیں بنی اسرائیل کی جانب مبعوث فرمایا تو انھوں

نے ان سے کہا کہ میں تمہارے پاس اللہ کا رسول ہوں (کیونکہ میں تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے) اپنی صداقت پر (نشانی لایا ہوں) وہ (یہ کہ) ایک قرأت میں اِنّــی مکسر الھمز ہ ہے، استیناف ہے (میں تمہارے لئے مٹی سے پرندے) کی صورت (پیدا کرتا ہوں) کھیئۃالطیـر میں کاف مثل کے معنی میں اسم ہے اور وہ مفعول بہ ہے (پھر اس میں) ضمیر کاف اسمی کی جانب راجع ہے (پھونک مارتا ہوں، پس وہ پرندہ ہوجاتا ہے) اور ایک قرأت میں طـائرا ہے (اللہ کے حکم سے) یعنی اس کے ارادے سے، انھوں نے ان کے سامنے چمگادڑ کو پیدا کیا، کیونکہ وہ خلقت کے اعتبار سے پرندوں میں اکمل ترین ہے، وہ اڑتی تھی، اور یہ لوگ اسے دیکھ رہے تھے، پھر جب ان کی نگاہوں سے وہ غائب ہوجاتی، تو مردہ ہوکر گرجاتی تھی (اور مادرزاد اندھے کو اور سفید داغ والے کو شفا دیتا ہوں) ان دونوں مریضوں کا خصوصیت سے اس لئے ذکر کیا کہ یہ لاعلاج ہیں، اور حضرت عیسیٰ کی بعثت طب کے زمانے میں ہوئی تھی۔ ان کی دعا سے ایمان کی شرط پر پچاس ہزار مریضوں کو ایک دن میں شفا حاصل ہوئی تھی (اور اللہ کے حکم سے مردوں کو زندہ کرتا ہوں) باذن اللہ کو مکرر لائے تاکہ ان کے اندر الوہیت کے توہم کی بھی نفی ہوجائے، انھوں نے اپنے ایک دوست عازر کو، اور ایک بڑھیا کے لڑکے کو اور ایک عاشر کی بیٹی کو زندہ کیا، یہ سب زندہ رہے، ان سے اولادیں بھی ہوئیں اور حضرت نوح علیہ السلام کے صاحبزادے حضرت سام کو زندہ کیا، لیکن وہ اسی وقت وفات پاگئے (اور میں تم کو بتاتا ہوں جو کچھ اپنے اپنے گھروں میں کھاتے ہو اور چھپا کر رکھتے ہو) جس کو میں نے دیکھا نہیں ہے، چنانچہ ہر آدمی کو وہ بتادیتے تھے کہ اس نے کیا کھایا ہے اور اس کے بعد کیا کھائے گا (بے شک اس) مذکور (کے اندر تمہارے لئے نشانی ہے اگر تم مومن ہو، اور) میں تمہارے پاس (اس طور سے) آیا ہوں (کہ جو کچھ مجھ سے پہلے ہے) یعنی توریت (اس کی میں تصدیق کرنے والا ہوں، اور اس لئے کہ تمہارے لئے بعض وہ چیزیں حلال کردوں، جو تم پر) توریت میں (حرام کی گئی تھیں) چنانچہ ان کے لئے وہ مچھلی اور پرندہ حلال کیا گیا جس کے لئے اپنے بچاؤ کے کانٹے نہیں ہوتے، اور یہ بھی کہا گیا ہے، وہ تمام چیزیں حلال کر دی گئی تھیں جو ان پر خصوصیت کے ساتھ حرام کی گئی تھیں، پس بـعـض بمعنی کـل ہے (اور میں تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے نشانی لے کر آیا ہوں) اس جملہ کو مکرر تاکید کے لئے لائے ہیں، اور اس لئے کہ اس پر اگلے کلام کی بنا قائم ہو (پس اللہ سے ڈرو اور) اللہ کی توحید اور اس کی طاعت جس کا میں حکم دیتا ہوں اس میں (میری اطاعت کرو، بے شک اللہ میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے، اس لئے اسی کی عبادت کرو، یہ) جس کا میں تم کو حکم دیتا ہوں (سیدھا راستہ ہے) انھوں نے ان کی تکذیب کی، اور ان پر ایمان نہیں لائے (پس جب عیسیٰ نے ان کی طرف سے کفر کو جان لیا) اور ان لوگوں نے ان کے قتل کرنے کا قصد کیا (تو کہا کہ کون اللہ کی طرف) جانے میں (میرا مددگار ہوگا) تاکہ میں ان کے دین کی نصرت کروں (حواریوں نے کہا ہم اللہ کے

مددگار ہیں) یعنی ان کے دین کے مددگار ہیں، یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مخصوص لوگ تھے، جو بالکل ابتدا میں ایمان لائے تھے، یہ بارہ آدمی تھے، حواری، حور سے مشتق ہے، جس کے معنی خالص سفیدی کے ہیں اور کہا گیا ہے کہ یہ لوگ دھوبی تھے، کپڑے صاف کیا کرتے تھے (ہم اللہ پر ایمان لائے اور) اے عیسیٰ (آپ گواہ رہئے کہ ہم فرمانبردار ہیں، اے ہمارے رب! ہم اس چیز پر ایمان لائے جو آپ نے اتاری ہے) یعنی انجیل پر (اور ہم نے رسول کی پیروی کی) یعنی عیسیٰ کی (پس ہم کو ان لوگوں میں جو) آپ کے لئے وحدانیت کے اور آپ کے رسول کے لئے سچائی کے (گواہ ہیں، لکھ لیجئے) اللہ تعالیٰ نے فرمایا (اور انھوں نے سازش کی) یعنی بنی اسرائیل کے کفار نے حضرت عیسیٰ کے بارے میں سازش کی، کہ انھوں نے ایک شخص کو ذمہ دار بنایا کہ انھیں دھوکے سے قتل کردے (اور اللہ نے بھی) ان کیساتھ (خفیہ تدبیر کی) کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صورت اس شخص پر ڈال دی، جس نے ان کے قتل کا ارادہ کیا تھا، پس ان لوگوں نے اسی کو مار ڈالا اور عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر اٹھا لئے گئے (اور اللہ تعالیٰ بہترین خفیہ تدبیر کرنے والے ہیں) یعنی اسے ان سے زیادہ جانتے ہیں۔

﴿تشریحات﴾

ای اھل زمانک :۔ حضرت مریم کے دور میں جتنی عورتیں تھیں، سب پر انہیں فضیلت بخشی، اس قید سے معلوم ہوا کہ ماقبل اور مابعد کے ادوار میں ان کا سب سے افضل اور منتخب ہونا ضروری نہیں، چنانچہ بعد کے دور میں، حضرت فاطمہ اور حضرت خدیجہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہن کی فضیلتیں مختلف جہتوں سے ہے۔

صلی مع المصلین : . یہ **واسجدی وارکعی** کی تفسیر ہے، مطلب یہ ہے کہ رکوع وسجود بول کر نماز مراد لی گئی ہے، اس میں سجدہ کا ذکر پہلے ہے شاید ان کی نماز میں ایسا ہی رہا ہو، اس لئے کہ یہ نماز کے ارکان میں سب سے اہم افضل رکن ہے۔

فتعرف ذلک فتخبر بہ :۔ یہ دونوں جملے **وما کنت لدیھم** کے تحت ہیں، یعنی تم ان کے پاس موجود نہ تھے کہ اپنے مشاہدہ سے اس واقعہ کو جانتے اور جان کر اس کی خبر لوگوں کو دیتے۔

ای ولد : . **یبشرک بکلمۃ منہ** میں کلمہ سے مراد بیٹا ہے، ان کو کلمہ اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ باپ کے واسطہ کے بغیر اللہ تعالیٰ کے امر کن سے پیدا ہوئے۔

ای طفلاً قبل وقت الکلام و کھلاً :۔ ساتھ ہی یہ بشارت بھی ملی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس عمر میں کلام کریں گے، جس عمر میں بچے بولتے نہیں ہیں۔

یہ بشارت ساتھ ہی ساتھ شاید اس لئے دیدی کہ جب عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہونے کے بعد گود میں بولنے لگیں تو کہیں عام عادت کے لحاظ سے لوگوں کو اور خود حضرت مریم کو اچنبھا نہ معلوم ہو اور یہ اندیشہ نہ ہونے لگے کہ

کہیں بچے کی شکل میں کوئی اور مخلوق تو نہیں ہے، کہیں گھبرا کر بچے کو ایذا نہ پہونچادیں، اور جب یہ بات شروع میں ہی صاف کردی کہ یہ بچہ گہوارہ میں بات کریگا تو اب کوئی اندیشہ نہ رہا، بلکہ اس کا اللہ کی ایک نشانی ہونا متعین ہوگیا۔

اور **کھلاً** غالباً اس لئے کہا کہ معلوم ہوجائے کہ یہ بچہ عام انسانوں کی طرح سن کہولت کو پہونچے گا اور اس وقت دعوت وارشاد کا کلام کرے گا، کہولت کا زمانہ تیس سے چالیس برس تک کا دور ہے۔

فھو یکون: ۔کا اضافہ کرکے مفسر نے یہ بتایا کہ **کن فیکون** میں **فیکون** جواب امر نہیں ہے، اور نہ وہاں اَن ناصبہ مقدر، بلکہ یہ مرفوع ہے، اور مبتدا کی خبر ہے، اور مبتدا فھو ہے۔

الخط: ۔کتاب سے مراد کتابت ہے، چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بہت خوش خط تھے، یا یہ کہ کتاب سے مراد آسمانی کتابیں، اس میں توریت وانجیل بھی داخل ہیں اور چونکہ ان کا ذکر مستقلاً بعد میں ہے، اسی لئے مفسر نے کتاب سے مراد یہ کتابیں نہیں لی ہیں۔ کہ تکرار لازم ہوگی۔انھوں نے کتاب کو کتابت کے معنی میں لیا۔لیکن اگر کتاب سے مراد یہ کتابیں ہوں تو مضائقہ نہیں، کیونکہ **ذکر الخاص بعد العام** کلام کی ایک خاص صنعت ہے۔

ونجعلہ: ۔یہ لفظ لاکر مفسر نے ورسولاً کا اعراب بتایا ہے، کیونکہ **رسولاً** کا ماقبل کے کسی لفظ پر عطف نہیں ہے، پھر یہ منصوب کیوں ہے؟ مفسر نے بتایا کہ اس کا فعل محذوف ہے، جو قرائن معنویہ سے بالکل ظاہر ہے۔وہ یہ کہ یہاں **نجعلہ** مقدر ہے، اسی **نجعل** کا یہ مفعول ثانی ہے۔

فی الصبا او بعد البلوغ: ۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کس عمر میں نبوت سے سرفراز ہوئے، اس میں ایک قول یہ ہے کہ تین برس کی عمر میں انہیں نبوت مل گئی، جیسا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے بارے میں ہے کہ **و آتینٰہ الحکم صبیاً** حکم سے مراد نبوت ہے، تو حضرت یحییٰ کو بچپن میں جس کی توقیت تین سال کی عمر سے کی گئی ہے، نبوت مل گئی تھی، تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ ہوا تھا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ بلوغ کے بعد تیس سال کی عمر میں انہیں نبوت ملی تھی، اور ۳۳؍سال کی عمر میں آسمان پر اٹھالئے گئے، گویا نبوت کی عمر دنیا میں تین سال ہوئی، لیکن یہ دونوں قول ضعیف ہیں۔معتمد بات یہ ہے کہ چالیس سال کی عمر میں نبوت سے سرفراز ہوئے، اور ایک سو بیس سال کی عمر میں آسمان پر اٹھائے گئے۔تفصیل اس کے بعد والے رکوع میں **یٰعیسیٰ انی متوفیک و رافعک** الخ کے تحت آرہی ہے۔

ای بانی: ۔ **و رسولا الی بنی اسرائیل** کے بعد **انی قد جئتکم بآیۃ** فرمایا: حضرت مفسر اَنی بالفتح کی توجیہ کررہے ہیں کہ یہاں باءحرف جر محذوف ہے، پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ **تو بِانی** کس سے متعلق ہے؟ مفسر

نے **فلما بعثه الخ** کہہ کر اشارہ کیا کہ اس کا تعلق ماقبل کے کسی لفظ سے نہیں ہے، کیونکہ حق تعالیٰ کی طرف سے بشارت کا ذکر **ورسولا الی بنی اسرائیل** پر پورا ہو گیا ہے۔ اب اس کے بعد جو کلام آرہا ہے، اس کا تعلق نبوت ملنے کے بعد سے ہے۔ بشارت سے نہیں ہے۔ چنانچہ فرمایا: **فلما بعثه الی بنی اسرائیل قال لهم انی رسول اللّٰه الیکم ، انی قد جئتکم بآیة من ربکم** ۔ اس عبارت سے مفسر نے یہ بتایا کہ اَنّی کا تعلق **رسول** سے ہے کیونکہ رسول میں نطق کا معنی مقدر ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ اپنی رسالت کا اظہار نطق ہی سے کرے گا، گویا عبارت یوں گی **انی رسول الله ناطق بأنی قد جئتکم بآیة.**

هی انی :. یہ **انی خلق لکم** میں أن بالفتح کی توجیہ ہے، وہ یہ کہ اَنّی مبتدا محذوف **هی** کی خبر ہے۔ اور ظاہر ہے کہ خبر أن مفتوحہ کے ساتھ ہی ہوگی۔ اور ایک قرأت میں اِنی بالکسر ہے، اس صورت میں جملہ مستانفہ ہوگا۔

اصور :. **اخلق** کی تفسیر **اصور** سے اس لئے کی کہ **اخلق** کے معنی عدم سے وجود میں لانا ہے، یہ صفت صرف حضرت حق جل مجدہ کی شان ہے، مخلوق کے بس کی بات نہیں ہے۔ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جو فرمایا کہ میں پیدا کرتا ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مٹی سے پرندے کی صورت بناتا ہوں۔

مثل صورته :. **کهیئة الطیر** میں کاف حرفی نہیں ہے بلکہ کاف اسمی ہے، جو مثل کے معنی میں ہے اور یہ **اخلق** کا مفعول بہ ہے۔

الضمیر للکاف :. **کهیئة الطیر** میں چونکہ کاف اسم ہے، اس لئے **فانفخ فیه** میں ضمیر مجرور اسی کاف کی طرف راجع ہے۔

کرره لنفی توهم الالوهیة فیه : جہاں تخلیق پرندہ کا ذکر ہے، وہاں **باذن الله** لائے تھے، یہاں مردوں کے زندہ کرنے کا ذکر آیا، تو یہاں **باذن الله** مکرر لائے تاکہ کسی کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اندر الوھیت کا وہم نہ ہو جائے۔

سوال: تخلیق اور احیاء موتی کے ذکر میں باذن اللہ کی قید آئی ہے، لیکن **ابرئ الاکمه والابرص** میں **باذن الله** کی صراحت نہیں کی؟ **جواب** یہ ہے کہ بیماروں کو شفا دینے میں اتنی غرابت نہیں ہے کہ اس سے عیسیٰ علیہ السلام کے معبود ہونے کا شبہ ہوتا۔ لیکن خلق واحیاء ایسا عمل ہے، جو اللہ ہی کے ساتھ مخصوص ہے، اس کا ظہور اگر کسی کے ہاتھ پر ہوتا ہے تو شبہ الوھیت کا ہوتا ہے، اسلئے ان دونوں عمل میں باذن اللہ کہہ کر الوہیت کے توہم کو دفع کر دیا۔ اور شفا بخشی چونکہ اسباب کے تحت ہوتی ہے۔ اس میں الوہیت کے اعتقاد کا زیادہ اندیشہ نہیں ہے، اس لئے وہاں باذن اللہ کہنے کی چنداں حاجت نہیں ہے۔

فاحیا عازر :. **بفتح الزاء بوزن هاجر**، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے چار مردوں کو زندہ کیا، عازر حضرت عیسیٰ

علیہ السلام کے دوست تھے، ان کے مرنے کے تین دن کے بعد، انہیں قبر سے زندگی ملی۔ایک بڑھیا کا بیٹا اور ایک عاشر (چنگی وصول کرنے والے) کی بیٹی اور حضرت نوح علیہ السلام کے صاحبزادے حضرت سام کو زندہ کیا۔ حضرت سام تو پھر دوبارہ اسی وقت انتقال کر گئے، باقی تینوں زندہ رہے اور ایک مدت کے بعد مرے۔

مالا صیصیةله :۔ **بکسر الصادین ، والیاء الاولیٰ ساکنة والثانیة مفتوحة مشددة** کانٹا جس سے تکلیف ہوتی ہے، گائے وغیرہ کی سینگ

وقیل احل الجمیع :۔اس قول پر اعتراض ہے کہ کیا حرام چیزیں تمام تر ان پر حلال کر دی گئی تھیں۔ظاہر ہے کہ یہ ممکن نہیں، پھر **احل ا لجمیع** کا کیا مطلب ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ جمیع سے مراد وہ چیزیں ہیں، جو پہلے سے حلال تھیں، ان کے ظلم وتعدی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر حرام کر دی تھیں، وہ سب چیزیں دوبارہ حلال کر دی گئیں۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **فبظلم من الذین هادوا حرمنا علیهم طیبات احلت لهم** (سورہ نساء)

(هذا) الذی آمرکم به (صراط مستقیم) :۔صاحب جمل نے یہاں ایک تنبیہ لکھی ہے جو قابل لحاظ ہے، انھوں نے فرمایا کہ جو لوگ جلالین کی عبارت سمیت اس آیت کو پڑھیں، انہیں چاہئے کہ **هــذا** کے الف کو حذف کر کے ذال کے فتحہ کو **الذی** پر داخل نہ کریں بلکہ الف برقرار رکھ کر **الذی** پڑھیں، یعنی یوں پڑھیں **هذا ......اَلـذی آمـرکم به...... صـراط مستقیم** تا کہ قرآن کریم کی عبارت اپنی اصل ہیئت پر محفوظ رہے، اس تنبیہ کو ہر اس جگہ یاد رکھنا چاہئے، جہاں وصل یا وقف کی صورت میں قرآن کے کلمات میں تغیر کا امکان ہو۔

(فلما احس) علم :۔احساس یہ ہے کہ حواس خمسہ سے آدمی کو کچھ پتہ چلے یعنی سامعہ، باصرہ، ذائقہ، شامہ اور لامسہ سے۔لیکن یہاں **احس** مطلق جاننے کے معنی میں ہے۔

اعوانی ذاهباً الی الله :۔ **انصار ، نصیر** کی جمع ہے، اس کا صلہ **الی** نہیں آتا، مفسر نے **ذاهباً** کی تقدیر کو ظاہر کر کے واضح کیا کہ اس میں **ذهاب** کے معنی کی تضمین ہے، **الی الله** اسی **ذهاب** سے متعلق ہے۔مطلب یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں کون میرا مددگار رہے۔

من الحور :. **حواریون** ، **حواری** کی جمع ہے، اسکے معنی مددگار کے ہیں، یہ بارہ اصحاب تھے، جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خاص لوگ تھے۔یہ لفظ **حور** سے مشتق ہے، اس کے معنی خالص سفیدی کے ہیں باب **سمع** سے اس کا استعمال ہوتا ہے، **حَـوِرَتِ الْعَیْنُ** کے معنی یہ ہیں کہ آنکھ کی سفیدی خوب سفید ہو اور سیاہی خوب سیاہ ہو، ان حضرات کو حواری اس لئے کہا گیا کہ یہ گورے چٹے تھے اور ان کے باطن اور ان کی نیتیں بھی بہت پاکیزہ اور صاف ستھری تھیں۔

وقیل کانوا قصارین الخ :۔ایک قول یہ ہے کہ یہ حضرات پیشے کے اعتبار سے دھوبی تھے، لوگوں کے میلے

کچیلے کپڑوں کو دھو کر اجلا کیا کرتے تھے، اس صورت میں یہ تحویر سے ماخوذ ہوگا، اس کے معنی سفید کرنا اور اجلا کرنے ہے۔

اذ وکلوا به من یقتلوه غیلة: اذ تعلیلیہ ہے اور وکلوا باب تفعیل سے ہے، اس کے معنی ذمہ دار بنانا اور سپرد کرنا ہے، یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کرنے کا ایک شخص کو ذمہ دار بنایا، غیلة کے معنی خفیہ کے ہیں، یعنی دھوکے سے تنہائی کی جگہ میں لے جا کر قتل کر دینا۔

بان القی شبه عیسیٰ علی من قصد قتله: مکر کے معنی خفیہ تدبیر کے ہیں، مکر کا اصل لغوی معنی چھپانا ہے، کہتے ہیں مکر اللیل، رات نے پردہ ڈال دیا، پھر اس کا اطلاق بطور التزام کے خفیہ تدبیر پر ہونے لگا، یہ تدبیر اچھی بھی ہو سکتی ہے اور بری بھی ہو سکتی ہے، لیکن اس کا زیادہ تر استعمال بری تدبیر کے لئے ہونے لگا، جس کو اردو میں ''سازش'' کہتے ہیں۔ اس لئے اس لفظ کا استعمال بظاہر اللہ کے لئے مناسب نہیں ہے۔ تاہم یہاں اللہ کی طرف مکر کی نسبت بطور تقابل کے ہے، جیسے منافقین کا قول تھا انما نحن مستهزئون، تو اسکے مقابلے میں اللہ نے فرمایا: الله یستهزئ بهم، یا جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جزاء سیئة سیئة مثلها، حالانکہ برائی کے بدلے جو سزا ہے وہ خود برائی نہیں ہے، مگر بطور مقابلے کے اسے بھی برائی کہہ دیا گیا، تو یہاں بھی مکروا کے مقابلے میں مکر الله کہا گیا۔ بندوں کا مکر سازش ہے، اور اللہ کا مکر اسی سازش کی شکست و ریخت ہے، تو اسے جب اللہ کی طرف منسوب کیا گیا، تو اس کے لغوی معنی ہی لیجئے۔ یعنی خفیہ تدبیر، جس کا علم پہلے سے فریق مقابل کو نہ ہو، چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کی جن لوگوں نے سازش کی تھی، اس کا خفیہ جواب اللہ کی طرف سے وہ ہوا، جس کا انہیں کبھی وہم و گمان بھی نہ گزرا تھا، وہ یہ کہ جو شخص مخبری کے لئے یا قتل کے لئے اس گھر میں گھسا تھا، جس میں حضرت عیسی علیہ السلام تھے، تو عیسی علیہ السلام تو کمال آہستگی سے آسمان پر اٹھا لئے گئے، اور اس گھسنے والے کی شکل اللہ تعالیٰ نے بدل کر عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہ کر دی۔ جب وہ باہر نکلا، تو جو لوگ عیسیٰ علیہ السلام کو پہچانتے تھے وہ بول پڑے کہ یہ عیسیٰ ہیں۔ پس یہود کی فوج نے اس کو پکڑ لیا۔ وہ ہزار چلاتا رہا کہ میں عیسیٰ نہیں ہوں، مگر کسی نے نہ سنا اور اسے تختہ دار پر لٹکا دیا۔ اس کے مر جانے کے بعد، جب اسے غور سے دیکھنے لگے، تو شور ہوا کہ چہرہ تو عیسیٰ جیسا ہے، لیکن باقی بدن ہمارے اس آدمی جیسا ہے، جو مکان میں گھسا تھا۔ تو اگر یہ عیسی ہیں تو ہمارا آدمی کیا ہوا۔ اور اگر یہ ہمارا آدمی ہے، تو عیسی کہاں ہیں؟ انھیں کیا معلوم کہ اللہ کی تدبیر کتنی پختہ، کامیاب اور برمحل ہوتی ہے کون سوچ سکتا تھا کہ اب عیسیٰ زمین پر نہیں آسمان پر پہونچ گئے۔ اللہ کی نعمت کی ناقدری کی، تو وہ اٹھالی گئی۔

﴿مضامین آیات وتفسیر﴾

حضرت مریم کی پیدائش، ان کی تربیت اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کے حق میں حسن قبول کے ذکر کے

بعد، اور اس ذکر کے بعد کہ ان کے پاس ''غیبی رزق'' آیا کرتا تھا، ایک ایسی نعمت کا تذکرہ شروع ہوتا ہے، جو بالکل ''من حیث لا یحتسب'' ہے، یعنی کسی طرح اس کا سان وگمان نہ تھا مگر قدرت کی جانب سے انھیں ایک خاص الخاص عطیہ بخشا گیا، اور یہ عطیہ قدرت پروردگار کی ایک انوکھی نشانی بھی ہے، اور دنیا کے لئے رحمت بھی ہے، اور آگے چل کر قیامت کی علامت بھی ہے درمیان میں حضرت زکریا علیہ السلام کی دعاء اور اس کی قبولیت نیز یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش کا تذکرہ بھی منجملہ آیات الٰہی کیلئے ہے، جسے بطور جملہ معترضہ ذکر کیا گیا ہے۔

حضرت مریم کو یہ خاص موہبت الٰہی جو ملنے والی ہے، اس کا آغاز فرشتوں کے کلام سے ہوتا ہے، فرشتے انھیں ندا دیتے ہیں اور اس خاص نعمت کے لئے، جو انھیں عجیب وغریب انداز میں ملنے والی ہے، اور جسے نعمت باور کرانا عام حالات میں ممکن نہیں ہے، اس کے لئے انھیں ذہنی اعتبار سے تیار کر رہے ہیں۔ فرشتے فرما رہے ہیں کہ اے مریم! یہ بات شک وشبہہ سے بالاتر ہے، قطعی یقینی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خاص طور سے تمہارا انتخاب کیا ہے، اور تم کو مردوں کے ہاتھ لگانے سے پاک رکھا ہے، نہ تم کو کسی مرد نے ہاتھ لگایا، نہ لگائے گا۔ اور تم کو سارے جہاں کی عورتوں میں سے منتخب فرمایا ہے، اے مریم! تم اپنے رب کی اطاعت کرتی رہو، اور اس کے سامنے سجدہ اور رکوع کرتی رہو۔ پھر درمیان میں رسول کریم حضرت محمد ﷺ کی جانب کلام الٰہی کا التفات ہوتا ہے، فرماتے ہیں، یہ سب غیب کی خبریں ہیں، جن کی اطلاع ہم تمہیں وحی کے ذریعے دے رہے ہیں، تم تو وہاں نہ تھے، جب وہ اپنے قلموں کو دریا میں بطور قرعہ اندازی کے ڈال رہے تھے کہ دیکھیں مریم کی تعلیم وتربیت کی کفالت کس کے سپرد ہوتی ہے، اور تم وہاں پر موجود نہ تھے جب وہ اس کفالت کے مسئلہ پر بحث کر رہے تھے، یہ تمہارے نبی ہونے کی دلیل ہے۔

پھر فرشتوں نے کہا اے مریم! اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے ایک کلمے کی بشارت دیتے ہیں، وہ کلمہ کیا ہے؟ وہ مریم کے بیٹے عیسیٰ مسیح ہیں جو دنیا میں باوجاہت اور آخرت میں صاحب شفاعت ہوں گے، اور اللہ کے مقرب ہوں گے اور وہ گہوارے میں شیرخوارگی کے زمانے میں بھی لوگوں سے بات کریں گے، اور عمر دراز ہو کر بھی بات کریں گے، اور صالحین میں ہوں گے، حضرت مریم عذراء جو ''مسیس رجال'' سے پاک تھیں، چونک پڑیں وہ پروردگار کی جناب میں عرض کرنے لگیں کہ اے میرے رب! بچہ تو مردوں کے واسطے سے پیدا ہوتا ہے، اور مجھے کسی مرد نے ہاتھ تک نہیں لگایا پھر بچہ کیونکر پیدا ہوگا۔ فرمایا ایسا ہی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں پیدا کرتے ہیں، وہ جب کسی بات کا فیصلہ کرتے ہیں، تو اس کے متعلق صرف اتنا ارشاد فرماتے ہیں کہ ہو جا۔ وہ چیز موجود ہو جاتی ہے، اور اس بچہ کو ہم لکھنا سکھائیں گے، اور حکمت، توریت اور انجیل کی تعلیم دیں گے، اور بنی اسرائیل میں رسول بنائیں گے۔ اس کے بعد حضرت جبرئیل نے ان کے گریبان پر پھونک ماری اور انھیں اپنے شکم میں بچے کے وجود کا

احساس ہوا۔ پھر پیدائش کا مرحلہ آیا۔اس کا تفصیلی ذکر سورہ مریم میں ان شاء اللہ آئے گا۔ جب اللہ تعالیٰ نے منصب رسالت سے سرفراز فرمایا۔توانھوں نے اپنی رسالت وصداقت کے لئے کچھ دلیلیں پیش کیں،فرمایا کہ میں تمہارے پاس کچھ دلائل لے کر آیا ہوں، دیکھو میں مٹی سے پرندے کی صورت بناتا ہوں،اس میں پھونک مارتا ہوں، دیکھوکہ وہ اللہ کے حکم سے اڑنے لگتا ہے،اور میں مادرزاد اندھے کواور مبروص کوشفا دیتا ہوں، نیز اللہ کے حکم سے مردوں کوزندہ کرتا ہوں، چنانچہ انھوں نے مختلف اوقات میں متعدد مردوں کوزندہ کیا۔اور یہ بھی ہے کہ جوکچھ تم کھاتے ہو،اور گھروں میں چھپا کر رکھتے ہووہ بھی بتا دیتا ہوں ۔ان سب باتوں میں اگرتم ایمان رکھتے ہو توتمہارے لئے دلیل ہے،اور مجھ سے پہلے جوکتاب الٰہی آئی ہے یعنی توریت اس کی میں تصدیق کرتا ہوں اور وہ پاکیزہ چیزیں جوتمہارے اوپر حرام کردی گئی تھیں، میں انہیں تمہارے لئے حلال قرار دیتا ہوں،اور بھی تمہاتے لئے قدرت الٰہی کی نشانیاں لے کرآیا ہوں،تو اللہ سے ڈرو اور میری بات مانو، بلاشبہہ اللہ ہی میرا بھی رب ہے، اورتمہارا بھی رب ہے،اسی کی عبادت کرو، یہی سیدھا راستہ ہے۔لیکن جب عیسیٰ علیہ السلام نے محسوس کیا کہ یہ کفر پرڈٹے رہیں گے، بلکہ ان کے قتل کرنے کا ناپاک ارادہ کرر ہے ہیں،توانھوں نے فرمایا کہ اللہ کی راہ میں کون کون میرا مددگار ہے،حواریوں نے کہا کہ ہم ہیں اللہ کے مددگار! ہم اللہ پرایمان لائے اورآپ گواہ رہئے کہ ہم فرمانبرداراوراطاعت گزار ہیں۔اے ہمارے پروردگار! جوکچھ آپ نے اتارا ہے،یعنی انجیل،اس پر ہمارا ایمان ہے،اورہم نے رسول کی پیروی کی،توہم کوان لوگوں میں درج کردیجئے جووحدانیت ورسالت کے گواہ ہیں۔پھر بنی اسرائیل کے کافروں نے بڑی خطرناک سازش کی،لیکن اللہ نے ان کی سازش کوانہیں پرالٹ دیااوراللہ سے بہترکس کی تدبیر ہوسکتی ہے۔

☆☆☆☆☆

اذکر ﴿اِذْقَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسیٰ اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ﴾ قابضک ﴿وَ رَافِعُکَ اِلَیَّ﴾ من الدنیا من غیر موت ﴿وَمُطَھِّرُکَ﴾ مبعدک ﴿مِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَ جَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْکَ﴾ صدقوا بنبوتک من المسلمین والنصاریٰ ﴿فَوْقَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا﴾ بک وھم الیھود یعلونھم بالحجة والسیف ﴿اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُکُمْ فَاَحْکُمُ بَیْنَکُمْ فِیْمَا کُنْتُمْ فِیْہِ تَخْتَلِفُوْنَ﴾ من امر الدین﴿ فَاَمَّا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَاُعَذِّبُھُمْ عَذَاباً شَدِیْداً فِی الدُّنْیَا﴾ بالقتل و السبی والجزیة ﴿وَالآخِرَةِ﴾ بالنار﴿ وَمَا لَھُمْ مِّنْ نَاصِرِیْنَ﴾ مانعین منه﴿ وَاَمَّا الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ فَیُوَفِّیْھِمْ﴾ بالیاء والنون﴿ اُجُوْرَھُمْ وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ﴾ ای یعاقبھم روی ان اللہ ارسل الیه سحابة فرفعته فتعلقت به امه وبکت فقال لھا ان القیٰمة تجمعنا وکان ذلک لیلة القدر

ببیت المقدس وله ثلث وثلٰثون سنة و عاشت امه بعده ست سنین و روی الشیخان حدیث انه ینزل قرب الساعة و یحکم بشریعة نبینا ﷺ و یقتل الدجال و الخنزیر ویکسر الصلیب و یضع الجزیة و فی حدیث مسلم انه یمکث سبع سنین و فی حدیث ابی داؤد الطیالسی اربعین سنة و یتوفی و یصلی علیه فیحتمل ان المراد مجموع لبثه فی الارض قبل الرفع و بعده ﴿ ذٰلِکَ ﴾ المذکور من امر عیسیٰ ﴿نَتْلُوْهُ﴾ نقصه ﴿عَلَیْکَ﴾ یا محمد ﴿ مِنَ الْاٰیٰتِ ﴾ حال من الهاء فی نتلوه و عامله ما فی ذلک من معنی الاشارة ﴿ وَالذِّکْرِ الْحَکِیْمِ ﴾ المحکم ای القرآن ﴿ اِنَّ مَثَلَ عِیْسیٰ ﴾ شانه الغریب ﴿ عِنْدَاللّٰهِ کَمَثَلِ آدَمَ ﴾ کشانه فی خلقه من غیر اب وهو من تشبیه الغریب بالاغرب لیکون اقطع للخصم و اوقع فی النفس ﴿خَلَقَهٗ﴾ ای آدم ای قالبه ﴿ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ کُنْ ﴾ بشرا ﴿ فَیَکُوْنُ ﴾ ای فکان و کذلک عیسیٰ قال له کن من غیر اب فکان ﴿ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ ﴾ خبر مبتدا محذوف ای امر عیسیٰ ﴿ فَلَا تَکُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِیْنَ ﴾ الشاکین فیه ﴿ فَمَنْ حَآجَّکَ ﴾ جادلک من النصاریٰ ﴿فِیْهِ مِنْ بَّعْدِ مَا جَاءَکَ مِنَ الْعِلْمِ ﴾ بامره ﴿ فَقُلْ ﴾ لهم ﴿تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَکُمْ وَ نِسَآءَنَا وَ نِسَآءَکُمْ وَ اَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَکُمْ ﴾ فنجمعهم ﴿ثُمَّ نَبْتَهِلْ﴾ نتضرع فی الدعاء ﴿فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَی الْکٰذِبِیْنَ ﴾ بان نقول اللهم العن الکاذب فی شان عیسیٰ و قد دعا ﷺ وفد نجران لذٰلک لما حاجوه فیه فقالوا حتی ننظر فی امرنا ثم ناتیک فقال ذورایهم لقد عرفتم نبوته و انه ما باهل قوم نبیا الا هلکوا فوادعوا الرجل وانصرفوا فاتوه و قد خرج ومعه الحسن و الحسین و فاطمة و علی رضی الله عنهم وقال لهم اذا دعوت فامنوا فابوا ان یلاعنوا و صالحوه علی الجزیة رواه ابونعیم و روی ابو داؤد انهم صالحوه علی الفی حلة النصف فی صفر والبقیة فی رجب و ثلٰثین درعاً و ثلٰثین فرساً و ثلٰثین بعیراً و ثلٰثین من کل صنف من اصناف السلاح و روی احمد فی مسنده عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما قال لو خرج الذین یباهلونه لرجعوا لا یجدون مالا ولا اهلا و روی الطبرانی مرفوعاً لو خرجوا لاحترقوا ﴿اِنَّ هٰذَا﴾ المذکور ﴿لَهُوَ الْقَصَصُ﴾ الخبر ﴿ الْحَقُّ ﴾ الذی لا شک فیه ﴿وَمَامِنْ﴾ زائدة ﴿ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ ﴾ فی ملکه ﴿الْحَکِیْمُ ﴾ فی صنعه ﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا﴾ اعرضوا عن الایمان ﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ بِالْمُفْسِدِیْنَ ﴾ فیجازیهم و فیه وضع الظاهر موضع المضمر .

﴿ ترجمہ ﴾

یاد کرو (جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے عیسیٰ! میں تمہیں وفات دینے والا ہوں اور تم کو) دنیا سے بغیر موت کے (اپنے پاس اٹھانے والا ہوں، اور تم کو کافروں سے پاک رکھنے والا) یعنی ان سے دور رکھنے والا (ہوں اور جن لوگوں نے تمہاری پیروی کی ہے) یعنی جن مسلمانوں اور نصاریٰ نے تمہاری نبوت کی تصدیق کی ہے (انہیں ان لوگوں پر قیامت تک فوقیت دینے والا ہوں، جنھوں نے) تمہارے ساتھ (کفر کیا) اور وہ یہودی ہیں، ان پر ان کے ماننے والے، دلیل سے بھی اور تلوار سے بھی غالب رہیں گے۔ (پھر میری ہی طرف تمہارا لوٹنا ہے، پس میں) دین کے باب میں (جو تم اختلاف کرتے تھے، اس کا تمہارے درمیان فیصلہ کروں گا، پس جن لوگوں نے کفر کیا، انہیں دنیا میں) قتل، قید اور جزیہ کا (اور آخرت میں) جہنم کا (سخت عذاب دوں گا، اور ان کے لئے کوئی مددگار نہیں ہوگا) یعنی عذاب سے بچانے والا نہ ہوگا (اور جن لوگوں نے ایمان قبول کیا، اور اچھے کام کئے، انھیں ان کا پورا اجر دوں گا) **یوفیھم** یاء کے ساتھ بھی اور نون کے ساتھ بھی (اور اللہ تعالیٰ ظالموں سے محبت نہیں کرتے) یعنی ان کو سزا دیتے ہیں، مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس ایک بدلی بھیجی، اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اٹھا لیا، ان کی ماں ان سے چمٹ گئیں، اور رونے لگیں، انھوں نے فرمایا کہ قیامت کا دن ہمیں اکٹھا کردے گا، اور یہ واقعہ لیلۃ القدر میں بیت المقدس کے اندر پیش آیا، اس وقت ان کی عمر ۳۳/ سال تھی، ان کی والدہ مکرمہ اس واقعہ کے بعد چھ سال زندہ رہیں اور بخاری و مسلم کی روایت ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے قریب آسمان سے نازل ہوں گے، اور ہمارے نبی ﷺ کی شریعت کے مطابق حکومت کریں گے، دجال کو قتل کریں گے، خنزیر کو فنا کریں گے، صلیب کو توڑ دیں گے، اور جزیہ کا حکم ختم کردیں گے، اور مسلم کی حدیث میں ہے کہ وہ دنیا میں سات سال قیام فرمائیں گے، اور ابوداؤد طیالسی کی ایک حدیث میں ہے کہ چالیس سال رہیں گے، اور پھر وفات پائیں گے، اور ان پر جنازے کی نماز پڑھی جائے گی، اس حدیث میں احتمال یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ السلام کی زمین کے اوپر پوری مدت قیام کا ذکر ہو، آسمان پر جانے سے پہلے اور نازل ہونے کے بعد کی مجموعی مدت!

(یہ) عیسیٰ علیہ السلام کی بات جو ذکر کی گئی (ہم تم سے بیان کرتے ہیں جو کہ آیات ہیں اور ذکر حکیم ہے) **من الآیات**، حال ہے **نتلوہ** کی ضمیر مفعولی سے، اور اس کا عامل اشارہ کا معنی ہے جو کہ **ذلک** سے مفہوم ہوتا ہے، ذکر حکیم یعنی ذکر محکم، مراد قرآن ہے (بے شک عیسیٰ کی مثال) یعنی ان کی عجیب و غریب شان (اللہ کے نزدیک آدم جیسی ہے) یعنی بغیر باپ کے پیدا ہونے میں، انھیں کی جیسی شان ہے، اور یہ غریب کی تشبیہ اغرب سے ہے، تاکہ خصم کے لئے زیادہ مسکت ہو۔ اور زیادہ موثر ہو (ان کو) یعنی آدم کو، یعنی آدم کے ڈھانچے کو (مٹی سے پیدا کیا، پھر اس سے کہا کہ) بشر (ہوجا، پس وہ ہوگیا) ایسے ہی عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کہا کہ بغیر باپ کے ہوجا، پس وہ

ہو گئے۔(حق ہے تمہارے رب کی طرف سے) یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے، یعنی عیسی کا معاملہ تمہارے رب کی طرف سے حق ہے (پس) اس سلسلے میں (شک کرنے والوں میں سے مت ہو، پھر جو کوئی) نصاری میں سے (اس بات میں تم سے جھگڑے، بعد اس کے کہ تمہارے پاس) اس معاملہ کا (علم آچکا ہے تو تم) ان سے (کہو کہ آؤ ہم اپنے بیٹوں کو اور تم اپنے بیٹوں کو، اور ہم اپنی عورتوں کو اور تم اپنی عورتوں، اور ہم اپنی جانوں کو اور تم اپنی جانوں کو بلائیں) پھر ان کو جمع کریں (اس کے بعد گریہ وزاری سے دعا کریں، اور اللہ کی لعنت جھوٹوں پر ڈالیں ہیں) یعنی یوں کہتے ہیں کہ اے اللہ! حضرت عیسی کی شان میں جو جھوٹا ہے، اس پر لعنت بھیجئے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے نجران کے وفد کو، جبکہ انھوں نے آپ سے اس مسئلہ میں نزاع کی تھی اس مباہلہ کے لئے دعوت دی، انھوں نے کہا ذرا ہم غور کرلیں، پھر ہم آپ کے پاس آئیں گے، تو ان میں جو عقل مند تھا، اس نے کہا، تم ان کی نبوت کو پہچان چکے ہو، اور جب کسی قوم نے کسی نبی سے مباہلہ کیا ہے، تو وہ قوم ہلاک ہو گئی ہے، لہذا تم اس شخص سے صلح کرلو، اور یہاں سے لوٹ چلو، پھر وہ لوگ آپ کے پاس آئے، اور آپ نکل چکے تھے، آپ کے ساتھ حضرت حسن، حسین، فاطمہ اور علی رضی اللہ عنہم تھے، آپ نے ان لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ جب میں دعا کروں تو تم لوگ آمین کہنا، نجران کے وفد نے اس مباہلہ اور ملاعنہ سے انکار کیا اور جزیہ کے عوض صلح کرلی، **رواہ ابو نعیم** اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اگر یہ مباہلہ کے لئے نکلتے، تو گھروں کو اس حال میں لوٹتے کہ نہ مال انھیں ملتا اور نہ گھر والے ملتے اور ایک روایت میں ہے کہ یہ لوگ اگر نکلتے تو خود جل جاتے (بے شک یہ) جو کچھ ذکر کیا گیا (خبر حق ہے) جس میں کوئی شبہ نہیں ہے (اور کوئی معبود بجز اللہ کے نہیں ہے) من زائدہ ہے (اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ) اپنی حکومت میں (غلبہ والے) اپنے کام میں (حکمت والے ہیں، پس اگر یہ روگردانی کریں) یعنی ایمان لانے سے اعراض کریں (تو اللہ تعالیٰ مفسدوں کو جانتے ہیں) انھیں بدلہ دیں گے، اور اس میں اسم ظاہر کو ضمیر کی جگہ لایا گیا ہے۔

تشریحات

قابضک: –**توفی** کے معنی پورا وصول کرلینا۔ مکمل قبضہ کرنا۔ یہاں **متوفی** کی تفسیر میں دو بات کہی گئی ہے ایک یہ کہ کلام اپنے حال پر ہے اس میں کوئی تقدیم و تاخیر نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تمہاری عمر کی مدت پوری کروں گا، اور کفار سے بچا کر تمہیں آسمان پر اٹھالوں گا، اس تشریح کے لحاظ سے **توفی** اپنے حقیقی معنی میں ہے، اس کا التزامی معنی وفات ہے، جب عمر پوری وصول ہو جائے گی تو وفات اس کے لئے لازم ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ کلام میں تقدیم و تاخیر ہے اور اصل عبارت اس طرح ہوگی۔ **انی رافعک و متوفیک الخ**، کیونکہ **رفع الی السماء** پہلے ہے، اور موت بعد میں ہے، اس صورت میں **توفی** کو موت کے معنی میں لیا گیا ہے، اور واو مطلق جمع کے لئے ہے، اس لئے تقدیم و تاخیر سے معنی پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، لیکن پہلی توجیہ زیادہ مناسب

ہے، مفسر نے اس کی تفسیر قابضک سے کی ہے، اس میں بھی یہ دونوں احتمال جاری ہو سکتے ہیں، اس لئے نہیں کہا جا سکتا کہ ان کے نزدیک راجح کیا ہے۔

صدقوا بنبوتک من المسلمین والنصاریٰ:۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے وعدہ کیا گیا ہے کہ جن لوگوں نے تمہاری پیروی کی، انہیں یہود پر غالب رکھوں گا، تو پیروی کرنے کون ہیں؟ نصاریٰ ہیں یا مسلمان؟ اگر نصاریٰ اس کے مصداق ہیں تو وہ پیروی سے بہت دور ہٹ گئے، حتیٰ کہ ان کا ایمان بھی سلامت نہیں ہے، اور اگر صرف مسلمان مراد ہیں، تو یہ براہ راست پیروی کرنے والے نبی کریم ﷺ کے ہیں؟ مفسر نے تفسیر میں جو لفظ ذکر کیا ہے، اس سے جواب کا اشارہ نکلتا ہے۔ انھوں نے اس کا مصداق ان لوگوں کو بنایا ہے، جو ان کی نبوت کو مانتے ہیں، یعنی وہ لوگ جو ان کا انکار نہیں کرتے، اس میں مسلمان بھی داخل ہیں اور نصاریٰ بھی، ان دونوں کا غلبہ یہودیوں پر قیامت تک رہے گا۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد سے آج تک صورت حال یہی ہے کہ سیاسی اعتبار سے بھی اور نظریاتی اعتبار سے بھی یہودی، ان دونوں قوموں سے مغلوب ہیں، اور ہمارے زمانے میں بظاہر ایک جگہ جو اِن کا غلبہ نظر آتا ہے، وہ درحقیقت عیسائیوں کا غلبہ ہے، اور یہ بھی جلد فنا ہونے والا ہے۔

یعلونهم بالحجة والسیف:۔ حجت سے مراد دلائل و براہین اور سیف سے مراد سیاسی غلبہ۔

یعاقبهم:۔ پیچھے گزر چکا ہے کہ محبت اپنے ابتدائی معنی کے لحاظ سے ایک انفعالی کیفیت ہے جس سے اللہ کی شان برتر ہے، اور اپنی انتہاء کے اعتبار سے ایک فعل ہے، یعنی انعام و اکرام، تو جب اس کی نفی کی جائے گی، تو سزا و عقاب کا معنی ہوگا، مفسر نے اسی انتہاء کے لحاظ سے **لا یحب** کا ترجمہ **یعاقب** سے کیا ہے۔

وله ثلث و ثلثون سنة:۔ آسمان پر اٹھائے جانے کے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر ۳۳ر سال تھی، اس عمر کے سلسلے میں **المواهب اللدنیه** اور اس کی شرح زرقانی میں تنقید کی گئی ہے کہ نبوت ملنے کی عمر چالیس سال ہے، اس سے کم نہیں، کیونکہ وہی ''سن کمال'' ہے اور انبیاء اسی عمر میں وحی و نبوت سے سرفراز کئے گئے ہیں، یہ بات تمام انبیاء کو شامل ہے حتی کہ حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے متعلق بھی درست یہی ہے کہ انہیں ۴۰ر سال کی عمر میں نبوت ملی۔ چنانچہ زاد المعاد میں علامہ ابن قیم نے لکھا ہے کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ۳۳ر سال کی عمر میں اٹھائے گئے تو اس سلسلے میں کوئی ''اثر متصل'' نہیں ہے، جس کو ماننا ضروری ہو، شامی نے کہا یہی بات صحیح ہے اور عمر کی یہ روایت نصاریٰ سے منقول ہے۔ لیکن احادیث نبویہ میں تصریح ہے کہ وہ ایک سو بیس سال کی عمر میں آسمان پر اٹھائے گئے۔ پھر علامہ زرقانی نے (مہمہ) کے عنوان کے تحت ذکر کیا ہے کہ حافظ جلال الدین سیوطی نے محلی کی تفسیر کے تکملہ میں اور شرح نقایہ وغیرہ میں جزماً لکھا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام ۳۳ر سال کی عمر میں آسمان پر اٹھائے گئے اور نزول کے بعد سات سال دنیا میں قیام فرمائیں گے، اور مجھے تعجب ہو رہا تھا کہ

اتنے زبردست حفظ واتقان اور جامع معقول ومنقول ہونے کے باوجود انھوں نے کیوں کر اس پر جزم کیا، لیکن بعد میں میں نے ان کی کتاب ''مرقاۃ الصعود'' میں دیکھا کہ انھوں نے اس سے رجوع کرلیا ہے۔(جمل)

ذلک نتلوہ علیک من الآیات من الآیات میں عاملہ مافی ذٰلک من معنی الاشارۃ :۔ **من الآیات** حال ہے **نتلوہ** کی ضمیر مفعولی سے، اور اس حال میں عامل اشارہ کا وہ معنی ہے، جو ذلک میں ہے، لیکن یہاں مفسر سے تسامح ہوگیا ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ ذوالحال کا عامل، حال کا بھی عامل ہوتا ہے، اور یہاں ذوالحال **ھاء** ضمیر ہے جو نتلو کا مفعول ہے، تو جب ذوالحال کا عامل **نتلو** ہے، تو حال یعنی **من الآیات** کا عامل بھی وہی ہے۔

ہاں مفسر نے جو کچھ کہا ہے وہ ایک دوسری ترکیب کے لحاظ سے صحیح ہے، وہ یہ کہ بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ **ذلک** مبتدا ہے اور **من الآیات** خبر ہے، اور **نتلوہ** کا جملہ موضع نصب میں حال ہے، اور **ذلک** ذوالحال ہے، اس وقت البتہ اشارہ کا معنی حال میں عامل ہوگا۔

وھو من تشبیہ الغریب بالاغرب :۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بغیر باپ کے عجیب ہے، لیکن آدم علیہ السلام کی خلقت بغیر ماں باپ کے عجیب تر ہے، تو یہاں عجیب کی عجیب تر سے تشبیہ دی گئی ہے۔

ای آدم ای قالبہ : آدم کو مٹی سے پیدا کیا، سے مراد آدم کا قالب اور بدن ہے، یہ اس لئے مراد لیا کہ آگے اللہ تعالیٰ نے جو ترتیب بیان فرمائی ہے وہ ترتیب اس پر منطبق رہے، فرمایا کہ **خلقہ من تراب ثم قال لہ کن فیکون** ، اللہ نے ان کو مٹی سے پیدا کیا پھر فرمایا، ہوجا پس وہ ہوگیا۔ ظاہر ہے کہ یہ خطاب خود حضرت آدم سے نہیں ہے، ان کے ڈھانچے اور قالب سے ہے، اسی کو اللہ نے آدم بنایا ورنہ آدم کے آدم بن جانے کے بعد **کن** کہنے کا کوئی حاصل نہیں ہے۔

بامرہ:۔ اس میں ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیلئے ہے۔

نتضرع فی الدعا :۔ نبتھل کے اصل معنی لعنت بھیجنے کے ہیں۔ **بھلۃ** سے مشتق ہے، جس کے معنی لعنت کے ہیں، پھر یہ لفظ ہر اس دعاء میں استعمال کیا جانے لگا ہے، جس میں خوب تضرع وزاری ہو۔

وفیہ وضع الظاھر موضع المضمر :۔ موقع عبارت کا اس طرح تھا **فان تولوا فان اللہ علیم بھم** مگر ضمیر کی جگہ **بالمفسدین** اسم ظاہر کو لاکر اشارہ کیا کہ روگردانی کرنے والے مفسد ہیں۔

﴿مضامین آیات وتفسیر﴾

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جلالت قدر اور معجزانہ احوال و وقائع کے باوجود، یہود نے ان کے ساتھ سخت دشمنی کا رویہ اختیار کیا اور نوبت یہاں تک پہونچ گئی کہ ان کے قتل کا منصوبہ اس قوم نے بنایا، اور ایسا معلوم ہوتا تھا

کہ یہ سرکش قوم اپنے منصوبہ میں کامیاب ہو جائے گی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو اپنی پیغمبرانہ شان کی وجہ سے مطمئن تھے، مگر آپ کے اصحاب ہراساں تھے، اسی وقت میں جبکہ سازشوں کا حلقہ آپ کے گرد کسا جا رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خطاب فرمایا کہ ہم تم کو جسم و روح سمیت اپنی پناہ میں لینے والے ہیں اور تمہیں اپنے پاس اٹھالیں گے، اور کافروں کی دست اندازی سے تمہیں محفوظ رکھیں گے، اور جو لوگ تمہاری نبوت کو تسلیم کرنے والے ہیں، انہیں کافروں کے اوپر سربلندی عطا فرمائیں گے علمی اعتبار سے بھی اور سیاسی اعتبار سے بھی اور یہ قیامت تک کیلئے ہوگا، پھر میرے پاس تم سب لوٹ کر آؤ گے، میں تمہارے تمام اختلافات کا فیصلہ کر دوں گا ،جن لوگوں نے کفر کیا ہے، انہیں دنیا و آخرت میں سخت عذاب دوں گا، دنیا کا عذاب یہ ہے کہ ان پر قتل و قید اور جزیہ مسلط ہوگا اور آخرت کا عذاب جہنم ہے، اور انہیں اس سے کوئی بچانے والا مددگار نہ ملے گا۔ اور جو لوگ ایمان والے ہیں، اور انھوں نے اچھے کام کئے ہیں، ان کو ان کا پورا اجر ملے گا، اور سزا و عقاب تو ظالموں کے لئے ہے، اس بشارت کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک بدلی جیسی چیز آسمان سے بھیجی، اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اٹھالیا۔ والدہ مکرمہ حضرت مریم نے انہیں کو پکڑ لیا اور رونے لگیں، فرمایا کہ قیامت کے روز اکٹھے ہوں گے، وہ بدلی انہیں آسمان پر لئے چلی گئی۔ مفسر نے فرمایا کہ اس وقت حضرت عیسیٰ کی عمر ۳۳ رسال تھی۔ حضرت مریم ان کے بعد چھ سال حیات رہیں۔ پھر احادیث متواترہ سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے قریب آسمان سے زمین پر تشریف لائیں گے۔ اس وقت وہ خاتم النبیین ﷺ کے قانون کو نافذ کریں گے۔ دجال کو قتل کریں گے، خنزیر کو فنا کریں گے اور صلیب کو توڑ دیں گے، اور جزیہ کا حکم ختم کر دیں گے، مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ زمین پر سات سال قیام فرمائیں گے، اور ابوداؤد طیالسی کی روایت میں ہے کہ چالیس سال قیام فرمائیں، پھر ان کی وفات ہوگی، اور ان کی نماز جنازہ ادا کی جائیگی ممکن ہے کہ چالیس سال سے مراد زمین پر قیام کی مجموعی مدت ہو یعنی آسمان پر اٹھائے جانے سے پہلے اور اس کے بعد کی (اس سلسلے میں کچھ بحث تشریحات میں گزر چکی ہے، ملاحظہ فرمالیں) یہ جو کچھ بیان ہو رہا ہے، یہ ہمیں بیان کر رہے ہیں، یہ آیات الٰہی ہیں اور حکمت سے لبریز تذکرہ ہے، اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال ایسی ہے جیسے آدم کی مثال کہ انہیں بغیر ماں باپ کے محض مٹی سے پیدا فرمایا، پھر کہہ دیا کہ بشر بن جا، پس وہ ہوگئے، اسی طرح حضرت عیسیٰ کو بغیر باپ کے پیدا فرمادیا۔ یہ اگر عجیب ہے تو وہ عجیب تر ہے۔ یہ بالکل حق ہے، اس میں ذرا بھی شبہہ نہ کرو بلکہ شبہ کرنے والوں کی طرف جاؤ بھی مت۔ پھر اگر اس علم و یقین کے آجانے کے بعد بھی اگر کوئی تم سے نزاع کرے، تو اس سے کہدو کہ آؤ ہم تم اپنی اولادوں، اپنی عورتوں اور خود اپنے آپ کو حاضر کریں، پھر اللہ کے حضور گریہ و زاری سے دعا کریں، اور جو جھوٹا ہو اس پر اللہ کی لعنت برسائیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے وفد نجران کو جو عیسائی لوگ تھے، اس مباہلہ کیلئے دعوت دی، انہیں

چونکہ دل سے آپ کی حقانیت کا یقین تھا، اس لئے مباہلہ کرنے سے معذرت کردی، اور جزیہ کے اوپر صلح کرلی، ورنہ اگر مباہلہ کرلیتے تو اپنا سب کچھ برباد کردیتے، یہ بالکل سچا بیان ہے، اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور وہی عزیز و حکیم ہیں۔ اگر اس کے بعد بھی ایمان لانے سے یہ روگردانی کرتے ہیں تو خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ فسادیوں کو جانتے ہیں، وہ سزا سے بچ نہیں سکتے۔

☆☆☆☆☆

﴿قُلْ يَا اَهْلَ الْكِتٰبِ﴾ اليهود والنصٰرىٰ ﴿تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ﴾ مصدر بمعنى مستو امرها ﴿بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ﴾ هى ﴿اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلاَ نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئاً وَّلا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضاً اَرْبَاباً مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ كما اتخذتم الاحبار والرهبان ﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا﴾ اعرضوا عن التوحيد﴿ فَقُوْلُوْا﴾ انتم لهم﴿ اشْهَدُوا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ﴾ موحدون و نزل لما قالت اليهود ابراهيم يهودى و نحن على دينه و قالت النصارىٰ كذٰلك ﴿يٰاَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ﴾ تخاصمون﴿ فِىْ اِبْرَاهِيْمَ﴾ بزعمكم انه على دينكم﴿ وَمَا اُنْزِلَتِ التَّوْرَاةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْ بَعْدِهٖ﴾ بزمن طويل و بعد نزولهما حدثت اليهودية والنصرانية﴿ اَفَلاَ تَعْقِلُوْنَ﴾ بطلان قولكم﴿ هَا﴾ للتنبيه﴿ اَنْتُمْ﴾ مبتدأيا ﴿هٰؤُلَاءِ﴾ والخبر ﴿حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ﴾ من امر موسىٰ و عيسىٰ و زعمتم انكم على دينهما﴿ فَلِمَ تُحَاجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ﴾ من شان ابراهيم ﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ﴾ شانه ﴿وَاَنْتُمْ لا تَعْلَمُوْنَ﴾ قال تعالىٰ تبرية لابراهيم﴿ مَا كَانَ اِبْرَاهِيْمُ يَهُوْدِيّاً وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفاً ﴾مائلا عن الاديان كلها الى الدين القيم﴿ مُّسْلِماً﴾ موحدا ﴿وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ﴾ احقهم﴿ بِاِبْرَاهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ﴾ فى زمانه ﴿وَهٰذَا النَّبِىُّ﴾ محمد لموافقته له فى اكثر شرعه﴿ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا﴾ من امته فهم الذين ينبغى ان يقولوا نحن على دينه لا انتم﴿ وَاللّٰهُ وَلِىُّ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ناصرهم و حافظهم و نزل لما دعا اليهود معاذا و حذيفة و عما را الى دينهم ﴿وَدَّتْ طَائِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّا اَنْفُسَهُمْ﴾ لان اثم اضلالهم عليهم والمؤمنون لا يطيعونهم فيه﴿ وَمَا يَشْعُرُوْنَ﴾ بذلك﴿ يٰاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِآيَاتِ اللّٰهِ﴾ القرآن المشتمل على نعت محمد ﷺ ﴿وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ﴾ تعلمون انه حق ﴿يٰاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ﴾ تخلطون ﴿الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ﴾ بالتحريف والتزوير﴿ وَ تَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ﴾ اى نعت النبى ﷺ ﴿وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ انه حق .

﴿ترجمہ﴾

(تم کہہ دو کہ اے اہل کتاب) یہود و نصاریٰ (ایک ایسی بات پر آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے) سواءٌ مصدر ہے، لیکن معنی میں اسم فاعل مستوٍ کے ہے وہ (یہ کہ ہم اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کریں، اور نہ اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک کریں، اور نہ ہم میں کا بعض، بعض دوسرے کو اللہ کے علاوہ رب قرار دے) جیسا کہ تم نے احبار اور رھبان کو قرار دے رکھا ہے (پھر اگر وہ) توحید سے (روگردانی کریں تو تم) ان سے (کہو کہ تم گواہ رہو کہ ہم مسلم ہیں) یعنی توحید کو ماننے والے ہیں۔

اور جب یہود نے دعویٰ کیا کہ ابراہیم یہودی تھے اور ہم ان کے دین پر ہیں، اور نصاریٰ نے بھی ایسا ہی دعویٰ کیا، تو یہ آیت نازل ہوئی (اے اہل کتاب تم ابراہیم کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو) یہ دعویٰ کر کے کہ وہ تمہارے دین پر تھے (حالانکہ توریت و انجیل کا نزول ان کے) بہت زمانے (بعد ہوا ہے) اور توریت و انجیل کے نازل ہونے کے بعد ہی یہودیت اور نصرانیت کا وجود ہوا ہے (کیا تم) اپنے قول کے غلط ہونے کو (سمجھتے نہیں ہو، خوب سمجھ لو) ھـا تنبیہ کے لئے ہے (تم نے) مبتدا ہے۔ اے (لوگو!) اور خبر یہ ہے (ایسی چیز میں جھگڑا کیا جس کا تم کو علم ہے) یعنی موسیٰ اور عیسیٰ کے معاملہ میں اور تمہارے اس خیال میں کہ تم ان کے دین پر ہو (پس اس چیز میں کیوں جھگڑتے ہو جس کا تم کو علم نہیں ہے) یعنی ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں (اور اللہ) ان کے حال کو (جانتے ہیں اور تم لوگ نہیں جانتے) اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی برأت ظاہر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ (ابراہیم نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی، لیکن وہ حنیف تھے) تمام دینوں سے یکسو ہو کر صرف دین قیم کی جانب تھے (مسلم تھے) موحد تھے (اور مشرکین میں نہ تھے، بیشک لوگوں میں ابراہیم سے نزدیک تر) یعنی ان کے دین پر ہونے کے دعوے کے مستحق (وہ لوگ ہیں جنھوں نے ان کی پیروی کی) ان کے زمانہ میں (اور یہ نبی) یعنی محمد ﷺ کیونکہ اکثر امور میں یہ ان کے موافق ہیں (اور وہ لوگ جو ایمان لائے) یعنی آپ کی امت یہی لوگ ہیں جو کہہ سکتے ہیں کہ ہم ان کے دین پر ہیں، تم لوگ نہیں کہہ سکتے (اور اللہ، اہل ایمان کے ولی) یعنی حافظ و ناصر (ہیں)

ایک بار یہود نے حضرت معاذ، حضرت حذیفہ اور حضرت عمار رضی اللہ عنہم کو اپنے دین میں شامل ہونے کی دعوت دی، اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا (اہل کتاب کا ایک گروہ چاہتا ہے کہ تمہیں گمراہ کرے، حالانکہ وہ اپنے آپ ہی کو گمراہ کر رہے ہیں) کیونکہ ان کے اضلال کا گناہ انہیں پر ہوگا، اور اہل ایمان اس باب میں ان کی پیروی نہیں کریں گے (اور وہ) اسے (نہیں سمجھتے، اے اہل کتاب! تم اللہ کی آیات کا) یعنی قرآن کا جو محمد ﷺ کی صفات پر مشتمل ہے (کیوں انکار کرتے ہو، حالانکہ تم جانتے ہو) کہ وہ حق ہے (اے اہل کتاب! تم حق کو باطل کے ساتھ) تحریف و تزویر سے (کیوں خلط ملط کرتے ہو، اور حق کو) یعنی نبی کی صفات کو (کیوں چھپاتے ہو،

حالانکہ تم جانتے ہو) کہ یہ حق ہے۔

﴿تشریحات﴾

بمعنی مستو امرھا: آیت کریمہ میں سواءٌ لفظ کے اعتبار سے مصدر ہے، لیکن معنی مصدری کے ساتھ وہ کلمہ کی صفت نہیں بن سکتا تو فرمایا کہ اسم فاعل مستوٍ کے معنی میں ہے۔

کما اتخذتم الاحبار والرھبان : ۔ احبار، حبر کی جمع ہے اس کا اطلاق علماء یہود پر ہوتا تھا، اور رھبان، راھب کی جمع ہے، اس کا اطلاق نصاریٰ کے عبادت گزاروں پر ہوتا تھا۔ یہود نے تحلیل وتحریم کے مسئلے میں اپنے علماء کو رب بنالیا تھا اور عیسائی تو اپنے راھبوں کو سجدہ تک کرتے تھے، حضرت عدی بن حاتم طائی رضی اللہ عنہ عیسائیت سے اسلام کی طرف آئے تھے، انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ ہم لوگ احبار ورھبان کی عبادت تو نہیں کرتے تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ کیا ایسا نہیں تھا کہ وہ جس چیز کو حلال قرار دیتے تھے اسے تم حلال مان لیتے تھے اور جس چیز کو حرام قرار دیتے تھے، اسے حرام مان لیتے تھے۔ انھوں نے کہا کہ ہاں ایسا تو ہوتا تھا، آپ نے فرمایا یہی رب بنانا ہے۔

شارح عرض کرتا ہے کہ عیسائی اپنے پادریوں سے ہفتہ بھر کے گناہ اتوار کو معاف کرالیا کرتے ہیں۔ گویا گناہ کو معاف کرنے کی طاقت انھوں نے پادریوں کے اندر مان رکھی تھی، یہ تو واضح طور پر رب بنانا ہوا۔

بزمن طویل : ۔ کہتے ہیں ابراہیم وموسیٰ کے درمیان ایک ہزار سال کا فاصلہ ہے، اور ابراہیم اور عیسیٰ کے درمیان دو ہزار سال کا۔

یا (ھولاء) : ھولاء منادیٰ ہے، یا حرف ندا محذوف ہے، اسم اشارہ کے ساتھ حرف ندا کا حذف اہل کوفہ کے نزدیک درست ہے۔

بالتحریف والتزویر : ۔ تحریف کے معنی ترمیم اور تبدیلی کے ہیں اور تزویر کے معنی غلط بات کو مزین کرکے پیش کرنا، یہود یہ دونوں عمل کرتے تھے، یعنی توریت کے کلمات کو بدل دیتے تھے، اور کبھی اس کا غلط مطلب بیان کرتے تھے، مگر عوام کے سامنے اسے اتنا خوبصورت بنا کر پیش کرتے تھے کہ وہ اسے درست سمجھنے لگتے تھے۔ اہل اسلام میں بھی باطل فرقے قرآن کے اندر تزویر کا عمل بہت کرتے ہیں۔

﴿مضامین آیات وتفسیر﴾

اللہ تعالیٰ نہایت حکیمانہ انداز میں اہل کتاب یہود ونصاریٰ کو اسلام کی دعوت دیتے ہیں، فرماتے ہیں کہ تم ان سے کہو، اے اہل کتاب! جن باتوں میں تم اختلاف کرتے ہو انہیں درگزر کرو، ایک ایسی بات پر تو آؤ جس پر ہمارا اور تمہارا اتفاق ہے، اسے مشترک طور سے اپنے ایمان کی بنیاد قرار دو، وہ یہ کہ اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ

کریں، اس کے ساتھ شرک نہ کریں، اور کوئی بندہ، دوسرے بندے کو رب نہ بنائے، چلو اسی کو مضبوطی سے تھامو، اس میں تو کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اگر اس سے بھی یہ روگردانی کریں، تو تم کہہ دو کہ ہم تو اسی توحید پر ہیں، تم گواہ رہنا۔

یہودیوں اور نصرانیوں نے ایک عجیب دعویٰ کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی یا عیسائی تھے، کیسی عجیب بات ہے، یہودیت ہو یا عیسائیت، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صدیوں بعد وجود میں آئی ہے، پھر یہ کس قدر جہالت ہے کہ انہیں یہودی یا نصرانی کہا جائے۔ وہ نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی تھے، وہ تو حنیف تھے، مسلم و موحد تھے، تم لوگوں کا حال عجیب ہے جس سلسلے میں تمہیں کچھ معلومات ہیں، مثلاً حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام ان کے بارے میں تو تم نے جھگڑا کیا تھا، اب وہاں بھی جھگڑنے چلے جس کا تمہیں کچھ علم نہیں۔ اللہ جانتا ہے، تم کیا جانو؟ اگر کوئی بجا طور پر یہ دعویٰ کرنا چاہے کہ وہ ابراہیم کے دین پر ہے، تو وہی لوگ ہیں جنھوں نے ان کے دور نبوت میں ان کی پیروی کی، اور بعد والوں میں یہ نبی یعنی محمد ﷺ کیونکہ یہ اکثر امور شرعیہ میں ان کے موافق ہیں، اور اہل ایمان (یعنی محمد ﷺ کی امت) ان کے دین پر ہونے کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔

لیکن ہدایت آجانے کے بعد ان کی جرأت دیکھو کہ یہ مسلمانوں کو گمراہ کرنا چاہتے ہیں، خیر انہیں کیا گمراہ کریں گے، یہ خود گمراہ ہیں۔ لیکن سمجھتے نہیں۔ اے اہل کتاب! تم جانتے بوجھتے اللہ کی آیات کا انکار کیوں کرتے ہو، اور کتاب اللہ میں حق و باطل کو گڈمڈ کیوں کرتے ہیں، اور سچی بات کو چھپاتے کیوں ہو، حالانکہ تم خوب جانتے ہو، تو جان بوجھ کر تو ایسا نہیں کرنا چاہئے۔

☆☆☆☆☆

﴿وَ قَالَتْ طَآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ﴾ اليهود لبعضهم ﴿آمِنُوْا بِالَّذِیْ اُنْزِلَ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ ای القرآن ﴿وَجْهَ النَّهَارِ﴾ اوله ﴿وَ اكْفُرُوْا﴾ به ﴿آخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ﴾ ای المومنين ﴿يَرْجِعُوْنَ﴾ عن دينهم اذ يقولون ما رجع هولاء عنهم بعد دخولهم فيه وهم اولو علم الا لعلمهم بطلانه و قالوا ايضا ﴿وَلَا تُؤْمِنُوْا﴾ تصدقوا ﴿اِلَّا لِمَنْ﴾ اللام زائدة ﴿تَبِعَ﴾ وافق ﴿دِيْنَكُمْ﴾ قال تعالىٰ ﴿قُلْ﴾ لهم يا محمد ﴿اِنَّ الْهُدٰی هُدَی اللّٰهِ﴾ الذی هو الاسلام و ما عداه ضلال والجملة اعتراض ﴿اَنْ﴾ ای بان ﴿يُّؤْتٰی اَحَدٌ مِّثْلَ مَا اُوْتِيْتُمْ﴾ من الكتب والحكمة والفضائل وان مفعول تؤمنوا والمستثنىٰ منه احد قدم عليه المستثنىٰ المعنى لا تقروا بان احدا يؤتى ذلک الا من تبع دينكم ﴿اَوْ﴾ بان ﴿يُحَآجُّوْكُمْ﴾ ای المؤمنون يغلبوكم ﴿عِنْدَ رَبِّكُمْ﴾ يوم القيٰمة لانكم اصح ديناً و فی قراء ة أ ان بهمزة التوبيخ اے ايتاء احد مثله تقرون به قال تعالىٰ ﴿قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ﴾ فمن اين لكم انه لا

یوتی احد مثل ما اوتیتم﴿ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ﴾ کثیر الفضل ﴿عَلِيْمٌ﴾ بمن هو اهله﴿ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُوْ الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ﴾ ای بمال کثیر﴿ يُؤَدِّهٖ اِلَيْکَ﴾ لامانته کعبد الله بن سلام اودعه رجل الفا و مائتی اوقية ذهبا فاڈها اليه ﴿وَمِنْهُمْ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَا يُؤَدِّهٖ اِلَيْکَ﴾ لخيانته ﴿ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِماً﴾ لا تفارقه فمتی فارقته انکره ککعب بن الاشرف استودعه قرشی ديناراً فجحده ﴿ذٰلِکَ﴾ ای ترک الاداء﴿ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا﴾ بسبب قولهم ﴿لَيْسَ عَلَيْنَا فِيْ الْاُمِّيّٖنَ﴾ ای العرب ﴿سَبِيْلٌ﴾ ای اثم لاستحلالهم ظلم من خالف دينهم و نسبوه اليه تعالیٰ قال تعالیٰ ﴿وَ يَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ﴾ فی نسبة ذلک اليه﴿ وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ﴾ انهم کاذبون ﴿بَلٰى ﴾ عليهم فيهم سبيل ﴿مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ﴾ الذی عاهد الله عليه او بعهد الله عليه من اداء الامانة و غيره ﴿وَاتَّقٰى﴾ الله بترک المعاصی و عمل الطاعا ت ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ﴾ فيه وضع الظاهر موضع المضمر ای يحبهم بمعنیٰ يثيبهم و نزل فی اليهود لما بدلوا نعت النبی ﷺ و عهد الله اليهم فی التوراة اوفيمن حلف کاذباً فی دعوی او فی بيع سلعة ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ﴾ يستبدلون﴿ بِعَهْدِ اللّٰهِ﴾ اليهم فی الايمان بالنبی ﷺ و اداء الامانة ﴿وَ اَيْمَانِهِمْ﴾ حلفهم به تعالیٰ کاذبا﴿ ثَمَناً قَلِيْلاً﴾ من الدنيا﴿ اُوْلٰٓئِکَ لَا خَلَاقَ﴾ نصيب﴿ لَهُمْ فِيْ الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ﴾ غضبا عليهم ﴿وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ﴾ يرحمهم ﴿يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ﴾ يطهرهم ﴿وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ مؤلم ﴿وَاِنَّ مِنْهُمْ﴾ ای اهل الكتٰب﴿ لَفَرِيْقاً﴾طائفة ککعب بن الاشرف ﴿يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ ﴾ ای يعطفونها بقراء ته عن المنزل الی ما حرفوه من نعت النبی ﷺ ونحوه﴿ لِتَحْسَبُوْهُ﴾ ای المحرف﴿ مِنَ الْكِتٰبِ﴾ الذی انزل الله تعالیٰ ﴿وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِاللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِاللّٰهِ وَ يَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ﴾ انهم کاذبون و نزل لما قال نصاریٰ نجران ان عيسیٰ امرهم ان يتخذوه ربا او لما طلب بعض المسلمين السجود له ﷺ ﴿مَا كَانَ﴾ ينبغی﴿ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ﴾ ای الفهم للشريعة ﴿وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَاداً لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لٰكِنْ ﴾ يقول ﴿كُوْنُوْا رَبَّانِيّٖنَ﴾ علماء عاملين منسوب الی الرب بزيادة الف و نون تفخيماً﴿ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ﴾ بالتخفيف والتشديد﴿ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ﴾ ای بسبب ذلک فان فائدته ان تعملوا﴿ وَلَا يَاْمُرَكُمْ﴾ بالرفع استيناف ای الله والنصب عطفاً علی يقول ای

البشر ﴿اَنْ تَتَّخِذُوْا الْمَلٰئِکَۃَ وَالنَّبِیّٖنَ اَرْبَاباً﴾ کما اتخذتِ الصّابئۃُ الملٰئکۃَ والیھودُ عزیراً والنصٰریٰ عیسیٰ ﴿اَیَاْمُرُکُمْ بِالْکُفْرِ بَعْدَ اِذْاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ﴾ لاینبغی لہ ھذا .

ترجمہ

(اہل کتاب) یعنی یہود (کے ایک گروہ نے) بعض دوسرے سے (کہا کہ اس بات پر جو ایمان والوں پر نازل ہوئی ہے) یعنی قرآن پر (دن کے شروع میں ایمان لے آؤ، اور اس کے آخر میں اس کا انکار کردو، شاید وہ لوگ) یعنی اہل ایمان بھی اپنے دین سے (پھر جائیں) کیونکہ وہ یہ سوچیں گے کہ یہ اصحاب علم جب اس دین میں داخل ہو کر پھر گئے ہیں، تو ضرور یہ اس کے باطل ہونے کو جان گئے ہیں، جبھی پھرے ہیں، نیز انھوں نے یہ بھی کہا کہ (اور ان لوگوں کے سوا جو تمہارے دین کے ماننے والے) یعنی موافق (ہیں، کسی کی بات نہ مانو) لمن میں لام زائد ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محمد! (تم) ان سے (کہدو، بے شک ہدایت تو اللہ کی ہدایت ہے) جو کہ اسلام ہے اور اس کے ماسوا سب گمراہی ہے، یہ جملہ معترضہ ہے (کہ کسی کو اس چیز کے مثل دی جائے جو تمہیں دی گئی ہے) یعنی کتاب وحکمت اور فضائل وغیرہ۔ ان یوتی ، ولا تومنوا کا مفعول بہ ہے، اور مستثنیٰ منہ احد ہے، اس سے پہلے مستثنیٰ یعنی الا لمن تبع دینکم لایا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ لا تقروا بان احدا یوتی مثل ما اوتیتم الا لمن تبع دینکم ، یعنی اس بات کا اقرار اور تصدیق نہ کرو کہ کسی کو اس جیسی چیز عطا ہوگی جو تمہیں دی گئی ہے، مگر ہاں جو کوئی تمہارے دین کی پیروی کرتا ہے تو اس کی تصدیق کرو (یا یہ کہ وہ) اہل ایمان (تم سے تمہارے رب کے پاس) قیامت کے دن (جھگڑیں) یعنی تم پر غلبہ پائیں، کیونکہ تم دین کے اعتبار سے صحیح تر ہو، اور ایک قرأت میں أأن ہمزہ توبیخ کے ساتھ ہے، یعنی کیا تم اس کا اقرار کرتے ہو کہ تمہاری جیسی نعمت کسی اور کو مل سکتی ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ (تم کہدو، بے شک فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے، جس کو چاہتے ہیں عطا فرماتے ہیں) تو تمہیں یہ حق کہاں سے حاصل ہوا کہ جیسی نعمت تمہیں عطا ہوئی، ویسی کسی اور کو نہیں ملے گی (اور اللہ وسعت والے ہیں) یعنی کثیر الفضل ہیں جو اس کا اہل ہے اسے (جاننے والے ہیں، اپنی رحمت کے ساتھ جس کو چاہتے ہیں، خاص کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں، اور اہل کتاب میں سے بعض وہ ہیں کہ اگر انہیں مال کثیر کا امین بناؤ تو اسے) اپنی امانت ودیانت کی وجہ سے (تمہیں ادا کردیں گے) جیسے عبداللہ بن سلام کہ ان کے پاس ایک شخص نے دوسو اوقیہ سونا بطور امانت کے رکھا، انھوں نے اسے پورا لوٹا دیا (اور ان میں سے بعض وہ ہیں کہ اگر انہیں ایک دینار بطور امانت کے تم دیدو تو وہ تمہیں) اپنی خیانت کی وجہ سے (نہیں لوٹائیں گے، مگر یہ کہ ان کے سر پر سوار رہو) اور اس سے جدا نہ ہو، اور جہاں ذرا جدا ہوئے کہ وہ انکار کردیں گے، جیسے کعب بن اشرف، اس کے پاس ایک قریشی نے ایک دینار امانۃً رکھ دیا، اس نے اس کا انکار کردیا (یہ) یعنی ادا نہ کرنا (اس واسطے

ہے کہ انھوں نے کہا کہ ہم پر امیوں) یعنی عرب (کے سلسلے میں کوئی مواخذہ) یعنی گناہ (نہیں ہے) وہ اپنے دین کے مخالف پر ظلم کرنے کو حلال و جائز قرار دیتے ہیں، اور اس کو اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ (وہ) اس کی نسبت خدا کی طرف کرنے میں (اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں) کہ وہ جھوٹے ہیں (کیوں نہیں) ان پر ان کے بارے میں مواخذہ ہے، ہاں (جو کوئی اپنے عہد کو) جو اس نے اللہ کے ساتھ کیا ہے یا یہ کہ اللہ کے عہد کو جو انھوں نے اس سے لیا ہے یعنی امانتوں کی ادائیگی وغیرہ کا (پورا کرے اور) اللہ سے (ڈرے) یعنی معاصی کو ترک کرے اور طاعتوں کا عمل کرے (تو اللہ تعالیٰ متقیوں سے محبت رکھتے ہیں اس میں ضمیر کے بجائے اسم ظاہر لایا گیا ہے، یعنی **یحبهم** ان سے محبت رکھتے ہیں، بمعنی ثواب دینے کے۔

یہود نے رسول اللہ ﷺ کے ان اوصاف و حالات کو، جو توریت میں بیان کئے گئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے بارے میں جو ان سے عہد لیا تھا، جس کا ذکر توریت میں موجود ہے، ان سب کو بدل دیا تھا تو ان کے متعلق اگلی آیت نازل ہوئی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو لوگ دعووں میں، سامان بیچنے میں جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں، ان کے بارے میں اتری ہے۔ فرماتے ہیں (بے شک وہ لوگ جو اللہ کے) اس (عہد کے عوض میں) جو ان سے نبی ﷺ پر ایمان لانے کے بارے میں، اور امانت کی ادائیگی کے بارے میں لیا گیا ہے (اور اپنی قسموں کے عوض میں) جو وہ اللہ کے نام پر جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں، ان کے بدلے میں، دنیا کی (تھوڑی قیمت خریدتے ہیں) یعنی لیتے ہیں (یہ لوگ وہ ہیں کہ آخرت میں ان کے لئے کوئی حصہ نہیں ہے (اور) غصہ کی وجہ سے (اللہ تعالیٰ ان سے قیامت کے دن بات نہیں کریں گے، اور نہ ان کی طرف نظر) رحمت (فرمائیں گے، اور نہ ان کو، پاک وصاف فرمائیں گے، اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے اور بے شک ان میں سے) یعنی اہل کتاب میں سے (ایک گروہ ایسے لوگوں کا ہے جیسے کعب بن اشرف جو اپنی زبانوں کو کج کرتے ہیں) یعنی جو کچھ اللہ کی طرف سے اتارا گیا ہے اس کے پڑھنے میں اپنی زبانیں کج مج کر کے اس بات کی طرف لے جاتے ہیں جو انھوں نے نبی ﷺ کے اوصاف واحوال کے بارے میں تحریف کر رکھی ہے (تاکہ تم اس) تحریف شدہ بات کو اس (کتاب کا ایک حصہ سمجھو) جس کو اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے (حالانکہ وہ کتاب کا حصہ نہیں ہے، اور کہتے ہیں یہ بھی اللہ کی طرف سے ہے، حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہے، اور اللہ کے اوپر جھوٹی بات کہتے ہیں، اور وہ اسے خوب جانتے ہیں) کہ وہ جھوٹے ہیں۔

نجران کے عیسائیوں نے دعویٰ کیا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں حکم دیا ہے کہ ان کو اپنا رب مان لیں، اس کے جواب میں اگلی آیت اتری، یا یہ کہ بعض مسلمانوں نے آپ سے درخواست کی تھی کہ ہمیں اجازت ہو کہ ہم آپ کو سجدہ کریں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی (کسی بشر کے لئے) مناسب (نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے

کتاب اور حکم) یعنی شریعت کا فہم (اور نبوت عطا فرمائیں اور پھر وہ لوگوں سے یہ کہنے لگے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ،لیکن)وہ یہ کہتا ہے کہ (تم ربانی بنو) یعنی عالم باعمل بنو، ربانی رب کی طرف منسوب ہے، اس میں الف اور نون کا اضافہ عظمت وتفخیم کے لئے ہوا ہے (اس واسطے کہ تم کتاب کو پڑھاتے ہو) **تعلمون** باب تفعیل سے بھی ہے اور مجرد سے بھی، دو قرأتیں ہیں (اور اس واسطے کہ تم پڑھتے ہو) یعنی پڑھنے اور پڑھانے کی وجہ سے ربانی بنو، اس لئے کہ اس پڑھنے اور پڑھانے کا فائدہ عمل کرنا ہے (اور نہ یہ کہ تمہیں اس بات کا حکم دے)ولا یامر میں دو قرأت ہے، ایک تو یامر کے رفع کے ساتھ، اس صورت میں یہ جملہ مستانفہ ہے، یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں اس بات کا حکم نہیں دیتے الخ دوسرے یہ کہ نصب کے ساتھ ہو، اس صورت میں یہ **ثم یقول** پر عطف ہوگا۔یعنی نہ یہ کہ وہ بشر تم کو اس بات کا حکم دے (کہ تم ملائکہ کو اور انبیاء کو رب بنالو) جیسا کہ صائبین نے فرشتوں کو اور یہود نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اور نصاریٰ نے حضرت عیسی علیہ السلام کو رب بنالیا تھا (کیا وہ تمہارے مسلمان ہونے کے بعد تم کو کفر کا حکم دے سکتا ہے) یہ اس کے لئے بالکل مناسب نہیں ہے

﴿تشریحات﴾

الیهود لبعضهم : **طائفة من اهل الكتاب** سے مراد یہود کا ایک طبقہ ہے، ان لوگوں نے اپنے ہی ہم مذہب لوگوں کے ساتھ مل کر سازش کی، یہ خیبر کے کچھ یہود علماء تھے جنھوں نے باہم یہ قرارداد پاس کی اور کچھ لوگوں کو متعین کیا کہ صبح کو محمد ﷺ کے دین میں زبان سے داخل ہو جاؤ اور شام ہوتے ہوتے واپس آجاؤ، اور یہ پروپیگنڈہ کرو کہ ہم نے انھیں مان کر اور ان سے قریب رہ کر جب دوبارہ اپنی آسمانی کتاب کا مطالعہ کیا، اور اپنے علماء سے مزید تحقیق کی تو کھلا کہ جس پیغمبر آخر الزماں کا تذکرہ ہماری کتابوں میں ہے، وہ یہ نہیں ہیں، اس طرح کرنے سے ممکن ہے، ماننے والے بھی شبہ میں پڑ جائیں اور ان کے قدم اکھڑ جائیں۔

وقالو ایضا :-اور مزید انھوں نے وہ بات بھی کہی جس کا ذکر آگے آرہا ہے۔

(ولاتومنوا)تصدقوا(الالمن)اللام زائدة (تبع دينكم):-اس آیت کی تفسیر میں مفسر نے جو کچھ فرمایا ہے، وہ بہت مجمل ہے، عبارت سے پوری بات واضح نہیں ہوتی، یہ ایسا اختصار واجمال ہے، جو فہم معنی میں مخل ہے، ہم جمل کے حوالے سے کسی قدر اس کی توضیح کرتے ہیں

مفسر کے اجمال سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں دو توجیہیں مراد لی۔

(۱) پہلی توجیہ یہ ہے کہ **الا لمن** میں لام زائدہ ہے اور **ان یوتی** مفعول بہ ہے، اور مستثنیٰ منہ **اَحَدٌ** ہے، مستثنیٰ اس پر مقدم ہے اور **او یحاجوکم** کا عطف **یوتی** پر ہوگا۔اس صورت میں تقدیری عبارت یوں ہوگی **ولاتومنوا ان یوتی احد مثل مااوتیتم الا من تبع دینکم او یحاجوکم عند ربکم** ،یعنی تم یہ

بات نہ تسلیم کرو کہ کسی اور کو وہ نعمتیں اور فضائل وفواضل عطا فرمائے جائیں گے، جو تمہیں عطا ہوئے ہیں، مگر یہ کہ وہ تمہارے دین کے موافق ہو تو مانو کہ اس کو وہ تمہاری والی نعمتیں عطا ہوئی ہوں گی، اور یہ بھی مت مانو کہ وہ دوسرے لوگ تمہارے رب کے پاس تم پر غلبہ حاصل کرلیں گے۔ ایسا بالکل نہ ہوگا، اس توجیہ کی صورت میں **او یحاجو کم عند ربکم** سے مستثنیٰ کا کوئی تعلق نہ ہوگا۔

(۲) دوسری توجیہ مفسر کے اجمال سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ لام زائد نہ ہو، اس توجیہ کا قرینہ یہ ہے کہ آگے مفسر نے فرمایا ہے کہ **المعنی لاتقروا بان احد ایوتی ذالک الالمن تبع دینکم**۔ اس تقریر میں مفسر نے **لمن تبع دینکم** کے لام کو برقرار رکھا ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ لام زائدہ نہیں ہے۔ اس توجیہ کی صورت میں مستثنیٰ منہ محذوف ہوگا اور **او یحاجو کم** کا عطف حسب سابق یوتی پر ہوگا اور اس کا بھی تعلق استثنا سے ہوگا۔ تقدیر عبارت یوں ہوگی **و لاتومنوا ای لاتقروا بان یوتی احد مثل مااوتیتم او یحاجو کم عند ربکم لاحد ای عند احد الا لمن ای عند من تبع دینکم**۔ یعنی تم کسی کے سامنے اس بات کا اعتراف واقرار مت کرو کہ کسی کو تمہاری جیسی نعمتیں اور فضیلتیں مل سکتی ہیں، یا وہ تمہارے رب کے پاس تم پر غالب آسکتا ہے، مگر اس شخص کے سامنے، جو دین میں تمہارے موافق ہو، مطلب یہ ہے کہ تمہاری جیسی نعمتیں بھی کسی شخص کو تمہارے علاوہ مل سکتی ہیں، یا قیامت کے دن پروردگار کے پاس وہ دوسرا شخص تم پر غالب آسکتا ہے اس کا اقرار واعتراف کسی کے پاس مت کرو، البتہ جو شخص تمہارے مذہب پر ہے، اس کے سامنے کرسکتے ہو، اگر مسلمانوں کے پاس اس کا اقرار کروگے تو وہ اپنے ایمان میں اور مضبوط ہوجائیں گے، اور مشرکین کے سامنے کروگے تو خطرہ ہے کہ دین اسلام میں داخل نہ ہوجائیں، اور آپس میں اگر اقرار کروگے تو مضائقہ نہیں، کیونکہ تم اپنے دین پر پختہ ہو۔ تم سے کوئی اندیشہ نہیں، اس توجیہ کی صورت میں **الا لمن تبع دینکم** میں لازم زائد نہیں ہے مگر وہ عند کے معنی میں ہے۔

اس تفصیل سے ظاہر ہوا کہ اس آیت کریمہ کی تفسیر کی دو جہتیں ہیں۔ پہلی جہت یہ ہے کہ علماء یہود باہم ایک دوسرے سے کہہ رہے ہیں کہ اس بات کو تسلیم ہی مت کرو کہ تمہارے دین کے علاوہ کسی اور دین کا دعویٰ کرنے والا کمالات نبوت اور فضائل ومناقب اور نعمائے الٰہیہ سے سرفراز ہوسکتا ہے، یا اللہ کے پاس اس کی بات چل سکتی ہے۔ اگر کوئی تمہارے مذہب کی موافقت کرتا ہے، اور اس کے بعد نبوت وغیرہ کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ قابل تسلیم ہے۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد انبیاء بنی اسرائیل سب انہیں کے دین ومذہب پر رہے، اسی طرح آج بھی اگر کوئی اسی دین ومذہب پر قائم ہے اور وہی تمہارا بھی دین ہے، اور پھر دعویٰ کرے کہ میں نبی ہوں تو خیر قابل تسلیم ہے، ورنہ نہیں۔ اور یہ نبی محمد ﷺ ظاہر ہے کہ یہودیت پر نہیں ہیں، اس لئے ان کا دعوائے نبوت ہرگز قابل

تسلیم نہیں ہے۔اس طرح ان یہود نے اپنے دین ومذہب کے ابدی ہونے کا دعویٰ کیا کہ یہ منسوخ نہیں ہوسکتا۔

اور دوسری جہت یہ ہے کہ جو کمالات وفضائل تمہیں ملے تھے، وہ دوسروں کو بھی مل سکتے ہیں، جیسا کہ ہماری کتابوں سے ظاہر ہے، مگر اس کا سب کے سامنے اقرار مت کرو اور سب کے سامنے اس کا بھی اقرار مت کرو کہ خدا کے یہاں دوسروں کی کوئی بات چل سکتی ہے، یہ اعتراف واقرار صرف اپنے ہم مذہبوں کے سامنے کر سکتے ہو، مسلمانوں یا مشرکوں کے سامنے کرو گے تو ایک فریق کے اپنے دین میں مضبوط ہو جانے اور دوسرے فریق کے ٹوٹ جانے کا خدشہ ہے، اس لئے اس اقرار کو چھپائے ہی رکھو۔

پہلی صورت میں انکار آیات ہے، اور دوسری صورت میں کتمان آیات! اور یہود کے مزاج میں یہ دونوں باتیں داخل ہیں۔

والجملة اعتراض :. **قل ان الهدیٰ هدی الله** جملہ معترضہ ہے، فعل اور اس کے مفعول کے درمیان آیا ہے۔

لانكم اصح دیناً :۔ یہ اس نفی کی توجیہ ہے جس کے تحت **او یحاجوكم** کا جملہ ہے، یعنی وہ تم پر غالب نہیں آئیں گے، کیونکہ تم زیادہ صحیح دین پر ہو۔

وفی قرأة أأن بهمزة التوبیخ :۔ ایک قرأت میں **أن یوتی احد مثل ما اوتیتم** کے بجائے **أأن یوتی احد مثل ما اوتیتم** ہے اس میں ہمزہ استفہام برائے توبیخ ہے، اس صورت میں یہ جملہ مستانفہ ہوگا۔ لفظ کے اعتبار سے ماقبل سے علیحدہ ہے، پچھلی ساری تقریر اس قرأت کی صورت میں ختم ہو جائے گی۔ اس قرأت کی صورت میں مطلب یہ ہے کہ **أاِیتاء احد مثله تقرون**۔ کیا تم اس کا اقرار کرو گے کہ تمہاری جیسی نعمت اور کسی کو مل سکتی ہے۔ خبردار یہ اقرار نہ کرنا، اس قرأت کی صورت میں **او یحاجوكم** میں **او**، حتی کے معنی میں ہوگا یعنی کیا تم ایسا اقرار کرو گے، یہاں تک کہ وہ تمہارے اسی اقرار کی وجہ سے اللہ کے دربار میں تم پر غلبہ پالیں گے۔

مطلب کی یہ تقریر جمل سے تلخیص کر کے بقدر ضرورت تھوڑے سے اضافے کے ساتھ لکھ دی گئی ہے۔

اضافہ یہ ہے کہ صاحب جمل نے **الا لمن تبع دینكم** کے لام کے زائد ہونے کی صورت میں **او یحاجوكم عند ربكم** کی تفسیر کو نہیں چھیڑا ہے۔ اس حقیر نے انہیں کی عبارت سے اس کا مطلب بقدر استعداد سمجھ کر لکھ دیا ہے۔ **فان كان صواباً فمن الله والا من شر نفسی ،اعاذنا الله منه**۔

مشہور مفسر واحدی نے لکھا ہے کہ یہ آیت تفسیر واعراب کے اعتبار سے قرآن کریم کی مشکل ترین آیات میں سے ہے، میں نے اس آیت کے سلسلے میں اہل تفسیر ومعانی کے اقوال پر غور کیا، مگر کوئی ایسا قول نہیں ملا جو پوری آیت پر من اولہ الی آخرہ بیان معنی اور صحت عبارت کے لحاظ سے منطبق ہو۔

فمن این لكم انه لا یوتی احد مثل ما اوتیتم :۔ مفسر کی یہ عبارت **ولا تومنوا الا لمن تبع**

دینکم کی پہلی توجیہ سے مناسبت رکھتی ہے جس میں **لام** کو زائد قرار دیا گیا ہے، کیونکہ اس صورت میں سرے سے کسی دوسرے پر انعام الٰہی کا انکار ہے، اور اس عبارت میں انکار ہی پر زجر ہے۔

بمال کثیر :۔ قنطار مال کی کثیر مقدار کو کہتے ہیں۔

لاتفارقه :۔**مادمت علیه قائماً** :۔کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہمہ وقت اس کے سر پر کھڑا رہے، بلکہ یہ ہے کہ اس سے جدا نہ ہو۔

الذی عاهد الله علیه :.**ومن اوفی بعهده** ۔کی مفسر نے دو توجیہیں کی ہیں ایک یہ کہ **بعهده** میں ضمیر غائب، **من عاهد** کی جانب راجع ہے اور وہی **عهد** کا فاعل ہے، یعنی اس نے اللہ کے ساتھ جو عہد و پیمان کیا ہے، اسے پورا کرے۔

اور دوسری توجیہ یہ ہے کہ **بعهده** میں ضمیر غائب **الله** کے لئے ہو، یعنی اللہ نے جو عہد و پیمان اس سے لیا ہے، اسے پورا کرے۔

بترک المعاصی وعمل الطاعات :۔تقویٰ کا تحقق انھیں دونوں پر موقوف ہے کہ آدمی معاصی کو ترک کرے، اس سے اجتناب کرے، اور طاعتوں پر کاربند رہے

یحبهم بمعنی یثیبهم :۔محبت بمعنی اعطائے ثواب ہے، محبت کا یہ معنی باعتبار انتہا کے ہے، کیونکہ محبت اپنے ابتدائی درجات میں انفعال و تاثر ہے، جو ایک طرح کا نقص ہے، اور اللہ کی ذات تمام تر نقائص و عیوب سے پاک ہے، اور محبت اپنے آخری درجے کے اعتبار سے انعام و اکرام پر منتج ہے اس معنی کے لحاظ سے محبت خدائے تعالیٰ کے شایان شان ہے، پس مفسر نے اسی آخری درجے کے اعتبار سے محبت کا ترجمہ کیا ہے۔

ونزل فی الیهود لما بدلوا انعت النبی الخ:۔حضرت مفسر نے **ان الذین یشترون بعهد الله وایمانهم ثمناًقلیلا** الخ کے تین اسباب نزول اختصار کے ساتھ ذکر فرمائے ہیں۔

اول یہ کہ اللہ تعالیٰ نے توریت میں رسول ﷺ کے اوصاف و احوال کو واضح طور پر بیان فرمایا تھا۔ اور یہود کو اسی کا پابند کیا تھا کہ جب یہ نبی دنیا میں ظاہر ہوں، تو تم جہاں کہیں ہو، ان پر ایمان لانا، اس بات کو انھوں نے اس لئے بدل ڈالا کہ اگر عام لوگ ان اوصاف و احوال اور معاہدہ کی بنا پر رسول ﷺ پر ایمان لائے، تو ان سے جو آمدنی، نذرانے وغیرہ کی ہوا کرتی ہے، وہ بند ہو جائے گی اس آمدنی کو بچانے کے لئے انھوں نے کتاب اللہ میں تحریف کر ڈالی۔

دوسرا یہ کہ کسی شخص نے مقدمہ میں جھوٹی قسم کھائی تھی۔

تیسرا یہ کہ کسی نے مال کے بیچنے میں جھوٹی قسم کھائی تھی۔

یشتـــــرون :۔اللہ کے عہد کے بدلے میں کوئی اشتراء تو بظاہر نہیں ہے،لیکن چونکہ اس کے عوض میں مالی منافع حاصل ہورہے ہیں۔اس لئے اسے اشتراء سے تعبیر کیا، یہ بمعنی استبدال ہے۔

یعطفونهابقراء ته عن المنزل :۔جس وقت قرآن کا نزول مسلسل ہورہا تھا۔اور بار بار یہود کا، توریت کا ،حضرت موسی علیہ السلام کا ذکر ہوتا ،تو عوام یہود، اپنے اہل علم افراد سے سوال کرتے رہتے تھے،انھیں مجبوراً توریت پڑھ پڑھ کر سنانی پڑتی تھی،تو جہاں سچی بات آتی، وہاں زبان کو توڑ مروڑ کر، گھما پھرا کر کچھ اور پڑھ دیتے، تاکہ یہ سمجھا جائے کہ یہ اللہ ہی کا کلام ہے۔حالانکہ وہ ان کا گھڑا ہوا ہوتا اور وہ یہ سب جان بوجھ کر کرتے تھے۔

علماء عاملین منسوب الی الرب :۔ربانی ان علماء کو کہتے ہیں، جو صاحب عمل ہوں، یہ نسبت رب کی جانب ہے،عظمت وتفخیم کے لئے اس میں الف اور نون کا اضافہ کر دیا ہے، جیسے موٹی گردن والے کو رقبانی، زیادہ بال والے کو شعرانی اور گھنی اور لمبی داڑھی والے کو لحیانی کہا جاتا ہے۔

ایک قول اس میں یہ بھی ہے کہ یہ **ربان** کی طرف نسبت ہو۔**ربان** معلم خیر اور سردار کو کہتے ہیں،اس میں الف اور نون وصف کے زیادہ ہونے کو بتانے کیلئے ہے، جیسے **عطشان** ،**ریان** ،**جوعان** وغیرہ،اس صورت میں اس میں یاء نسبتی کی بظاہر کوئی حاجت نہیں ہے۔لیکن وہ بھی مبالغہ کے لئے آتی ہے، جیسے احمر سے احمری کہتے ہیں۔

﴿مضامین آیات وتفسیر﴾

اس رکوع میں اللہ تعالیٰ نے یہود کی گمراہیوں اور ان کے سازشی خیالات پر اہل اسلام کو متنبہ فرمایا ہے،اور ان کی کجروی اور ہٹ دھرمی کا ذکر فرمایا ہے۔فرماتے ہیں کہ ان یہودیوں نے باہم یہ سازش رچی کہ کچھ لوگ جا کر حضور کی خدمت میں مسلمان ہو جائیں،صبح کو یہ کام ہو تو شام تک اسلام کو ترک کر کے اپنے سابق دین کی طرف پلٹ جائیں،اس طرح مسلمانوں میں ایک ہلچل مچ جائے گی۔اور ذرا بھی ایمان میں کمزوری ہوگی تو ان کو دیکھ کر وہ بھی پلٹ جائیں گے۔سوچیں گے کہ جب یہ پڑھے لکھے لوگ اور آسمانی کتابوں کے عالم اس میں جا کر پلٹ گئے،تو ضرور اس میں کوئی خرابی ہوگی۔اور یہ بھی انھوں نے باہم طے کیا کہ کتاب وحکمت اور نبوت کے ملنے کا اپنے ہم مذہب کے علاوہ کسی کے حق میں اقرار نہ کرو،خواہ وہ کوئی ہو نبوت تو ہمارے ساتھ مختص ہے، پھر عرب میں کوئی نبی کیسے ہو جائے گا۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہدایت تو خدا کے ہاتھ میں ہے اور فضل بھی انھیں کے قبضے میں ہے، جسے چاہیں دیں،کوئی کون ہوتا ہے ان کا ہاتھ پکڑنے والا؟

ان اہل کتاب کے بعض افراد تو ایماندار ہیں کہ ان کے پاس ڈھیروں امانت رکھی جائے تو ذرا بھی خیانت نہیں کریں گے،اور بعض اتنے نادہند ہیں کہ ایک دینار بھی پا جائیں تو خیانت کرنے سے نہ چوکیں۔الا یہ کہ ان کے سر پر سوار رہا جائے ،اور ایسا کرنے کو حرام وناجائز نہیں سمجھتے ،اس لئے جری بھی بہت ہیں،ان کا عقیدہ یہ ہے

کہ اپنے ہم مذہبوں کے علاوہ سے ہر طرح کی خیانت درست ہے، اور کہتے ہیں کہ اس کی اجازت اللہ نے دی ہے، حالانکہ وہ جھوٹ بولتے ہیں اور جان بوجھ کر جھوٹ بولتے ہیں، یہ خیانت کیونکر جائز ہوسکتی ہے۔ البتہ جو لوگ اللہ کے عہد کا پاس ولحاظ کرتے ہیں، اور تقویٰ پر کاربند ہیں تو یہی متقی ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی محبت انہیں حاصل ہے۔

جو لوگ اللہ کے عہد کو توڑ کر اور جھوٹی قسمیں کھا کر تھوڑی سی دنیاوی منفعت حاصل کرتے ہیں، ان کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں، نہ اللہ تعالیٰ ان سے بات کریں گے، نہ ان کی طرف نظر رحمت فرمائیں گے اور نہ انہیں پاک کریں گے، ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔

اہل کتاب کی جرأت کا حال یہ ہے کہ کتاب اللہ کے پڑھنے میں زبان کو توڑ مروڑ کر اس میں تحریف کر دیتے ہیں اور اس تحریف شدہ مضمون کو اس طرح پڑھتے ہیں جیسے یہ بھی کتاب اللہ کا ایک حصہ ہو، حالانکہ ایسا نہیں، اور اللہ تعالیٰ کی طرف غلط باتیں منسوب کرتے ہیں حالانکہ ان کا تعلق اللہ تعالیٰ سے نہیں ہوتا، اور جان بوجھ کر خدا پر بہتان باندھتے ہیں۔

عیسائیوں کا خیال تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں حکم دیا تھا کہ انہیں وہ اپنا رب مانیں، بعض مسلمانوں نے بھی حضور اکرم ﷺ سے آپ کے سامنے سربسجود ہونے کی اجازت چاہی تھی۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا کہ کسی بشر کو اس کا حق ہرگز نہیں ہے کہ اسے کتاب وحکمت اور نبوت دی جائے اور پھر لوگوں سے یہ کہنے لگ جائے کہ اللہ کو چھوڑ کر اسے معبود بنالیں، وہ تو یہ کہے گا کہ تم لوگ اللہ والے بنو کیونکہ تم اللہ کی کتاب پڑھتے پڑھاتے ہو، اور اسے یہ بھی حق نہیں ہے کہ وہ ملائکہ اور انبیاء کو خدا بنانے کا حکم دے، کیا کسی کے لئے یہ جائز ہے کہ کسی کو مسلمان ہونے کے بعد کفر کا حکم دے، نہیں ہرگز نہیں!

☆☆☆☆☆

﴿وَ﴾ اذکر ﴿اِذْ﴾ حین ﴿اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ﴾ عهدهم ﴿لَمَا﴾ بفتح اللام للابتداء و توكيد معنى القسم الذى فى اخذ الميثاق و كسرها متعلقة باخذوما موصولة على الوجهين اى للذى ﴿آتَيْتُكُمْ﴾ اياه و فى قراءة اتينكم ﴿مِنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَ كُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ﴾ من الكتاب والحكمة وهو محمد ﷺ ﴿لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ﴾ جواب القسم ان ادركتموه و اممهم تبع لهم فى ذٰلك ﴿قَالَ﴾ تعالىٰ لهم ﴿ءَ اَقْرَرْتُمْ﴾ بذلك ﴿وَ اَخَذْتُمْ﴾ قبلتم ﴿عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ﴾ عهدى ﴿قَالُوْا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا﴾ على انفسكم و اتباعكم بذلك ﴿وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ﴾ عليكم و عليهم ﴿فَمَنْ تَوَلّٰى﴾ اعرض ﴿بَعْدَ ذٰلِكَ﴾ الميثاق ﴿فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ﴾ بالياء اى

المتولون والتاء ﴿وَلَهٗ اَسْلَمَ﴾ انقاد ﴿مَنْ فِي السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ طَوْعاً﴾ بلا اباء ﴿وَّكَرْهاً﴾ بالسيف ومعاينة ما يلجئى اليه ﴿وَ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ بالتاء والياء والهمزة للانكار ﴿قُلْ﴾ لهم يا محمد ﴿آمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَا اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَا اُنْزِلَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ﴾ اولاده ﴿وَمَا اُوْتِيَ مُوْسىٰ وَ عِيْسىٰ وَالنَّبِيُّوْنَ مِن رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ﴾ بالتصديق والتكذيب ﴿وَ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ﴾ مخلصون فى العبادة و نزل فيمن ارتد ولحق بالكفار ﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْناً فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ لمصيره الى النار المؤبدة عليه ﴿كَيْفَ﴾ اى لا ﴿يَهْدِى اللّٰهُ قَوْماً كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَ شَهِدُوْا﴾ اى و شهادتهم ﴿اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّ قَدْ جَآءَ هُمُ الْبَيِّنٰتُ﴾ الحجج الظاهرات على صدق النبى ﷺ ﴿وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ الكافرين ﴿اُوْلٰئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا﴾ اى اللعنة او النار المدلول بها عليها ﴿لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ﴾ يمهلون ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا﴾ عملهم ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ﴾ لهم ﴿رَّحِيْمٌ﴾ بهم و نزل فى اليهود ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ بعيسىٰ ﴿بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ﴾ بموسىٰ ﴿ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْراً﴾ بمحمد ﴿لَنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ﴾ اذا غرغروا او ماتوا كفاراً ﴿وَ اُوْلٰئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِلْءُ الْاَرْضِ﴾ مقدارما يملأها ﴿ذَهَباً وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ﴾ ادخل الفاء فى خبر ان لشبه الذين بالشرط وايذانا بتسبب عدم القبول عن الموت على الكفر ﴿اُوْلٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ مولم ﴿وَمَا لَهُمْ مِنْ نّٰصِرِيْنَ﴾ مانعين منه .

﴿ترجمہ﴾

(اور) یاد کرو (جب کہ اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے عہد لیا تھا کہ جو کچھ میں نے تم کو دیا ہے) لما لام کے فتحہ کے ساتھ ہے، یہ لام ابتداء ہے، اور اس قسم کے معنی کی تاکید کے لئے ہے، جو اخذ میثاق سے مفہوم ہوتی ہے، اور ایک قرأۃ میں لام کے کسرہ کے ساتھ ہے، اور اخذ کے متعلق ہے، اور ما دونوں صورتوں میں موصولہ ہے، اور ایک قرأت میں بجائے أتیتکم کے آتینا کم بصیغہ جمع ہے (یعنی کتاب اور حکمت، پھر تمہارے پاس کوئی رسول آئے جو اس) کتاب وحکمت (کی تصدیق کرتا ہو، جو تمہارے پاس ہے) مراد اس سے محمد رسول اللہ ﷺ ہیں (تو تم ان پر ضرور ایمان لاؤ گے، اور ضرور ان کی نصرت کرو گے) یہ جواب قسم ہے، اگر تم ان کو پاؤ، اور ان کی امتیں اس سلسلے میں ان کی تابع ہیں (اللہ) تعالیٰ (نے) ان سے (فرمایا کہ کیا تم نے اس کا اقرار کیا، اور اس

پر میرے عہد کو لیا) یعنی قبول کیا (انھوں نے کہا ہم نے اقرار کیا) فرمایا (پس) اس بات کے (گواہ ہو جاؤ) اپنے اوپر بھی اور اپنے پیروی کرنے والوں پر بھی (اور میں تمہارے ساتھ) تم پر اور ان پر (گواہوں میں ہوں، تو جو کوئی اس) عہد (کے بعد روگردانی کرے گا، پس یہی لوگ فاسق ہیں، کیا یہ) روگردانی کرنے والے (اللہ کے دین کے علاوہ) کوئی دین (چاہتے ہیں) یبغون یاء کے ساتھ ہے، اور ایک قرأت میں تاء کے ساتھ بھی ہے (حالانکہ زمین و آسمان میں جو بھی ہے، سب خوشی سے) یعنی بغیر انکار کے (یا مجبوری سے) یعنی تلوار سے اور اس چیز کو دیکھ کر جو اسے مجبوراً اطاعت کر دے (اسی کی اطاعت میں لگے ہوئے ہیں اور انہیں کی جانب تم سب پلٹائے جاؤ گے) ترجعون تاء کے ساتھ بھی ہے، اور یاء کے ساتھ بھی اور افغیر میں ہمزہ انکار کیلئے ہے (تم) ان سے (کہدو) اے محمد (کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر بھی جو کہ ہم پر اتارا گیا، اور جو کچھ ابراہیم، اسمٰعیل، اسحٰق، یعقوب اور اسباط) یعنی ان کی اولاد (پر اتارا گیا، اور جو کچھ موسیٰ اور عیسیٰ اور دوسرے نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا، ہم ان میں سے کسی کے درمیان) تصدیق اور تکذیب کا (فرق نہیں کرتے، اور ہم اس کے فرمانبردار ہیں) یعنی عبادت میں مخلص ہیں۔

اور جو لوگ مرتد ہو کر کفار میں شامل ہو گئے تھے، ان کے بارے میں یہ آیت اتری کہ (اور جو کوئی اسلام کے علاوہ کوئی اور دین چاہتا ہے تو اس سے وہ ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں خسارہ میں پڑے گا) کیونکہ اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا، جو اس پر دائمی عذاب بن کر رہے گا (اور کیونکر اللہ تعالیٰ اس قوم کو ہدایت دیں گے) یعنی ہدایت نہیں دیں گے (جس نے ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کیا حالانکہ اس نے گواہی دی تھی) یعنی اس بات کی گواہی دینے کے بعد (کہ رسول حق ہیں، اور) حال یہ ہے (اس کے پاس) نبی کی صداقت پر (واضح دلائل آچکے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ظالموں) یعنی کافروں (کو راہ نہیں دکھاتے، یہی لوگ ہیں جن کا بدلہ یہ ہے کہ ان پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے اس میں) یعنی لعنت میں، یا جہنم میں، جس پر لعنت کی دلالت التزامی ہے (ہمیشہ رہیں گے اور ان سے عذاب کی تخفیف نہیں کی جائے گی، اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی، مگر جن لوگوں نے اس کے بعد توبہ کر لی اور) اپنے عمل کی (اصلاح کر لی، تو اللہ تعالیٰ) ان کے حق میں (غفور ہیں) ان پر (رحم فرمانے والے ہیں)

یہود کے بارے میں یہ آیت اتری کہ (بے شک جن لوگوں نے) عیسیٰ کے ساتھ (کفر کیا) موسیٰ پر (ایمان لانے کے بعد، پھر) محمد ﷺ کے انکار کی وجہ سے (کفر میں اور بڑھ گئے، ان کی توبہ ہرگز قبول نہ ہوگی) جب کہ وہ جانکنی کی حالت میں پہونچ جائیں یا کفر ہی پر ان کا خاتمہ ہو جائے (اور یہی لوگ گمراہ ہیں، بے شک جن لوگوں نے کفر کیا، اور کافر ہی مر گئے، تو ان میں سے کسی کی طرف سے زمین بھر کر سونا) یعنی اتنی مقدار سونا جو

زمین کو بھر دے (قبول نہیں کیا جائے گا، اگر چہ وہ فدیہ میں پیش کرے، اِن کی خبر میں فاء کو اس لئے داخل کیا کہ الـــذیـــن شرط کے مشابہ ہے، اور اس بات کی خبر دینے کے لئے کہ فدیہ کا قبول نہ ہونا، کفر پر موت کی وجہ سے ہے (یہی لوگ ہیں کہ ان کے لئے دردناک عذاب ہے، اور ان کے لئے کوئی مددگار) یعنی عذاب سے بچانے والا (نہیں ہے)

﴿تشریحات﴾

بـفـتـح اللام الخ :۔مفسر نے لما میں دو قرأت بتائی ہے، پہلی قرأت بفتح اللام ہے، یہ لام ابتدائی ہے جو تاکید کے لئے آتا ہے، عہد و پیان کے ضمن میں قسم کا معنی شامل ہے، کیونکہ جو بھی پختہ عہد لیا جاتا ہے، وہ قسم کے ساتھ ہی ہوتا ہے، اس قسم کے معنی کی تاکید کیلئے لام تاکید آیا، اور ما موصولہ مبتدا ہے اور مـن کتاب و حکمة اس کا بیان ہے، اور آتیتکم اس کا صلہ ہے، اور صلہ میں عائد محذوف ہے، جس کو مفسر نے اپنی تفسیری عبارت میں ایاہ کہہ کر ظاہر کر دیا ہے، اور ثـم جاء کم صلہ پر یعنی آتیتکم پر عطف ہے، پس وہ بھی صلہ ہی ہے، اس کا بھی عائد مقدر ہے یعنی جاء کم به، به کی ضمیر مجرور ما آتیتکم کی طرف راجع ہے، جو کہ مبتدا ہے، یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس صلہ میں عائد کی ضرورت نہیں، کیونکہ اسم موصول جو کہ مبتدا تھا، خود اسی کا معناً اعادہ ہو گیا ہے، چنانچہ لـمـا معـکـم میں ما موصولہ اسی کے معنی میں ہے، پس رابط کی ضرورت نہیں۔ اور خبر محذوف ہے، یعنی تـؤمـنـون به و تنصرونه اس کا قرینہ آگے جواب قسم ہے، یعنی لتؤمنن به الخ ۔ترجمہ اسی ترکیب کے اعتبار سے کیا گیا ہے۔

دوسری قرأۃ لام کے کسرہ کے ساتھ ہے، یہ لام تعلیلیہ حرف جر ہے، جو اخـــذ سے متعلق ہے اس صورت میں عبارت میں ایک مضاف محذوف ہوگا۔ عبارت یوں ہوگی۔ و اذ اخـذ الـلـه میثاق الـنـبـیـیـن لـرعـایة و حفظ ما آتیتکم الخ اللہ نے نبیوں سے عہد لیا ہے، تاکہ جو کچھ میں نے تمہیں دیا ہے اس کا اہتمام اور اس کی حفاظت ہو۔

وفی قرأة آتیناکم : آتیناکم کی قرأت لما میں لام کے فتحہ کی صورت میں ہے، کسرہ کی صورت میں ایک ہی قرأۃ آتیتـکـم کی ہے، گویا بفتح اللام کی صورت میں دو قرأتین ہیں بصیغہ واحد متکلم اور بصیغۂ متکلم مع الغیر اور بکسر اللام کی صورت میں ایک ہی قرأت ہے بصیغہ واحد متکلم۔

وهو محمد :. ثم جاء کم رسول الخ سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک پیغمبر آخر الزماں ﷺ ہیں، اگر چہ لفظ میں یہ بھی احتمال ہے کہ ہر نبی سے دوسرے انبیاء کے بارے میں عہد لیا گیا ہو کہ جب کسی کو کسی کا زمانہ ملے تو اس پر ایمان لائیں، ان کی نصرت کریں، چنانچہ سعید بن جبیر، حسن بصری اور طاؤس وغیرہ کا یہی قول ہے، لیکن اکثر مفسرین کے نزدیک یہ عہد و میثاق ہر نبی سے محمد ﷺ کے متعلق لیا گیا ہے۔ یہ قول صحابہ میں حضرت علی، حضرت

ابن عباس کا ہے، و کفیٰ بهما قدوۃ .

وامهم تبع لهم :۔ایمان ونصرت کا یہ عہد انبیاء کرام سے لیا گیا ہے، ان کے ضمن میں اس عہد و پیمان کے اندران کی امتیں بھی شامل ہیں۔ظاہر ہے کہ پیغمبر تو اپنی دنیوی زندگی کے ماہ وسال پورے کرکے دنیا سے تشریف لے جائیں گے، ان کی امتیں موجود ہوں گی، ان کو اس عہد کی پاسداری ضروری ہوگی، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ آگے حق تعالیٰ نے فرمایا **فمن تولی بعد ذلک الخ** ظاہر ہے کہ یہ بات انبیاء کے حق میں نہیں ہے کیونکہ وہ تو معصوم ہیں، ان سے روگردانی کا کوئی احتمال نہیں ہے، یہ روئے سخن امتوں ہی کی طرف ہے۔

انقاد الخ :۔آسمان وزمین والے سب اللہ تعالیٰ کے مطیع ومنقاد ہیں، انقیاد دوطرح کا ہوتا ہے، ایک انقیاد تکوینی، دوسرے انقیاد تشریعی، انقیاد تکوینی یہ ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے جس حال میں رکھا، وہ اس کے خلاف نہیں کرسکتا، مریض بنادیا، تو وہ مریض ہے، گورا کالا جیسا بنایا ویسا ہی ہے، بارش، دھوپ، ہوا پانی وغیرہ امور تکوینیہ میں آدمی یکسر مطیع ومنقاد ہے، کچھ لوگ ان سب امور پر خوشی سے راضی اور منقاد ہیں۔اور کچھ جبراً وکرھاً منقاد ہیں کہ اس کے خلاف چل ہی نہیں سکتے، اس طرح دیکھا جائے تو زمین وآسمان کی تمام تر مخلوق اللہ کی مطیع منقاد ہے

اور انقیاد تشریعی کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندے کو اپنے جن احکام کا مکلّف بنایا ہے، بندہ اپنے اختیار وارادہ سے ان احکام کو بجالائے، یہ انقیاد صاحب اختیار مخلوق میں جو کہ مکلّف ہے متصور ہے، یعنی انسان وجنات میں۔

مفسر نے اس آیت میں انقیاد تشریعی مراد لیا ہے، چنانچہ طوعاً کی تفسیر میں **بلا اباء** کہا کہ بخوشی بغیر انکار کے اطاعت کرتے ہیں، اور کرھاً کی تفسیر میں **بالسیف** اور **بمعاینة ما یلجئ الیه** کہا کہ طاقت کا زور دیکھ کر اطاعت کرتے ہیں یا ایسی چیزیں دیکھتے ہیں جو انہیں اطاعت پر مجبور کرتی ہیں، مثلاً بنی اسرائیل نے دیکھا کہ ان کے سر پر پہاڑ لٹکا دیا گیا ہے اور مثلاً فرعون جب ڈوبنے لگا اور عذاب کے فرشتے نظر آنے لگے تو کلمۂ ایمان پکارنے لگا، یا مرتے وقت جب آخرت کے آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں تو ہر آدمی مجبوراً ایمان لاتا ہے۔

لیکن یہ تفسیر اشکال سے خالی نہیں ہے، کیونکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے عہد و پیمان سے روگردانی کرنے والوں کو سمجھایا گیا ہے کہ تم ایسا کیوں کرتے ہو، دیکھتے نہیں کہ زمین وآسمان کے تمام لوگ طوعاً ہو یا کرھاً اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں لگے ہوئے ہیں، پھر تم کو بھی چاہئے کہ طوعاً اللہ کی اطاعت کرو، ظاہر ہے کہ انقیاد تشریعی زمین و آسمان کے تمام افراد میں نہیں پایا جاتا۔پھر اس کا حوالہ دینا مشکل ہے، اسی لئے عام طور سے مفسرین نے اس سے انقیاد تکوینی مراد لیا ہے کہ اس میں کسی کا استثناء نہیں ہے، چنانچہ جمل میں ہے **فالمراد بهذا الانقیاد لما قدره علیهم من الحیاة والصحة والسعادة واضدادها فلا یرد کیف قال و له اسلم الآیة مع**

ان اکثر الانس والجن کفرۃ، مراد اس سے اس تقدیر کا انقیاد ہے جو اللہ نے ان پر مقرر فرمادی ہے، یعنی زندگی، صحت اور سعادت اور ان کے اضداد، اس صورت میں یہ اعتراض نہیں ہوسکتا کہ اکثر انسان اور جنات تو کافر ہیں، پھر وله اسلم الآیۃ کیوں کر کہا۔

والاسباط (اولادہ): جس طرح بنی اسماعیل کی شاخوں کو قبائل کہتے ہیں، اسی طرح بنی اسرائیل کی شاخوں کو اسباط کہا جاتا ہے، ان اسباط میں چونکہ پیغمبر بکثرت ہوئے ہیں، اسلئے فرمایا گیا کہ جو کچھ اسباط پر اتارا گیا۔

بالتصدیق والتکذیب: ۔ یہ جو کہا گیا کہ ہم ''انبیاء کے درمیان فرق نہیں کرتے'' اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان کے درمیان فرق مراتب فضائل و کمالات کے اعتبار سے نہیں کرتے، اس اعتبار سے فرق مراتب تو قرآن سے ثابت ہے، ارشاد تلک الرسل فضلنا بعضهم علی بعض بلکہ مطلب یہ ہے کہ تصدیق و تکذیب کے اعتبار سے فرق نہیں کرتے کہ کسی نبی کو مانیں، اس پر ایمان لائیں اور کسی نبی کو نہ مانیں اور اس کا انکار کریں، اہل ایمان کا یہ شیوہ نہیں ہے، ایک نبی کے انکار سے سب انبیاء کا انکار لازم آئے گا اور آدمی ایمان سے خارج ہوجائے گا۔ یہ خصوصیت صرف اسلام کی ہے، ورنہ یہودیت اور نصرانیت نے تو دل کھول کر انبیاء کے درمیان تصدیق و تکذیب کے لحاظ سے تفریق کی ہے۔

(کیف ای لا (یھدی اللہ): کیف کی تفسیر میں لا کو ذکر کر کے مفسر نے یہ بتایا ہے کہ یہ استفہام انکار کے لئے ہے۔

ای وشھادتھم: ۔ اشارہ ہے کہ و شھدوا کا عطف ایمانھم پر ہے، اور یہ فعل اسم کی تاویل میں ہے۔

ای اللعنۃ او النار المدلول بھا علیھا: ۔ خٰلدین فیھا میں ضمیر مونث کا مرجع اللعنۃ یا یہ کہ ''النار'' ہے، لیکن لفظ ''النار'' عبارت میں نہیں ہے، اس لئے فرمایا ''النار'' پر لعنت کا لفظ التزاماً دلالت کرتا ہے کیونکہ لعنت کے لئے جہنم لازم ہے۔

بعیسیٰ: ۔ یہود نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور توریت پر ایمان لانے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کیا اور کفر میں گرے۔ پھر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا انکار کر کے اپنے کفر کو بڑھالیا، اسی بات کو حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ان الذین کفروا بعد ایمانھم ثم ازدادوا کفراً۔

اذا غرغروا وماتوا کفاراً: ۔ یہ ایک سوال کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ توبہ تو کافر کی بھی قبول ہوتی ہے، پھر ان کافروں کی توبہ کیوں قبول نہیں ہے۔ جواب یہ ہے کہ توبہ وہی قبول ہوتی ہے، جو صحیح ہو، اور توبہ صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ عالم غیب کے شہود ہونے سے پہلے توبہ کرلے، اور غرغرہ کی حالت میں جبکہ جان نکل رہی ہوتی ہے، موت و عذاب کے فرشتے نظر آنے لگتے ہیں، اور عالم آخرت کا ظہور ہونے لگتا ہے، اس وقت توبہ صحیح نہیں ہوگی،

اسی طرح موت کے بعد کی توبہ بھی صحیح اور مقبول نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ **ولیست التوبة للذین یعملون السیئات حتی اذا حضر احدهم الموت قال انی تبت الآن ولا الذین یموتون وهم کفار اولٰئک اعتدنا لهم عذاباً الیماً** ۔ ان لوگوں کی توبہ صحیح نہیں ہے جو زندگی بھر برائیاں کرتے رہتے ہیں۔ پھر جب ان میں کسی کو موت آئی یعنی نزع کی حالت طاری ہوئی تو کہنے لگے کہ میں نے اس وقت توبہ کی، اور نہ ان لوگوں کی توبہ صحیح ہے جو کفر کی حالت میں مرجاتے ہیں، ان کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کیا ہے

ادخل الفاء فی خبر ان الخ : . **ان الذین کفروا وماتوا وهم کفار فلن یقبل من احدهم ملأ الارض ذهباً** ۔ اس آیت کی ترکیب میں بظاہر ایک اشکال ہے۔ وہ یہ ہے کہ **فلن یقبل من احدهم الخ** انّ کی خبر ہے، اور خبر فاء جزائیہ کا محل نہیں ہوتی۔ جواب یہ ہے کہ ان کے اسم یعنی **الذین کفروا** میں شرط کا معنی پایا جاتا ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ مبتدا جب اسم موصول ہو، یا اسم موصول کی طرف مضاف ہو، اور صلہ جملہ فعلیہ ہو تو اس مبتدا میں شرط کا معنی شامل ہوتا ہے، اور اس کی خبر میں فاء جزائیہ کا لانا جائز ہوتا ہے، اور یہاں صورت حال یہی ہے، اس میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ فدیہ کا قبول نہ ہونا اس لئے ہے کہ ان کا خاتمہ کفر پر ہوا ہے۔

﴿مضامین آیات وتفسیر﴾

اس رکوع میں حق تعالیٰ نے اقوام وامم کو ان کا ایک عہد یاد دلایا ہے جو انبیاء کرام علیہم السلام کے واسطے سے ان سے لیا گیا تھا، وہ یہ کہ اللہ نے ہر نبی سے عہد لیا تھا کہ میں نے تمہیں کتاب وحکمت عطا کی ہے، اگر تمہارے پاس وہ رسول پہونچے جو تمہاری کتاب وحکمت کی تصدیق کرتا ہو یعنی محمد ﷺ تو تم ان پر ایمان لانا، اور ان کی نصرت کرنا، اس عہد میں اتنی تاکید پیدا کی کہ فرمایا: کیا تم اس کا اقرار کرتے ہو، اور میرے اس عہد کو قبول کرتے ہو؟ سب نے اقرار کیا۔ اللہ نے فرمایا کہ تم گواہ رہو میں بھی گواہ ہوں اور جو کوئی اس عہد سے روگردانی کرے گا، وہ فاسق ہے کھلی بات ہے کہ انبیاء سے تو اس روگردانی کا تصور بھی نہیں ہے، درحقیقت روئے سخن امتوں کی جانب ہے، کیا یہ انحراف کرنے والے اللہ کے دین کے علاوہ کچھ اور چاہتے ہیں انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ آسمان وزمین کی تمام مخلوقات اسی کے تابع فرمان ہیں، خواہ طوعاً ہو یا کرہاً اور سب کو وہیں لوٹ کر جانا ہے۔

اے نبی! ان سے کہدو کہ ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، اور جو کچھ ہم پر اتارا گیا، اور جو کچھ ابراہیم، اسمٰعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کی اولاد پر اتارا گیا، اور جو کچھ موسیٰ اور عیسیٰ اور دیگر انبیاء کو عطا ہوا، ہمارا سب پر ایمان ہے، ہم انبیاء میں اقرار وانکار کے لحاظ سے کوئی تفریق نہیں کرتے کہ کسی کا اقرار کریں اور کسی کا انکار کریں۔ اور ہم اللہ کے مخلص فرمانبردار ہیں اور جو کوئی اسلام کے علاوہ کوئی دین اختیار کرتا ہے تو پروردگار کے نزدیک وہ ہرگز قبول نہیں ہے۔ اور وہ آخرت میں خسارے میں رہے گا، جن لوگوں نے ایمان لانے اور رسول کی حقانیت کی شہادت دینے

کے بعد کفر کو اختیار کیا، حالانکہ ان کے پاس واضح دلائل بھی آ چکے ہیں۔انہیں اللہ تعالیٰ کیوں کر راستہ دکھائیں گے ،ظالم اسی طرح راستے سے محروم رہتے ہیں۔ان کا بدلہ یہ ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی ،فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے،اس میں یعنی لعنت میں یا جہنم میں جو لعنت کا نتیجہ ہے، ہمیشہ رہیں گے، نہ ان پر عذاب کی تخفیف کی جائے گی ،اور نہ انہیں کچھ مہلت دی جائے گی۔مگر جن لوگوں نے اس کے بعد توبہ کر لی اور اپنے اعمال کو درست کر لیا تو اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت کا دروازہ کھلا ہوا ہے، یہ یہود جو پہلے تو موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے ،مگر عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کر کے کفر میں مبتلا ہوئے ،اور حضور اکرم ﷺ کا انکار کر کے اپنے کفر کو بڑھا لیا ،اور اسی حالت میں موت کی جانکنی شروع ہوگئی ،اور مر گئے تو ان کی توبہ ہرگز قبول نہیں ،اور یہی لوگ راہ راست سے ہٹے ہوئے ہیں، جو لوگ کفر میں مبتلا ہوئے اور اسی حال میں مر گئے تو اگر وہ ساری زمین بھر کر سونا فدیہ کریں تو وہ بھی مقبول نہ ہوگا،ان کیلئے دردناک عذاب ہوگا،اور انہیں کوئی بچانے والا مددگار نہ ہوگا۔

☆☆☆☆☆

﴿**لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ**﴾ای ثوابه وهو الجنة﴿ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا﴾ تصدقوا﴿ مِمَّا تُحِبُّوۡنَ﴾ من اموالکم ﴿ وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ شَیۡءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیۡمٌ﴾ فیجازی علیه و نزل لما قال الیهود انک تزعم انک علی ملة ابراهیم و کان لا یاکل لحوم الابل والبانها ﴿کُلُّ الطَّعَامِ کَانَ حِلًّا﴾ حلالاً﴿ لِّبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسۡرَآءِیۡلُ﴾ یعقوب﴿ عَلٰی نَفۡسِهٖ﴾ وهو الابل لما حصل له عرق النسا بالفتح والقصرفنذر ان شفی لا یاکلها فحرم علیه﴿ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تُنَزَّلَ التَّوۡرٰىةُ﴾ و ذلک بعد ابراهیم و لم تکن علیٰ عهده حراما کما زعموا ﴿قُلۡ﴾ لهم ﴿فَاۡتُوۡا بِالتَّوۡرٰىةِ فَاتۡلُوۡهَا﴾ لیتبین صدق قولکم ﴿اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ﴾ فیه فبهتوا ولم یاتوا بها قال تعالیٰ﴿ فَمَنِ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰهِ الۡکَذِبَ مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِکَ﴾ ای ظهور الحجة بان التحریم انما کان من جهة یعقوب لاعلی عهد ابراهیم ﴿فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ﴾ المتجاوزون الحق الی الباطل﴿ قُلۡ صَدَقَ اللّٰهُ﴾ فی هذاکجمیع ما اخبر به﴿ فَاتَّبِعُوۡا مِلَّةَ اِبۡرٰهِیۡمَ﴾ التی انا علیها﴿ حَنِیۡفًا﴾ مائلا عن کل دین الی دین الاسلام ﴿وَّمَا کَانَ مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ﴾ ونزل لما قالوا قبلتنا قبل قبلتکم﴿ اِنَّ اَوَّلَ بَیۡتٍ وُّضِعَ ﴾متعبدا ﴿لِلنَّاسِ﴾ فی الارض ﴿لَلَّذِیۡ بِبَکَّةَ﴾بالباء لغة فی مکة سمیت بذلک لانها تبک اعناق الجبابرة ای تدقها بناه الملائکة قبل خلق آدم ووضع بعده الا قصیٰ و بینهما اربعون سنة کما فی حدیث الصحیحین و فی حدیث انه اول ما ظهر علی وجه الماء عند خلق السمٰوات والارض زبدة بیضاء فدحیت الارض من تحته

﴿مُبٰرَكاً﴾ حال من الذى اى ذا بركة ﴿وَّ هُدىً لِّلعٰلَمِيْنَ﴾ لانه قبلتهم ﴿فِيهِ آيٰتٌ بَيِّنٰتٌ﴾ منها ﴿مُقَامُ اِبْرَاهِيْمَ﴾ اى الحجر الذى قام عليه عند بناء البيت فاثر قدماه فيه و بقى الى الآن مع تطاول الزمان و تداول الايدى عليه و منها تضعيف الحسنات فيه و ان الطير لا يعلوه ﴿وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِناً﴾ لا يتعرض له بقتل او ظلم او غير ذلك ﴿وَ لِلّٰهِ عَلٰى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ﴾ واجب بكسر الحاء و فتحها لغتان فى مصدر حج بمعنى قصد و يبدل من الناس ﴿مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلاً﴾ طريقا فسره ﷺ بالزاد والراحلة رواه الحاكم و غيره ﴿وَمَنْ كَفَرَ﴾ باللّٰه او بما فرضه من الحج ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ﴾ الانس والجن والملائكة و عن عبادتهم ﴿قُلْ يٰاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ﴾ القرآن ﴿وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ﴾ فيجازيكم عليه ﴿قُلْ يٰاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ﴾ تصرفون ﴿عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ اى دينه ﴿مَنْ آمَنَ﴾ بتكذيبكم النبى و كتم نعته ﴿تَبْغُوْنَهَا﴾ اى تطلبون السبيل ﴿عِوَجاً﴾ مصدر بمعنى معوجة اى مائلة عن الحق ﴿وَاَنْتُمْ شُهَدَاءُ﴾ عالمون بان الدين المرضى هو القيم دين الاسلام كما فى كتابكم ﴿وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾ من الكفر والتكذيب وانما يؤخركم الى وقتكم فيجازيكم و نزل لما مر بعض اليهود على الاوس والخزرج فغاظه تالفهم فذكرهم بما كان بينهم فى الجاهلية من الفتن فتشاجروا و كادوا يقتتلون. ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقاً مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ۝ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ﴾ استفهام تعجيب وتوبيخ ﴿وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ آيٰتُ اللّٰهِ وَ فِيْكُمْ رَسُوْلُهُ وَ مَنْ يَّعْتَصِمْ﴾ يتمسك ﴿بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِىَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾

﴿ترجمہ﴾

(تم ہرگز نیکی) یعنی اس کے ثواب اور وہ جنت ہے (کو نہیں پا سکتے، جب تک کہ ان چیزوں میں سے صدقہ نہ کرو، جن کو تم پسند کرتے ہو، اور جو کچھ تم صدقہ میں خرچ کرتے ہو، اللہ تعالیٰ اسے جانتے ہیں) اس پر جزا عطا فرمائیں گے۔

یہود نے کہا کہ آپ کا گمان ہے کہ آپ ملت ابراہیمی پر ہیں، حالانکہ وہ اونٹ کا گوشت اور دودھ استعمال نہیں کرتے تھے، اس پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد نازل ہوا کہ (بنی اسرائیل کے لئے ہر کھانا حلال تھا، مگر وہ چیز جسے اسرائیل) یعقوب (نے توریت کے نزول سے پہلے اپنے اوپر حرام کرلیا تھا) اور وہ اونٹ تھا، انہیں عرق النسا نسا نون کے فتحہ اور قصر کے ساتھ ہے کا مرض لاحق ہوا، انھوں نے اللہ کے حضور نذر مانی کہ اگر مجھے شفا ہوگئی تو اونٹ کا

گوشت نہ کھاؤں گا، اس کے نتیجے میں اونٹ حرام ہوا۔ یہ بات حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد ہوئی ہے۔ ان کے عہد میں یہ حرام نہ تھا جیسا کہ ان لوگوں نے گمان کیا ہے (تم) ان سے (کہو کہ توریت کو لاؤ اور اسے پڑھو) تاکہ تمہارے قول کی صداقت کا پتہ چل جائے (اگر تم) اس بات میں (سچے ہو) پس وہ متحیر ہو کر رہ گئے اور توریت کو نہ لا سکے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا (تو جو کوئی اس کے بعد) یعنی اس بات کی دلیل ظاہر ہو جانے کے بعد کہ تحریم یعقوب کی طرف سے تھی، ابراہیم کے زمانے میں نہ تھی (اللہ پر جھوٹا افتراء کرے گا، تو یہی لوگ ظالم ہیں) یعنی حق سے باطل کی جانب تجاوز کرنے والے ہیں (تم کہد و کہ اللہ نے) اس بارے میں (سچی بات بتادی) جیسے اور بھی تمام سچی باتیں بتائی ہیں (تو ملت ابراہیم کی پیروی کرو) جس پر میں ہوں (وہ) ہر دین سے دین اسلام کی جانب (یکسو تھے اور مشرکین میں نہ تھے)

اور جب اہل کتاب نے یہ دعویٰ کیا کہ ہمارا قبلہ تمہارے قبلہ سے پہلے کا ہے، تو آیت اتری کہ (بے شک پہلا گھر، جو لوگوں کے لئے) زمین میں عبادت گاہ (بنایا گیا، وہ وہ ہے جو بکہ میں ہے) مکہ میں ایک لغت ''بکۃ'' ہے باء کے ساتھ بکہ اس کا نام اس لئے رکھا گیا کہ وہ **تبک اعناق الجبابرة** سرکشوں کی گردن توڑ دیتا ہے، **بک** کے معنی توڑنے کے آتے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کی خلقت سے پہلے فرشتوں نے اس کی تعمیر کی تھی، اس کے بعد مسجد اقصیٰ کی بنیاد رکھی۔ بخاری و مسلم کی روایت میں ہے کہ دونوں کے درمیان چالیس سال کا فاصلہ ہے، اور حدیث میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب زمین و آسمان کو پیدا کرنا چاہا تو ابتداءً پانی کی سطح پر وہ ایک سفید جھاگ جیسا نمودار ہوا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اسی کے نیچے سے زمین کو پھیلا دیا (برکت والا) یہ **الذی** سے حال ہے (اور ہدایت ہے دنیا والوں کے لئے) اس لئے کہ وہ ان کا قبلہ ہے (اس میں واضح دلائل ہیں) ان میں سے ایک (مقام ابراہیم ہے) یعنی وہ پتھر جس پر بیت اللہ کی تعمیر کے وقت حضرت ابراہیمؑ کھڑے ہوتے تھے، اس پر ان کے قدموں کا نشان بن گیا، اور طویل زمانہ گذرنے اور بار بار لوگوں کے ہاتھ لگنے کے باوجود اب تک باقی ہے، اور انہیں آیات بینات میں سے نیکیوں کا المضاعف ہونا ہے، اور یہ کہ پرندہ اس کے اوپر سے اڑتا ہوا نہیں جاتا (اور جو کوئی اس میں داخل ہو گیا، وہ مامون ہو گیا) اس کے ساتھ قتل، ظلم وغیرہ کے ذریعہ تعرض نہیں کیا جا سکتا (اور اللہ کے لئے لوگوں پر اس گھر کا قصد لازم ہے) **حج** حاء کے کسرہ اور فتحہ کے ساتھ ہے، حج کے مصدر میں یہ دو لغت ہے قصد کرنے کے معنی میں ہے، اور **الناس** کا بدل یہ ہے (جو وہاں تک جانے کی قدرت رکھتا ہو) اس قدرت کی تفسیر رسول اللہ ﷺ نے زاد و راحلہ سے کی ہے، رواہ الحاکم وغیرہ (اور جو کوئی) اللہ کا یا اللہ کے فرض کئے ہوئے حج کا (انکار کرے تو اللہ تعالیٰ دنیا والوں سے) یعنی انسان، جنات اور ملائکہ اور ان کی عبادتوں سے (مستغنی ہیں، تم کہو: اے اہل کتاب تم کیوں اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہو) یعنی قرآن کا (حالانکہ جو کچھ تم

کرتے ہو، اللہ تعالیٰ اس کے شاہد حال ہیں) وہ تمہیں اس پر سزا دیں گے (تم کہو! اے اہل کتاب تم اللہ کی راہ سے) یعنی اس کے دین سے (ایمان لانے والوں کو کیوں روکتے ہو) یہ روکنا اس طرح ہے کہ تم نبی کی تکذیب کرتے ہو اور ان کے اوصاف وحالات کو چھپاتے ہو (اور کجی والا راستہ تلاش کرتے ہو) **عوج** مصدر ہے بمعنیٰ اسم مفعول **معوجة** یعنی حق وصداقت سے منحرف راستہ (حالانکہ تم جانتے ہو) کہ پسندیدہ دین فقط دین قیم، دین اسلام ہے، جیسا کہ تمہاری کتاب میں اس کی تصریح ہے (اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے غافل نہیں ہیں) یعنی کفر وتکذیب سے وہ تمہیں تمہارے وقت مقررہ تک مہلت دیئے ہوئے ہیں تا کہ تمہیں اس کا بدلہ دیں۔

ایک یہودی اوس وخزرج کے پاس سے گزرا، ان کی باہمی محبت اور بھائی چارگی دیکھ کر وہ بہت برہم ہوا، اس نے ان کے درمیان ان فتنوں اور لڑائیوں کا تذکرہ چھیڑ دیا جن میں عہد جاہلیت میں وہ مبتلا تھے، ان لڑائیوں کا ذکر ہونا تھا کہ یہ لوگ باہم الجھ گئے، اور قریب تھا کہ قتل وقتال کی آگ بھڑک اٹھتی، اس پر آیت اتری (اے ایمان والو! اگر تم اہل کتاب کے کسی گروہ کی بات مان لوگے، تو یہ تم کو ایمان کے بعد کافر بنا کر چھوڑیں گے، اور تم کیونکر کفر کروگے) یہ استفہام تعجیب وتوبیخ کا ہے (حالانکہ تم پر اللہ تعالیٰ کی آیات تلاوت ہوتی ہے، اور تمہارے درمیان اللہ کے رسول ہیں، اور جو کوئی اللہ کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے، اسے سیدھے راستے کی ہدایت حاصل ہوگئی)۔

﴿تشریحات﴾

ثوابه :۔ مفسر نے ثواب کا لفظ ذکر کرکے بتایا کہ نیکی پانے کا مطلب نیکی کا ثواب ہے، گویا البر مضاف الیہ ہے، اس کا مضاف **ثواب** ہے جو محذوف ہے۔

من اموالکم :۔ یہ **مما تحبون** کا بیان ہے یعنی جو چیز محبوب اور پسندیدہ ہو اسے خرچ کیا جائے، گھٹیا مال بالقصد اللہ کی راہ میں خرچ کرنا بے ادبی ہے۔

فیجازی علیه : **وما تنفقوا** کا جواب ہے، اور **فان الله به علیم** اس جواب کی تعلیل ہے، یعنی جو بھی تم خرچ کرو اللہ تعالیٰ اس کی جزا دیں گے کیونکہ وہ سب ان کے علم میں ہے، اور جیسا مال خرچ ہوگا، ویسا ہی بدلہ ملے گا۔

یعقوب :۔ حضرت اسرائیل کا دوسرا نام یعقوب ہے، یہ حضرت ابراہیم کے فرزند، حضرت اسحاق کے بیٹے ہیں، ان کے بارہ بیٹے ہوئے انہیں بیٹوں کی نسل بنی اسرائیل کہلائی۔

لما حصل له عرق النسا :۔ **النسا بفتح النون وبالالف المقصورة** ہے، یہ ایک رگ ہے جو کولہے سے چل کر ران کے اندر ہوتی ہوئی گھٹنے تک آتی ہے، اس کا درد بڑا تکلیف دہ ہوتا ہے۔ حضرت یعقوب کو اس کی تکلیف ہوئی، تو انھوں نے اللہ کے حضور نذر مانی کہ اگر میں اس مرض سے شفایاب ہوگیا تو کھانے پینے کی جو چیزیں مجھے سب سے زیادہ مرغوب ہے، ان سے اللہ کے حق میں دستبردار ہوجاؤں گا، چنانچہ وہ اچھے ہوگئے تو

اونٹ کے گوشت اور اس کے دودھ کو اپنے اوپر حرام کرلیا، ان کے اتباع میں ان کی اولاد میں بھی اونٹ کا گوشت اور دودھ متروک ہوگیا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام پوتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے، تو کھلی بات ہے کہ یہ نذر والی تحریم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بہت بعد میں ہوئی خود ابراہیم علیہ السلام کے دور میں اس کی حرمت کا کوئی سوال ہی نہیں، لیکن یہود دھاندلی کرتے تھے، اور بعد والی چیز اگلے بزرگوں کے نام تھوپ دیتے تھے، جیسے گزر چکا ہے کہ انھوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں یہ بھی دعویٰ کیا تھا کہ وہ یہودی تھے، اور عیسائیوں نے کہا تھا کہ وہ عیسائی تھے حالانکہ ان کے دور میں نہ یہودیت کا گزر تھا اور نہ عیسائیت کا۔

التی انا علیها :۔ جب بات تسلیم ہوگئی کہ ملت ابراہیم قابل اتباع ہے، اس پر یہود و نصاریٰ کا بھی اتفاق ہے، اور یہ بات بھی اللہ تعالیٰ نے بتادی کہ ملت ابراہیمی میں اونٹ کا گوشت اور دودھ حرام نہ تھا تو ان کو حکم دیا جا رہا ہے کہ آؤ ملت ابراہیمی کی پیروی کرو، اور وہ وہی ملت ہے جس پر اس وقت رسول اللہ ﷺ ہیں۔

متعبدا :۔ یہاں مطلق گھر بنانے کا ذکر نہیں ہے بلکہ عبادت گاہ بنانے کا ذکر ہے، اس کو مفسر نے متعبدا (عبادت گاہ) کہہ کر ظاہر کر دیا ہے۔

بالباء لغة فی مکة :۔ مکہ کا دوسرا نام "بکه" ہے بک یبک کے معنی توڑ دینے کے آتے ہیں، یہ شہر چونکہ بڑے بڑے متکبرین کی گردن توڑ کر رکھ دیتا ہے اس لئے اسے بکہ کہتے ہیں، اور مکہ اس لئے کہتے ہیں کہ **مک یمک** کے معنی چوس لینے کے آتے ہیں۔ اہل عرب کہتے ہیں **مک الفصیل ضرع امه**، بچے نے اونٹنی کا تھن چوس لیا، چونکہ یہاں پانی کم ہے، اس زمین نے سب پانی چوس لیا ہے، اس لئے اس کا نام مکہ ہے۔

انه اول ما ظهر :۔ بیت اللہ شریف کی زمین اولاً پانی میں بشکل سفید جھاگ ظاہر ہوئی، اس کے نیچے سے زمین پھیلائی گئی، اسی مناسبت سے اس جگہ کو ام القریٰ کہتے ہیں۔

فاثر قدماه فیه :۔ کعبہ کی دیواریں جب بلند ہوئیں تو ضرورت ہوئی کہ کوئی اونچی چیز ہو، جس پر کھڑے ہو کر تعمیر کا کام ہو سکے، اس کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے فرزند اسمٰعیل سے ایک پتھر منگایا، وہ ایک اچھا سا پتھر لے کر آئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جونہی اس پر چڑھے، وہ نرم ہوگیا اور ان کا پیر ٹخنوں تک اس میں دھنس گیا۔ یہ نشان آج تک باقی ہے۔ حالانکہ اس پر کئی ہزار سال گزر گئے ہیں اور ان ہزاروں سالوں میں نہ جانے کتنے ہاتھوں میں الٹ پلٹ ہوا ہوگا۔

ومنها تضعیف الحسنات :۔ حرم میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نماز کے برابر ہوتا ہے۔

وان الطیر لا یعلوه :۔ پرندے اوپر سے اڑتے ہوئے جاتے ہیں، تو جب کعبہ کی محاذات میں پہونچ جاتے ہیں تو اس کے اوپر سے اڑتے ہوئے نہیں جاتے بلکہ کترا کر نکلتے ہیں، ہاں کوئی مریض ہوتا ہے تو اس کی فضا میں

داخل ہوتا ہے اور اسے شفا حاصل ہوتی ہے۔

لا یتعرض الیه بقتل او ظلم :۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی رب اجعل هذا بلداً آمنا، اے اللہ اسے شہر امان بنا دیجئے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسے شہر امان بنا ہی دیا، جو کوئی مجرم قتل کا ہو یا زنا وارتداد کا ہو، باہر سے مجرم بن کر آیا ہے تو اس سے اس ''شہر امن'' میں قصاص وغیرہ نہیں لیا جائے گا، اگر سزا ضروری ہوگی تو اس پر ایسے حالات پیدا کر دیئے جائیں گے کہ وہ مجبور ہو کر اس شہر کو چھوڑے، پھر جو سزا دینی ہوگی دی جائیگی۔ ہاں اگر کوئی جرم کر کے داخل نہیں ہوا، بلکہ حرم ہی میں جرم کیا ہے تو وہ اس آیت میں داخل نہیں۔حرم کے اندر اگر نیکی بڑی ہوتی ہے تو جرم بھی اسی حساب سے بڑھنے کا اندیشہ ہے، تو حرم کے مجرم کو حرم کے اندر ہی سزا دی جائے گی۔

واجب :۔علیٰ لزوم کیلئے ہے۔اس سے وجوب کا معنی ثابت ہوا۔

لغتان :۔حَجُّ الْبَيْتِ اور حِجُّ الْبَيْتِ دو قرأتیں ہیں۔

فسره ﷺ بالزاد والراحلة :. من استطاع الیه سبیلاً کی تفسیر رسول کریم ﷺ نے زاد وراحلہ سے کی ہے، زاد سفر خرچ ہے اور راحلہ سواری ہے، یعنی اپنے گھر سے حرم تک جانے، وہاں مدت مقررہ تک رہنے، اور پھر واپس آنے تک کے اخراجات ہوں، اور پھر اتنے دنوں تک اس کے اہل وعیال، یعنی بیوی، نابالغ اولاد، اور جن کا نفقہ ان کے ذمے شرعاً واجب ہو، ان سب کے اخراجات موجود ہوں اور سواری کا انتظام بھی ہو، تو حج فرض ہو جاتا ہے۔اس میں مدینہ جانے کے اخراجات شامل نہیں ہیں اور نہ بالغ اولادوں کے۔

بتکذیبکم النبی وکتم نعته :۔یہود اہل ایمان کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لانے کا ارادہ کرتے تھے، مختلف حیلوں سے روکتے تھے، ایک حیلہ یہ تھا کہ نبی ﷺ کو نعوذ باللہ جھوٹا قرار دیتے تھے، اس طرح لوگوں کو دھوکے میں مبتلا کرتے تھے کہ یہ لوگ آسمانی کتابوں کے عالم ہیں۔ان کے پاس ضرور کوئی شناخت ہوگی، جس کی وجہ سے یہ جھوٹا قرار دے رہے ہیں۔اس سے ایمان والوں کے دل میں بھی کمزوری پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے، اور جو ابھی سوچ رہے ہوتے ہیں، ان کے ارادے میں ڈھیلا پن آجاتا ہے۔

دوسرا حیلہ یہ کہ ان کی کتابوں میں رسول اللہ ﷺ کے جو حالات وکمالات لکھے ہوئے ہیں اور اب ان کا ہو بہو مصداق سامنے ہے۔ان اوصاف کو چھپانے کا اہتمام کرتے ہیں کہ کہیں لوگ اسلام کی طرف مائل نہ ہو جائیں۔

تطلبون السبیل :۔ تبغونها میں ھا ضمیر کا مرجع ''سبیل'' ہے اور یہ لفظ تذکیر اور تانیث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔

مصدر بمعنی معوجة :عوجا مصدر ہے، لیکن اسم مفعول کے معنی میں ہے، یعنی معوّجة ترکیب میں یہ

حال ہے۔ یعنی سیدھا راستہ موجود ہے، مگر اسے چھوڑ کر ٹیڑھے راستے کی تلاش میں سرگرداں ہیں، حالانکہ انہیں خوب معلوم ہے کہ سیدھا راستہ وہ یہی دین اسلام ہے۔

بعض الیھود :۔ جمل میں ہے کہ وہ شاس بن قیس تھا، خازن میں حضرت زید بن اسلم سے نقل کیا ہے شاس بن قیس بڑا خبیث اور بد باطن بڈھا یہودی تھا، وہ مسلمانوں کی باہمی الفت دیکھ کر جلتا تھا۔ ایک بار انصار مدینہ کے دو قبیلے اوس وخزرج کے کچھ لوگ اکٹھا تھے اور بیٹھے ہوئے محبت و بھائی چارگی کی فضا میں گفتگو کر رہے تھے، جبکہ ان دونوں قبیلوں کے درمیان دور جاہلی میں سخت لڑائیاں رہ چکی ہیں، اسے مسلمانوں کا یہ دوستانہ پاکیزہ ماحول بہت ناگوار ہوا، اس نے باتوں باتوں میں ان جاہلی لڑائیوں کا ذکر چھیڑ دیا اور اس دور میں جو شعلہ بار نظمیں دونوں طرف کے لوگوں نے لکھی تھیں، انہیں دہرانے لگا، اس کی ان باتوں سے فضا گرم ہونے لگی اور جو دوستانہ ماحول بنا ہوا تھا اس میں غیظ وغضب کی چنگاریاں اڑنے لگیں۔ ایسا لگتا تھا کہ یہاں پھر سے جنگ ٹھن جائے گی، یہ خبر رسول اللہ ﷺ کو پہونچی تو آپ فوراً کچھ مہاجرین کے ساتھ تشریف لائے۔ آپ کے آتے ہی شیطان بھاگ گیا، غیظ و غضب کے شرارے، رحمت کی پھوار میں تبدیل ہوگئے۔ آپ کی پر سوز تلقین نے دلوں میں ندامت کے جذبات اور آنکھوں میں آنسوؤں کی لہر پیدا کر دی، سب گلے ملے، ایک دوسرے سے معافی مانگی، اور فضا خوشگوار ہوگئی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ **فما رأیت یوماً اقبح اولاً واحسن آخراً من ذلک الیوم**۔ میں نے اس دن سے بڑھ کر کوئی ایسا دن نہیں دیکھا جس کا آغاز اتنا برا ہو اور انجام اتنا اچھا ہو، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

استفھام تعجیب و توبیخ :۔ **کیف تکفرون** صورۃً تو استفہام ہے، مگر استفہام مقصود نہیں ہے، بلکہ اظہار تعجب ہے اور سرزنش ہے۔

﴿مضامین آیات وتفسیر﴾

اوپر یہ ذکر آیا تھا کہ کفر کے ہوتے ہوئے، اگر زمین بھر کر کوئی سونا بطور فدیہ کے، یا بطور صدقہ کے دے دے، تب بھی اس کا کچھ نفع نہ ہوگا، نہ وہ قبولیت کی سعادت پائے گا۔ اسی کی مناسبت سے یہاں یہ بتایا گیا کہ نفع دینے والی چیز کیا ہے، فرمایا کہ کامل نیکی اور وفاداری، نیز اس کا صلہ اس وقت تک حاصل نہیں ہوگا۔ جب تک آدمی اپنی پسندیدہ چیز اللہ کی راہ میں نہ دے دے ایمان کی کسوٹی اور وفاداری کا معیار یہی ہے کہ اللہ کے لئے اپنے محبوب ترین چیز سے دستبردار ہوجایا جائے، اور جو کوئی بھی کوئی چیز خرچ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے بخوبی واقف ہیں۔ یہی وہ بات تھی کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو جب عرق النسا کی شدید بیماری لاحق ہوئی، اور کسی دوا سے وہ اچھی نہیں ہوئی تو انھوں نے اللہ کے حضور نذر مانی کہ اگر مجھے شفا حاصل ہوجائے گی، میں اپنی محبوب ترین غذا

اپنے اوپر حرام کرلوں گا، چنانچہ وہ شفایاب ہوگئے تو انھوں نے نذر پوری کی، اور اونٹ کا گوشت اور اس کا دودھ اپنے اوپر حرام قرار دے لیا، ایسا نہیں ہے کہ وہ ابراہیم علیہ السلام کے دور سے حرام رہا ہو، اس لئے یہود جو الزام دیتے ہیں کہ آپ ملت ابراہیم پر ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، اور اونٹ کا گوشت کھاتے ہیں، حالانکہ وہ ملت ابراہیمی میں حرام ہے، غلط ہے، اونٹ کا گوشت حضرت ابراہیم کے پوتے حضرت یعقوب نے اپنی نذر کی تکمیل کیلئے اپنے اوپر حرام کرلیا تھا۔ اس کا کوئی تعلق ملت ابراہیم سے نہیں ہے، اچھا گر تم سچے ہو تو توریت لاکر اس میں یہ مضمون دکھاؤ، اور تم ہرگز یہ بات توریت میں نہیں دکھا سکتے تو خوب سمجھ لو کہ اللہ پر جھوٹا افتراء کرنے والا بڑا ظالم ہے۔ اللہ کی بات حق ہے، آؤ ملت ابراہیم کی پیروی کرو، جیسا کہ تم اس کے مدعی ہو، وہ بلاشبہ حنیف تھے، اور شرک سے بہت دور اور بیزار تھے، ہم بتاتے ہیں کہ ملت ابراہیمی کے جو تم مدعی ہو تو اس پر تمہارا عمل کتنا ہے، ملت ابراہیم میں قبلہ وہ گھر ہے جو عبادت کے واسطے زمین میں سب سے پہلے تعمیر کیا گیا ہے، یعنی خانہ کعبہ جو کہ مکہ مکرمہ میں ہے وہ برکتوں والا ہے، سارے جہان کے لئے ہدایت کا سامان ہے، اس میں واضح نشانیاں اور دلائل ہیں، جن سے اس کا اول واقدم اور افضل ہونا معلوم ہوتا ہے۔ ایک تو اس میں مقام ابراہیم ہے۔ جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اس کی تعمیر حضرت ابراہیم نے کی ہے، پھر یہ کہ اس کی ابتدائی تعمیر آدم علیہ السلام سے پہلے فرشتوں کے ہاتھوں ہوئی ہے، بیت المقدس تو اس کے بعد تعمیر ہوا، نیز اس کی تعمیر حضرت ابوداؤد اور سلیمان علیہما السلام کے ہاتھوں ہوئی ہے، جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بہت بعد ہوئے ہیں، پھر تمہارا دعویٰ ملت ابراہیمی کہاں گیا ؟ مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس پر ابراہیم علیہ السلام نے چڑھ کر کعبہ مقدسہ کی دیواریں بلندی پر پہونچائی تھیں، اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کا نشان پڑ گیا تھا۔ وہ آج بھی باقی ہے، پھر یہ کہ اس میں حسنات لاکھ گنا تک بڑھتی ہیں۔ پرندے بھی اس کا احترام کرتے ہیں۔ ٹھیک اس کے اوپر سے نہیں اڑتے، اور وہ امن وامان کی جگہ ہے، کوئی مستحق سزا بھی وہاں پہونچ جاتا ہے تو مامون ہو جاتا ہے، اور اللہ کے لئے اس گھر کی زیارت اور حج قدرت ومقدرت والوں پر واجب ہے، اور اگر کوئی انکار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا کیا نقصان؟ وہ تو دنیا سے دنیا والوں سے اور دنیا والوں کی عبادتوں سے بے نیاز اور مستغنی ہیں۔

اے نبی آپ ان اہل کتاب سے کہئے کہ تم جان بوجھ کر اللہ کی آیات یعنی قرآن کریم کا انکار کیوں کرتے ہو، اور اللہ کے راستے سے لوگوں کو کیوں روکتے ہو، تمہاری تکذیب کی وجہ سے اور تمہارے کتمان علم (علم کو چھپانے) کی وجہ سے، جو لوگ حق کی راہ چلنا چاہتے ہیں ان میں ہچکچاہٹ پیدا ہو جاتی ہے، آخر سیدھی راہ کو جانتے ہو، اس سے بخوبی واقف ہو پھر اسے چھوڑ کر ٹیڑھا میڑھا راستہ کیوں طلب کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری کرتوتوں سے غافل نہیں ہیں۔ لیکن یہ حق کی راہ کیا اختیار کرتے، اور اس کی رہنمائی کیا کرتے، ان کے دلوں میں تو حسد کی

آگ جل رہی ہے کہ اہل ایمان کا اتفاق واتحاد انہیں سخت ناگوار ہوتا ہے۔ اتنا ناگوار کہ ایک بد بخت نے اپنی اشتعال انگیزی سے محبت والفت کے ماحول کو نفرت وعداوت کی آگ میں جھونک دینا چاہا تھا۔ قریب تھا کہ مسلمانوں میں کشت وخون ہو جائے، لیکن اللہ نے کرم فرمایا۔ نبی ﷺ تشریف لائے، اور بات رفع دفع ہوگئی بلکہ محبت کے جذبات تازہ ہوگئے، اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو متنبہ کیا کہ اگر کبھی تم نے ان اہل کتاب میں کچھ لوگوں کی بات مان لی تو سمجھ لو کہ یہ تمہیں کافر بنا کر چھوڑیں گے اور تم سوچو کہ کیا تمہارے سامنے اللہ کی آیات پڑھی جاتی ہیں، اور تمہارے درمیان اللہ کے رسول موجود ہیں، اس کے باوجود تم کفر میں مبتلا ہو جاؤ گے، سیدھا راستہ بس یہی ہے کہ اللہ کے دامن کو مضبوطی سے تھامے رہو۔

☆☆☆☆☆

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ﴾ بان يطاع فلا يعصى ويشكر فلا يكفر ويذكر فلا ينسىٰ فقالوا يا رسول الله و من يقوى على هذا فنسخ بقوله فاتقوا الله ما استطعتم ﴿وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ﴾ موحدون ﴿وَاعْتَصِمُوْا﴾ تمسكوا ﴿بِحَبْلِ اللّٰهِ﴾ اى دينه ﴿جَمِيْعاً وَّلَا تَفَرَّقُوْا﴾ بعد الاسلام ﴿وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ﴾ انعامه ﴿عَلَيْكُمْ﴾ يا معشر الاوس والخزرج ﴿اِذْ كُنْتُمْ﴾ قبل الاسلام ﴿اَعْدَآءً فَاَلَّفَ﴾ جمع ﴿بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ﴾ بالاسلام ﴿فَاَصْبَحْتُمْ﴾ فصرتم ﴿بِنِعْمَتِهٖ اِخْوَاناً﴾ فى الدين والولاية ﴿وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا﴾ طرف ﴿حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ﴾ ليس بينكم و بين الوقوع فيها الا ان تموتوا كفارا ﴿فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا﴾ بالايمان ﴿كَذٰلِكَ﴾ كما بين لكم ما ذكر ﴿يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ آيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ﴾ الاسلام ﴿وَ يَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ﴾ الداعون الآمرون الناهون ﴿هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ الفائزون ومن للتبعيض لان ما ذكر فرض كفاية لا يلزم كل الامة ولا يليق بكل احد كالجاهل و قيل زائدة اى لتكونوا امة ﴿وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا﴾ عن دينهم ﴿وَاخْتَلَفُوْا﴾ فيه ﴿مِنْ بَعْدِ مَاجَآءَ هُمُ الْبَيِّنٰتُ﴾ وهم اليهود والنصارىٰ ﴿وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّ تَسْوَدُّ وُجُوْهٌ﴾ اى يوم القيٰمة ﴿فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ﴾ وهم الكٰفرون فيلقون فى النار ويقال لهم توبيخا ﴿اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ﴾ يوم اخذ الميثاق ﴿فَذُوْقُوْا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ﴾ وهم المؤمنون ﴿فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ﴾ اى جنته ﴿هُمْ فِيْهَا خَالِدُوْنَ تِلْكَ﴾ اى هذه الآيات ﴿آيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ﴾ يا محمد ﴿بِالْحَقِّ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْماً

﴿لِّلْعٰلَمِیْنَ﴾ بان یاخذھم بغیر جرم ﴿وَلِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ﴾ ملکا و خلقا و عبیدا ﴿وَاِلَی اللّٰہِ تُرْجَعُ﴾ تصیر ﴿الْاُمُوْرُ﴾

﴿ترجمہ﴾

(اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو جیسا واقعی اس سے ڈرنا چاہئے) کہ ان کی اطاعت کی جائے، نافرمانی نہ ہو، ان کا شکر ادا کیا جائے ناشکری نہ ہو، انہیں یاد رکھا جائے، انہیں بھولا کبھی نہ جائے، لوگوں نے کہا اے اللہ کے رسول! اس تقویٰ پر کسے قدرت ہوگی۔ تب یہ حکم فاتقوا اللہ ما استطعتم سے منسوخ ہوگیا (اور تمہیں موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلم) موحد (ہو، اور اللہ کی رسی) اس کے دین (کو سب مل کر مضبوطی سے تھام لو اور) اسلام لانے کے بعد (متفرق نہ ہوؤ، اور اپنے اوپر) اے اوس وخزرج (اللہ کے احسان کو یاد کرو، جب تم) اسلام سے پہلے (باہم دشمن تھے، پھر اللہ نے تمہارے قلوب کے درمیان) اسلام کی وجہ سے (محبت پیدا کردی، پس تم اس کے فضل واحسان سے) دین میں اور حمایت ونصرت میں (بھائی بھائی ہوگئے، اور تم لوگ جہنم کے گڈھے کے کنارے پر تھے) کہ تمہارے درمیان اور اس گڈھے میں گرنے کے درمیان بجز حالت کفر میں موت کے اور کوئی رکاوٹ نہ تھی (پس) ایمان کے ذریعہ (تم کو اس سے بچالیا) جیسے تمہارے لئے مذکورہ چیزیں بیان کی گئی ہیں (ایسے ہی تمہارے لئے اللہ تعالیٰ اپنی آیات بیان کرتے ہیں، شاید تم لوگ ہدایت پر آجاؤ، اور ضروری ہے کہ تم میں ایک جماعت ایسی ہو جو خیر) یعنی اسلام (کی طرف دعوت دے اور معروف کا حکم کرے اور منکر سے روکے، یہی) دعوت دینے والے، حکم دینے والے، روکنے والے (کامیاب ہیں) من تبعیض کے لئے ہے، کیونکہ جو کچھ ذکر کیا گیا ہے، وہ فرض کفایہ ہے، پوری امت کو لازم نہیں ہے، اور نہ ہر ایک کے مناسب ہے، جیسے جاہل، اور کہا گیا ہے کہ من زائد ہے، یعنی ضروری ہے کہ تم ایسی امت بنو (اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جنھوں نے تفرق اختیار کیا) یعنی اپنے دین سے (اور) اس میں (واضح دلائل کے آجانے کے بعد اختلاف کیا) اور وہ یہود ونصاریٰ ہیں (اور یہی لوگ ہیں جن کے لئے بڑا عذاب ہے، جس دن کچھ چہرے روشن ہوں گے، اور کچھ چہرے سیاہ ہوں گے) یعنی قیامت کے دن (تو جن کے چہرے سیاہ ہوگئے) اور یہ کفار ہوں گے، انھیں جہنم میں ڈال دیا جائے گا، اور ان سے توبیخاً کہا جائے گا (کیا تم نے) میثاق والے دن کے (ایمان کے بعد کفر اختیار کرلیا، تو اپنے کفر کی وجہ سے عذاب چکھو، اور جن کے چہرے روشن ہوئے) اور یہ اہل ایمان ہیں (وہ اللہ کی رحمت میں) یعنی جنت میں ہیں (اس میں ہمیشہ رہیں گے، وہ) یعنی یہ آیات (اللہ کی آیات ہیں) اے محمد (ہم تمہیں ٹھیک ٹھیک سناتے ہیں، اللہ تعالیٰ دنیا والوں پر ظلم کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے) کہ بغیر جرم کے ان کی گرفت فرمائیں (اور اللہ ہی کے لئے ہے، جو کچھ کہ آسمان میں ہے، اور جو کچھ زمین میں ہے) ملکیت کے لحاظ سے بھی خلقت کے لحاظ

سے بھی، اور غلامی کے اعتبار سے بھی۔ (اور اللہ ہی کی طرف امور لوٹائے جاتے ہیں)

﴿تشریحات﴾

بان یطاع ولا یعصی :۔ تقویٰ کا حق تو یہی ہے کہ اطاعت بغیر معصیت کے ہو۔ شکر بغیر ناشکری کے ہو، اور ذکر بغیر نسیان اور غفلت کے ہو، مگر اس مرتبہ تک پہونچنے کی کس کو طاقت ہے، پس اللہ تعالیٰ نے مہربانی فرمائی، اور سورۃ تغابن میں ارشاد فرمایا: **فاتقوا اللہ ما استطعتم** جس قدر تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرو، مفسر نے ظاہر کے اعتبار سے اس آیت کو ناسخ قرار دیا ہے۔ مگر بغور دیکھئے تو ناسخ نہیں ہے بلکہ یہ حق تقویٰ کے حصول کا طریقہ بیان کیا گیا ہے، جس وقت، جس قدر استطاعت ہو، تقویٰ اختیار کرنے میں کمی نہ کرو، زندگی کے ہر مرحلہ میں انسان جب اس پر کاربند ہوگا، تو جیسا تقویٰ چاہئے حاصل ہو جائے گا، کیونکہ مسلسل عمل سے ہر لحظہ اس میں ترقی اور پختگی ہوتی چلی جائے گی۔

موحدون :۔ موت کے وقت جب کہ تمام اعمال کا وقت ختم ہو چکا ہوتا ہے، اس وقت اسلام یعنی فرمانبرداری کی یہی شکل متعین ہے کہ آدمی اپنے دل میں توحید کے اعتقاد کو جما کر رکھے، یہاں ایک سرسری سا اشکال ہے کہ کسی حالت پر مرنا انسان کی اختیاری بات نہیں ہے، پھر حالت توحید میں مرنے کا حکم کیوں دیا؟ یہ تو تکلیف مالا یطاق ہے۔

جواب: اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ مرتے وقت تک اسلام و توحید پر قائم رہو، زندگی کے آخری لمحات تک انسان کا اختیار عمل کرتا ہے، پس اسلام پر دوام رہنا چاہئے، اور جب یہ دوام ہوگا تو موت اسی حالت پر آئے گی، جس پر زندگی گزری ہے۔ زندگی کے تمام تر اختیار کے ساتھ موت کی چند لمحوں کی بے اختیاری بھی، برنگ اختیار ہی ہو جائے گی۔ ان شاء اللہ۔

ای دینہ :. **حبل** کے معنی رسی کے ہیں، یہاں مراد اللہ کا دین ہے یا قرآن ہے، جس طرح رسی پکڑ کر انسان گرنے سے محفوظ ہو جاتا ہے، بلکہ اس کے ذریعہ بلندی پر چڑھ جاتا ہے، اسی طرح دین، قرآن جو آسمان سے اترا ہوا ہے، اسے تھام کر انسان جہنم میں گرنے سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ بلکہ جنت کے درجات حاصل کرتا ہے۔

یا معشر الاوس والخزرج :۔ اوس اور خزرج مدینہ کے بت پرست باشندوں کے دو بڑے قبیلے تھے، یہود ان دونوں کو باہم برسر پیکار رکھتے تھے۔ مدتوں دونوں میں جنگیں چلتی رہیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں ایمان کی دولت سے نوازا، انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو تشریف آوری کی دعوت دی۔ آپ کا آنا تھا، اور اسلام کا پھیلنا تھا کہ عداوتیں کافور ہو گئیں، لڑائیاں موقوف ہو گئیں، اب دونوں باہم شیر و شکر ہو گئے۔ یہود کو یہ بات بری لگی، انھوں نے فتنہ انگیزی کی، اوپر ذکر آیا ہے کہ ایک موقع ایسا بھی آ گیا کہ دونوں میں پھر سے جنگ ٹھن جاتی، اللہ کے رسول

ﷺ نے شیطان کے اثرات کو دفع کیا، چونکہ آیت کا سبب نزول اسی واقعہ کو تحریر کیا گیا ہے، اس لئے علیکم کا مخاطب بطور خاص اوس وخزرج کو قرار دیا، ورنہ واقعہ یہ ہے کہ یہ بات تمام صحابہ کرام پر منطبق ہے، کیونکہ ان سب کا حال عہد جاہلیت میں وہی تھا جو اوس وخرج کا تھا

فی الدین والولایۃ :۔ بھائی چارگی دین میں اور حمایت ونصرت میں ایسی قائم ہوئی کہ خونی رشتہ اس کے سامنے ماند پڑ گیا، بلکہ ایک مرحلہ تو ایسا بھی آیا کہ وراثت میں بھی شرکت قرار پا گئی تھی۔

ومن للتبعیض :. ولتکن منکم میں من تبعیضیہ ہے، کیوں کہ دعوت الی الخیر، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ پوری امت پر نہیں ہے بلکہ امت کے بعض افراد اس کے ذمہ دار ہیں، بلکہ مفسر نے فرمایا، سب لوگ اس لائق بھی نہیں ہیں کہ وہ اس فریضہ کو انجام دیں، اس کی کچھ شرطیں ہیں، جب وہ شرطیں موجود ہوں گی تو یہ فریضہ عائد ہوگا، ورنہ عائد تو کیا ہوتا جائز بھی نہ ہوگا، بنیادی شرط، اس کے لئے علم ہے، یعنی دعوت اور امر ونہی کے مواقع کو جانتا ہو، اور خود یہ بھی جانتا ہو کہ معروف کیا ہے؟ اور منکر کیا ہے؟ اگر ایسا نہیں ہے بلکہ جاہل ہے تو اسے یہ کام جائز نہیں ہے۔

وقیل زائدۃ : کہا گیا ہے کہ ولتکن منکم میں من زائد ہے، یعنی ولتکونوا امۃ یدعون الی الخیر الخ تم ایسی امت بنو، جو دعوت الی الخیر کرے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ فریضہ پوری امت پر عائد ہے، لیکن واضح رہے کہ یہ فریضہ فرض کفایہ ہے، کچھ اس فریضہ کو اپنے کاندھوں پر اٹھالیں تو باقی لوگوں پر سے ساقط ہوجاتا ہے، اگر کوئی نہ کرے تو مواخذہ سب سے ہوگا، لیکن جس طرح نماز کے لئے وضو وغیرہ کی شرط سب کے لئے ہے، بغیر ان شرطوں کو پورا کئے نماز جائز نہیں، اسی طریقے سے دعوت اور امر ونہی کیلئے بھی شرطیں ہیں جیسے علم وغیرہ ان کی تکمیل کے بغیر عمومی طور پر یہ فریضہ جائز نہ ہوگا۔

عن دینھم : . ولا تکونوا کالذین تفرقوا میں تفرقوا سے مراد مطلق اختلاف نہیں ہے، بلکہ دین سے الگ ہوجانا ہے، دین سے الگ آدمی اسی وقت ہوتا ہے، جب بنیادی اصول اور عقائد میں الگ راستہ اختیار کرے، تو حاصل یہ نکلا کہ اصول وعقائد میں اختلاف نہ کرو، یہ چیز دین سے الگ کردے گی، اور وہ اختلاف جو فروع کے اندر ہے، اس کا وجود دور رسالت سے ہے، اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ بشرطیکہ نص صریح غیر منسوخ کے خلاف نہ ہو۔

وھم الیھود والنصاریٰ :. کالذین تفرقوا سے مراد یہود ونصاریٰ ہیں، انھوں نے باہم اصول دین میں اور عقائد میں افتراق پیدا کیا اور مثال میں ان دونوں کو مفسر نے اس لئے پیش کیا ہے کہ تفرق سے اختلاف الفروع کا مراد نہ ہونا ثابت ہوجائے۔ کیونکہ یہود ونصاریٰ کا ختلاف فروع میں نہیں بلکہ اصول وعقائد میں تھا،

چنانچہ یہود میں بکثرت اللہ کے نبیوں کا انکار ہے، اور نصاریٰ نے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بندگی سے اٹھا کر الوہیت پر پہونچا ہی دیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **افترقت الیھود علی احدی و سبعین فرقة وتفرقت النصری علی ثنتین و سبعین فرقة وتفرقت امتی علی ثلاث و سبعین فرقة** (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجه وحاکم) یہود کے اکہتر ۷۱ فرقے ہوئے، نصاریٰ کے بہتر ۷۲ فرقے ہوئے، میری امت کے تہتر ۷۳ رفرقے ہوں گے۔ ابن ماجہ میں عوف بن مالک کی روایت سے اتنا اضافہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ایک فرقہ جنت میں ہے باقی ۷۲ رفرقے جہنم میں، عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول! وہ کون فرقہ ہے، آپ نے فرمایا کہ جماعت، اور امام حاکم، عبداللہ بن عمر رضی اللہ سے نقل کیا ہے کہ آپ سے دریافت کیا گیا کہ وہ ایک کون ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو میرے اور میرے اصحاب کے طریقہ پر ہیں۔

یہی **ما انا علیه الیوم و اصحابی** والی جماعت، جماعت حق ہے، جس کی شناخت یہ ہے کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کی سنتوں کی قدر بھی پہچانی، اور صحابہ کرام کے عمل اور دستور کا بھی احترام کیا، اور انہیں سے اللہ کے رسول کو پہچانا، ان دونوں چیزوں میں سے کسی ایک سے اگر انحراف ہوا، تو وہ تفرق ہے، جو آدمی کو جہنم کی طرف لیجاتا ہے، اس معیار پر تمام فرقوں کو پرکھا جا سکتا ہے۔ (تفصیل کیلئے مؤلف کا رسالہ ''اہل حق واہل باطل کی شناخت'' دیکھئے)

یوم اخذ المیثاق : **اکفرتم بعد ایمانکم** پر ایک سرسری اشکال ہے، وہ یہ کہ کافر تو ابتداء ہی سے کافر ہے، اس سے اس قول کا کیا معنی کہ تم نے ایمان کے بعد کفر کیا؟ مفسر نے جواب دیا کہ اس سے مراد وہ ایمان ہے، جو دنیا میں آنے سے پہلے ہر انسان سے عہد لیا گیا تھا جسے ہمارے عرف میں عہد اَلَسْت کہتے ہیں، اس کی تفسیر سورہ اعراف میں آئے گی۔

راقم عرض کرتا ہے کہ کلام کے موقع اور محل کا لحاظ کیا جائے تو اس کے مخاطب وہ ہیں جن کے بارے میں **الذین تفرقوا** کہا گیا ہے کہ جن لوگوں نے دین میں داخل ہونے کے بعد تفرق اور انتشار کی راہ اختیار کی، ان کے چہرے سیاہ ہوں گے، ان سے کہا جائے گا کہ تم نے ایمان قبول کرنے کے بعد کفر کا راستہ کیوں اختیار کیا، اور جو لوگ اصل دین پر قائم رہے، ان کے چہرے روشن ہوں گے۔ عبارۃ النص کے لحاظ سے اس کے مصداق یہی لوگ ہیں، اور دلالۃ النص کے اعتبار سے یہ انجام تمام کفار کو شامل ہے۔

ای جنته : **ففی رحمة الله** سے مراد جنت ہے، کیونکہ اصل محل رحمت جنت ہی ہے، تو حال بول کر محل مراد لیا گیا ہے۔

ای ھذہ : **تلک** اشارہ بعید کا ہے، اس سے بُعد مرتبہ اور علوئے شان کی طرف اشارہ ہے، ورنہ اشارہ تو

قریب ہی کا ہے، اسی لئے مفسر نے تفسیر میں ھذہ کہا ہے۔

﴿مضامین آیات وتفسیر﴾

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ **ومن یعتصم باللہ فقد ھدی الی صراط مستقیم** ۔یہ سابق رکوع کا آخری جملہ ہے، اس رکوع میں اسی اعتصام باللہ اور صراط مستقیم کے اجمال کی تفصیل ہے، فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا وہ تقویٰ اختیار کرو جو اس کی شان کے مناسب ہو، اور مرتے دم تک ایمان واسلام اور توحید وطاعت پر قائم رہو، یعنی زندگی اس طرح بسر کرو کہ طاعت ہی طاعت ہو، معصیت کا نشان نہ ہو، شکر گزاری ایسی ہو کہ ناشکری کا نام تک نہ ہو، ذکر ایسا ہو کہ بھول اور غفلت کا پتہ نہ ہو، اور اللہ کی رسی یعنی اس کے دین کو مضبوطی کے ساتھ تھامو اور سب مل کر تھامو، ادھر ادھر کا راستہ نہ اختیار کرو، اور یاد کرو کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر کتنا بڑا احسان کیا ہے کہ تم لوگ آپس میں دشمن تھے، اللہ تعالیٰ نے اسلام کی دولت دے کر تمہارے قلوب میں وحدت پیدا کردی، اور تم لوگ اس احسان کے ثمرے میں بھائی بھائی بن گئے، اور تم لوگ جہنم کے گڑھے کے بالکل کنارے پر کھڑے تھے، بس مرتے اور اس میں گرتے، مگر اللہ نے ایمان عطا فرمایا، اور اس سے بچالیا، اسی طرح تمہاری ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ اپنی آیات کو بیان فرماتے ہیں، تم میں ایک جماعت ہمیشہ ایسی رہنی چاہئے، جو خیر کی اور اسلام کی دعوت دیتی رہے، معروف کا حکم کرے اور منکر سے روکے، یہی لوگ کامیاب ہیں، امت کے تمام نہیں، بلکہ بعض افراد مثلاً علماء اس امر کے مکلّف ہیں، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ پوری امت پر یہ بات بطور فرض کفایہ کے لازم ہو کہ کچھ لوگ اس ذمہ داری کو پورا کردیں تو پوری امت عہد برآ ہوجائیگی۔

اور ان لوگوں کی طرح نہ ہوجانا جو ٹکڑیوں میں بٹ گئے، اور دین کی راہ سے الگ ہوگئے، اور یہ اختلاف ان میں اس وقت ہوا جب ان کے پاس واضح دلائل آچکے تھے، یہ یہود ونصاریٰ ہیں۔ان کے لئے بڑا عذاب ہے، اس دن جب کہ بہت سے چہرے روشن ہوں گے اور بہت سے سیاہ پڑے ہوں گے، یہ قیامت کا دن ہوگا، تو جن کے چہرے سیاہ پڑے ہوں گے انہیں جہنم میں پھینک دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ کیا تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا تھا، تو اپنے کفر کی وجہ سے عذاب چکھو، اور جن کے چہرے روشن ہوں گے، وہ اللہ کی رحمت یعنی جنت میں ہوں گے، اس میں ہمیشہ رہیں گے، یہ اللہ کی آیات ہیں جو ہم اے محمد تمہیں پڑھ کر ٹھیک ٹھیک سناتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے کہ انہیں بغیر کسی جرم کے پکڑیں اور آسمان وزمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کے لئے ہے، ملکیت کے لحاظ سے بھی خلقت کے لحاظ سے بھی، اور عبدیت کے لحاظ سے بھی اور تمام کام اللہ ہی کے حضور پہونچتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

﴿كُنتُمْ﴾ يا امة محمد في علم الله تعالىٰ ﴿خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ﴾ اظهرت ﴿لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَوْ آمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ﴾ بالله ﴿لَكَانَ﴾ الايمان ﴿خَيْراً لَّهُمْ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ كعبدالله بن سلام واصحابه ﴿وَ اَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ الكافرون ﴿لَن يَّضُرُّوْكُمْ﴾ اى اليهود يا معشر المسلمين بشئ ﴿اِلَّا اَذًى﴾ باللسان من سب و وعيد ﴿وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ﴾ منهزمين ﴿ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ﴾ عليكم بل لكم النصر عليهم ﴿ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَمَا ثُقِفُوْا﴾ حيثما وجدوا فلا عزلهم ولا اعتصام ﴿اِلَّا﴾ كائنين ﴿بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ حَبْلٍ مِنَ النَّاسِ﴾ المؤمنين وهو عهدهم اليهم بالايمان على اداء الجزية اى لا عصمة لهم غير ذٰلك ﴿وَبَاءُ وْا﴾ رجعوا ﴿بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ﴾ اى بسبب انهم ﴿كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِآيَاتِ اللّٰهِ وَ يَقْتُلُوْنَ الْاَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ذٰلِكَ﴾ تاكيد ﴿بِمَا عَصَوْا﴾ امر الله ﴿وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ﴾ يتجاوزون الحلال الى الحرام ﴿لَيْسُوْا﴾ اى اهل الكتٰب ﴿سَوَاءً﴾ مستوين ﴿مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ﴾ مستقيمة ثابتة على الحق كعبدالله بن سلام واصحابه ﴿يَتْلُوْنَ آيٰتِ اللّٰهِ آنَاءَ الَّيْلِ﴾ اى فى ساعاته ﴿وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ﴾ يصلون حال ﴿يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَ يَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُسَارِعُوْنَ فِيْ الْخَيْرَاتِ وَ اُوْلٰٓئِكَ﴾ الموصوفون بما ذكر ﴿مِنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ ومنهم من ليسوا كذلك و ليسوا من الصٰلحين ﴿وَ مَا تَفْعَلُوْا﴾ بالتاء ايتها الامة و بالياء اى الامة القائمة ﴿مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ﴾ بالوجهين اى تعدموا ثوابه بل تجازون عليه ﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالْمُتَّقِيْنَ ۚ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ﴾ تدفع ﴿عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَا اَوْلَادُهُمْ مِنَ اللّٰهِ﴾ اى عذابه ﴿شَيْئاً﴾ وخصهما بالذكر لان الانسان يدفع عن نفسه تارة بفداء المال و تارة بالاستعانة بالاولاد ﴿وَاُوْلٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خَالِدُوْنَ مَثَلُ﴾ صفة ﴿مَا يُنْفِقُوْنَ﴾ اى الكفار ﴿فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ فى عداوة النبى ﷺ او صدقة و نحوها ﴿كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ﴾ حرا و برد شديد ﴿اَصَابَتْ حَرْثَ﴾ زرع ﴿قَوْمٍ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ﴾ بالكفر والمعصية ﴿فَاَهْلَكَتْهُ﴾ فلم ينتفعوا به فكذلك نفقاتهم ذاهبة لا ينتفعون بها ﴿وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ﴾ بضياع نفقاتهم ﴿وَ لٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ﴾ بالكفر الموجب لضياعها ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً﴾ اصفياء تطلعونهم على سركم ﴿مِّنْ دُوْنِكُمْ﴾ اى غيركم من اليهود والمنافقين ﴿لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا﴾ نصب بنزع الخافض اى لا

یقصرون لکم جهدهم فی الفساد ﴿وَدُّوْا﴾ تمنوا ﴿مَا عَنِتُّمْ﴾ ای عنتکم وهو شدة الضرر ﴿قَدْ بَدَتِ﴾ ظهرت ﴿الْبَغْضَآءُ﴾ العداوة لکم ﴿مِنْ اَفْوَاهِهِمْ﴾ بالوقیعة فیکم واطلاع المشرکین علی سرکم ﴿وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ﴾ من العداوة ﴿اَکْبَرُ قَدْ بَیَّنَّا لَکُمُ الْآیَاتِ﴾ علی عداوتهم ﴿اِنْ کُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ ذلک فلا توالوهم ﴿هَآ﴾ للتنبیه ﴿اَنْتُمْ﴾ یا ﴿اُوْلَاءِ﴾ المؤمنین ﴿تُحِبُّوْنَهُمْ﴾ لقرابتهم منکم و صداقتهم ﴿وَلَا یُحِبُّوْنَکُمْ﴾ لمخالفتهم لکم فی الدین ﴿وَ تُؤْمِنُوْنَ بِالْکِتٰبِ کُلِّهٖ﴾ ای بالکتب کلها ولا یؤمنون بکتابکم ﴿وَاِذَا لَقُوْکُمْ قَالُوْا آمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَیْکُمُ الْاَنَامِلَ﴾ اطراف الاصابع ﴿مِنَ الْغَیْظِ﴾ شدة الغضب لما یرون من ایتلافکم و یعبر عن شدة الغضب بِعَضِّ الانامل مجازا وان لم یکن ثم عض ﴿قُلْ مُوْتُوْا بِغَیْظِکُمْ﴾ ای ابقوا علیه الی الموت فلن تروا ما یسرکم ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ بما فی القلوب ومنه ما یضمره هولاء ﴿اِنْ تَمْسَسْکُمْ﴾ تصبکم ﴿حَسَنَةٌ﴾ نعمة کنصر و غنیمة ﴿تَسُؤْهُمْ﴾ تحزنهم ﴿وَاِنْ تُصِبْکُمْ سَیِّئَةٌ﴾ کهزیمة و جدب ﴿یَفْرَحُوْا بِهَا﴾ وجملة الشرط متصلة بالشرط قبل و ما بینهما اعتراض والمعنی انهم متناهون فی عداوتکم فلم توالونهم فاجتنبوهم ﴿وَاِنْ تَصْبِرُوْا﴾ علی اذاهم ﴿وَ تَتَّقُوْا اللّٰهَ﴾ فی موالاتهم و غیرها ﴿لَا یَضُرُّکُمْ﴾ بکسر الضاد و سکون الراء و ضمها و تشدید ها ﴿کَیْدُهُمْ شَیْئًا اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ بالیاء والتاء ﴿مُحِیْطٌ﴾ . عالم فیجازیهم به .

﴿ترجمہ﴾

(تم لوگ) اے امت محمد! اللہ کے علم میں (خیر امت تھے، جو لوگوں کیلئے ظاہر کئے گئے، معروف کا حکم دیتے ہو، منکر سے منع کرتے ہو، اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو، اور اگر اہل کتاب ایمان لاتے تو) یہ ایمان لانا (ان کے لئے بہتر ہوتا، ان میں بعض مومن ہیں) جیسے عبداللہ بن سلام اور ان کے اصحاب (اور ان میں اکثر فاسق) یعنی کافر (ہیں) اے مسلمانوں کی جماعت یہود (تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے سوائے) زبان سے (تکلیف پہونچانے کے) کہ کچھ گالی گلوج اور دھمکیاں دے لیں (اور اگر وہ تم سے لڑائی چھیڑیں تو پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے، پھر ان کی) تمہارے خلاف (مدد نہیں ہوگی) بلکہ تمہاری ہی مدد ان کے خلاف ہوگی (ان پر ذلت کا ٹھپہ لگا دیا گیا ہے جہاں بھی وہ ہوں) ان کے لئے نہ غلبہ وعزت ہے، نہ کوئی بچاؤ ہے (مگر اللہ کی طرف سے کسی مدد کے واسطے سے، اور لوگوں) یعنی اہل ایمان (کی طرف سے کسی مدد کے واسطے سے) اور مدد یہ ہے کہ ان سے جزیہ ادا کرنے کی شرط پر امن وامان کا معاہدہ ہوا ہو، یعنی ان کے لئے اس کے علاوہ کوئی بچاؤ کی صورت نہیں ہے (اور وہ اللہ کی

جناب سے غضب کے مستحق ہوکر لوٹے، اوران پر مسکنت کا ٹھپہ لگا دیا گیا، یہ اس سبب سے کہ وہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے تھے، اور انبیاء کو ناحق قتل کیا کرتے تھے، یہ اس واسطے کہ انھوں نے) اللہ کے امر کی (نافرمانی کی اور) حلال سے حرام کی جانب (تجاوز کرتے تھے) یہ جملہ تاکید ہے (یہ) اہل کتاب سب (ایک جیسے نہیں ہیں، اہل کتاب میں ایک جماعت) حق پر (قائم) اور ثابت (ہے) جیسے عبداللہ بن سلام اوران کے اصحاب (اللہ کی آیات کی وہ لوگ رات کی ساعتوں میں تلاوت کرتے ہیں، اور وہ سجدہ کرتے ہیں) یعنی نماز پڑھتے ہیں، یہ حال ہے (اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور معروف کا حکم کرتے ہیں، منکر سے نہی کرتے ہیں، اور بھلائیوں پر تیز چلتے ہیں، اور یہی لوگ) جو مذکورہ صفات کے ساتھ مذکور ہوئے (صالحین میں ہیں) اوران میں بعض ایسے نہیں ہیں، اور وہ صالحین میں نہیں ہیں (اور جو کچھ تم بھلے کام کروگے) **تفعلوا** تاء کے ساتھ ہے، تب مخاطب امت ہے، اور ایک قرأت میں یا کے ساتھ ہے تو ضمیر غائب **امة قائمة** کی جانب باعتبار معنی جمع کے لوٹے گی (ان کی ناقدری نہیں کی جائے گی) **تکفروه** بھی تاء اور یاء دونوں طرح ہے، یعنی ان کا ثواب برباد نہ ہوگا، بلکہ عطا کیا جائے گا (اور اللہ تعالیٰ متقیوں کو جانتے ہیں، بے شک جن لوگوں نے کفر کیا، ان کے اموال اوران کی اولاد، اللہ سے ان کا) یعنی اللہ کے عذاب سے (ہرگز کچھ دفاع نہیں کرسکیں گے) اموال اور اولاد کو بالتخصیص ذکر کیا اس لئے کہ انسان اپنا دفاع کبھی تو مال کے فدیہ سے کرتا ہے، اور کبھی اولاد کی مدد سے کرتا ہے (اور یہی لوگ اہل جہنم ہیں، اس میں ہمیشہ رہیں گے، جو کچھ یہ) کفار (اس دنیاوی زندگی میں) رسول کی عداوت میں یا صدقہ وغیرہ میں (خرچ کرتے ہیں، اس کی مثال اس ہوا جیسی ہے، جس میں صرصر ہو) یعنی شدید گرمی یا شدید سردی (جوان لوگوں کی کھیتیوں پر پہونچی، جنھوں نے اپنے اوپر) کفر اور معصیت کرکے (ظلم کیا، پس اس نے ان کو برباد کردیا) ان سے انہیں کوئی نفع نہیں حاصل ہوسکا، ایسے ہی ان لوگوں کے نفقات بھی برباد ہیں، ان سے انہیں کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا (اور) ان کے نفقات جو ضائع ہوگئے تو (اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا ہے، بلکہ وہ خود اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں) کیونکہ وہ کفر پر ہیں جوان کے نفقات کے ضیاع کا سبب ہے (اے ایمان والو! اپنے علاوہ دوسروں کو) یعنی یہود اور منافقین کو (اپنا رازدار نہ بناو) کہ انہیں اپنے رازوں سے باخبر کردو (وہ تمہارے حق میں بگاڑ پیدا کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے) **خبالاً** منصوب بنزع الخافض ہے، یعنی حرف جر کو حذف کرکے نصب دے دیا گیا ہے، عبارت یہ ہوگی **لا یالونکم فی الخبال** یعنی **لا یقصرون لکم فی الفساد** (وہ تمہارے شدید نقصان کی تمنا رکھتے ہیں) تمہارے حق میں ان کی (دشمنی ان کے منہ سے ظاہر ہوچکی ہے) کہ تمہاری بدگوئی کرتے ہیں، اور تمہارے رازوں کو مشرکین تک پہونچاتے ہیں (اور جو کچھ) عداوت کو (ان کے سینوں نے چھپا رکھا ہے، وہ اور زیادہ ہے، بے شک ہم نے) ان کی عداوت پر (نشانیاں بیان کردی ہیں اگر تم سمجھتے ہو) تو ان

سے دوستی نہ رکھو (سنو) ھاء تنبیہ کیلئے ہے (تم لوگ) اے اہل ایمان (ان سے) قرابت اور دوستی کی وجہ سے (محبت رکھتے ہو، اور وہ) دین میں تمہارے مخالف ہونے کی وجہ سے (تم سے محبت نہیں رکھتے، اور تم لوگ سب کتاب پر ایمان رکھتے ہو) یعنی تمام کتابوں پر، اور وہ لوگ تمہاری کتاب پر ایمان نہیں رکھتے (اور جب تم لوگوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی ایمان لائے، اور جب تنہا ہوتے ہیں تو انگلیوں کو تمہارے اوپر) غصہ کی شدت سے (چباتے ہیں) جب وہ تمہارے باہمی محبت و اخوت کو دیکھتے ہیں، شدت غضب کی تعبیر مجازاً انگلی چبانے سے کی گئی ہے، اگر چہ حقیقۃً انگلی چبانے کا وجود نہیں ہے (تم کہو کہ تم لوگ اپنے غصہ میں مر جاؤ) یعنی مرتے دم تک اسی غیظ و غضب پر باقی رہو، مگر تم ایسی کوئی چیز ہرگز نہ دیکھو گے جس سے تمہیں خوشی حاصل ہو (بے شک اللہ سینے) یعنی دل (کی باتوں کو جانتے ہیں) اور انہیں باتوں میں وہ بھی ہے، جو ان لوگوں نے چھپا رکھی ہے (اگر تم کو کوئی بھلائی پہونچتی ہے) مثلاً فتح و ظفر اور مال غنیمت (تو انہیں رنج ہوتا ہے، اور اگر تم کو کوئی تکلیف پہونچتی ہے) جیسے شکست اور قحط وغیرہ (تو انہیں خوشی ہوتی ہے) یہ جملہ شرطیہ ہے، ماقبل کی شرط سے مربوط ہے، اور درمیان میں جملہ معترضہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ تمہاری عداوت میں انتہاء کو پہونچے ہوئے ہیں، تو تم ان سے کیوں دوستی رکھتے ہو، ان سے بچو (اور اگر تم) ان کی ایذا رسانی پر (صبر کرو اور) ان کی دوستی وغیرہ میں (اللہ کا خوف کرو تو ان کی سازش تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی) **لا یضرکم** میں دو قرأت ہے، ایک ضاد کا کسرہ اور راء کا سکون، دوسرے **ضاد** کا ضمہ اور راء کی تشدید (بلاشبہ جو کچھ یہ لوگ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اسے احاطہ میں لئے ہوئے ہیں) یعنی اسے جانتے ہیں، اس کی سزا انہیں ملے گی۔

﴿تشریحات﴾

فی علم اللہ تعالیٰ: . **کنتم** افعال ناقصہ میں ہے، جو زمان ماضی میں کسی شے کے کسی خاص صفت کے ساتھ موجود ہونے کو بتاتا ہے، قطع نظر اس سے کہ وہ اس خاص زمانے سے پہلے یا اس کے بعد اس خاص صفت کے ساتھ موجود تھی یا نہ تھی۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ **وکان اللہ غفوراً رحیماً**، یہ جملہ زمان ماضی میں اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہونے کو بتاتا ہے، لیکن اس کی دلالت اس بات پر نہیں ہے کہ اب وہ غفور رحیم نہیں ہے، اس معنیٰ کے لحاظ سے آیت کریمہ میں کسی تاویل کی ضرورت نہیں ہے۔

لیکن مفسر نے **کنتم** کے ساتھ **فی علم اللہ** کا لاحقہ جوڑ کر بات بالکل واضح کر دی کہ تم لوگ اللہ کے علم میں پہلے ہی سے خیر امت قرار پا چکے تھے۔ یہ خطاب رسول اللہ ﷺ کی امت سے ہے، اس کے مخاطب اولین حضرات صحابہ کرام ہیں، ان کا خیر امت ہونا تو قطعی ہے، بعد میں آنے والی نسل مجموعی اعتبار سے خیر امت ہے، ہر فرد کے لحاظ سے نہیں۔

اس امت کے خیر ہونے کی بنیاد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے، یہ سلسلہ جب تک قائم ہے، برائیاں سمٹتی اور بھلائیاں پھیلتی رہیں گی، اور فلاح دنیا وآخرت اسی میں ہے۔

بالـلسـان من سب ووعيد :۔ یہود کی ایذا رسانیوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ تمہارا کچھ بگاڑ نہیں سکتے بشرطیکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا سلسلہ تمہارے اندر قائم رہے، جب آدمی کا اندرون مضبوط ہوتا ہے تو بیرونی طاقتیں حملہ آور نہیں ہوتیں یا ہوتی ہیں تو کچھ نقصان نہیں پہونچا پاتیں۔ ہاں اتنا ہوسکتا ہے کہ زبان سے کچھ تکلیف پہونچائیں، مثلاً گالیاں دیں، تہمت تراشیاں کریں، دھمکیاں دیں، لیکن ان زبانی حملوں کو اللہ تعالیٰ نے کچھ اہم نہیں قرار دیا۔ اہل ایمان کو بھی اس کا خیال رکھنا چاہئے کہ ان کی باتوں، ان کے پریس، ان کی میڈیا کی زیادہ فکر نہ کریں، اپنے کار منصبی کا اہتمام کریں۔ انشاء اللہ ان کا کچھ ضرر نہیں ہوگا۔ نقصان اور تکلیف کے راستے اپنے اندر سے کھلتے ہیں، انہیں بند کرنے کی فکر کرنی چاہئے۔

(الا) كائنين : **الا بحبل من الله و حبل من الناس** کے ساتھ کائنین کو مقدر مان کر مفسر نے یہ بتایا ہے کہ یہ جار و مجرور حال کے محل میں ہے، وہ حال کائنین ہے، اور **بحبل من الله** اسی سے متعلق ہے، **حبل من الله** سے مراد اللہ تعالیٰ کا عہد اور ان کی ذمہ داری یعنی ان یہود کی ذلت کے ازالہ کی ایک صورت یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری میں آجائیں، یعنی ایمان قبول کرلیں۔

المومنين وهو عهدهم اليهم :۔ یہود کی ذلت کے ازالہ کی دوسری صورت یہ ہے کہ لوگوں سے معاہدۂ امان ہو، مفسر نے ''لوگوں'' سے مراد اہل ایمان کو لیا ہے، کہ اسلامی حکومت میں جزیہ دے کر رہنا قبول کرلیں۔ اس صورت میں بھی انہیں ذلت کے ٹھپے سے نجات ملی رہے گی، ورنہ ذلت لازم ہے۔

ہمارے دور میں یہودیوں نے فلسطین میں سمٹ کر ایک حکومت بنالی ہے۔ اس سے بعض لوگوں کو قرآن کی اس خبر پر اشکال ہوتا ہے۔ لیکن حقیقت میں کوئی اشکال نہیں ہے، کیونکہ حکومت اور دولت کے باجود ان کی ذلت و گھٹیا پن میں کوئی کمی نہیں ہے۔ یہ حکومت تو درحقیقت امریکہ کی ہے جو مسلمان حکمرانوں کے اعمال بد کی سزا کے طور پر مسلط ہے، امریکہ نے اسرائیل کی صورت میں ایک کتا چھوڑ رکھا ہے جو عربوں کو بھونک بھونک کر خوفزدہ کرتا ہے، کتا خواہ کتنا ہی غرائے ذلیل ہی رہتا ہے۔

اسی طرح مسکنت یعنی احتیاج کی کیفیت ان کے لازم حال ہے، انہیں اپنی جان اور اپنے مال کے بچاؤ کے لئے ہمیشہ مدد کی ضرورت قائم رہتی ہے، اپنی ذات اور اپنے طور پر نہ انہیں عزت حاصل ہے، اور نہ وہ اپنی ضروریات پوری کرسکتے ہیں، ایسی قوم جس پر ذلت اور احتیاج مسلط ہو، طبعی طور پر نہایت گھٹیا اور سازشی ہوتی ہے، چنانچہ اس زمانے میں سازشی سیاست کی سب سے بڑی علامت یہود ہیں۔

مستقیمة ثابتة علی الحق :۔ اہل کتاب کا ایک گروہ وہ ہے جو اپنے دین پر استقامت رکھتا تھا، اس گروہ کے سامنے جونہی رسول اللہ ﷺ کی دعوت پہونچی اس نے قبول کرلیا، اس سے معلوم ہوا کہ یہ لوگ اسلام سے پہلے بھی حق پر قائم تھے، راتوں کے عبادت گزار تھے، اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے تھے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے تھے، نیکیوں میں سبقت کرتے تھے، بالآخر صالحین میں شمار ہوئے اور اسلام قبول کیا۔

حر أو برد شدید :صِرٌّ کے دو معنی مذکور ہیں۔ایک شدید گرمی جو بدن کو جھلسا دینے والی ہو، دوسرے صرصر کے معنی میں، یعنی شدید ٹھنڈک، کھیتی کیلئے یہ دونوں مضر ہیں، اور دونوں ہی کاشت کو جلا دیتی ہیں۔

اصفیاء تطلعو نهم علی سر کم :. **بطانة** اس شخص کو کہتے ہیں جو رازوں سے واقف ہو، اور رازدار وہی ہو سکتا ہے جو مخلص اور گہرا اور بے تکلف دوست ہو، جس کو عربی میں **صفی** کہتے ہیں، جس کی جمع **اصفیاء** ہے یعنی یہود اور منافقین نیز دوسرے کفار کو اپنا دلی دوست جو رازوں سے واقف ہو، مت بناؤ، یہ نقصان پہونچانے کے مواقع سے چوکیں گے نہیں۔

جب بھی مسلمانوں نے اس حکم کی تعمیل میں کوتاہی کی تباہی میں پڑے، بہت سے خلفاء و حکام نے اپنے منشی اور کاتب خاص (پرائیویٹ سکریٹری) غیر مسلموں کو بنایا۔ بہتوں نے رافضیوں (منافقین) کو بنایا، اور حکومت تہہ و بالا ہو کر رہ گئی۔

نصب بنزع الخافض : **خبالاً** فی الاصل مجرور تھا، اصل عبارت یوں ہوگی **لا یالونکم فی الخبال**، **خبال** اس بیماری کو کہتے ہیں جو انسان کے سکون کو درہم برہم کردے، یہاں مراد فساد اور خرابی ہے، حرف جر کو حذف کرکے **خبالا** کو تمیز بنادیا، اس بنا پر وہ منصوب ہے، یہ ترکیب کلام میں بہت عام ہے۔اسے اصطلاح میں منصوب بنزع الخافض کہا جاتا ہے۔

عنتکم :. **ما عنتم** میں **ما** مصدریہ ہے، اسی لئے اس کی تفسیر **عنتکم** سے کی ہے۔

بالوقیعة :**وقیعه** کہتے ہیں بدگوئی، زبان سے ایذارسانی اور غیبت اور چغلی وغیرہ کو۔

ای بالکتب کلها : **بالکتاب کله** میں الف لام استغراق ہے مراد کتاب کا ہر فرد ہے۔

ابقوا علیه :. **ابقوا** جمع مذکر امر حاضر ہے، **بقی یبقیٰ** سے، اصل میں اِبْقَیُوْا بروزن **اعلموا** ہے یاء متحرک ہے اور اس کے ماقبل فتحہ ہے، اسے الف سے بدل دیا، پھر اجتماع ساکنین کی وجہ سے اسے حذف کردیا۔

نعمة :. **ان تمسسکم حسنة** میں **حسنة** سے مراد دنیوی نعمت ہے، چنانچہ مفسر نے **کنصر و غنیمة** کہہ کر اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔**حسنة** سے یہاں اخروی نعمت مراد نہیں ہے۔اس پر دنیا میں کسی کو جلن نہیں ہوتی۔

وجملة الشرط متصلة بالشرط قبل :۔ یہ جملہ شرط **ان تمسسکم حسنة الخ** ہے، اور جس سے

متصل ہے وہ واذا لقوکم قالوا آمنا ہے، درمیان میں قل موتوا الخ جملہ معترضہ ہے۔ دونوں شرطوں کا حاصل یہ ہے کہ یہ لوگ تمہاری عداوت میں انتہاء کو پہونچے ہوئے ہیں، اس لئے ان سے رازدارانہ تعلق نہ رکھو، اور رہا یہ اندیشہ کہ یہ اپنی عداوت کی وجہ سے تمہارا کچھ نقصان کریں گے، اس لئے مصلحۃً ان سے دوستی رکھی جائے تو اس وہم و خیال میں مت رہو، اگر تم ثابت قدم رہے، اور اللہ سے ڈرتے رہے، یعنی نافرمانی تم نے نہیں کی، تو ان کی سازش تم کو کچھ نقصان نہیں پہونچا سکتی، ان کی ہر کرتوت اللہ تعالیٰ کے احاطۂ علم وقدرت میں ہے

مضامین آیات وتفسیر

اے نبی آخر الزماں! تم ان سے کہو کہ تم لوگ کیونکر باہم ٹکرانے لگتے ہو، یہ تو دوسروں کا شیوہ ہے۔ تم تو پہلے ہی اللہ کے علم میں ''خیر امت'' ہو تمہیں تو دنیا میں اس لئے برپا کیا گیا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہو اور اللہ پر سچا ایمان رکھتے ہو، تم کو تو اسی پر کاربند رہنا چاہئے، ذرا ذرا سی بات پر ٹکرانے لگنا تمہارے منصب کے خلاف ہے، اور اگر یہ اہل کتاب جو تمہیں لڑانے کی کوشش کرتے ہیں، اگر یہ بھی تمہاری طرح سچا ایمان لاتے تو ان کے حق میں بہتر ہوتا۔ ان میں بعض تو صاحب ایمان ہیں، لیکن اکثر فاسق ہی ہیں، یعنی کافر، یہ تم کو تکلیف پہونچانا تو ضرور چاہتے ہیں، لیکن اطمینان رکھو، سوائے اس کے کہ زبان سے برا بھلا کہہ کر، دھمکیاں دیکر، تمہارے دل کو پریشان کریں اور کچھ نہیں کر سکتے، تم سے یہ لوگ لڑ نہیں سکتے، اور اگر لڑ جائیں تو پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے، یہ جہاں بھی ہوں گے، ان کے اوپر ذلت اور محتاجی کی مہر لگ گئی ہے، اگر انہیں پناہ مل سکتی ہے تو اللہ کی ذمہ داری میں، جبکہ یہ مسلمان ہو جائیں، یا مسلمانوں کی حفاظت میں جبکہ یہ جزیہ دے کر اسلامی حکومت میں رہنے پر راضی ہوں۔ ان پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے، کیونکہ یہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے تھے اور انبیاء کو ناحق قتل کرتے تھے، اور یہ اس لئے کہ یہ معصیت کوش تھے اور حدود سے تجاوز کیا کرتے تھے۔

سب اہل کتاب ایک جیسے نہیں ہیں، بعض ان میں سے حق وہدایت پر ثابت قدمی سے جمے ہوئے ہیں، جیسے عبداللہ بن سلام اور ان کے تلامذہ ورفقاء، یہ لوگ راتوں کو اللہ کی آیتیں پڑھتے ہیں، رکوع وسجود میں مشغول رہتے ہیں، اللہ پر، قیامت کے دن پر سچا ایمان رکھتے ہیں۔ بھلے کا حکم کرتے ہیں اور برے سے روکتے ہیں، اور نیکیوں میں تیز چلتے ہیں، یہ صاحب صلاح وخیر ہیں، اور بعض دوسری طرح کے لوگ ہیں، یہ لوگ جو بھی بھلا کام کریں گے، اس کی ناقدری نہ ہوگی، اس کا پورا ثواب ملے گا، اور اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں کہ تقویٰ کس کے اندر ہے، جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی، ان سے عذاب کو نہ ان کا مال دفع کر سکے گا، اور نہ اولاد کچھ کام آئے گی، یہ واقعی جہنمی ہیں، جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔

کفار جو کچھ بھی اس دنیا میں خرچ کرتے ہیں، خواہ وہ نبی کی عداوت میں ہو، یا صدقہ وغیرہ ہو، اس کی

مثال ایسی ہے جیسے کوئی تیز ہوا ہو، اس میں شدید ٹھنڈک یا جلا دینے والی گرمی ہو، اور وہ ظالموں کے کھیت پر چلی، اور اسے جلا کر خاک سیاہ کر دیا، ایسے ہی ان لوگوں کے صدقے وغیرہ کا حال ہے کہ کفر کی باد صرصر سب کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے، اللہ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا۔ یہ خود اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔

اے ایمان والو! تم اپنے ہم مذہبوں کے علاوہ دوسرے مذاہب والوں کو اپنا راز دار اور قلبی دوست نہ بناؤ خواہ وہ یہود و نصاریٰ ہوں یا اہل نفاق ہوں۔ یہ لوگ تمہارے درمیان خرابی پیدا کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے، چاہتے ہیں کہ تم کسی مصیبت میں پڑو، یہ عداوت ان کی زبانوں سے ظاہر ہوئی پڑتی ہے، اور جو کچھ ان کے دل میں چھپا ہوا ہے وہ تو اور بڑھ کر ہے، ہم تمہیں اپنی آیات سے ان کی عداوت پر متنبہ کئے دیتے ہیں، ذرا سمجھ سے کام لو، تم لوگ تو قرابت داری وغیرہ کی وجہ سے ان سے مخلصانہ محبت رکھتے ہو، اور یہ تم سے قطعاً محبت نہیں رکھتے، اور تم تمام آسمانی کتابوں پر ایمان رکھتے ہو، اور ان کا حال یہ ہے کہ تمہاری ہی کتاب کا انکار کرتے ہیں اور جب تم سے ملتے ہیں تو ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں، اور جب تنہا ہوتے ہیں تو غیظ وغضب کی شدت میں انگلیاں چبا جاتے ہیں، تم ان سے کہو کہ اپنے غصہ میں مر جاؤ، تمہارا مقصد پورا نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ دلوں کی بات کو جانتے ہیں۔ ان کی کیفیت یہ ہے کہ اگر تم کو کوئی اچھی بات اور اچھی چیز حاصل ہو جائے تو انہیں سخت ناگوار گزرتا ہے، دلی تکلیف محسوس کرتے ہیں، اور اگر تمہیں کوئی تکلیف پہونچے تو دل سے خوش ہوتے ہیں، اسی سے ان کی عداوت کا اندازہ کرلو، لیکن یہ تمہارا کچھ بگاڑ نہیں سکتے، تم ثابت قدمی سے جمے رہو، صبر کا دامن مضبوطی سے تھامے رہو اور تمام امور میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، تو ان کی کوئی سازش تمہارا نقصان نہیں کر سکتی، جو کچھ یہ لوگ کرتے ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ کے احاطہ علم وقدرت میں ہے، ہر ایک کا بدلہ انہیں ملے گا۔

☆☆☆☆☆

﴿وَ﴾ اذکر یا محمد ﴿اِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ﴾ من المدينة ﴿تُبَوِّئُ﴾ تنزل ﴿الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ﴾ مراكز يقفون فيها ﴿لِلْقِتَالِ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ﴾ لاقوالكم ﴿عَلِيْمٌ﴾ باحوالكم و هو يوم احد خرج النبی ﷺ بالف او الا خمسين رجلا و المشركون ثلاثة آلاف و نزل بالشعب يوم السبت سابع شوال سنة ثلاث من الهجرة و جعل ظهره و عسكره الى احد و سوى صفوفهم و اجلس جيشا من الرماة و امر عليهم عبدالله ابن جبير بسفح الجبل و قال انضحوا عنا بالنبل لا ياتونا من ورائنا ولا تبرحوا غلبنا او نصرنا ﴿اِذْ﴾ بدل من اذ قبله ﴿هَمَّتْ طَّائِفَتَانِ مِنْكُمْ﴾ بنو سلمة و بنو حارثة جناحا العسكر ﴿اَنْ تَفْشَلَا﴾ تجبنا عن القتال و ترجعا لما رجع عبدالله بن ابی المنافق واصحابه و قال علام نقتل انفسنا

واولادنا وقال لابی حاتم السلمی القائلِ له اَنْشُدُکُمُ اللّٰهَ فی نبیکم و انفسکم لو نعلم قتالا لاتبعناکم فثبتهما الله تعالیٰ ولم ینصرفا ﴿ وَاللّٰهُ وَلِیُّهُمَا ﴾ ناصرهما ﴿ وَعَلَی اللّٰهِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴾ لیثقوا به دون غیره و نزل لما هزموا تذکیرا لهم بنعمة الله ﴿ وَ لَقَدْ نَصَرَکُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ ﴾ موضع بین مکة والمدینة ﴿ وَاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ﴾ بقلة العدد والسلام ﴿ فَاتَّقُوْا اللّٰهَ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ ﴾ نعمه ﴿ اِذْ ﴾ ظرف لنصرکم ﴿ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِیْنَ ﴾ توعدهم تطمینا لقلوبهم ﴿ اَلَنْ یَّکْفِیَکُمْ اَنْ یُمِدَّکُمْ ﴾ یعینکم ﴿ رَبُّکُمْ بِثَلٰثَةِ آلَافٍ مِّنَ الْمَلَائِکَةِ مُنْزَلِیْن ﴾ بالتخفیف و التشدید ﴿ بَلٰی ﴾ یکفیکم ذلک و فی الانفال بالف لانه امدهم اولا بها ثم صارت ثلثة ثم صارت خمسة کما قال تعالیٰ ﴿ اِنْ تَصْبِرُوْا ﴾ علی القاء العدو ﴿ وَتَتَّقُوْا ﴾ الله فی المخالفة ﴿ وَیَأتُوْکُمْ ﴾ ای المشرکون ﴿ مِنْ فَوْرِهِمْ ﴾ وقتهم ﴿ هٰذَا یُمْدِدْکُمْ رَبُّکُمْ بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِّنَ الْمَلَائِکَةِ مُسَوِّمِیْنَ ﴾ بکسر الواو وفتحها ای معلمین و قد صبروا وانجز الله وعدهم بان قاتلت معهم الملائکة علی خیل بلق علیهم عمائم صفرا و بیض ارسلوها بین اکتافهم ﴿ وَ مَا جَعَلَهُ اللّٰهُ ﴾ ای الامداد ﴿ اِلَّا بُشْرٰی لَکُمْ ﴾ بالنصر ﴿ وَلِتَطْمَئِنَّ ﴾ تسکن ﴿ قُلُوْبُکُمْ بِهٖ ﴾ فلا تجزع من کثرة العدو و قلتکم ﴿ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِاللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ ﴾ یوتیه من یشاء ولیس بکثرة الجند ﴿ لِیَقْطَعَ ﴾ متعلق بنصرکم ای لیهلک ﴿ طَرَفاً مِّنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ﴾ بالقتل والاسر ﴿ اَوْ یَکْبِتَهُمْ ﴾ یذلهم بالهزیمة ﴿ فَیَنْقَلِبُوْا ﴾ یرجعوا ﴿ خَائِبِیْنَ ﴾ لم ینالوا ما راموه و نزل لما کسرت رباعیته ﷺ و شج وجهه یوم احد و قال کیف یفلح قوم خضبوا وجه نبیهم بالدم ﴿ لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْئٌ ﴾ بل الامر لله فاصبر ﴿ اَوْ ﴾ بمعنی الی اَن ﴿ یَتُوْبَ عَلَیْهِمْ ﴾ بالاسلام ﴿ اَوْ یُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظَالِمُوْنَ ﴾ بالکفر ﴿ وَلِلّٰهِ مَا فِیْ السَّمٰوَاتِ وَ مَا فِیْ الْاَرْضِ ﴾ ملکا و خلقا و عبیداً ﴿ یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَاءُ ﴾ المغفرة له ﴿ وَ یُعَذِّبُ مَنْ یَشَاءُ ﴾ تعذیبه ﴿ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ ﴾ لاولیائه ﴿ رَّحِیْمٌ ﴾ باهل طاعته.

﴿ ترجمہ ﴾

(اور) اے محمد یاد کرو (جب تم علی الصباح اپنے گھر سے) یعنی مدینہ سے (نکلے، ایمان والوں کو لڑنے کی جگہوں پر) جہاں وہ کھڑے ہوں (متعین کر رہے تھے، اور اللہ تعالیٰ) تمہاری باتوں کو (سننے والے) تمہارے احوال کو (جاننے والے ہیں) یہ جنگ احد کا دن تھا۔ نبی ﷺ ایک ہزار یا پچاس کم لوگوں کو لے کر نکلے تھے، اور مشرکین تین ہزار تھے، اور آپ گھاٹی میں سنیچر کے دن ۷ر شوال ۳ھ کو اترے، آپ نے اپنی اور لشکر کی پشت احد

کی جانب رکھی، صفوں کو درست کیا، اور تیر اندازوں کے ایک دستہ کو پہاڑی درہ میں بیٹھادیا، اور ان کا امیر عبداللہ بن جبیر کو مقرر کیا، اور فرمایا کہ تیر برسا کر دشمن کو ہم سے ہٹائے رکھنا، وہ ہمارے پیچھے سے نہ آئیں، اور یہاں سے نہ ہٹنا، ہم مغلوب ہوں یا غالب ہوں (جبکہ) اذ ماقبل کے اذ سے بدل ہے (تم میں سے دو جماعتوں نے قصد کرلیا تھا) بنوسلمہ اور بنوحارثہ نے جو لشکر کے دو بازو تھے (کہ) جنگ سے (ہمت ہار دیں) اور لوٹ جائیں، یہ اس وقت ہوا تھا، جب عبداللہ بن ابی منافق اور اس کے ساتھی لوٹ گئے تھے اور کہا تھا کہ کس بنیاد پر ہم اپنے آپ کو اور اپنی اولاد کو قتل کریں، اور اس نے ابوحاتم سلمی سے کہا جنھوں نے اس سے کہا تھا کہ میں تم لوگوں کو تمہاری جانوں اور تمہارے نبی کے بارے میں قسم دیتا ہوں۔ تب اس نے کہا کہ اگر ہم یہ جانتے کہ یہ جنگ ہے، تو ہم تمہارے ساتھ رہتے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو ثابت قدم رکھا، اور وہ لوگ واپس نہیں ہوئے (اور اللہ ان دونوں کا حامی و ناصر ہے، اور اللہ ہی پر اہل ایمان کو بھروسہ رکھنا چاہئے) دوسرے کسی پر نہیں۔

اور جب اہل اسلام احد کی جنگ میں پسپا ہوئے، تو اگلی آیات اتریں اور اللہ کا احسان یاد دلایا (اور بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد بدر کے میدان میں کی) بدر، مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے (اس حال میں کہ تم کمزور تھے) تعداد بھی کم اور ہتھیار بھی کم (پس اللہ سے ڈرو، شاید تم) اس کی نعمتوں کی (قدر کرو، جب) اذ، نصر کم کا ظرف ہے (تم اہل ایمان سے کہہ رہے تھے) یعنی ان دلوں کو مطمئن کرنے کیلئے ان سے وعدہ کررہے تھے (کہ کیا تم کو یہ بات کافی نہیں ہے کہ تمہارا رب تمہاری مدد تین ہزار فرشتوں سے کرے، جو اتارے جائیں گے) منزلین تخفیف اور تشدید دونوں طرح ہے یعنی باب افعال سے اور باب تفعیل سے (کیوں نہیں) یہ تمہارے لئے کافی ہے، اور سورہ انفال میں ایک ہزار کا ذکر ہے، کیوں کہ ابتداءً مدد ایک ہزار سے ہوئی تھی، پھر تین ہزار سے ہوئی، پھر پانچ ہزار سے ہوئی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ (اگر تم) دشمن کے مقابلے میں (ثابت قدم رہے، اور) مخالفت کرنے میں (اللہ سے ڈرتے رہے، اور تم پر وہ لوگ) یعنی مشرکین (فوری طور پر آپڑے، تو تمہارا رب تمہاری مدد پانچ ہزار فرشتوں سے کرے گا، جو علامت) یعنی وردی (والے ہوں گے) مسومین، واو کے کسرے اور فتحے کے ساتھ، یعنی نشان والے، چنانچہ اہل ایمان ثابت قدم رہے۔ اور اللہ نے اپنا وعدہ پورا فرمایا، ان کے ساتھ فرشتے چتکبرے گھوڑے پر سوار ہو کر شریک جنگ رہے، ان کے سروں پر سفید یا زرد عمامے تھے، جن کے شملے دونوں طرف مونڈھوں کے درمیان لٹک رہے تھے (اور اللہ نے یہ) امداد (صرف اس لئے فرمائی کہ تمہارے لئے) نصرت کی (بشارت بن جائے، اور تاکہ تمہارے دلوں کو اس سے اطمینان) وسکون (حاصل ہو جائے) دشمن کی کثرت تعداد اور اپنی قلت سے نہ گھبراؤ (اور مدد تو صرف اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے، جو عزیز و حکیم ہے) جسے چاہتا ہے مدد سے نوازتا ہے، اس کا تعلق کثرت فوج سے نہیں ہے (تاکہ کافروں کے

ایک حصہ کو) قتل اور قید کے واسطے سے (ہلاک کردے) **لیقطع** کا تعلق **نصرکم** سے ہے (یا ان کو) شکست دے کر (کمزور کردے، پس ناکام و نامراد ہو کر واپس جائیں) جو انھوں نے سوچا تھا، وہ حاصل نہ ہو۔

جنگ احد میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے کے دندان مبارک شہید ہو گئے تھے، چہرۂ مبارک پر زخم آ گیا تھا، اور آپ نے فرمایا تھا کہ وہ قوم کیونکر فلاح پا سکتی ہے، جس نے اپنے نبی کے چہرے کو خون سے بھر دیا ہے، اس پر اگلی آیت نازل ہوئی (معاملہ کا کوئی حصہ تمہارے اختیار میں نہیں ہے) بلکہ معاملہ سارا اللہ کے اختیار میں ہے اس لئے صبر کرو (تا آنکہ اللہ تعالیٰ) ان کو اسلام کی توفیق سے نواز کر (ان پر مہربانی فرمائیں) او، **الی أن** کے معنی میں ہے (یا ان کو عذاب دیں، بلاشبہہ یہ) کفر کی وجہ سے (ظالم ہیں، اور اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے، اور جو کچھ زمین میں ہے) ملکیت کے اعتبار سے بھی، خلقت کے لحاظ سے بھی، اور بندگی کے اعتبار سے بھی (جس کے لئے) مغفرت کا (ارادہ کرتا ہے، مغفرت فرماتا ہے، اور جس کو) عذاب دینا (چاہتا ہے، عذاب دیتا ہے، اور اللہ تعالیٰ) اپنے اولیاء کی (مغفرت فرمانے والے) اپنے اطاعت گزاروں پر (رحم فرمانے والے ہیں)

تشریحات

واذکر یا محمد الخ:۔ یہ آیات غزوہ احد سے متعلق ہیں، رسول اللہ ﷺ صبح کے وقت حجرۂ عائشہ سے نکلے اور کوہ احد کی جانب اپنے اصحاب کے ساتھ تشریف لے گئے، اس کا واقعہ اجمالاً یہ ہے کہ مشرکین مکہ، مدینہ پر حملہ کے ارادے سے بدھ کے دن (مفسر کے بیان کے مطابق ۷/شوال ۳ھ کو) احد کے دامن میں اترے، واضح ہو کہ احد پہاڑ مدینہ کے شمال میں ہے اور مکہ جنوب میں ہے، مشرکین موقع و محل کی رعایت سے جنوب سے شمال کی جانب مسلسل چل کر مدینے کے شمال میں پہونچ گئے، اور احد پہاڑ کے دامن میں پڑاؤ ڈالا، رسول اللہ ﷺ کو علم ہوا تو آپ نے صحابہ کرام کو مشورے کیلئے طلب فرمایا اور پہلی مرتبہ عبداللہ بن ابی منافق کو بھی بلایا، آپ نے اس سلسلے میں مشورہ چاہا، اکثر انصار نے اور عبداللہ بن ابی نے یہ رائے دی کہ، آپ مدینہ میں تشریف رکھیں، باہر نہ نکلیں، تجربہ یہ ہے کہ اگر ہم مدینہ سے باہر نکل کر لڑے ہیں تو ہمارا نقصان ہوا ہے، اور اگر دشمن ہمارے اوپر چڑھ کر آبادی میں آیا ہے، تو اسے نقصان اٹھانا پڑا ہے، آپ کی موجودگی میں اگر دشمن گھس آیا تو یقیناً وہ بری طرح شکست سے دوچار ہوگا، تو حضرت انہیں وہیں چھوڑ دیئے، اگر وہ وہاں ہی ٹھہرے رہے تو وہ برا قید خانہ ہے، وہاں نہ پانی ہے، نہ کھانا اور اگر وہ آبادی میں گھسے تو مرد سامنے سے لڑیں گے، اور عورتیں اور بچے اوپر سے پتھر ماریں گے، اور اگر لوٹیں گے تو ناکام لوٹیں گے، آپ کو یہ رائے پسند آئی، بعض اصحاب نے رائے دی کہ حضرت! ان کتوں کی طرف چلنا چاہئے، کہیں وہ ہمارے ٹھہرنے کو بزدلی پر نہ محمول کریں، آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ میرے آس پاس ذبح کی ہوئی گائیں ہیں اس کی تعبیر تو اچھی ہے، اور یہ بھی دیکھا ہے کہ میری تلوار کی دھار ٹوٹی

ہوئی ہے، اس کی تعبیر تو ہزیمت ہے، اور میں نے یہ بھی دیکھا کہ گویا میں نے اپنا ہاتھ ایک مضبوط زرہ میں ڈالا ہے۔ اس کی تعبیر میں نے مدینہ کو سمجھا ہے، پس اگر تمہاری رائے ہو تو مدینہ میں رہو اور انہیں چھوڑے رکھو، اگر وہ رکے رہیں گے تو بری جگہ ہوں گے اور اگر مدینہ میں داخل ہوں گے تو ہم ان سے لڑیں گے آپ کو یہی بات پسند تھی، کہ وہ مدینہ میں گھسیں تو ان سے مدینہ کے گلی کوچوں میں جنگ ہو۔ لیکن بعض صحابہ جو غزوۂ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے اور غزوۂ احد میں انہیں شہادت سے سرفراز ہونا تھا، ان کا اصرار ہوا کہ باہر نکل کر مقابلہ کیا جائے ۔رسول اللہ ﷺ نے جب ان کا شوق جہاد دیکھا تو آپ اندر تشریف لے گئے، اور ہتھیار باندھ کر باہر تشریف لائے۔ اُدھر تو یہ ہوا اور اِدھر صحابہ کرام جو اصرار کر رہے تھے، پشیمان ہوئے کہ ہم نے ناحق حضور پر اپنا مشورہ مسلط کیا۔ آپ باہر آئے تو وہ لوگ معذرت کرنے لگے، آپ نے فرمایا کہ نبی جب مسلح ہو جائے تو جہاد و قتال سے پہلے ہتھیار اتارنا اس کیلئے مناسب نہیں ہے۔ آپ میدان جنگ کی طرف روانہ ہوئے، عبداللہ بن ابی نے از راہ نفسانیت آپ کے لشکر سے علیحدگی اختیار کر لی۔ اس کے ساتھ تین سو آدمی تھے، آپ کا کل لشکر ایک ہزار تھا۔ تین سو نکل گئے تو سات سو ہی بچا، آپ کا قیام ایسی جگہ ہوا کہ احد پہاڑ آپ کی پشت کی جانب تھا۔ ادھر ایک درہ تھا جس میں اگر کفار کا لشکر داخل ہو کر نکلتا۔ تو آپ کے آگے پیچھے دونوں طرف دشمن کی فوج ہوتی۔ آپ نے درہ کے اوپر پہاڑی پر پچاس تیر اندازوں کو حضرت عبداللہ بن جبیر کی سرکردگی میں متعین کر دیا کہ کفار کو ادھر سے آنے نہ دینا اور تم لوگ کسی حال میں یہاں سے نہ ہٹنا خواہ ہم جیتیں یا ہاریں۔

پھر جنگ شروع ہوئی ابتداءً میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا، کفار بھاگ نکلے، مسلمانوں نے ان کا تعاقب شروع کیا، تو تیر اندازوں کو اطمینان ہو گیا کہ اب جنگ ختم ہو گئی، یہ بھی اس خیال سے کہ ہم کوئی داد شجاعت نہ دے سکے، کفار کے پیچھے دوڑ پڑے، حضرت عبداللہ بن جبیرؓ نے اور بعض دوسرے حضرات نے منع بھی کیا مگر زیادہ تر حضرات تاویل کر کے چل نکلے، صرف دس آدمی پہاڑی پر رہ گئے۔ خالد بن ولید جو اس وقت کفار کے لشکر میں تھے، انھوں نے موقع کو پہلے ہی دیکھ لیا تھا، میدان کو خالی دیکھا، ایک دستہ جوانوں کا لیکر ادھر آ گئے، جو لوگ وہاں موجود تھے، وہ مقابلہ کرتے ہوئے شہادت سے سرخ رو ہو گئے۔ اس دستہ نے پیچھے سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ مسلمان بدحواس ہو گئے۔ سامنے کا بھاگتا ہوا لشکر پھر پلٹ پڑا، درمیان میں اہل اسلام گھر گئے افراتفری مچ گئی۔ اس صورت واقعہ میں اس رکوع کو پڑھئے۔

من المدینۃ : . **من اھلک** کی تفسیر ہے، گھر والوں سے نکلنے کا مطلب ہے مدینہ سے نکلنا

تنزل : . **تبوئ** کے معنی جگہ دینے کے ہیں، یعنی ہر ایک کے کھڑے ہونے کی جگہ رسول اللہ ﷺ نے متعین کر دی تھی۔

سابع شوال: ۔دوسرے مفسرین نے ۱۵؍شوال لکھا ہے۔

الرماۃ: رامی کی جمع ہے، تیرانداز۔

سفح الجبل: ۔پہاڑ کا نچلا حصہ، جڑ۔

انضحوا: ۔ نضح بمعنی رش ہے یعنی برسانا، مطلب یہ ہے کہ تیر برسا کر دشمن کو ہم سے روکے رہنا۔

بدل من اذ قبله: ۔یہ اذ ماقبل کے اذ غدوت سے بدل ہے، اور یہی مقصود بالبیان ہے، ہمت میں ھم سے مراد عزم نہیں ہے بلکہ اس سے کم درجہ کا ارادہ ہے۔انسان کے دل میں جو چیز ابتداءً گزرتی ہے اسے خاطر کہتے ہیں، خاطر اگر قوت پکڑتا ہے تو اسے حدیث نفس کہتے ہیں، وہ ترقی کرتی ہے تب اسے ھم کہا جاتا ہے ، ہم سے معاملہ آگے بڑھا تو وہ عزم ہے اس کے بعد آدمی کا یا تو قول ہوتا ہے یا فعل، یہاں عزم مراد نہیں ہے، بلکہ اس سے پہلے والا درجہ مراد ہے۔

دو گروہ جو پھسلنے کو سوچ رہے تھے، وہ بنوسلمہ اور بنو حارثہ تھے، بنوسلمہ کا تعلق خزرج سے تھا اور بنو حارثہ، اوس کی شاخ تھے۔

جناحا العسکر: ۔لڑائیوں میں لشکر کے پانچ حصے کئے جاتے تھے، اسی وجہ سے لشکر کو خمیس کہا جاتا ہے۔ایک حصہ آگے ہوتا تھا، اسے مقدمة الجیش کہتے ہیں۔ایک حصہ پیچھے رہتا تھا اسے ساقة کہا جاتا ہے، دو حصے دائیں اور بائیں ہوتے تھے، دایاں حصہ میمنہ اور بایاں حصہ میسرہ کہلاتا تھا، ایک حصہ درمیان میں ہوتا تھا اسے قلب کہا جاتا تھا۔بنوسلمہ اور بنو حارثہ، میمنہ اور میسرہ میں تعینات تھے۔

تجبناً: ۔ فشل کے معنی کمزوری اور بزدلی کے ہیں، بعض لوگوں نے کہا ہے، فشل کا تعلق اگر رائے سے ہے تو عاجزی اور نافہمی کے معنی میں ہے، اور اگر اس کا تعلق بدن سے ہے تو اس کے معنی شدید تکان کے ہے کہ آدمی نہ اٹھ سکے۔اور اگر اس کا تعلق لڑائی سے ہے تو اس کے معنی بزدلی کے ہیں باب سمع سے استعمال ہوتا ہے۔

وقال لابی حاتم السلمی الخ: ۔ عبداللہ بن ابی جب اپنے ساتھیوں کو لے کر لشکر سے نکلنے لگا تو بنوسلمہ کے حضرت ابو حاتم نے اس سے کہا انشد کم اللہ فی نبیکم و انفسکم کہ میں اللہ کا واسطہ دے کر تم سے کہتا ہوں کہ اپنے نبی کا خیال کرو، اور اپنی جان کا بھی خیال کرو تو اس کے جواب میں عبداللہ بن ابی بولا: لو نعلم قتالاً لاتبعناکم ، اگر ہم جانتے کہ یہ جنگ ہے تو ہم تمہارا ساتھ دیتے، لیکن یہ جنگ کہاں ہے، جنگ میں لشکر کی مقدار میں ہتھیاروں میں کچھ تو توازن ہوتا ہے، اور یہاں تو کوئی توازن ہی نہیں ہے، ایک طرف کفار کا لشکر جرار تین ہزار جوانوں پر مشتمل سامان جنگ سے معمور ہے، اور ایک طرف چند سو کی تعداد ہے جس کے پاس ٹھکانے کا کوئی ہتھیار نہیں ہے، یہ تو ایک طرح کی خودکشی ہے۔

مفسر علام نے آگے چل کر **لو نعلم قتالا لاتبعناکم** (آیت:۱۶۷) کی تفسیر میں **لو نعلم** کی تفسیر **لو نحسن** سے کی ہے، یعنی اگر ہم کو لڑنے کا بخوبی علم ہوتا تو ہم بھی تمہارا ساتھ دیتے، مگر افسوس کہ ہمیں لڑائی کا فن اور اس کا طریقہ ٹھیک سے معلوم نہیں ہے، اس لئے ہم تمہارا ساتھ دینے سے معذور ہیں، لیکن اس تفسیر کے مقابلے میں پہلی والی تفسیر زیادہ برمحل ہیں۔ منافقین لڑائی سے ناواقف نہ تھے، اور نہ وہ اس کا اقرار کر سکتے تھے، اس میں ان کی توہین تھی، عبداللہ بن ابی جسے ہجرت سے پہلے مدینہ کی بادشاہت ملنے والی تھی، اسے یہ غصہ تھا کہ میری بات نہیں مانی گئی اس لئے وہ ساتھ چھوڑ رہا تھا، اس کیلئے کوئی بہانہ چاہئے تھا، تو بہانہ یہ نہیں تھا کہ ہم لڑائی سے ناواقف ہیں، بلکہ یہ تھا کہ یہ لڑائی نہیں ہے، ایک طرح کی خودکشی ہے، اور ہم کو وہ منظور نہیں۔

انشدکم:۔ باب نصر سے ہے، اس کے معنی سوال کرنے کے ہیں۔ اللہ منصوب بنزع الخافض ہے، یعنی **انشدکم بالله**۔ اللہ کے واسطے سے میں تم سے سوال کرتا ہوں، یہ لفظاً معناً قسم دینے کیلئے ہے۔

تذکیراً لهم بنعمة الله:۔ غزوہ احد کی شکست کا ملال اور صدمہ مسلمانوں کو بہت تھا، ان کی تسلی اور دل کی تقویت کیلئے اللہ تعالیٰ نے اپنے اس احسان کا ذکر کیا ہے، جو غزوۂ بدر میں مسلمانوں پر ہوا تھا، اسی مناسبت سے غزوہ بدر کا ذکر یہاں آیا۔

موضع بين مكة والمدينة:۔ بدر، مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام ہے۔ جہاں ۱۷؍رمضان ۲ھ میں کفار سے پہلی فیصلہ کن جنگ ہوئی تھی۔

نعمه:۔ تقویٰ کے حصول پر نعمتوں کی شکر گزاری موقوف ہے، دو وجہ سے اول یہ کہ آدمی جتنا متقی ہوگا، اسی قدر اس پر اللہ کی نعمتوں کا فیضان ہوگا، اور اسے شکرگزاری کے مواقع زیادہ مہیا ہوں گے۔ دوسرے یہ کہ تقویٰ کی وجہ سے دل کا سارا تعلق اللہ کے ساتھ ہوگا، تو ہر نعمت کو اور ہر احسان کو وہ اللہ ہی کی طرف سے سمجھے گا، اپنا کوئی کمال نہیں سمجھے گا، اور نہ اپنی سعی وجہد کا اثر جانے گا تو اس کے اندر شکرگزاری کا داعیہ پیدا ہوگا۔

ظرف لنصركم:۔ **اذ تقول** کا تعلق **نصركم** سے ہے، یہ قول غزوہ بدر کے وقت کا ہے

توعدهم تطمينا:۔ یہاں مفسر نے **توعدهم** باب افعال سے لکھا ہے، لیکن معلوم ہے کہ باب افعال سے **اوعد يوعد** کے معنی دھمکی کے ہیں۔ یعنی وعدہ شر کے، اور وعدۂ خیر کے لئے مجرد سے **وعد يعد** آتا ہے، اس لئے یہاں **تعدهم** ہونا چاہئے تھا۔ صاحب جمل نے لکھا ہے کہ جلالین کے بعض نسخوں میں **تعدهم** ہی ہے۔

و فى الانفال بالف الخ:۔ اس آیت کے مضمون اور سورہ انفال کی آیت **اذ تستغيثون ربكم فاستجاب لكم انى ممدكم بالف من الملائكة مردفين**۔ (الانفال:۹) کے مضمون میں بظاہر تعارض ہے، کیونکہ یہاں تین ہزار فرشتوں کی امداد کا ذکر ہے، اور سورۂ انفال کی اس آیت میں ایک ہزار فرشتوں کا ذکر ہے، اس

اشکال کا جواب مفسر نے دیا ہے کہ وعدۂ نصرت کے تین مرحلے ہیں سورۂ انفال میں پہلے مرحلے کا ذکر ہے کہ فرشتوں کی تعداد ایک ہزار ہوگی، جو مسلمانوں کے اطمینان قلب کیلئے اترے گی، پھر یہ تعداد بڑھا کر تین ہزار کر دی گئی اور اس کے بعد کہا گیا کہ اگر کفار کو اچانک کہیں سے کمک مل گئی تو فرشتوں کی تعداد بڑھا کر پانچ ہزار کر دی جائیگی۔ چنانچہ ارشاد ہے **ان تصبروا و تتقوا و یاتوکم من فورھم ھذا یمددکم ربکم بخمسة آلاف من الملائکة مسومین**۔ اگر تم ثابت قدم رہوگے اور اللہ سے ڈرتے رہوگے، اور وہ یعنی کفار تمہارے اوپر اچانک آپڑیں گے تو مدد کیلئے پروردگار کی طرف سے پانچ ہزار نشان والے فرشتے اتر پڑیں گے۔

معلمین : . **مسومین** اگر بکسر الواو ہے، تو تفسیر کا یہ لفظ **معلمین** بکسر اللام پڑھئے، اور اگر **مسومین** بفتح الواو ہے تو **معلمین** بفتح اللام پڑھئے اسم مفعول۔ مطلب یہ ہے کہ خاص علامتوں والے ہوں گے، اس سے مراد یہ ہے کہ ان کی خاص وردیاں ہوں گی جیسا کہ آگے مفسر نے بیان کیا ہے کہ ان کے گھوڑے چتکبرے تھے اور وہ سب صافہ بند تھے، کچھ کے صافے سفید تھے، کچھ کے زرد تھے اور ان کے شملے دونوں کاندھوں کے درمیان لٹک رہے تھے۔

بالنصر : ۔ اللہ نے جو امداد بھیجی تھی، وہ اس لئے نہ تھی کہ فرشتے اپنی طاقت سے کفار کو نیست و نابود کر دیں بلکہ اس لئے کہ مسلمانوں کو فتح کی خوش خبری مل جائے اور یہ بہادری کے ساتھ حوصلہ مندی سے لڑیں، اور اس لئے تا کہ ان کے دل مطمئن رہیں۔

﴿مضامین آیات و تفسیر﴾

اس سے پہلے والے رکوع میں ذکر تھا کہ اگر اہل ایمان صبر و تقویٰ سے کام لیں تو کفار کی سازش ان کا کچھ بگاڑ نہیں سکتی، اس رکوع میں دو نمونے ذکر کئے گئے ہیں، ایک نمونہ صبر و تقویٰ میں کمی کا، اور دوسرا اس میں پورا اترنے کا، پہلے نمونہ کو صراحۃً نہیں ذکر کیا ہے، بلکہ ایک بہت لطیف اشارے کے پیرائے میں اس کا تذکرہ ہوا ہے، وہ یہ کہ غزوہ احد میں صحابہ کی ایک جماعت نے جنگ کے شروع ہونے سے پہلے مدینہ کے باہر نکل کر جنگ کرنے پر منشائے رسول کے خلاف اصرار کیا تھا، اور پھر آپ اس کے لئے تیار ہو گئے تھے، اس میں یہ لغزش ہوئی کہ شوق جہاد میں انھوں نے منشائے رسالت پر زیادہ دھیان نہیں دیا، پھر دوسرا قصور یہ ہوا کہ تیر اندازوں میں کچھ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی مرضی کے خلاف مسلمانوں کی فتح یابی کی صورت میں جگہ چھوڑ دی تھی، تیسری بات یہ ہوئی کہ افراتفری میں لوگ منتشر ہو گئے، اس میں پہلی بات تو مشورہ کی مجلس میں ہوئی تھی، وہ تو قطعاً اجتہادی خطا تھی، جس پر مواخذہ نہیں، دوسری غلطی میں رسول اللہ ﷺ کا صریح حکم موجود تھا کہ یہاں سے نہ ہٹنا، مگر کچھ حضرات نے اجتہاد کیا اور اب ٹھہرنے کی ضرورت نہیں سمجھی، یہ غلطی پہلی سے اہم تھی، لیکن اس میں بھی اجتہاد کا دخل تھا، گو بے موقع

اجتہادی تھا، تیسری غلطی یہ تھی کہ بہت سے حضرات نے میدان چھوڑ دیا تھا، یہ غلطی پہلی دونوں غلطیوں سے بڑی تھی، یہاں صبر وتقویٰ میں قصور ہوا، اور مسلمانوں کو کفار سے نقصان پہونچا، لیکن اللہ تعالیٰ کی مہربانی دیکھئے کہ ان غلطیوں میں سے یہاں کسی غلطی کا تذکرہ نہیں کیا، صرف واقعہ احد کا ایک ہلکا سا تذکرہ کیا اور معاً بعد غزوۂ بدر میں اپنی نصرت کا تذکرہ فرمایا، اس سے ایک لطیف اشارہ نکلا کہ غزوہ احد میں جو نصرت کا وہ انداز نہیں ہوا جو غزوہ میں بدر تھا تو اس کا باعث وہی ہوا جس کا تذکرہ اس سے پہلے والے رکوع میں ہوا تھا، یعنی صبر وتقویٰ میں کچھ قصور، اس قصور کا دنیا میں جو لازمی نتیجہ تھا۔ یعنی قدرے نقصان وہ تو ہوا، مگر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے یہ لوگ بچے رہے، کیوں کہ پہلے دونوں قصوروں میں تو اجتہاد کا دخل تھا اور تیسری غلطی اس لئے ہوئی کہ اضطرار جیسی کیفیت حضرات صحابہ پر چھا گئی تھی کیوں کہ شیطان نے پکار دیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ شہید ہو گئے ہیں، اس اضطرار میں لوگوں کے قدم اکھڑ گئے تھے، ان میں سے بعض غلطیوں کا قرآن کریم کی اسی سورت میں تذکرہ آیا ہے، مگر علیحدہ علیحدہ، اور سرزنش کے پیرائے میں نہیں، بلکہ ان کی طرف سے معذرت، معافی کے پیرائے میں، دوسرا نمونہ غزوہ بدر میں صبر وتقویٰ کے نتیجے میں نصرت الٰہی کا ہے۔

اس تمہید کے بعد اس رکوع کے مضامین کا مطالعہ کیجئے، فرماتے ہیں کہ اس وقت کو یاد کرو جب تم علی الصباح گھر سے نکلے اور میدان احد میں لوگوں کو لڑائی کیلئے مناسب مقامات پر کھڑا کر رہے تھے، اور تم میں سے دو گروہوں کے دل ڈگمگا رہے تھے، عبد اللہ بن ابی منافق تو اپنے جرگہ کو لے کر چلا ہی گیا تھا، یہ دو قبیلے بنوسلمہ اور بنو حارثہ کے دل بھی خیالات بد میں مبتلا تھے، لیکن اللہ ان کا حامی و ناصر تھا، پھر وہ جم گئے، اور بھروسہ تو اللہ تعالیٰ پر ہی کرنا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ نے تو تمہاری اس وقت مدد کی تھی، جب تم کمزور تھے، فوج بھی بہت کم تھی، اور سامان جنگ بھی بہت قلیل تھا مگر اللہ تعالیٰ نے تمہیں کامیابی بخشی یعنی بدر کے میدان میں اس لئے اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، اس کے بعد تم شکر گزار بندے بنو گے، اس وقت اے نبی تم اہل ایمان سے کہہ رہے تھے اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد تین ہزار فرشتوں کا اتار کر کریں تو کیا تم کو یہ کافی نہیں ہے؟

کیوں نہیں کافی تو یہی ہے، لیکن سنو اگر تم صبر وتقویٰ پر کاربند رہو اور فوری طور پر اچانک دشمنوں کی فوج آجائے، یعنی ان کی کہیں سے مدد آجائے، تو اللہ تعالیٰ پانچ ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد فرمائیں گے۔ یہ مدد اس لئے ہے تاکہ تم کو فتح کی بشارت حاصل ہو اور تمہارے دلوں کو اطمینان رہے، اور مدد کا تعلق تو اللہ تعالیٰ ہی سے ہے، جو عزیز و حکیم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے کہ کافروں کا ایک حصہ ہلاک ہو جائے یا وہ کمزور پڑ جائیں اور نامراد ہو کر یہاں سے لوٹیں۔

رسول اللہ کو غزوہ احد کے واقعات اور مسلمانوں کی تکلیف کا بڑا صدمہ تھا۔ خود آپ کو زخم کی تکلیف شدید ہوئی تھی، چہرۂ انور لہولہان ہو گیا تھا۔ آپ کو رنج تھا۔ آپ فرما رہے تھے کہ جس قوم نے اپنے نبی کا چہرہ خون سے بھر دیا ہو، وہ بھلا کیسے فلاح پا سکتی ہو۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ سب معاملات تمہارے قبضہ واختیار کے نہیں ہیں۔ سب کچھ خدا کے ہاتھ میں ہے، تم تو صبر کئے جاؤ، اللہ کو منظور ہو گا، تو انہیں توبہ وہدایت کی توفیق ملے گی، یا انہیں منظور ہو گا تو انہیں مبتلائے عذاب کریں گے۔ یہ تو ظالم ہیں ہی۔ اور آسمان میں جو کچھ ہے اور زمین میں جو کچھ ہے، سب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔ انہیں کی ملکیت میں ہے، وہی سب کے خالق ہیں، وہی سب کے آقا و پروردگار ہیں، مغفرت وعذاب سب ان کے ہاتھ میں ہے چاہیں تو بخشیں اور چاہیں تو عذاب دیں، اور اللہ تعالیٰ بخش دینے والے، رحمت والے ہیں۔

☆☆☆☆☆

﴿ يٰاَ يُّهَا الَّذِيْنَ لَا تَاكُلُوْا الرِّبٰوا اَضْعَافاً مُّضٰعَفَةً ﴾ بالف و دونها بان تزيدوا فى المال عند حلول الاجل و تؤخروا الطلب ﴿ وَاتَّقُوْا اللّٰهَ ﴾ بتركه ﴿ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾ تفوزون . ﴿وَاتَّقُوْا النَّارَ الَّتِىْ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴾ ان تعذبوا بها ﴿ وَاَطِيْعُوْا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ وَ سَارِعُوْا ﴾بواو و دونها ﴿ اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰاتُ وَالْاَرْضُ ﴾ اى كعرضهما لو وصلت احدٰهما بالاخرىٰ والعرض السعة ﴿ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴾ الله بعمل الطاعات وترک المعاصى ﴿ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ ﴾ فى طاعة الله ﴿ فِى السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ ﴾ اى اليسر والعسر ﴿ وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ ﴾ الكافين عن امضائه مع القدرة ﴿وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ﴾ ممن ظلمهم اى التاركين عقوبته ﴿ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ بهذه الافعال اى يثيبهم ﴿وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً ﴾ ذنبا قبيحاً كالزنا ﴿ اَوْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ ﴾ بما دونه كالقبلة ﴿ذَكَرُوْا اللّٰهَ﴾ اى وعيده ﴿ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ ﴾ اى لا ﴿ يَّغْفِرِ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا﴾ يديموا ﴿ عَلٰى مَا فَعَلُوْا ﴾ بل اقلعوا عنه ﴿ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴾ ان الذى اتوه معصية ﴿اُولٰٓئِکَ جَزَاءُ هُمْ مَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ جَنّٰتٌ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ ﴾ حال مقدرة اى مقدرين الخلود ﴿فِيْهَا﴾ اذا دخلوها ﴿ وَ نِعْمَ اَجْرُ الْعَامِلِيْنَ ﴾ بالطاعة هذا الاجر و نزل فى هزيمة احد ﴿قَدْ خَلَتْ ﴾ مضت ﴿مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ﴾ طرائق فى الكفار بامهالهم ثم اخذهم ﴿ فَسِيْرُوْا ﴾ ايها المؤمنون ﴿ فِى الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴾ الرسل اى آخر امرهم من الهلاک فلاتحزنوا لغلبتهم فانا امهلهم لوقتهم ﴿هٰذَا﴾ القرآن

﴿بَیَانٌ لِّلنَّاسِ﴾ کلھم ﴿وَھُدًی﴾ من الضلالۃ ﴿وَمَوْعِظَۃٌ لِّلْمُتَّقِیْنَ﴾ منھم ﴿وَلَا تَھِنُوْا﴾ تضعفوا عن قتال الکفار ﴿وَلَا تَحْزَنُوْا﴾ علی ما اصابکم باحد ﴿وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ﴾ بالغلبۃ علیھم ﴿اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ﴾ حقا و جوابہ دل علیہ مجموع ما قبلہ ﴿اِنْ یَّمْسَسْکُمْ﴾ یصبکم باحد ﴿قَرْحٌ﴾ بفتح القاف وضمھا جھد من جرح و نحوہ ﴿فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ﴾ الکفار ﴿قَرْحٌ مِّثْلُہٗ﴾ ببدر ﴿وَتِلْکَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُھَا﴾ نصرفھا ﴿بَیْنَ النَّاسِ﴾ یوما لفرقۃ و یوما لاخریٰ لیتعظوا ﴿وَ لِیَعْلَمَ اللّٰہُ﴾ علم ظھور ﴿الَّذِیْنَ آمَنُوْا﴾ اخلصوا فی ایمانھم من غیرھم ﴿وَیَتَّخِذَ مِنْکُمْ شُھَدَاءَ﴾ یکرمھم بالشھادۃ ﴿وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ﴾ الکافرین ای یعاقبھم وما ینعم بہ علیھم استدراج ﴿وَلِیُمَحِّصَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ آمَنُوْا﴾ یطھرھم من الذنوب بما یصیبھم ﴿وَیَمْحَقُ﴾ یھلک ﴿الْکَافِرِیْنَ اَمْ﴾ بل أ ﴿حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّۃَ وَلَمَّا﴾ لم ﴿یَعْلَمِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ جَاھَدُوْا مِنْکُمْ﴾ علم ظھور ﴿وَیَعْلَمِ الصّٰبِرِیْنَ﴾ فی الشدائد ﴿وَلَقَدْ کُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ﴾ فیہ حذف احدی التائین فی الاصل ﴿الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْہُ﴾ حیث قلتم لیت لنا یوما کیوم بدر لننال ما نال شھداءہ ﴿فَقَدْ رَاَیْتُمُوْہُ﴾ ای سببہ وھو الحرب ﴿وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ﴾ ای بصراء تتاملون الحال کیف ھی فلم انھزمتم۔

﴿ترجمہ﴾

(اے ایمان والو! دونا چوگنا کر کے سود نہ کھاؤ) مضاعفۃ الف کے ساتھ بھی ہے اور بغیر الف کے بھی۔ اس کا طریقہ یہ تھا کہ مدت قرض پوری ہونے کے بعد سود میں اضافہ کر دیتے تھے اور مطالبے کو موخر کر دیتے تھے (اور) اسے چھوڑ کر (اللہ سے ڈرو تا کہ تمہارا بھلا ہو، اور بچو اس آگ سے، جو کافروں کے واسطے تیار ہوئی ہے) کہ اس میں تمہیں عذاب دیا جائے (اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو تا کہ تم پر رحم ہو اور دوڑو) واو عاطفہ کے ساتھ اور بغیر واو کے بھی (اپنے رب کی بخشش کی طرف اور اس جنت کی طرف، جس کا عرض آسمان و زمین ہے) یعنی تمام زمین و آسمان کو ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دیا جائے، تو اس کے برابر عرض ہے، عرض کے معنی وسعت کے ہیں (ان لوگوں کے لئے تیار ہوئی ہے جو) طاعت پر عمل کر کے اور معاصی کو ترک کر کے (اللہ سے ڈرنے والے ہیں، جو لوگ) اللہ کی طاعت میں (خوشی میں بھی اور تکلیف میں بھی) یعنی خوشحالی میں بھی اور بدحالی میں بھی (خرچ کرتے ہیں، اور غصہ کو دبا لینے والے ہیں) یعنی قدرت کے باوجود غصہ کو نافذ کرنے سے باز رہتے ہیں (اور لوگوں کو) جنھوں نے ان پر ظلم کیا ہے (معاف کرنے والے ہیں) یعنی ان کو سزا نہیں دیتے (اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے محبت فرماتے ہیں) یعنی انھیں ثواب دیتے ہیں جو ان کاموں کو کر کے (نیکی کرنے والے

ہیں، اور وہ لوگ کہ جب وہ کسی فاحشہ کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں) یعنی بیحیائی کا گناہ جیسے زنا (یا اپنے اوپر) اس سے ہلکا کام کر کے مثلا بوسہ دیکر (ظلم کرتے ہیں، تو اللہ کو) یعنی اس کی وعید کو (یاد کرتے ہیں، پس اپنے گناہوں کی بخشش مانگتے ہیں، اور اللہ کے علاوہ گناہوں کی مغفرت کون کرسکتا ہے) یعنی کوئی نہیں کرسکتا (اور جو کچھ انھوں نے کیا ہے، اس پر اصرار نہیں کرتے ۔) بلکہ اس سے دور ہٹ جاتے ہیں (اور وہ جانتے ہیں) کہ جو کچھ انھوں نے کہا ہے، وہ معصیت ہے (یہی لوگ ہیں کہ ان کی جزاء ان کے رب کی جانب سے مغفرت ہے، اور ایسے باغ ہیں، جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ان میں ہمیشہ رہیں گے) **خالدین** حال مقدرہ ہے یعنی **مقدرین الخلود فیھا اذا دخلوھا** ۔ (اور کیا خوب) یہ (اجر ہے، ان لوگوں کا جو) طاعت کا (عمل کرتے ہیں)

احد کی ہزیمت کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی کہ (تم سے پہلے واقعات گزر چکے ہیں) یعنی کفار کی مہلت کے اور پھر اس کے بعد ان کی گرفت کے (پس) اے ایمان والو! (تم زمین پر چلو پھرو، پس دیکھو کہ ان لوگوں کا کیا انجام ہوا جو) رسولوں کو (جھٹلاتے تھے) یعنی ان کا آخری انجام ہلاکت ہوا، اس لئے ان کے غلبہ کی وجہ سے رنجیدہ نہ ہو، میں انھیں ان کے وقت تک مہلت دے رہا ہوں (یہ) قرآن تمام (لوگوں کے واسطے بیان ہے اور) گمراہی سے (ہدایت ہے اور) ان میں سے (اہل تقوی کے لئے نصیحت ہے، اور سست نہ ہو) یعنی کفار کی جنگ سے کمزور نہ پڑو (اور) جو کچھ احد میں تم پر مصیبت آئی اس سے (رنجیدہ نہ ہو، اور تمہیں لوگ) ان پر غلبہ پا کر (سر بلند رہو گے ۔ اگر تم) سچے (مومن ہو) شرط کے جواب پر ماقبل کا مجموعی کلام دلالت کرتا ہے (اگر تم کو) احد میں (زخم کا صدمہ پہونچا ہے) **قرح** قاف کے فتحہ اور اس کے ضمہ کے ساتھ ہے، زخم وغیرہ کی مشقت اور صدمہ (تو قوم) یعنی کفار (کو اسی جیسا زخم) بدر میں (لگ چکا ہے، اور یہ دن، ہم اسے لوگوں کے درمیان باری باری بدلتے رہتے ہیں) کسی دن ایک فرقہ کے لئے، کسی دن دوسرے فرقے کے لئے، تاکہ عبرت حاصل کریں (اور اس لئے کہ اللہ تعالیٰ) علم ظہور کے طور پر (جان لیں ایمان والوں کو) جو اپنے ایمان میں مخلص ہیں، وہ دوسروں سے ممتاز ہو جائیں (اور تم میں سے بعض کو شہادت سے نوازیں، اور اللہ تعالیٰ ظالموں سے محبت نہیں کرتے) یعنی کافروں سے، انھیں سزا دیں گے، اور ان پر جو انعام دکھائی دیتا ہے، وہ استدراج ہے (اور اس لئے تاکہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو) مصائب کی وجہ سے گناہوں سے (پاک وصاف کر دیں، اور کافروں کو ہلاک کر دیں، بلکہ کیا تم نے گمان کر رکھا ہے کہ جنت میں تمہیں داخلہ مل جائے گا، حالانکہ ہنوز اللہ تعالیٰ نے تم میں سے ان لوگوں کو نہیں جانا ہے) یعنی بطور ظہور کے (جنھوں نے جہاد کیا، اور جو) شدائد میں (جمنے والے ہیں، اور بے شک تم لوگ تو اس مقابلے سے پہلے موت کی تمنا کرتے تھے) **تمنون** میں اصل میں ایک تاء کا حذف ہے، تم نے کہا تھا کہ کاش ہمارے لئے بھی بدر جیسا دن ہوتا کہ ہم کو بھی وہ بات حاصل ہوتی جو بدر کے شہداء کو حاصل ہوئی تھی (تو تم نے اسے دیکھ لیا) اس

کے سبب یعنی لڑائی کو (اور تم لوگ غور کر رہے تھے) کہ یہ حال کیسا ہے، پھر کیوں تم بھاگے۔

﴿تشریحات﴾

بالف و دونها :–**مضاعفة** میں دو قرآت ہے، الف کے ساتھ یعنی باب مفاعلت سے، اور بغیر الف کے یعنی باب افعال سے **اضعاف مضاعفة** کا طریقہ یہ ہے کہ قرض کا وقت پورا ہو گیا اور مقروض ادا نہ کر سکا تو اصل اور سود کے مجموعہ پر پھر سود بڑھا دیتے تھے اور مطالبہ کو موخر کر دیتے تھے، اس طرح سود در سود بڑھتا رہتا تھا، اور بسا اوقات اصل سے سود بہت بڑھ جاتا تھا۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جب معاملہ سود در سود کا ہو جبھی سود حرام ہو، چونکہ عام طور سے سود کی یہی صورت ہوتی ہے، اس لئے اس کو خصوصیت سے ذکر کر دیا، ورنہ اگر سود مفرد بھی ہو، تب بھی حرام ہے۔

ان تعذبوا بها :. **النار** سے بدل اشتمال ہے، جہنم سے بچنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے عذاب سے بچا جائے۔

و سارعوا :۔اس لفظ میں دو قرأت ہے، واو عاطفہ کے ساتھ **و اطیعو االله** پر عطف ہے، اور بغیر واو عاطفہ کے، تب یہ جملہ مستانفہ ہے۔

کعرضها لو وصلت احداهما الخ:۔زمین و آسمان سب کو اکٹھا کر کے ایک کو دوسرے کے ساتھ جوڑ دیا جائے تو اندازہ کرو کتنی وسعت ہوگی، اسی سے جنت کی وسعت کا اندازہ کرلو

والعرض السعة :۔مفسر نے فرمایا کہ یہاں عرض وہ نہیں ہے، جو طول کے مقابلے میں ہے، بلکہ مطلق وسعت کے معنی میں ہے۔

بعمل الطاعات و ترک المعاصی :۔ یہ اللہ کے تقویٰ کا مصداق اور اس کا طریقہ بتایا گیا ہے کہ طاعات پر عمل کرنا، طاعات ظاہری پر بھی اور طاعت باطنی پر بھی، اور تمام گناہوں کا ترک کر دینا، یہی تقویٰ ہے، اور یہی حصول تقویٰ کا ذریعہ بھی ہے۔

فی طاعة الله :۔جس انفاق کی تعریف کی جا رہی ہے، وہ مطلق انفاق نہیں ہے، ورنہ یہ انفاق تو ہر شخص کرتا ہے، یہاں وہ انفاق ہے جو اللہ تعالیٰ کی طاعت میں ہو۔

الکافین عن امضائه :۔یعنی صبر کر لیتے ہیں اور ان کے چہرے بشرے پر بھی غصہ کے آثار نہیں ظاہر ہوتے۔

مع القدرة :۔کمال ضبط یہی ہے کہ غصہ کو نافذ کرنے کی طاقت ہے، مگر آدمی اسے پی جائے۔ حدیث میں ہے: **من کظم غیظا وهو یقدر علی انفاذه ملأ الله قلبه امناً و ایماناً** (احمد وابوداؤد) جس نے غصہ کو ضبط کر لیا، جبکہ وہ اس کے نافذ کرنے پر قدرت رکھتا تھا تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو امن و سکون اور ایمان سے بھر دیتے

ہیں۔ کظم کے معنی روکنے کے ہیں

ممن ظلمهم :۔ یہ والعافین عن الناس میں الناس کا بیان ہے، یعنی وہ لوگ جو ان پر ظلم کرتے ہیں، انہیں معاف کر دیتے ہیں۔

التار کین عقوبتهم :۔ معاف کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان سے کوئی بدلہ نہیں لیتے، انہیں کوئی سزا نہیں دیتے۔

بهذه الافعال ای یثیبهم :۔ جو لوگ نیکی کے مذکورہ بالا اعمال کرتے ہیں، وہ محسن ہیں، اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرتے ہیں، یعنی انہیں ثواب عطا فرماتے ہیں، محبت کی نسبت جب اللہ کی طرف ہوتی ہے، اس کی بحث پچھلے صفحات میں گزر چکی ہے، ملاحظہ فرمالیں۔

ذنباً قبیحاً :۔ فاحشہ سے مراد بڑا گناہ ہے، جس کا گناہ ہونا بھی ظاہر ہے، اور اسے لوگ بڑا بھی سمجھتے ہیں، اور **ظلموا انفسهم** سے کم درجے کا گناہ مراد ہے۔

وعیده :۔ اللہ کو یاد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی دھمکی کو یاد کرتے ہیں، جو گناہوں پر ہے۔

حال مقدرة **ای مقدرین الخلود فیها** ۔ خالدین حال ہے، اس کا ذوالحال جزاء هم میں هم ضمیر ہے، کیونکہ وہ معنی کے اعتبار سے مفعول بہ ہے کیوں کہ معنی یوں ہوگا۔ **یجزیهم الله جنات تجری من تحتها الانهار فی حال خلودهم** .

حال کے باب میں قاعدہ یہ ہے کہ حال کا زمانہ اور عامل کا زمانہ متحد ہوتا ہے۔ **جاء نی زید راکباً** میں **جاء** کا زمانہ اور **راکباً** کا زمانہ متحد ہے، ایسا نہیں ہوسکتا کہ عامل کا زمانہ پہلے ہو، اور حال کا زمانہ بعد میں ہو، لیکن اس جگہ ہم دیکھتے ہیں کہ جزاء کا زمانہ جو کہ عامل ہے پہلے ہے کیونکہ خلود تو اس جزا کے حاصل ہونے اور جنت میں داخل ہونے کے بعد ہوگا۔ تو جزا دخول جنت سے حاصل ہوگئی، اور خلود اس کے بعد ہوگا۔

مفسر نے اس اشکال کا جواب دیا کہ یہ حال، جس کا زمانہ عامل کے زمانہ کے بعد ہے، حال مقدرہ کہلاتا ہے، یہاں درحقیقت حال **خالدین** نہیں ہے بلکہ تقدیر وتعیین خلود ہے، اور ظاہر ہے کہ جزاء کا زمانہ اور تقدیر خلود کا زمانہ ایک ہی ہے، عبارت اس طرح ہوگی۔ **اولٰئک جزاء هم مغفرة من ربهم جنات تجری من تحتهم الانهار مقدرین الخلود فیها اذا دخلوها** ۔ یعنی یہی لوگ ہیں جن کا بدلہ ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے اور ایسے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، اس حال میں کہ جب اس میں داخل ہوں گے، اسی وقت ان کے حق میں جنت کے اندر خلود متعین ہوگا۔

هذا الاجر :. **نعم اجر العاملین** میں نعم فعل مدح ہے، **اجر العاملین** فاعل ہے، اور مخصوص بالمدح محذوف ہے، یعنی **هذا لاجر**

ونزلت فی ھزیمۃ احد :۔غزوۂ احد میں اہل اسلام کو جو نقصان پہونچا، اس کا مسلمانوں کو شدید رنج اور صدمہ تھا، ایک صدمہ تو ہزیمت کا، دوسرے رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کا، یہ بہت شدید تھا، پھر اس کے نتیجے میں خود رسول اللہ ﷺ کا زخمی ہونا، بلکہ آپ کی شہادت کی افواہ کا اڑ جانا یہ حضرات صحابہ کیلئے بہت زیادہ قلبی تکلیف کا باعث تھا۔ پھر مزید یہ کہ ان سب حالات سے رسول اللہ ﷺ کی آزردگی کا اندیشہ اور سوہان روح تھا۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کی تسلی اور تقویت قلب کیلئے **قد خلت من قبلکم الخ** کو نازل فرمایا۔

بامھالھم ثم اخذھم :۔اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ اس سے پہلے بھی کفار کو انبیاء کے مقابلے میں اس طرح کی مہلت دی گئی ہے، لیکن وہ ان کی فتح نہ تھی۔ شکست کی تمہید تھی، پھر وہ اللہ کی گرفت میں مبتلا ہوئے، وہی طریقہ یہاں بھی ہوگا، جس وقت یہ آیات نازل ہوئی تھیں۔ یہ ایک پیشین گوئی تھی، دنیا نے اس کے بعد جلد ہی اس کی صداقت دیکھ لی۔

الرسل :۔ یہ **المکذبین** کا مفعول بہ ہے، رسولوں کی تکذیب کرنیوالوں کا آخری انجام ہلاکت ہے، تو اس عارضی غلبہ سے دل شکستہ نہ ہو۔

للناس کلھم :۔ یہ قرآن تمام انسانوں کیلئے حق وصداقت کی وضاحت ہے، چنانچہ تمام عالم انسانیت کے سامنے ان مقابلوں اور جہادوں کے ذریعے، اور شکست وفتح کے واسطے سے حق واضح ہو چکا ہے۔

تضعفوا عن قتال الکفار :۔اس عارضی شکست کی وجہ سے تمہارے دلوں میں یہ کمزوری نہیں آنی چاہئے، ہوا یہ کہ ابھی یہ زخم خوردہ شکستہ فوج میدان احد میں اپنی قوت کو سمیٹ رہی تھی کہ خبر پھیل گئی کہ کفار جو میدان چھوڑ کر مکہ کی طرف کوچ کر چکے تھے، وہ پلٹ کر دوبارہ حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ خبر سن کر حضرات صحابہ کو ان کے مقابلے کیلئے تیاری کا حکم دیا، اس وقت فوج پر افسردگی طاری تھی، یہ افسردگی حرکت وعمل میں ظاہر ہونا چاہتی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ٹوکا، اور اپنی ان ہدایات کے ذریعے انہیں تازہ دم کر دیا۔

جوابہ دل علیہ مجموع ما قبلہ :. **ان کنتم مومنین** شرط ہے، اس کی جزا محذوف ہے، اور اس جزائے محذوف کا قرینہ ماقبل کے کلام کا مجموعہ ہے، یعنی **ان کنتم مومنین فسیروا فی الارض ولا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون** .

بفتح القاف و ضمھا :. **قرح** میں یہ دونوں لغتیں ہیں، معنی ایک ہی ہے، اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ فتحہ کے ساتھ زخم کے معنی میں ہے اور **بالضم** زخم کی تکلیف کے معنی میں ہے۔

نصرفھا :. **نداول، مداولت** سے ہے، اس کے معنی ہیں باری باری یکے بعد دیگرے کسی چیز کو لینا، مطلب یہ ہے کہ دنیا کے ایام میں نوبت بہ نوبت سب کی شرکت ہوتی ہے، کبھی ایک گروہ کا غلبہ ہوتا ہے تو کبھی دوسرا گروہ

غالب ہوتا ہے، اس میں کفر وایمان کی تخصیص نہیں ہے۔ آخرت میں مداولت کا یہ سلسلہ ختم ہو جائے گا، اس مداولت کا فائدہ یہ ہے کہ دوسروں کیلئے عبرت ونصیحت بنے۔

لیتعظوا :۔حضرت مفسر نے نداولها کی تعلیل میں لیتعظوا کواس لئے مقدر مانا ہے کہ اس پر آگے والے جملہ ولیعلم الله اوراس کے بعد والے معطوفات یعنی ویتخذ منکم اور ولیمحص اللہ اور ویمحق کا عطف ہو سکے، ورنہ لفظوں میں ان معطوفات کا معطوف علیہ موجود نہیں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ مداولة کی پانچ علتیں بیان کی گئیں، اول عبرت پذیری، دوسرے مخلصین کا ظاہر ہونا، تیسرے کچھ لوگوں کو شہادت سے سرفراز کرنا، چوتھے اہل ایمان کی گناہوں سے تطہیر، پانچویں کفار کا خاتمہ، ان میں سے پہلی علت تو مفسر نے مضمون کلام کی روشنی میں مقدر مانی ہے، تاکہ اسے معطوف علیہ قرار دیا جائے، اس کے بعد کی چار علتیں قرآن کریم میں مذکور ہیں، ان چار میں پہلی تین کا تعلق اہل ایمان سے ہے، اور آخری ایک کا تعلق کفار سے ہے۔

(ولیعلم الله): علم ظهور مداولت کی ایک علت یہ بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو جو کہ اپنے ایمان میں مخلص ہیں جان لیں، اس پر سوال ہے کہ کیا پہلے سے اللہ تعالیٰ کو ان کا علم نہ تھا؟ اس کا جواب مفسر علم ظهور کا لفظ ذکر کر کے دیا۔ بات یہ ہے کہ علم کا دو درجہ ہے۔ ایک یہ کہ کسی واقعہ کے ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے، اور وہ ٹھیک اسی طرح واقع ہوگا۔ جیسا اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے، یہ "علم ثبوت" ہے اور دوسرا درجہ یہ ہے کہ وہ واقعہ اپنے وقت پر ظاہر ہو گیا۔ اس وقت کا علم "علم ظہور" کہلاتا ہے، یہ نہ تو علم کی تجدید ہے، اور نہ کوئی نیا علم ہے۔ بلکہ اس علم کا خارجی دنیا میں ظہور ہے، جس کی وجہ سے اللہ کے علاوہ بندگانِ خدا بھی اس کو جان لیتے ہیں، یہاں جو اللہ تعالیٰ نے ولیعلم الله فرمایا، اس سے علم ظہور مراد ہے۔ پس کوئی اشکال نہیں۔

ای یعاقبهم :. لا یجب کا معنی اپنے انتہائی مرتبے کے لحاظ سے عقاب کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے، محبت کی نسبت اللہ کی طرف ہو، تو اسکی بحث پہلے گذر چکی ہے،

یطهرهم من الذنوب بما یصیبهمَ ۔مصیبت کی وجہ سے انسان کی گناہوں سے تطہیر ہو جاتی ہے۔

بل أ. ام حسبتم میں ام منقطعہ ہے، جو بل اور ہمزۂ استفہام پر مشتمل ہے، بل اضراب کے لئے ہے، یعنی اللہ تعالے تسلی وتقویت سے ہٹ کر یہاں قدرے تنبیہ فرما رہے ہیں، ہمزہ استفہام، انکار کے لئے ہے۔

﴿ولما﴾ لم﴿یعلم الله الذین جاهدوا منکم﴾ علم ظهور علم ظہور. لما ماضی میں وقت تکلم تک نفی کے استمرار کو بتاتا ہے، آگے اس کے اثبات کی توقع ہوتی ہے، جیسے ان الرجل قد دخل المسجد ولما یصل، آدمی مسجد میں داخل تو ہو گیا، مگر ابھی تک نماز نہیں پڑھی ہے، اس میں داخل ہونے کے وقت سے تکلم کے

وقت تک نماز پڑنے کی نفی مستمر ہے، لیکن یہ بات ہے کہ نماز پڑھنے کی توقع ہے، جب یہ لما ، یعلم اللہ پر داخل ہوا تو اس کا معنیٰ یہ ہوا کہ ابھی تک اللہ تعالیٰ نے نہیں جانا ہے، مگر توقع جاننے کی ہے، ظاہر ہے کے یہ معنیٰ خدا تعالیٰ کی نسبت سے غلط ہے، اسلئے مفسر نے اسے مطلق نفی کے معنیٰ میں لیا ہے، اور لم سے اس کا ترجمہ کیا، اور مراد علم سے علم ظہور ہے، تفصیل اوپر گذر چکی ہے۔

ای سببه وهو الحرب فقد رأیتموه میں ضمیر غائب مفعول کا مرجع الموت ہے، یعنی موت کو تم نے دیکھ لیا، سوال یہ ہے کہ موت تو ایک معنوی چیز ہے، اس کا تعلق دیکھنے سے کیسے ہوگا۔ مفسر نے اس کا جواب دیا کہ موت کو دیکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے سبب کا دیکھنا اور موت کا سبب اس جگہ جنگ ہے، اسے دیکھا، اس کے ضمن میں موت کو دیکھا۔ رأیتم ، یہاں افعال قلوب میں سے نہیں ہے، بلکہ اس سے رویت بصری مراد ہے، اسی لئے ایک ہی مفعول پر اکتفا کیا گیا ہے۔

ای بصراء تتاملون الحال :فقد رأیتموه میں رویت سے مراد رویت بصری ہے، اس کے بعد وانتم تنظرون فرمایا، اس نظر سے مراد نظر قلبی ہے، اسی لئے مفسر نے اس کے ترجمے میں بصراء تتاملون الحال ذکر فرمایا۔ بصراء، بصیر کی جمع ہے، اس کا اطلاق صاحب عقل وفہم پر ہوتا ہے، اور تتاملون الحال تو اس معنی میں بالکل واضح ہے، اللہ تعالیٰ نے رویت بصری کے ساتھ نظر قلبی کو جمع کر کے تاکید پیدا کی ہے۔

مضامین آیات وتفسیر

ایمان والوں سے اللہ تعالیٰ خطاب فرماتے ہیں کہ آپس میں سودی کاروبار نہ کرو، اس میں بظاہر نفع تو ضرور ہے کہ مال اپنی اصل سے بڑھ کر دوگنا بلکہ کئی گنا ہو جاتا ہے، مگر اس باب میں اللہ سے ڈرو، یہی کامیابی اور فلاح کا زینہ ہے، اور جہنم سے بچنے کا اہتمام کرو، وہ درحقیقت کافروں کے لئے بنائی گئی ہے۔ تمہارے لئے، تم کو اگر اس میں عذاب دیا جائے تو بڑے ننگ کی بات ہے، اور اللہ ورسول کی فرمانبرداری کرو، تم پر رحمتوں کا نزول ہوگا۔ اور اپنے رب کی مغفرت اور جنت کی طرف لپکو، اس کی وسعت سارے زمین وآسمان کے مثل ہے، یہ جنت اہل تقویٰ کیلئے بنائی گئی ہے، تو جو گھر تمہارے لئے ہے اسی میں جانے کی کوشش کرو، کفار کے گھر سے دور بھاگو، یہ اہل تقویٰ کون ہیں؟ (۱) وہ ہیں جو اللہ کی طاعت میں اپنا مال ہر حال میں خرچ کرتے ہیں، خواہ وہ خوشحال ہوں یا تنگ دست ہوں (۲) اور جو اپنے غصہ کو ضبط کرنے والے ہیں کہ باوجود قدرت کے غصہ کے تقاضے کو دبا کر رکھتے ہیں (۳) اور جو لوگوں سے درگزر کرتے ہیں، ظلم کرنے والوں کو بھی مبتلائے عقوبت نہیں کرتے ، اللہ تعالیٰ ان نیکیوں اور جو لوگ یہ نیکیاں کرتے ہیں ، ان سے محبت رکھتے ہیں (۴) اور جن سے کبھی بڑا یا چھوٹا گناہ صادر ہو جاتا ہے، تو انہیں اللہ تعالیٰ اور ان کی وعیدیں یاد آجاتی ہیں اور وہ اپنے گناہوں کی معافی چاہنے لگتے ہیں۔ اور

ظاہر ہے کہ اللہ کے علاوہ اور کون ہے جو گناہوں کو معاف کرے، اور وہ جان لینے کے بعد گناہ پر اصرار نہیں کرتے بلکہ اسے ترک کر دیتے ہیں۔

یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کی جزا پروردگار کی طرف سے مغفرت ہے، اور ایسی جنتیں ہیں، جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے اور یہ کارگزاروں کا بہترین معاوضہ ہے۔

تم کو احد کی شکست کا غم ہے، تو سمجھ لو کہ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، تم سے پہلے بھی ایسے واقعات ہو چکے ہیں کہ کفار کو مہلت دی گئی، پھر انہیں گرفتار کیا گیا، تمہارا جی چاہے تو گھوم پھر کر دیکھ لو کہ رسولوں کو جن لوگوں نے جھٹلایا ان کا انجام کیا ہوا؟ آخر وہ ہلاک ہوئے۔

یہ قرآن کریم تمام لوگوں کیلئے اللہ کا بیان ہے، گمراہی کیلئے ہدایت کا سامان ہے۔ متقیوں کے لئے عبرت ونصیحت کا نشان ہے، اس شکست کی وجہ سے نہ تو تم کمزور پڑو، اور نہ رنج وغم میں ہلکان ہو، اگر تمہارا ایمان سچا ہے، تو غلبہ تمہارے ہی لئے مقدر ہے، اگر احد کے میدان میں تمہیں کچھ زخم کا صدمہ سہنا پڑا ہے، تو تمہاری مد مقابل قوم بھی اسی جیسا صدمہ سہہ چکی ہے، دنیا میں ہم یونہی الٹ پھیر کرتے رہتے ہیں۔ تا کہ لوگوں کو نصیحت وعبرت حاصل ہو، اور یہ اس لئے بھی ہوا کہ اللہ تعالیٰ مخلصین کو منافقین سے ظاہراً ممتاز کرنا چاہتے تھے، اور یہ بھی بات تھی کہ جو لوگ شہادت کے بہت آرزومند تھے کہ ان میں سے کچھ لوگوں کی آرزو پوری کر دی جائے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ تم سے ناراض ہیں ناراض تو ظالموں سے ہیں، ان کو جو مہلت دی گئی ہے، وہ استدراج ہے، انعام نہیں، اور یہ بات بھی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو گناہوں کی آلودگی سے پاک وصاف کرنے کا ارادہ فرمایا تھا اور یہ بھی ارادہ الٰہی تھا کہ کافروں کو ختم کر دیا جائے۔

اور کیا تم یہ سمجھتے تھے کہ یونہی جنت میں جا داخل ہو جاؤ گے، جبکہ جہاد کرنے والے اور ثابت قدم رہنے والے ابھی کھل کر سامنے نہیں آئے تھے، اور تم تو اس مقابلے سے پہلے موت کی تمنا کیا کرتے تھے، تو اس کو تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا، پھر کیوں گھبرا گئے۔

☆☆☆☆☆

و نزل فی ھزیمتھم لما شیع ان النبی ﷺ قتل وقال لھم المنافقون ان کان قتل فارجعوا الی دینکم ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ﴾ کغیرہ ﴿اِنْقَلَبْتُمْ عَلٰی اَعْقَابِكُمْ﴾ رجعتم الی الکفر والجملة الاخیرة محل الاستفھام الانکاری ای ما کان معبوداً فترجعوا ﴿وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰی عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا﴾ وانما یضر نفسه ﴿وَ سَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ﴾ نعمه بالثبات ﴿وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ

اللّٰہِ ﴾ بقضائه ﴿كِتَاباً﴾ مصدر ای کتب الله ذلک ﴿مُؤَجَّلاً﴾ موقتاً لا یتقدم ولایتاخر فلم انهـزمتم والهزيمة لا تدفع الموت والثبات لا يقطع الحيوٰة ﴿وَ مَنۡ يُّرِدۡ﴾ بِعَمَلِهٖ ﴿ثَوَابَ الدُّنۡيَا﴾ ای جزاء منها ﴿ نُؤۡتِهٖ مِنۡهَا ﴾ ما قسم له و لا حظ له فی الآخرة ﴿ وَمَنۡ يُرِدۡ ثَوَابَ الۡاٰخِرَةِ نُؤۡتِهٖ مِنۡهَا ﴾ ای من ثوابها ﴿ وَسَنَجۡزِى الشّٰكِرِيۡنَ وَكَاَيِّنۡ﴾ کم ﴿ مِنۡ نَّبِيٍّ قُتِلَ﴾ و فی قراءة قاتل والفاعل ضمیره ﴿مَعَهٗ﴾ خبر مبتدؤه ﴿ رِبِّيُّوۡنَ كَثِيۡرٌ﴾ جموع كثيرة ﴿فَمَا وَهَنُوۡا ﴾جبنوا ﴿ لِمَاۤ اَصَابَهُمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ﴾ من الجراح و قتل انبيائهم واصحابهم ﴿وَمَا ضَعُفُوۡا ﴾ عن الجهاد﴿ وَمَا اسۡتَكَانُوۡا﴾ خضعوا لعدوهم كمافعلتم حين قيل قتل النبی ﷺ ﴿ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيۡنَ ﴾ على البلاء ای یثیبهم ﴿ وَمَا كَانَ قَوۡلَهُمۡ ﴾ عند قتل نبیهم مع ثباتهم و صبرهم ﴿ اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوۡا رَبَّنَا اغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَا وَاِسۡرَافَنَا ﴾ تجاوزنا الحد ﴿ فِىۡۤ اَمۡرِنَا ﴾ ایذاناً بان ما اصابهم لسوء فعلهم و هضما لانفسهم ﴿ وَ ثَبِّتۡ اَقۡدَامَنَا ﴾ بالقوة على الجهاد ﴿وَانۡصُرۡنَا عَلَى الۡقَوۡمِ الۡكٰفِرِيۡنَ فَاٰتٰهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنۡيَا ﴾ النصر والغنيمة ﴿ وَحُسۡنَ ثَوَابِ الۡاٰخِرَةِ ﴾ ای الجنة و حسنه التفضل فوق الاستحقاق ﴿ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الۡمُحۡسِنِيۡنَ﴾

﴿ ترجمہ ﴾

میدان احد میں یہ خبر پھیلا دی گئی تھی کہ نبی ﷺ شہید ہو گئے، اور اس کی وجہ سے مسلمانوں میں افراتفری مچ گئی تھی، اور منافقوں نے یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ جب نبی ہی قتل کر دیئے گئے تو اب پھر سے اپنے دین کی جانب پلٹ چلو۔ اس پر آگے کی آیات نازل ہوئیں (اور محمد ایک رسول ہی تو ہیں، ان سے پہلے بھی رسول گذر چکے ہیں، تو کیا اگر وہ مر جائیں یا قتل کر دیئے جائیں) جیسا کہ دوسرے رسولوں کے ساتھ یہ ہوا ہے (تو کیا تم الٹے پاؤں) کفر کی جانب (لوٹ جاؤ گے) اخیر کا جملہ، استفہام انکاری کا محل ہے، یعنی وہ نبی ہی ہیں۔ معبود نہیں ہیں کہ تم پلٹ جاؤ (اور جو کوئی الٹے پاؤں پلٹے گا، وہ اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑے گا) اپنا ہی نقصان کرے گا (اور اللہ تعالیٰ جلد ہی شکر گزاروں کو جزاء عطا فرمائیں گے) یعنی نعمت کے قدر دانوں کو ثابت قدمی کا اجر دیں گے (اور کسی نفس کو اس کا اختیار نہیں ہے کہ اللہ کے حکم کے بغیر مر جائے (یہ ایک مدت متعینہ کا نوشتہ ہے) کتاباً مفعول مطلق ہے، یعنی کتب اللہ ذلک کتاباً موجلاً، اللہ نے ایک مدت لکھ دی ہے، نہ اس سے کم ہو سکتی اور نہ زیادہ! تو تم کیوں بھاگے۔ بھاگنا موت کو ٹال نہیں سکتا، اور جمے رہنا زندگی کو کاٹ نہیں سکتا (اور جو کوئی) اپنے عمل سے (دنیا کے ثواب) یعنی دنیا کے عوض (کا ارادہ کرتا ہے، تو ہم اس میں سے) اس کا حصۂ مقسوم دے دیتے ہیں، لیکن آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہوتا، (اور جو کوئی آخرت کے ثواب کا ارادہ کرتا ہے، تو اسے اس میں سے) یعنی

اس کے ثواب میں سے (ہم دیتے ہیں، اور ہم جلد ہی شکر گزاروں کو جزا دیں گے، اور کتنے نبی ایسے ہوئے ہیں، جو قتل کئے گئے) ایک قرآۃ میں قتل کے بجائے قاتل ہے، اس کا فاعل ضمیر مستتر ہے (ان کے ساتھ) معہ خبر ہے اس کا مبتداء ربیون کثیر ہے (بڑی فوج رہی ہے) وہ لوگ ان حادثوں کی وجہ سے جن سے اللہ کی راہ میں وہ دو چار ہوئے) یعنی زخم رسیدگی، انبیاء کی شہادت، رفقاء کا قتل وغیرہ ان کی وجہ سے (نہ تو وہ بزدل ہوئے نہ) جہاد سے (کمزور پڑے، اور نہ) دشمنوں کے سامنے (جھکے) جیسا کہ تم نے کیا، جب یہ خبر اڑائی گئی کہ نبی ﷺ قتل کر دئے گئے (اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں سے محبت رکھتے ہیں) جو بلاؤں پر صبر کرتے ہیں، انھیں ثواب عطا فرماتے ہیں (اور) انبیاء کے قتل کے وقت، ان کی ثابت قدمی اور استقلال کے ساتھ (ان کا قول بجز اس کے اور کچھ نہیں تھا کہ انھوں نے کہا اے ہمارے رب ہمارے لئے ہمارے گناہوں کی اور ہمارے معاملے میں حد سے تجاوز کرنے کی مغفرت فرما دیجئے) یہ بات انھوں نے اس لئے کہی کہ وہ بتانا چاہتے ہیں کہ جو مصیبت آئی ہے، وہ ہماری خرابیٔ اعمال کی وجہ سے آئی ہے، اور انکسار نفس بھی مقصود ہے (اور) جہاد کی قوت عطا فرما کر (ہمارے قدموں کو جما دیجئے، اور کافروں کے اوپر ہماری نصرت فرمائیے۔ تو اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا کا ثواب عطا فرمایا) یعنی نصرت اور مال غنیمت (اور آخرت کا بہترین ثواب دیا) یعنی جنت، اور حسن ثواب کا مطلب یہ ہے کہ استحقاق سے بڑھ کر فضل فرمایا (اور اللہ تعالیٰ محسنین سے محبت رکھتے ہیں)

تشریحات

لما شیع ان النبی قتل :۔ غزوہ احد میں یہ خبر پھیل گئی کہ رسول اکرم ﷺ شہید ہو گئے، یہ خبر ابلیس نے پھیلائی، اسی نے میدان میں یہ جھوٹی آواز لگائی، کچھ منافقین جو لشکر میں باقی رہ گئے تھے، انھوں نے آپس میں کہا سنی شروع کر دی کہ اگر محمد نہیں رہے تو اب ان کے دین پر قائم رہنے کی کیا ضرورت ہے، اپنے سابق دین پر پلٹ جائیں۔

رجعتم الی الکفر :. یہ **انقلبتیم علی اعقابکم** کا مفہوم ہے، اردو میں محاورہ ہے الٹے پاؤں لوٹ جانا۔

والجملة الاخیرة محل الاستفهام الانکاری :. **افان مات او قتل انقلبتم** میں ہمزہ استفہام انکار کے لئے ہے، لیکن انکار **ان مات** اور **قتل** کا نہیں ہے، انکار **انقلبتم علی اعقابکم** کا ہے، یعنی اگر وہ مر جائیں یا قتل کر دیئے جائیں۔ تو الٹے پاؤں لوٹ جاؤ گے، تمہیں ایسا ہرگز نہیں کرنا چاہئے، لیکن شرط و جزا دونوں مل کر ایک جملہ ہوتا ہے، اور ہمزہ استفہام شروع جملہ میں آتا ہے، اس لئے ہمزہ استفہام شرط پر آیا ہے، حالانکہ محل انکار جزاء ہے۔

ای ما کان معبوداً الخ :. **وما محمد الا رسول** میں حصر اضافی ہے، یعنی محمد ﷺ کا وصف رسالت کے

اندر حصر علی الاطلاق نہیں ہے کہ رسول کے ماسواوہ کچھ ہیں ہی نہیں، بلکہ معبودیت اور الوہیت کے اعتبار سے یہ حصر ہے کہ آپ رسول ہی تو ہیں، معبود اور الٰہ تو نہیں ہیں کہ ان پر موت آئے ہی نہ! اور اگر آئے تو ان کا دین فنا ہو جائے۔ایسا نہیں ہے۔

نعمه بالثبات :. **نعمه** ، **الشاکرین** کا مفعول بہ ہے، اور **بالثبات** **الشاکرین** سے متعلق ہے، یعنی ثابت قدم رہ کر جو اللہ کی نعمتوں کے شکر گزار ہیں، انہیں اللہ تعالیٰ جزا عطا فرمائیں گے۔اور یہ بھی احتمال ہے کہ **بالثبات** کا تعلق **سیجزی** سے ہو اور باء سببیہ ہو، یعنی جو لوگ اللہ کی نعمتوں کے شکر گزار ہیں، ان کی ثابت قدمی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ انہیں جزا عطا فرمائیں۔ترجمے میں اسی دوسرے احتمال کو اختیار کیا گیا ہے۔

مصدر :. **کتابا موجلاً** مفعول مطلق ہے جو ماقبل کے مضمون کے لئے تاکید ہے، اس کا عامل محذوف ہے، یعنی **کتب الله ذلک کتاباً** ، اس کی نظیر **وعد الله** ، **صنع الله** وغیرہ ہیں۔

فلم انهزمتم :۔اس کلام کی غرض یہی ہے کہ جن لوگوں نے ہزیمت اختیار کی انہیں تنبیہ کر دی جائے۔

ای جزاء ہ منها :۔دنیا کا ارادہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے عمل کا بدلہ دنیا میں ہی چاہے

(و کاین) کم : **کم** سے مراد کم خبریہ ہے، جس میں تکثیر کا معنی ہوتا ہے، **کاین** دو لفظوں سے مرکب ہے، پہلا کاف تشبیہ ہے، دوسرا ایٌّ استفہامیہ ہے، دونوں کو ملا کر ایک کر دیا گیا، تو اس کا ایک مستقل معنی ہو گیا ہے۔وہ **کم خبریة تکثیریة** کا معنی ہے، اس کی نظیر **عندی کذاو کذا درهماً** ، اس میں بھی کاف تشبیہ ہے، اور ذا اسم اشارہ ہے، دونوں کی ترکیب سے ایک دوسرا معنی تکثیر کا پیدا ہو گیا ہے۔

و فی قرأة قاتل :۔مشہور قرأت جو امام حفص کی روایت سے ہے وہ **قاتل** ہے، مفسر نے قتل فعل مجہول والی قرأت اختیار کی ہے۔

والفاعل ضمیره :۔**قاتل** کی قرأت میں فاعل، اور **قتل** کی قرأت میں نائب فاعل اس کے اندر ضمیر غائب ہے، اسی پر جملہ تام ہو جاتا ہے، یعنی بہت سے نبی قتل کئے گئے، اور دوسری قرأت کے مطابق بہت سے نبی لڑے ہیں۔

خبر مبتداء ہ ربیون :. **معه** خبر مقدم ہے، اور **ربیون کثیر** مبتدا موخر ہے، اور جملہ ماقبل سے حال ہے، **ربیون** ، رب کی طرف منسوب ہے، جیسے **ربانی** ، **رِبی** ، میں حرف را مفتوح ہونے کے بجائے مکسور خلاف قیاس استعمال ہوا ہے۔ایک قول یہ بھی ہے کہ لفظ **رِبَّۂ** کی طرف منسوب ہے جس کے معنی جماعت کے ہیں، مفسر نے یہی دوسرا معنی اختیار کیا ہے۔

تنبیہ :۔راقم عرض کرتا ہے کہ **و کاین من نبی قاتل معه ربیون کثیر** کی ایک ترکیب تو وہ ہے جسے

مفسر نے اختیار کیا ہے، یعنی کاین من نبی قاتل ایک جملہ ہے اور معه ربیون کثیر علیحدہ جملہ ہے، دوسری ترکیب یہ ہے کہ قاتل یا قتل کا فاعل یا نائب فاعل، ربیون ہو۔ چنانچہ حضرت شیخ الہند اور حضرت تھانوی نے اسی ترکیب کے اعتبار سے ترجمہ کیا ہے۔

☆ اور بہت نبی ہیں، جن کے ساتھ ہو کر لڑے ہیں، بہت خدا کے طالب (حضرت شیخ الہندؒ)

☆ اور بہت نبی ہو چکے ہیں جن کے ساتھ بہت بہت اللہ والے (کفار کے ساتھ) لڑے ہیں۔

(حضرت حکیم الامتؒ)

یہ ترکیب اس لحاظ سے بہتر ہے کہ پہلی ترکیب میں جسے مفسر نے اختیار کیا ہے قُتِلَ کی قرأۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ فوج کی موجودگی میں میدان جنگ کے اندر نبی قتل کئے گئے، حالانکہ حضرت سعید بن جبیر اور حضرت حسن بصری اور اہل تفسیر کی ایک جماعت سے منقول ہے کہ کوئی نبی معرکۂ جنگ میں شہید نہیں ہوا، دوسری ترکیب میں اس طرح کا کوئی اشکال نہیں ہے

(وما استکانوا) خضعوا لعدوهم : استکانوا، سکون سے مشتق ہے، باب افتعال سے استعمال ہوا ہے، اصل میں استکن ہے، کاف کے فتحہ کو اشباع کے ساتھ پڑھا گیا تو الف پیدا ہو گیا، کلام عرب میں اس کی نظیر ہے، کسی نے کہا ہے۔

اعوذبالله من العقراب الشائلات عقد الاذناب

یہ العقرب الشائلة ہے، عقرب میں را کے فتحہ میں اور الشائلة میں لام کے فتحہ میں اشباع کیا گیا، تو دونوں جگہ الف پیدا ہو گیا، بعض لوگوں نے اسے کون سے ماخوذ مانا ہے، بمعنی کمزوری، باب استفعال سے اصل میں استکون ہے، واو کے فتحہ کو کاف پر منتقل کر کے الف سے بدل دیا۔

کما فعلتم : ۔اس کا ربط فما وهنوا الخ سے ہے۔

عند قتل نبیهم مع ثباتهم و صبرهم : ۔گذشتہ انبیاء کی فوجیں، جب ان کے نبی شہید ہو گئے تو ثابت قدم رہیں، اور صبر و استقلال کا دامن مضبوطی سے تھامے رہیں، اور ان کا کلام بجز اس کے اور کچھ نہیں رہا کہ پروردگار ہمارے ہی گناہوں اور زیادتیوں کی وجہ سے یہ دن دیکھنے پڑے ہیں۔ آپ ہمیں معاف فرما دیجئے، اور ہمیں ثابت قدم رکھئے اور کافروں پر ہماری مدد کیجئے۔

ایذانا بان ما اصابهم الخ : ۔یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے قول قالوا کا مفعول لہ ہے، یعنی انھوں نے دعا میں جو کچھ کہا، وہ اس بات کے اعتراف اور کسر نفسی کے طور پر کہا کہ ہماری ہی غلطیوں کی وجہ سے ایسا ہوا۔

حسنه التفضل فوق الاستحقاق : ۔ثواب آخرت تو جنت ہے اور حسن ثواب الآخرة کا مطلب یہ

ہے کہ استحقاق سے بڑھ کر ثواب ملے گا۔

﴿مضامین آیات وتفسیر﴾

غزوۂ احد کی ہزیمت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے امت کو کچھ تنبیہات فرمائی ہیں۔فرماتے ہیں کہ محمد کوئی خدا تو نہیں ہیں، رسول ہی تو ہیں، ان سے پہلے بھی رسول دنیا میں آئے اور چلے گئے، اسی طرح یہ بھی ایک رسول ہیں، ہمیشہ تو نہیں رہیں گے، پھر تمہیں بتاؤ کہ اگر یہ انتقال کر جائیں، یا شہید ہو جائیں تو تم الٹے پاؤں لوٹ جاؤ گے۔ یہ تو کسی طرح درست نہیں ہے۔اور اگر کوئی الٹے پاؤں لوٹ ہی گیا تو کیا اللہ کا کچھ بگاڑ لے گا؟ ہرگز نہیں وہ اپنا ہی بگاڑے گا، اسی کی عاقبت ہی خراب ہوگی۔ اللہ تعالیٰ شکر گزاروں اور نعمت کے قدر دانوں کو بہترین جزا عطا فرمائیں گے، اور کوئی جان اپنے آپ بغیر اللہ کے فیصلے کے ہرگز نہیں مرتی، اس کا تو اللہ نے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے، نہ ایک سکنڈ ادھر نہ ادھر، پھر کیوں فرار اختیار کیا، اور اگر کسی کا مقصد دنیا ہے تو اللہ تعالیٰ کچھ عطا فرما دیتے ہیں، لیکن وہ آخرت میں محروم رہے گا، اور اگر کسی کا مقصد ثواب آخرت ہے تو اسے اس کا حصہ ملے گا، اور ہم شکر گزار وں کو جزائے خیر عنایت فرمائیں گے۔

اور آج کوئی نئی بات نہیں ہوئی، کتنے انبیاء قتل کئے گئے ہیں اور ان کے ساتھ بڑی بڑی جماعتیں رہی ہیں، لیکن اللہ کی راہ میں حوادث ومصائب کی وجہ سے نہ وہ گھبرائے، نہ کمزور پڑے اور نہ دشمنوں کے سامنے جھک کر ذلیل ہوئے، اور اللہ تعالیٰ صابرین سے محبت فرماتے ہیں، ایسے حادثات کے وقت ان کی بات صرف اتنی رہی ہے کہ اے ہمارے پروردگار ہماری غلطیوں اور زیادتیوں کو معاف فرما دیجئے، اور ہم کو ثابت قدم رکھئے اور کفار کے اوپر ہمیں مدد عنایت فرمایئے، اس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا کا ثواب بھی دیا یعنی فتح وظفر بھی اور مال غنیمت بھی اور آخرت کا بہترین ثواب دیا کہ جتنے کے وہ اپنے عمل سے مستحق تھے، اس سے بڑھ کر عنایت فرمایا اور اللہ نیک لوگوں کو پسند کرتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

﴿ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اِنْ تُطِیْعُوْا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا﴾ فیما یامرونکم به ﴿یَرُدُّوْکُمْ عَلٰی اَعْقَابِکُمْ ﴾ الی الکفر ﴿ فَتَنْقَلِبُوْا خَاسِرِیْنَ بَلِ اللّٰهُ مَوْلَاکُمْ﴾ ناصرکم ﴿ وَهُوَ خَیْرُ النَّاصِرِیْنَ ﴾ فاطیعوه دونهم ﴿ سَنُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا الرُّعْبَ ﴾ بسکون العین و ضمها الخوف و قد عزموا بعد ارتحالهم من احد علی العود واستیصال المسلمین فرعبوا ولم یرجعوا ﴿بِمَا اَشْرَکُوْا ﴾ بسبب اشراکهم ﴿ بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰناً﴾ حجة علی عبادته وهو الاصنام ﴿ وَمَاْوَاهُمُ النَّارُ وَ بِئْسَ مَثْوَی ﴾ ماوی ﴿الظّٰلِمِیْنَ ﴾ الکافرین هی ﴿وَ لَقَدْ صَدَقَکُمُ

اللّٰهُ وَعْدَهٗ﴾ اياكم بالنصر ﴿اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ﴾ تقتلونهم ﴿بِاِذْنِهٖ﴾ بارادته ﴿حَتّٰى اِذَا فَشِلْتُمْ﴾ جبنتم عن القتال ﴿وَتَنَازَعْتُمْ﴾ اختلفتم ﴿فِى الْاَمْرِ﴾ اى امر النبى بالمقام فى سفح الجبل للرمى فقال بعضكم نذهب فقد نصر اصحابنا و بعضكم لا نخالف امر النبى ﷺ ﴿وَعَصَيْتُمْ﴾ امره فتركتم المركز لطلب الغنيمة ﴿مِّنْ بَعْدِ مَا اَرَاكُمْ﴾ اللّٰه﴿ مَا تُحِبُّوْنَ﴾ من النصر وجواب اذا دل عليه ما قبله اى منعكم نصره ﴿مِنْكُمْ مَنْ يُرِيْدُ الدُّنْيَا﴾ فترك المركز للغنيمة ﴿وَمِنْكُمْ مَّنْ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ﴾ فثبت به حتى قتل كعبدالله بن جبير واصحابه ﴿ثُمَّ صَرَفَكُمْ﴾ عطف على جواب اذا المقدر ردكم بالهزيمة ﴿عَنْهُمْ﴾ اى الكفار ﴿لِيَبْتَلِيَكُمْ﴾ ليمتحنكم فيظهر المخلص من غيره ﴿وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ﴾ ما ارتكبتموه ﴿وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ بالعفو اذكروا ﴿اِذْ تُصْعِدُوْنَ﴾ تبعدون فى الارض هاربين ﴿وَلَا تَلْوٗنَ﴾ تعرجون ﴿عَلٰى اَحَدٍ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِىْ اُخْرَاكُمْ﴾ اى من ورائكم يقول الى عبادالله الى عباد الله ﴿فَاَثَابَكُمْ﴾ فجازاكم ﴿غَمًّا﴾ بالهزيمة ﴿بِغَمٍّ﴾ بسبب غمكم الرسول بالمخالفة و قيل الباء بمعنى على اى مضاعفاً على غم فوت الغنيمة ﴿لِّكَيْلَا﴾ متعلق بعفا او باثابكم فلا زائدة ﴿تَحْزَنُوْا عَلٰى مَافَاتَكُمْ﴾ من الغنيمة ﴿وَلَا مَا اَصَابَكُمْ﴾ من القتل والهزيمة ﴿وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً﴾ امنا ﴿نُعَاساً يَّغْشٰى﴾ بالياء والتاء ﴿طَآئِفَةً مِّنْكُمْ﴾ وهم المؤمنون فكانوا يميدون تحت الجحف و تسقط السيوف منهم ﴿وَ طَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ﴾ اى حملتهم على الهم فلا رغبة لهم الا نجاتها دون النبى ﷺ واصحابه فلم يناموا وهم المنافقون ﴿يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ﴾ ظناً ﴿غَيْرَ﴾ الظن ﴿الْحَقِّ ظَنَّ﴾ اى كظن ﴿الْجَاهِلِيَّةِ﴾ حيث اعتقدوا ان النبى قتل اولا ينصر ﴿يَقُوْلُوْنَ هَلْ﴾ ما ﴿لَنَا مِنَ الْاَمْرِ﴾ اى النصر الذى وعدناه ﴿مِنْ﴾ زائدة ﴿شَىْءٍ قُلْ﴾ لهم ﴿اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ﴾ بالنصب توكيد او الرفع مبتدأ خبره ﴿لِلّٰهِ﴾ اى القضاء له يفعل ما يشاء ﴿يُخْفُوْنَ فِىْ اَنْفُسِهِمْ مَا لَايُبْدُوْنَ﴾ يظهرون ﴿لَكَ يَقُوْلُوْنَ﴾ بيان لما قبله ﴿لَوْكَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَىْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا﴾ اى لوكان الاختيار الينا لم نخرج فلم نقتل لكن اخرجنا كرها ﴿قُلْ﴾ لهم ﴿لَوْكُنْتُمْ فِىْ بُيُوْتِكُمْ﴾ و فيكم من كتب الله عليه القتل ﴿لَبَرَزَ﴾ خرج ﴿الَّذِيْنَ كُتِبَ﴾ قضىٰ ﴿عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ﴾ منكم ﴿اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ﴾ مصارعهم فيقتلوا ولم ينجهم قعودهم لان قضاه تعالىٰ كائن لا محالة و فعل ما

فعل باحد ﴿ لِيَبْتَلِيَ ﴾ يختبر ﴿ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ ﴾ قلوبكم من الاخلاص والنفاق ﴿وَلِيُمَحِّصَ﴾ يميز ﴿ مَافِيْ قُلُوْبِكُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴾ بمافى القلوب لا يخفىٰ عليه شئى وانما يبتلى ليظهر للناس ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ ﴾ عن القتال ﴿ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ﴾ جمع المسلمين وجمع الكافرين باحد وهم المسلمون الا اثنى عشر رجلا ﴿ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ ﴾ ازلهم ﴿ الشَّيْطٰنُ ﴾ بوسوسته ﴿ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ﴾ من الذنوب وهو مخالفة امر النبى ﷺ ﴿ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ ﴾ للمؤمنين ﴿حَلِيْمٌ﴾ لا يعجل على العصاة۔

﴿ ترجمہ ﴾

(اے ایمان والو! اگر تم کافروں کی اطاعت) ان باتوں میں (کرلوگے) جن کا وہ تمہیں حکم دیتے ہیں (تو تم کو الٹے پاؤں) کفر کی طرف (لوٹا دیں گے، پھر نا کام ہو کر رہ جاؤ گے، بلکہ اللہ تعالیٰ تمہارے مولیٰ و ناصر ہیں، اور وہ بہتر مددگار ہیں) اس لئے انہیں کی اطاعت کرو اور ماسوی کو چھوڑ دو (ہم جلد ہی کافروں کے دل میں رعب ڈال دیں گے) رعب عین کے سکون اور اس کے ضمے کے ساتھ ہے بمعنی خوف، مشرکین مکہ نے میدان احد سے روانگی کے بعد آگے چل کر ارادہ کیا کہ دوبارہ لوٹ جائیں اور مسلمانوں کا بالکلیہ خاتمہ کر دیں، مگر پھر وہ مرعوب ہو گئے اور یہ ارادہ ترک کر دیا واپس نہیں آئے (کیونکہ انھوں نے اللہ کے ساتھ ایسی چیز کو شریک کیا ہے جس پر) یعنی جس کی عبادت پر (اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی ہے) یہ شرکاء بت ہیں (اور ان کا ٹھکانا آگ ہے، اور) وہ (ظالموں کا) کافروں کا (برا ٹھکانا ہے) ھی مخصوص بالذم ہے (بیشک اللہ نے اپنا وعدہ تم پر سچ کر دکھایا) جو تمہاری مدد کا کیا تھا (جب کہ تم انھیں اس کے اذن) وارادے (سے قتل کر رہے تھے، یہاں تک کہ جب تم کمزور پڑ گئے) یعنی لڑائی سے بزدلی کرنے لگے (اور) تیراندازی کے لئے پہاڑی کے اوپر کھڑے رہنے کے سلسلے میں نبی کے (حکم میں اختلاف کرنے لگے) بعض نے کہا کہ ہماری فوج کامیاب ہوگئی ہم بھی یہاں سے چلیں، اور بعض نے کہا کہ ہم نبی ﷺ کے حکم کے خلاف نہیں کریں گے (اور تم نے) ان کے امر کی (نافرمانی کی) تم نے مال غنیمت سمیٹنے کے خیال سے مرکز کو چھوڑ دیا (بعد اس کے کہ) اللہ تعالیٰ نے (تم کو وہ چیز دکھادی تھی، جو تم چاہتے تھے) یعنی فتح وظفر، اذا کے جواب پر اس کا ماقبل دلالت کرتا ہے یعنی **منعکم نصره** (تم میں سے بعض دنیا کا ارادہ کرتے تھے) پس انھوں نے مال غنیمت کے لئے مرکز چھوڑ دیا (اور تم میں سے بعض آخرت کا ارادہ رکھتے تھے) وہ وہیں جمے رہے، حتی کہ شہید ہو گئے، جیسے عبداللہ بن جبیر اور ان کے رفقاء (پھر تم کو ان سے) یعنی کفار سے (ہٹا دیا) یعنی تم کو شکست سے دوچار کر کے ہٹا دیا، **ثم صرفکم، اذا** کے جواب مقدر پر معطوف ہے (تاکہ تمہارا امتحان کرے) اور مخلص اور غیر مخلص ظاہر ہو جائے (اور بے شک تم سے درگزر کیا) یعنی اس سے جو کہ تم نے

کیا (اور اللہ تعالیٰ اہل ایمان پر)انھیں معافی دے کر (فضل فرمانے والے ہیں)یاد کرو (جب تم چڑھے چلے جاتے تھے)یعنی زمین میں بھاگتے چلے جارہے تھے (اور کسی کو مڑکر بھی نہ دیکھتے تھے،اور رسول تم کو تمہارے پیچھے سے پکار رہے تھے)فرمارہے تھے **الی عباد الله** ،**الی عباد الله** اللہ کے بندو! میری طرف آؤ (تو اللہ تعالیٰ نے تم کو غم کے بدلے میں)یعنی تم نے جو رسول کو ان کے خلاف کر کے غم دیا اس کے بدلے میں (غم دیا)یعنی شکست دی،اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ **بغم** میں باء بمعنی **علی** ہے یعنی **غماً مضاعفا علی غم فوت الغنیمة** یعنی غنیمت کے فوت کے ہونے سے بڑھا ہوا غم دیا (تاکہ جو)مال غنیمت (فوت ہوا ہے اس پر رنج نہ کرو اور نہ اس مصیبت پر افسوس کرو جو تم پر آئی)یعنی قتل و ہزیمت ،**لکیلا** کا تعلق **عفا** سے ہے یا یہ کہ **اثابکم** سے ہے اس صورت میں **لا** زائدہ ہے (اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ خبر رکھتے ہیں ،پھر غم کے بعد تمہارے اوپر امن واطمینان اتارا (ایک نیند)**نعاسا** ،**امنة** سے بدل ہے (جو تم میں سے ایک گروہ پر چھائی جارہی تھی)**یغشیٰ** یاء اور تاء کے ساتھ ہے، وہ مخلص اہل ایمان تھے، وہ اپنی ڈھالوں کے نیچے جھوم رہے تھے،اور تلواریں ان کے ہاتھ سے گر گر جاتی تھیں (اور ایک گروہ ایسا تھا کہ انھیں اپنی ہی جان کی فکر پڑی ہوئی تھی ،ان کو صرف اپنی نجات کی رغبت تھی ،نہ نبی کی ،نہ ان کے اصحاب کی ، یہ لوگ نہیں سوئے ، یہ منافقین تھے (وہ اللہ کے اوپر ناحق بدگمان ہو رہے تھے ،جاہلیت جیسی بدگمانی)انھوں نے یہ یقین کر لیا تھا کہ نبی ﷺ مقتول ہو گئے ، یا یہ کہ ان کی نصرت نہیں ہوگی (کہتے ہیں کیا ہمارے لئے اس امر کا)یعنی اس مدد کا جس کا ہم سے وعدہ کیا ہے (کوئی حصہ ہے)**من** زائدہ ہے،یعنی کوئی حصہ نہیں ہے (تم)ان سے (کہہ دو کہ سارا امر اللہ ہی کے لئے ہے)**کله** نصب کے ساتھ ہے تو تاکید ہے ،اور رفع کے ساتھ ہے،تو مبتدا ہے،اور خبر **لله** ہے یعنی فیصلہ اسی کا ہے، جو چاہتا ہے کرتا ہے (وہ اپنے جی میں وہ باتیں چھپاتے ہیں، جو تم سے ظاہر نہیں کرتے کہتے ہیں)یہ ماقبل کا بیان ہے (اگر ہمارے لئے اس معاملہ میں کچھ اختیار ہوتا تو ہم یہاں مارے نہ جاتے)یعنی اگر ہمارا اختیار چلتا ،تو نہ ہم نکلتے اور نہ ہم مارے جاتے ،لیکن ہم کو تو زبردستی نکالا گیا (تم)ان سے (کہو کہ اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے)اور تم میں ایسا کوئی آدمی ہوتا جس پر اللہ تعالیٰ نے قتل لکھ دیا ہے (تو وہ لوگ ،جن پر قتل لکھا جا چکا ہے،اپنے مقتل کی جانب ضرور نکل پڑتے)پس وہ قتل کئے جاتے ،ان کا گھروں میں بیٹھنا،انھیں نجات نہیں دلا پاتا ، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ لامحالہ ہو کر رہتا ہے۔

(اور)غزوہ احد میں اللہ نے جو کچھ کیا (اس لئے)کیا (کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ تمہارے سینوں میں)یعنی دلوں میں اخلاص ونفاق (ہے اس کا امتحان کر لے ،اور تاکہ تمہارے دل کی باتوں کو ممتاز کر دے، اور اللہ تعالیٰ دلوں کی باتوں کو جانتے ہیں)ان پر کوئی چیز مخفی نہیں ہے،اور امتحان اس لئے لیتے ہیں، تاکہ لوگوں پر بھی سب کچھ عیاں ہو جائے (بے شک تم میں سے جن لوگوں نے)لڑائی سے روگردانی کی ،جس دن کہ دونوں لشکر)یعنی

مسلمانوں کا لشکر اور کفار کا لشکر میدان احد میں (بھڑے تھے) اور یہ لوگ مسلمان تھے بجز بارہ آدمیوں کے (انھیں شیطان نے ان کے بعض کاموں کی وجہ سے) جو گناہ ان سے نبی ﷺ کے امر کی خلاف ورزی کی صورت میں ہو گیا تھا اس کی وجہ سے، اپنی وسوسہ اندازی کے ذریعے (پھسلا دیا، اور بے شک اللہ تعالیٰ ان سے درگزر فرما چکے، بے شک اللہ تعالیٰ) اہل ایمان کو (بخشنے والے، حلم والے ہیں) نافرمانی کرنے والوں پر عجلت نہیں کرتے۔

﴿ تشریحات ﴾

فیمایامرونکم : ۔ان کفار نے کہا تھا کہ جب محمد ﷺ نہ رہے تو ہم اپنے قدیم دین پر لوٹ جاؤ

بسبب اشراکھم : ۔بما اشرکوا میں باء سبب کے لئے ہے، اور ما مصدریہ ہے

وھوالاصنام: ۔یہ مالم ینزل بہ کا بیان ہے۔

ایاکم بالنصر : . ایاکم ، وعد مصدر کا مفعول ہے، اور بالنصر اسی وعدے کا بیان ہے۔

فترکتم المرکز لطلب الغنیمۃ : ۔ جب لوگوں کو رسول اللہ ﷺ نے پہاڑی درے پر متعین کیا تھا کہ ہم ہاریں یا جیتیں، تم لوگ اس جگہ کو نہ چھوڑنا، لیکن جب مسلمانوں کا غلبہ ظاہر ہوا اور کفار بھاگنے لگے تو مذکورہ حضرات میں اختلاف ہوا کہ اکثر نے کہا کہ اب جنگ ختم ہو رہی ہے۔ ہم بھی مسلمانوں کے عام مجمع میں شریک ہو جائیں، کچھ دوسرے لوگوں نے اس بات پر نکیر کی۔ بالآخر دس حضرات کے سوا، سب نے اس جگہ کو چھوڑ دیا، فتح کے اندر مسلمانوں کی فوج کے ساتھ شامل ہو گئے، انھوں نے ایسا کیوں کیا؟ اللہ تعالیٰ نے اس کی وجہ یہ ارشاد فرمائی ہے کہ **منکم من یرید الدنیا و منکم من یرید الآخرۃ**، بعض لوگوں نے دنیا کا ارادہ کیا، اور بعض لوگوں نے آخرت کا ارادہ کیا۔ حق تعالیٰ نے اتنا ہی ارشاد فرمایا، یہ واضح نہیں فرمایا کہ دنیا سے مراد کیا ہے جس کا انھوں نے ارادہ کیا تھا۔ عام طور سے دنیا کا اطلاق مال دنیا پر ہوتا ہے، اس لئے حضرات مفسرین بے تکلف لکھ دیتے ہیں کہ ان حضرات نے مال غنیمت کی طلب میں جگہ چھوڑی تھی، گویا وہ یہ سمجھ رہے تھے جو جتنا لوٹ لے گا اس کا ہو جائے گا، دوسرے حضرات کو ان لوگوں نے دیکھا کہ مال غنیمت سمیٹ رہے ہیں تو یہ بھی اس کے لئے کود پڑے، پھر اسی طلب غنیمت کو بنیاد بنا کر ہمارے زمانے کے ایک مدعی تفسیر نے حضرات صحابہ کو خوب زجر و توبیخ کی ہے۔

لیکن غور کرنے کی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو ''طلب غنیمت'' کا ذکر کیا نہیں، انھوں نے تو ''ارادۂ دنیا'' کا تذکرہ کیا ہے، تو کیا یہ بات قطعی ہے کہ ''ارادۂ دنیا'' سے ''طلب غنیمت'' ہی مراد ہے؟

اسلام نے جہاد اور جہاد سے ملنے والے مال غنیمت میں جو ضابطے اور اصول بنائے اور برتے ہیں، انہیں کوئی نگاہ میں رکھے تو وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ طلب غنیمت ان کا مقصد رہا ہو، اور اس کیلئے انھوں نے مرکز کو چھوڑا ہو، مال غنیمت کا ضابطہ اللہ تعالیٰ نے متعین کیا ہے کہ اس کے پانچ حصے کئے جائیں گے، ایک حصہ سرکاری

خزانے میں داخل ہوگا، اور چار حصے مجاہدین میں تقسیم ہوں گے۔ خواہ اسے کوئی بھی لوٹے اور جمع کرے۔

اس اصول کے پیش نظر مال غنیمت کی طلب میں حضرات صحابہ کا مرکز کو چھوڑنا خلاف عقل وفہم ہے، جب وہ جانتے تھے، ہم مال غنیمت جمع کریں یا نہ کریں سب کے برابر حصہ ملنا ہی ہے، تو محض مال غنیمت سمیٹنے کے خیال سے مرکز کو چھوڑنا، کسی طرح سمجھ میں نہیں آتا۔ پس ''ارادۂ دنیا'' کا مصداق ''طلب غنیمت'' تو ہو نہیں سکتا، لہٰذا اس کا کوئی اور مصداق تلاش کرنا چاہئے۔

خاکسار شارح عرض کرتا ہے، ''دنیا'' کا مصداق صرف مال نہیں ہے بلکہ ہر وہ عمل ہے جس میں نیت رضائے الٰہی کی نہ ہو، یا جو اللہ کے حکم کے تقاضے سے نہ کیا گیا ہو، ایک کام اس لئے کیا جائے کہ یہ اللہ ورسول کا حکم ہے، اسی جذبۂ تعمیل سے اسے بجالایا جائے تو وہ آخرت کا عمل ہے اور اگر جذبہ تعمیل سے خالی ہو، اپنی طبیعت کے تقاضے اور اپنے نفس کے جذبے سے کیا جائے تو وہ دنیا ہے۔

یہاں صحابہ نے جو مرکز کو چھوڑا تو اس لئے نہیں چھوڑا کہ مال غنیمت حاصل کریں گے بلکہ یہ بہادروں کی ایک ٹیم تھی، انھوں نے دیکھا کہ لڑائی ختم ہونا چاہتی ہے اور ہمیں داد شجاعت دینے کا موقع سرے سے ملا ہی نہیں، وہ ایک ایسی جگہ کھڑے تھے جہاں نہ کوئی دشمن آیا، نہ ان پر تیروں کی بارش ہوئی، نہ وہاں تلوار چمکی، انہیں اپنی قوت بازو اور ہتھیاروں کی تیزی کے استعمال کا کوئی موقع نہیں ملا۔ اب دیکھ رہے ہیں کہ لڑائی بھی ختم ہوا چاہتی ہے۔ لڑائی ختم ہو جائے، اور بہادروں کو لڑنے کا موقع تک نہ ملے، ان کو یہ بات بہت شاق گذری، انھوں نے سوچا کہ بھاگتے بھاگتے کچھ دشمنوں کو مار گرائیں، کچھ تو دل کی تسلی ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ جذبہ خدا کیلئے اور خدا کے حکم کی اطاعت میں نہ تھا، بلکہ اپنی فطری شجاعت کے استعمال کا جذبہ تھا، یہ جذبۂ آخرت نہ تھا، جذبۂ دنیا تھا، ارادۂ آخرت تو صرف یہ ہوتا کہ لڑنے کا موقع ملے یا نہ ملے اللہ ورسول کی اطاعت ہاتھ سے نہ جائے۔

وہ مال کے حریص بالکل نہ تھے، ہاں جذبہ شجاعت بیقرار تھا، اسے نکلنے کا موقع نہیں ملا تھا تو ایک مرحلہ میں پہونچ کر وہ میدان میں کود پڑے یہ ارادۂ دنیا کا مصداق ہو تو ہو، وہ نہیں جسے حضرات مفسرین بے تکلف لکھ دیتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

حتی اذا فشلتم و تنازعتم فی الامر و عصیتم فی الامر و عصیتم من بعد ما اراکم ما تحبون یہاں تک شرط ہے اس کی جزا محذوف ہے، اور **وجواب اذا دل علیہ ما قبلہ ، ای منعکم نصرہ:** اس کا قرینہ ماقبل کا کلام یعنی **و لقد صدقکم اللہ وعدہ الخ** ہے، یعنی اللہ نے مدد تو فرمائی تھی، لیکن جب تم نے بزدلی دکھائی، آپس میں اختلاف کیا اور نافرمانی کر لی تو اللہ نے تمہاری مدد روک دی، **منعکم نصرہ**

فترک المرکز للغنیمۃ :۔ اس پر مفصل بحث گزر چکی ہے۔

عطف علی جواب اذا المقدر: ۔ثم صرفکم کا عطف اذا کے جواب مقدر پر ہے،یعنی منعکم نصرہ پر۔

بسبب غمکم للرسول بالمخالفة: ۔یعنی چونکہ تم نے رسول کو،ان کے امر کے خلاف کر کے غم پہونچایا، اس لئے اس کے بدلے میں تم کو غم میں مبتلا کیا۔

وقیل الباء بمعنی علی: فاثابکم غما بغم میں بعض مفسرین نے فرمایا کہ باء، علی کے معنی میں ہے، یعنی فاصابکم غماً علی غمٍ، یعنی غم بالائے غم کا صدمہ انہیں پہونچا اول شکست کا صدمہ، دوسرے مال غنیمت فوت ہونے کا افسوس!

متعلق بعفا او اثابکم: لکیلا تحزنوا کا تعلق یا تو عفا سے ہے یا اثابکم سے ہے، اگر اس کا تعلق عفا سے ہے تو لکیلا کا لاء نافیہ اپنی اصل پر ہے، یعنی اس لئے معاف کیا کہ تمہیں رنج وغم نہ ہو، اور اگر اس کا تعلق اثابکم سے ہے، تو بقول حضرت مفسر یہ لا زائد ہے نافیہ نہیں ہے، یعنی غم بالائے غم اس لئے دیا کہ تم کو فوت شدہ مال غنیمت پر اور احد کی ہزیمت پر رنج وافسوس ہو۔

لاء نافیہ کے زائد ہونے کی بات خوب جی کو لگتی نہیں، کیونکہ انہیں غم کے عوض غم بالائے غم تو پہونچ ہی گیا، پھر اس کی یہ تعلیل کہ تم رنجیدہ ہو، گویا علت بھی وہی غم، معلول بھی وہی غم، گو کہ اس کی تاویل ہوسکتی ہے، مگر دور از کار معلوم ہوتی ہے، اس کی توجیہ میں حضرت حکیم الامت تھانوی کی مختصر سی تحریر زیادہ دل کو لگتی ہے، فرماتے ہیں۔

''سو اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلے میں غم دیا بسبب (تمہارے) غم دینے کے (رسول اللہ ﷺ کو) تاکہ (اس پاداش اور مصیبت سے تم میں پختگی پیدا ہو جائے جس سے پھر) تم مغموم نہ ہوا کرو، نہ اس چیز پر جو تمہارے ہاتھ سے نکل جاوے اور نہ اس پر جو تم پر مصیبت پڑے''

یعنی یہ غم تم پر اس لئے مسلط کیا گیا، اور یہ حالات اس لئے پیدا کئے گئے کہ آئندہ تم میں مزید پختگی اور استقامت پیدا ہو جائے اور اس طرح کے حالات اگر کبھی آئندہ پیش آئیں تو تمہیں رنج وغم نہ ہو۔ یہ سوچ کر تسلی ہو جائے کہ جب رسول اللہ ﷺ کے ہوتے ہوئے مصائب آسکتے ہیں، تو اگر بعد میں یہ حالات پیدا ہوں، رنج کی بات نہیں، بلکہ اپنا احتساب کرنا چاہئے اور اللہ تعالیٰ کے حضور معافی مانگنی چاہئے۔

بالنصب توکیداً والرفع مبتدأ خبره لله: ۔ قل ان الامر کله لله میں کله اگر منصوب ہے تو الامر کی تاکید ہے اور اگر مرفوع ہے، تو مبتدا ہے اور اس کی خبر لله ہے اور پھر مبتدا و خبر مل کر جملہ اسمیہ ہو کر ان الامر کی خبر ہے۔

مصارعهم: . مصرع کی جمع ہے، پچھاڑے جانے یعنی قتل کئے جانے کی جگہ، مضاجع، مضجع کی جمع

ہے، لیٹنے کی نگی بمعنی مقتل

وفعل ما فعل باحد لیبتلی :. **ولیبتلی الله الخ** میں واو عاطفہ مقتضی ہے کہ اس کا کوئی معطوف علیہ ہو، اور وہ لفظوں میں موجود نہیں ہے۔ مفسر نے **فعل ما فعل باحد** لکھ کر اسی علت مقدرہ کی طرف اشارہ کیا ہے، لیکن ان کی تحریر مخل مطلب ہے کیونکہ ان کی عبارت میں واو کا تعلق **لیبتلی** سے منقطع ہو کر **فعل ما فعل** سے ہو گیا ہے جس سے بظاہر یہ سمجھ میں آتا ہے کہ **لیبتلی** معطوف نہیں ہے، بلکہ **فعل ما فعل** معطوف ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے ،علت مقدرہ معطوف علیہ اس طرح مذکور ہوگا، **فعل ما فعل باحد لمصالح جمة و لیبتلی الله**، احد میں جو کچھ ہوا، وہ بڑی مصلحتوں کی وجہ سے ہوا اور اس لئے ہوا کہ اللہ تعالیٰ امتحان فرمائیں۔

وانما یبتلی لیظھر للناس :۔ اس ابتلاء کی مصلحت یہ بھی تھی کہ لوگوں کے سامنے منافقین و مخلصین الگ الگ واضح ہو جائیں۔

﴿مضامین آیات و تفسیر﴾

اے ایمان والو! اگر تم کفار کی بات مانتے رہو گے تو وہ تمہیں الٹے پاؤں کفر کی طرف لوٹا دیں گے اور تم بڑے خسارے میں پڑ جاؤ گے تمہارے حامی و ناصر تو اللہ تعالیٰ ہیں، اطاعت تو انہیں کی کرو، تم کفار کے عارضی غلبہ سے گھبراؤ مت، بہت جلد ہی ہم ان کے دلوں میں تمہاری ہیبت ڈال دیں گے اور ان کے تمام ارادوں پر پانی پھر جائیگا، کیونکہ انھوں نے اللہ کا شریک ایسی چیزوں کو ٹھہرا رکھا ہے جن کے معبود ہونے پر اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل اور حجت نہیں اتاری ہے۔ ان کا انجام جہنم ہے اور وہ ظالموں کا بدترین ٹھکانا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے جو تم سے وعدہ کیا تھا، اسے تو حق تعالیٰ نے پورا کر دیا تھا، چنانچہ تم لوگوں کے ساتھ اللہ کی مشیت تھی کہ تم انہیں قتل کئے جا رہے تھے، لیکن تمہارے اندر کمزوری راہ پا گئی اور تم لوگ نبی کے حکم کے بارے میں اختلاف کرنے لگے اور نتیجہ یہ ہوا کہ ایک صریح حکم کی خلاف ورزی واقع ہوئی، حالانکہ تم جو چاہتے تھے وہ بات حاصل ہو گئی تھی، لیکن تم میں سے بعض کی نیت دنیا کی ہو گئی اور بعض ارادۂ آخرت پر ثابت قدم رہے، اس کا انجام یہ ہوا کہ تمہارا رخ کفار کی جانب سے پھیر دیا گیا تا کہ تمہارا امتحان ہو جائے کہ مخلص کون ہے؟ اور دوسرا کون ہے؟ خیر اللہ تعالیٰ نے تمہاری خطا معاف کر دی ہے اور مومنین پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔

تم یہ بھی تو سوچو کہ بھاگے چلے جا رہے تھے کسی کے پکارنے پر گردن موڑ کر بھی دیکھتے نہ تھے حالانکہ خود رسول تمہیں پیچھے سے آواز دے رہے تھے کہ اللہ کے بندو! میرے پاس آؤ۔ اس سے نبی کو تکلیف ہوئی تو اس کے عوض میں تم کو تکلیف پہونچی۔ یہ سارا معاملہ اس لئے ہوا کہ آئندہ تمہیں کسی بات کی تکلیف نہ ہو نہ اس کی جو تم سے فوت ہو کر رہ گئی، اور نہ اس کی جو مصیبت تم پر آئی، اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ تعالیٰ کو اس کی خبر ہے، پھر اس

عوض اور صدمہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے تم پر ایک اطمینان نازل فرمایا، یعنی عین میدان جنگ میں تم پر اونگھ طاری ہوگئی، اور تم نیند میں جھوم رہے تھے، تلواریں ہاتھ سے گری جا رہی تھیں، اور ایک گروہ وہ تھا جسے صرف اپنی ہی پڑی تھی، طرح طرح کے شکوک وشبہات میں، جاہلیت کے شکوک وشبہات میں پڑے ہوئے تھے، کہتے تھے کہ جس نصرت کا وعدہ کیا گیا تھا اس میں ہمارا کوئی حصہ نہیں ہے، تم بتادو کہ سارا کام اللہ کے اختیار میں ہے وہ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں، لیکن یہ اپنے دل میں وہ باتیں چھپائے ہوئے ہیں، جنہیں ظاہر کرنے کی جرأت نہیں ہے۔ کہتے ہیں کہ اگر اس معاملہ میں ہماری بات چلی ہوتی، اور ہمارا بس چلتا تو اس جگہ ہم قتل نہ ہوتے، تم ان سے کہہ دو کہ اگر تم اپنے گھروں میں بند ہوتے، لیکن تم میں سے کسی پر قتل لکھا ہوا ہوتا تو خواہی نخواہی اپنے مقتل میں یعنی میدان جنگ میں آتا۔

یہ سب کارروائی اس لئے ہوئی کہ تمہارے دلوں کے اخلاص ونفاق کا امتحان ہو جائے، اور تاکہ جو کچھ تمہارے دل میں ہے اس میں پاکیزگی اور طہارت پیدا ہو جائے۔ اس سے مخلص و منافق سب کھل کر سامنے آجائیں گے۔

جن لوگوں نے میدان احد میں پیٹھ پھیری تھی، شیطان کے بہکاوے میں آگئے تھے اور شیطان کو ان کی بعض غلطیوں کی وجہ سے ان پر وسوسہ اندازی کا موقع مل گیا تھا، لیکن وہ مطمئن رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرما دیا ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ غفور ہیں، حلیم ہیں سزا میں عجلت نہیں کرتے۔

☆☆☆☆☆

﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ اى المنافقين ﴿وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ ﴾ اى فى شانهم ﴿ اِذَا ضَرَبُوْا ﴾ سافروا ﴿فِى الْاَرْضِ ﴾ فماتوا ﴿ اَوْ كَانُوْا غُزًّى﴾ جمع غاز فقتلوا ﴿لَوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَامَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا﴾ اى لا تقولوا كقولهم ﴿ لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ ﴾ القول فى عاقبة امرهم ﴿حَسْرَةً فِىْ قُلُوْبِهِمْ وَاللّٰهُ يُحْيِىْ وَ يُمِيْتُ ﴾ فلا يمنع عن الموت قعود﴿ وَاللّٰهُ بِمَايَعْمَلُوْنَ ﴾ بالتاء والياء﴿ بَصِيْرٌ﴾ فيجازيكم به. ﴿وَلَئِنْ ﴾ لام قسم ﴿ قُتِلْتُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ اى الجهاد﴿ اَوْ مُتُّمْ ﴾ بضم الميم و كسرها من مات يموت و يمات اى اتاكم الموت فيه ﴿لَمَغْفِرَةٌ﴾ كائنة ﴿مِّنَ اللّٰهِ ﴾ لذنوبكم ﴿ وَرَحْمَةٌ ﴾ منه لكم على ذلك واللام ومدخولها جواب القسم و هو فى موضع الفعل مبتدأ خبره ﴿ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴾ من الدنيا بالتاء والياء ﴿ وَلَئِنْ ﴾ لام قسم ﴿ مُّتُّمْ ﴾ بالوجهين ﴿اَوْ قُتِلْتُمْ ﴾ فى الجهاد او غيره ﴿لَا اِلَى اللّٰهِ ﴾لا الى غيره ﴿ تُحْشَرُوْنَ﴾ فى الآخرة فيجازيكم ﴿فَبِمَا﴾ ما زائدة ﴿رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ﴾ يا محمد ﴿ لَهُمْ ﴾ اى سهلت اخلاقك اذ خالفوك ﴿ وَلَوْ كُنْتَ

فَظًّا﴾ سئی الخلق ﴿ غَلِيْظَ الْقَلْبِ﴾ جافيا فاغلظت لهم ﴿ لَانْفَضُّوْا﴾ تفرقوا﴿مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ﴾ تجاوز ﴿ عَنْهُمْ﴾ ما اتوه﴿وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ ﴾ ذنوبهم حتى اغفرلهم ﴿ وَشَاوِرْهُمْ﴾ استخرج آراء هم ﴿ فِي الْاَمْرِ﴾ اى شانک من الحرب و غيره تطييبا لقلوبهم و ليستن بک وكان ﷺ كثير المشاورة لهم ﴿ فَاِذَا عَزَمْتَ﴾ على امضاء ما تريد بعد المشاورة﴿ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ﴾ ثق به لا بالمشاورة ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴾ عليه ﴿ اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ ﴾ يعينكم على عدوكم كيوم بدر ﴿فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ ﴾ يترک نصركم كيوم احد ﴿فَمَنْ ذَاالَّذِىْ يَنْصُرُكُمْ مِنْ بَعْدِهٖ﴾ اى بعد خذلانه اى لا ناصر لكم ﴿ وَعَلَى اللّٰهِ ﴾ لا غيره ﴿فَلْيَتَوَكَّلِ ﴾ ليثق ﴿الْمُؤْمِنُوْنَ ﴾ ونزل لما فقدت قطيفة حمراء يوم بدر فقال بعض الناس لعل النبى ﷺ اخذها ﴿ وَمَا كَانَ ﴾ ينبغى﴿لِنَبِيٍّ اَنْ يَغُلَّ﴾ يخون فى الغنيمة فلا تظنوا به ذلک و فى قراء ة بالبناء للمفعول اى ينسب الى الغلول ﴿ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ حاملا له على عنقه﴿ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ﴾ الغال و غيره جزاء ﴿ مَّا كَسَبَتْ﴾ عملت﴿وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴾ شيئا﴿ اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ ﴾ فاطاع ولم يغل ﴿ كَمَنْ بَآءَ﴾ رجع ﴿بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ ﴾ بمعصيته وغلوله ﴿ وَمَاْوٰهُ جَهَنَّمُ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴾ المرجع هى لا ﴿هُمْ دَرَجٰتٌ﴾ اى اصحاب درجٰت ﴿عِنْدَاللّٰهِ﴾ اى مختلفوا المنازل فلمن اتبع رضوانه الثواب ولمن باء بسخطه العقاب ﴿ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴾ فيجازيهم به ﴿ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْبَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ ﴾ اى عربيا مثلهم ليفهموا عنه ويشرفوا به لا ملكا ولا عجمياً﴿يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ آيٰتِهٖ ﴾ القرآن ﴿ وَيُزَكِّيْهِمْ﴾ يطهرهم من الذنوب ﴿وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ ﴾ القرآن ﴿ وَالْحِكْمَةَ ﴾ السنة ﴿ وَاِنْ﴾ مخففة اى انهم ﴿كَانُوْا مِنْ قَبْلُ ﴾ اى قبل بعثه ﴿ لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴾ بين ﴿ اَوَ لَمَّا اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ ﴾ باحد بقتل سبعين منكم ﴿ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ﴾ببدر بقتل سبعين واسر سبعين منهم ﴿ قُلْتُمْ ﴾ متعجبين﴿ اَنّٰى﴾ من اين لنا ﴿هٰذَا﴾ الخذلان و نحن مسلمون و رسول الله فينا والجملة الاخيرة فى محل الاستفهام الانكارى ﴿قُلْ ﴾ لهم ﴿ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ﴾ لانكم تركتم المركز فخذلتم ﴿ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ ومنه النصر و منعه وقد جازاكم بخلافكم ﴿ وَمَا اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ﴾ باحد﴿ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ ﴾ بارادته﴿ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ ﴾ علم ظهور﴿ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾حقاً ﴿وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا وَ ﴾الذين ﴿قِيْلَ لَهُمْ ﴾ لما انصرفوا عن القتال وهم عبدالله بن ابى

واصحابه ﴿ تَعَالَوا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾اعداء ه ﴿ اَوِ ادْفَعُوْا﴾ عنا القوم بتكثير سوادكم ان لم تقاتلو﴿ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ ﴾ نحس ﴿ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنٰكُمْ ﴾ قال تعالىٰ تكذيباً لهم ﴿ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ﴾ بما اظهروا من خذلانهم للمومنين وكانوا قبل اقرب الى الايمان من حيث الظاهر﴿ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ﴾ولوعلموا قتالا لم يتبعوكم ﴿ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ﴾ من النفاق ﴿ اَلَّذِيْنَ ﴾ بدل من الذين قبله او نعت ﴿قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ ﴾ فى الدين ﴿ وَ﴾قد ﴿قَعَدُوْا﴾ عن الجهاد﴿لَوْ اَطَاعُوْنَا﴾ اى شهداء احد واخواننا فى القعود﴿ مَا قُتِلُوْا قُلْ ﴾ لهم ﴿فَادْرَؤُا﴾ ادفعوا﴿ عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾ فى ان القعود ينجى منه و نزل فى الشهداء ﴿ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا ﴾ بالتخفيف والتشديد﴿ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ اى لاجل دينه ﴿ اَمْوَاتًا بَلْ﴾ هم﴿ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ ﴾ ارواحهم فى حواصل طيور خضر تسرح فى الجنة حيث شاء ت كما ورد فى حديث ﴿يُرْزَقُوْنَ﴾ ياكلون من ثمار الجنة ﴿ فَرِحِيْنَ ﴾ حال من ضمير يرزقون ﴿ بِمَا آتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَ﴾ هم ﴿ يَسْتَبْشِرُوْنَ﴾ يفرحون ﴿ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ﴾ من اخوانهم المؤمنين و يبدل من الذين ﴿اَنْ﴾ اى بان ﴿لَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ ﴾ اى الذين لم يلحقوا بهم ﴿وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴾ فى الآخرة المعنىٰ يفرحون بامنهم و فرحهم ﴿يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ ﴾ ثواب﴿مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ﴾ زيادة عليه ﴿ وَاَنَّ ﴾ بالفتح عطفاً على نعمة والكسر استينافا﴿اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾بل ياجرهم ۔

﴿ ترجمہ ﴾

(اے ایمان والو! تم ان لوگوں کی طرح مت ہونا، جنھوں نے کفر کیا) یعنی منافقین (اور اپنے بھائیوں کے لئے) یعنی ان کے حق میں (کہا جب وہ زمین میں سفر کرتے ہیں) پس ان کی موت آ گئی (یا وہ غزوہ میں گئے) اور شہید کر دیئے گئے، غُــزا، غــازٍ کی جمع ہے (کہ اگر ہمارے پاس رہ گئے ہوتے تو نہ مرتے اور نہ قتل ہوتے) یعنی اس طرح کی بات مت بولو، اس قول کا انجام یہ ہوگا (کہ یہ بات اللہ ان کے دلوں میں حسرت بنا کر پیوست کر دیں گے اور اللہ تعالیٰ زندہ کرتے ہیں اور موت دیتے ہیں) اس لئے بیٹھ رہنا موت سے بچا نہیں لے گا (اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ تعالیٰ اسے دیکھتے ہیں) اس کا بدلہ تمہیں دیں گے ۔ تعملون ،تاء کے ساتھ بھی اور یاء کے ساتھ بھی، (اور اگر) لـئـن میں لام قسم کے لئے (تم اللہ کی راہ میں) یعنی جہاد میں (قتل کر دیئے گئے، یا مر گئے) متم میم کے ضمہ کے ساتھ اور اس کے کسرہ کے ساتھ ہے، مات یموت اور مات یمات باب نصر اور سمع

سے، یعنی تم کو موت آ گئی (تو اللہ کی جانب سے) تمہارے گناہوں کی ہونے والی (مغفرت اور) ان کی (رحمت) تمہارے اوپر اس کے عوض میں، لام اور اس کا مدخول یعنی **لمغفرۃ** جواب قسم ہے اور موضع فعل میں ہے، مبتدا ہے، اس کی خبر یہ ہے (اس چیز سے بہتر ہے، جس کو یہ سمیٹتے ہیں) یعنی دنیا، **یجمعون** یا اور تاء سے دو قرأت ہے (اور اگر) لئن میں لام قسم کیلئے ہے (تم مرجاؤ) دونوں طرح پر، یعنی **متم** بکسر المیم اور متم بضم المیم (یا قتل کر دیئے جاؤ) جہاد وغیرہ میں (تو اللہ ہی کی طرف) نہ کہ کسی اور کی طرف آخرت میں (جمع کئے جاؤ گے) پھر وہ تم کو جزا دیں گے (بس اللہ کی طرف سے رحمت ہی ہے) **فبما** میں **ما** زائد ہے (کہ) اے محمد (تم ان کیلئے نرم مزاج ہو) یعنی انھوں نے تمہاری خلاف ورزی کی، مگر تمہارے مزاج واخلاق میں نرمی اور سہولت رہی (اور اگر تم بد خلق، سخت دل ہوتے) اور ان پر سختی کرتے (تو تمہارے پاس سے منتشر ہو جاتے تو ان سے درگزر کرو) جو کچھ ان سے قصور ہوا ہے معاف کر دو (اور ان کے لئے) ان کے گناہوں سے (استغفار کرو) کہ میں بھی انہیں معاف کردوں (اور ان سے) لڑائی وغیرہ کے (معاملات میں) ان کے اطمینان قلب کے لئے (مشورے بھی کرو) یعنی ان کی رائے معلوم کر لیا کرو تاکہ یہ سنت قائم ہو جائے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ بکثرت مشورے لیتے تھے (پھر جب) مشورے کے بعد اپنے ارادے کو نافذ کرنے کا (عزم کر لو تو اللہ پر) نہ کہ مشورہ پر (بھروسہ کرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں سے محبت رکھتے ہیں، اگر اللہ تعالیٰ) تمہارے دشمنوں کے خلاف (تمہاری مدد کریں) جیسا کہ غزوہ بدر میں ہوا، (تو کوئی تم پر غالب نہیں آ سکتا اور اگر تم کو) یعنی تمہاری مدد کو (ترک کر دیں) جیسا کہ غزوۂ احد میں ہوا (تو کون ہے جو اس کے بعد) یعنی اس چھوڑنے کے بعد (تمہاری مدد کرے) یعنی کوئی مددگار نہ ہوگا (اور اللہ ہی پر) کسی اور پر نہیں (اہل ایمان کو توکل کرنا چاہئے)

اگلی آیت اس وقت نازل ہوئی جب بدر میں مال غنیمت میں سے ایک سرخ چادر کھو گئی تھی تو بعض لوگوں نے کہا کہ شاید نبی ﷺ نے رکھ لیا ہو (اور کسی نبی کیلئے مناسب نہیں ہے کہ) مال غنیمت میں (خیانت کرے) یہ بدگمانی نہ کرو اور ایک قرأت میں **یُغَلَّ** فعل مجہول ہے، یعنی یہ کہ نبی کو خیانت کے ساتھ منسوب کیا جائے، درست نہیں ہے (اور جو کوئی خیانت کرے گا تو اپنی خیانت کی ہوئی چیز کو) قیامت کے دن اپنی گردن پر لاد کر (لائے گا، پھر ہر نفس کو) خواہ وہ خائن ہو یا امین ہو (وہ کام) یعنی اس کا بدلہ (جو اس نے کیا ہے، پورا پورا دیا جائے گا، اور ان پر کچھ ظلم نہیں کیا جائے گا، بھلا جس کسی نے اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی پیروی کی) یعنی اس کی اطاعت کی، اور خیانت نہیں کی (کیا اس شخص جیسا ہوگا جو) اپنی معصیت اور خیانت کی وجہ سے (اللہ کی ناراضگی لے کر لوٹا اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے) نہیں دونوں ایک جیسے نہیں ہیں (وہ مختلف درجات) والے (ہیں اللہ کے نزدیک) جنھوں نے اللہ کی رضا کا اہتمام کیا، ان کیلئے ثواب ہے اور جنھوں نے ان کی ناراضگی مول لی، ان کیلئے

سزا ہے (اور جو کچھ یہ لوگ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اسے دیکھتے ہیں) انہیں اس کا بدلہ دیں گے۔

(بے شک اللہ نے اہل ایمان پر احسان فرمایا کہ ان کے درمیان، ایک رسول انہیں میں سے) یعنی انہیں کے مثل عرب کا باشندہ تاکہ اس کی بات سمجھ سکیں اور اس واسطے کہ ان کو شرف حاصل ہو، نہ فرشتہ بھیجا اور نہ عجمی (جو انہیں اللہ کی آیات) یعنی قرآن (پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں) گناہوں سے (پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب کی) یعنی قرآن کی (اور حکمت) یعنی سنت (کی تعلیم دیتا ہے، اور بلاشبہ وہ لوگ) وان کانوا میں ان مخفف من الثقیلۃ ہے یعنی انھم (اس سے) یعنی رسول کی بعثت سے (پہلے کھلی گمراہی میں تھے اور کیا جب تم پر) احد میں (وہ مصیبت آئی) یعنی ستر صحابہ کے قتل کی مصیبت (کہ اس کی دوگنا مصیبت تم) بدر میں ستر آدمیوں کے قتل اور ستر آدمیوں کو گرفتار کر کے (پہونچا چکے تھے تو تم نے) از راہ تعجب (کہا کہ) ہمارے لئے (یہ) عدم نصرت (کہاں سے ہے) حالانکہ ہم مسلمان ہیں اور اللہ کے رسول ہمارے درمیان موجود ہیں اور جملہ اخیرہ استفہام انکاری کا محل ہے (تم) ان سے (کہو کہ یہ تمہاری ہی طرف سے ہے) کیونکہ تم نے مرکز کو چھوڑ دیا، پس شکست سے دوچار ہو گئے (بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتے ہیں) اور انہیں چیزوں میں نصرت بھی ہے اور اسے روک دینا بھی ہے، تو تم کو تمہارے خلاف حکم کرنے کی جزا ملی (اور جو بھی مصیبت تم پر اس دن آئی جس دن دونوں فوجیں ٹکرائی تھیں) یعنی احد میں (وہ اللہ کے اذن) یعنی ان کے ارادے (سے آئی، اور اس لئے تاکہ) اللہ تعالیٰ سچے (اہل ایمان کو) بطور علم ظہور کے (جان لیں اور اس لئے تاکہ اہل نفاق کو جان لیں، اور ان لوگوں کو بھی جن سے) جب وہ لڑائی سے لوٹ آئے تھے، اور وہ عبداللہ بن ابی اور اس کے لوگ تھے (کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں) اس کے دشمنوں سے (لڑو یا) یا اپنی تعداد کی تکثیر سے......اگر لڑنا نہ ہو......ہم سے قوم کو (دفع کرو) تو ان لوگوں نے کہا کہ اگر ہم لڑنا بخوبی جانتے تو ہم تمہارے پیچھے آتے) اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب کی اور فرمایا (وہ آج ایمان کی بہ نسبت کفر سے قریب تر ہیں) اس لئے انھوں نے کھلم کھلا مسلمانوں کی مدد کو ترک کر دیا، اور اس سے پہلے بظاہر وہ ایمان سے قریب تر تھے (اپنے منہ سے وہ بات بولتے ہیں جو دل میں نہیں ہے) حالانکہ اگر وہ لڑائی جانتے بھی ہوتے۔ تب بھی تمہارا ساتھ نہ دیتے (اور اللہ تعالیٰ اس) نفاق کو (جانتے ہیں جو وہ چھپاتے ہیں، جن لوگوں نے) الذین ماقبل کے الذین سے بدل ہے یا اس کی صفت ہے (اپنے) دینی (بھائیوں کے حق میں کہا، اس حال میں یہ خود) جہاد سے (بیٹھ گئے تھے، اگر ہماری بات) شہداء احد یا ہمارے بھائی جنگ سے بیٹھ رہنے میں (مان لئے ہوتے تو قتل نہ کئے جاتے، تم) ان سے (کہو اچھا تو اپنے آپ سے موت کو دفع کرو اگر تم) اس بات میں (سچے ہو) کہ بیٹھ رہنا قتل سے نجات دے دے گا۔

اور شہداء کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی (اور جو لوگ اللہ کی راہ میں) ان کے دین کے واسطے (قتل

کئے گئے ہیں) قتلوا تخفیف اور تشدید دونوں طریقے پر قرأت ہے (انہیں ہرگز مردہ مت گمان کرو بلکہ) وہ (اپنے رب کے پاس زندہ ہیں) ان کی روحیں سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہیں، جنت میں جہاں چاہتی ہیں اڑتی پھرتی ہیں، جیسا کہ حدیث میں وارد ہے (ان کو) جنت کے پھلوں کی (روزی ملتی ہے وہ اس فضل پر مسرور ہیں) فرحین ،یرزقون کی ضمیر سے حال ہے (جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمایا ہے، اور وہ ان لوگوں سے بھی خوش ہیں جو ابھی ان سے نہیں ملے ہیں، جو) ان کے مومن بھائی (ان کے پیچھے ہیں) اور الذین سے بدل یہ ہے کہ (ان پر) یعنی جو لوگ ان سے ملحق نہیں ہوئے ہیں، ان پر (کوئی خوف نہیں ہے، اور نہ وہ) آخرت میں (غمگین ہوں گے) مطلب یہ ہے کہ وہ ان کے امن وسرور سے خوشی محسوس کرتے ہیں (وہ اللہ کے احسان) یعنی ثواب (اور فضل سے) جو ثواب مزید ہے (خوش ہوتے ہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ مومنین کے اجر کو ضائع نہیں کرتے) بلکہ انہیں اجر دیتے ہیں وان اللہ لا یضیع اجر المومنین میں ان کے فتحہ کے ساتھ نعمةٍ پر عطف ہے اور کسرے کے ساتھ جملہ مستانفہ ہے۔

﴿تشریحات﴾

ای المنافقین: الذین کفروا سے مراد عام کفار نہیں ہیں بلکہ منافقین ہیں، جو بظاہر ایمان والے تھے، مگر در حقیقت کافر تھے، لیکن الفاظ کے عموم کا اعتبار کرتے ہوئے، تمام کفار کا یہی حکم ہے۔

ای فی شانھم: ۔قول کا صلہ لام آتا ہے تو عموماً اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ جس پر لام داخل ہے وہی اس قول کا مخاطب ہے، مثلا قلت لزید کا مطلب یہ ہے کہ میں نے زید سے کہا، قول کا مخاطب زید ہے، قالوا لاخوانھم سے بھی بظاہر یہی سمجھ میں آتا ہے کہ انھوں نے اپنے بھائیوں سے کہا، لیکن یہاں وہ مخاطب نہیں ہے۔ کیونکہ ان کا یہ قول ''اخوانھم'' ان کے شہید ہونے یا مرجانے کے بعد صادر ہوا ہے۔ تو لاخوانھم کا مطلب ہوا فی شانھم یعنی اپنے بھائیوں کے بارے میں انھوں نے کہا۔

فماتوا: ۔تشریح میں یہ لفظ کفار کے قول ماماتوا کے قرینے سے اور آگے قتلوا کا لفظ ما قتلوا سے ماخوذ ہے۔

فی عاقبة امرھم: . لیجعل اللہ میں لام تعلیلیہ نہیں ہے بلکہ لام عاقبت ہے، یعنی اس کہنے کا انجام یہ ہوگا کہ یہ بات حسرت ورنج بن کر ان کے دل میں چھپی رہے گی، کیونکہ جب دل میں یہ بات جمی ہوگی کہ فلاں کام نہ کئے ہوتے تو بچ جاتے تو یہ تصور ہمیشہ تکلیف پہونچاتا رہے گا۔

واللام ومدخولھا جواب القسم: ۔لام اور اس کا مدخول یعنی لمغفرة من اللہ مبتدا ہے اور اس کی خبر مما یجمعون ہے۔ یہ جملہ جواب قسم ہے اور قسم و لئن قتلتم او متم ہے، اور جواب شرط محذوف ہے، قاعدہ یہ ہے کہ قسم اور شرط جمع ہوتی ہے تو جواب شرط محذوف ہوجاتا ہے۔

وھو فی موضع الفعل :۔ھو ضمیر کا مرجع مدخولھا یعنی لام کا مدخول مغفرۃ فعل کی جگہ پر ہے۔تقدیر عبارت یوں ہوگی غفر لکم و رحمکم ۔صاحب جمل نے فرمایا ہے کہ اس کہنے کی ضرورت نہیں تھی، کیونکہ جواب قسم کے لئے فعل کا ہونا ضروری نہیں ہے، جملہ اسمیہ جواب قسم ہوتا ہے، ہاں اگر شرط کی جزا کا مسئلہ ہوتا تو البتہ فی موضع الفعل کہنا بجا ہوتا کہ جواب شرط فعل ہی ہوتا ہے۔

ما زائدۃ : . فبما رحمة من الله میں ما زائدہ ہے یعنی حرف جار اور مجرور کے درمیان فاصل ہے اور تاکید کیلئے آیا ہے، ما کافہ نہیں ہے جس کی وجہ سے لفظوں میں حرف جر کا اثر باطل ہو جاتا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے، جیسے فبما نقضهم میثاقهم میں ہے اور عما قلیل میں ہے اور مما خطیئاتهم میں ہے۔اہل عرب کبھی کلام میں تاکید کیلئے کوئی ایسا لفظ بڑھا دیتے ہیں جس کی وہاں ضرورت نہیں ہوتی، جیسے فلما ان جاء البشیر میں ان زائد ہے مگر معنوی اعتبار سے مفید ہوتا ہے کہ اس سے تاکید کا معنی حاصل ہوتا ہے، یعنی یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ آپ ان کے حق میں نرم مزاج ہیں۔

جافیا : جفوۃ سے مشتق ہے، دل کی اور مزاج کی سختی کو کہتے ہیں، اور فظاظة قول وعمل کی سختی ہے۔یعنی بدخوئی، مطلب یہ ہے کہ آپ نہ دل کے سخت ہیں اور نہ معاملات میں قول وعمل کی سختی کا برتاؤ فرماتے ہیں، یعنی ظاہر وباطن ہر اعتبار سے نرم ہیں۔

استخرج آراء ھم : ۔مشورہ کا حاصل یہی ہوتا ہے کہ جس سے مشورہ کیا جاتا ہے، اس کی رائے معلوم کرنی ہوتی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دلداری: غزوہ احد میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بظاہر اتنی بڑی غلطی ہوئی تھی کہ وہ کسی طرح قابل معافی دوسروں کے نزدیک نہ ہوتی۔اس کا تقاضہ یہ تھا کہ کم از کم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مستقل کبیدگی ہو جاتی۔لیکن یہاں عجیب بات ہے کہ اصحاب کرام کیلئے حق تعالیٰ سفارش فرماتے ہیں اور اس کی ترتیب نہایت فطری رکھی ہے، پہلے یہ فرمایا کہ ان سے درگزر کرو، تاکہ آپ کی کبیدگی دور ہو جائے، پھر فرمایا کہ ان کے لئے اللہ سے مغفرت کی درخواست کرو، اس میں بظاہر دو بڑی مصلحتیں ہیں، ایک یہ کہ ان کی خطا تمہارے معاف کر دینے کے بعد عند اللہ بھی معاف ہو جائے۔دوسرے یہ کہ دعا اسی کے حق میں کی جاتی ہے، جس کی طرف سے دل میں کبیدگی نہیں ہوتی۔اگر ذرا بھی کبیدگی دل میں ہوگی۔تو اس کے لئے دل سے دعا نہ نکلے گی۔تو آپ کا دعا کرنا اس بات کی ضمانت ہوگی کہ آپ کے دل میں کبیدگی اور انقباض نہیں ہے۔اس کے بعد سفارش کی آخری منزل یہ ہے کہ درپیش امور میں ان سے مشورہ بھی کرو خواہ وہ دنیاوی معاملہ ہو یا دینی معاملہ ہو جس پر مشورہ کی ضرورت ہو۔فطری بات یہ ہے کہ آدمی جس سے ناراض ہوتا ہے، اور اس کی غلطی بڑی اور واضح ہوتی ہے، اس پر

سے اعتماد جاتا رہتا ہے، وہ معاف بھی کر دیتا ہے، کبیدگی بھی دور ہو جاتی ہے، مگر اعتماد و اعتبار دیر میں پیدا ہوتا ہے، اور جس پر اعتبار نہیں ہوتا۔ اس سے مشورہ بھی نہیں لیا جاتا تو آپ کو حکم دیا گیا کہ ان سے مشورہ کیا کرو۔ تا کہ یہ اس بات کی سند بن جائے کہ آپ کو ان سے بے اعتمادی نہیں ہے، اس سے صحابۂ کرام کے قلوب بالکل مطمئن ہو جائیں گے، انہیں کسی طرح کا وسوسہ اور دغدغہ باقی نہیں رہے گا۔

تطییباً لقلوبھم و لیستن بک :۔ یہ سارے احکام بالخصوص مشورہ کا حکم اس لئے دیا ہے کہ صحابہ کرام کے قلوب کو خوشی اور اطمینان کی دولت حاصل ہوگی۔ اور اس لئے بھی کہ اس میں آپ کی سنت جاری ہو جائے، بعد میں امت کے حکام کے سامنے ایسی مواقع پر نبی کریم ﷺ کا نمونہ رہے۔

ای بعد خذلانه :. **فمن ذاالذی ینصر کم من بعده** میں بعد کا اصل مضاف محذوف ہے، یعنی **بعد خذلانه** ۔ یعنی **بعد ترک نصره**

حاملا له علی عنقه :. **روی الشیخان عن ابی هریرة قال قام فینا رسول الله** ﷺ **ذات یوم فذکر الغلول فعظمه و عظم امره حتی قال لا الفین احدکم یجئی یوم القیامة علی رقبته بعیر له رغاء یقول یا رسول الله اغثنی فاقول لا املک لک من الله شیئا قد ابلغتک الخ** : بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان کھڑے ہوئے اور مال غنیمت میں خیانت کا ذکر فرمایا۔ اور اسے بہت بڑا جرم بتایا۔ آپ نے فرمایا کہ میں تم میں سے کسی کو اس حال میں نہ پاؤں کہ وہ قیامت کے دن اپنی گردن پر اونٹ لاد کر لائے، اور وہ بلبلا رہا ہو، وہ مجھ سے کہے کہ اے اللہ کے رسول میری مدد فرمایئے، تو اس سے کہوں، میں اللہ کے مقابلے میں کوئی ملکیت نہیں رکھتا۔ میں تو بات پہلے ہی پہونچا چکا ہوں، اسی طرح کے کلمات آپ نے گائے، بکری، کپڑے اور سونا چاندی کے متعلق بھی فرمائے۔

اسی حدیث سے اخذ کر کے مفسر نے خیانت کے بارے میں **حاملا له علی عنقه** فرمایا ہے۔

لآ :. **افمن اتبع رضوان الله کمن باء بسخط من الله وماواه جهنم و بئس المصیر** کے بعد لآ کا کلمہ مفسر نے اس لئے ذکر کیا ہے کہ یہاں استفہام انکاری ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی جستجو میں رہتا ہے اور جو معصیت کر کے اللہ کو ناراض کر لیتا ہے، وہ دونوں برابر نہیں ہیں۔ ایک کیلئے ثواب ہے اور دوسرے کیلئے عذاب ہے۔

والجملة الخیرة محل الاستفهام الانکاری : **اولما اصابتکم الخ** میں ہمزہ استفہام انکار کیلئے ہے لیکن انکار **لما اصابتکم** کا نہیں بلکہ **قلتم انی هذا**، استفہام انکاری کا محل ہے، یعنی تم کو تعجب سے یہ بات نہیں کہنی چاہئے، کیونکہ تمہیں ہزیمت کا سبب معلوم ہے، تعجب تو وہاں ہوتا ہے، جہاں سبب مخفی ہو اور یہاں تو

عیاں ہے۔

علم ظھور :. اس کی تشریح پہلے گزر چکی ہے۔

(و) قد(قعدوا):. وقعدوا حال ہے، اور قاعدہ ہے کہ جملہ فعلیہ جب ماضی کے صیغہ سے ہو تو حال ہونے کیلئے شرط ہے کہ قد اس کے شروع میں ہو، تا کہ وہ زمانۂ حال کے قریب ہو کر حال بن سکے۔ اگر لفظاً قد نہ ہو تو مقدر ہوگا۔ چنانچہ اسی لئے مفسر نے یہاں قد کو ظاہر کر دیا

من اخوانھم المومنین :۔ شہداء بالخصوص شہداء احد جن پر اس خاص موقع پر بہت غم تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تسلی کیلئے یہ آیت نازل فرمائی چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام سے فرمایا کہ جب واقعۂ احد میں تمہارے بھائی شہید ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی ارواح کو سبز پرندوں کے جسم میں رکھ کر آزاد کر دیا، وہ جنت کی نہروں اور باغات کے پھلوں سے اپنا رزق حاصل کرتے ہیں اور پھر ان قندیلوں میں آجاتے ہیں جو ان کیلئے عرش رحمٰن کے نیچے معلق ہیں۔ جب ان لوگوں نے اپنی راحت وعیش کی یہ زندگی دیکھی تو کہنے لگے کہ (ہمارے متعلقین دنیا میں ہمارے مرنے سے غمگین ہیں) کیا کوئی ہمارے حالات کی خبر ان کو پہنچا سکتا ہے تا کہ وہ ہمارے اوپر غم نہ کریں اور وہ بھی جہاد میں کوشش کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم تمہاری یہ خبر ان کو پہونچائے دیتے ہیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (معارف القرآن ج:۲ص:۲۳۷ بحوالہ قرطبی)

پھر ان کو اس کی بھی خوشی ہوئی ہے کہ ان کے بعد والے اطاعت الٰہی اور جہاد فی سبیل اللہ میں سرگرم ہیں، انہیں بھی کوئی خوف وحزن نہ ہوگا۔

مضامین آیات وتفسیر

یہ بھی اللہ کی بڑی مہربانی ہے کہ اے رسول! تم اپنے اصحاب اور امت کیلئے نہایت نرم مزاج اور نرم دل ہو، ورنہ انھوں نے جو تمہارے حکم کی خلاف ورزی کی تھی تو اگر تم بدخلق اور سخت دل ہوتے اور اس کے مطابق تمہارا معاملہ ہوتا تو یہ سب تمہارے پاس سے منتشر ہو جاتے، تو ان سے درگزر ہی کرو، اور اللہ کے حضور ان کے لئے استغفار کرو، اور کاموں میں ان سے مشورے بھی لو، تا کہ ان کے قلوب بھی مطمئن اور تمہاری ایک سنت بھی جاری ہو جائے اور مشورے کے بعد جب فیصلہ کو نافذ کرنے کا عزم ہو تو محض اللہ پر بھروسہ کرو، اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں کو محبوب رکھتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کریں تو تم پر کوئی غلبہ نہیں پا سکتا، اور اگر وہ ہی مدد کو روک لیں تو کون ہے جو تمہاری مدد کرے اور ایمان والوں کو توکل تو اللہ تعالیٰ ہی پر کرنا ہے۔

نبی کی شان یہ نہیں ہے کہ وہ خیانت کرے، اگر مال غنیمت میں کوئی چادر نہیں مل رہی ہے تو یہ گمان مت کرو کہ چپکے سے نبی نے اپنے لئے رکھ لیا ہوگا، نبی ایسا کر ہی نہیں کر سکتا، اور جو کوئی خیانت کا ارتکاب کرتا ہے،

قیامت کے دن وہ خیانت والے مال کو اپنی گردن پر لاد کر لائے گا، پھر سب کو ان کے کئے ہوئے کا پورا پورا بدلہ دے دیا جائے گا اور ان پر کچھ ظلم نہ ہوگا۔

ایک وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں لگا رہتا ہے، اور ایک وہ ہے جو خدا کی ناراضگی مول لیتا رہتا ہے، یعنی مبتلائے گناہ رہتا ہے اور اس کا انجام جہنم ہے، اور وہ لوٹ کر جانے کی بدترین جگہ ہے، کیا یہ دونوں برابر ہوں گے؟ ہرگز نہیں! ان کے درجات الگ الگ ہیں، ایک مستحق ثواب ہے اور ایک مورد عذاب! اور جو کچھ یہ لوگ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ہے۔

اہل ایمان پر اللہ تعالیٰ کا یہ بڑا احسان ہے کہ، انہیں کے خاندان سے ایک رسول کو مبعوث فرمایا تاکہ اس سے استفادہ کریں، اگر کوئی فرشتہ ہوتا یا اجنبی ہوتا تو یہ بات نہ ہوتی، وہ رسول، اللہ تعالیٰ کی آیات کی ان کے سامنے تلاوت کرتا ہے، ان کا گناہوں سے تزکیہ کرتا ہے، نیز کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے، رسول کی بعثت سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں تھے۔

ایک وقت یہ ہے کہ تم کو جنگ احد میں ایک مصیبت سے دوچار ہونا پڑا، لیکن ایک وقت وہ تھا کہ جنگ بدر میں تمہاری طرف سے کفار پر اس سے دوگنا مصیبت پڑ چکی ہے تو کیا اب تم کو تعجب ہو رہا ہے، اور تم حیرت سے کہہ رہے ہو کہ یہ شکست کیونکر ہوئی، جبکہ ہم مسلمان ہیں اور اللہ کے رسول ہمارے درمیان ہیں، حالانکہ اگر تم غور کرو تو اس کا سبب خود تمہیں ہو، کیونکہ بغیر اجازت کے بلکہ خلاف حکم تم نے اس مرکز کو چھوڑ دیا، جس پر بہرحال تم کو جمے رہنے کا حکم تھا، بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر قدرت حاصل ہے۔

میدان احد میں جو کچھ ہوا اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادے سے ہوا، اور اس لئے ہوا کہ سچے مومن اور جھوٹے منافق سب ممتاز ہو جائیں۔ وہ منافق جن سے کہا گیا تھا کہ آؤ اللہ کے راستے میں جہاد کرو یا فوج اسلام کی تعداد بڑھا کر دشمنوں کو ہیبت زدہ ہی کرو کہ وہ قریب نہ آئیں، اس پر انھوں نے کہا کہ اگر ہم لڑنے کا فن جانتے تو ہم تمہارے ساتھ چلتے، آج یہ لوگ بہ نسبت ایمان کے کفر سے قریب تر ہیں۔ اپنے منہ سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں ہے، جو کچھ یہ اپنے دل میں چھپا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو اس کی خبر ہے۔

یہ خود تو جہاد سے بیٹھ ہی رہے، ان کے بھائی بند جو لڑائی میں شریک ہوئے، ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ اگر یہ ہماری بات مانے ہوتے تو نہ مارے جاتے، ان سے کہو کہ ذرا یہ اپنی جان سے موت کو تو ٹالیں، اگر سچے ہیں۔

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید ہوئے ہیں، انہیں مردہ نہ سمجھو، وہ زندہ ہیں، رب کائنات کے پاس سے انہیں روزی ملتی ہے، اللہ تعالیٰ نے انہیں جو فضل و بخشش عطا فرمائی ہے اس پر بے حد خوش ہیں، اور جو لوگ ابھی دنیا میں ہیں، اور طاعت وعبادت اور جہاد فی سبیل اللہ میں سرگرم ہیں، ان سے بہت مسرور وشاداں ہیں کہ انہیں

بھی کوئی خوف و رنج نہیں ہوگا، انہیں اس بات کی بڑی مسرت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے کارناموں کا ثواب بھی عطا فرمایا، اور مزید انعامات سے نوازا، اور دائمی اور ابدی خوشی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بھی مومن کے اجر کو ضائع نہیں کریں گے۔

☆☆☆☆☆

﴿اَلَّذِیْنَ﴾ مبتدأ ﴿اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ﴾ دعاء ه بالخروج للقتال لما اراد ابو سفيان واصحابه العود و تواعدوا مع النبی ﷺ سوق بدر العام المقبل من يوم احد ﴿مِنْ بَعْدِ مَا اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ﴾ باحد و خبر المبتدأ ﴿لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا مِنْهُمْ﴾ بطاعته ﴿ واتَّقَوْا﴾ مخالفته ﴿ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ﴾ هو الجنة ﴿ اَلَّذِیْنَ ﴾ بدل من الذين قبله او نعت ﴿ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ﴾ ای نعیم بن مسعود الاشجعی ﴿اِنَّ النَّاسَ ﴾ ابا سفيان واصحابه ﴿قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ ﴾ الجموع ليستاصلوكم ﴿ فَاخْشَوْهُمْ ﴾ ولا تاتوهم ﴿ فَزَادَهُمْ ﴾ ذلك القول ﴿ اِيْمَانًا﴾ تصديقا بالله و يقيناً ﴿ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ ﴾ كافينا امرهم ﴿وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾ المفوض اليه الامر هو وخرجوا مع النبی ﷺ فوافوا سوق بدر والقى الله الرعب فی قلب ابی سفيان واصحابه فلم ياتوا وكان معهم تجارات فباعوا و ربحوا قال تعالیٰ ﴿ فَانْقَلَبُوْا﴾ رجعوا من بدر ﴿ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ ﴾ بسلامة و ربح ﴿لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْءٌ﴾ من قتل او جرح ﴿وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ﴾ بطاعته و رسوله فی الخروج ﴿ وَاللّٰهُ ذُوْفَضْلٍ عَظِيْمٍ ﴾ على اهل طاعته ﴿ اِنَّمَا ذٰلِكُمْ ﴾ القائل لكم ان الناس الخ ﴿ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ﴾ كم ﴿اَوْلِيَاءَهٗ﴾ الكفار ﴿فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ﴾ فی ترک امری ﴿ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾ حقا ﴿ وَلَا يَحْزُنْكَ﴾ بضم الياء وكسر الزای وبفتحها وضم الزای من حزنه لغة فی احزنه ﴿ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِی الْكُفْرِ﴾ يقعون فيه سريعا بنصرته وهم اهل مكة اوالمنافقون ای لا تهتم لكفرهم ﴿ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوْا اللّٰهَ شَيْئًا﴾ بفعلهم وانما يضرون انفسهم ﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا﴾ نصيباً ﴿ فِی الْاٰخِرَةِ﴾ ای الجنة فلذلک خذلهم ﴿ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴾ فی النار ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ ﴾ ای اخذوه بدله ﴿ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ ﴾ بكفرهم ﴿ شَيْئًا وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾ مؤلم ﴿ وَلَا يَحْسَبَنَّ ﴾ بالياء والتاء ﴿ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَنَّمَا نُمْلِیْ ﴾ ای املاءنا ﴿ لَهُمْ ﴾ بتطويل الاعمار و تاخيرهم ﴿خَيْرٌ لِاَنْفُسِهِمْ﴾ وان ومعمولها سدت مسد المفعولين فی قراءة التحتانية و مسدالثانی فی الاخریٰ ﴿ اِنَّمَا نُمْلِیْ ﴾ نمهل ﴿لَهُمْ لِيَزْدَادُوْا اِثْمًا﴾ بكثرة المعاصی ﴿ وَلَهُمْ عَذَابٌ

مُّهِيۡنٌ ﴾ذو اهانة فی الآخرة ﴿ مَاكَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ ﴾ليترک ﴿ الْمُؤْمِنِيۡنَ عَلٰى مَا اَنۡتُمۡ ﴾ ايها الناس ﴿ عَلَيۡهِ ﴾ من اختلاط المخلص بغيره ﴿حَتّٰى يَمِيۡزَ ﴾ بالتخفيف والتشديد يفصل ﴿الۡخَبِيۡثَ ﴾ المنافق ﴿مِنَ الطَّيِّبِ ﴾ المؤمن بالتكاليف الشاقة المبينة لذٰلک ففعل ذلک يوم احد ﴿ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطۡلِعَكُمۡ عَلَى الۡغَيۡبِ ﴾ فتعرفوا المنافق من غيره قبل التمييز ﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجۡتَبِىۡ ﴾ يختار ﴿مِنۡ رُّسُلِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ ﴾ فيطلعه على غيبه كما اطلع النبی ﷺ على حال المنافقين ﴿فَاٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَاِنۡ تُؤۡمِنُوۡا وَ تَتَّقُوۡا ﴾ النفاق ﴿فَلَكُمۡ اَجۡرٌ عَظِيۡمٌ وَلَا يَحۡسَبَنَّ ﴾ بالتاء والياء ﴿ الَّذِيۡنَ يَبۡخَلُوۡنَ بِمَاۤ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ ﴾ اى بزكاته ﴿هُوَ ﴾ اى بخلهم ﴿ خَيۡرًا لَّهُمۡ ﴾ مفعول ثان والضمير للفصل والاول بخلهم مقدراً قبل الموصول على الفوقانية وقبل الضمير على التحتانية ﴿بَلۡ هُوَ شَرٌّ لَّهُمۡ سَيُطَوَّقُوۡنَ مَا بَخِلُوۡا بِهٖ ﴾ اى بزكاته من المال ﴿ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ﴾ بان يجعل حية فى عنقه تنهشه كما ورد فى الحديث . ﴿وَلِلّٰهِ مِيۡرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ﴾ يرثهما بعد فناء اهلهما ﴿ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴾ بالتاء والياء ﴿خَبِيۡرٌ ﴾ فيجازيكم به .

﴿ ترجمہ ﴾

(وہ لوگ) مبتدا ہے (جنھوں نے اللہ و رسول کی پکار پر لبیک کہی) جب کہ انہیں رسول نے جنگ کے واسطے نکلنے کی دعوت دی۔ یہ اس وقت ہوا جب ابوسفیان اور اس کے لشکر نے لوٹنے کا ارادہ کیا، اور رسول اللہ ﷺ کو چیلنج کیا کہ غزوہ احد کے اگلے سال بازار بدر میں پھر مقابلہ ہوگا (بعد اس کے کہ انہیں) احد میں (زخم لگ چکا تھا) مبتدا کی خبر یہ ہے کہ (ان میں سے جن لوگوں نے) ان کی فرمانبرداری کر کے (نیک عمل کیا اور) ان کے خلاف کرنے سے (بچے، ان کے لئے اجر عظیم ہے) وہ جنت ہے (وہ لوگ) یہ ماقبل کے الذین سے بدل ہے، یا اس کی صفت ہے (جن سے لوگوں نے کہا) یعنی نعیم بن مسعود اشجعی نے (کہ بے شک لوگوں نے) یعنی ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں نے (تمہارے لئے فوجیں اکٹھی کر رکھی ہیں) تا کہ تم کو جڑ سے ختم کر دیں (پس ان سے ڈرو) اور وہاں مت جاؤ (تو) اس بات نے (ان کو ایمان) یعنی تصدیق اور یقین (کے اعتبار سے اور بڑھا دیا، اور انھوں نے کہا کہ اللہ ہم کو) ان کے معاملے میں (کافی ہیں اور وہ بہترین کارساز ہیں) وکیل وہ ہے جس کے حوالے کوئی کام کر دیا جائے، یہ حضرات نبی ﷺ کے ساتھ نکل کر بازار بدر میں پہونچے اور اللہ تعالیٰ نے ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کے دل میں رعب ڈال دیا، وہ نہیں آئے، صحابہ کرام کے ساتھ تجارت کے سامان تھے، انھوں نے انہیں وہاں بیچا اور نفع کمایا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا (پس وہ) بدر سے (اللہ کی نعمت اور فضل) یعنی سلامتی او

رنفع (کے ساتھ واپس آئے اور انہیں کوئی تکلیف نہیں پہونچی) نہ قتل کی اور نہ زخم کی (اور انھوں نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی پیروی کی) جنگ کیلئے نکلنے میں انھوں نے اللہ و رسول کی اطاعت کی (اور اللہ تعالیٰ) اپنے طاعت گزاروں پر (بہت فضل فرمانے والے ہیں، بے شک وہ) کہنے والا جس نے تم سے کہا تھا کہ **ان الناس قد جمعوا لکم** الخ (شیطان تھا، وہ) تم کو (اپنے حمایتیوں) یعنی کفار (سے ڈرا رہا تھا، تو تم ان سے مت ڈرو، اور) میرے امر کے چھوڑنے میں (مجھی سے ڈرو، اگر تم سچے مومن ہو)

(اور تم کو وہ لوگ جو کفر میں تیز چلتے ہیں) یعنی کفر کی مدد کر کے تیزی سے اس میں گرتے ہیں، اور یہ اہل مکہ ہیں یا منافقین ہیں (رنج میں نہ ڈالیں) **لایحزنک** یاء کے ضمہ اور زاء کے کسرہ کے ساتھ باب افعال سے، اور یاء کے فتحہ اور زاء کے ضمہ کے ساتھ **حزن** سے مشتق ہے، **أحزن** کے اندر ایک لغت یہ بھی ہے، یعنی تم ان کے کفر کی فکر مت کرو (بے شک یہ لوگ) اپنی حرکتوں سے (اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے) اپنا ہی بگاڑتے ہیں (اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ ہے کہ ان کیلئے آخرت میں) یعنی جنت میں (کوئی حصہ نہ لگائے) اسی لئے ان کو توفیق سے محروم کر دیا ہے (اور ان کیلئے) جہنم میں بڑا عذاب ہے (بے شک جن لوگوں نے ایمان کے عوض میں کفر کو خریدا) یعنی اس کو لیا (وہ) اپنے کفر کی وجہ سے (اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اور ان کیلئے عذاب دردناک ہے۔

(اور وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا وہ ہرگز یہ نہ سمجھیں) **یحسبن** یاء اور تاء دونوں طرح سے ہے (کہ ہم جو انہیں) ان کی عمر لمبی کر کے اور ان کی موت کو موخر کر کے (مہلت دیتے ہیں) وہ یہ نہ سمجھیں کہ ہمارا یہ مہلت دینا (ان کے لئے خیر ہے) ان اور اس کا معمول تحتانیہ کی قرأت کے اعتبار سے دونوں مفعولوں کے اور فوقانیہ کے اعتبار سے دوسرے مفعول کا قائم مقام ہے (ہم انہیں اس لئے مہلت دیتے ہیں کہ) معاصی کی کثرت کر کے (گناہ میں اور بڑھ جائیں اور ان کیلئے) آخرت میں (رسوا کن عذاب ہے، اللہ تعالیٰ وہ نہیں ہے کہ اہل ایمان کو) اے لوگو! (اسی حال پر چھوڑ دے جس پر تم ہو، یعنی مخلص اور غیر مخلص کا مخلوط و مشتبہ ہونا (یہاں تک کہ وہ خبیث) یعنی منافق (کو پاک) یعنی مومن (سے) ان مشکل تکالیف کے واسطے سے جو اس کو واضح کرنے والی ہیں (علیحدہ و ممتاز کر دیں) **یمیز** تخفیف اور تشدید دونوں طرح سے ہے، اور اللہ تعالیٰ نے غزوہ احد کے موقع پر ایسا کر دیا (اور اللہ تعالیٰ وہ نہیں ہیں کہ تم کو غیب پر مطلع کر دیں) کہ تم منافق اور غیر منافق کو اس امتحان و تمیز سے پہلے ہی پہچان جاؤ (لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں جسے چاہتے ہیں منتخب فرماتے ہیں) اسے اپنے غیب پر مطلع فرماتے ہیں، جیسا کہ نبی ﷺ کو منافقین کے حال پر مطلع کر دیا تھا (پس اللہ پر اور ان کے رسول پر ایمان لاؤ اور اگر تم ایمان لائے اور) نفاق سے (بچے تو تمہارے لئے اجر عظیم ہے، اور وہ لوگ جو کہ اس فضل میں جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمایا ہے، بخل کرتے ہیں) یعنی اس کی زکوۃ میں (وہ ہرگز یہ نہ سمجھیں) **یحسبن** یاء سے بھی ہے اور تاء

سے بھی (کہ) ان کا (یہ) بخل (ان کیلئے بہتر ہے) خیراً مفعول ثانی ہے، اور ضمیر برائے فصل ہے، اور مفعول اول "بخلهم" ہے جو تاء کی قرأۃ میں اسم موصول سے پہلے مقدر ہے اور یاء کی قرأۃ میں ضمیر فصل سے پہلے ہے (بلکہ وہ ان کیلئے شر ہے، جلد ہی انہیں اس مال کا جس میں انھوں نے بخل کیا ہے) یعنی زکوٰۃ نہیں دی ہے (طوق بنا کر قیامت کے دن پہنا دیا جائے گا) سانپ بنا کر ان کے گلے میں ڈال دیا جائے گا، جو اسے ڈستا رہے گا جیسا کہ حدیث میں وارد ہے (اور اللہ ہی کیلئے آسمان اور زمین کی میراث ہے) آسمان و زمین والوں کے فنا ہونے کے بعد سب کے وارث اللہ تعالیٰ ہی ہوں گے (اور جو کچھ تم کرتے ہو) تعملون یاء اور تاء دونوں کے ساتھ ہے (اللہ تعالیٰ اس کی خبر رکھتے ہیں) تمہیں اس کا بدلہ دیں گے۔

﴿تشریحات﴾

لما اراد ابوسفیان و اصحابه العود: غزوۂ احد میں جب کفار کو کچھ کامیابی ملی تو ان کے حوصلے قدرے بلند ہو گئے چنانچہ احد سے واپسی میں جب کفار کا لشکر حمراء الاسد پر پہونچا، یہ جگہ مدینہ طیبہ سے ۸ میل کے فاصلے پر ہے، تو وہاں ٹھہر کر کفار میں باہم مشورے ہونے لگے کہ مسلمان اس وقت شکست خوردہ اور خستہ جان ہیں، اگر ہم پلٹ کر دوبارہ حملہ کر دیں تو انہیں بڑی آسانی سے نیست و نابود کیا جا سکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو ان کے اس ارادے کی خبر مل گئی، تو آپ نے اپنے زخمی اور دل گرفتہ اصحاب کو پکارا کہ کفار کا تعاقب کرنا ہے، چنانچہ حضرات صحابہ بخوشی تیار ہو گئے۔ جب آپ کا لشکر حمراء الاسد کی طرف بڑھا تو کفار مرعوب ہو کر بھاگ نکلے، آپ اس مقام تک پہونچے اور وہاں تین روز قیام فرمایا، جب اچھی طرح اطمینان ہو گیا کہ اب دشمنوں کی واپسی کا امکان نہیں ہے، تب آپ لوٹے، **الذين استجابوا لله والرسول** الخ، اسی غزوہ سے متعلق ہے، انہیں لوگوں کو جو باوجودیکہ خستہ جان ہو چکے تھے، مگر انھوں نے رسول کی ایک پکار پر لبیک کہی، اور بغیر کسی ہچکچاہٹ کے دوبارہ جنگ کے ارادے سے نکل پڑے، اجر عظیم کی بشارت ہے۔

وتواعدوا مع النبی سوق بدر العام المقبل من یوم احد:۔ یہ ایک دوسرا واقعہ ہے۔ حضرت مفسر کا کلام اتنا مجمل ہے کہ دو واقعے جن کے درمیان ایک سال کا فاصلہ ہے، ایک دوسرے کے ساتھ خلط ہو گئے۔ پہلا واقعہ غزوہ حمراء الاسد کا ہے، جس کا اوپر تذکرہ ہوا، یہ غزوہ احد کے دوسرے ہی دن پیش آیا۔

اور دوسرا غزوۂ بدر صغریٰ کا ہے جو غزوۂ احد کے سال کے بھر کے بعد پیش آیا، اس کا قصہ یوں ہوا کہ جب میدان احد سے ابوسفیان کی واپسی ہوئی تو اس نے پکار کر رسول اللہ سے کہا کہ بدر کا بدلہ بدر ہی میں لیا جائے گا۔ اگلے سال بدر میں پھر مقابلہ ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان شاء اللہ، اسی کو حضرت مفسر نے فرمایا: **و تواعدوا مع النبی ﷺ سوق بدر العام المقبل من یوم احد**۔

ابوسفیان نے قول وقرار کرانے کو تو کرا لیا اور اس کی لاج رکھنے کیلئے مکہ سے ایک فوج لے کر نکلا بھی، اور اسے لیکر مر الظہر ان تک پہونچا بھی، مگر اس کی ہمت جواب دے رہی تھی۔ اس کے دل میں تقاضا تھا کہ واپس ہو جائے اور فوج بھی بے دل ہی تھی۔

اسی دوران وہاں ایک شخص نعیم بن مسعود اشجعی نامی پہونچا، وہ عمرہ کی غرض سے آیا تھا، اس کو ابوسفیان نے بہت سے مال کی لالچ دے کر تیار کیا کہ تم مدینہ جا کر لوگوں میں افواہ اڑا دو کہ ابوسفیان بہت بڑا جم غفیر لے کر آ رہا ہے۔ اب کی مسلمانوں کا بنیاد سے خاتمہ ہو جائے گا۔ چنانچہ نعیم مدینہ آیا، اس نے دیکھا کہ تیاریاں ہو رہی ہیں۔ اس نے یہ بات پھیلانی شروع کی کہ اب کے اہل مکہ کا ارادہ کچھ اور ہی ہے۔ اب مسلمانوں کا کوئی متنفس زندہ نہیں بچے گا۔ اس لئے خیریت اسی میں ہے کہ بدر کے میدان میں مسلمان نہ جائیں، کان کے کچے لوگ تو ہوتے ہی ہیں اور یہاں تو منافقین کا ایک پورا گروہ موجود تھا۔ یہ خبر بڑی تیزی سے گشت کر گئی۔ منافقین نے اس آواز کو زیادہ پھیلایا۔

مگر مخلص مسلمانوں نے اس کا کوئی منفی اثر نہیں لیا، بلکہ وہ مطمئن ہو کر بولے کہ **حسبنا اللہ و نعم الوکیل** ہم کو اللہ کافی ہے، اور وہ بہترین وکیل ہیں، ہم تو بہر حال میدان میں پہونچیں گے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کا لشکر لے کر بدر کے بازار میں پہونچے وہاں کفار میں سے کوئی نہ آیا تھا۔ مسلمانوں کا ایمان بڑھا، بازار میں تجارت کی، تو مال بڑھا، فتح و نصرت کا دروازہ کھلا، مدینہ جب یہ حضرات واپس آئے تو خوش حالی کا تحفہ لے کر آئے۔

بدل من الذین قبلہ او نعت: **الذین قال لھم الناس** کو مفسر نے پچھلے **الذین** سے بدل قرار دیا ہے، لیکن معلوم ہو چکا ہے، پچھلے **الذین** سے وہ لوگ مراد ہیں جو غزوہ احد میں شریک تھے، اور غزوہ حمراء الاسد میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلے تھے، اور **الذین قال لھم الخ** میں **الذین** سے مراد مدینہ کے وہ تمام مسلمان ہیں جو نعیم کی افواہی باتوں سے متاثر نہیں ہوئے تھے۔ پس یہ اس کا بدل اور نعت کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ در حقیقت فعل محذوف امدح کا مفعول ہے۔

نعیم بن مسعود الاشجعی: **الناس** سے مراد نعیم بن مسعود ہے، عام بول کر خاص فرد کو مراد لیا گیا، یہ محاورہ ہر زبان میں ہوتا ہے، نعیم بن مسعود اشجعی غزوۂ خندق میں مسلمان ہو گئے تھے۔ **رضی اللہ عنہ**

یقعون فیہ سریعاً بنصرتہ: یہ **یسارعون فی الکفر** کی توجیہ و تاویل ہے۔ بظاہر آیت کے اس حصے پر اشکال ہے کہ وہ تو کفر میں پڑے ہی ہوئے ہیں، پھر اس میں تیزی سے چلنے اور دوڑنے کا کیا مطلب ہے؟ مفسر نے اس کا جواب دیا کہ کفر میں دوڑنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی مدد کیلئے، اس کو قوت دینے کیلئے تیزی سے

دوڑتے ہیں، یعنی اس کی مدد کے کاموں اور مدد کی باتوں میں تیزی سے گرتے ہیں۔تم ان کی فکر نہ کرو۔

املاء نا : ان ما نملی لھم میں ما مصدریہ ہے، اسی لئے اس کی تفسیر میں املاء نا کہا۔اور مہلت یہ ہے کہ ان کی عمریں لمبی ہورہی ہیں، موت مؤخر ہورہی ہے۔

ان و معمولها سدت مسد المفعولین الخ : . ولا یحسبن افعال قلوب میں ہے، جن کیلئے دو مفعول لازم ہیں۔مفسر فرماتے ہیں ولا یحسبن میں دو قرأت ہے، ایک یاء کے ساتھ غائب کا صیغہ، اس صورت میں الذین کفروا ،اس کا فاعل ہے۔اور ان ما نملی لھم خیر لانفسھم دونوں مفعولوں کے قائم مقام ہے، اور دوسری قرأۃ تاء کے ساتھ ہے، مخاطب کا صیغہ، اس صورت میں الذین کفروا مفعول اول ہے اور ا ن ما نملی لھم دوسرے مفعول کے قائم مقام ہے۔

فتعرفوا المنافق من غیره قبل التمییز : ۔یعنی اللہ کا دستور یہ نہیں ہے کہ عام لوگوں کو غیب کی خبر بتادیں اور یہ بتادیں کہ فلاں منافق ہے اور فلاں مخلص ہے، خدا کے یہاں یہی دستور ہے کہ مشکلات کی بھٹی میں سب کو اکٹھا ڈال دیتے ہیں، کھرا سونا الگ ہوجاتا ہے، میل کچیل الگ ہوجاتی ہے، یہی کام غزوہ احد میں کیا گیا اور سب کے سامنے کھل کر آگیا کہ راسخ الایمان اور وفادار کون ہے؟ اور کچا اور بے وفا کون ہے۔

بزکاته : ۔اللہ کے عطا کردہ فضل میں بخل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس کی واجبی زکوٰۃ نہیں نکالتے، زکوٰۃ پوری نکالنے والا بخیل نہیں ہے۔

مفعول ثانی والضمیر للفصل والاول بخلهم مقدراً قبل الموصول الخ: ولا تحسبن الذین یبخلون بما آتاھم اللہ من فضله ھو خیراً لھم میں خیراً لھم ،لا یحسبن کا مفعول ثانی ہے، اور مفعول اول بخلھم مقدر ہے، لا تحسبن بالتاء کی قرأت پر اسم موصول سے پہلے مقدر ہے، یعنی ولا تحسبن بخل الذین یبخلون بما آتاھم الله الخ اور لا یحسبن بالیاء کی قرأت پر ضمیر منفصل ھو سے پہلے مقدر ہوگا۔یعنی ولا یحسبن الذین یبخلون بما آتاھم الله من فضله بخلھم ھو خیراً لھم ۔ اس میں ھو ضمیر فصل ہے۔

تنبیہ :مفسر کی عبارت میں قدرے تسامح ہے، فرمایا ہے کہ مفعول اول بخلھم ہے، جو مقدر ہے، لیکن تاء والی قرأۃ پر بخلھم مضاف اور مضاف الیہ کا مجموعہ مقدر نہیں ہے بلکہ الذین سے پہلے لفظ بخل مقدر ہے۔دوسرے یہ لفظوں میں اس کا مفعول اول بخل نہیں ہے، بلکہ الذین یبخلون الخ ہے، کلمہ بخل تو معنوی اعتبار سے اس لئے مقدر مانا گیا ہے کہ مفعول ثانی کا حمل اس پر درست ہوسکے، ورنہ لفظ کے اعتبار سے مفعول اول وہ نہیں ہے، الذین یبخلون ہے۔

من المال :۔ یہ **ما بخلوا بہ** کا بیان ہے۔ یعنی جس مال میں بخل کیا ہے، اور اس کی زکوٰۃ نہیں ادا کی ہے، وہ سانپ کا طوق بنا کر گردن میں لپیٹ دیا جائے گا۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ صرف زکوٰۃ کو طوق بنایا جائے گا۔

کما ورد فی الحدیث :۔ حدیث یہ ہے: **عن ابی هريرة عنه قال : قال رسول الله ﷺ : من آتاه الله مالا فلم يؤد زكوته مثل له يوم القيٰمة شجاعاً اقرع له زبيبتان يطوقه يوم القيامة ثم ياخذ بلهزمتيه ،ای شدقيه . ثم يقول انا مالک انا كنزک ثم تلا ولا يحسبن الذين يبخلون بما آتاهم الله الآية** (بخاری شریف) جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا، مگر اس نے اس کی زکوٰۃ نہ دی تو اس کے سامنے وہ مال ایک گنجے سانپ کی صورت میں لایا جائے گا۔ جس کیلئے دو نقطے ہوں گے، اسے طوق بنا کر اس کے گلے میں ڈال دیا جائیگا، وہ اس کے دونوں جبڑوں کو پکڑے گا پھر کہے گا، میں تمہارا مال ہوں، تمہارا خزانہ ہوں۔

﴿مضامین آیات وتفسیر﴾

وہ مخلص اہل ایمان، جن کو رسول نے شکست اور زخم کھانے کی تکلیف کے باوجود ایک اور غزوہ کیلئے جنگ احد کے دوسرے ہی دن پکارا کہ کفار حمراء الاسد میں جمع ہو کر دوبارہ حملہ کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔ انھوں نے اس آواز پر فوراً لبیک کہی، ان کی نیکی اور تقویٰ کی وجہ سے ان کے لئے اجر عظیم ہے۔

انہیں مخلصین کے ساتھ یہ بھی معاملہ ہوا کہ کفار نے بدر ہی کے میدان میں، پچھلی جنگ بدر کا بدلہ لینے کی دھمکی دی تھی، مسلمان اس کی تیاری کر رہے تھے۔ ایک شخص نے افواہ اڑائی اور وہ لوگوں میں پھیلتی چلی گئی کہ کفار نے بہت بڑا لشکر تیار کیا ہے۔ اس سے لڑنا مسلمانوں کے بس کی بات نہیں ہے، اس بات کو مخلصین نے سنا تو بجائے کمزور ہونے کے ان کے ایمان میں ترقی ہوئی اور انھوں نے زبان و دل سے کہا **حسبنا اللہ و نعم الوکیل**، پھر وہ لوگ بدر

کے میدان میں گئے، وہاں کفار کا لشکر سرے سے نہ تھا، مسلمانوں نے وہاں تجارت کی اور بہت سارا نفع حاصل کر کے واپس ہوئے انہیں وہاں کوئی دکھ نہیں پہونچا، واقعی اللہ تعالیٰ کا فضل بہت بڑا ہے۔

یہ شیطان تھا جو اپنے گروہ سے تم کو ڈرا رہا تھا، تم ان سے مت ڈرو، مجھی سے ڈرو، اگر تم صاحب ایمان ہو، یعنی میرے حکم کی خلاف ورزی نہ کرو، اور یہ لوگ جو کفر کی حمایت و نصرت میں بہت تیزی دکھاتے ہیں ان سے ذرا بھی پریشان نہ ہو، ان سے اللہ کا کچھ نہ بگڑے گا، یہ اپنا ہی نقصان کرتے ہیں، اللہ کی مشیت یہی ہے کہ آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہ ہو، اور ان کیلئے بڑا عذاب ہے۔

جن لوگوں نے ایمان کو پا کر اس کے بدلے میں کفر کو مول لیا، وہ اللہ کا کوئی بھی نقصان نہیں کر سکتے، اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے، اور یہ جو کفر میں مبتلا ہیں، یہ نہ سمجھیں کہ ہم انہیں جو ڈھیل دے رہے ہیں، یہ ان

کے حق میں کوئی بہتر چیز ہے، ہم تو اس لئے ڈھیل دے رہے ہیں کہ اور نافرمانی کر کے ڈھیر سارا گناہ جمع کر لیں، ان کیلئے بڑی رسوائی کا عذاب ہوگا۔

اللہ کو یہ منظور نہیں ہے کہ اہل ایمان کو اسی حالت اشتباہ میں چھوڑے رکھیں جس پر تم لوگ ہو، یعنی مخلص ومنافق سب خلط ملط ہیں، یہ منظور نہیں، وہ منافق اور مومن کو الگ الگ کریں گے، اس کے لئے ایسی تکلیفیں ڈالیں گے کہ منافق خود بخود بھاگ کھڑا ہوگا، اور یہ بھی نہ ہوگا کہ اللہ غیب کی خبر یعنی منافقین کی اطلاع تم کو چپکے سے دیدیں، اس کے لئے تو اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتے ہیں انتخاب فرماتے ہیں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ پر منافقین کے احوال و شخصیات کو کھول دیا تھا، تم لوگ تو اللہ پر اور ان کے رسول پر ایمان لاؤ، اگر تمہارے اندر ایمان اور تقویٰ ہوگا تو تمہارے لئے اجر عظیم ہے۔

اور جو لوگ اللہ کے عطا فرمودہ مال میں بخل کرتے ہیں، زکوٰۃ نہیں ادا کرتے، وہ یہ نہ سمجھیں کہ ان کا یہ بخل ان کے حق میں خیر ہے، یہ سراسر شر و آفت ہے، ایک وقت آئیگا کہ یہی مال سانپ بن کر ان کے گلے میں لپیٹ دیا جائے گا جو اسے ڈستا رہے گا اور آسمان و زمین کی تمام میراث اللہ کے لئے مسلم ہے اور وہ تمہارے تمام کاموں کی خبر رکھتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

﴿لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّ نَحْنُ اَغْنِيَاءُ﴾ وهم اليهود قالوه لما نزل من ذاالذى يقرض الله قرضاً حسناً وقالوا لو كان غنيا ما استقرضنا ﴿سَنَكْتُبُ﴾ نامر بكتب ﴿مَاقَالُوْا﴾ فى صحائف اعمالهم ليجازوا عليه و فى قراء ة بالياء مبنيا للمفعول ﴿وَ﴾ نكتب ﴿قَتْلَهُمُ﴾ بالنصب والرفع ﴿الْاَنْبِيَآءَ بِغَيْرِ حَق وَ يَقُوْلُ﴾ بالنون والياء اى الله لهم فى الآخرة على لسان الملائكة ﴿ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ﴾ النار و يقال لهم اذا لقوا فيها ﴿ذٰلِكَ﴾ العذاب ﴿بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ﴾ عبر بهما عن الانسان لان اكثر الافعال تزاول بهما ﴿وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ﴾ اى بذى ظلم ﴿لِّلْعَبِيْدِ﴾ فيعذبهم بغير ذنب ﴿اَلَّذِيْنَ﴾ نعت للذين قبله ﴿قَالُوْا﴾ لمحمد ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَا﴾ فى التوراة ﴿اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ﴾ نصدقه ﴿حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ﴾ فلا نؤمن لك حتى تاتينا به و هو ما يتقرب به الى الله تعالىٰ من نعم و غيرها فان قبل جاء ت نار بيضاء من السماء فاحرقته والا بقى مكانه و عهد الى بنى اسرائيل ذلك الا فى المسيح و محمد ﷺ قال تعالىٰ ﴿قُلْ﴾ لهم توبيخاً ﴿قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِىْ بِالْبَيِّنٰتِ﴾ بالمعجزات ﴿وَبِالَّذِىْ قُلْتُمْ﴾ كزكريا و يحيىٰ

فقتلتموهم والخطاب لمن فی زمن نبینا وان کان الفعل لاجدادهم لرضاهم به﴿فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾فی انکم تؤمنون عندالاتیان به. ﴿فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآؤُا بِالْبَيِّنَاتِ﴾ المعجزات﴿وَالزُّبُرِ﴾ کصحف ابراهیم ﴿وَالْكِتٰبِ﴾ و فی قراءة باثبات الباء فیهما ﴿الْمُنِيْرِ﴾ الواضح هو التوراة والانجیل فاصبر کما صبروا ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ﴾جزاء اعمالکم﴿يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَمَنْ زُحْزِحَ﴾ بعد﴿عَنِ النَّارِ وَ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ﴾ نال غایة مطلوبه﴿وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا﴾ ای العیش فیها﴿اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ﴾الباطل یتمتع به قلیلا ثم یفنی﴿لَتُبْلَوُنَّ﴾ حذف منه نون الرفع لتوالی النونات والواو ضمیر الجمع لالتقاء الساکنین لتختبرن﴿فِيْ اَمْوَالِكُمْ﴾ بالفرائض فیها والجوائح﴿وَاَنْفُسِكُمْ﴾ بالعبادات والبلاء ﴿وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوْا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ الیهود والنصاریٰ ﴿وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا﴾ من العرب﴿اَذًى كَثِيْرًا﴾ من السبب والطعن والتشبیب بنسائکم﴿وَاِنْ تَصْبِرُوْا﴾ علی ذلک ﴿وَتَتَّقُوْا اللّٰهَ فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾ ای من معزوماتها التی یعزم علیها لوجوبها﴿وَ﴾اذکر ﴿اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوْا الْكِتٰبَ﴾ ای العهد علیهم فی التوراة﴿لَتُبَيِّنُنَّهٗ﴾ ای الکتاب ﴿لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ﴾ بالتاء والیاء فی الفعلین ﴿فَنَبَذُوْهُ﴾ طرحوا المیثاق﴿وَرَاءَ ظُهُوْرِهِمْ﴾ فلم یعملوا به﴿وَاشْتَرَوْا بِهٖ﴾ اخذوا بدله﴿ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾ من الدنیا من سفلتهم بریاستهم فی العلم فکتموه خوف فوته علیهم ﴿فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ﴾شراؤهم هذا﴿لَا تَحْسَبَنَّ﴾ بالتاء والیاء﴿الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَا اَتَوْا﴾ فعلوا من اضلال الناس﴿وَيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا﴾ من التمسک بالحق وهم علی ضلال﴿فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ﴾بالوجهین تاکید ﴿بِمَفَازَةٍ﴾ بمکان ینجون فیه ﴿مِّنَ الْعَذَابِ﴾ فی الآخرة بل هم فی مکان یعذبون فیه و هو جهنم ﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ مؤلم فیها و مفعولا یحسب الاولیٰ دل علیهما مفعولا الثانیة علی قراءة التحتانیة و علی الفوقانیة حذف الثانی فقط﴿وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ﴾خزائن المطر والرزق والنبات وغیرها ﴿وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ ومنه تعذیب الکافرین وانجاء المؤمنین .

﴿ ترجمہ ﴾

(بیشک اللہ نے ان لوگوں کی بات سن لی، جنھوں نے کہا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں) یہ کہنے والے یہودی تھے، یہ بات انھوں نے اس وقت کہی تھی، جب اللہ کی طرف سے آیت من ذا الذی یقرض اللہ قرضاً

حسناً اتری، انھوں نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ غنی ہوتے تو ہم سے قرض نہ مانگتے (ہم عنقریب اس بات کو جو انھوں نے کہی) ان کے نامۂ اعمال میں (لکھ لیں گے) یعنی لکھ لینے کا حکم دیں گے تا کہ اس کا بدلہ دیا جا سکے اور ایک قرأۃ میں یاء کے ساتھ ہے، فعل مجہول کا صیغہ (اور ہم ان کے، انبیاء کرام کے ناحق قتل کرنے کو بھی لکھ لیں گے) **قتلھم** نصب کے ساتھ بھی ہے اور رفع کے ساتھ بھی ہے (اور ہم کہیں گے) نون اور یاء کے ساتھ، یعنی اللہ تعالیٰ ان سے آخرت میں فرشتوں کی زبان پر ارشاد فرمائیں گے (کہ جلنے کا) یعنی آگ کا (عذاب چکھو) اور جب انہیں اس میں ڈالا جائے گا تو ان سے کہا جائے گا کہ (یہ) عذاب (ان چیزوں کی وجہ سے ہے جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے) ہاتھوں کے لفظ سے خود انسان کو تعبیر کیا ہے، کیونکہ زیادہ تر افعال ہاتھ ہی سے انجام پذیر ہوتے ہیں (اور یہ کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم نہیں کرتے) کہ انہیں بغیر گناہ کے عذاب دیں (وہ لوگ) یہ ما قبل کے **الذین** کی صفت ہے (جنھوں نے) محمد ﷺ سے (کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے) توریت میں (عہد لیا ہے کہ ہم کسی رسول پر اس وقت تک ایمان نہ لائیں) یعنی تصدیق نہ کریں (تا آنکہ وہ ہمارے پاس کوئی ایسی قربانی لائے جس کو آگ کھا جائے) لہٰذا ہم آپ پر بھی اسی وقت ایمان لائیں گے جب آپ قربانی کی کوئی چیز جس سے اللہ تعالیٰ کی قربت حاصل کی جائے، چوپائے وغیرہ لے کر آئیں، پس اگر وہ قربانی مقبول ہوگی تو آسمان سے سفید آگ اترے گی، اور اسے جلا دے گی، ورنہ وہ اپنی جگہ پڑی رہ جائے گی، یہ عہد بنی اسرائیل سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ کو مستثنیٰ کر کے لیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان سے بطور توبیخ کے (تم کہو کہ تمہارے پاس مجھ سے پہلے متعدد رسول معجزات کو لے کر اور اس چیز کو لے کر، جس کو تم نے کہا آ چکے ہیں) جیسے حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ، تو تم نے انہیں قتل کر دیا، اور خطاب ان یہودیوں سے ہے جو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تھے، اگرچہ یہ کام ان کے آباء و اجداد کا تھا، کیونکہ وہ اس کام پر راضی ہیں (پس تم نے انہیں کیوں قتل کیا، اگر تم) اس بات میں (سچے ہو) کہ قربانی کے آنے پر تم ایمان لاؤ گے (پس اگر یہ تمہیں جھٹلائیں تو تم سے پہلے رسول بھی جھٹلائے جا چکے ہیں، جو معجزات اور صحائف) جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفے (اور روشن کتاب لے کر آئے) یہ توریت اور انجیل ہے، پس صبر کرو، جیسا کہ ان حضرات نے صبر کیا، ایک قرأۃ دونوں لفظوں میں باء کے اثبات کے ساتھ ہے یعنی **بالبینات و بالزبر و بالکتاب المنیر** (ہر نفس موت کو چکھنے والا ہے اور بلاشبہ تم کو تمہارا پورا بدلہ) یعنی اعمال کا پورا بدلہ (قیامت کے دن دیا جائے گا، پس جو کوئی آگ سے دور کر دیا گیا، اور جنت میں داخل کیا گیا، وہ کامیاب ہو گیا) یعنی اپنے مطلوب کی غایت پا گیا (اور دنیاوی زندگی) یعنی دنیا کی حیات (تو محض ایک دھوکے کا سامان ہے) یعنی باطل ہے، جس سے چند دن فائدہ اٹھایا جاتا ہے، پھر وہ فنا ہو جاتا ہے۔

(تم کو، تمہارے مالوں میں) ان میں فرائض متعین کر کے اور آفات سے (اور تمہاری جانوں میں)

عبادات اور بلاؤں سے (ضرور آزمایا جائے گا) لتبلون میں نون رفع کو توالی نونات کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے، اور واو ضمیر جمع کو اجتماع ساکنین کی وجہ سے گرا دیا گیا ہے (اور تم، ان لوگوں سے جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے) یعنی یہود و نصاریٰ سے (اور ان لوگوں سے جنھوں نے) اہل عرب میں سے (شرک کو اختیار کیا ہے ضرور بالضرور تکلیف کی بہت سی باتیں سنو گے) یعنی گالی گلوج، طنز و طعن، اور تمہاری عورتوں کی طرف منسوب کر کے غزلیہ اشعار وغیرہ (اگر تم اس پر صبر کرو اور) اللہ سے (ڈرو تو یہ تاکیدی احکام میں سے ہے) یعنی ایسے موکد اور پختہ امور میں ہیں جن کے وجوب کی وجہ سے ان کی بڑی تاکید ہے (اور) یاد کرو (جب اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جن کو کتاب دی گئی عہد لیا) یعنی وہ عہد جو ان کے ذمے توریت میں ہے (کہ تم اس کو) یعنی کتاب کو (لوگوں کے سامنے ضرور بیان کر دو گے، اور اسے) یعنی کتاب کو (نہیں چھپاؤ گے) دونوں فعلوں میں تاء اور یاء کے ساتھ (پس اس کو) یعنی میثاق کو (انھوں نے اپنے پیٹھ پیچھے پھینک دیا) اس پر عمل نہیں کیا (اور اس کے بدلے میں تھوڑی قیمت مول لی) دنیا کی تھوڑی قیمت، جو انہیں علم میں ریاست کی وجہ سے ان کے ماتحتوں کی طرف سے ملتی تھی، انھوں نے کتاب کو چھپایا کہ کہیں یہ تھوڑی سی قیمت فوت نہ ہو جائے (پس ان کا یہ خریدنا برا ہے، وہ لوگ جو کہ اپنے کئے پر) یعنی انھوں نے لوگوں کو جو گمراہی میں ڈال رکھا ہے اس پر وہ (خوش ہوتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان کی اس کام پر تعریف کی جائے، جس کو انھوں نے کیا نہیں ہے) یعنی حق پر استقامت کی، حالانکہ وہ گمراہی میں ہیں (انہیں مت سمجھو) لاتحسبن تاء اور یاء کے ساتھ (کہ وہ) آخرت میں (عذاب سے بچ جانے کی جگہ میں ہیں) بلکہ وہ ایسی جگہ میں ہوں گے جہاں انہیں عذاب ہوگا اور وہ جہنم ہے (اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے، پہلے یحسب کے دونوں مفعول پر تحتانیہ کی قرأۃ پر دوسرے یحسب کے دونوں مفعول دلالت کرتے ہیں، اور فوقانیہ کی قرأت پر صرف دوسرا مفعول حذف ہے (اور اللہ ہی کے لئے آسمان و زمین کی حکومت ہے) یعنی بارش، روزی اور پیداوار وغیرہ کے خزانے (اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں) اور انہیں میں کافر کو مبتلائے عذاب کرنا اور مومن کو بخشنا ہے۔

﴿تشریحات﴾

فنامر بکتب ماقالوا: سنکتب ما قالوا کی تفسیر فرمائی ہے، ہم ان کی بات کو لکھوالیں گے، یہ مجاز ہے، علاقہ سببیت کا ہے۔

بالنصب والرفع: سنکتب بالنون کی قرأت پر قتلهم منصوب ہے، اور سیُکتب فعل مجہول کی قرأت پر قتلهم مرفوع ہے، اس کا عطف ما قالوا پر ہے۔

علی لسان الملائکۃ: کفار سے براہ راست اللہ تعالیٰ کا خطاب نہ ہوگا، بلکہ فرشتوں سے کہلوائیں گے، کیونکہ متعدد آیات و احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ کفار اللہ تعالیٰ کے شرف دید و زیارت اور شرف ہم کلامی سے محروم

رہیں گے۔

عبر بھما الانسان لان اکثر الافعال تزاول بھما : **بما قدمت ایدیکم** کا مطلب ہے **بما قدمتم من العمل** ، جو عمل تم نے آگے کیلئے کیا ہے، تو **ایدیکم** سے مراد خود آدمی ہے، اور یہ تعبیر اس لئے اختیار کی کہ آدمی زیادہ تر کام ہاتھ ہی سے انجام دیتا ہے۔ اس لئے بجائے اس کے کہ **قدمتم** کہتے، **قدمت ایدیکم** کہا، یہ مجاز ہے کہ جز بول کر کل مراد لیا ہے۔

بذی ظلم :ظلام نسبت کا صیغہ ہے، جیسے **تمّار** و **لبّان** یعنی خدا کی طرف ظلم کی نسبت نہیں ہوسکتی۔

وھو ما یتقرب به الی الله من نعم :۔ قربان کا مطلب یہ ہے کہ کوئی جانور وغیرہ اللہ کے نام پر اللہ کی عبادت کے لئے پیش کیا جاتا تھا۔ آسمان سے ایک سفید آگ اترتی تھی، اور اس کو جلا دیتی تھی، یہ قبولیت کی علامت تھی، اور اگر آگ نہیں اتری اور نہیں جلایا تو مطلب یہ ہوا کہ یہ قربانی مقبول نہیں، مفسر فرماتے ہیں کہ توریت میں یہودیوں کو اس کا پابند کیا گیا تھا کہ جو رسول اس قربانی کو اپنی صداقت کی دلیل میں لائے، اسے تو مانو، اور جو مدعی نبوت اسے نہ لا سکے، اس کی تکذیب کرو، لیکن اس کلیہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ مستثنیٰ تھے، کیونکہ ان کے سلسلے میں توریت میں اتنی واضح اور روشن علامتیں لکھ دی گئی ہیں کہ ان کے بارے میں اشتباہ ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ اس لئے آپ ﷺ سے ان کا مطالبہ بالکل غلط تھا۔

والخطاب لمن فی زمن نبینا الخ :۔ **قل قد جاء کم رسل من قبلی بالبینات وبالذی قلتم فلم قتلتموھم ان کنتم صادقین** پر بظاہر اشکال ہوتا ہے کہ انبیاء کا قتل تو رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک کے یہود نے نہیں کیا تھا، وہ تو ان کے آباء واجداد کی شرارت تھی، پھر یہ خطاب آپ کے معاصر یہود سے کیوں ہو رہا ہے، حضرت مفسر نے **لرضاھم به** کہہ کر اس کا جواب دیا ہے کہ یہ لوگ اپنے اجداد کی اس شرارت پر راضی بلکہ اس خوش ہیں، اور اسے برحق سمجھتے ہیں۔ اس لئے یہ بھی شریک عمل سمجھے گئے۔

الباطل یتمتع به قلیلا ثم یفنی :۔ **متاع الغرور** میں اضافت بیانیہ ہے، غرور فنا ہونے والی چیز کو کہتے ہیں، یعنی دنیا ایک ایسی مایہ ہے جو فنا کے گھاٹ اتر جانے والی ہے۔

لتبلون حذف منه نون الرفع :لتبلونّ کا صیغہ تبلون سے بنا ہے جو اصل میں تبلوون تھا، اس میں اگر نون اعرابی یعنی نون رفع کے ساتھ نون ثقیلہ لگا دیا جائے تو تین نون یکے بعد دیگرا اکٹھا ہو جائیں گے، ایک نون اعرابی اور دونوں ثقیلہ، اس لئے نون اعرابی کو گرا دیا۔ پھر واؤ ضمیر جمع اور نون ثقیلہ کے درمیان اجتماع ساکنین ہو گیا۔ اس لئے اسے گرا دیا۔ پس لتبلونّ ہو گیا۔

والتشبیب :۔ قصائد کے آغاز میں شاعر غزلیہ اشعار کہتا ہے، جس میں بہار وخزاں کا تذکرہ، اپنے عشق ومحبت کا

ذکر، خوبصورت اور دلنواز عورتوں کی باتیں کرتا ہے۔ ان سب کے بعد وہ اپنے مقصد پر آتا ہے۔ غزلیہ اشعار کے اس حصہ کو تشبیب کہتے ہیں۔

ای من معزوماتھا :. **عزم الامور** میں **عزم** مصدر، اسم مفعول کے معنی میں ہے۔ یعنی وہ پختہ اور تاکیدی امور، جو واجب ہیں اور اسی وجوب کی وجہ سے وہ آدمی کیلئے بہت پختہ اور تاکیدی باتیں ہیں۔

مفعولا یحسب الاولی الخ :. آیت شریفہ **لا تحسبن الذین یفرحون بما آتاھم اللہ** الخ میں **لا تحسبن** دو مرتبہ آیا ہے، اور یہ افعال قلوب میں ہے، اسے دو مفعول چاہئیں۔ مفسر فرماتے ہیں **لا تحسبن** میں دو قرأت ہے۔ ایک یاء کے ساتھ اس صورت میں پہلے **لا یحسبن** کے دونوں مفعول حذف ہیں۔ اور **الذین یفرحون** فاعل ہے۔ ان دونوں مفعولوں پر بعد کے **فلا یحسبنھم بمفازہ من العذاب** کے دونوں مفعول دلالت کرتے ہیں۔ پہلا مفعول **ھم** ضمیر ہے، اور دوسرا مفعول **بمفازہ من العذاب** ہے، اور دوسری قرأۃ تاء کے ساتھ ہے، اس صورت میں پہلے **لا تحسبن** کا مفعول اول **الذین یفرحون** ہے جو کہ موجود ہے۔ پس صرف دوسرا مفعول محذوف ہے۔

مضامین آیات وتفسیر

اللہ تعالیٰ کو ان کفار کی شرارتوں کا پورا علم ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اس گروہ کی بات بھی سن لی ہے جو یہ کہتا ہے کہ اللہ فقیر ہیں۔ اور ہم لوگ مالدار ہیں، اچھا یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں، ہم اسے لکھ لے رہے ہیں، اور یہ بھی لکھ لے رہے ہیں کہ انھوں نے ناحق انبیاء کو قتل کیا ہے، اور قیامت کے دن ہم ان سے کہیں گے کہ آگ کا عذاب چکھو اور یہ سب کچھ تمہاری کرتوتوں کی وجہ سے ہوگا، اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا کہ انہیں بغیر گناہ کے مبتلائے عذاب کرے۔ انہیں لوگوں نے یہ بھی کہا تھا کہ ہم سے اللہ تعالیٰ نے توریت میں یہ عہد لیا ہے کہ ہم کسی رسول کی تصدیق اس وقت تک نہ کریں جب تک کہ وہ کوئی قربانی نہ پیش کرے، جسے حق تعالیٰ کی بارگاہ سے قبولیت کا شرف حاصل ہو جائے یعنی سفید آگ اسے آسمان سے اتر کر جلا دے، جب تک یہ نہ ہو، اس رسول کو نہ ماننا، تم ان سے کہو کہ اچھا مجھ سے پہلے تو متعدد رسول معجزات لے کر آئے، اور وہ بات بھی لے کر آئے جس کا تم مطالبہ کرتے ہو تو بتاؤ اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ جو کوئی رسول اس شان سے معجزات وعلامات لے کر آئے گا، اسے تم مان لوگے، تو تم نے مذکورہ انبیاء کو کیوں قتل کیا۔

اے رسول انہیں چھوڑو اگر یہ تمہیں جھٹلا رہے ہیں تو تم سے پہلے اور بھی رسول جھٹلائے جا چکے ہیں، جو معجزات ودلائل، صحیفے اور روشن کتاب لے کر آئے تو تم صبر کرو، آخر ہر نفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے، اور تم سب کو تمہارے اعمال کا پورا پورا بدلہ قیامت کے دن دیا جائے گا تو جو کوئی جہنم سے دور رکھا گیا اور جنت میں داخل کیا

گیا، اس کا مقصد حاصل ہوا، وہ کامیاب و بامراد ہوا، اور دنیا کی زندگی تو محض ایک دھوکہ ہے کہ اس سے قدرے آدمی نفع اندوز ہوتا ہے، پھر اچانک چراغ بجھ جاتا ہے۔

اے ایمان والو! تکلیف دہ حالات سے اور غیروں کی ایذا رسانیوں سے مت گھبراؤ، اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارا امتحان ہوتا ہی رہے گا، مال میں بھی اور جان میں بھی، مال کا امتحان یہ ہے کہ اس میں فی سبیل اللہ کچھ فرائض مقرر ہوں گے، کبھی مال میں نقصان آئے گا، اور جان کا امتحان یہ ہے کہ عبادتیں مقرر ہوں گی اور بلائیں بھی آئیں گی۔ اور اہل کتاب کی طرف سے اور مشرکین کی طرف سے دلآزار اور تکلیف دہ بہت سی باتیں سنو گے، لیکن اگر تم نے صبر کیا اور اللہ سے ڈرتے رہے، اس کی اطاعت پر جمے رہے تو بڑی ہمت کے کام ہیں اور ان کی بڑی تاکید ہے۔

یہ اہل کتاب جو تمہیں ستاتے ہیں بڑے مجرم ہیں۔ ان سے اللہ تعالیٰ نے عہد لیا تھا کہ کتاب اللہ کی سب باتیں لوگوں کے سامنے واضح طور سے رکھ دیں گے اور کوئی بات ہرگز نہ چھپائیں گے۔ لیکن انھوں نے اس تاکیدی ذمہ داری کو پس پشت ڈال دیا اور کتاب اللہ کی باتیں چھپا چھپا کر اپنے ماتحتوں اور مریدوں سے دنیا کی معمولی قیمت وصول کرتے رہے، کتاب اللہ کے مضامین کو چھپا کر متاع دنیوی کی یہ خریداری بہت ہی بری ہے۔

یہ لوگ جو اپنی غلط اور گمراہ حرکتوں پر مگن ہوتے ہیں اور خواہش رکھتے ہیں کہ جو کچھ انھوں نے کیا نہیں ہے، اس پر ان کی تعریف کی جائے، یعنی یہ کہا جائے کہ آپ لوگ طریق حق پر استقامت رکھتے ہیں، کسی کی بات سن کر اپنے راستے سے ہرگز نہیں ہٹتے، اس اصرار علی الباطل کو استقامت علی الحق قرار دے کر اس پر اپنی تعریف کے خواہاں ہیں۔ ان کو یہ نہ سمجھو کہ عذاب سے بچ جائیں گے۔ ہرگز نہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

اور اللہ ہی کے قبضے میں آسمان و زمین کی حکومت ہے، خواہ روزی ہو، بارش ہو، پیداوار ہو یا اور کچھ، سب خدا ہی کے قبضے میں ہے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

﴿اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ﴾ وما فیهما من العجائب ﴿وَاخْتِلَافِ اللَّیْلِ وَالنَّهَارِ﴾ بالمجیٔ والذهاب والزیادة والنقصان ﴿لَاٰیٰتٍ﴾ دلالات علی قدرته تعالیٰ ﴿لِاُوْلِی الْاَلْبَابِ﴾ لذوی العقول ﴿اَلَّذِیْنَ﴾ نعت لما قبله او بدل ﴿یَذْکُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰماً وَّقُعُوْداً وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ﴾ مضطجعین ای فی کل حال و عن ابن عباس یصلون کذٰلک حسب الطاقة ﴿وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ﴾ لیستدلوا به علی قدرة صانعهما یقولون ﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا﴾ الخلق الذی نراه ﴿بَاطِلاً﴾ حال عبثا بل دلیلا علی کمال قدرتک ﴿سُبْحٰنَکَ﴾ تنزیهاً لک عن العبث ﴿فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ رَبَّنَا اِنَّکَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ﴾

للخلود فیها ﴿ فَقَدْ اَخْزَیْتَهٗ ﴾ اهنته﴿وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ ﴾ الکافرین فیه وضع الظاهر موضع المضمر اشعارا بتخصیص الخزی بهم ﴿مِنْ﴾ زائدة ﴿اَنْصَارٍ﴾ اعوان یمنعهم من عذاب الله ﴿رَبَّنَا اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِیاً یُّنَادِیْ﴾ یدعو الناس ﴿لِلْاِیْمَانِ﴾ ای الیه وهو محمد او القرآن ﴿اَنْ﴾ ای بان﴿ آمِنُوْا بِرَبِّکُمْ فَامَنَّا ﴾ به﴿رَبَّنَا فَاغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَکَفِّرْ ﴾غط﴿عَنَّا سَیِّآتِنَا﴾ فلا تظهرها بالعقاب علیها﴿وَتَوَفَّنَا ﴾ اقبض ارواحنا﴿مَعَ﴾ فی جملة ﴿ الْاَبْرَارِ﴾ الانبیاء والصٰلحین ﴿ رَبَّنَا وَآتِنَا﴾ اعطنا﴿ مَا وَعَدْتَّنَا﴾ به﴿ عَلٰی ﴾ السنة﴿رُسُلِکَ﴾من الرحمة والفضل وسؤالهم ذلک وان کان وعده تعالیٰ لا یخلف سوال ان یجعلهم من مستحقیه لانهم لم یتیقنوا استحقاقهم له وتکریرربنا مبالغة فی التضرع﴿وَلَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ﴾ الوعد بالبعث والجزاء﴿ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ﴾ دعاء هم ﴿ اَنِّیْ﴾ ای بانی﴿ لَااُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْکُمْ مِنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثیٰ بَعْضِکُمْ ﴾ کائن ﴿مِنْ بَّعْضٍ﴾ ای الذکور من الاناث وبالعکس والجملة مؤکدة لما قبلها ای هم سواء فی المجازاة بالاعمال و ترک تضییعها نزلت لما قالت ام سلمة یا رسول الله لا اسمع الله ذکر النساء فی الهجرة بشئی ﴿فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا﴾ من مکة الی المدینة﴿ وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ ﴾ دینی﴿وَ قٰتَلُوْا ﴾ الکفار﴿وَقُتِلُوْا﴾ بالتخفیف والتشدید وفی قراء ة بتقدیمه ﴿لَأُکَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ ﴾ استرها بالمغفرة﴿وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ ثَوَاباً﴾ مصدر من معنی لاکفرن مؤکد له ﴿ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ فیه التفات عن التکلم ﴿ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴾ الجزاء و نزل لما قال المسلمون اعداء الله فیما نریٰ من الخیر و نحن فی الجهد ﴿ لَا یَغُرَّنَّکَ تَقَلُّبُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا﴾ تصرفهم﴿ فِیْ الْبِلَادِ﴾ بالتجارة والکسب هو ﴿ مَتَاعٌ قَلِیْلٌ﴾یتمتعون به فی الدنیا یسیراً ویفنی﴿ ثُمَّ مَاوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَ بِئْسَ الْمِهَادُ﴾ الفراش هی ﴿ لٰکِنِ الَّذِیْنَ اتَّقُوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خَالِدِیْنَ﴾ ای مقدرین الخلود ﴿فِیْهَا نُزُلاً ﴾هو ما یعد للضیف ونصبه علی الحال من جنت والعامل فیها معنی الظرف ﴿ مِّنْ عِنْدِاللّٰهِ وَمَا عِنْدَاللّٰهِ ﴾من الثواب﴿ خَیْرٌ لِّلْاَبْرَارِ﴾ من متاع الدنیا﴿وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْکِتٰبِ لَمَنْ یُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ ﴾ کعبدالله بن سلام واصحابه والنجاشی﴿وَمَا اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ ﴾ ای القرآن﴿وَمَا اُنْزِلَ اِلَیْهِمْ﴾ ای التوراة والانجیل ﴿ خَاشِعِیْنَ﴾ حال من ضمیر یؤمن مراعی فیه معنی من ای متواضعین ﴿ لِلّٰهِ لَا یَشْتَرُوْنَ بِآیٰتِ اللّٰهِ ﴾ التی عندهم

فی التوراة والانجیل من نعت النبی ﷺ ﴿ثَمَناً قَلِیْلاً﴾ من الدنیا بان یکتموھا خوفا علی الریاسة کفعل غیرھم من الیھود ﴿ اُولٰئِکَ لَھُمْ اَجْرُھُمْ ﴾ ثواب اعمالھم ﴿ عِنْدَ رَبِّھِمْ ﴾ یوتونہ مرتین کما فی القصص ﴿ اِنَّ اللّٰہَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ﴾ یحاسب الخلق فی قدر نصف نھار من ایام الدنیا ﴿ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اصْبِرُوْا ﴾ علی الطاعات والمصائب و عن المعاصی ﴿وَصَابِرُوْا﴾ الکفار فلا یکونوا اشد صبرا منکم ﴿وَرَابِطُوْا ﴾ اقیموا علی الجھاد ﴿وَاتَّقُوا اللّٰہَ ﴾ فی جمیع احوالکم ﴿ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾ تفوزون بالجنة و تنجون من النار .

﴿ ترجمہ ﴾

(بلا شبہ آسمان وزمین کے بنانے میں) اور جو کچھ ان دونوں میں عجائبات ہیں (اور رات اور دن کے بدلتے رہنے میں) یعنی آنے جانے اور کم وبیش ہونے میں، اللہ کی قدرت پر (نشانیاں ہیں عقل والوں کیلئے، جو لوگ کہ) الذین ماقبل سے نعت ہے یا بدل ہے (اللہ کو یاد کرتے ہیں، کھڑے ہوکر بھی، بیٹھ کر بھی اور کروٹ لیٹ کر بھی) یعنی ہر حال میں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان تمام حالتوں میں اپنی استطاعت کے لحاظ سے نماز پڑھتے ہیں (اور آسمان وزمین کی خلقت میں غور کرتے ہیں) تا کہ اس سے ان کے خالق وصانع کی قدرت پر استدلال کریں اور کہتے ہیں (اے ہمارے رب! آپ نے اس) مخلوق کو جسے ہم دیکھ رہے ہیں (عبث نہیں بنایا ہے) بلکہ یہ آپ کے کمال قدرت پر دلیل ہے۔ باطلاً حال ہے (آپ کی ذات) عبث سے (پاک ہے، پس ہم کو جہنم کے عذاب سے بچا لیجئے، اے ہمارے پرودگار! بے شک جس کو آپ جہنم میں) دائمی طور پر (داخل کردیں، اس کو آپ نے رسوا کردیا، اور ظالموں) کافروں (کے لئے کوئی مددگار نہیں) جو انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچا سکے، وما للظلمین میں ضمیر کے بجائے اسم ظاہر لایا گیا، حالانکہ ضمیر کا موقع تھا، اس میں نکتہ یہ ہے کہ رسوائی خاص ظالموں ہی کے لئے ہے۔ من انصار میں من زائد ہے (اے ہمارے رب! بے شک ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا، وہ پکار رہا تھا) لوگوں کو بلا رہا تھا (ایمان لانے کیلئے) اور وہ محمد ﷺ ہیں یا قرآن ہے (کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ، تو ہم) اس پر (ایمان لائے، اے ہمارے رب! پس ہمارے لئے ہمارے گناہوں کی مغفرت فرما دیجئے، اور ہم سے ہماری سیئات کو مٹا دیجئے) ان پر سزا دے کر انہیں ظاہر مت فرمایئے (اور ہم کو ابرار) یعنی انبیاء وصالحین (کے ساتھ) یعنی ان کی جماعت میں شامل کرکے (وفات دیجئے) یعنی ہماری روحوں کو قبض کیجئے (اے ہمارے رب! اور ہم کو وہ چیز عطا فرمایئے، جس کا آپ نے ہم سے اپنے رسولوں) کی زبان (پر وعدہ فرمایا ہے) یعنی رحمت اور فضل اور ان کا اس کیلئے دعا کرنا اگر چہ اللہ تعالیٰ کے یہاں وعدہ خلافی نہیں ہے...... درحقیقت اس بات کی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس وعدے کے اہل استحقاق میں بنا دیں، کیونکہ انہیں اپنے مستحق ہونے کا یقین

نہیں ہے، اور ربنا کو بار بار تضرع وزاری میں اضافہ کیلئے لایا گیا ہے (اور ہم کو قیامت کے دن رسوا نہ فرمائیے، بے شک آپ وعدہ کے خلاف نہیں کریں گے) یعنی بعث اور جزاء کے وعدہ کے خلاف نہیں کریں گے (پس ان کے رب نے ان کیلئے) ان کی دعا (قبول فرمائی کہ میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کرتا، خواہ مرد ہو یا عورت، تم میں کا بعض بعض سے ہے) یعنی مرد وعورت اور اس کے برعکس، اور یہ جملہ ماقبل کیلئے تاکید ہے، یعنی یہ سب اعمال کے مجازات میں اور اس بات میں کہ ان کے عمل ضائع نہیں ہوں گے، برابر ہیں۔

یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں نہیں سنتی کہ اللہ تعالیٰ نے ہجرت کے باب میں عورتوں کا کوئی ذکر کیا ہو (اور وہ لوگ جنھوں نے) مکہ سے مدینہ (ہجرت کی، اور ان کو ان کے گھروں سے نکالا گیا، اور میرے) دین کے (راستے میں انہیں ستایا گیا اور وہ) کفار سے (لڑے اور قتل کئے گئے) تخفیف وتشدید کے ساتھ اور ایک قرأت میں یہ مقدم ہے (میں ضرور ان کی برائیوں کو ان سے مٹا دوں گا) یعنی مغفرت کر کے انہیں چھپاؤں گا (اور میں ضرور انہیں ایسے باغوں میں داخل کروں گا، جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، اللہ کے پاس سے ثواب ہے) ثوابًا مفعول مطلق ہے لاکفرن کے معنی سے اور اس کیلئے موکد ہے، من عنداللہ میں تکلم سے التفات ہے (اور اللہ، ان کے پاس بہترین بدلہ ہے)۔

اگلی آیت اس وقت نازل ہوئی جب مسلمانوں نے کہا کہ اللہ کے دشمن جیسا کہ ہم دیکھ رہے ہیں خیر میں ہیں، اور ہم مشقت میں ہیں (تم کو شہروں کے اندر کافروں کا) تجارت اور کمائی کیلئے (چلنا پھرنا، دھوکہ میں مبتلا نہ کرے (ایک تھوڑا فائدہ ہے) جس سے قدرے دنیا میں فائدہ اٹھائیں گے، اور پھر یہ فنا ہو جائے گا (پھر ان کا ٹھکانا جہنم ہے، اور وہ برا بچھونا ہے، لیکن وہ لوگ جنھوں نے اپنے رب کا تقویٰ اختیار کیا، ان کیلئے ایسے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ان میں ہمیشہ رہیں گے) یعنی اس حال میں کہ خلود مقدر ہوگا (مہمانی کا سامان ہے) نزل ان چیزوں کو کہتے ہیں جو مہمان کیلئے تیار کی جاتی ہیں، نزلاً منصوب ہے، کیونکہ وہ جنات سے حال ہے، اور عامل اس میں معنی ظرف ہے (اللہ کی طرف سے، اور جو کچھ) ثواب (اللہ کے پاس ہے وہ نیک لوگوں کے لئے) دنیا کے سامان سے (بہتر ہے، اور بے شک اہل کتاب میں بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں) جیسے عبداللہ بن سلام اور ان کے رفقاء اور نجاشی (اور اس چیز پر جو تمہاری جانب اتاری گئی ہے) یعنی قرآن پر (اور اس چیز پر جو ان کی جانب اتاری گئی ہے) یعنی توریت وانجیل پر (اس حال میں کہ، اللہ کے سامنے خشوع) یعنی تواضع (اختیار کرنیوالے ہیں) خاشعین یؤمن کی ضمیر سے حال ہے، اس میں من کے معنی کی رعایت کی گئی ہے (اللہ کی آیات) جو ان کے پاس توریت وانجیل میں نبی ﷺ کے اوصاف واحوال کے متعلق ہیں، ان (کے عوض میں) دنیا کی (قدرے قلیل قیمت نہیں لیتے کہ سرداری کے فوت ہونے کے اندیشے سے

انہیں چھپاتے، جیسا کہ دوسرے یہود کا عمل ہے (یہی لوگ ہیں کہ ان کیلئے ان کے رب کے پاس، ان کا اجر ہے) یعنی ان کے اعمال کا ثواب ہے، جو انہیں دوہرا دیا جائے گا جیسا کہ سورہ قصص میں ہے (بے شک اللہ تعالیٰ جلد حساب نمٹا دینے والے ہیں) کہ ساری مخلوق کا حساب دنیا کے دنوں کے اعتبار سے آدھے دن میں پورا کرلیں گے (اے ایمان والو!) طاعات پر، مصائب پر اور گناہوں سے (صبر کرو اور) کفار کے مقابلے میں (ڈٹے رہو) وہ ڈٹنے میں تم سے بڑھ کر نہ ثابت ہوں (اور) جہاد پر (جمے رہو، اور) اپنے تمام احوال میں (اللہ سے ڈرتے رہو، شاید تم کامیاب ہو،) یعنی جنت حاصل کرلو، اور جہنم سے نجات پالو۔

﴿تشریحات﴾

مضطجعین :۔ لیٹے ہونے کی حالت میں، یہ **وعلی جنوبهم** کا ترجمہ ہے، اور اشارہ ہے کہ **علی جنوبهم** بھی حال ہی ہے، یہ حال مؤولہ ہے، اس کا عطف حال صریحہ پر ہے، اس کے برخلاف **دعانا لجنبه او قاعداً او قائماً** میں حال صریحہ کا حال مؤولہ پر عطف ہے۔

فی کل حال :۔ عموماً انسان کی زندگی میں یہی تین حال ہوتے ہیں یا تو کھڑا ہوتا ہے، یا بیٹھا ہوتا، یا لیٹا ہوتا ہے، ان تینوں حالتوں میں ذکر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ تمام احوال میں ذکر کا تسلسل قائم رہتا ہے۔

وعن ابن عباس :۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ **یذکرون** سے **یصلون** مراد لیتے ہیں، یعنی جیسی استطاعت ہوتی ہے اسی کے مطابق نماز پڑھتے ہیں اور استطاعت کی ترتیب وہی ہے جو قرآن کریم میں مذکور ہے ،یعنی کھڑے ہوکر، اس کی استطاعت نہ ہو تو بیٹھ کر ورنہ لیٹ کر نماز پڑھیں۔

للخلود فیها :۔ یہ ایک سوال کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ یہ آیت بتاتی ہے کہ جو بھی جہنم میں داخل کردیا گیا، وہ رسوا ہوگیا، اور دوسری آیت میں ہے، **یوم لا یخزی الله النبی والذین آمنوا معه**، اس سے معلوم ہوا کہ اہل ایمان رسوا نہ ہوں گے، دونوں کے مجموعے سے نتیجہ نکلتا ہے کہ اہل ایمان جہنم میں نہیں جائیں گے، کیونکہ اگر وہ جہنم میں جائیں تو رسوائی لازم ہوگی۔

مفسر نے جواب دیا کہ جہنم میں وہ دخول جو اس میں ہمیشہ رہنے کیلئے ہو، وہ باعث رسوائی ہے، اور اگر ایسا دخول ہو، جس کے بعد نکلنا ہو تو وہ علاج وتطہیر کے لئے ہے، کہ گناہوں کی وجہ سے روح کو جو بیماری ہوگئی ہے اور نجاست میں جو لت پت ہوگئی ہے اس سے شفا اور طہارت حاصل ہوجائے۔

فیه وضع الظاهر موضع المضمر سیاق کلام کا تقاضا ضمیر کا ہے، یعنی **ربنا انک من تدخل النار فقد اخزیته وماله** یا **ومالهم من انصار**، اگر لفظ من کی رعایت ہو تو **ماله** اور اگر اس کی معنویت کا لحاظ ہو تو **مالهم**، لیکن ضمیر کے بجائے اللہ تعالیٰ نے اسم ظاہر **ظالمین** کو ذکر فرمایا۔ اس میں اس بات پر صراحۃً تنبیہ ہے کہ مددگار کا نہ

ہونا، ظلم یعنی کفر و شرک کی خصوصیت ہے، اس ظلم عظیم کیساتھ کوئی بھی مددگار نہیں مل سکتا۔ رسوائی لازم ہوکر رہے گی۔

فلا تظهرها بالعقاب عليها : ۔ غلطی پر اگر سزا دی گئی تو وہ غلطی سب پر ظاہر ہو جاتی ہے، اور اگر اس پر کوئی سزا نہ دی جائے تو وہ پوشیدہ رہ جاتی ہے۔

یہاں گناہوں کی مغفرت اور سیئات کے مٹانے کی دعا ایک ساتھ کی گئی ہے، حالانکہ ایک کے ذکر کے اندر دوسری شامل ہے، بظاہر یہ تکرار ہے، لیکن یہ تکرار محض نہیں ہے، ذنوب سے گناہ کبیرہ مراد ہیں اور سیئات سے صغائر مراد ہیں، کبائر فضل خداوندی سے معاف ہوتے ہیں اور صغائر کا کفارہ اعمال صالحہ بن جاتے ہیں، اس طرح دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔

وسوالهم ذلک وان کان وعده تعالیٰ لا یخلف الخ: یہ ایک سوال کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمالیا ہے اور رسولوں کی زبان سے اس کا اظہار فرما دیا ہے تو اسے تو پورا ہونا ہے ہی، اللہ تعالیٰ خلاف وعدہ تو کریں گے نہیں، پھر اس دعا کی کیا ضرورت ہے کہ ہم کو وہ چیز عطا فرمائیے جس کا آپ نے وعدہ فرما رکھا ہے۔

جواب یہ ہے کہ یقیناً اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں فرمائیں گے، لیکن اس کی کیا ضمانت ہے کہ اس وعدے کا استحقاق ہم بھی رکھتے ہیں، وعدہ اہل ایمان وتقویٰ سے ہے، اللہ ہی جانتا ہے کہ ہمارا ایمان اور تقویٰ اس معیار کا ہے یا نہیں؟ جس سے وعدہ کا استحقاق ہمارے لئے بھی ہو جائے، یہ دعا وعدہ پورا کرنے کی نہیں ہے اس بات کی دعا ہے کہ پروردگار ہم کو بھی اپنے اس وعدہ کا مستحق بنا دیجئے۔

وتکریر ربنا مبالغة فی التضرع :. **ربنا** کی تکرار تضرع وزاری میں مبالغہ کیلئے ہے، حضرت جعفر صادق علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ اگر کسی کو کوئی سخت معاملہ پیش آئے اور وہ پانچ مرتبہ ربنا ربنا کہہ کر دعا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی مشکل کو آسان فرما دیں گے۔ ان سے پوچھا گیا کہ آپ یہ کیونکر کہہ رہے ہیں، فرمایا کہ پڑھو **الذین یذکرون الله قیاماً وقعوداً** سے **انک لاتخلف المیعاد** تک۔ راقم عرض کرتا ہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **فاستجاب لهم** سے اس قبولیت کا اظہار ہوتا ہے۔

ای الذکور والاناث وبالعکس :۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کسی عمل کرنے والے کا میں عمل ضائع نہیں کرتا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، **من ذکر او انثیٰ** کہہ کر اہل عمل کی دونوں صنفوں کو اس باب میں برابر قرار دیا، اور **بعضکم من بعض** کہہ کر اس کی علت بیان فرمائی کہ آخر دونوں کا ایک دوسرے سے تعلق ہے، عورتوں سے مرد ہیں، مردوں سے عورتیں ہیں، یعنی جنس دونوں کی ایک ہے، اس لئے اعمال کی مجازاۃ اور ترک تضیع میں سب برابر ہیں، مفسر نے فرمایا کہ یہ جملہ یعنی **بعضکم من بعض**، **من ذکر او انثی** کی تاکید ہے، راقم عرض کرتا ہے کہ تاکید ہے، اور محل تعلیل میں ہے، اس لئے ابتداء میں میں نے عرض کیا کہ مجازاۃ میں دونوں صنفوں کی تعمیم وشمول کی علت بیان فرمائی ہے۔

مجازاۃ میں ان دونوں صنفوں کی تعمیم کا صراحۃً تذکرہ اہل ایمان خواتین کی دلداری کیلئے ہے، چنانچہ مفسر

نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا تھا کہ کیا بات ہے کہ عورتوں کا تذکرہ ہجرت وغیرہ کے باب میں نہیں ہوتا، حالانکہ ہجرت انھوں نے بھی کی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی بات رکھ لی، اور بالتصریح خواتین اسلام کا ذکر کر دیا۔

من مکة الی المدینة :صحابہ کرام میں دو گروہ تھے، ایک گروہ وہ ہے، جس نے اولاً حبشہ کی جانب ہجرت کی، دوسرا گروہ وہ ہے، جس نے براہ راست مدینہ کی جانب ہجرت کی، یہ لفظ دونوں گروہ کو شامل ہے کیونکہ حبشہ کی ہجرت والے بھی بعد میں مدینہ طیبہ آ گئے تھے۔

مصدر من معنی لاکفرن مؤکد له :۔ ثواباً کا کلمہ مفعول مطلق ہے، **لاکفرن** اور **لادخلن** کے معنی کے مجموعہ سے جو فعل مفہوم ہوتا ہے اسی کا مصدر ہے۔ ظاہر ہے کہ گناہوں کی بخشش اور دخول جنت کے مجموعہ سے فعل اثابت مفہوم ہوتا ہے کہ میں انہیں ثواب عطا کروں گا۔ پس تقدیر عبارت یہ ہوگی۔ **لاثیبنهم ثواباً** ۔ یہ مفعول مطلق تاکید کیلئے ہے، مفسر نے بنظر اقتصار صرف **من معنی لاکفرن** کہا ہے، ورنہ **لادخلن** بھی ملحوظ ہے۔ اس سے ثواب کی بات مکمل ہو جاتی ہے۔

تصرفهم : ۔تقلب کے معنی شہروں میں گھومتے پھرنا، دورے کرنا۔

ای مقدرین الخلود :. خالدین حال مقدرہ ہے، حال مقدرہ کی مفصل بحث گزر چکی ہے۔

ونصب علی الحال :. **نزلاً** کا نصب حال ہونے کی بنا پر ہے، ذوالحال اس کا جنات ہے۔ سوال یہ ہے کہ ذوالحال یا تو فاعل ہوتا ہے یا مفعول بہ اور جنات نہ فاعل ہے اور نہ مفعول بہ، وہ تو مبتدا ہے، پھر ذوالحال کیونکر ہوا؟ جواب یہ ہے کہ اس میں عامل ظرف ہے، یعنی **لهم** اور اس کی وجہ سے یہ فاعل کے حکم میں ہے۔ یعنی **لهم ثبت جنات تجری** تو جنات، ثبت کیلئے بمنزلہ فاعل کے ہے، پس ذوالحال ہونا درست ہے۔

والنجاشی :۔نجاشی حبشہ کا بادشاہ جو اہل کتاب میں سے تھا، یعنی نصرانی، وہ بھی ایمان لایا تھا اور نہایت مخلص تھا، رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ میں اس کا انتقال ہو گیا تھا تو آپ نے غائبانہ اس کی نماز جنازہ پڑھی تھی۔

مراعی فیها معنی من :. **خاشعین لله** کے بارے میں مفسر نے فرمایا کہ یہ یومن کی ضمیر فاعل سے حال ہے، اس پر سوال یہ ہے کہ یومن کی ضمیر واحد ہے، اور **خاشعین** صیغہ جمع ہے، تو ذوالحال اور حال میں مطابقت نہ رہی۔ جواب یہ ہے کہ یہ ضمیر من کی جانب لوٹتی ہے، اور من لفظاً واحد ہے اور معنیً جمع ہے، تو ضمیر باعتبار لفظ کے راجع ہے، اور حال باعتبار معنی کے ہے۔

التی عندهم فی التوراة والانجیل من نعت النبی :. **لا یشترون بآیات الله** میں آیات سے توریت وانجیل کی تمام آیات مراد نہیں ہیں بلکہ خاص وہ آیات مراد ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے اوصاف وکمالات کے بیان پر مشتمل ہیں۔

خوفاً علی الریاسۃ :۔دوسرے یہودی علماء اوصاف نبی والی آیات کو اس لئے چھپاتے تھے کہ اگر انہیں ظاہر کر دیا گیا تو اپنے سب لوگ نبی ﷺ کی طرف چلے جائیں گے، اور ان کی چودھراہٹ خطرے میں پڑ جائے گی۔

یوتونہ مرتین :۔سورہ قصص میں ہے **الذین آتیناھم الکتب من قبلہ ھم بہ یومنون واذا یتلی علیھم قالوا آمنا بہ انہ الحق من ربنا انا کنا من قبلہ مسلمین اولٰئک یوتون اجرھم مرتین بما صبروا** الخ (۵۲/۵۳/۵۴:) **ترجمہ**:وہ لوگ جن کو ہم نے اس سے پہلے کتاب عطا کی، وہ اس پر ایمان لاتے ہیں، اور یہ جب اس کی تلاوت کی جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے۔ بلاشبہ یہ ہمارے رب کی جانب سے برحق ہے، ہم اس کو پہلے سے مانتے چلے آرہے ہیں، یہ لوگ وہ ہیں کہ انہیں ان کا اجر دوہرا عطا فرمایا جائے گا، کیونکہ انھوں نے صبر کیا۔

علی الطاعات والمصائب وعن المعاصی :۔مفسر نے صبر کی تینوں قسموں کو اس آیت کے تحت سمیٹ دیا ہے، طاعات اور مصائب پر صبر یہ ہے کہ خواہ حالات کچھ ہوں، طاعتوں سے منحرف نہ ہو، اسی پر جما رہے، اور مصائب خواہ کتنے ہی سنگین ہوں، جزع وفزع اور ناشکری نہ کرے اور معاصی سے صبر یہ ہے کہ معصیت کو چھوڑ کر اس پر جما رہے، اور ہرگز معصیت کے گرد نہ پھٹکے۔

وصابروا الکفار : . **یعنی غالبوھم فی الصبر** ،یعنی میدان جنگ میں بہادری سے ڈٹے رہنے میں، ان کفار سے زیادہ مضبوط رہو۔

﴿مضامین آیات وتفسیر﴾

اللہ تعالیٰ نے آل عمران کے آخری رکوع میں گویا پوری سورہ کا خلاصہ بیان کر دیا ہے، سورہ کا آغاز بیان توحید سے ہوا تھا، پھر رسالت اور کتب سماویہ کے نزول کا ذکر تھا۔ پھر اس سلسلے میں اہل ایمان اور ان کے معاندین کے احوال اور ان کی باہمی آویزشیں، جہاد وقتال اور نصرت الٰہی کا بیان تھا۔ خاص طور سے اہل کتاب کا تذکرہ ہوا تھا۔ اس رکوع میں ان سب کی تلخیص گویا آگئی ہے۔ دلائل توحید سے اس رکوع کا آغاز ہے، پھر اہل ایمان کا تذکرہ ان کی دعاؤں کے پیرائے میں ہے۔ اہل کفر کا تذکرہ بھی اختصار کے ساتھ اہل ایمان کی نصیحت کے ذیل میں ہے، پھر اہل کتاب میں جو لوگ سعید الفطرت ہیں ان کی تعریف کی ہے، اور آخر میں صبر وجہاد کی تلقین ہے، فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کو بنایا ہے اور رات ودن کو ایک دوسرے کے پیچھے لگا دیا، دونوں ترتیب وار چلتے رہتے ہیں، ان میں عقل والے غور کریں تو بہت سی نشانیاں ہیں، توحید پر، قدرت الٰہی پر، علم الٰہی پر، عقل والے کون ہیں؟ جو اللہ تعالیٰ کا ذکر اٹھتے بیٹھتے، لیٹتے ہر حال میں کرتے ہیں اور زمین وآسمان کی خلقت میں غور کرتے رہتے ہیں تاکہ انہیں قدرت الٰہی کی دلیل بنا سکیں، پھر وہ یہ سب دیکھ کر بول پڑتے ہیں کہ:

(۱) اے ہمارے پروردگار! آپ نے یہ ساری مخلوق بے وجہ نہیں پیدا فرمائی ہے، آپ کی ذات اس سے منزہ اور پاک ہے، پس ہمیں جہنم کے عذاب سے بچایئے۔

(۲) اے ہمارے پروردگار! جس کسی کو آپ جہنم میں ڈال دیں، اس کی پوری رسوائی ہوگئی اور واقعی ظالموں اور کافروں کا کوئی مددگار نہیں۔

(۳) اے ہمارے پروردگار! ہم نے ایک پکارنے والے کی ندا سنی، جو ایمان کی ندا دے رہا تھا، یعنی محمد ﷺ کی ندا یا قرآن کی ندا کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ، تو ہم مان گئے اور ہم ایمان لائے۔

(۴) اے ہمارے پروردگار! پس ہمارے گناہوں کی مغفرت فرما دیجئے، اور ہماری برائیوں کو محو کر دیجئے اور ہم کو صالحین کے زمرے میں داخل کر کے ہماری روحیں قبض کیجئے۔

(۵) اے ہمارے پروردگار! آپ نے اپنے رسولوں کی زبانی ہم سے جو وعدہ فرمایا ہے، وہ ہمیں عنایت فرمایئے اور قیامت کے دن ہمیں رسوائی سے بچایئے، بلاشبہہ آپ وعدہ خلافی ہرگز نہیں کرتے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعائیں قبول فرمائیں اور بشارت دیدی کہ میں کسی بھی صاحب عمل کے عمل کو ضائع نہیں کرتا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، آخر سب ایک دوسرے سے ہی تو متعلق ہیں، تو جن لوگوں نے ہجرت کی، اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میرے راستے میں ستائے گئے اور کفار سے جہاد وقتال کیا اور شہید ہوگئے، میں ان کی لغزشوں سے درگزر کروں گا، اور انہیں ایسے باغوں میں داخل کروں گا، جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں یہ اللہ کی طرف سے ان کے ایمان وعمل اور جہاد وشہادت کا ثواب ہے، اور اللہ تعالیٰ کے پاس بہترین ثواب ہے۔

کفار کی خوشحالی، ان کا کسب معاش کیلئے سفر وغیرہ کرنا، تمہیں کسی الجھن میں نہ ڈالے، یہ تو ''متاع قلیل'' ہے پھر دیکھنا کہ ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔

ہاں جن لوگوں نے اپنے رب کا تقویٰ اختیار کیا، ان کیلئے ایسے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ان میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہمانی کا سامان ہے، اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، نیکوں کیلئے دنیاوی سامانوں سے وہ بدرجہا بہتر ہے۔

اور اہل کتاب میں بھی کچھ ایسے لوگ ہیں جو قرآن پر بھی ایمان رکھتے ہیں، اور ان کتابوں کو بھی مانتے ہیں جو اس سے پہلے نازل ہوئی ہیں، وہ صاحب خشوع ہیں، اللہ کی آیات کے عوض میں دنیا کو بالکل نہیں چاہتے، ان کیلئے بھی ان کے رب کے پاس اجر ہے، بلکہ دوہرا اجر ہے، بلاشبہہ اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والے ہیں،

اے ایمان والو! صبر واستقلال کو اختیار کرو، کفار کے مقابلے میں مضبوطی کے ساتھ ڈٹے رہو، اور جہاد کا اہتمام کرتے رہو اور اپنے تمام احوال میں خدا سے ڈرتے رہو، شاید تم کامیاب ہو جاؤ۔ **لعل** (شاید) بڑوں کے کلام میں وعدہ کے مرادف ہے، لہٰذا اس میں یقین کا معنی ہے۔

الحمد للہ الذی بنعمته تتم الصالحات

۱۳؍رجب ۱۴۲۳ھ مطابق ۲۱؍ستمبر ۲۰۰۲ء یوم السبت

☆☆☆☆☆

﴿سورة النساء﴾

سورة النساء مدنية مائة وخمس أو ست او سبع وسبعون آيةً

سورۃ نساء مدنی ہے، اس میں ۱۷۵ یا ۱۷۶ یا ۱۷۷ آیتیں ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

﴿يٰا اَيُّهَا النَّاسُ﴾ اى اهل مكة ﴿اتَّقُوۡا رَبَّكُمُ﴾ اى عقابه بأن تطيعوه ﴿الَّذِىۡ خَلَقَكُمۡ مِنۡ نَفۡسٍ وَاحِدَةٍ﴾ آدم ﴿وَخَلَقَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا﴾ حواء بالمد من ضلع من اضلاعه اليسرىٰ ﴿وَبَثَّ﴾ فرق ونشر ﴿مِنۡهُمَا﴾ من آدم وحواء ﴿رِجَالاً كَثِيۡراً وَنِسَاءً﴾ كثيراً ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىۡ تَسَّاءَلُوۡنَ﴾ فيه إدغام التاء فى الاصل فى السين وفى قرأةٍ بالتخفيف بحذفها اى تَساءلون ﴿بِهٖ﴾ فيما بينكم حيث تقول بعضكم لبعضٍ أسالك بالله وأنشُدُكَ بالله ﴿وَ﴾ اتقوا ﴿الۡاَرۡحَامَ﴾ أن تقطعوها وفى قرأة بالجر عطفاً على الضمير فى به وكانوا يتناشدون بالرحم ﴿إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيۡكُمۡ رَقِيۡباًo﴾ حافظا لاعمالكم فيجازيكم اى لم يزل متصفاً بذلك۔

ونزل فى يتيم طلب من وليه ماله فمنعه ﴿وَاٰتُوا الۡيَتٰمٰى﴾ الصغار الاُلى لاأبَ لهم ﴿أَمۡوَالَهُمۡ﴾ إذا بلغوا ﴿وَلَا تَتَبَدَّلُوا الۡخَبِيۡثَ﴾ الحرام ﴿بِالطَّيِّبِ﴾ الحلال اى تاخذونه بدله كما تفعلون من أخذ الجيد من مال اليتيم وجعل الردى من مالكم مكانه ﴿وَلَا تَاكُلُوۡا أَمۡوَالَهُمۡ﴾ مضمومةً ﴿إِلىٰ أَمۡوَالِكُمۡ إِنَّهٗ﴾ اى أكلها ﴿كَانَ حُوۡباً﴾ ذنبا ﴿كَبِيۡراًo﴾ عظيماً

ولما نزلت تحرجوا من ولاية اليتامىٰ وكان فيهم من تحته العشر أو الثمان من الأزواج فلايعدل بينهن فنزلت ﴿وَإِنۡ خِفۡتُمۡ أَنۡ لَّا تُقۡسِطُوۡا﴾ تعدلوا ﴿فِى الۡيَتٰمٰى﴾ فتحر جتم من أمرهم فخافوا أيضاً ألاتعدلوا بين النساء إذا نكحتموهن ﴿فَانۡكِحُوۡا﴾ تزوجوا ﴿مَا﴾ بمعنى من ﴿طَابَ لَكُمۡ مِنَ النِّسَاءِ مَثۡنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ﴾ اى إثنين إثنين وثلاثاً ثلاثاً واربعاً اربعاً ولاتزيدوا علىٰ ذٰلك ﴿فَإِنۡ خِفۡتُمۡ أَنۡ لَّا تَعۡدِلُوۡا﴾ فيهن بالنفقة والقسم ﴿فَوَاحِدَةً﴾ انكحوها ﴿أَوۡ﴾ اقتصروا علىٰ ﴿مَامَلَكَتۡ أَيۡمَانُكُمۡ﴾ من الاماء إذ ليس لهن من الحقوق ماللزوجات ﴿ذٰلِكَ﴾ اى نكاح الاربعة فقط أو الواحدة أوالتسرى ﴿أَدۡنىٰ﴾ أقرب

إلیٰ﴿أَنْ لَّا تَعُوْلُوْا ۝﴾تجوروا ﴿وَآتُوْا﴾ أعطوا﴿النِّسَاءَ صَدُقٰتِهِنَّ﴾ جمع صَدُقَة مهورهن﴿نِحْلَةً﴾مصدر عطية من طيب نفس﴿فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ نَفْساً﴾تمييز محول عن الفاعل اے ان طابت أنفسهن لكم عن شئ من الصداق فوهبنه لكم ﴿فَكُلُوْهُ هَنِيْئاً مَرِيْئاً﴾ محمود العاقبة لاضررعليكم فی الآخرة نزل ردّاً علیٰ من كره ذٰلک ﴿وَلَا تُؤْتُوْا﴾ أيها الاولياء﴿السُّفَهَاءَ﴾ المبذرين من الرجال والنساء والصبيان﴿أَمْوَالَكُمْ﴾اے أموالهم التی فی ايديكم ﴿الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰماً﴾ مصدر قام ای تقوم بمعاشكم وصلاح اولادكم فيضيعوها فی غير وجهها وفی قرأةٍ قيماً جمع قيمةٍ ماتقوم به الامتعة ﴿وَارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا﴾ أطعموهم منها ﴿وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلاً مَعْرُوْفاً﴾ عِدُوهم عِدَةً جميلةً بإعطائهم أموالهم إذا رشدوا ﴿وَابْتَلُوا﴾ اختبروا ﴿الْيَتٰمٰی﴾ قبل البلوغ فی دينهم وتصرفهم فی احوالهم ﴿حَتّٰی إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ﴾ اے صاروا أهلاً له بالاحتلام أو السن وهو استكمال خمس عشرة سنةً عند الشافعیؒ ﴿فَإِنْ آنَسْتُمْ﴾ أبصرتم ﴿مِنْهُمْ رُشْداً﴾ اصلاحاً فی دينهم ومالهم ﴿فَادْفَعُوْا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ وَلَاتَاكُلُوْهَا﴾ أيها الاولياء ﴿إِسْرَافاً﴾ بغير حق حال ﴿وَبِدَاراً﴾اے مبادرين إلیٰ انفاقها مخافة ﴿أَنْ يَّكْبَرُوْا﴾ رشداً فيلزمكم تسليمها إليهم ﴿وَمَنْ كَانَ﴾ من الاولياء ﴿غَنِيّاً فَلْيَسْتَعْفِفْ﴾ ای يعف عن مال اليتيم ويمتنع من أكله ﴿وَمَنْ كَانَ فَقِيْراً فَلْيَاكُلْ﴾ منه ﴿بِالْمَعْرُوْفِ﴾ بقدر أجرة عمله ﴿فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ﴾ إلی اليتمی ﴿أَمْوَالَهُمْ فَاشْهَدُوْا عَلَيْهِمْ﴾ انهم تسلموها وبرئتم لئلا يقع اختلاف فترجعوا إلی البينة وهٰذا أمرارشاد﴿وَكَفٰی بِاللّٰهِ﴾ الباء زائدة ﴿حَسِيْباً﴾ حافظاً لاعمال خلقه ومحاسبهم۔

﴿ترجمہ﴾

(اے لوگو!) یعنی اے اہل مکہ (اپنے رب سے ڈرو) یعنی اس کے عقاب سے، اس طرح کہ اس کی اطاعت کرو (جس نے تم کو ایک ذات) آدم (سے پیدا کیا، اور اس سے اس کے جوڑے کو پیدا کیا) یعنی حواء کو...... حواء مد کے ساتھ ہے...... ان کی بائیں پسلیوں میں سے ایک پسلی سے (اور ان دونوں) یعنی آدم وحواء (سے بہت سے مردوں اور عورتوں کو پھیلایا، اور اللہ سے ڈرو، جس کے واسطے سے تم آپس میں سوال کرتے ہو) تساء لون میں دو قرأتیں ہیں، ایک قرأت سین کی تشدید کے ساتھ ہے، یعنی تَسَّـاء لون، یہ باب تفاعل سے ہے، تفاعل کی تاء سین میں مدغم ہوگئی ہے، اور دوسری قرأت سین کی تخفیف کے ساتھ ہے، اس صورت میں تفاعل

کی تاء حذف ہوگئی ہے، یعنی تتساءلون ہے، یعنی اللہ کے نام کے واسطے سے تم ایک دوسرے سے سوال اور مطالبے کرتے ہو، چنانچہ کہتے ہو أسالک باللہ، اللہ کے نام سے تم سے سوال کرتا ہوں، اور أنشدک باللہ، اللہ کے نام کی تمہیں قسم دیتا ہوں (اور) ڈرو (قرابت داریوں سے) یعنی ان کو توڑنے سے، اور ایک قرأت میں الارحام کے جر کے ساتھ ہے، اس صورت میں یہ بہ کی ضمیر مجرور پر معطوف ہے، وہ لوگ قرابت داریوں کے واسطے سے بھی ایک دوسرے سے سوال کرتے تھے (بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر نگہبان تھے) یعنی تمہارے اعمال کو محفوظ رکھتے ہیں، پس تم کو ان کا بدلہ دیں گے۔ نگہبان تھے، یعنی اس صفت کے ساتھ دائماً متصف ہیں۔

اگلی آیت اس وقت نازل ہوئی جب ایک یتیم نے اپنے ولی اور سرپرست سے اپنا مال مانگا، اور اس نے انکار کر دیا (اور یتیموں) یعنی ان چھوٹے بچوں (کو) جن کے ماں باپ نہ ہوں (ان کا مال دیدو) جبکہ وہ بالغ ہو جائیں (اور خبیث) یعنی حرام (کو طیب) یعنی حلال (کے عوض نہ لو) جیسا کہ تم لوگ ایسا کیا کرتے تھے کہ یتیم کا اچھا مال، اپنے خراب مال کی جگہ لے لیا کرتے تھے (اور ان کے مال کو اپنے مال میں شامل کر کے نہ کھاؤ، بے شک یہ) یعنی اس کا کھانا (بڑا گناہ ہے)

جب یہ آیت نازل ہوئی، تو لوگوں کو یتیم کی سرپرستی میں دقت اور تنگی محسوس ہوئی، اور حال یہ تھا کہ ان میں سے بعض کے تحت دس بیویاں تھیں، کسی کے تحت آٹھ بیویاں تھیں، اور وہ ان کے درمیان انصاف سے کام نہیں لیتا تھا۔ اس سلسلے میں اگلی آیت نازل ہوئی۔ (اور اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم یتیموں کے بارے میں انصاف نہیں کر پاؤ گے) اس لئے ان کے معاملے میں تمہیں تردد ہو رہا ہے، تو اس سے بھی ڈرو کہ تم عورتوں کے درمیان نکاح کے بعد انصاف نہیں کر پاتے (اس لئے تم کو جو عورتیں پسند ہیں) ما بمعنی من ہے (ان میں سے دو دو اور تین تین اور چار چار سے نکاح کرو) اس سے زائد سے نہ کرو (پھر اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ) ان کے درمیان خرچ دینے میں اور باری مقرر کرنے میں (انصاف نہ کر سکو گے، تو ایک ہی) سے نکاح کرو (یا صرف ان عورتوں) پر اکتفا کرو (جو تمہاری ملکیت میں ہیں) یعنی باندیوں پر، کیونکہ ان کے لئے وہ حقوق نہیں ہیں، جو بیویوں کے لئے ہوتے ہیں (یہ) یعنی چار عورتوں سے، یا محض ایک عورت سے نکاح کرنا، یا باندیوں پر اکتفا کرنا (اس بات کے قریب تر ہے کہ تم ظلم نہ کرو، اور عورتوں کو ان کی مہر) صَدُقَات، صَدُقَةٌ کی جمع ہے، اس کے معنی مہر کے ہیں (خوشی دل سے دو) نحلة مصدر ہے، بمعنی قلب کی خوشی سے عطیہ دینا (پھر اگر وہ دلی رضامندی سے، اس میں سے کچھ تمہارے لئے بخش دیں) نفساً تمیز ہے، جو اصل میں فاعل تھا، تقدیری عبارت یہ ہوگی: طابت أنفسهن لكم عن شئ من الصداق فوهبنه لكم (تو تم اسے کھاؤ وہ تمہارے لئے پاکیزہ اور خوشگوار ہے) یعنی اس کا انجام بخیر ہے آخرت میں، اس سے تم کو کچھ نقصان نہ ہوگا، جو لوگ اسے ناگوار سمجھتے تھے، ان کے خیال کی تردید

میں یہ آیت نازل ہوئی ہے (اور) اے اولیاء! (تم کم عقلوں کو) جو مال کو بے جا اڑانے والے ہیں، خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں ہوں یا بچے (اپنا مال) یعنی ان کا وہ مال جو تمہارے پاس ہے انھیں (مت دو) وہ مال (جسے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے سامانِ زندگی بنایا ہے) قیـامـاً مصدر ہے، یعنی مال وہ چیز ہے جس سے تمہاری معاش کا انتظام ہوتا ہے، اور تمہاری دشواریوں کی درستگی ہوتی ہے تو ایسا نہ ہو کہ وہ بے فائدہ اسے ضائع کر دیں، اور ایک قرأت میں قِیَـمـاً ہے، جو قیـمـة کی جمع ہے، یعنی وہ مال جس سے سامانوں کی قیمت متعین کی جاتی ہے (اور اس میں سے انھیں کھلاؤ اور کپڑا پہناؤ، اور ان سے اچھی بات کہو) یعنی ان سے اچھی طرح وعدہ کرو کہ ان کا مال انھیں اس وقت دیدیا جائے گا، جب انھیں اس کی صلاحیت حاصل ہو جائے گی (اور یتیموں کا) بلوغ سے پہلے دین و دیانت میں اور ان کے مختلف احوال میں ان کے تصرفات کا (امتحان کرلیا کرو، یہاں تک کہ جب وہ نکاح کو پہونچ جائیں) یعنی نکاح کے اہل ہو جائیں، خواہ احتلام سے، یا عمر، اور یہ عمر سے پندرہ سال کی ہے، امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک (تو اگر تم ان میں) ان کے دین اور مال کے بارے میں (صلاحیت دیکھو، تو ان کا مال ان کے حوالے کر دو، اور) اے سرپرستو! (اسے ناحق مت کھاؤ، اور نہ اس خوف سے) خرچ کرنے میں (جلدی کرو کہ وہ بڑے ہو جائیں گے) تو تمہارے لئے ضروری ہوگا کہ وہ مال ان کے سپرد کر دو (اور جو) اولیاء میں سے (غنی ہو، اسے چاہئے کہ) یتیم کے مال سے (بچے) اور اس کے کھانے سے پرہیز کرے (اور جو کوئی تنگدست ہو تو چاہئے کہ دستور کے مطابق) یعنی اپنے عمل کی اجرت کے بقدر اس میں سے (کھائے، پس جب تم انھیں) یعنی یتیموں کو) ان کا مال دیدو، تو ان پر گواہ بنالو) کہ انھوں نے اپنا مال پالیا، اور تم سبکدوش ہو گئے، تا کہ اختلاف نہ واقع ہو، اگر ایسا ہوا تو بینہ کی طرف رجوع کرو، یہ امر ارشادی ہے (اور اللہ کافی ہے) بـــاللہ میں باء زائد ہے (حساب لینے والا) یعنی اپنی مخلوق کے اعمال کی حفاظت کرنے والا اور حساب لینے والا۔

﴿تشریحات﴾

مـائة وخـمـس أو سـت او سبع وسبعون آيةً: سورہ نساء کی آیات کے شمار میں ائمہ شمار کے نزدیک قدرے فرق ہے، چنانچہ حجازی یعنی مدنی، مکی نیز بصری شمار کے لحاظ سے اس میں ۱۷۵ آیتیں ہیں، اور کوفی شمار میں ۱۷۶ آیتیں ہیں، اور شامی شمار کے مطابق ۱۷۷ آیتیں ہیں۔

اے اهـل مكة: قرآن کے مخاطب اول چونکہ اہل مکہ ہی ہیں، اس لئے **یـا ایهـا النـاس** کے خطاب کی تفسیر **یااهل مكة** سے کی، ورنہ اس خطاب میں تمام مکلّف انسان شامل ہیں۔

مـن ضلع من اضلاعه اليسرىٰ: بظاہر **خَـلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا** سے شبہ ہوتا ہے کہ جب آدم علیہ السلام کی ذات سے حواء کو پیدا کیا، تو وہ ان کی بیٹی ہوئیں، نہ کہ بیوی، جواب یہ ہے کہ پیدائش کے عام قاعدے سے ان کی

پیدائش نہیں ہوئی تھی، بلکہ حضرت آدم علیہ السلام کی ایک بائیں پسلی ان سے جدا کر کے اسی کو عورت بنا دیا۔

﴿و﴾اتقوا ﴿الارحام﴾: **الارحام** ایک قرأت میں منصوب ہے، اس کا عطف اللہ پر ہے، یعنی **واتقوا الله والاحارم**، اللہ سے ڈرنے کا مطلب تو یہ ہے کہ اللہ کے عذاب اور اس کی سزا سے ڈرو، جس کا طریقہ یہ ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے، اور قرابت داریوں سے ڈرنے کا مطلب یہ ہے کہ انھیں توڑا نہ جائے، بلکہ جوڑا جائے، قطع رحمی گناہ کبیرہ ہے، اور شرور وآفات کا سبب ہے، اور صلہ رحمی خیر کا دروازہ ہے، اس سے عمر میں اضافہ ہوتا ہے یعنی برکت ہوتی ہے، روزی میں برکت ہوتی ہے، صلۂ رحمی لوگوں کے احوال کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے، کبھی احسان، کبھی خدمت وغیرہ سے ہوتی ہے۔

وفی قرأة بالجر عطفاً علی الضمیر فی به: **الارحام** میں دوسری قرأت جر کی ہے، اس صورت میں **به** کی ضمیر مجرور پر معطوف ہے، یعنی **تساءلون به وبالارحام** تم ایک دوسرے سے اللہ کے نام پر سوال کرتے ہو اور قسم دیتے ہو، اس طرح قرابت داریوں کا بھی واسطہ دیتے ہو۔ **ارحام**، **رحم** کی جمع ہے، اس کا استعمال قرابت اور رشتہ داریوں کے لئے ہوتا ہے، کیونکہ رشتہ دار ایک دوسرے سے رحم ومحبت کا تعلق رکھتے ہیں، اس آیت سے قرابت داری کی اہمیت وعظمت کا پتہ ملتا ہے۔ بخاری ومسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: **الرحم معلقة بالعرش تقول من وصلنی وصله الله ومن قطعنی قطعه الله**، حق قرابت عرشِ الٰہی کے ساتھ چمٹا ہوا ہے، کہتا ہے کہ جو مجھے جوڑے، اللہ تعالیٰ اسے جوڑے اور جو مجھے توڑے اللہ تعالیٰ اس کو توڑے۔

ای لم یزل متصفاً بذلک: **إن الله كان علیکم رقیباً** کے ظاہر الفاظ سے شبہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ زمانۂ ماضی میں نگراں اور محافظ تھے، تو کیا زمانۂ حال ومستقبل میں یہ صفت باقی نہیں رہی؟ مفسر نے اس کا جواب دیا کہ یہاں **كان** کا صیغہ دوام کے لئے ہے، یعنی یہ صفت اللہ کے لئے برابر علی الدوام ثابت ہے، اس میں انقطاع نہیں ہے، کیونکہ **کان** حال واستقبال میں انقطاع خبر کے لئے نص نہیں ہے، اور اللہ تعالیٰ کا اس صفت سے علی الدوام متصف ہونا بنص قطعی ثابت ہے، اس لئے **كان** سے جو انقطاع خبر کا شبہ ہوتا ہے، وہ یہاں موجود نہیں ہے۔

ونزل فی یتیم طلب من ولیه ماله فمنعه: **وآتوا الیتامیٰ الخ** سے اللہ تعالیٰ نے قرابت داریوں کے حقوق اور ذمہ داریوں کے بیان کا آغاز فرمایا ہے۔ یتیم اس نابالغ بچے کو کہتے ہیں جس کا باپ مر چکا ہے، یہ خطاب یتیم کے سرپرست کو ہے، جس کے پاس اس کا مال محفوظ ہو، دورِ رسالت میں ایک یتیم نے اپنے ولی اور سرپرست سے جو کہ اس کا چچا تھا، اپنا مال طلب کیا، اس نے انکار کیا، یہ معاملہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش ہوا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

إذا بـلـغـوا : یتیموں کو ان کا مال اس وقت حوالے کیا جائے گا، جبکہ وہ بالغ ہو جائیں، بالغ ہونے کے بعد وہ یتیم نہیں ہیں، بالغ ہونے کے بعد انھیں یتیم پچھلے حال کی بنا پر تو کہا جا سکتا ہے، لیکن اب وہ درحقیقت یتیم نہیں رہ گئے ہیں، اس لئے ان کا مال روکنے کا حق کسی کو نہیں ہے۔

﴿ولا تتبدلوا الخبيث﴾ الحرام ﴿بالطيب﴾ الحلال : مفسر نے خبیث کی تفسیر حرام سے کی ہے، اور طیب کی حلال سے، اور خطاب ظاہر ہے کہ سرپرستوں سے ہے، تو سرپرستوں کے حق میں خبیث سے مراد یتیم کا مال ہے، خواہ وہ عمدہ ہو، کیونکہ وہ ان کے حق میں حرام ہے، اور طیب سے مراد خود سرپرستوں کا مال ہے، خواہ وہ ردی ہو، کیونکہ ان کے حق میں حلال ہے۔ تو معنی یہ ہوا کہ اپنے حلال مال کے عوض میں حرام مال یعنی یتیموں کا مال نہ لو، ہوتا یہ تھا اپنا خراب مال لوگ یتیموں کے حصے میں لگا دیتے تھے، یتیم کا اچھا مال اپنے حصے میں لگا لیتے تھے، اس کو منع فرمایا گیا۔

﴿ولا تـاكلوا أموالهم﴾ مضمومةً ﴿إلىٰ أموالكم﴾ : جو لوگ یتیموں کے ولی اور وصی ہوتے تھے، وہ بغیر کسی احتیاط کے یتیموں کے مال کو اپنے مال میں ملا جلا کر استعمال کرتے تھے، اس طرح یتیم کی حق تلفی ہوتی تھی، اور اس کا مال جلد فنا ہو جاتا تھا، نہ کوئی امتیاز اور نہ کوئی حساب کتاب! شاید یہ سوچتے تھے کہ یتیم کا مال علیٰحدہ سے ہڑپ لینا تو حرام ہے، اور لوگوں کی نگاہ میں آجانے کی وجہ سے ملامت اور مذمت کے دائرے میں آجائے گا، لیکن جب یتیم ہماری سرپرستی میں ہے اور اس کا کھانا کپڑا ہمارے ہی ذمہ ہے، تو ان کا مال اپنے مال میں شامل کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور اس طرح اگر اس کا مال ہماری طرف زیادہ آگیا اور جلد ختم ہو گیا تو مضائقہ نہیں، اس خیال کی جڑ اس آیت میں کاٹ دی اور حکم دیا کہ یتیم کے مال میں احتیاط کا رویہ اختیار کرنا ضروری ہے، ورنہ بڑا گناہ ہوگا۔

ولا تـاكلوا أموالهم إلىٰ أموالكم میں إلىٰ محل اشکال ہو رہا ہے، کیونکہ اکل کا صلہ إلیٰ نہیں آتا، مفسر نے مضمومۃ کا لفظ تحریر فرما کر بتایا کہ یہاں ولا تاکلوا میں ضم کے معنی کی تضمین ہے، اور إلیٰ اسی ضم کا صلہ ہے، یعنی مـضـمـومةً إلىٰ أموالكم، جب ضرورت کے باعث یتیم کے مال کو اپنے مال کے ساتھ شامل کر کے کھانا درست نہیں ہے تو علیٰحدہ سے کھانا تو بدرجۂ اولیٰ ناجائز ہوگا۔

إنه (اى أكلها) : إنه میں ھاء ضمیر کا مرجع اکل ہے، جو لا تاکلوا سے مفہوم ہوتا ہے۔

ولـمـا نـزلـت تـحـرجـوا من ولاية اليتامىٰ الخ : یتیموں کے بارے میں اور ان کے مال کے سلسلے میں جب مذکورہ بالا تاکیدی حکم نازل ہوا، تو لوگوں کو یتیموں کی سرپرستی میں دقت محسوس ہوئی، انھوں نے اس کا بڑا اہتمام کرنا شروع کیا کہ اس مسئلہ میں گنہگاری سے بچ جائیں، قلوب آمادہ ہو گئے کہ معصیت اور زیادتی کے شائبہ

سے بھی بچنا چاہئے ،تو اللہ تعالیٰ نے اسی کے ذیل میں ایک اور کوتاہی پر تنبیہ فرمائی ،اور یہ کوتاہی ایسی تھی کہ اس میں ابتلاء بھی زیادہ تھا ،اور اسے معصیت سمجھنے کا مزاج بھی نہ تھا ، وہ کوتاہی یہ تھی کہ عربوں میں متعدد نکاح کرنے کا رواج تھا ، بسا اوقات ایک شخص کے نکاح میں آٹھ آٹھ ، دس دس عورتیں جمع ہو جاتی تھیں ، وہ نہ ٹھیک سے ان کا نفقہ دے پاتا تھا اور نہ ان کے درمیان انصاف کی رعایت کر پاتا تھا ، ظاہر ہے کہ یہ سراسر ظلم بھی تھا اور معصیت بھی ! تو اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی کہ تم یتیموں کے سلسلے میں ظلم و زیادتی کے مسئلے میں تنگی اور دشواری محسوس کرتے ہو اور اس سے نکلنا چاہتے ہو ،تو اس کے ساتھ یہ بھی خیال کرو کہ تم سے اپنی متعدد بیویوں کے سلسلے میں بھی انصاف نہیں ہو پاتا ، یہاں بھی انصاف کا اہتمام کرو ، اور اس کی صورت یہ ہے کہ نکاح میں تعداد کے لحاظ سے ایک خاص حد کے پابند رہو ، اتنی تعداد نہ بڑھا لو کہ معاملہ تمہارے قابو سے باہر ہو جائے ۔اس کا طریقہ یہ کہ زیادہ سے زیادہ چار عورتوں کو بیک وقت نکاح میں رکھو ، ان چار سے تمہاری ضرورت کی تکمیل بھی ہوئے گی ، اور انصاف کرنا بھی سہل ہوگا اور اگر ان میں بھی تمہیں اندیشہ ہو کہ انصاف میں کوتاہی ہوگی تو ایک پر اکتفا کرو ، یا شرعی باندیوں سے کام چلاؤ ۔

اس آیت میں غلطی پر تنبیہ بھی فرمادی ،اور اس سے بچنے کی تدبیر بھی بتادی ، اللہ کی ذات کتنی مہربان ہے ۔

حضرت مفسر کے کلام کی تشریح ہم نے کردی ، اس آیت کے سمجھنے میں اتنی بات کافی ہے ، حضرات مفسرین نے کچھ اور روایتیں اور اقوال اس جگہ نقل کئے ہیں ۔انھیں تفسیر کی کتابوں میں دیکھیں ۔

تحرجوا ، فتحرجتم : یہ لفظ حرج سے ماخوذ ہے ،جس کے معنی تنگی اور دشواری کے ہیں ، باب تفعل میں تکلف کی خاصیت ہے ،اس کا معنی ہوگا تنگی محسوس کرنا ۔

إثنتين إثنتين : مثنیٰ اور ثلاث اور رباع ، یہ تینوں لفظ غیر منصرف ہیں ، ان میں غیر منصرف کا سبب عدل ہے ، ان کا معدول عنہ إثنتين إثنتين ، ثلاث ثلاث اور اربع اربع ہے ۔

ولاتزيدوا علیٰ ذٰلک : چار سے زیادہ عورتوں کو بیک وقت نکاح میں رکھنے کی اجازت نہیں ہے ۔

﴿ذٰلک﴾ ای نکاح الاربعة : ذلک أدنیٰ أن لا تعولوا میں ذٰلک کا اشارہ مذکورہ بالا تینوں باتوں یعنی چار سے نکاح کرنا ، یا ایک سے ، یا باندیوں پر اکتفا کرنا ، ان میں انصاف اور مساوات پر قائم رہنا آسان ہے ۔

جمع صَدُقَة مهورهن : وآتوا النساء صدقاتهن میں صَدُقَات ، صَدُقَةٌ بالفتح وبالضم کی جمع ہے ۔صدقه مہر کو کہتے ہیں ۔صدقه (بفتحتین وبفتح وسکون) بھی کہتے ہیں ، صداق (بالفتح والکسر) بھی کہتے ہیں ۔

﴿نحلة﴾ مصدر عطيه من طيب نفس : نحلة مفعول مطلق ہے ، فعل کے لفظ کے بجائے اسی معنی میں دوسرا لفظ لائے ہیں ، جیسے قعدت جلوساً کہتے ہیں ۔مفعول مطلق نحلة کے لفظ سے لانے کا فائدہ یہ ہے کہ

اس کے معنی میں خوش دلی کے ساتھ عطا کرنے کا مفہوم ہے، جبکہ ایتاء مطلق ہے، خواہ طوعاً ہو یا کرہاً۔ مطلب یہ ہے کہ مہر جو عورتیں پاتی ہیں، چاہئے کہ شوہر بہت خوش دلی کے ساتھ ادا کرے، جبراً اور کرہاً نہیں۔

تمییز محول عن الفاعل : **فان طبن لکم عن شئ منه نفساً** ، میں نفساً، طبن کی نسبت کی تمیز ہے، حقیقت میں یہ لفظ فاعل ہے، اس کو بدل کر تمیز بنا دیا ہے، اصل عبارت یوں ہوگی: **فان طابت أنفسهن لکم عن شئ من الصداق** ، اگر مہر کے کسی حصے سے متعلق بیوی کی طبیعت راضی ہو اور برضا و رغبت وہ تمہیں دینا چاہے، تو اسے لے لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

اے أموالهم : اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **ولاتوتوا السفهاء أموالکم** ، اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یتیموں کے سرپرست ''سفہاء'' کو اپنا مال نہ دیں، لیکن یہ مطلب نہیں ہے، یتیموں کا مال جو سرپرستوں کے پاس ہے، ان کے بارے میں حکم دیا جا رہا ہے کہ یتیم جب تک سفیہ ہے، اسے اس کا مال نہ دیا جائے، لیکن چونکہ وہ مال سرپرستوں ہی کے ہاتھ میں ہے، اس تعلق سے ان کی طرف منسوب کر دیا، مفسر نے اسی کی وضاحت کے لئے **اموالهم التی فی أیدیکم** سے اس کی تشریح کی ہے۔

مصدر قام ای تقوم بمعاشکم وصلاح أودکم : مال اللہ تعالیٰ نے قیام فرمایا، مفسر فرماتے ہیں کہ یہ **قام** کا مصدر ہے، مطلب یہ ہوا کہ اسی مال سے تمہاری معاش کا انتظام ہوتا ہے، اور تمہاری مشکلات درست ہوتی ہیں، ''اود'' کے معنی کجی کے ہیں، کجی سے دشواری پیدا ہوتی ہے، ترجمہ اور تشریح میں اسی التزامی معنی کو اختیار کیا گیا ہے، اس میں ایک نسخہ ''**وصلاح امورکم** '' ہے، اس کا معنی ظاہر ہے۔ جلالین کے ہندوستانی نسخہ میں **وصلاح اولادکم** ہے۔

فیضیعوها فی غیر وجهها : اس تشریح کا تعلق **ولاتوتوا السفهاء** سے ہے، یعنی ان بے عقلوں کو ان کا مال و دولت مت دو ورنہ یہ بے موقع اُڑا اپڑا ڈالیں گے۔

وفی قرأةٍ قیماً : ایک قرأت میں قیاماً کے بجائے قیماً پڑھا گیا ہے، یہ قیمت کی جمع ہے۔

قبل البلوغ فی دینهم وتصرفهم فی احوالهم : بالغ ہونے کے بعد یتیموں کو ان کا مال سپرد کر دینا ہے، اس لئے بالغ ہونے سے پہلے ان کا امتحان کرتے رہو کہ دینی امور میں اور مختلف حالات میں ان کی کارکردگی کس معیار کی ہے، احوال کے بجائے اموال ہوتا تو موقع کے زیادہ مناسب ہوتا۔

اے صاروا أهلاً له : نکاح تک پہونچنے کا مطلب یہ ہے کہ نکاح کی اہلیت ان میں پیدا ہو جائے یعنی وہ بالغ ہو جائیں، بلوغ کی علامتیں دو ہیں۔ اول یہ کہ احتلام ہو۔ دوسرے یہ کہ ایک خاص عمر کو پہونچ جائیں، یہ عمر امام شافعی، امام ابو یوسف اور امام محمد علیہم الرحمہ کے نزدیک پندرہ سال ہے، اور امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک

اٹھارہ سال ہے۔

أبصرتم : آنستم کی تفسیر حضرت مفسر نے أبصرتم سے کی ہے، جس کے اصل معنی آنکھ سے دیکھنے کے ہیں، اس لئے صاحب جمل نے فرمایا ہے کہ اگر اس کی تفسیر علمتم سے کرتے تو موقع اور مقام کے مناسب ہوتا۔

﴿اسرافاً﴾ بغير حق حال ﴿بداراً﴾اے مبادرين إلىٰ اتفاقهما :اسراف کے معنی ناحق خرچ کرنا ہے، اور بداراً کے معنی جلدی جلدی اُڑانا پڑانا، تا کہ بالغ ہوتے ہوتے سب مال ختم ہو جائے، اور پھر اسے کچھ دینا نہ پڑے۔ اسرافاً اور بداراً دونوں حال ہیں، مفسر نے پہلے لفظ کی تفسیر میں اس کے حال ہونے کی لفظاً تصریح کی ہے، چنانچہ حال فرمایا ہے، اور دوسرے لفظ کی تفسیر میں بجائے حال کہنے کے مبادرين کہہ کر اس کا حال ہونا ظاہر کیا ہے۔

مخافة ﴿أن يكبروا﴾: أن يكبروا ،بداراً کا مفعول لہ ہے، اور مخافة مضاف محذوف ہے اور اصل میں مفعول یہی مخافة ہے، اسے حذف کر کے أن يكبروا کو اس کا نائب بنا دیا ہے۔

بقدر أجرة عمله :یتیم کا سرپرست اگر تنگدست ہے، تو سرپرستی اور پرورش کی ذمہ داری کی عرفاً جو اجرت ہو سکتی ہے، اس کے بقدر یتیم کے مال میں سے لے سکتا ہے۔

امر ارشاد :یتیموں کے حوالے ان کا مال کیا جائے، تو اس پر گواہ بنانے کا حکم وجوب کے لئے نہیں ہے، اسے ''امر ارشادی'' کہتے ہیں۔

﴿مضامین آیات وتفسیر﴾

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو، جس نے تم کو ایک ذات آدم (علیہ السلام) سے پیدا کیا، اور آدم کی ایک پسلی سے ان کی زوجہ حواء کو پیدا کیا، اور پھر ان دونوں کے واسطے سے بکثرت مردوں اور عورتوں کو پیدا کیا، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس کا نام لے کر تم آپس میں اپنے حقوق کا سوال کرتے ہو، اور رشتوں کے باب میں تقویٰ کا لحاظ کرو کہ اس کا بھی آپس میں حوالہ دیتے ہو، اور خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر نگراں ہیں، وہاں سے ہر چیز کا بدلہ ملنے والا ہے۔

اور یتیموں کا مال جو تمہاری تحویل میں ہو، وقت پر انھیں دیدو اور ایسا نہ ہو کہ مال حلال کے عوض میں مال حرام لینے کے مجرم بن جاؤ۔ اس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ اپنا گھٹیا مال، یتیم کے اچھے مال سے بعض لوگ بدل لیتے تھے، اور ان کے مال کو اپنے مال میں شامل کر کے اسے نہ کھاؤ، ایسا کرنا بہت بڑا گناہ ہے، اس آیت سے متاثر ہو کر لوگوں نے یتیموں کی کفالت میں کافی احتیاط شروع کر دی، لیکن بیویوں کے معاملے میں کوتاہی باقی رہی کہ

بعض لوگوں کی متعدد بیویاں تھیں، اور وہ ان کے درمیان انصاف نہیں کرتے تھے، تو یتیموں کے معاملہ میں احتیاط کا حوالہ دے ان سے کہا گیا کہ اگر یتیموں کے سلسلے میں تمہیں بے انصافی اور بے اعتدالی کا اندیشہ ہے اور اس کی وجہ سے تم تنگی محسوس کر رہے ہو، تو یہی خوف و اندیشہ بیویوں کے بارے میں بھی ہونا چاہئے، لہٰذا عورتوں سے نکاح کرنے میں ایک خاص مقدار سے آگے نہ بڑھو تاکہ عدل کرنا مشکل نہ رہے، وہ یہ کہ دو سے، یا تین سے، یا چار سے نکاح کرو، اس سے زیادہ بیک وقت اپنے نکاح میں عورتوں کو جمع نہ کرو، اور اگر ان میں بھی اندیشہ ہو کہ عدل کا دامن نہ تھام سکو گے، تو ایک ہی سے نکاح پر اکتفا کرو، یا باندیاں رکھو۔ یہ بات یعنی چار سے نکاح کرنا، یا ایک پر اکتفا کرنا، یا صرف باندی رکھنا معاملہ میں ناہمواری و بے اعتدالی سے بچنے کا قریب تر راستہ ہے، اور ہاں عورتوں کو ان کی مہر بخوشی قلب ادا کر دو، پھر اگر تمہیں اس کا کچھ حصہ ہبہ یا ہدیہ کریں تو تمہارے لئے اس کا لے لینا بے تکلف جائز ہے، اس سے آخرت میں کوئی ضرر نہ ہوگا، بعض لوگ عورتوں کی مہر کو لینا غیرت کے خلاف سمجھتے تھے، اس آیت میں ان کی اصلاح کی گئی ہے۔

اور سرپرستوں کی ذمہ داری ہے کہ یتیموں میں جو اپنے نفع وضرر کی خبر نہیں رکھتے، خواہ وہ مرد ہو یا عورت یا بچے، انھیں ان کا مال حوالے نہ کریں، مال ہی سے تو معیشت قائم ہے، بلکہ ان کے مال میں سے ان کی ضروریات یعنی کھانے پینے کا انتظام کرتے رہیں، اور انھیں سمجھائیں کہ جب ان میں صلاحیت پیدا ہو جائے گی، تو ان کا مال ان کے حوالے کر دیا جائے گا، اور ان یتیموں کا امتحان کرتے رہو، یہ امتحان کرنا بلوغ کے پہلے ہی سے ہوگا۔ دیکھ لو کہ دین میں، دنیاوی معاملات میں ان کی عقل وفہم کا کیا حال ہے، پھر جب وہ بالغ ہو جائیں، تو اگر تم کو اندازہ ہے کہ ان میں تصرفات و معاملات کی صلاحیت پیدا ہو چکی ہے، تو ان کا مال ان کے سپرد کر دو، اور ایسا مت کرنا کہ ان کے بالغ ہونے سے پہلے اس ڈر سے کہ مال انھیں دینا پڑے گا جلدی جلدی مسرفانہ طور پر مال خرچ کر دو، یہ ہرگز نہ کرنا۔ احتیاط کو ملحوظ رکھنا، اور سرپرستوں میں اگر کوئی صاحب مال ہے، تو اسے یتیم کے مال سے بالکلیہ احتراز کرنا چاہئے اور جو کوئی تنگدست ہو، اس کے لئے گنجائش ہے کہ اوسط درجے کی اجرت یتیم کے مال میں سے لے لے۔

اور جب تم یتیموں کا مال ان کے حوالے کرو، تو اس حوالگی پر گواہ بنا لو تاکہ بعد میں کوئی جھگڑا نہ پڑے، اور اگر پڑے تو گواہی موجود رہے، اور حساب لینے کے لئے تو اللہ تعالیٰ کافی ہیں، ان کا ڈر ہی ایمانداری اور دیانت داری کی بنیاد ہے۔

☆☆☆☆☆

نزل ردّاً لما کان علیه الجاهلية من عدم توريث النساء والصغار ﴿لِلرِّجَالِ﴾ الاولاد

والاقارب ﴿ نَصِیْبٌ ﴾ حظ ﴿ مِمَّا تَرَکَ الْوَالِدَانِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ﴾ المتوفون ﴿ وَلِلنِّسَاءِ نَصِیْبٌ مِمَّا تَرَکَ الْوَالِدَانِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ ﴾ المال ﴿ أَوْ كَثُرَ ﴾ جعله الله ﴿ نَصِیْباً مَفْرُوْضاً ﴾ مقطوعاً بتسليمه إليهم ﴿ وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ ﴾ للميراث ﴿ أُولُوا الْقُرْبٰى ﴾ ذوالقرابة ممن لايرث ﴿ وَالْیَتٰمٰى وَالْمَسٰكِیْنَ فَارْزُقُوْهُمْ مِنْهُ ﴾ شيئاً قبل القسمة ﴿ وَقُوْلُوْا ﴾ أيها الاولياء ﴿ لَهُمْ ﴾ إذا كان الورثة صغاراً ﴿ قَوْلاً مَعْرُوْفاً ﴾ جميلاً بان تعتذروا إليهم انكم لاتملكونه وانه لصغار وهٰذا قيل منسوخ وقيل لا ولكن تهاون الناس فى تركه وعليه فهو ندب وعن ابن عباسؓ واجب ﴿ وَلْیَخْشَ ﴾ اى ليخف على اليتٰمٰى ﴿ الَّذِیْنَ لَوْ تَرَكُوْا ﴾ اى قاربوا أن يتركوا ﴿ مِنْ خَلْفِهِمْ ﴾ اى بعد موتهم ﴿ ذُرِّیَّةً ضِعَافاً ﴾ اولاداً صغاراً ﴿ خَافُوْا عَلَیْهِمْ ﴾ الضياع ﴿ فَلْیَتَّقُوْا اللّٰهَ ﴾ فى امر اليتٰمٰى وليأتوا إليهم مايحبون أن يُفعل بذريتهم من بعد موتهم ﴿ وَلْیَقُوْلُوْا ﴾ للميت ﴿ قَوْلاً سَدِیْداً ﴾ صواباً بأن يامروه أن يتصدق بدون ثُلُثه ويدع الباقى لورثته ولايتركهم عالةً ﴿ إِنَّ الَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰى ظُلْماً ﴾ بغير حق ﴿ إِنَّمَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ ﴾ اى ملئها ﴿ نَاراً ﴾ لانه يؤل إليها ﴿ وَسَیَصْلَوْنَ ﴾ بالبناء للفاعل والمفعول يدخلون ﴿ سَعِیْراً ﴾ ناراً شديدةً يحترقون فيها۔

﴿ ترجمہ ﴾

زمانۂ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ عورتوں اور نابالغ بچوں کو وراثت میں حصہ نہیں دیا جاتا تھا، اس رسم بد کی تردید میں آیت اتری۔ (مردوں کے لئے) جو کہ اولاد ہوں یا قریبی رشتہ دار (اس مال میں حصہ ہے، جسے والدین نے اور رشتہ داروں نے) جن کا انتقال ہوگیا ہے (چھوڑا ہے، اور عورتوں کے لئے بھی اس مال میں حصہ ہے جسے والدین نے اور رشتہ داروں نے چھوڑا ہے وہ مال کم ہو یا زیادہ) اللہ نے یہ (قطعی فریضہ) بنایا (ہے) جس کا حوالے کرنا ضروری ہے۔

(اور جب) میراث کی (تقسیم کے وقت) وہ (رشتہ دار آجائیں) جن کو وراثت نہیں ملنی ہے (اور یتیم آجائیں اور مسکین آجائیں تو کچھ اس میں سے) تقسیم سے پہلے (انھیں دیدو، اور) اگر ورثہ نابالغ ہوں تو (ان سے کوئی اچھی بات کہہ دو) مثلاً معذرت کردو کہ ہم لوگ اس کے مالک نہیں ہو، کیونکہ ورثہ نابالغ ہیں، اس کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ حکم منسوخ ہے، اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ منسوخ تو نہیں ہے، لیکن اس پر عمل کرنے میں تساہل ہوگیا، اس قول کے مطابق یہ حکم استحبابی ہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ یہ حکم

وجوبی ہے (اور چاہئے کہ) یتیموں کے باب میں (وہ لوگ ڈریں، کہ اپنے بعد) یعنی اپنی موت کے بعد (ہوسکتا ہے کہ کمزور) یعنی چھوٹی (اولادیں چھوڑیں، تو انھیں ان پر) ضائع ہونے کا (اندیشہ ہوگا، پس چاہئے کہ) یتیموں کے سلسلے میں (وہ اللہ سے ڈریں) اور چاہئے کہ ان کے ساتھ وہی معاملہ کریں، جسے وہ اپنی اولاد کے سلسلے میں پسند کرتے ہیں (اور چاہئے کہ) مرنے والے سے (اچھی بات کہیں) مثلاً یہ حکم دیں کہ تہائی سے کم صدقہ کریں، اور باقی ورثہ کے لئے چھوڑ جائیں، اور انھیں محروم وتنگدست نہ چھوڑیں (بے شک وہ لوگ جو یتیموں کے مال کو ظلماً) ناحق (کھاتے ہیں وہ بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ اپنے پیٹوں میں آگ کھاتے ہیں) یعنی اسی سے پیٹ بھرتے ہیں، کیونکہ اس کا انجام یہی ہے (اور عنقریب وہ دہکتی آگ میں داخل ہوں گے) جس میں وہ جلیں گے، **سیصلون** میں دو قرأت ہے، ایک فعل معروف، دوسرے فعل مجہول۔

﴿تشریحات﴾

نزل ردّاً لما كان عليه الجاهلية: دورِ جاہلیت میں عورتوں اور بچوں کو وراثت دینے کا دستور نہ تھا، وراثت کے بارے میں تقریباً تمام مذاہب میں افراط وتفریط ہے، شریعت اسلامی نے اس بے اعتدالی کو ختم کیا، یہاں صاف صاف حکم ہے کہ ہر قرابت قریبہ کو استحقاق وراثت ہے، خواہ مال متروکہ کم ہو یا زیادہ۔

الاولاد والاقرباء: **للرجال** کی تفسیر میں یہ تفصیل اس لئے کی کہ اللہ تعالیٰ نے والدین اور اقربین کا تذکرہ کیا ہے، تو والدین کی مناسبت سے اولاد کا اور اقربین کی مناسبت سے اقرباء کا ذکر مناسب ہے۔

جعله الله: **نصيباً مفروضاً** مفعول بہ ہے، اس کا فعل **جعله** محذوف ہے، اسے مفسر نے ظاہر کردیا ہے۔

مقطوعاً بتسليمه إليهم: **نصيباً مفروضاً** کا مطلب یہ ہے کہ وارث کا حصہ اسے ہر حال میں ملنا واجب ہے، اگر وہ کہے کہ میں چھوڑتا ہوں تب بھی وہ اسی کا رہے گا، کسی کو اس کا لینا جائز نہیں ہے، ہاں اگر وہ اپنا حصہ لے کر پھر کسی کو ہبہ کردے، تو صحیح ہے۔

وقولوا أيها الاولياء لهم إذا كان الورثة صغاراً: تقسیم میراث کے وقت اگر ایسے قرابت دار آجائیں، جن کا میراث میں حصہ نہیں ہے، یا کچھ یتیم اور نادار لوگ آجائیں، تو تقسیم سے پہلے انھیں اس میں سے کچھ دیدینا چاہئے، لیکن یہ حکم اس صورت میں ہے، جب ورثہ میں کوئی نابالغ نہ ہو، اور اگر سب یا بعض ورثہ نابالغ ہوں تو اس مشترک مال سے کسی کو صدقہ دینا جائز نہیں ہے، کیونکہ نابالغ کے مال میں اس کے سرپرستوں کا یا خود اسی کا ایسا تصرف صحیح نہیں ہے جو تبرع ہو، اس لئے اس صورت میں یتیموں اور نابالغوں کے سرپرستوں سے خطاب ہے کہ ورثہ نابالغ ہوں تو ان قرابت داروں اور یتیموں اور ناداروں کو اچھی طرح سمجھا دیں کہ اس مال میں سے کچھ دینا شرعاً صحیح نہیں ہے۔

وعلیه فهو ندب: تقسیم میراث کے وقت اگر یہ رشتہ دار یا کوئی یتیم و مسکین آجائے تو انھیں کچھ دینے کا حکم بعض لوگوں نے کہا ہے کہ منسوخ ہے، اور بعض لوگوں نے کہا کہ منسوخ تو نہیں ہے، لیکن عموماً اس پر عمل میں سستی ہوتی ہے، تو اس دوسرے قول کی بنیاد پر کہنا پڑے گا کہ یہ حکم وجوبی نہیں ہے، بلکہ استحبابی ہے، وجوبی حکم میں سستی روا نہیں ہے، ہاں عمل مستحب کے پورا کرنے میں سستی ہو تو مضائقہ نہیں ہے، لیکن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ یہ حکم وجوبی ہے، مگر یہ قول ضعیف ہے۔

﴿ولیقولوا﴾ للمیت ﴿قولاً سدیداً﴾: حضرت مفسر نے ''قول سدید'' کا مخاطب اس مریض کو قرار دیا ہے، جو عنقریب دنیا سے رخصت ہونے والا ہے، حکم دیا گیا ہے کہ اس سے اچھی اور انصاف کی بات کہی جائے، اگر وہ اپنا مال صدقہ کرنا چاہتا ہے، تو تہائی سے کم صدقہ کرے اور باقی مال وارثوں کے لئے چھوڑ جائے۔

صاحب جمل نے لکھا ہے کہ عبارت کی مناسبت کا اگر لحاظ کیا جائے تو بجائے ''میت'' کے اس کا مخاطب یتیموں کو بنانا چاہئے، یعنی اگر تقسیم میراث کے وقت کچھ یتیم جو میراث سے محجوب ہیں، آجائیں تو ان سے مناسب بات کی جائے، وہ بات جو خدانخواستہ اگر وہ اپنے بچوں کو یتیم چھوڑ کر گزر جائیں، تو جیسی بات ان سے کی جانی چاہئے ویسی ہی بات وہ دوسرے یتیموں سے کریں۔

لانه یؤل إلیها: یتیم کا مال ظلماً کھانے والے بظاہر مال کھا رہے ہین، مگر انجام اس کا یہ ہوگا کہ وہ مال جہنم کا انگارہ بن کر رہے گا، اس لئے فرمایا کہ وہ انگارہ کھا رہے ہیں۔

﴿مضامین آیات وتفسیر﴾

عرب میں زمانۂ جاہلیت میں یعنی عہد نبوت سے پہلے دستور تھا کہ عورتوں کو اور نابالغ بچوں کو وراثت میں حصہ نہیں ملتا تھا، حق تعالیٰ نے اس رسم بد کو ختم فرمایا، ارشاد ہوا کہ مردوں کے لئے یعنی بیٹوں اور رشتہ داروں کے لئے بھی اس مال میں حصہ ہے، جسے والدین اور رشتہ داروں نے چھوڑا ہے، اور عورتوں کے لئے بھی والدین اور قرابت داروں کے ترکہ میں حصہ ہے، خواہ وہ ترکہ کم ہو یا زائد، اللہ نے ہر ایک کا حصہ متعین کر دیا ہے، جس کا سپرد کرنا ضروری ہے۔

البتہ یہ ہے کہ جب میراث تقسیم ہو رہی ہو، اس وقت اگر ایسے قرابت دار آجائیں جو اس میراث سے محجوب ہوں، یا یتیم و مسکین آجائیں، تو تقسیم سے پہلے انھیں اس میں سے کچھ دے سکتے ہو، اور اگر ورثہ میں کوئی نابالغ ہو، تو انھیں اچھی بات کہہ کر ٹال دو کہ نابالغ کے مال میں سے کچھ دینے کا کسی کو اختیار نہیں ہے۔

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہ حکم منسوخ ہے، اور کچھ لوگوں نے کہا کہ منسوخ نہیں ہے، لیکن لوگوں میں

اس مسئلہ پر عمل کا اہتمام نہیں رہا۔ حاصل یہ ہے کہ یہ حکم وجوبی نہیں ہے، لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا وجوبی ہونا منقول ہے۔

یتیموں کے سلسلے میں شفقت ومحبت کی تاکید اس لئے ہے کہ عین ممکن ہے کہ موجودہ لوگوں میں کسی کی موت ہوجائے اور اس کے پیچھے یتیم اولادیں رہ جائیں، تو ان کے بارے میں کیسا کچھ اندیشہ ہوگا، تو جو بروقت یتیم بچے ہیں ان کا اسی خیال سے خاص اہتمام کرنا چاہئے، وہی اہتمام جو وہ اپنی اولاد کے بارے میں چاہتے ہیں، اور ان کے حق میں اچھی بات کرنی چاہئے، اور یہ بات خوب سمجھ لینی چاہئے کہ جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں، اور انجام یہ ہوگا کہ جہنم کی دہکتی آگ میں گریں گے۔

☆☆☆☆☆

﴿ يُوصِيكُمُ ﴾ يامركم ﴿اللهُ فِىۤ﴾ شان﴿ اَوْلَادِكُمْ﴾ بما يذكر﴿ لِلذَّكَرِ ﴾ منهم ﴿مِثْلُ حَظِّ﴾ نصيب ﴿ الْاُنْثَيَيْنِ﴾ إذا اجتمعتا معه فله نصف المال ولهما النصف فإن كان معه واحدة فلها النصف وله الثلثان وإن انفرد حاز المال﴿فَاِنْ كُنَّ ﴾ اى الاولاد ﴿ نِسَاءً ﴾ فقط ﴿ فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَاتَرَكَ﴾ الميت وكذا لاثنتان لانه للاختين بقوله فلهما الثلثان مما ترك فهما اولىٰ ولأن البنت تستحق الثلث مع الذكر فمع الانثىٰ اولىٰ وفوق قيل صلة وقيل لدفع توهم زيادة النصيب بزيادة العدد لِما فهم استحقاق الاثنتين الثلثين من جعل الثلث للواحدة مع الذكر﴿ وَاِنْ كَانَتْ ﴾ المولود ﴿ وَاحِدَةً﴾ وفى قرأةٍ بالرفع فكان تامة ﴿فَلَهَا النِّصْفُ وَلِاَبَوَيْهِ ﴾ اى الميت ويبدل منهما ﴿لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّاتَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ﴾ ذكر أو أنثىٰ ونكتة البدل أفادة أنهما لايشتركان فيه وألحق بالولد ولد الابن وبالاب الجد ﴿ فَاِنْ لَمْ يَكُنْ لَهٗ وَلَدٌ وَوَرِثَهٗۤ اَبَوَاهُ ﴾ فقط أومع زوج﴿فَلِاُمِّهِ﴾ بضم الهمزة وكسرها فراراً من الانتقال من ضمةٍ الىٰ كسرةٍ لثقله فى الموضعين ﴿الثُّلُثُ﴾ اى ثلث المال أو ما يبقى بعد الزوج والباقى للاب ﴿فَاِنْ كَانَ لَهٗۤ اِخْوَةٌ﴾ اى اثنان فصاعداً ذكوراً أو اناث﴿فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ﴾ والباقى للاب ولاشئ للإخوة وارث من ذكر ما ذكر ﴿ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصٰى ﴾ بالبناء للفاعل والمفعول ﴿بِهَاۤ اَوْ﴾ قضاء ﴿ دَيْنٍ ﴾ عليه وتقديم الوصية على الدين وإن كانت مؤخرة عنه فى الوفاء للاهتمام بها ﴿آبَاؤُكُمْ وَاَبْنَاؤُكُمْ ﴾ مبتدأ خبره ﴿لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعاً﴾ فى الدنيا الآخرة فظان أن ابنه انفع له فيعطيه الميراث فيكون الاب انفع وبالعكس وإنما العالم بذٰلك الله ففرض لكم الميراث ﴿ فَرِيْضَةً مِنَ اللهِ

إِنَّ اللهَ كَانَ عَلِيْماً ﴾ بخلقه﴿ حَكِيْماً ﴾ فيما دبره لهم اے لم يزل متصفاً بذلك ﴿ وَلَكُمْ نِصْفُ مَاتَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَلَدٌ﴾ منكم أو من غيركم ﴿فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّاتَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوْصِيْنَ بِهَا أَوْدَيْنٍ ﴾وألحق بالولد فى ذلك ولدُ الابن بالاجماع ﴿ وَلَهُنَّ ﴾ اے الزوجات تعددن أولا ﴿الرُّبُعُ مِمَّاتَرَكْتُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَا أَوْدَيْنٍ ﴾وولدُ الابن كالولد اجماعاً﴿ وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ ﴾ صفة والخبر ﴿كَلَالَةً ﴾ اى لاوالد ولاولد ﴿اَوِامْرَأَةٌ ﴾ تورث كلالة ﴿ وَلَهُ﴾ اى للموروث الكلالة ﴿ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ ﴾ اے من أم وقرأ به ابن مسعود وغيره ﴿فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ﴾ مِمَّاتَرَكَ﴿فَإِنْ كَانُوْا﴾ اى الإخوة والاخوات من الام ﴿ اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ ﴾ اى من واحدٍ ﴿ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ﴾ يستوى يه ذكورهم وإناثهم ﴿ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوْصٰى بِهَا أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَآرٍّ ﴾ حال من ضمير يوصىٰ اى غير مُدخل الضرر على الورثة بان يوصِى بأكثر من الثلث ﴿وَصِيَّةً ﴾ مصدر مؤكدة ليوصيكم﴿ مِنَ اللهِ وَاللهُ عَلِيْمٌ ﴾ بما دبره لخلقه من الفرائض﴿ حَلِيْمٌ ﴾ بتاخير العقوبة عمن خالفه وخصت السنة توريث من ذُكر بمن ليس فيه مانع من قتل أو إختلاف دين أو رق﴿ تِلْكَ﴾ الاحكام المذكورة من أمر اليتمىٰ ومابعده ﴿ حُدُوْدُاللهِ﴾ شرائعه التى حدها لعباده ليعملوا بها ولايعتدوها﴿ وَمَنْ يُطِعِ اللهَ وَرَسُوْلَهُ﴾فيما حكم به ﴿ يُدْخِلْهُ﴾ بالياء النون التفاتاً ﴿جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ٥وَمَنْ يَعْصِ اللهَ وَرَسُوْلَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهُ يُدْخِلْهُ﴾ بالوجهين ﴿نَاراً خَالِداً فِيْهَا وَلَهُ ﴾ فيها ﴿عَذَابٌ مُهِيْنٌ ﴾ ذو اهانة روعى فى الضمائر فى الآيتين لفظ من وفى خٰلِدِيْنَ معناها۔

﴿ ترجمہ ﴾

(اللہ تعالیٰ تمہیں، تمہاری اولاد کے حق میں وصیت فرماتے ہیں) یعنی حکم دیتے ہیں، جس کا ذکر ابھی آ رہا ہے، ان میں سے (مرد کے لئے دو عورتوں کے برابر حصہ ہے) جب ایک مرد کے ساتھ دو عورتیں ہوں، تو مرد کے لئے کل مال کا نصف ہے، اور دوسرے نصف میں دونوں برابر کی شریک ہوں گی، اور اگر ایک مرد اور ایک ہی عورت ہو، تو عورت کے لئے ایک تہائی اور مرد کے لئے دو تہائی، اور اگر تنہا مرد ہو، تو سارا مال اس کا ہے (پس اگر) اولاد صرف (عورتیں ہوں دو سے زائد، تو ان کے لئے) میت کے (ترکہ کا دو تہائی ہے) اور اگر دو ہوں تب بھی یہی حکم ہے، کیونکہ اگر صرف دو بہنیں ہوتی ہیں، تو انھیں دو تہائی ملتا ہے، فرمایا فلهما الثلثان مما ترک، تو اگر دو بیٹیاں ہوں تو بدرجۂ اولیٰ دو تہائی پائیں گی، اور اس لئے بھی کہ ایک بیٹی، جب ایک بیٹے کے ساتھ ہوتی ہے

تو ایک تہائی پاتی ہے، تو اگر وہی ایک بیٹی، دوسری ایک بیٹی کے ساتھ ہو تو بدرجۂ اولیٰ وہ ایک تہائی پائے گی، اور لفظ فوق کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ صلہ ہے، اور کہا گیا ہے کہ وہ دو سے زائد ہونے کی صورت میں حصے کے بڑھ جانے کے وہم کو دور کرنے کے لئے ہے، کیونکہ جب یہ بتا دیا گیا کہ ایک بیٹے کے ساتھ ایک بیٹی ہو تو وہ ایک ثلث پاتی ہے، تو اس سے خود بخود سمجھ میں آ گیا کہ صرف دو بیٹیاں ہوں گی، تو دو ثلث پائیں گی (اور اگر ایک بیٹی ہو) اور ایک قرأت میں ''واحدة'' مرفوع ہے، تب یہ کان تامہ ہے (تو اس کے لئے نصف ہے، اور اس کے) یعنی میت کے (ماں باپ کے لئے) اور اگلا فقرہ یعنی لكل واحدٍ منهما، لأبويه سے بدل ہے، یعنی (ان دونوں میں سے ہر ایک کے لئے اس کے ترکے میں سے چھٹا حصہ ہے، اگر اس کے اولاد ہے) خواہ اولاد مرد ہو یا عورت، اور بدل اس لئے لائے ہیں، تاکہ یہ بات واضح ہو جائے کہ چھٹے حصے میں دونوں مشترک نہ ہوں گے، اور ولد ہی کے حکم میں پوتے بھی ہیں، اور باپ کے حکم میں دادا بھی شامل ہے۔

(پس اگر اس کے اولاد نہ ہو، اور اس کے وارث) صرف (ماں باپ ہوں) یا ان کے ساتھ بیوی بھی ہو (تو اس کی ماں کے لئے) فلأمه میں ہمزہ پر ضمہ بھی ہے اور کسرہ بھی، اور کسرہ اس لئے کہ ضمہ سے کسرہ کی طرف منتقل ہونا نہ پایا جائے، کیونکہ یہ ثقیل ہے، اور یہ دونوں قرأت دونوں جگہ ہے (تہائی ہے) یعنی کل مال کا تہائی ہے، یا زوج کا حصہ دینے کے بعد جو باقی رہا اس کا تہائی، اور باقی باپ کا ہے (پس اگر اس کے متعدد بھائی ہوں) دو یا دو سے زائد، مرد یا عورت (تو اسکی ماں کے لئے چھٹا حصہ ہے) اور باقی باپ کا ہوگا، اور بھائیوں بہنوں کے لئے کچھ نہ ہوگا، اور جن کا ذکر کیا گیا ان کی وراثت (اس وصیت کے) نافذ کرنے کے (کے بعد ہوگی، جس کی وہ وصیت کرتا ہے) يوصى فعل معروف بھی ہے اور فعل مجہول ہے (یا اس کے دین کے) ادا کرنے کے (بعد ہوگی) جو اس کے ذمے ہے، دین پر وصیت کو مقدم کیا، اگرچہ تعمیل و ادائیگی میں دین مقدم ہے، اور وصیت اس کے بعد ہے، یہ اس لئے تاکہ اس کا اہتمام شان ظاہر ہو (تمہارے باپ اور تمہاری اولاد) یہ مبتداء ہے، اس کی خبر یہ ہے (تمہیں نہیں معلوم کہ تمہارے لئے) دنیا اور آخرت میں (نفع کے لحاظ سے کون قریب تر ہے) کوئی سمجھتا کہ اولاد نافع تر ہے، اور اسے میراث دے دیتا، لیکن اس کے بجائے باپ نافع تر ثابت ہوتا، اور کبھی اس کے برعکس ہوتا، اسے جاننے والا تو اللہ ہی ہے، اس لئے اس نے خود ہی میراث کی تعیین کر دی (فریضہ ہے اللہ کی جانب سے، بیشک اللہ تعالیٰ) اپنی مخلوق کو (جاننے والے) اور ان کے لئے تدبیر کرنے میں (حکمت والے تھے) یعنی اس صفت کے ساتھ ان کا اتصاف لازوال ہے۔

(اور تمہارے لئے اس ترکہ کا نصف ہے، جو تمہاری بیویوں نے چھوڑا ہے، اگر ان کے اولاد نہ ہوں) خواہ تم سے یا تمہارے علاوہ سے (پس اگر ان کے اولاد ہوں، تو تمہارے لئے ان کے ترکہ کا چوتھائی ہے، اس

وصیت کے بعد جو انھوں نے کی ہے، یا دین کے بعد) اور اولاد کے ساتھ بیٹے کی اولاد بھی ملحق ہے بالا جماع (اور بیویوں کے لئے) خواہ وہ متعدد ہوں یا ایک (اس ترکے کا چوتھائی ہے، جو تم نے چھوڑا ہے اگر تمہارے لئے اولاد نہ ہوں، پس اگر تمہارے لئے اولاد ہوں) خواہ انھیں بیویوں سے یا دوسروں سے (تو ان کے لئے تمہارے ترکہ کا آٹھواں حصہ ہے، اس وصیت کے بعد جو تم کرتے ہو یا دین کے بعد) اور بیٹے کی اولاد بھی اس مسئلہ میں بالا جماع اولاد ہی کے حکم میں ہے (اور اگر وہ آدمی جس کی وراثت تقسیم ہو رہی ہے، کلالہ ہے) یعنی نہ اس کا باپ موجود ہے اور نہ اس کی کوئی اولاد ہے (یا ایسی ہی کوئی عورت ہے) یعنی کلالہ ہے (اور اس) مورث کلالہ (کے ایک بھائی یا ایک بہن) ماں شریک (ہو) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں من أم موجود ہے (تو ان میں سے ہر ایک کے لئے) اس کے ترکے کا (چھٹا حصہ ہے اور) یہ ماں شریک بھائی بہن (اگر اس سے) یعنی ایک سے (زیادہ ہوں تو تہائی میں وہ سب شریک ہوں گے) اس میں مرد و عورت سب برابر ہوں گے (اس وصیت کے بعد جو کی جاتی ہے یا دین کے بعد، اس طور پر کہ وہ ضرر پہونچانے والا نہ ہو) **غیر مضار**، **یوصی** کی ضمیر سے حال ہے، یعنی ایسی وصیت نہ ہو، جس سے ورثہ کو ضرر ہو، مثلاً یہ کہ ثلث سے زائد کی وصیت کر دے کہ اس سے ورثہ کو ضرر ہے (اللہ کی جانب سے وصیت ہے) **وصیة** مفعول مطلق ہے، **یوصیکم** کی تاکید کے لئے ہے (اور اللہ) اس تدبیر کو (جاننے والے ہیں) جو انھوں نے اپنی مخلوق کے لئے کر رکھی ہے (حلم والے ہیں) خلاف کرنے والے سے عقوبت کو موخر کرتے ہیں، وراثت کے اس حکم کو سنت نے ان لوگوں کے لئے خاص کر دیا ہے، جن میں وراثت سے مانع کوئی چیز نہیں ہے، یعنی قتل یا اختلاف دین یا غلامی (یہ) مذکورہ احکام جو یتیموں سے متعلق ہیں اور اس کے مابعد والے (اللہ کے حدود ہیں) یعنی شرعی احکام ہیں، جنھیں اپنے بندوں کے لئے اللہ نے متعین کر دیا ہے تاکہ ان پر عمل کریں اور ان سے تجاوز نہ کریں (اور جو کوئی) اللہ کے احکام میں (اللہ کی اور ان کے رسول کی اطاعت کرے گا) اللہ تعالیٰ (اسے ایسے باغوں میں داخل کریں گے) **یدخله** میں ایک قرأت **ندخله** بھی ہے بالنون، اور یہ التفات ہے (جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے، اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرتا ہے، اور اس کے حدود سے آگے بڑھ جاتا ہے اس کو جہنم میں داخل کریں گے) یہاں بھی **یدخله** میں دونوں قرأتیں ہیں (اس میں ہمیشہ پڑا رہے گا، اور) اس میں (اس کے لئے رُسوا کن عذاب ہے) بڑی اہانت والا، دونوں آیتوں کے اندر ضمیروں میں لفظ **من** کی رعایت ہے، اور **خالدین** میں اس کے معنی کی۔

﴿تشریحات﴾

﴿**یُوْصِیْکُمُ**﴾ **یامرکم** ﴿**اللّٰهُ**﴾: وصیت کے اصل معنی یہ ہیں کہ مرنے والا اپنے مرنے کے بعد کیلئے اپنے

وارثین کو کوئی حکم دے، اس لفظ کی نسبت جب اللہ کی طرف ہوتی ہے، تو اس کے معنی تاکیدی حکم کے ہیں، کیونکہ وصیت میں تاکید کا مفہوم دلالت عقلیہ سے ثابت ہے۔

إذا اجتمعتا معه : باپ کے مرنے کے بعد اگر ایک بیٹا اور دو بیٹیاں ہوں۔تو نصف ترکہ بیٹے کا ہوگا۔اور باقی نصف میں دونوں بیٹیاں برابر ہونگی، یعنی چار حصوں پر ترکہ تقسیم ہوگا، دو حصہ بیٹے کا اور ایک ایک حصہ بیٹیوں کا۔

اور اگر ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہو تو تین حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ دو حصہ بیٹے کا اور ایک بیٹی کا، اور صرف ایک بیٹا ہو تو سارا مال اس کا ہے

وکذا لاثنتان الخ : قرآن کریم میں فرمایا گیا کہ اگر بیٹیاں دو سے زائد ہوں اور کوئی بیٹا نہ ہو، تو انکے لئے دو تہائی ترکہ برابر تقسیم ہوگا، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے اگر دو ہی بیٹیاں ہوں، تو وہ کتنا حصہ پائیں گی؟ حضرت مفسر نے جواب دیا کہ اگر صرف دو بیٹیاں ہو تو، وہ بھی دو تہائی ہی پائیں گی، نصف نصف تقسیم کرلیں گی۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر مورث کی صرف دو بہنیں ہیں، تو وہ دو ثلث پاتی ہیں، چنانچہ سورہ نساء کے آخر میں حق تعالیٰ کا فرمان ہے کہ **فان کانتا اثنتین فلهما الثلثان مما ترک**، اگر صرف دو بہنیں ہو تو انھیں دو ثلث ملے گا، تو جب دو بہنوں کا حصہ دو ثلث ہے، تو دو بیٹیوں کا بدرجۂ اولیٰ یہ حصہ ہوگا

دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر ایک بیٹی ایک بیٹے کے ساتھ ہو تو وہ ثلث پاتی ہے، تو اگر بجائے بیٹے کے ایک بیٹی کے ساتھ ہو تو بدرجۂ اولیٰ ایک ثلث پائے گی، تو بیٹیاں ایک ایک ثلث کی مستحق ہوں گی، پس دو ثلث کا تحقق ہو گیا۔

وفوق قیل صلة : جب یہ بات ہے کہ دو بیٹیوں سے زاید ہوں، تب بھی دو ثلث کی مستحق ہیں، اور اگر صرف دو ہوں، تب بھی دو ثلث کی مستحق ہیں، تو بیان میراث میں **فوق** لانے میں کیا نکتہ ہے؟ اس کا ایک جواب مفسر نے یہ دیا ہے کہ بعض لوگوں نے فوق کو صلہ کہا ہے، یعنی یہ زائد ہے، عبارت اس طرح ہوگی، **فان کن نساء اثنتین**، اور مراد یہ ہے **إثنتین فما فوق**، اور اس مراد کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی جزاء میں **فلهما** نہیں فرمایا، بلکہ **فلهن** فرمایا، جس سے معلوم ہوا کہ یہ حکم دو سے زیادہ پر بھی مشتمل ہے۔

دوسرا جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے جب ایک بیٹے کے ساتھ ایک بیٹی کا حصہ ثلث متعین فرمایا، تو اس سے یہ سمجھ میں آ گیا کہ اگر بیٹے کے بجائے ایک بیٹی کے ساتھ ہو، تو دونوں کے لئے دو ثلث ہوگا، اس دلالت عقلیہ سے یہ وہم ہوسکتا ہے کہ اگر دو سے زائد بیٹیاں ہوں تو شاید حصہ بھی بڑھ جائے، اس وہم کو زائل کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے اس جگہ **فوق اثنتین** ارشاد فرمایا، کہ دو سے زائد بیٹیاں ہوں گی تب بھی وہی دو ثلث ہوگا۔

وألحق بالولد ولد الابن : یعنی اگر میت کے بیٹا یا بیٹی تو نہ ہو، مگر پوتا یا پوتی ہو، تو اس صورت میں ماں اور

باپ کو چھٹا حصہ ملے گا، اور اگر باپ نہ ہو، مگر دادا ہو تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔

﴿وورثه أبواه﴾ فقط أو زوج: یعنی اگر میت کے کوئی اولاد نہیں، صرف ماں باپ ہیں، یا ان کے ساتھ زوج بھی ہے، اس لفظ میں شوہر اور بیوی دونوں شامل ہیں، یعنی مرنے والا مرد ہے، تو بیوی، اور عورت ہے تو شوہر مراد ہے، تو ماں کو پہلی صورت میں کل مال کا ثلث ملے گا اور دوسری صورت میں شوہر یا بیوی کو دینے کے بعد باقی ترکہ کا ثلث ملے گا اور باقی سب باپ کا ہوگا۔

بضم الهمزة و كسرها: فلأمه الثلث میں دو قرأت ہے، ایک بضم ہمزۃ الام فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ، دوسرے بکسرۃ الہمزۃ یعنی فَلِامِّهِ الثُّلُثُ، یہ قرأت حمزہ اور کسائی کی ہے، چونکہ ضمہ کے بعد کسرہ متصلاً دشوار ہے، اور میم پر کسرہ متعین ہے، اس لئے ہمزہ کے ضمہ کو کسرہ سے بدل دیا دیا، تاکہ دشواری کا ازالہ ہو جائے۔

اے لم یزل متصفاً بذٰلک: إن الله كان عليماً حكيماً سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ علیم و حکیم تھے، یعنی زمانۂ ماضی میں اور اب؟ یہ سوال باقی رہ جاتا ہے، اس کا جواب مفسر نے دیا کہ یہ کان انقطاع کے لئے نہیں ہے بلکہ دوام کی خبر کے لئے ہے، پس فرمایا کہ اے لم یزل متصفاً بذٰلک، کیونکہ اللہ تعالیٰ زمان و مکان سے منزہ ہیں۔

قرآن کریم میں کان متعدد معانی کے لئے آیا ہے، چنانچہ (۱) دوام کے معنی کیلئے ہے جیسے كان الله غفوراً رحيماً۔ (۲) انقطاع فی الماضی کے معنی میں ہے، اور یہی اس کا اصل معنی ہے جیسے وكان في المدينة تسعة رهطٍ۔ (۳) حال کے معنی میں ہے جیسے كنتم خير امةٍ۔ (۴) استقبال کے معنی میں ہے جیسے يخافون يوماً كان شره مستطيراً۔ (۵) صار کے معنی میں ہے جیسے وكان من الكافرين۔ (۶) ینبغی کے معنی میں ہے جیسے ما كان لكم أن تنبتوا شجرها۔ (۶) حضر کے معنی میں ہے جیسے وإن كان ذو عسرةٍ۔ (۸) اور تاکید کے معنی میں ہے جیسے كيف نكلم من كان في المهد صبياً۔

﴿ولهن﴾ اے الزوجات تعددن اولا: شوہروں کے ترکہ میں بیویوں کو جو حصہ ملے گا وہی ملے گا، خواہ ایک بیوی ہو، یا متعدد، ایک ہو تو وہ سب لے لے گی اور اگر متعدد ہوں گی تو برابر برابر تقسیم کر لیں گی۔

﴿وإن كان رجل يورث﴾ صفة والخبر كلالة: یورث رجل کی صفت ہے، اور کلالۃ، کان کی خبر ہے، ترجمہ اس طرح ہوگا کہ ''اگر وہ مرد جس کا مال وراثت بن رہا ہے کلالہ ہے۔ کلالہ کا مطلب ہے ایسا آدمی جس کے نہ اولاد موجود ہو اور نہ ماں باپ۔

﴿وله أخ أو أخت﴾ اے من أم: کلالہ مرد ہو یا عورت، اس کے ماں باپ یا اولاد نہیں ہے لیکن ایک بھائی یا ایک بہن ہے، مراد اس بھائی بہن سے اخیافی بھائی بہن ہیں، یعنی ماں شریک، چنانچہ حضرت عبداللہ بن

مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں من ام کا لفظ شامل تلاوت ہے۔

وخصت السنة: جن وارثوں کے استحقاق وراثت کا یہاں ذکر کیا گیا، سنت نبوی نے اسے ان لوگوں کے ساتھ خاص کیا ہے، جن میں وراثت سے کوئی مانع موجود نہ ہو، وراثت سے تین چیزیں مانع ہیں۔ اول یہ کہ وارث نے مورث کو قتل کر دیا ہو، دوسرے یہ کہ وارث اور مورث کے دین میں اتحاد نہ ہو، تیسرے یہ کہ دونوں میں سے کوئی ایک غلام ہو، ان تینوں صورتوں میں وراثت کا استحقاق نہ ہوگا۔

روعی فی الضمائر فی الآیتین الخ: دونوں آیتوں میں یعنی ومن یطع اللہ رسولہ الخ میں اور ومن یعص اللہ ورسولہ میں ضمیریں واحد لائی گئی ہیں، اس میں لفظ من کی رعایت ہے کہ وہ لفظاً واحد ہے، اور خالدین حال میں من کے معنی کی رعایت ہے، کیونکہ معناً وہ جمع ہے۔

﴿مضامین آیات وتفسیر﴾

سورۂ نساء کے دوسرے رکوع میں حق تعالیٰ نے تقسیم وتعیین وراثت کا بقدر ضرورت بیان فرمایا ہے، چنانچہ اصولی طور پر فرمایا کہ مورث کی اولاد میں مرد اور عورت دونوں ہوں، تو مرد کو دو عورتوں کے بقدر حصہ ملے گا، مثلاً ایک بیٹا اور اگر ایک بیٹی ہو، تو ترکہ تین حصوں پر تقسیم ہوگا، دو حصہ بیٹے کا اور ایک حصہ بیٹی کا، اور اگر ایک بیٹا اور دو بیٹیاں ہوں تو نصف بیٹے کا ہوگا اور دوسرے نصف میں وہ دونوں شریک ہوں گی، اور اگر صرف بیٹا ہی ہو، تو سارا ترکہ اس کا ہے۔

اور اگر اولاد میں صرف بیٹیاں ہیں، دو ہوں یا دو سے زائد، تو وہ ترکہ کا دو ثلث پائیں گی، اور اگر ایک ہی بیٹی ہو اور لڑکا نہ ہو، تو وہ ترکہ کا نصف پائے گی، اور اگر مرنے والے کی اولاد بھی ہے، اور والدین بھی ہیں، تو ماں باپ دونوں میں سے ہر ایک کو چھٹا چھٹا حصہ ملے گا، اور اگر اس کے اولاد نہ ہوں اور وارث محض ماں باپ ہوں، یا ان کے ساتھ شوہر یا بیوی بھی ہو، تو ماں کو کل کا یا زوج کو دینے کے بعد جو بچے اس کا تہائی ملے گا، اور باقی باپ کا ہوگا، اور اگر میت کے بھائی یا بہن بھی موجود ہوں، تو ماں کا حصہ گھٹ کر چھٹا ہو جائے گا، اور باقی باپ کا، لیکن بھائی کچھ نہ پائیں گے۔

یہ سارا ترکہ اس وقت تقسیم ہوگا، جب میت کی وصیت پوری کر دی جائے، اور اس پر جو دین رہا ہے، اسے ادا کر دیا جائے۔ تم کو پتہ نہیں کہ باپ بیٹوں میں کون میت کے لئے مفید تر ہوگا، اس لئے تقسیم ترکہ کو مرنے والے کے اختیار پر محمول نہیں کیا، بلکہ براہ راست حق تعالیٰ نے جو کہ علیم وحکیم ہیں، ہر ایک کا مناسب حصہ مقرر فرما دیا۔

یہاں تک تو والدین اور اولاد کا مسئلہ بیان کیا گیا۔ اب فرماتے ہیں کہ اگر بیوی کا انتقال ہو، اور اگر اس کے کوئی اولاد نہیں ہے، تو اس کے ترکے میں شوہر کا حق نصف ہوگا، اور اگر اس کے اولاد ہے، خواہ اس شوہر سے یا دوسرے کسی شوہر سے، تو موجودہ شوہر کو اس کے ترکہ کا چوتھائی ملے گا۔ اور اگر شوہر کا انتقال ہوا، اور اس کے وارثوں میں کوئی اولاد نہیں ہے، تو بیوی کو کل ترکہ کا چوتھائی ملے گا، اور اگر اس کی اولاد بھی موجود ہے، تو بیوی کو آٹھواں حصہ ملے گا۔ ان دونوں مسئلوں میں بھی تعمیل وصیت اور قضاء دین کا مسئلہ مقدم ہوگا، اولاد میں پوتی پوتے اولاد ہی کے حکم میں ہیں۔

اور اگر میت خواہ وہ مرد ہو یا عورت کلالہ ہے، یعنی اس کے نہ باپ ہے اور نہ اولاد، ہاں اس کے اخیافی یعنی ماں شریک بھائی یا بہن موجود ہے، تو دونوں میں ہر ایک کو چھٹا چھٹا حصہ ملے گا، اور اگر یہ اخیافی بھائی بہن ایک سے زائد ہوں، تو ثلث میں سب برابر کے شریک ہوں گے، خواہ بھائی ہوں یا بہن، اس میں بھی تعمیل وصیت کا لحاظ رکھا جائے گا، بشرطیکہ وہ وصیت ضرر رساں نہ ہو، یعنی ورثہ کو نقصان پہونچانے کا ارادہ نہ کیا گیا ہو، مثلاً تہائی سے زیادہ کی وصیت نہ ہو۔

یہ احکام اللہ تبارک وتعالیٰ کی باندھی ہوئی حدیں ہیں، پس جو کوئی اللہ ورسول کی اطاعت کرے گا، اسے اللہ تعالیٰ جنت میں شرف داخلہ عنایت فرمائیں گے، اور جو کوئی نافرمانی کرے گا اور اللہ کی باندھی ہوئی حدوں سے تجاوز کرے گا، وہ جہنم میں جائے گا، اور رسوائی کے عذاب میں ہمیشہ پڑا رہے گا۔

☆☆☆☆☆

﴿ وَالّٰتِیْ یَاتِیْنَ الْفَاحِشَةَ ﴾ الزنا ﴿ مِنْ نِسَائِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِنْكُمْ ﴾ای من رجا ل المسلمین ﴿فَاِنْ شَهِدُوْا﴾ علیهن بها ﴿ فَاَمْسِكُوْهُنَّ ﴾احبسوهن ﴿ فِی الْبُيُوْتِ﴾ وامنعوهن من مخالطة الناس ﴿حَتّٰی یَتَوَفَّا هُنَّ الْمَوْتُ﴾ ای ملا ئکته ﴿أَوْ﴾ إلیٰ أن ﴿یَجْعَلَ اللهُ لَهُنَّ سَبِيْلاً﴾ طریقاً الی الخروج منها، أمروا بذلک اول الاسلام ثم جعل لهن سبیلا بجلد البکر مائة وتغریبها عاماً ورجم المحصنة وفی الحدیث لما بین الحد قال ﷺ : خذوا عنی خذوا عنی قد جعل الله لهن سبیلاً

﴿وَالَّذَانِ﴾ بتخفیف النون وتشدیدها﴿ یَاتِيَانِهَا﴾ای الفاحشة الزنا أو اللواطة ﴿مِنْكُم ﴾ ای من الرجال﴿ فَآذُوْهُمَا﴾ بالسب والضرب بالنعال﴿ فَاِنْ تَابَا﴾ منهما ﴿وَأَصْلَحَا﴾ العمل ﴿ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا﴾ولاتوذوهما ﴿ إِنَّ اللهَ كَانَ تَوَّاباً﴾ علیٰ من تاب ﴿رَّحِيْماً ﴾ به وهٰذا منسوخ بالحد إن أرید به الزنا وکذا إن أرید بها اللواطة عند الشافعیؒ لکن المفعول به لایرجم

عنده وإن كان محصناً بل يُجلَدُ ويُغرَبُ وإرادة الواطة أظهر بدليل تثنية الضمير والاوّل قال أراد الزانى والزانية ويرده تبيينهما بمن المتصلة بضمير الرجال وإشتراكهما فى الاذىٰ والتوبة والاعراض وهو مخصوص بالرجال لِمَا تقدم فى النساء من الحبس

﴿إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللهِ﴾اے التى كتب علىٰ نفسه قبولها بفضله ﴿لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْءَ﴾ المعصية ﴿بِجَهَالَةٍ﴾حال اے جاهلين إذا عصوا ربهم ﴿ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ﴾ زمنٍ ﴿قَرِيْبٍ﴾قبل أن يغرغروا ﴿فَأُوْلٰئِكَ يَتُوْبُ اللهُ عَلَيْهِمْ﴾ يقبل توبتهم ﴿وَكَانَ اللهُ عَلِيْماً﴾ بخلقه ﴿حَكِيْماً﴾ فى صنعه بهم ﴿وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّئَاتِ﴾ الذنوب ﴿حَتّٰى إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ﴾ وأخذ فى النزع ﴿قَالَ﴾ عند مشاهدة مافيه ﴿إِنِّیْ تُبْتُ الْآنَ﴾ فلاينفعه ذٰلک ولايقبل منه ﴿وَلَاالَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ﴾ إذا تابوا فى الآخرة عند معاينة العذاب لاتقبل منهم ﴿أُوْلٰئِكَ أَعْتَدْنَا﴾ أعددنا ﴿لَهُمْ عَذَاباً اَلِيْماً﴾ مولماً ﴿يَاأَيُّهَاالَّذِيْنَ آمَنُوْا لَايَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوْا النِّسَاءَ﴾ ذاتهن ﴿كَرْهاً﴾ بالفتح والضم لغتان اى مكرهين، علىٰ ذٰلک كانوا فى الجاهلية يرثون نساء أقربائهم فان شاء وا تزوجواها بلا صداقٍ أو زوّجوها وأخذوا صداقها وعضلوها حتىٰ تفتدى بما ورثته أو تموت فيرثونها فنهوا عن ذٰلک ﴿وَلَا﴾ أن ﴿تَعْضُلُوْهُنَّ﴾ اى تمنعوا أزواجكم عن نكاح غيركم بامساكهن ولارغبة لكم فيهن ضراراً ﴿لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَاآتَيْتُمُوْهُنَّ﴾ من المهر ﴿إِلَّا أَنْ يَّاتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ﴾ بفتح الياء وكسرها أى بينت أو هى بينة اى زنا أو نشوزاً فلكم أن تضاروهن حتىٰ يفتدين منكم ويختلعن ﴿وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ بالاجمال فى القول والنفقة والمبيت ﴿فَإِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ﴾ فاصبروا ﴿فَعَسىٰ أَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئاً وَّيَجْعَلَ اللهُ فِيْهِ خَيْراً كَثِيْراً﴾ ولعله يجعل فيهن ذٰلک بان يرزقكم منهن ولداً صالحاً ﴿وَإِنْ أَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ﴾ اى اخذها بدلها بأن طلقتموها ﴿وَ﴾ قد ﴿آتَيْتُمْ إِحْدٰهُنَّ﴾ اى الزوجات ﴿قِنْطَاراً﴾ مالاً كثيراً صِدَاقاً ﴿فَلَا تَاخُذُوْنَهُ مِنْهُ شَيْئاً أَتَاخُذُوْنَهُ بُهْتَاناً﴾ ظلماً ﴿وَإِثْماً مُبِيْناً﴾ بيناً نصبهما على الحال والاستفهام للتوبيخ وللانكار فى ﴿وَكَيْفَ تَاخُذُوْنَهُ﴾ اى بأى وجه ﴿وَقَدْ أَفْضٰى﴾ وصل ﴿بَعْضُكُمْ اِلىٰ بَعْضٍ﴾ بالجماع المقرّرِ للمهر ﴿وَأَخَذْنَ مِنْكُمْ مِيْثَاقاً﴾ عهداً ﴿غَلِيْظاً﴾ شديداً وهو ما أمر الله به من إمساكهن بمعروفٍ أوتسريح باحسان ﴿وَلَا تَنْكِحُوْا﴾ ما بمعنى من ﴿مَانَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا﴾ لكن ﴿مَا قَدْ سَلَفَ﴾ من فعلكم فانه معفو

عنه ﴿إِنَّهُ﴾ ای نکاحهن ﴿كَانَ فَاحِشَةً﴾ قبيحاً ﴿وَمَقْتاً﴾ سببا للمقت من الله وهو أشد البغض ﴿وَسَاءَ﴾ بئس ﴿سَبِيلاً﴾ طريقاً ذلك۔

﴿ترجمہ﴾

(اورتمہاری عورتوں میں سے وہ جو فاحشہ) یعنی زنا (کا ارتکاب کریں، ان پر اپنے لوگوں) یعنی مسلمان مردوں (میں سے چار کو گواہ بناؤ، پس اگر وہ) ان پر اس کی (گواہی دیں، تو انھیں گھروں میں بند رکھو) اور لوگوں سے ملنے جلنے سے روک دو (یہاں تک کہ موت) یعنی موت کا فرشتہ (ان کی روح قبض کر لے، یا) اس وقت تک کہ (اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی راستہ نکال دیں) یعنی اس مصیبت سے نکلنے کا کوئی راستہ کھول دیں، ابتداء اسلام میں مسلمانوں کو یہی حکم تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایک راستہ متعین فرمایا، وہ یہ کہ کنواروں کو سو کوڑا لگایا جائے، اور سال بھر کے لئے انھیں جلاوطن کر دیا جائے، اور جو شادی شدہ ہیں، انھیں رجم کر دیا جائے، اور حدیث میں ہے کہ جب حدِ زنا والی آیت اتری تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **خذوا عنی خذوا عنی قد جعل الله لهن سبيلا، رواه مسلم**، ترجمہ: مجھ سے لے لو، مجھ سے لے لو، اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایک راہ متعین کر دی۔

(اور تم میں سے وہ دو شخص) **اللذان** نون کی تخفیف کے ساتھ بھی ہے، اور تشدید کے ساتھ بھی (اس کا) یعنی فاحشہ کا، زنا ہو یا لواطت کا (ارتکاب کریں پس انھیں) برا بھلا کہہ کر اور جوتوں وغیرہ سے مار مار کر (تکلیف پہونچاؤ، پھر اگر وہ) اس سے (توبہ کرلیں اور) اپنے عمل کی (اصلاح کرلیں، تو ان سے درگزر کرو) یعنی انھیں تکلیف نہ پہونچاؤ (بے شک اللہ تعالیٰ) توبہ کرنے والوں پر (نظرِ عنایت اور مہربانی فرماتے ہیں) اس آیت میں فاحشہ سے مراد اگر زنا ہے، تو حدِ زنا والی آیت سے منسوخ ہے، اور اگر اس سے لواطت مراد ہے، تو امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک وہ بھی منسوخ ہے، لیکن ان کے نزدیک وہ شخص جس سے لواطت کی گئی ہے، اسے رجم نہیں کیا جائے گا، اگرچہ وہ محصن ہو، بلکہ اسے کوڑوں اور جلاوطنی کی سزا دی جائے گی، اور یہاں لواطت کا معنی مراد لینا زیادہ ظاہر اور قرین قیاس ہے، کیونکہ تثنیہ کی ضمیر لائی گئی ہے، اور اول نے زانی اور زانیہ مراد لیا ہے، لیکن تثنیہ کے بعد من بیانیہ کا ضمیر رجال یعنی کُمْ پر آنا، زانیہ اور زانی مراد لینے سے مانع ہے، اسی طرح دونوں کا ایذا دہی میں اور توبہ میں اور اعراض کے حکم میں شریک ہونا بھی اس مراد سے مانع ہے، کیونکہ اوپر گزر چکا ہے کہ عورتوں کو گھروں میں بند رکھا جائے گا۔

(اللہ کے ذمے توبہ) جس کی قبولیت اللہ نے اپنے اوپر اپنے فضل و کرم سے لکھ دی ہے (ان لوگوں کے لئے ہے، جو جہالت کی وجہ سے برائی کرتے ہیں) یعنی جب خدا کی نافرمانی کرتے، تو وہ جاہل ہی ہوتے ہیں

(پھر جلد ہی) یعنی نزع کی حالت سے پہلے (وہ توبہ کرلیتے ہیں، تو یہی ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نظرعنایت فرماتے ہیں) یعنی ان کی توبہ قبول کرتے ہیں (اور اللہ تعالیٰ) اپنی مخلوق سے (باخبر اور) اور ان کے اندر تصرف کرنے میں (حکیم ہیں) اور توبہ ان لوگوں کے لئے نہیں ہے جو برائیاں کرتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ جب ان میں سے (کسی پر موت آتی ہے) یعنی نزع کی حالت شروع ہوتی ہے (تو) اپنی اس حالت کو دیکھ کر جس میں وہ گرفتار ہے (کہتا ہے کہ میں اب توبہ کرتا ہوں) اس وقت اس کو وہ توبہ نفع نہیں دیتی اور نہ قبول ہوتی ہے (اور نہ ان لوگوں کے لئے جو اس حال میں مرتے ہیں کہ وہ کافر ہوتے ہیں) جب وہ آخرت میں عذاب دیکھنے کے بعد توبہ کریں گے، تو وہ قبول نہ ہوگی (یہی لوگ ہیں کہ ہم نے ان کے لئے عذاب دردناک تیار کیا ہے) **أليم** بمعنی **مولم** ہے (اے ایمان والو! تمہارے لئے درست نہیں ہے کہ تم عورتوں) کی ذات (کے زبردستی وارث بن جاؤ) **کرھاً** کاف کے فتحے اور ضمے دونوں کے ساتھ ہے، یہ دولغتیں ہیں، یعنی جبراً ان کے وارث مت بنو، جاہلیت میں دستور تھا کہ وارثین اپنے اقرباء کی بیویوں کو مال وراثت قرار دے کر ان کے مالک بن جاتے تھے، پھر اگر چاہتے تو بغیر مہر کے نکاح کرلیتے، یا کسی سے نکاح کردیتے اور مہر خود لے لیتے، یا اسے اتنا مجبور کرتے کہ وراثت میں پایا ہوا مال وہ بطور فدیہ کے دے کر چھٹکارا حاصل کرتی، یا وہ یونہی مرجاتی اور یہ لوگ اس کے وارث بن جاتے، اس سے منع کیا گیا (اور نہ یہ کہ عورتوں کو تم) اپنے علاوہ دوسروں سے نکاح کرنے سے (روکو) اس طرح کہ انھیں اپنے پاس جبراً روکے رکھو، حالانکہ تمہیں ان کے اندر رغبت نہیں (تاکہ جو مہر تم نے انھیں دے رکھی ہے، اس کا کوئی حصہ تم لے لو، مگر یہ کہ وہ کسی فاحشہ کا ارتکاب کریں) **مُبَيَّنَةٌ** یاء کے فتحہ کے ساتھ یعنی **بُيِّنَتْ** اور یاء کے کسرہ کے ساتھ یعنی **بَيِّنَةٌ** زنا یا نشوز، تب تمہیں حق ہے کہ ان پر جبر کرو، تاکہ وہ فدیہ دے کر خلع کرالیں (اور ان کے ساتھ حق دستور کے مطابق زندگی بسر کرو) یعنی بات چیت میں، نفقہ میں اور شب باشی میں ان کے ساتھ اچھا معاملہ رکھو (پس اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں تو) صبر کرو (ہوسکتا ہے کہ تم کو ایک چیز ناپسند ہو، اور اللہ تعالیٰ اس میں بڑا خیر رکھ دیں) اور شاید اسی ناپسندیدہ بیوی سے کوئی خیر عطا فرمادیں، مثلا کوئی اچھی اولاد عطا فرمادیں (اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی سے بدلنا چاہو) یعنی اسے طلاق دے کر دوسری بیوی لانا چاہو، اس حال میں کہ ان) بیویوں (میں سے کسی کو ڈھیر سارا مال) مہر میں (دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ مت لو، کیا تم اس کو بہتان) یعنی ظلم (اور کھلے گناہ کے طور پر لوگے؟) **بهتاناً** اور **اثماً مبيناً** کا نصب بربنائے حال ہے اور استفہام توبیخ کے لئے ہے اور **وكيف تأخذونه** میں انکار کے لئے ہے (اور تم کیونکر) یعنی کس وجہ سے (اسے لوگے، حالانکہ تم میں سے ایک دوسرے کے پاس) اس جماع کے ساتھ جو مہر کو مؤکد کرنے والا ہے (پہونچ چکا ہے، اور انھوں نے تم سے مضبوط عہد لے لیا ہے) یہ عہد وہی حکم خداوندی ہے کہ اللہ نے حق دستور کے مطابق ان کو اپنے پاس رکھنے کا حکم دیا ہے، یا

پھر اچھے طریقے پر آزاد کر دینے کا حکم دیا ہے (اور تم ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے باپ نے نکاح کیا ہو) **ما** بمعنیٰ **من** ہے (مگر جو کچھ گزر چکا) یعنی جو کام اس قسم کا ہو چکا، وہ درگزر رہے (بیشک یہ) یعنی باپ کی بیویوں سے نکاح (برا ہے، اور) اللہ کی (ناراضگی) کا سبب (ہے) **مقت** بمعنیٰ شدید ناراضگی کے ہے (اور برا راستہ ہے)

﴿تشریحات﴾

اے رجا لکم المسلمین :منکم کی اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ زنا کے باب میں نہ عورت کی گواہی معتبر ہے، نہ کافر کی۔

اے ملا ئکته :**حتیٰ یتوفا ھن الموت** میں الموت سے پہلے مضاف ملائکہ محذوف ہے، کیونکہ **توفیٰ** کے معنیٰ موت ہی ہے، تو اس صورت میں تقدیر عبارت یوں ہوگی کہ **حتیٰ یمیتھن الموت**، اور یہ درست نہیں، کیونکہ اس میں **اسناد الشئ إلیٰ نفسه** ہے، پس ملائکہ کو محذوف مان لیا گیا۔

﴿أو﴾ إلیٰ أن : **أو یجعل اللہ** میں **یجعل** منصوب ہے، کیونکہ یہ **أو، إلیٰ أن** کے معنی میں ہے۔

وھٰذا منسوخ بالحد الخ : **واللذان یاتیانھامنکم فآذوھما الخ**، اس آیت میں مفسر نے فاحشہ کی تفسیر ایک قول کے مطابق زنا سے کی ہے، اور دوسرے قول کے مطابق لواطت سے کی ہے، فرماتے ہیں کہ اگر فاحشہ سے مراد زنا ہو تو یہ آیت حد زنا کی آیت کی وجہ سے منسوخ ہے، اور اگر اس سے مراد لواطت ہو، تو وہ بھی امام شافعی علیہ الرحمہ کے قول کے مطابق حد زنا سے منسوخ ہے، چنانچہ فعل قبیح کے مرتکب کو وہی سزا دی جائے گی، جو زانی کو دی جاتی ہے، لیکن اس میں اتنا فرق ہے کہ جس سے لواطت کی گئی وہ اگر چہ شادی شدہ (محصن) ہو، لیکن اسے سنگسار نہیں کیا جائے گا، بلکہ سو کوڑے لگا کر جلا وطن کر دیا جائے گا۔

وإرادة اللواطة أظھر :اس عبارت سے مفسر یہ بتانا چاہتے ہیں کہ **واللذان یاتیانھامنکم** میں **فاحشة** سے لواطت مراد لینا قرین قیاس ہے، کیونکہ ضمیر تثنیہ لائی گئی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ دو آدمی باہم فاحشہ کا ارتکاب کریں، اور یہ بات لواطت میں ہی متصور ہے، لیکن جن لوگوں نے زنا مراد لیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ ضمیر تثنیہ سے مراد زانی اور زانیہ ہیں، مگر ان کی یہ بات قابل قبول نہیں ہے، کیونکہ ضمیر تثنیہ کا بیان **منکم** سے آیا ہے، جو مذکر کی ضمیر ہے، دوسرے یہ کہ یہ دونوں ایذا دہی، توبہ اور اعراض میں شریک ہیں، اور یہ تینوں باتیں مردوں کے ساتھ مخصوص ہیں، کیونکہ زانیہ عورت کا حکم پہلی آیت میں آچکا ہے کہ اسے گھر میں بند رکھا جائے گا، اس کا مطلب یہ ہے کہ نہ اسے مارا جائے گا، نہ اس کی توبہ اس کو اس قید سے نجات دلائے گی، اور نہ اس سے اعراض کیا جائے گا۔

اے التی کتب علیٰ نفسه قبولھا :مفسر کی اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ **علی اللہ** کا لفظ خبر نہیں، بلکہ **التوبة**

کی صفت ہے جس کی توضیح التی کتب سے کی ہے، یعنی إِنَّمَا التَّوْبَةُ التی کتب اللہ علیٰ نفسه قبولَها بفضله ، اس کی خبر للذین یعملون السوء ہے، پھر اس کی تفسیر سے ایک اعتراض کا جواب بھی مقصود ہے، اعتراض یہ ہے، اللہ کے ذمے بندوں کا کوئی حق لازم اور واجب نہیں ہے، اور إنما التوبة علی اللہ سے ایسا مفہوم ہوتا ہے کہ خدا کے ذمے اس توبہ کا قبول کرنا لازم ہے، یہ عقیدہ لزوم و وجوب کا معتزلہ کے نزدیک ہے، مفسر نے جواب دیا کہ خدا کے ذمے کوئی حق بندوں کا لازم نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے اس توبہ کا قبول کرنا لازم کرلیا ہے۔

حال اے جاهلين : بجهالةٍ ترکیب میں حال ہے، آدمی جب اللہ کی نافرمانی کرتا ہے، تو وہ جہالت ہی سے کرتا ہے، اس کو اس وقت انجام کی خبر نہیں ہوتی۔

قبل أن يغرغروا : غرغرة کے معنی یہ ہیں کہ منہ میں پانی لے کر آدمی حلق کے اندر نہ جانے دے، نہ وہ باہر آئے اور نہ اندر جائے، اسی کیفیت کا نام غرغرہ ہے، نزع کی حالت میں حلق تک روح پہونچتی ہے، ابھی نکلی نہیں ہوتی، اسے بھی غرغرہ کہتے ہیں، اس کیفیت میں آخرت اور برزخ کے احوال مشاہد ہوجاتے ہیں، موت کی گھڑی تک کا وقت "قریب" ہے، اس سے پہلے پہلے توبہ قبول ہوتی ہے، اس کے بعد نہیں، اس معنی کا قرینہ دوسری آیت ہے، فرمایا ہے: حتیٰ إذا حضر أحدهم الموت قال إني تبت الآن ۔

وليست التوبة للذين : یہ آیت گنہگار اور کافروں کو شامل ہے، گناہ میں ملوث ہونے کی حالت میں اسے موت آجاتی ہے تو عین موت کے وقت پر نہ کافر کا ایمان قبول ہوتا ہے، نہ گنہگار کی توبہ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **فلم يك ينفعهم ايمانهم لما رأوا باسنا** ۔ فرعون بھی عین ڈوبنے کی حالت میں ایمان لایا تھا، مگر اس کا اعتبار نہ ہوا۔ **حتیٰ إذا أدركه الغرق قال آمنت أنه لا إله إلا الذی آمنت به بنو اسرائيل وأنا من المسلمين ، آلآن وقد عصيت قبل وكنت من المفسدين** (سورہ یونس)

فلا ينفعه ذٰلك : تحقیق یہ ہے کہ موت کا قرب قبول توبہ سے مانع نہیں ہے، بلکہ آخرت اور برزخ کے احوال جب جانکنی میں دکھائی دینے لگیں تب توبہ کا دروازہ بند ہوجاتا ہے۔

ذاتهن : لا يحل لكم أن ترثوا النساء کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مرد، عورت کے مرنے کے بعد اس کا وارث نہیں ہوسکتا، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ عورت کی ذات مال وراثت نہیں بنے گی، کہ کوئی وارث اسے اپنے قبضے میں لے لے۔

جاہلیت میں دستور تھا کہ شوہر کے مرنے کے بعد اس کی بیوی مال موروث بن جاتی تھی، شوہر کا بیٹا جو کسی اور بیوی سے ہوتا، یا اس کا کوئی قریبی وارث عورت پر چادر ڈال دیتا، تو وہ اس کی وراثت میں آجاتی، وہ چاہتا تو

اس سے خود نکاح کر لیتا اور مہر نہ دیتا کہ اس کا مورث مہر دے چکا ہے، یا اس کی مرضی کے بغیر دوسرے سے نکاح کرتا اور مہر وصول کر لیتا، یا یونہی روکے رہتا، حتیٰ کہ اس عورت نے اپنے شوہر سے جو مہر اور وراثت پائی ہوتی، اسے لوٹا کر اپنی جان چھڑاتی، یا وہ خود مر جاتی اور یہ اس کی وراثت لے لیتا، اس رسم بد کو اس آیت کریمہ میں ختم کیا گیا۔

كرهاً بالفتح والضم لغتان : یہ دو قرأتیں ہیں، یہ لفظ مصدر ہے بمعنی اسم فاعل اور ترکیب میں حال ہے، اسی لئے حضرت مفسر نے اس کی تفسیر **مكرهين** سے کی ہے۔

اى تمنعوا أزواجكم عن نكاح غيركم الخ : یہ **لاتعضلوهن** کی تفسیر ہے، **عضل** کے معنی تنگ کرنے اور روکنے کے ہیں، تو **لاتعضلوهن** کا مطلب یہ ہوا کہ تم اپنی بیویوں کو ناپسند کرتے ہو، اور انھیں آزاد بھی نہیں کرتے، بلکہ پھنسا کر رکھتے ہو، نہ وہ دوسری جگہ نکاح کر سکتیں، اور نہ تمہارے یہاں اطمینان سے رہتیں، تو ایسا مت کرو، انھیں نہ روکو، نہ تنگ کرو۔

إلا أن ياتين فاحشة مبينة :مبينة میں دو قرأت ہے، ایک بفتح الیاء، تب یہ اسم مفعول ہے، یعنی کھلا ہوا فاحشہ، دوسری بکسر الیاء بمعنی بينة اس کے معنی بھی وہی ہیں، اس سے مراد زنا ہے، یا نشوز ہے، یعنی عورت شوہر سے سرتابی کرے اور اس کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر چلی جائے۔ اس صورت میں عورت کو مجبور کیا جا سکتا ہے کہ وہ فدیہ دے کر خلع کرا لے۔

بالاجمال فى القول والنفقة والمبيت : یہ **عاشروهن بالمعروف** کی تفسیر ہے، یعنی بات چیت میں، خرچ دینے میں، اور اس کے ساتھ رات گزارنے میں حسن سلوک کا خیال رہے۔

والاستفهام للتوبيخ وللانكار فى كيف الخ :أتاخذونه بهتاناً وإثماً مبيناً میں استفہام توبیخ کے لئے ہے، اور **وكيف تأخذونه** میں انکار کے لئے ہے۔

بالجماع المقرِّر للمهر :جماع کی وجہ سے مہر موکد ہو جاتی ہے، اب اس کے ساقط ہونے کا احتمال نہیں رہتا۔

وهو ما أمر الله به :میثاق غلیظ سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ حکم ہے جو عورتوں کے باب میں مردوں کو اللہ کی جانب سے ہے، یعنی قاعدے اور حسن سلوک کے ساتھ ان کو روکنا، یا اچھے طریقے پر طلاق دے کر رخصت کر دینا۔

﴿إلا﴾ لكن ﴿ما قد سلف﴾ :إلا کی تفسیر مفسر **لكن** سے اسی وقت کرتے ہیں جب استثناء منقطع ہوتا ہے، اور یہاں بھی یہی بات ہے، کیونکہ یہ استثناء **ولا تنكحوا مانكح آباء كم من النساء** سے ہے، اور مستقبل کا صیغہ ہے اور **إلا ماقد سلف** ماضی کا صیغہ ہے، اور ظاہر ہے کہ مستقبل سے ماضی کا استثناء متصل ممکن نہیں، اس لئے یہ استثناء منقطع متعین ہے۔

سببا للمقت : مقتاً مصدر ہے، اور یہاں مجاز ہے، مراد سبب مقت ہے، مقت کے معنی شدید بغض کے ہے۔

﴿مضامین آیات وتفسیر﴾

اس رکوع میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے متعلق چند احکام ذکر فرمائے ہیں۔اس کے ضمن میں دو مردوں میں ہم جنسی کے گناہ کا بھی تذکرہ کیا ہے، وہ احکام بالترتیب ذکر کئے جاتے ہیں۔

(۱) جو عورت زنا کا ارتکاب کرے، اس کے لئے ابتداءً یہ حکم دیا گیا کہ اس کو گھر میں بند رکھیں، گھر سے باہر نکلنے کی اجازت نہ دیں، البتہ یہ ہے کہ اس جرم کے ثبوت اور یہ سزا دینے کے لئے چار مسلمان مردوں کی گواہی شرط ہے، جب چار مردوں کی گواہی سے یہ جرم ثابت ہو جائے گا تو اسے گھر میں روک رکھا جائے گا۔ یہ سزا اس وقت تک ہے جب تک اس کی موت نہ آجائے، یا جب تک اس کے لئے کوئی دوسری راہ نہ کھولی جائے، چنانچہ جب حد زنا کی آیت **الزانیة والزانی فاجلدوا کل واحدٍ منھما مائة جلدة** الخ نازل ہوئی، تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ نے راستہ کھول دیا۔اب گھروں میں بند رکھنے کی ضرورت نہیں، چنانچہ وہ حکم منسوخ ہو گیا، اور اب یہ حکم ہے کہ اگر زانیہ شادی شدہ ہے، تو جرم ثابت ہونے پر سنگسار کر دی جائے گی، ورنہ سو کوڑے لگائے جائیں گے۔

(۲) دو مرد اگر آپس میں بدکاری کریں، تو انھیں ستایا جائے، خواہ مار کر یا برا بھلا کہہ کر، پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور اپنا حال درست کر لیں تو ان سے درگزر کیا جائے۔اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والے مہربان ہیں، توبہ تو انھیں لوگوں کی قبول ہوتی ہے، جو جہالت سے برائی کر بیٹھتے ہیں، پھر موت کے آثار ظاہر ہونے سے پہلے توبہ کر لیتے ہیں، اور جو برائیوں میں ملوث رہتے ہیں، اور اسی حالت میں جانکنی کا عالم طاری ہو جاتا ہے، اور موت کے آثار مشاہدہ میں آجاتے ہیں، تو اس وقت توبہ کی قبولیت بند ہو جاتی ہے، اسی طرح جو لوگ کفر کی حالت میں مر جاتے ہیں، اور آخرت میں ایمان لاتے ہیں، ان کا بھی ایمان معتبر نہیں ہوتا، ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

(۳) زمانۂ جاہلیت میں دستور تھا کہ عورت کا شوہر مر جاتا، تو خود وہ عورت مال وراثت بن جاتی، شوہر کا بیٹا جو دوسری بیوی سے ہوتا، اسے اپنے قبضے میں لے لیتا، یا دوسری قریبی اعزہ اس پر قابض ہو جاتے، پھر چاہتے تو بغیر مہر کے نکاح کر لیتے، یا دوسرے سے نکاح کر دیتے اور مہر وصول کر لیتے، یا یونہی قید میں رکھتے اور وہ مجبور ہو کر اپنی مہر بطور فدیہ کے دے کر آزاد ہوتی، یا پڑی پڑی مر جاتی، اس رسم بد کو اللہ تعالیٰ نے ختم فرمایا، اور ارشاد فرمایا کہ عورتوں کو مال وراثت بنانا جائز نہیں ہے، اور نہ انھیں بزور وزبردستی روکے رہنا درست ہے، یہاں تک کہ اگر بیوی کو شوہر ناپسند کرتا ہے لیکن اس سے نہ صحیح تعلق رکھتا اور نہ چھوڑتا، کہ وہ مہر لے کر چلی جائے گی، تو اس لئے اسے روکے ہوئے ہے کہ دی ہوئی مہر اس سے واپس لے لے، تو یہ بات بھی صحیح نہیں ہے، یہ کتنی بری بات ہے کہ جو مہر

تم انھیں دے چکے ہو، جبر وقہر کے ذریعے تم ان سے چھیننا چاہتے ہو، ہاں اگر وہ بالکل ہی نافرمانی پر تل جائیں یا زنا کا کلنک اپنے ماتھے پر لگالیں تو البتہ تمہارے لئے گنجائش ہے کہ انھیں اس حد تک مجبور کرو کہ وہ مال مہر واپس کر کے خلع کرالیں۔

(۴) عورتوں کے ساتھ تمہاری معاشرت حسن وخوبی کے ساتھ ہونی چاہئے۔ بات چیت میں بھی، نان نفقہ میں بھی اور ان کے ساتھ رات گزارنے میں بھی، اور اگر کسی وجہ سے بیویاں تمہیں ناپسند بھی ہوں، تب بھی مفارقت میں جلد بازی نہ کرو، صبر کئے رہو، ہوسکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں ناپسند ہو اور اللہ تعالیٰ نے اس میں کوئی بڑا خیر رکھا ہو، مثلاً کوئی بہترین اولاد حاصل ہو جائے۔

(۵) اور اگر تم نے یہ قطعی ارادہ بنالیا ہے کہ اس کو طلاق دے کر دوسری بیوی لانی ہے، اور تم نے اسے مہر میں بہت سا مال دے دیا ہے تو اس میں سے کچھ واپس لینے کی تدبیر نہ کرو، ظاہر ہے کہ عورت کا مال لینا ظلم و بہتان سے ہوگا، کہ اس پر کوئی تہمت لگاؤ گے، اور مہر کی واپسی کا جواز پیدا کرو گے، حالانکہ جب تم دونوں باہم صحبت ومباشرت کا تعلق قائم کر چکے، اور مہر پکی ہو چکی اور اللہ کی طرف سے حسن معاشرت کا تاکیدی حکم نافذ ہو چکا، گویا کہ وہ تم سے اس کا قول وقرار لے چکی، تو اب کیونکر اس کا مال چھیننے کی فکر کرتے ہو۔

(۶) اور یہ بھی خیال رہے کہ جن عورتوں سے تمہارے باپ دادا نے نکاح کیا ہو، وہ تمہارے لئے حرام ہیں، ان سے نکاح مت کرو، اس سے پہلے جو کچھ ہو چکا، وہ ہو چکا، مگر آئندہ یہ قطعی حکم ہے، یہ بڑی بے حیائی ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہے اور بری راہ ہے۔

☆☆☆☆☆

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ﴾ أن تنكحوهن وشملت الجدات من قبل الاب أو الام ﴿وَبَنَاتُكُمْ﴾ وشملت بنات الاولاد وإن سفلن ﴿وَأَخَوَاتُكُمْ﴾ من جهة الاب أو الام ﴿وَعَمَّاتُكُمْ﴾ اى أخوات آبائكم وأجدادكم ﴿خَالَاتُكُمْ﴾ أخوات امهاتكم وجداتكم ﴿وَبَنَاتُ الْاَخِ وَبَنَاتُ الْاُخْتِ﴾ وتدخل فيهن بنات اولادهن ﴿وَاُمَّهَاتُكُمُ الّٰتِیْٓ اَرْضَعْنَكُمْ﴾ قبل استكمال الحولين خمس رضعات كما بينه الحديث ﴿وَأَخَوَاتُكُمْ مِنَ الرَّضَاعَةِ﴾ ويلحق بذلك بالسنة البنات منها وهن من أرضعتهن موطوءتُه والعمات والخالات وبنات الاخ وبنات الاخ منها لحديث يحرم من الرضاع ما يحرم من النسب، رواه البخارى ومسلم ﴿وَاُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَائِبُكُمْ﴾ جمع ربيبة وهى بنت الزوجة من غيره ﴿الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ﴾ تربونها صفة موافقة للغالب فلا مفهوم لها ﴿مِنْ نِسَائِكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ﴾

ای جامعتموهن ﴿ فَاِنْ لَمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ ﴾ فی نكاح بناتهن إذا فارقتموهن ﴿ وَحَلَائِلُ ﴾ ازواج ﴿ اَبْنَائِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ﴾ بخلاف من تبينتموهم فلكم نكاح حلائلهم ﴿ وَأَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ ﴾ من نسبٍ أو رضاعٍ بالنكاح ويلحق بهن بالسنة الجمع بينها وبين عمتها وخالتها ويجوز نكاح كل واحدةٍ على الانفراد وملكهما معاً ويطأ واحدةً ﴿ إِلَّا ﴾ لكن ﴿ مَاقَدْ سَلَفَ ﴾ فی الجاهلية من نكاحكم بعض ماذكر فلاجناح عليكم فيه ﴿ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْراً ﴾ لماسلف منكم قبل النهی ﴿ رَحِيْماً ﴾ بكم فی ذٰلک

﴿ و ﴾ ﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ ﴾ **الْمُحْصَنٰتُ** ﴾ ذوات الازواج ﴿ مِنَ النِّسَاءِ ﴾ أن تنحكوهن قبل مفارقة ازواجهن حرائر مسلماتٍ كن أولا ﴿ إِلَّا مَامَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ ﴾ من الاماء بالسبی فلكم وطؤهن وإن كان لهن ازواج فی دار الحرب بعد الإستبراء ﴿ كِتٰبَ اللّٰهِ ﴾ نصب على المصدر ای كتب ذٰلک ﴿ عَلَيْكُمْ وَأُحِلَّ ﴾ بالبناء للفاعل والمفعول ﴿ لَكُمْ مَاوَرَاءَ ذٰلِكُمْ ﴾ ای سوی ماحرم عليكم من النساء لِ ﴿ أَنْ تَبْتَغُوْا ﴾ تطلبوا النساء ﴿ بأموالكم ﴾ بصداق أو ثمن ﴿ مُحْصِنِيْنَ ﴾ متزوجين ﴿ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ ﴾ زانين ﴿ فَمَا ﴾ فمن ﴿ اسْتَمْتَعْتُمْ ﴾ تمعتم ﴿ بِهٖ مِنْهُنَّ ﴾ ممن تزوجتم بالوطی ﴿ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ﴾ مهورهن التی فرضتم لهن ﴿ فَرِيْضَةً وَلَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرَاضَيْتُمْ ﴾ أنتم وهن به ﴿ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ﴾ من حطها أو بعضها أو زيادة عليها ﴿ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْماً ﴾ بخلقه ﴿ حَكِيْماً ﴾ فيما دبره لهم ﴿ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلاً ﴾ غناً ﴿ أَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ ﴾ الحرائر ﴿ الْمُؤْمِنَاتِ ﴾ هو جری على الغالب فلا مفهوم له ﴿ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ ﴾ ينكح ﴿ مِنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِإِيْمَانِكُمْ ﴾ فاكتفوا بظاهره وكلوا السرائراليه فانه العالم بتفاصيلها ورُبَّ أَمةٍ تفضل الحرةَ فيه وهٰذا تانيس بنكاح الاماء ﴿ بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ ﴾ ای أنتم وهن سواء فی الدين فلا تستنكفوا من نكاحهن ﴿ فَانْكِحُوْهُنَّ بِإِذْنِ أَهْلِهِنَّ ﴾ مواليهن ﴿ فَاٰتُوْهُنَّ ﴾ اعطوهن ﴿ أُجُوْرَهُنَّ ﴾ مهورهن ﴿ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾ من غير مطلٍ ونقصٍ ﴿ مُحْصَنٰتٍ ﴾ عفافٍ ﴿ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ ﴾ زانياتٍ جهراً ﴿ وَلَا مُتَّخِذَاتِ أَخْدَانٍ ﴾ أخلاء يزنون بهن سراً ﴿ فَإِذَا أُحْصِنَّ ﴾ زوجن وفی قرأةٍ بالبناء للفاعل تزوجن ﴿ فَإِنْ أَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ ﴾ زناً ﴿ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ ﴾ الحرائر الابكارإذا زنين ﴿ مِنَ الْعَذَابِ ﴾ الحد فَيُجْلَدْنَ خمسين ويُغَرَّبْنَ نصف سنةٍ ويقاس عليهن العبيد ولم يجعل الاحصان شرطاً

لوجوب الحد بل لإفادة أنه لا رجم عليهن أصلاً ﴿ ذٰلِکَ ﴾ ای نكاح المملوكات عند عدم الطول ﴿ لِمَنْ خَشِیَ ﴾ خاف ﴿ الْعَنَتَ ﴾ الزنا واصله المشقة سمّی به الزنا لانه سببها بالحد فی الدنيا والعقوبة فی الآخرة ﴿ مِنْكُمْ ﴾ بخلاف من لا يخافه من الاحرار فلا يحل نكاحها وكذا من استطاع طول حرةٍ وعليه الشافعیؒ وخرج بقوله (مِنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ) الكافرات فلايحل له نكاحها ولو عدم وخاف ﴿ وَأَنْ تَصْبِرُوْا ﴾ عن نكاح المملوكات ﴿ خَيْرٌ لَّكُمْ ﴾ لئلا يصير الولد رقيقاً ﴿ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ بالتوسعة فی ذٰلک۔

﴿ ترجمہ ﴾

(تم پرتمہاری مائیں حرام کی گئیں) یعنی ان سے نکاح حرام کیا گیا، اور یہ لفظ دادی اور نانی کو بھی شامل ہے (اور تمیاری بیٹیاں) یہ لفظ اولاد کی بیٹیوں کو بھی شامل ہے، خواہ کتنے ہی نیچے ہو (اور تمہاری بہنیں) خواہ باپ شریک ہوں یا ماں شریک (اور تمہاری پھوپھیاں) یعنی باپ یا دادا کی بہن (اور تمہاری خالائیں) یعنی ماں یا دادی یا نانی کی بہن (اور بھائی کی بیٹیاں اور بہن کی بیٹیاں) اور اس میں ان کی اولادیں بھی داخل ہیں (اور تمہاری وہ مائیں جنھوں نے تم کو) دوسال پورا ہونے سے پہلے پانچ گھونٹ (دودھ پلایا ہو) جیسا کہ حدیث میں ہے (اور تمہاری رضاعی بہنیں) اور حدیث سے ثابت ہے کہ اسی حکم میں رضاعی بیٹی بھی داخل ہے، رضاعی بیٹی وہ ہے جس کو اس مرد کی موطوءہ نے دودھ پلایا ہو، اور اسی حکم میں رضاعی پھوپھی، رضاعی خالہ، رضاعی بھائی کی بیٹی اور رضاعی بہن کی بیٹی بھی شامل ہے، چنانچہ حدیث میں ہے کہ رضاعت کی بنیاد پر بھی وہ رشتہ حرام ہوتا ہے جو نسب کی بنیاد پر حرام ہوتا ہے، رواہ البخاری ومسلم (اور تمہاری بیویوں کی مائیں اور تمہاری ربیبہ) ربائب، ربيبة کی جمع ہے، یعنی تمہاری بیوی کی لڑکی، جو دوسرے کسی شوہر سے ہے (جو تمہاری پرورش میں ہو) یہ صفت اتفاقی ہے، جو عام حالات میں ہوتی ہے، اس لئے اس کا مفہوم مخالف معتبر نہیں ہے (تمہاری ان عورتوں سے جن سے تم نے صحبت کی ہے، لیکن اگر تم نے ان سے صحبت نہیں کی ہے تو) ان کی لڑکیوں سے نکاح کرنے میں (تم پر کوئی حرج نہیں) بشرطیکہ وہ تمہارے نکاح سے جدا ہو چکی ہوں (اور تمہارے ان بیٹوں کی بیویاں جو تمہارے صلب سے ہیں) بخلاف ان بیٹوں کے جن کو تم نے منہ بولا بیٹا بنایا ہے، ان کی بیویوں سے نکاح کر سکتے ہو (اور یہ کہ دو بہنوں کو) نکاح میں (جمع کرو) خواہ وہ دو بہنیں نسبی ہوں یا رضاعی، اور سنت سے اس حکم میں، عورت اور اس کی پھوپھی اور اس کی خالہ کو بھی جمع کرنا ہے، البتہ الگ الگ دونوں سے نکاح کرنا جائز ہے، اور دونوں کا ایک ساتھ مالک بھی ہو سکتا ہے، مگر وطی ایک ہی سے جائز ہوگی (مگر جو گزر چکا) یعنی زمانۂ جاہلیت میں اس قسم کے حرام نکاح جو ہو چکے، ان پر مواخذہ نہیں ہے (بے شک اللہ تعالیٰ) اس نہی سے پہلے جو کچھ ہو چکا ہے اس کو (معاف کرنے

والے) تم پر اس بارے میں (مہربانی فرمانے والے ہیں، اور) تم پر (شوہر والی عورتیں) حرام کی گئیں یعنی ان کے شوہروں کی مفارقت سے پہلے ان سے نکاح نہ کرو، خواہ وہ آزاد مسلمان ہوں، یا کوئی اور (مگر وہ عورتیں جو تمہاری ملکیت میں آگئی ہوں) یعنی باندیاں جو جہاد میں گرفتار ہو کر مسلمان کی ملکیت میں داخل ہوگئی ہوں، ان سے وطی کرنا جائز ہے گو کہ ان کے شوہر دار الحرب میں موجود ہوں اور یہ وطی استبراء کے بعد ہوگی (اللہ کا نوشتہ ہے) کتاب اللہ کا نصب مفعول مطلق ہونے کی بنا پر ہے، یعنی کتب ذٰلک کتاباً (تمہارے اوپر اور تمہارے لئے ان کے ماسوا) جن کو حرام کیا گیا (باقی عورتیں حلال ہیں یہ کہ تم چاہو) یعنی عورتوں سے نکاح چاہو (اپنے مال کے واسطے سے) خواہ وہ مہر ہو یا ثمن (اس حال میں کہ تم نکاح کرنے والے ہو، زنا کرنے والے نہ ہو، پس وہ عورتیں) ما بمعنی من ہے (جن سے تم نے) نکاح کر کے وطی کا (فائدہ حاصل کیا، انھیں ان کی مقررہ مہر ادا کردو) جو تم نے ان کے واسطے مقرر کی ہے (اور مہر کی تعیین کے بعد اس مقدار میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، جس پر تم باہم رضامند ہو جاؤ) خواہ پوری مہر ختم کر دو یا اس کا کچھ حصہ کم کر دو، یا مہر سے زیادہ متعین کر لو (بلاشبہ اللہ تعالیٰ) اپنی مخلوق کو (جاننے والے) اور جو کچھ ان کے حق میں تدبیر کی ہے، اس میں (حکمت والے ہیں، اور جو کوئی تم میں سے استطاعت نہ رکھتا ہو کہ آزاد مومن عورتوں سے نکاح کرے) مومنات کی قید عمومی حالت کا بیان ہے، اس کا مفہوم مخالف معتبر نہیں ہے (تو ان مومن باندیوں سے) نکاح کرے (جو تمہاری ملکیت میں ہیں، اور اللہ تمہارے ایمان کو جانتے ہیں) اس لئے ظاہر پر اکتفا کرو، اور باطن کو اللہ کے حوالے کرو، کیونکہ کیا بہتر ہے؟ وہی اس کو جانتے ہیں، بعض اوقات ایمان میں باندی آزاد سے بڑھی ہوئی ہوتی ہے، اس سے مقصود باندیوں کے نکاح کو مانوس بنانا ہے (تمہارا بعض، بعض سے وابستہ ہے) یعنی تم اور وہ دین میں برابر ہیں، اس لئے ان سے نکاح کرنے میں عار نہ محسوس کرو (پس ان کے اہل) یعنی مولیٰ (کی اجازت سے ان سے نکاح کرو، اور انھیں ان کی مہر ادا کرو، جیسا کہ دستور ہے) یعنی نہ تاخیر کرو اور نہ کم کرو (اس حال میں کہ وہ پاکدامن ہوں، مبتلاء زنا نہ ہوں) نہ کھلم کھلا (اور نہ) پوشیدہ طور پر زنا کے لئے (آشنا بنانے والی ہوں، پھر جب ان کا نکاح ہو جائے) ایک قرأت میں فعل مجہول کے بجائے أَحْصَنَّ فعل معروف ہے، یعنی جب وہ نکاح کرلیں (تو اگر کسی فاحشہ کا) یعنی زنا کا ارتکاب کریں، تو ان پر اس حد کا نصف ہے، جو آزاد) باکرہ (عورتوں پر ہے) جب کہ وہ زنا کریں، یعنی نصف حد ہے، انھیں پچاس کوڑے کی سزا ہے، اور چھ ماہ کی جلاوطنی، اسی قیاس پر غلاموں کا بھی مسئلہ ہے، اور احصان کو وجوب حد کے لئے شرط نہیں قرار دیا ہے، بلکہ اس بات کا افادہ مقصود ہے کہ باندیوں پر رجم نہیں ہے (یہ) یعنی وسعت نہ ہونے کی صورت میں باندیوں سے نکاح کرنا (تم میں سے اس شخص کیلئے ہے، جسے زنا کا اندیشہ ہو) عنت کے اصل معنی مشقت کے ہیں، زنا کو عنت اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ دنیا میں حدِ زنا کی تکلیف کا سبب ہے،

اور آخرت میں عذاب کی مشقت کا باعث ہے، بخلاف اس شخص کے جس کو اس کا اندیشہ نہ ہو، اور وہ آزاد ہو، تو اس کے لئے باندیوں سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے، اور ایسے ہی وہ شخص جو آزاد عورت سے نکاح کی قدرت رکھتا ہو، باندی سے نکاح نہیں کرسکتا، یہی امام شافعی علیہ الرحمہ کا مسلک ہے، اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد من فتیاتکم المومنات سے کافر باندی نکل گئی، اس سے نکاح جائز نہیں ہے، اگرچہ آزاد کی قدرت نہ ہو، اور اگرچہ اسے مبتلائے زنا ہونے کا اندیشہ ہو (اور) باندیوں کے نکاح سے (صبر ہی کرو تو تمہارے لئے بہتر ہے) تاکہ اولاد غلام نہ پیدا ہو (اور اللہ تعالیٰ مغفرت والے اور رحمت والے ہیں) کہ اس میں گنجائش پیدا کردی۔

﴿تشریحات﴾

أن تنكحوهن: یہ لفظ **امهاتكم الخ** سے بدل ہے، اور اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کسی چیز کی ذات محل حرمت نہیں ہوتی بلکہ اس کے متعلق کوئی فعل مورد حرمت ہوتا ہے، چنانچہ اس جگہ جن جن عورتوں کو حرام قرار دیا گیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ان سے نکاح کرنا حرام ہے، جیسے شراب کی حرمت سے مراد اس کے پینے کی حرمت ہے، خنزیر کے گوشت کی حرمت سے مراد کھانے کی حرمت ہے۔

وشملت الجدات من قبل الاب أو الام: باپ کی طرف سے جدہ دادی ہے، اور ماں کی طرف سے نانی۔

﴿أخواتكم﴾ من جهة الاب أو الام: بہنیں تین طرح کی ہیں، اور تینوں حرام ہیں۔ حقیقی بہن۔ علاتی بہن یعنی باپ شریک بہن، اور اخیافی بہن یعنی ماں شریک بہن۔

أخوات آبائكم: پھوپھی باپ کی بہن بھی ہے، اور دادا اور نانا کی بہن بھی۔

أخوات امهاتكم: خالہ ماں کی بہن بھی ہے اور نانی کی بہن بھی، اور دادی کی بہن بھی۔

قبل استكمال الحولين: رضاعت کی حرمت وہی معتبر ہے جب دودھ مدت رضاعت میں پلایا گیا ہو، عام طور سے مدت رضاعت دو سال کی عمر تک تسلیم کی گئی ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ڈھائی سال ہے، دلائل کتب فقہ میں مذکور ہیں۔

خمس رضعات: ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کم از کم پانچ مرتبہ بچہ ماں کے پستان کو منہ میں لے کر دودھ کھینچے تو حرمت رضاعت ثابت ہوتی ہے، امام شافعی اور امام احمد علیہما الرحمہ اسی کے قائل ہیں، اور امام ابوحنیفہ اور امام مالک علیہما الرحمہ قرآن کریم کی آیت کے اطلاق کو دیکھتے ہوئے مطلق رضاعت سے حرمت کے اثبات کے قائل ہیں۔

ويلحق بذلك بالسنة البنات منها: رضاعی ماں اور رضاعی بہن کے حکم میں رضاعی بیٹی بھی ہے، رضاعی بیٹی وہ لڑکی ہے جس کو اس شخص کی موطوءہ نے دودھ پلایا ہو، خواہ وہ منکوحہ ہو یا موطوءہ باندی، بیوی یا باندی

کے دودھ پلانے کی وجہ سے یہ لڑکی رضاعی بیٹی بن گئی، اس سے نکاح حرام ہے۔

اس حکم میں رضاعی پھوپھی، رضاعی خالہ، رضاعی بھتیجی اور رضاعی بھانجی بھی داخل ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: **یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب ، رواہ البخاری والمسلم**، جو حرمت نسب سے پیدا ہوتی ہے، وہ حرمت رضاعت سے بھی ثابت ہوتی ہے۔

جمع ربیبة : ربائب جمع ہے ربیبة کی، بیوی کی بیٹی جو کسی اور شوہر سے ہو۔

تربونها صفة موافقة للغالب فلا مفهوم لها : امام شافعی علیہ الرحمہ کا اصول ہے کہ قرآن وحدیث میں جس قید یا صفت کا تذکرہ ہوتا ہے، اس کا ماسوا اس حکم سے خارج ہو جاتا ہے، یہاں **ربائب** کی صفت ذکر کی گئی ہے کہ **التی فی حجورکم** یعنی وہ ربائب جو تمہاری پرورش میں ہوں، حرام ہیں، مذکورہ بالا اصول کے مطابق اس ربیبة سے نکاح جائز ہونا چاہئے جو اس شوہر کی پرورش میں نہ ہو، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

اس کا جواب مفسر نے دیا کہ یہ صفت قید احترازی نہیں ہے، عام طور سے یہی ہوتا ہے کہ بیوی کی سابقہ اولاد بعد والے شوہر کی پرورش میں آجاتی ہے، اس لئے اس کا تذکرہ کر دیا، ورنہ اس سے احتراز مقصود نہیں ہے، پس اس کا مفہوم مخالف معتبر نہیں ہے۔

إذا فارقتموهن : ربیبة کی ماں، جو شوہر ثانی کی بیوی ہے، اگر اس سے جماع نہیں ہوا ہے، اور وہ شوہر ثانی کے نکاح سے اسی حال میں الگ ہو جائے، خواہ اس کی موت ہو جائے یا وہ طلاق پا کر عدت پوری کر لے، اس صورت میں اس ربیبة سے نکاح درست ہے، ماں کے نکاح میں یا عدتِ طلاق میں ہوتے ہوئے ربیبة سے نکاح درست نہیں، کیونکہ جمع بین الام والبنت لازم آئے گا۔

بخلاف من تبنیتموهم فلکم نکاح حلائلهم : اپنے صلبی بیٹے کی بیوی سے نکاح جائز نہیں، لیکن منہ بولے بیٹے کی بیوی حلال ہے۔

من نسب أو رضاع بالنکاح : بہنیں خواہ نسبی ہوں، خواہ رضاعی ہوں، ان کو ایک شخص کے نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں، اور اسی حکم میں کسی عورت کو اس کی پھوپھی، اس کی خالہ کے ساتھ جمع کرنا بھی ہے۔ ہاں الگ الگ دونوں سے نکاح درست ہے، ایسے ہی دونوں کو ملکیت یمین میں جمع کرنا جائز ہے، لیکن وطی ایک ہی سے جائز ہوگی۔

﴿**المحصنات**﴾ **ذوات الازواج** : جن عورتوں کے شوہر موجود ہوں، ان سے نکاح کرنا بھی حرام ہے۔

﴿**إلا ماملکت أیمانهم**﴾ **من الاماء بالسبی الخ** : ہاں اگر دار الحرب سے باندی قید کر کے لائی جائے، اگرچہ دار الحرب میں اس کا شوہر موجود ہو، مگر اس سے استبراء کے بعد وطی جائز ہے، کیونکہ تباین دار اور گرفتاری کی وجہ سے نکاح ٹوٹ گیا ہے۔

﴿المومنات﴾ هو جرى على الغالب فلا مفهوم له : اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ومن لم يستطع منكم طولاً أن ينكح المحصنات المومنات ، جوکوئی آزاد مومن عورت سے نکاح کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہو، وہ باندی سے نکاح کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عدم طول کا تعلق صرف حرائر سے نہیں بلکہ مومنات سے بھی ہے، اس پر مفسر فرماتے ہیں کہ مومنات کی قید احترازی نہیں ہے کہ غیر مومن مثلاً اہل کتاب عورت اس سے خارج ہو جائے ، بلکہ یہ قید اتفاقی ہے، عام طور سے نکاح چونکہ مومن عورت ہی سے کیا جاتا ہے، اس لئے مومنات کا ذکر کر دیا ہے، اس کا مفہوم مخالف معتبر نہیں ہے۔

نوٹ حضرات شوافع چونکہ نصوص قرآن وحدیث میں مفہوم مخالف کا اعتبار کرتے ہیں، اور اس کو منطوق سمجھتے ہیں، اس لئے کہیں کہیں ان کو تاویل کرنی پڑتی ہے، حضرات حنفیہ کے نزدیک قرآن وحدیث میں مفہوم مخالف کا اعتبار نہیں، مفہوم مخالف سے جو مسئلہ نکلتا ہے، اس پر الگ سے صراحۃً کوئی دلیل چاہئے، اس لئے انھیں کسی تاویل کی ضرورت نہیں ہے۔

﴿أخدان﴾ أخلاء يزنون بهن سراً : أخدان، خدن بالکسر کی جمع ہے، اس کے معنی ساتھی کے ہیں، اس کا استعمال اس آشنا کے لئے ہوتا ہے، جس سے چوری چھپے فاحشہ کا ارتکاب ہوتا ہے۔

تفسیر خازن میں ہے کہ اہل عرب زمانۂ جاہلیت میں کھلم کھلا زنا کو تو ناجائز کہتے تھے، مگر چوری چھپے آشنائی کرنے اور ارتکاب زنا کو معیوب نہیں سمجھتے تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے دونوں صورتوں پر صراحۃً حرمت کا اطلاق کیا۔

﴿فعليهن نصف ما على المحصنات﴾ الحرائر الابكار : باندیاں منکوحہ ہو جانے کے بعد اگر مبتلائے زنا ہو جائیں، تو ان کو سزا دی جائے گی، مگر عام عورتوں کی جو سزا ہے اس کی آدھی سزا ہوگی، اور آدھی سزا ہونے کا تصور صرف حرہ باکرہ میں ہے، اگر وہ زنا کرتی ہے تو اس کی حد سو کوڑے ہے، پس باندی کی سزا پچاس کوڑے ہوگی، شادی شدہ حرہ کی حد زنا تو رجم کرنا ہے، رجم کے نصف کا کوئی تصور نہیں ہے، اس لئے مفسر نے ما على المحصنات ، کی تفسیر ''الحرائر الابكار '' سے کی ہے، کیونکہ نصف حد کا تصور اسی میں ہے، اور غلام کو بھی یہی سزا دی جائے گی۔

ولم يجعل الاحصان شرطاً لوجوب الحد : قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے: فَإِذَا أُحْصِنَّ فَإِنْ أَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ، اس آیت میں احصان کی شرط لگی ہے، بظاہر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ باندی کا جب نکاح ہو چکا ہو جبھی وہ زنا کے ارتکاب سے سزا کی مستحق ہوگی، اور اگر اس کا نکاح نہ ہوا ہو اور اس نے زنا کا ارتکاب کیا تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ مستحقِ حد نہ ہوگی، بالخصوص ان لوگوں کے

نزدیک جو نصوص میں مفہوم مخالف کو معتبر قرار دیتے ہیں۔۔

مفسر نے فرمایا احصان وجوب حد کے لئے شرط نہیں ہے، بلکہ اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ باندی کے حق میں رجم نہیں ہے، کیونکہ رجم میں نصف حد کا کوئی تصور نہیں ہے، تو جب احصان کی حالت میں رجم نہیں ہے، تو بغیر احصان کے رجم کی سزا کا کوئی سوال ہی نہیں ہے۔

بخلاف من لا یخافه من الاحرار فلا یحل نکاحها: اللہ تعالیٰ نے جب یہ فرمایا کہ باندیوں سے نکاح کرنا اس شخص کے لئے ہے، جس کو مبتلائے زنا ہونے کا اندیشہ ہو، تو اس سے بطور مفہوم مخالف کے یہ مسئلہ نکلا کہ اگر اس کا اندیشہ نہ ہو، تو باندی سے نکاح کرنا جائز نہ ہوگا، چنانچہ امام شافعی علیہ الرحمہ اسی کے قائل ہیں، لیکن امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ چونکہ نصوص قرآن وحدیث میں مفہوم مخالف سے مسئلہ مستنبط کرنے کے قائل نہیں ہیں، اس لئے ان کے نزدیک مذکورہ اندیشہ نہ ہو تب بھی باندی سے نکاح کرنا جائز ہے۔

افادہ اس آیت کریمہ میں متعدد جگہوں پر شرط یا صفت کے ذریعے قید لگی ہے۔ پہلی قید یہ ہے کہ جو آزاد عورت سے نکاح کی قدرت نہ رکھتا ہو، وہ باندی سے نکاح کرے۔ دوسری قید آزاد عورت کے ساتھ مومن کی بھی قید ہے، یعنی آزاد مومن عورت کی قدرت نہ رکھتا ہو۔ تیسری قید باندی میں ہے، صاحب ایمان باندی سے نکاح کرے۔ چوتھی قید یہ ہے کہ مبتلائے زنا ہونے کا اندیشہ ہو، تب باندی سے نکاح کرے گا۔ شوافع ان چاروں قیدوں میں تین کے اندر تو اپنے اصول پر چلے ہیں، لیکن دوسری قید کے مفہوم کو معتبر نہیں قرار دیتے۔

امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ اور ان کے ماننے والوں کا کہنا یہ ہے کہ قرآن وحدیث کے نصوص میں شرطوں، قیدوں اور صفات کا ذکر اس طریقے پر نہیں آتا، جو اصحاب متون کا طریقہ ہوتا ہے، کہ ایک ایک لفظ سے مختلف احترازات مقصود ہوتے ہیں، یہ نصوص عام گفتگو اور محاورات کے طرز پر وارد ہوئے ہیں۔ اس لئے صفات اور شرطوں کے مفہوم مخالف سے مسائل نکالنے کی گنجائش نہیں ہے، ورنہ یہی ہوگا کہ کہیں اس کا اعتبار کریں گے، تو کہیں اسے بیان اور قید اتفاقی قرار دینا پڑے گا، جیسا کہ حضرات شوافع کو بکثرت ایسی تنگیوں سے سابقہ پڑتا ہے پس مفہوم مخالف سے مسئلہ نکالنا درست نہیں ہے، ہاں اس کے لئے مستقل دلیل مل جائے، تو اس دلیل کی بنا پر اس کا قائل ہوا جائے گا۔

اس اصول کے لحاظ سے حنفیہ کے نزدیک مذکورہ قیدوں میں مفہوم مخالف کا اعتبار نہ ہوگا، اگر کوئی ایسی دلیل ملے جس سے یہ ثابت ہو کہ آزاد عورت سے نکاح کی قدرت ہو تو باندی سے نکاح جائز نہیں ہے، اور باندی کا بھی صاحب ایمان ہونا ضروری ہے، اہل کتاب باندی سے نکاح درست نہیں ہے، یا مبتلائے زنا ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو بھی باندی سے نکاح درست نہیں ہے، ان میں سے ہر مسئلے کے لئے مستقل دلیل کی ضرورت ہے،

اور واقعہ یہ ہے کہ ان مسائل کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے، بلکہ کتاب اللہ کے عمومات میں ان کے خلاف دلیل موجود ہے، اور وہ ہے: **فانکحوا ماطاب لکم من النساء**، اور **أحل لکم ماوراء ذٰلکم** وغیرہ۔

﴿مضامین آیات وتفسیر﴾

اس رکوع میں اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کا تذکرہ کیا ہے، جن سے نکاح مردوں کے لئے حرام ہے، اور ان عورتوں کا بھی ذکر کیا ہے جن سے نکاح جائز ہے، پھر یہ بھی کہ نکاح کرنا کن عورتوں سے مناسب ہے، اور کن عورتوں سے عام حالات میں بہتر نہیں ہے گوکہ جائز ہے، جن عورتوں سے نکاح حرام ہے، ان کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) ماں، دادی، نانی۔ (۲) بیٹی اور اولاد کی بیٹیاں۔ (۳) بہنیں۔ (۴) پھوپھیاں (باپ کی بہن اور دادا کی بھی بہن)۔ (۵) خالائیں (ماں کی بہنیں اور دادی کی بہنیں)۔ (۶) بھتیجیاں اور ان کی اولادیں۔ (۷) بھانجیاں اور ان کی اولادیں۔ (۸) رضاعی مائیں۔ (۹) رضاعی بہنیں اور رضاعی بیٹیاں، اسی حکم میں رضاعی پھوپھی، رضاعی خالہ، رضاعی بھتیجی اور رضاعی بھانجی بھی شامل ہے۔ (۱۰) بیوی کی ماں (ساس)۔ (۱۱) ربیبہ جس کی ماں سے وطی ہوچکی ہو۔ (۱۲) صلبی اولاد کی بیویاں۔ (۱۳) دو بہنوں کو نکاح میں جمع، اسی حکم پر ہر ایسی دو عورتوں کا جمع کرنا بھی ہے جن میں سے ایک کو اگر مرد فرض کیا جائے، تو دوسرے سے نکاح جائز نہ ہو، مثلاً عورت اور اس کی خالہ یا پھوپھی وغیرہ، ایسی دو عورتیں بیک وقت کسی ایک شخص کی باندی تو ہوسکتی ہیں، مگر وطی ایک ہی سے کرنا جائز ہوگا، اس حکم کے نزول سے پہلے اس قسم کی حرکتیں جو پہلے ہوچکی ہیں وہ درگزر ہیں، آئندہ حدود کی پابندی ضروری ہے۔ (۱۳) نکاح والی عورتیں جن کے شوہر موجود ہیں، ان سے بھی نکاح حرام ہے۔

ہاں باندیاں جو دارالاسلام میں لائی جاچکی ہیں، ان کے شوہر گوکہ موجود ہوں، ان سے استبراء کے بعد وطی کرنا جائز ہے، یہ سب اللہ کی طرف سے حدود کی تعیین ہے، ان کے علاوہ دوسری عورتوں سے نکاح کرنا درست ہے، یا اگر باندی ہو تو اس کے مالک کو اس سے وطی کرنا جائز ہے، اگر نکاح کرنا ہو تو مہر دینا ضروری ہے، باندی ہے تو مہر دینا ضروری نہیں ہے، ہاں خریدنے میں مال کی ضرورت ہوسکتی ہے، مہر کا تعلق صرف نکاح سے ہے، بدکاری کے لئے اگر اجرت مقرر کی گئی، تو وہ قطعاً حرام ہے، بدکاری بھی اور اجرت بھی!

عورتوں کیلئے نکاح میں جو مہر مقرر کی گئی ہے، انھیں ادا کردو، البتہ اگر تعیین مہر کے بعد باہمی رضامندی سے اس میں کچھ کمی بیشی کرلی جائے، یا سرے سے ساقط کردے، تو کوئی حرج نہیں ہے، خدا تعالیٰ علیم وحکیم ہے۔

اور اگر کسی آزاد خاندانی عورت نکاح کی استطاعت نہ، تو وہ ان باندیوں سے نکاح کرلے، جو صاحب ایمان ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے ایمان کو جانتے ہیں، تم ظاہری احوال پر اکتفا کرو، باطن خدا کے سپرد کرو، ہوسکتا ہے

کہ ایمان میں باندی بڑھی ہوئی ہو، ان کے مالکوں کی اجازت سے ان سے نکاح کرو، اور دستور کے مطابق ان کی مہر انھیں ادا کرو اور یہ کام نکاح ہی سے ہونا چاہئے، وہ ایسی نہ ہوں کہ بدکاری یا چوری چھپے آشنائی کرنے والی ہوں پھر اگر نکاح ہوجانے کے بعد وہ مبتلائے زنا ہوں، تو ان کی سزا عام عورتوں کی نصف ہے۔ پچاس کوڑے، باندیوں کا نکاح انھیں لوگوں کے لئے مناسب ہے، جنھیں مبتلائے گناہ ہونے کا اندیشہ ہو، اور اگر تم سے ہوسکے تو صبر کرلو، یہ بہتر ہے کیونکہ باندیوں کے نکاح سے جو بچہ پیدا ہوگا۔ وہ بھی غلام ہوگا، یہ تو خدا کی رحمت ہے کہ اس باب میں درگزر سے کام لیا اور وسعت پیدا کردی، تاکہ آدمی گناہ سے بچ جائے

☆☆☆☆☆

﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ﴾ شعائر دينكم ومصالح أمركم ﴿وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ﴾ طرائق ﴿الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ من الانبياء فى التحليل والتحريم فتتّبعوهم ﴿وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ﴾ يرجع بكم عن معصية التى كنتم عليها الىٰ طاعته ﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ﴾ بكم ﴿حَكِيْمٌ﴾ فيما دبره لكم ﴿وَاللّٰهُ يُرِيْدُ أَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ﴾ كرره لبنى عليه ﴿وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوَاتِ﴾ اليهود والنصارىٰ والمجوس أو الزُناة ﴿أَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلاً عَظِيْماً﴾ تعدلوا عن الحق بإرتكاب ماحرم عليكم فتكونوا مثلَهم ﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ أَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ﴾ فيسهل عليكم احكام الشرع ﴿وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيْفاً﴾ لايصبر عن النساء والشهوات ﴿يَاأَيُّهَاالَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَاكُلُوْا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾ بالحرام فى الشرع كالربوٰا أو الغصب ﴿إِلَّا﴾ لكن ﴿أَنْ تَكُوْنَ﴾ تقع ﴿تِجَارَةً﴾ وفى قرأةٍ بالنصب أن تكون الاموال اموال تجارةً، صادرةً ﴿عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ﴾ وطيب نفس فلكم أن تاكلوها ﴿وَلَا تَقْتُلُوْا أَنْفُسَكُمْ﴾ بارتكاب مايودى إلىٰ هلاكها أيّاً كان فى الدنيا والآخرة بقرينة ﴿إِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْماً﴾ فى منعه لكم من ذٰلك ﴿وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ﴾ اى مانُهِى عنه ﴿عُدْوَاناً﴾ تجاوزاً للحلال حالٌ ﴿وَّظُلْماً﴾ تاكيد ﴿فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ﴾ ندخله ﴿نَاراً﴾ يحترق فيها ﴿وَّكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْراً﴾ هيّناً ﴿إِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَائِرَ مَاتُنْهَوْنَ عَنْهُ﴾ وهى ماورد عليها وعيد كالقتل والزنا والسرقة وعن ابن عباسؓ هى الىٰ سبعمائة اقرب ﴿نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ﴾ الصغائر بالطاعات ﴿وَنُدْخِلْكُمْ مُدْخَلاً﴾ بضم الميم وفتحها اى إدخالاً أو موضعها ﴿كَرِيْماً﴾ هو الجنة ﴿وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلىٰ بَعْضٍ﴾ من جهة الدنيا والدين لئلا يؤدى الى التحاسد والتباغض ﴿لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ﴾ ثواب ﴿مِمَّا اكْتَسَبُوْا﴾ بسبب ماعملوا من الجهاد وغيره ﴿وَلِلنِّسَاءِ نَصِيْبٌ مِمَّا اكْتَسَبْنَ﴾

من طاعة أزواجهن وحفظ فروجهن نزلت لماقالت ام سلمةؓ ليتنا كُنّا رَجالاً فجاهدنا وكان لنا مثل اجر الرجال ﴿وَاسْئَلُوْ﴾ بهمزة ودونها ﴿اللهَ مِنْ فَضْلِهٖ﴾ مااحتججتم إليه يعطيكم ﴿إِنَّ اللهَ كَانَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْماً﴾ منه محل الفضل وسوالكم ﴿وَلِكُلٍّ﴾ من الرجال والنساء ﴿جَعَلْنَا مَوَالِىَ﴾ اى عصبةً يُعطون ﴿مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْاَقْرَبُوْنَ﴾ لهم من المال ﴿وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ﴾ بالف ودونها ﴿اَيْمَانُكُمْ﴾ جمع يمينٍ بمعنى القسم أو اليد اى الحلفاء الذين عاهدتموهم فى الجاهلية على النصرة والارث ﴿فَاٰتُوْهُمْ﴾ الآن ﴿نَصِيْبَهُمْ﴾ حظهم من الميراث وهو السدس ﴿إِنَّ اللهَ كَانَ عَلىٰ كُلِّ شَىْءٍ شَهِيْداً﴾ مطلعاً ومنه حالكم وهذا منسوخ بقوله (وَاُوْلُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلىٰ بِبَعْضٍ)۔

﴿ترجمہ﴾

(اللہ کا ارادہ ہے کہ تمہارے لئے) تمہارے دین کے احکام، اور تمہارے کام کی مصلحتیں (بیان کردیں اور تم کو) تحلیل و تحریم کے سلسلے میں (ان لوگوں) یعنی انبیاء (کے طریقے بھی بتادیں جو تم سے پہلے گزرے ہیں) تاکہ تم ان کی پیروی کرو، (اور) چاہتے ہیں کہ (تم پر مہربانی فرمائیں) یعنی اس معصیت سے جس پر تم لوگ تھے، اپنی طاعت کی جانب لوٹالیں (اور اللہ تعالیٰ) تم کو (جاننے والے) اور تمہارے لئے جو تدبیر کرتے ہیں اس میں (حکمت والے ہیں اور اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ تم پر مہربانی فرمائیں) اس لفظ کو مکرر اس لئے ذکر کیا کہ اگلی آیت کی بنا اسی پر ہے (اور وہ لوگ جو خواہشات کے پیچھے چلتے ہیں) یعنی یہود و نصاریٰ یا مجوس یا زنا کار (چاہتے ہیں کہ تم لوگ) اللہ کی حرام کردہ چیزوں کا ارتکاب کرکے راہِ حق سے (بہت زیادہ منحرف ہوجاؤ) پس تم بھی انھیں جیسے ہوجاؤ (اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ تم سے کچھ ہلکا کردیں) یعنی تم پر احکامِ شرع کو سہل کردیں (اور انسان تو کمزور پیدا کیا گیا ہے) وہ عورتوں اور شہوات سے صبر نہیں کرسکتا (اے ایمان والو! تم اپنے مال آپس میں غلط طریقے سے نہ کھاؤ) جو شریعت میں حرام ہے، مثلاً ربوٰ اور غصب وغیرہ (مگر یہ کہ تمہاری باہمی رضامندی سے تجارت ہو) إلا بمعنی لکن ہے، تکون فعل ناقص نہیں تام ہے، اور تجارةٌ بالرفع اس کا فاعل ہے، اور ایک قرأت میں تجارةً بالنصب ہے، اس صورت میں تکون فعل ناقص ہے یعنی تکون الاموال اموال تجارة، عن تراضٍ کا تعلق صادرة سے ہے، باہمی رضامندی اور طیب نفس والی تجارت ہو تو تم اسے کھاؤ (اور اپنے آپ کو) اس کام کا ارتکاب کرکے جو تمہاری جان کے لئے مہلک ہے (قتل نہ کرو) خواہ یہ ہلاکت دنیا میں ہو یا آخرت میں، اور اس کا قرینہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ (بے شک اللہ تعالیٰ تم پر رحیم ہیں) کہ تم کو اس سے منع کیا (اور جو کوئی یہ کام) جس سے منع کیا گیا ہے (کرے گا، سرکشی سے) یہ حال ہے (اور ظلم سے) یہ اسی کی تاکید ہے (تو ہم اسے آگ

میں داخل کریں گے) جس میں وہ جلے گا (اور اللہ پر یہ بات آسان ہے، اگر تم ان بڑے گناہوں سے بچو، جن سے تم کو منع کیا جاتا ہے) اور یہ وہ گناہ ہیں جن پر وعید وارد ہے، جیسے قتل، زنا اور چوری، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ ایسے گناہ سات سو کے قریب ہیں (تو ہم تمہاری سیئات) یعنی چھوٹے گناہوں (کو) طاعات کے ذریعے (مٹادیں گے اور تم کو عزت کی جگہ داخلہ نصیب فرمائیں گے) مُـدْخَـل میم کے ضمہ کے ساتھ ہے، تب یہ مصدر بمعنی ادخال ہے، اور میم کے فتحے کے ساتھ ہے، تب یہ اسم ظرف ہے، مدخل کریم جنت ہے (اور تم اس چیز کی تمنا نہ کرو جس کے ذریعے اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ہے) خواہ دنیا کی جہت سے، خواہ دین کی جہت سے، تا کہ باہم حسد اور بغض نہ پیدا ہو (مردوں کے لئے ان کے کاموں کا حصہ) یعنی ثواب (ہے) جو کچھ انھوں نے جہاد وغیرہ کیا (اور عورتوں کے لئے ان کے کاموں کا حصہ ہے) جو انھوں نے اپنے شوہروں کی اطاعت کی اور اپنے ناموس کو محفوظ رکھا، یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تھا کہ کاش ہم مرد ہوتے، تو ہم بھی جہاد کرتے، اور ہمارے لئے بھی مردوں جیسا اجر ہوتا (اور اللہ سے اس کے فضل کا سوال کرو) واسئلوا ہمزہ کے ساتھ بھی ہے اور بغیر ہمزہ کے بھی (بے شک اللہ ہر چیز کو جاننے والے ہیں) اور اسی میں محل فضل بھی اور تمہارا سوال بھی داخل ہے (اور) مردوں اور عورتوں میں سے (ہر ایک کے لئے ہم نے وارث) یعنی عصبہ (متعین کئے ہیں، اس) مال (کے جو والدین اور قریبی رشتہ داروں نے چھوڑا ہے) کہ اس میں سے انھیں دیا جائے (اور وہ لوگ جن سے تمہارا معاہدہ ہوا) عـاقـدت الف کے ساتھ بھی ہے، اور بغیر الف کے بھی، ایـمـان، یمین کی جمع ہے، قسم کے معنی میں، یا ہاتھ کے معنی میں، یعنی وہ حلیف، جن سے زمانۂ جاہلیت میں نصرت اور وراثت کا معاہدہ رہا ہے (تو ان کو) اس وقت (ان کا حصہ) جو میراث میں ہے (دو) اور وہ چھٹا حصہ ہے (بے شک اللہ ہر چیز سے واقف ہے) اور اسی میں تمہارا حال بھی ہے، یہ حکم **واولوا الارحام بعضهم اولیٰ ببعض** سے منسوخ ہے۔

﴿تشریحات﴾

کرره لبنی علیه : **واللہ یرید أن یتوب علیکم** کا مضمون پہلے بھی آچکا ہے، چنانچہ ارشاد ہوا ہے: **یتوب علیکم**، تو اس مضمون کو مکرر اس لئے لائے ہیں کہ اس کے ساتھ **ویـریـد الذین یتبعون الشهوات الآیۃ** کو مربوط کرنا ہے، اتباع شہوات والے یا تو یہود و نصاریٰ ہیں، کہ وہ ہر حال میں مسلمانوں کو راہ ہدایت سے ہٹانے پر تلے رہتے ہیں، یا مجوسی ہیں جو بہن بیٹی سے نکاح کرنا جائز سمجھتے تھے، یا بدکار لوگ ہیں کہ وہ اپنی بدکاری کی راہ پر اہل ایمان کو بھی لانا چاہتے ہیں۔

﴿أن تکون﴾ تفع ﴿تجارة﴾ : تجارۃ میں دو قرأت ہے، بالرفع، تب یہ تکون کا فاعل ہے، اور تکون

اس جگہ افعال ناقصہ میں نہیں ہے، اس لئے اس کی تفسیر مفسر نے أن تقع سے کی ہے، اور ایک قرأت میں تجارةً بالنصب ہے، تب یہ تکون فعل ناقص کی خبر ہے، اور اس کا اسم ضمیر غائب ہے جو اموال کی طرف راجع ہے، چنانچہ مفسر نے اس کی وضاحت کی ہے کہ تکون الاموال اموال تجارة ،

صادرة عن تراض :تجارت کا صلہ عن نہیں آتا، یہاں صادرة کے معنی کی تضمین ہے، اور اسی سے عن متعلق ہے۔

بارتکاب مایودی إلیٰ هلاکها :اپنے آپ کو قتل کرنے کی ایک صورت تو یہ ہے کہ آدمی خودکشی کرلے، یہ صورت تو صراحةً حرام ہے، اس میں دنیا بھی برباد اور آخرت بھی برباد! دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی ایسا کام کرلے جس سے دنیا وآخرت میں بربادی لازم آئے، اس کا اطلاق ہر گناہ کبیرہ پر ہوسکتا ہے۔

أیّاً کان في الدنیا والآخرة بقرینة إن الله کان بکم رحیماً :مفسر نے ہلاکت میں دنیا وآخرت کے اعتبار سے تعمیم کردی ہے، اور اس کا قرینہ إن الله کان بکم رحیماً کو قرار دیا ہے، اصل یہ ہے قرآن میں جہاں جہاں اللہ کی صفت رحیم بیان کی گئی ہے، اس کا تعلق حضرت مفسر نے آخرت سے رکھا ہے، یعنی اللہ کی صفت رحیمی کا ظہور آخرت میں ہوگا، یہاں لاتقتلوا أنفسکم میں دنیا کی ہلاکت تو ظاہر ہے، لیکن اس کی علت میں جب اللہ تعالیٰ کو رحیم کہا گیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کا تعلق آخرت سے بھی ہے، یعنی اس کام سے بھی منع فرمایا ہے، جو آخرت کی ہلاکت کا باعث ہو، کیونکہ وہ رحیم فی الآخرة بھی ہے۔

﴿عدواناً﴾ تجاوزاً للحلال، حال :عدواناً حال ہے، اس کے معنی ہیں، حلال سے تجاوز کرکے حرام میں جاپڑنا۔

﴿ظلماً﴾ تاکید :عدوان خاص ہے، ور ظلم عام ہے، ظلم عدوان کے اندر موجود ہے، تو جب عدوان کہا گیا تو گویا ظلم بھی اس میں آگیا، اس لئے مفسر نے کہا کہ ظلماً اس کی تاکید ہے۔

وهی ماورد علیها وعید الخ : گناہ کبیرہ وہ ہیں، جن پر وعیدیں وارد ہیں، مثلاً قتل اور زنا اور چوری وغیرہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ کبائر سات سو کے قریب ہیں، ان سے جو شخص بچنے کا اہتمام کرتا رہے گا، تو اس کے صغیرہ گناہوں کی معافی طاعات وعبادات سے ہوتی رہے گی، مفسر نے ''طاعات'' کی قید لگا کر یہ واضح کیا ہے، کہ صرف کبائر سے اجتناب کی وجہ سے صغائر کی معافی نہیں ہوجائے گی، بلکہ کبائر سے اجتناب کے بعد طاعات کے ذریعے صغائر کی معافی ہوتی رہے گی، جیسا کہ حدیثوں میں ذکر ہے کہ وضو سے ہاتھ، پاؤں، آنکھ، زبان وغیرہ کے صغائر جھڑ جاتے ہیں، نماز سے بہت سے گناہ معاف ہوجاتے ہیں، قرآن کریم میں ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ إن الحسنات یذهبن السیئات (سورہ ہود:۱۱۴) بے شک نیکیاں

برائیوں کو دور کردیتی ہیں، پس طاعات کی قید گویا اسی آیت کریمہ سے ماخوذ ہے، حاصل یہ ہے کہ گناہ کبیرہ سے آدمی بچنے کا اہتمام کرتا رہے، تو اول صغائر یونہی کم ہوجائیں گے، کیونکہ صغائر عموماً کبائر کے وسائل وذرائع ہوتے ہیں، مثلاً ایک آدمی چوری کرنا چاہتا ہے، تو ارادہ کرتا ہے، موقع کی گھات لگاتا ہے، چل کر جاتا ہے، تدبیریں کرتا ہے، تب کہیں جاکر چوری کی نوبت آتی ہے، تو اصل چوری تو گناہ کبیرہ ہے، اور اس کے پہلے کی سب تدبیریں صغائر ہیں، تو آدمی جب چوری ہی نہیں کرے گا، تو ان تدبیروں کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔ اس طرح اس کے صغائر خود بخود کم ہوجائیں گے، اور جو ہو بھی جائیں گے، تو ظاہر ہے کبائر سے اجتناب کرنے والا طاعات میں سرگرم ہوگا، تو ان طاعتوں سے صغائر خود بخود مٹتے رہیں گے، ہاں اگر کبیرہ کا ارتکاب ہوگا، تو اس کے لئے کبھی کفارہ، کبھی توبہ، کبھی دونوں کی ضرورت پیش آئے گی۔

بضم المیم وفتحها أی إدخالاً أو موضعاً : مدخلاً میں دو قرأت ہے ایک بضم المیم، دوسرے بفتح المیم، پہلی صورت میں یہ اسم مفعول کا وزن ہے، اور اس وزن پر مصدر آتا ہے، جیسے **بسم اللہ مجریها ومرساها**، میں **مرسیٰ** مصدر ہے، اور میم کے فتحہ کے ساتھ اسم ظرف ہے یعنی داخل ہونے کی جگہ، جو کہ باعزت ہے اور وہ جنت ہے۔

من جهة الدنیا : اللہ نے کسی کو کوئی دنیاوی یا دینی فضیلت بخشی ہو، جو اختیاری نہ ہو، تو دوسرے کو اس کی تمنا میں وقت نہیں برباد کرنا چاہئے، یہ تمنا بالآخر حسد اور بغض پر منتہی ہوگی۔ مردوں کو ان کے اعمال کا ثواب ملے گا، عورتوں کو ان کے اعمال کا ثواب ملے گا، اس لئے عورت، مرد ہونے کی تمنا نہ کرے۔

﴿والذین عاقدت﴾ بالف ودونها ﴿ایمانکم﴾ : عقدت میں دو قرأت ہے، باب مفاعلت سے **عاقدت** اور مجرد سے **عقدت**، مراد یہ ہے کہ جن سے نصرت اور وراثت پر تمہارا معاہدہ ہوا ہو کہ تم لوگوں پر کوئی مصیبت آئے، تو ہر ایک دوسرے کی مدد کرے گا، اور ایک کے مرنے کے بعد دوسرا وراثت میں حصہ دار ہوگا۔ ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے اسے باقی رکھا، اور ان حلیفوں کے لئے کل مال کا چھٹا حصہ متعین کیا، بعد میں یہ حکم منسوخ ہوگیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **واولوا الارحام بعضهم اولیٰ ببعض**، رشتہ داروں ہی کو وراثت کا حقدار قرار دیا، البتہ ان حلیفوں سے زندگی میں حسن سلوک کیا جائے، مرتے وقت کچھ وصیت کردی جائے۔

اولیٰ ببعض : یعنی رشتہ دار، حلیفوں کے مقابلے میں وراثت کے زیادہ مستحق ہیں، خود قرابت دار، اپنے قرابت دار کی وراثت کا استحقاق رکھتے ہیں، حلیف نہیں۔

﴿مضامین آیات وتفسیر﴾

نکاح میں حلال وحرام کی تفصیل جو حق تعالیٰ نے ذکر کی ہے، اور اس میں جو قید وبند لگائی ہے، فرماتے

ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے کہ تم پر تمہارے دین کے احکام کو واضح کردیں، اور اگلے انبیاء کے طریقوں کو بھی بیان کردیں، تاکہ تم ان کی پیروی بھی کرو، اور یہ بھی سمجھ لو کہ یہ احکام پچھلے انبیاء کے یہاں بھی رہے ہیں، اور یہ کہ تم پچھلی سیاہ کاریوں سے پلٹ کر دین حق کی آغوش میں آجاؤ۔ اللہ کی مہربانی تو یہ چاہتی ہے، مگر جو لوگ شہوات وخواہش نفس میں ڈوبے ہوئے ہیں، وہ تمہیں اپنے ساتھ انھیں گناہوں میں بہالے جانا چاہتے ہیں، جن میں وہ بہہ رہے ہیں، اس طرح وہ تم کو دین حق سے بہت دور پھینک دینا چاہتے ہیں، اور انسان چونکہ کمزور پیدا کیا گیا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے تمام احکام میں سہولت ورعایت رکھی ہے، ایسا نہیں کیا کہ عورتوں سے مطلقاً منع کردیا ہو، بہت مناسب اور سہل حدیں باندھ دی ہیں، اسی میں تمہاری عبدیت کی تکمیل بھی ہے اور کمزوری کی رعایت بھی ہے۔

جس طرح اللہ تعالیٰ نے نکاح میں حلال وحرام کی پابندی لگائی ہے، اسی طرح مال اور جان کے استعمال میں بھی حلال وحرام کی تحدیدات ہیں۔ فرمایا کہ اے ایمان والو! اپنے مالوں کو آپس میں غلط طریقے سے نہ کھاؤ، نہ چوری سے، نہ سودخوری سے، اور نہ غصب اور سینہ زوری سے، ہاں باہمی رضامندی سے لین دین ہو تو کچھ حرج نہیں، اور اپنی جان کو بھی ہلاک نہ کرو، خودکشی سے اور نہ ان کاموں سے جن سے آخرت برباد ہوتی ہے، اللہ کی مہربانی ہے، کہ تمہیں ان احکام کا پابند کررہے ہیں، اور اگر کوئی از راہ سرکشی وطغیان اور بطور ظلم کے یہ سب کام کرے گا، تو اس کو ہم جہنم میں ڈال دیں گے، اور خدا کے لئے یہ کام بہت آسان ہے۔

تم بڑے بڑے گناہوں سے بچتے رہو، چھوٹے چھوٹے گناہوں کو ہم تمہاری طاعتوں اور عبادتوں کی وجہ سے خود بخود محو کرتے رہیں گے، بڑے بڑے گناہ وہ ہیں جن پر قرآن وحدیث میں سزا کی وعیدیں وارد ہیں، پھر تمہارے اس اجتناب کبائر اور ہمارے محو سیئات کا ثمرہ یہ ہوگا کہ ہم تم کو نہایت عزت واکرام کی جنت میں داخل کریں گے۔

اور ہم نے تم میں سے بعض کو بعض پر جو فضیلت دی ہے، اور کسی کسی معاملے میں تفوق بخشا ہے، مثلاً کسی کو مرد بنایا، اور ان سے زیادہ کام لئے، اور کسی کو عورت بنایا اور ان سے دوسرے کام لئے، اور اسی قیاس پر لوگوں میں بہت سا تفاوت قائم کیا، اور یہ تفاوت ایسا ہے جس میں تمہارے کسب واختیار کو دخل نہیں ہے، تو تم دوسرے جیسا ہونے کی ان معاملات میں تمنا نہ کرو، ورنہ دلوں میں حسد اور کینہ پیدا ہوگا، جو تمہارے لئے باعث ہلاکت ہے، مرد جو کچھ کرتے ہیں، انھیں اس کا ثواب ہے، اور عورتیں اپنی صلاحیت کے اعتبار سے جو کچھ کرتی ہیں، انھیں اس کا ثواب ہے، اور اللہ کو سب کی صلاحیت، سب کے اعمال اور سب کے ثواب معلوم ہیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو ایک دوسرے کا وارث بنایا ہے، کہ ایک کے مرنے کے بعد دوسرا اس کے مال کا مالک ہوتا ہے، اور یہ اس کے لئے حلال ہے، یہ وراثت والدین اور قرابت داروں کے حق میں نافذ ہے،

اور رہے وہ لوگ جن سے رشتہ داری نہیں ہے، لیکن ان سے نصرت ووراثت کا معاہدہ ہوا، یعنی وہ منہ بولے بھائی یا خاندانی بنالئے گئے، انھیں بھی ان کا حصہ دے دو، ان کا حصہ چھٹا مقرر کیا گیا تھا، بعد یہ حکم منسوخ ہوگیا، اب ان کا حصہ یہ ہے کہ ان کے ساتھ خصوصی سلوک کیا جائے، اور وراثت تو نہیں، البتہ ان کے حق میں کچھ مال کی وصیت کا اختیار ہے، بشرطیکہ یہ وصیت تہائی مال سے زائد نہ ہو، اور خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ ہر شے سے واقف ہیں۔

☆☆☆☆☆

﴿اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ﴾ مسلطون ﴿عَلَى النِّسَاءِ﴾ يؤدبونهن ويأخذون على أيديهن ﴿بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلىٰ بَعْضٍ﴾ أى بتفضيله لهم عليهن بالعلم والعقل والولاية وغير ذٰلك ﴿وَبِمَا أَنْفَقُوْا﴾ عليهن ﴿مِنْ اَمْوَالِهِمْ فَالصّٰلِحٰتُ﴾ منهن ﴿قٰنِتٰتٌ﴾ مطيعاتٌ لِأزواجهن ﴿حٰفِظٰتٌ لِلْغَيْبِ﴾ اى لفروجهن وغيرها فى غيبة ازواجهن ﴿بِمَا حَفِظَ﴾ هن ﴿اللّٰهُ﴾ حيث اوصىٰ عليهم الازواج ﴿وَالّٰتِىْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ﴾ عصيانهن لكم بأن ظهرت أماراته ﴿فَعِظُوْهُنَّ﴾ فخوفوهن من الله ﴿وَاهْجُرُوْهُنَّ فِى الْمَضَاجِعِ﴾ اعتزلوا إلىٰ فراشٍ آخر إن أظهرن النشوز ﴿وَاضْرِبُوْهُنَّ﴾ ضرباً غير مبرّح إن لم يرجعن بالهجران ﴿فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ﴾ فيمايراد منهن ﴿فَلَا تَبْغُوْا﴾ تطلبوا ﴿عَلَيْهِنَّ سَبِيْلاً﴾ طريقاً إلىٰ ضربهن ظلماً ﴿إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيّاً كَبِيْراً﴾ فاحذروه أن يعاقبكم إن ظلمتوهن ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ﴾ علمتم ﴿شِقَاقَ﴾ خلاف ﴿بَيْنِهِمَا﴾ بين الزوجين والاضافةللاتساع اى شقاقاً بينهما ﴿فَابْعَثُوْا﴾ إليهما برضاهما ﴿حَكَماً﴾ رجلًا عدلاً ﴿مِنْ أَهْلِهٖ﴾ أقاربه ﴿وَحَكَماً مِنْ أَهْلِهَا﴾ ويؤكل الزوج حكمه فى طلاق وقبولِ عوضٍ عليه وتؤكل هى حكمها فى الاختلاع فيجتهدان ويامران الظالم بالرجوع أو يفرقان إن راياه، قال تعالىٰ ﴿إِنْ يُّرِيْدَا﴾ اى الحكمان ﴿إِصْلَاحاً يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا﴾ بين الزوجين اى يقدرهما علىٰ ما هو الطاعة من اصلاحٍ أو فراقٍ ﴿إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْماً﴾ بكل شئ ﴿خَبِيْراً﴾ بالبواطن كالظواهر ﴿وَاعْبُدُوْا اللّٰهَ﴾ وحدوه ﴿وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئاً وَّ﴾ واحسنوا ﴿بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَاناً﴾ براً ولين جانب ﴿وَبِذِىْ الْقُرْبٰى﴾ القرابة ﴿وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِى الْقُرْبىٰ﴾ القريب منك فى الجوار أوالنسب ﴿وَالْجَارِ الْجُنُبِ﴾ البعيدعنك فى الجوار أوالنسب ﴿وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ﴾ الرفيق فى السفرأو صناعةٍ وقيل الزوجة ﴿وَابْنِ السَّبِيْلِ﴾ المنقطع فى سفره ﴿وَ مَامَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ من الأرقاء ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَايُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالاً﴾ متكبراً ﴿فَخُوْراً﴾ على الناس بما أوتى

﴿الَّذِيْنَ﴾ مبتدأ ﴿يَبْخَلُوْنَ﴾ بما وجب عليهم ﴿وَيَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ﴾ به ﴿وَيَكْتُمُوْنَ مَا آتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ﴾ من العلم والمال وهم اليهود وخبر المبتدأ لهم وعيد شديد ﴿وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ﴾ بذلك وبغيره ﴿عَذَاباً مُّهِيْناً﴾ ذا إهانة ﴿وَالَّذِيْنَ﴾ عطف على الذين قبله ﴿يُنْفِقُوْنَ أَمْوَالَهُمْ رِئَاءَ النَّاسِ﴾ مرائين لهم ﴿وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ كالمنافقين واهل مكة ﴿وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْناً﴾ صاحبا يعمل بامره كهؤلاء ﴿فَسَاءَ﴾ بئس ﴿قَرِيْناً﴾ هو ﴿وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ آمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ﴾ أي ضررٍ عليهم فى ذلك والاستفهام للانكار ولَو مصدرية اى لاضررَ فيه وإنما الضرر فيما هم عليه ﴿وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْماً﴾ فيجازيهم بما عملوا ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ﴾ أحداً ﴿مِثْقَالَ﴾ وزن ﴿ذَرَّةٍ﴾ اصغر نملة بأن ينقصها من حسناته ويزيدها فى سيئاته ﴿وَإِنْ تَكُ﴾ الذرة ﴿حَسَنَةً﴾ من مومن وفى قرأةٍ بالرفع فكان تامة ﴿يُضٰعِفْهَا﴾ من عشرٍ الىٰ أكثر من سبعمائةٍ وفى قرأةٍ يُضَعِّفْهَا بالتشديد ﴿وَيُؤْتِ مِنْ لَدُنْهُ﴾ من عنده مع المضاعفة ﴿أَجْراً عَظِيْماً﴾ لايقدر أحد ﴿فَكَيْفَ﴾ حال الكفار ﴿إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ﴾ يشهد عليها وهو نبيها ﴿وَجِئْنَا بِكَ﴾ يا محمد ﴿عَلٰى هٰؤُلَاءِ شَهِيْداً ۝ يَوْمَئِذٍ﴾ يوم المجئ ﴿يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ﴾ اى أن ﴿تُسَوّٰى﴾ بالبناء للمفعول والفاعل مع حذف احدى التائين فى الاصل ومع ادغامها فى السين اى تتسوى ﴿بِهِمُ الْأَرْضُ﴾ بأن يكونوا تراباً مثلها لِعظَمِ هَوْلِهٖ كما فى آية آخرىٰ (وَيَقُوْلُ الْكَافِرُ يٰلَيْتَنِىْ كُنْتُ تُرَاباً) ﴿وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثاً﴾ عما عملوه وفى وقت آخر يكتمونه (وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ)۔

﴿ترجمہ﴾

(مرد عورتوں پر حاکم ہیں) ان کو عورتوں پر غلبہ دیا گیا ہے ان کو ادب سکھاتے ہیں۔ اور ان کا ہاتھ تھامتے ہیں (اس واسطے کہ اللہ نے بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ہے) یعنی اس لئے کہ اللہ نے مردوں کو عورتوں پر علم، عقل اور ولایت وغیرہ کی فوقیت بخشی ہے (اس واسطے کہ انھوں نے اپنے مالوں میں سے کچھ) ان عورتوں پر (خرچ کیا ہے، بس) ان میں سے (جو عورتیں نیک ہیں، وہ) اپنے شوہروں کی (تابعدار ہیں، پیٹھ پیچھے) یعنی شوہر کی عدم موجودگی میں اپنے ناموس وغیرہ کی (حفاظت کرنے والی ہیں، اس وجہ سے کہ اللہ نے) ان کا (تحفظ کیا ہے) کہ شوہروں کو اس پر وصیت کی ہے (اور وہ عورتیں جن کی بدخوئی کا ڈر ہو) اس طرح کہ اس کی علامتیں ظاہر ہوں (انھیں نصیحت کرو) اللہ سے انھیں ڈراؤ (اور خوابگاہوں میں انھیں چھوڑ دو) یعنی اگر ان کی نافرمانی ظاہر ہو، تو اپنا

بستر جدا کرلو اور اگر اس پر بھی باز نہ آئیں، تو (انھیں مارو) یہ مارنا ایسا ہو کہ اس سے زخم نہ پیدا ہو جائے (پھر اگر) جو کچھ ان سے چاہا جاتا ہے، اس میں (وہ تمہاری اطاعت پر آجائیں، تو ان پر) ظلماً مارنے کا (کوئی راستہ نہ تلاش کرو، بے شک اللہ تعالیٰ سب سے اوپر ہیں بڑے ہیں) اس لئے ان سے ڈرو کہ اگر تم ظلم کرو گے، تو سزا دیں گے (اور اگر تم باہمی ضد کا اندیشہ ہو) یعنی زوجین کے درمیان ضد و خلاف کا تم کو علم ہو اور **بینھما** میں اضافت وسعت کی وجہ سے ہے، یعنی **شقاقاً بینھما** (پس) ان دونوں کی طرف سے ان کی رضامندی سے (ایک حکم) یعنی ایک منصف مرد (شوہر کے اہل) یعنی رشتہ داروں (میں سے، اور ایک حکم عورت کے اہل میں سے بھیجو) اور شوہر اسے طلاق یا قبول عوض کا وکیل بنادے، اور عورت اسے خلع کا وکیل بنادے، پھر دونوں خوب جد جہد کریں اور جو ظلم کرنے والا ہو، اسے اس سے باز رہنے کی ہدایت کریں اور اگر وہ اس پر بھی انکار کرے، تو دونوں کے درمیان تفریق کرادیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ (اگر دونوں اصلاح کا ارادہ کریں گے، تو اللہ تعالیٰ دونوں) یعنی زوجین (کے درمیان توافق پیدا کردیں گے) یعنی ان دونوں کو اس چیز کی توفیق دے دیں گے جو اس جگہ طاعت الٰہی ہوگی، خواہ اصلاح خواہ جدائی (بے شک اللہ تعالیٰ) ہر چیز کو (جانتے ہیں) ظاہر کی طرح باطن کی بھی (خبر رکھتے ہیں، اور اللہ کی عبادت کرو) یعنی اس کی توحید اختیار کرو (اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو) یعنی نیکی اور نرمی (اور رشتہ داروں کے ساتھ اور یتیموں اور مسکینوں اور قریبی پڑوسی کے ساتھ) یعنی جو پڑوسی تم سے قریب ہے، پڑوسی ہونے میں یا نسب میں (اور دور کے پڑوسی کے ساتھ) جو تم سے پڑوس میں یا نسب میں دور ہے (اور پاس بیٹھنے والے کے ساتھ) جو سفر میں رفیق ہے، یا پیشے میں ساتھی ہے، اور کہا گیا کہ وہ بیوی ہے (اور مسافر کے ساتھ) جو سفر میں بے سہارا ہو گیا ہو (اور ان کے ساتھ جن کے تمہارے ہاتھ مالک ہیں) یعنی غلاموں کے ساتھ (بے شک اللہ تعالیٰ نہیں پسند کرتے اس کو جو متکبر ہے) اور جو کچھ اسے دیا گیا ہے، اس پر لوگوں کے اوپر (فخر کرنے والا ہے، وہ لوگ) مبتدا ہے (جو) اپنے واجبات میں (بخل کرتے ہیں، اور لوگوں کو بھی) اس میں (بخل کا حکم دیتے ہیں، جو کچھ اللہ نے اپنے فضل میں سے) یعنی علم اور مال میں سے (انھیں دیا ہے، اس کو چھپاتے ہیں) اور وہ یہود ہیں، اور مبتدا کی خبر **لھم وعید شدید** ہے (اور ہم نے) اس نعمت اور دوسری نعمتوں کے (منکروں کے لئے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے اور وہ لوگ) یہ ماقبل کے الذین پر عطف ہے (جو اپنے مالوں کو لوگوں کے دکھاوے کے لئے خرچ کرتے ہیں، اور نہ اللہ پر ایمان رکھتے اور نہ یوم آخرت پر) جیسے منافقین اور اہل مکہ (اور جس کا ساتھی شیطان ہو گیا) وہ اس کے امر پر عمل کرتا ہے، جیسے یہ لوگ ہیں (تو وہ برا ساتھی ہے، اور ان کا کیا نقصان ہے، اگر وہ اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لائیں، اور جو اللہ نے انھیں روزی دی ہے، اس میں سے خرچ کریں) یہ استفہام انکار کے لئے ہے اور **لو** مصدر یہ ہے یعنی ان کو کوئی ضرر

نہیں ہے، ضرر تو اس حالت میں ہے جس پر وہ ہیں، (اور اللہ انھیں جاننے والے ہیں) انھیں ان کے اعمال کا بدلہ دیں گے (بے شک اللہ تعالیٰ) کسی پر (چیونٹی کے بقدر بھی ظلم نہیں کرتے) ذرۃ چھوٹی چیونٹی ہے، یعنی اس کی نیکی میں کچھ کمی یا برائی میں اضافہ نہیں کرتے (اور اگر) مومن کی جانب سے ایک ذرہ (نیکی ہو) اور ایک قرأۃ میں حسنۃٌ رفع کے ساتھ ہے، تو کان تامہ ہے (تو اسے) دس گنے سے سات سو گنے سے زیادہ تک (بڑھاتے ہیں) اور ایک قرأۃ یضعّفھا بالتشدید ہے (اور) مضاعف یعنی اتنا بڑا بنانے کے ساتھ ساتھ خاص (اپنے پاس سے) اتنا (اجر عظیم دیتے ہیں) جس کا کوئی اندازہ نہیں کرسکتا (پس کیا حال ہوگا) کفار کا (جب ہم ہر ایک امت سے ایک گواہ لائیں گے) جو اس پر اس کے عمل کی گواہی دے گا، اور وہ ان کا نبی ہوگا (اور) اے محمد! (تم کو ان لوگوں پر گواہ بنائیں گے، اس دن) یعنی گواہوں کے آنے کے دن (وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا، اور رسولوں کی نافرمانی کی، تمنا کریں گے کہ کاش زمین ان پر برابر کردی جاتی) تسوی میں تین قرأتیں ہے، فعل مجہول تُسَوّیٰ بضم التاء اور تَسوَّیٰ فعل معروف، بفتح التاء علامت مضارع کے حذف کے ساتھ، اور سین میں تاء کے ادغام کے ساتھ یعنی تَسَّوّیٰ، یعنی تمنا کریں گے کہ زمین ہی کی طرح مٹی اور دھول بن جاتے، کیونکہ وہ دن بہت ہولناک ہوگا، جیسا کی دوسری آیت میں ہے و یقول الکافر یا لیتنی کنت تراباً (اور کوئی بات اللہ سے نہیں چھپا سکیں گے) جو کچھ انھوں نے کیا ہے اور دوسرے وقت میں چھپانے کی کوشش کریں گے اور کہیں گے **و اللہ ربنا ما کنا مشرکین۔**

﴿تشریحات﴾

مسلطون: قَوَّامٌ کے معنی منتظم کے ہیں، یعنی مردوں کو مصلحتوں، تدابیر اور ادب و تعلیم کا منتظم بنایا گیا ہے، مفسر نے اس کی تفسیر میں **مسلطون** کا لفظ لاکر اشارہ کیا ہے، کہ یہ مرد نرے منتظم نہیں ہیں، بلکہ ان میں ایک طرح حکومت کی شان ہے، جس طرح حاکم اپنی رعایا پر مقرر ہوتا ہے، اسی طرح مرد عورتوں پر ایک گونہ حکومت کی شان رکھتے ہیں، انھیں ادب سکھاتے ہیں اور کسی بھی غلطی میں ان کا ہاتھ پکڑتے ہیں، اور ان کا مواخذہ کرتے ہیں، اور ضرورت کے وقت ان کا ہاتھ تھامتے ہیں یعنی ان کی مدد کرتے ہیں۔

أی بتفضیلہ لھم علیھن: اللہ تعالیٰ نے مردوں کو متعدد جہتوں سے عورتوں پر فوقیت دی ہے، علم کی جہت سے، عقل کی جہت سے، ولایت کی جہت سے۔ ان کے علاوہ دینداری، جہاد، شہادت، جمعہ و جماعت، امامت و امارت میں مرد کو امتیاز ہے، مزید یہ کہ مرد بیک وقت چار عورتوں سے نکاح کرسکتا ہے، میراث میں اس کا حصہ زائد ہے، طلاق کا اختیار مرد کو ہے، رجعت کا مالک وہی ہے، اولاد باپ ہی کی طرف منسوب ہوتی ہے، عورت کے اخراجات ضروریہ کا ذمہ دار مرد ہی ہوتا ہے۔

حیث اوصیٰ علیھم الازواج: اللہ تعالیٰ نے مردوں کے واسطے سے عورتوں کی عزت وناموس اوران کے بقاء وتحفظ کا انتظام فرمایا ہے، چنانچہ اس سلسلے میں مردوں کو عدل کی خاص وصیت اور تاکید فرمائی ہے، چنانچہ **امساک بالمعروف** کی تاکید ہے، اگر وہ نہ ہوسکے تو بجائے ستانے اور مشکل میں ڈالنے کے **تسریح بالاحسان** کی اجازت ہے، کئی عورتیں ہوں تو عدل کا حکم ہے: **عن ابی ھریرۃ** رضی اللہ عنہ **قال : قال رسول اللہ** صلی اللہ علیہ وسلم **استوصوا بالنساء (رواہ الشیخان)**

عصیانھن: نشوز کے معنی ہیں سر کی جانب اٹھنا، عورت کا نشوز یہ کہ شوہر سے بغض رکھے، اس کی نافرمانی کرے، اس پر تکبر کرے وغیرہ **فخوفوھن**: عورتوں کو نصیحت کریں تو حوالے میں اللہ کی گرفت کا خوف دلائیں، نصیحت کی پائیدار بنیاد یہی ہے کہ اللہ کا خوف دل میں پیدا کیا جائے۔ نصیحت کا یہ حکم اس وقت ہے، جبکہ ابھی نافرمانی کا اندیشہ ہو، اس کی علامتیں ظاہر ہوئی ہوں، لیکن اگر وہ کھلم کھلا نافرمانی کرنے لگ جائیں تو حکم ہے کہ ان کے ساتھ رات گزارنا چھوڑ دو، اگر اس پر بھی نہ مانیں تو ہلکی مار مارنے کی اجازت ہے کہ جسم کا کوئی حصہ ٹوٹ پھٹ نہ جائے

والاضافۃ للاتساع: **شقاق** کی اضافت **بینھما** کی طرف کی گئی ہے، ظرف میں چونکہ وسعت زیادہ ہوتی ہے، کہ اس کو کسی طریقے سے بھی کلام میں لایا جاسکتا ہے، خواہ اضافت کے ساتھ یا بغیر اضافت کے۔ اسی گنجائش کی بنا پر یہ اضافت ہے۔ ورنہ اصل عبارت یہ ہوگی **وان خفتم شقاقاً بینھما**.

رجلًا عدلاً: یعنی ایسا جو احکام کا جاننے والا، معاملات کی نزاکتوں کا سمجھنے والا ہو، اس لئے اس کو حَکَمٌ کہا گیا۔

ای یقدرھما علیٰ ما ھو الطاعۃ: **یوفق اللہ** کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان دونوں کے درمیان موافقت پیدا ہو ہی جائے گی۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دونوں حکم کو اپنی توفیق سے ایسے نتیجے اور فیصلے پر پہونچا دیں گے جو خیر ہوگا، اور منشاء الٰہی کی تکمیل اسی میں ہوگی، خواہ باہم اتفاق ہوجائے یا دونوں کے درمیان جدائی ہوجائے۔

القریب منک فی الجوار أوالنسب: قریبی پڑوسی دو طرح کے ہیں۔ ایک وہ جو پڑوس میں قریب ہو۔ دوسرے وہ جو نسب میں قریب ہو۔ ایک تیسرا بھی ہے، وہ یہ کہ دین میں قریب ہو(**فقد روی عن النبی** صلی اللہ علیہ وسلم **الجیران ثلٰثۃ، فجارٌ لہ ثلٰثۃ حقوق حق الجوار وحق القرابۃ وحق الاسلام وجار لہ حقان حق الجوار وحق الاسلام وجار لہ حق واحد حق الجوار وھو المشرک من اھل الکتاب(رواہ البزار**) نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ پڑوسی تین ہیں۔ (۱) ایک پڑوسی وہ ہے جس کے تین حقوق ہیں، پڑوس کا حق، قرابت کا حق اور اسلام کا حق۔ (۲) ایک پڑوسی وہ ہے جس کے دو حق ہیں، پڑوس کا حق اور اسلام کا حق۔ (۳) اور ایک پڑوسی وہ ہے جس کا صرف ایک حق ہے یعنی پڑوس کا حق، اور یہ مشرک ہے، اہل کتاب میں سے۔

البعید عنک فی الجوار أوالنسب: **الجنب** کے معنی بعید کے ہیں، یہ لفظ مفرد، تثنیہ، جمع اور مذکر ومونث

سب کے لئے ہے۔

الرفيق في السفر : **الصاحب بالجنب** کے معنی پہلو کا ساتھی، یہ سفر کا ساتھی بھی ہوسکتا ہے، کسی کام اور پیشے میں رفاقت ہوگئی ہو، اس کو بھی صاحب بالجنب کہا جائے گا، بعض لوگوں نے اس کا اطلاق بیوی پر کیا ہے۔

المنقطع في سفره : **ابن السبيل** کی تفسیر مفسر نے **المنقطع في سفره** سے کی ہے، کیونکہ حسن سلوک کا زیادہ محتاج وہی ہوتا ہے، ویسے اگر مطلقاً مسافر مراد لیا جائے تو بہتر ہے۔

﴿**مختالا**﴾ **متكبراً** : **اختال يختال** سے ہے، اس کے معنی تکبر کرنا ہے، گھوڑے کو خیل اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی چال میں بڑائی کا احساس رکھتا ہے۔

﴿**للكافرين**﴾ **بذلك وبغيره** : باء حرف جر **كافرين** سے متعلق ہے، اور ذٰلک کا اشارہ **ما آتاهم الله من فضله** کی جانب ہے، اور کافرین بمعنی **جاحدين** ہے، یعنی اللہ کے فضل کا وہ گویا انکار کرتے ہیں، کیونکہ چھپانا انکار ہی کرنا ہے۔

مرائين لهم : **رياء الناس** ہے تو مصدر مگر حال کے موقع پر ہے، اس لئے اس کی تفسیر مرائین سے کی ہے۔

كهٰؤلاء : یہ اشارہ ان لوگوں کی طرف ہے، جن کے مذکورہ بالا پانچ اوصاف بیان کئے گئے، یعنی ۱: بخل۔ ۲: امر بالبخل۔ ۳: کتمان فضل۔ ۴: انفاق ریاء۔ ۵: عدم الایمان باللہ والیوم الآخر۔ اور ان کا مصداق منافقین اور اہل مکہ کو قرار دیا ہے۔

﴿**فساء**﴾ **بئس** ﴿**قريناً**﴾ **هو** : **قريناً** تمیز ہے، ساء میں ضمیر مستتر ممیّز ہے، اور مخصوص بالذم محذوف ہے، وہ **هو** ہے۔

أيُّ ضررٍ عليهم : یہ تفسیر **ماذا عليهم** کی ہے، ما اور ذا مل کر کلمۂ استفہام ہے، مراد اس سے یہ ہے کہ انھیں کون سا ضرر اور نقصان ہے، یہ استفہام انکاری ہے، یعنی ان پر کوئی ضرر نہیں ہے، اور **لو** مصدر یہ ہے، اور حرف جر **في** مقدر ہے، یعنی **أيُّ ضررٍ عليهم في ايمانهم وانفاقهم**، مفسر نے **لا ضررَ فيه** کہہ کر اسی **في** مقدرہ کا اظہار کیا ہے۔

بأن ينقصها من حسناته ويزيدها في سيئاته : یہ ظلم کا بیان ہے جس کی نفی کی گئی ہے، نیکیاں گھٹا دینا اور برائیوں کو بڑھا دینا، چاہے ذرے کے برابر ہو ظلم ہے۔ اللہ تعالیٰ اتنا بھی ظلم نہیں کرتے۔

﴿**وإن تك**﴾ **الذرة** ﴿**حسنةً**﴾ : **حسنةً** منصوب ہے فعل ناقص کی خبر ہے، اور اس کا اسم ضمیر مستتر ہے، جو ذرۃٌ کی جانب راجع ہے، اور ایک قرأۃ میں **حسنةٌ** رفع کے ساتھ ہے، تب یہ **كان** تامہ کا فاعل ہے۔

﴿**وجئنا بك**﴾ **يا محمد** ﴿**علىٰ هٰؤلاء شهيداً**﴾ : هٰؤلاء سے اشارہ پچھلے انبیاء کی جانب ہے،

جن کو گواہ بنا کر قیامت کے دن لایا جائے گا، یا اس سے تمام اگلی امتیں مراد ہیں، یا اس امت کے منافقین ومشرکین مراد ہیں۔

تسوّیٰ: اس میں تین قرأتیں ہیں، ترجمے میں تشریح گزر چکی ہے۔

وفی وقت آخر یکتمونه: اس جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **ولا یکتمون الله حدیثاً**، وہ لوگ اللہ سے بات نہیں چھپائیں گے، اور دوسری جگہ فرمایا ہے کہ: **ثم لم تکن فتنتهم إلا أن قالوا و الله ربنا ما کنا مشرکین**۔ (سورۂ انعام: ۲۳) یہ جھوٹ بولنا بات کو چھپانا ہے۔ مفسر نے اس کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے، کہ میدانِ قیامت میں مختلف مواقع ہوں گے، کہیں جھوٹ بول کر بات چھپانا چاہیں گے، مگر وہ چھپ نہ سکے گی، اور کہیں کہیں صاف صاف اظہار واقرار کریں گے **قالوا ضلوا عنا وشهدوا علیٰ أنفسهم أنهم کانوا کافرین**. (سورہ اعراف: ۳۷)

﴿مضامین آیات وتفسیر﴾

اللہ تعالیٰ نے مردوں اور عورتوں کی حیثیت اور ان کا مقام متعین فرمایا ہے، کہ مرد، عورتوں کے حق میں حاکم اور منتظم ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انھیں عورتوں کے اوپر فوقیت بخشی ہے، علم میں بھی، عقل میں بھی اور ولایت واختیار میں بھی، اور اس واسطے بھی کہ عورتوں کے اخراجات ضروریہ کی ذمہ داری مرد پر ہی ہوتی ہے، تو نیک و صالح عورتیں اپنے شوہروں کی فرمانبردار ہوتی ہیں اور شوہر کی عدم موجودگی میں اپنے ناموس کی اور ان کے مالوں وغیرہ کی حفاظت کرتی ہیں، کیونکہ ان کا تحفظ اللہ نے انھیں شوہروں سے وابستہ کر رکھا ہے

پھر شوہروں کو ہدایت دی کہ اگر تمہیں بیویوں کی جانب سے نافرمانی اور سرکشی کا اندیشہ ہو، تو انھیں اللہ کا واسطہ دیکر سمجھاؤ اگر اس سے بات بن جائے، تو خیر، ورنہ اپنا بستر ان سے علیحدہ کرلو، اگر اس سے ان کی سرکشی دور ہوجائے وبہتر، ورنہ پھر اتنی اجازت ہے کہ انھیں ہلکی مار مارو، جس سے بدن پر زخم نہ ہوجائے، نہ ہڈی ٹوٹے، اگر اس سے وہ درست ہوجائیں، اور تمہاری اطاعت کرنے لگ جائیں تو پھر مارنے کا بہانہ مت ڈھونڈھو، اور خیال رکھو کہ اللہ تعالیٰ سب کے اوپر اور سب سے بڑے ہیں

اس کے بعد صاحب اختیار لوگوں خطاب ہے کہ اگر تمہیں احساس ہو کہ میاں بیوی میں موافقت نہیں ہے، اور وہ آپس میں ایک دوسرے کے خلاف عناد وضد میں گرفتار ہیں، تو دونوں طرف سے ایک ایک معتبر آدمی کا انتخاب کرو، ایک عورت کی جانب سے کہ وہ اسے خلع وغیرہ کرانے میں اپنا وکیل بنائے، اور ایک شوہر کی طرف سے، جو طلاق کے سلسلے میں یا عورت کی طرف سے جو عوض ملتا ہے، اس کے قبول کرنے میں اس کا وکیل ہو یہ دونوں معاملہ کو بنانے کی کوشش کریں، اگر دونوں اس کا ارادہ رکھتے ہیں کہ اصلاح ہوجائے، تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل

سے اس نتیجہ اور فیصلہ کی توفیق عطا فرمائیں گے، جس میں خیر اور اصلاح ہوگی۔ خواہ دونوں میں مصالحت ہوجائے، یا مفارقت، جو بھی ان کے حق میں بہتر ہوگا۔ اس کی توفیق ارزانی ہوگی، اس کی اور سب کی خبر تو اللہ ہی کو ہے۔ وہی سب کچھ جانتے ہیں

اور عبادت تو صرف اللہ کی کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو، نیز رشتہ مندوں یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ، اور پڑوسیوں کے ساتھ، خواہ وہ قریب کا پڑوسی ہو یا دور کا، اور اس ساتھی کے ساتھ جو تمہارے برابر میں ہو، خواہ وہ سفر میں ہو یا تمہارے پیشہ میں تمہارا شریک ہو، یا بیوی ہو، اور مسافر کے ساتھ اور اپنے غلاموں اور باندیوں ساتھ ان سب کے ساتھ حسن سلوک کرو، اللہ تعالیٰ کسی مغرور اور فخر و ناز کرنے والے کو پسند نہیں کرتے۔

جو لوگ بخل کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی بخل کا حکم دیتے ہیں، اور اللہ نے انھیں جو کچھ علم یا مال اپنے فضل وکرم سے عطا فرما رکھا ہے، اسے چھپاتے ہیں، ان کے لئے سخت وعید ہے، اور ہم نے کافروں کے لئے رُسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے، اور جو لوگ اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لئے خرچ کرتے ہیں اور نہ اللہ پر ایمان رکھتے اور نہ یوم آخرت پر، اور جس کا ساتھی شیطان ہوجائے، تو وہ برا ساتھی ہے، اور اگر یہ اللہ پر اور یوم آخر پر ایمان لاتے اور جو کچھ اللہ نے انھیں روزی دے رکھی ہے اس میں سے خرچ کرتے، تو ان کا کیا نقصان ہوجاتا، یہ تو فائدے کی چیز ہے، نقصان تو اس حال میں ہے جس میں یہ لوگ مبتلا ہیں، اور اللہ انھیں خوب جانتا ہے۔

یہ بات تو شبہ بالاتر ہے کہ حق تعالیٰ کسی پر ایک ذرہ کے برابر ظلم نہیں کرتے، نہ کسی کی نیکی گھٹاتے، اور نہ کسی کی برائی بڑھاتے، بلکہ اگر ایک ذرہ کے برابر نیکی ہوتی ہے، تو اسے البتہ بڑھاتے ہیں، کم از کم دس گنا، اور زیادہ کی کوئی حد نہیں، سات سو گنا اور اس سے بھی زیادہ، اور اس پر مزید اپنی طرف سے اجر عظیم عطا فرماتے ہیں۔

اس صورت حال میں بتاؤ کہ ان کفار کا حال قیامت کے دن کیا ہوگا؟ جبکہ ہم ہر ایک امت سے ایک گواہ لائیں گے، اور یہ گواہ ان کا نبی ہوگا، جو ان کے اعمال کا گواہ ہوگا، اور اے محمد! تمہیں ان سب لوگوں پر گواہ بنائیں گے۔

ان کفار کی اور رسول کی نافرمانی کرنے والوں کی بڑی تمنا یہ ہوگی کہ یہ لوگ زمین کے ساتھ برابر کردئے جاتے، کہ کسی عذاب وثواب کا مسئلہ ہی نہ اٹھتا، و یقول الکافر یا لیتنی کنت ترابا، اور اس دن یہ لوگ کوئی بات نہیں چھپا سکیں گے۔

☆☆☆☆☆

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ﴾ لاتصلوا ﴿وَأَنْتُمْ سُكَارٰى﴾ من الشراب لان سبب نزولها صلاة جماعة فى حال السكر ﴿حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَاتَقُوْلُوْنَ﴾ بأن تصحوا ﴿وَلَا

جُنُباً﴾ بإيلاجٍ أو إنزال ونصبه على الحال وهو يطلق على المفرد وغيره ﴿إِلَّا عَابِرِىْ﴾ مجتازى ﴿سَبِيْلٍ﴾ طريق اى مسافرين ﴿حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا﴾ فلكم أن تصلوا واستثنى المسافر لأن له حكماً آخر سياتى وقيل المراد النهى عن قربان مواضع الصلوٰة اى المساجد إلا عبورها من غير مكث ﴿وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضٰى﴾ مرضا يضره الماء ﴿أَوْ عَلٰى سَفَرٍ﴾ اى مسافرين وأنتم جنب أو محدثون ﴿أَوْجَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ﴾ هو المكان المعد لقضاء الحاجة اى أحدث ﴿اَوْلٰمَسْتُمُ النِّسَاءَ﴾ وفى قرأة بلاالفٍ وكلاهمابمعنى اللمس وهو الجس باليد قاله ابن عمرؓ وعليه الشافعىؒ وألحق به الجس بباقى البشرة وعن ابن عباسؓ هو الجماع ﴿فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً﴾ تتطهرون به للصلوٰة بعد الطلب والتفتيش وهو راجع الىٰ ماعدا المرضىٰ ﴿فَتَيَمَّمُوْا﴾ اقصدوا بعددخول الوقت ﴿صَعِيْداً طَيِّباً﴾ تراباً طاهراً فاضربوا به ضربتين ﴿فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ﴾ مع المرفقين منه ومسح يتعدى بنفسه وبالحرف ﴿إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوّاًغَفُوْراً﴾

﴿أَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْباً﴾ حظاً ﴿مِنَ الْكِتٰبِ﴾ وهم اليهود ﴿يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ﴾ بالهدى ﴿وَيُرِيْدُوْنَ أَنْ تُضِلُّوْا السَّبِيْلَ﴾ تخطؤا طريق الحق لتكونوا مثلهم ﴿وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِأَعْدَائِكُمْ﴾ منكم فيخبركم بهم لتجتنبوهم ﴿وَكَفىٰ بِاللّٰهِ وَلِيًّا﴾ حافظاً لكم ﴿وَكَفىٰ بِاللّٰهِ نَصِيْراً﴾ مانعاً لكم من كيدهم ﴿مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا﴾ قوم ﴿يُحَرِّفُوْنَ﴾ يغيرون ﴿الْكَلِمَ﴾ الذى أنزل الله فى التوراة من نعت محمدٍ ﷺ ﴿عَنْ مَوَاضِعِهٖ﴾ التى وضع عليها ﴿وَيَقُوْلُوْنَ﴾ للنبى ﷺ إذا أمرهم بشئ ﴿سَمِعْنَا﴾ قولك ﴿وَعَصَيْنَا﴾ أمرك ﴿وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ﴾ حال بمعنى الدعاء اى لاسمعت ﴿وَ﴾ يقولون له ﴿رَاعِنَا﴾ ونهى عن خطابه بها وهى كلمةُ سَبٍّ بلغتهم ﴿لَيًّا﴾ تحريفاً ﴿بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعَناً﴾ قدحا ﴿فِى الدِّيْنِ﴾ الاسلام ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا﴾ بدل وعصينا ﴿وَاسْمَعْ﴾ فقط ﴿وَانْظُرْنَا﴾ انظرالينا بدل راعنا ﴿لَكَانَ خَيْراً لَّهُمْ﴾ مماقالوه ﴿وَأَقْوَمَ﴾ أعدل منه ﴿وَلٰكِنْ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ﴾ أبعدهم عن رحمته ﴿بِكُفْرِهِمْ فَلَايُوْمِنُوْنَ إِلَّا قَلِيْلًا﴾ منهم كعبد الله بن سلام واصحابه ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ آمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا﴾ من القرآن ﴿مُصَدِّقاً لِّمَا مَعَكُمْ﴾ من التوراة ﴿مِنْ قَبْلِ أَنْ نَطْمِسَ وُجُوْهاً﴾ نمحو مافيها من العين والانف والحاجب ﴿فَنَرُدَّهَا عَلٰى أَدْبَارِهَا﴾ فنجعلها كالأقفاء لوحاً واحداً ﴿أَوْ نَلْعَنَهُمْ﴾ نمسخهم قردة ﴿كَمَا لَعَنَّا﴾

مسخنا ﴿ اَصۡحٰبَ السَّبۡتِ ﴾ منهم ﴿ وَكَانَ أَمۡرُ اللهِ ﴾ قضاؤه ﴿ مَفۡعُوۡلاً ﴾ ولما نزلت اسلم عبد الله بن سلام فقيل كان وعيدا بشرط فلما أسلم بعضهم رفع وقيل يكون طمس ومسخ قبل قيام الساعة ﴿ إِنَّ اللهَ لَايَغۡفِرُ أَنۡ يُّشۡرَكَ ﴾ اى الاشراك ﴿ بِهٖ وَيَغۡفِرُ مَادُوۡنَ ﴾ سوىٰ ﴿ ذٰلِكَ ﴾ من الذنوب ﴿ لِمَنۡ يَّشَاءُ ﴾ المغفرة له بأن يدخله الجنة بلاعذابٍ ومن شاء عذبه من المومنين بذنوبه ثم يُدخله الجنة ﴿ وَمَنۡ يُّشۡرِكۡ بِاللهِ فَقَدِ افۡتَرىٰ إِثۡماً ﴾ ذنبا ﴿ عَظِيۡماً ﴾ كبيرا ﴿ أَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ يُزَكُّوۡنَ أَنۡفُسَهُمۡ ﴾ وهم اليهود حيث قالوا نحن أبناء الله وأحباؤه اى ليس الامر بتزكيتهم أنفسهم ﴿ بَلِ اللهُ يُزَكِّىۡ ﴾ يطهر ﴿ مَنۡ يَّشَاءُ ﴾ بالايمان ﴿ وَلَايُظۡلَمُوۡنَ ﴾ ينقصون من اعمالهم ﴿ فَتِيۡلاً ﴾ قدر قشر النواة ﴿ أُنۡظُرۡ ﴾ متعجباً ﴿ كَيۡفَ يَفۡتَرُوۡنَ عَلَى اللهِ الۡكَذِبَ ﴾ بذٰلك ﴿ وَكَفىٰ بِهٖ إِثۡماً مُبِيۡناً ﴾ بيّناً۔

﴿ ترجمہ ﴾

(اے ایمان والو! نماز کے قریب نہ جاؤ) یعنی نماز نہ پڑھو (جب کہ تم) شراب کے (نشے میں ہو) اس لئے کہ اس کے نزول کا سبب نشے کی حالت میں ایک جماعت کا نماز پڑھنا ہے (جب تک کہ جو کچھ تم بولتے ہو، اسے جان نہ لو) یعنی جب تک نشہ سے افاقہ نہ ہو لے (اور جنابت کی حالت میں) خواہ جماع سے ہو یا انزال سے، جنباً کا نصب حال ہونے کی وجہ سے ہے، اور اس کا اطلاق مفرد اور جمع دونوں پر ہوتا ہے (مگر اس حال میں کہ تم راستہ چلنے والے ہو) یعنی مسافر ہو (جب تک غسل نہ کرلو) تب تمہارے لئے درست ہے کہ نماز پڑھو، اور مسافر کا استثنا اس لئے ہے کہ اس کے واسطے دوسرا حکم ہے، جو عنقریب آرہا ہے، اور کہا گیا ہے کہ اس سے مراد نماز کی جگہ کے قریب جانے سے نہی ہے، یعنی حالت جنابت میں مسجد میں جانے کی ممانعت ہے، مگر یہ کہ بغیر رکے ہوئے اور بغیر وقفہ کے مسجد سے گزرنا ہو تو اس کی اجازت ہے۔

(اور اگر تم کو) ایسی (بیماری ہو) جس کے لئے پانی مضر ہو (یا تم سفر پر ہو) یعنی مسافر ہو اور تمہیں جنابت یا حدث ہو (یا تم میں سے کوئی بیت الخلاء سے آیا) غائط قضائے حاجت کی جگہ کو کہتے ہیں، مراد یہ ہے کہ حدث لاحق ہوا (یا تم نے عورتوں سے باہم مساس کیا) اور ایک قرأۃ میں بغیر الف کے ہے، اور یہ دونوں لمس یعنی ہاتھ سے چھونے کے معنی میں ہے، جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے، اور اسی پر امام شافعی علیہ الرحمہ ہیں، اور اسی حکم میں بدن کے باقی حصے کی کھال سے چھونا ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس سے مراد جماع ہے (پھر تم پانی نہ پاؤ) طلب اور تلاش کے باوجود تاکہ اس سے نماز کے لئے طہارت حاصل کرو، اس کا تعلق مریض کے ماسوا کے ساتھ ہے (پس) وقت کے داخل ہونے کے بعد (پاک مٹی کا قصد

کرو) اس پر دو مرتبہ ہاتھ مارو (پھر اپنے چہروں پر اور اپنے ہاتھوں پر) کہنی سمیت (مسح کرلو) مسح متعدی بنفسہ بھی ہوتا ہے اور متعدی بالحرف بھی ہوتا ہے (بے شک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے مغفرت کرنے والے ہیں ۝ کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا، جن کو کتاب میں سے کچھ حصہ دیا گیا) اور یہ یہود ہیں (خریدتے ہیں) ہدایت کے عوض (گمراہی کو، اور چاہتے ہیں کہ تم بھی راہ) حق (سے بھٹک جاؤ) کہ تم بھی انھیں جیسے ہو جاؤ (اور اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو خوب جانتے ہیں) تم سے زیادہ جانتے ہیں، اور تمہیں بتا رہے ہیں، تا کہ تم ان سے دور رہو (اور اللہ تعالیٰ) تمہاری ان سے حفاظت کے لئے (کافی ہیں ۝ مددگار یہودیوں میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو) ان (باتوں کو) جنھیں اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف وکمالات کے سلسلے میں توریت میں اتارا ہے (ان کی جگہوں سے) جہاں انھیں رکھا گیا ہے (ہٹاتے ہیں، اور) جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی بات کا حکم دیتے ہیں، تو (کہتے ہیں ہم نے) آپ کی بات کو (سن لیا، اور) آپ کے حکم کی (نافرمانی کی، اور سنئے! آپ کی بات نہ سنی جائے) **غیر مسمع** حال ہے بددعا کے معنیٰ میں، یعنی آپ کی نہ سنی جائے (اور) آپ سے کہتے ہیں (راعنا) جبکہ اس لفظ سے آپ کو خطاب کرنے سے منع کیا گیا ہے، یہ ان کی زبان میں گالی ہے (اپنی زبانیں اینٹھ کر اور دین) اسلام (میں طعنہ دیتے ہوئے، اور اگر یہ لوگ) بجائے **سمعنا وعصینا** کے (یعنی **سمعنا واطعنا** یعنی ہم نے سنا اور مانا کہتے اور) بجائے **راعنا** کے (**واسمع وانظرنا** کہتے تو) جو کچھ یہ کہتے ہیں اس سے (بہتر ہوتا اور) اس سے زیادہ (انصاف کی بات ہوتی، لیکن اللہ نے ان پر ان کے کفر کی وجہ سے لعنت کی) یعنی اپنی رحمت سے دور کیا (پس یہ لوگ بجز تھوڑے سے کے ایمان نہیں لائیں گے ۝) جیسے عبداللہ بن سلام اور ان کے رفقاء۔

(اے وہ لوگو! جن کو کتاب دی گئی، اس پر ایمان لاؤ جو ہم نے اتارا ہے) یعنی قرآن پر (جو اس کتاب کی تصدیق کرتا ہے) یعنی توریت کی (جو تمہارے پاس ہے، قبل اس کے کہ ہم چہروں کو مٹا دیں) یعنی چہروں میں جو اعضاء آنکھ، کان اور بھوئیں وغیرہ ہیں انھیں مٹا دیں (پھر الٹ دیں انھیں پیٹھ کی جانب) یعنی پیچھے کے حصے کی طرح ایک سپاٹ بنا دیں (یا ہم ان پر لعنت کریں) انھیں بندر بنا دیں (جیسا کہ ہم نے ''اصحاب سبت'' کو) ان میں سے (لعنت کی) یعنی انھیں بندر بنا دیا (اور اللہ کا فیصلہ ہو کر رہتا ہے) جب یہ آیت نازل ہوئی، تو حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ ایمان لائے، چنانچہ کہا گیا ہے کہ یہ وعید شرط کے ساتھ تھی، تو جب بعض لوگ ایمان لے آئے، تو یہ وعید اٹھا لی گئی، اور کہا گیا ہے کہ یہ ''طمس و مسخ'' قیامت آنے سے کچھ پہلے ہوگا (بے شک، اللہ تعالیٰ اس بات کی مغفرت تو نہیں فرمائیں گے کہ ان کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے، اور جس کے لئے) مغفرت (چاہیں گے، اس کے ماسوا) گناہوں کی (مغفرت فرما دیں گے) بغیر عذاب کے جنت میں داخل کریں گے، اور اہل ایمان میں جس کو چاہیں گے عذاب دیں گے اس کے گناہوں کے باعث، پھر اسے جنت میں داخلہ عطا فرمائیں گے

(اور جو کوئی اللہ کے ساتھ شریک کرتا ہے، اس نے بڑے گناہ کا جھوٹ باندھا، کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنے آپ کو پاک بنتے ہیں) اور یہ یہودی ہیں، انھوں نے کہا کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں، یعنی ان کے اپنے پاک بننے سے کچھ نہیں ہوتا (بلکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتے ہیں) ایمان کے ذریعہ (پاک کرتے ہیں، اور ان پر کچھ ظلم نہ ہوگا) یعنی ان کے اعمال میں (فتیل) یعنی گٹھلی کے چھلکے (کے بقدر بھی کمی نہ کی جائے گی) تعجب ہے (دیکھو) یہ کہہ کر (اللہ پر کیسا جھوٹ باندھتے ہیں، اور کھلا ہوا گناہ ہونے کے لئے یہی کافی ہے)

تشریحات

لان سبب نزولها :یاایها الذین آمنوا لاتقربوا الصلوٰۃ وأنتم سکاریٰ کا سبب نزول بتارہے ہیں، جب تک شراب حلال تھی اس دوران بعض صحابہ نے شراب پی کر نماز باجماعت ادا کرنی شروع کی تھی، تفسیر خازن میں ہے کہ اس آیت کے نزول کا سبب یہ ہوا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کچھ صحابہ کی دعوت کی، ان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تھے، حضرت علی فرماتے ہیں کہ کھا پی کر ہم نے شراب پی، اور ہم پر نشہ طاری ہوا، پھر مغرب کی نماز کا وقت ہوگیا، ان لوگوں نے مجھے امام بنادیا، میں نے قرأت کی اور پڑھا قل یاایها الکٰفرون أعبد ماتعبدون ونحن نعبد ماتعبدون، تب یہ آیت نازل ہوئی، لاتقربوا الصلوٰۃ وأنتم سکاری حتیٰ تعلموا ماتقولون، أخرجه الترمذی۔

بأن تصحوا :یہ صح یصح مضاعف نہیں ہے، بلکہ صحا یصحو معتل لام ہے، یعنی نشہ سے افاقہ ہو، اتنا کہ جو کچھ بولو وہ سمجھنے لگو۔

ونصبه علی الحال : جنباً حال ہے، اسی لئے منصوب ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا عطف وانتم سکاریٰ جملہ حالیہ پر ہے، اور ولا تقربوا کے فاعل سے حال ہے، تقدیر عبارت اس طرح ہے: ولا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاریٰ ولا جنباً، جنب کا اطلاق واحد اور جمع دونوں پر ہے۔

مجتازی : عبور کے معنی ایک خاص حد میں اِدھر سے اُدھر گزرنے کے ہیں، جس کی تعبیر اردو زبان میں پار ہونے اور پار کرنے سے کی جاتی ہے، مجازاً اسے سفر کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے، کیونکہ وہ بھی ایک طرح کا عبور ہی ہے، ہاں طویل ہے۔ مفسر نے اپنی تفسیر کی بنا سفر پر ہی رکھی ہے۔

فلکم أن تصلوا :جنابت کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ، جب تک غسل نہ کرلو، غسل کرنے کے بعد اور نشہ سے افاقہ کے بعد نماز پڑھ سکتے ہو، لیکن اس میں إلا عابری سبیلٍ یعنی مسافر کا استثنا کیا ہے، کیونکہ اس کے لئے دوسرا حکم ہے، جو ان شاء اللہ آرہا ہے۔

وقیل المراد النهی عن قربان مواضع الصلوٰۃ :ایک قول یہ ہے کہ جنابت کی حالت میں نماز سے

نہیں بلکہ ''جائے نماز'' یعنی مسجد کے قریب آنے سے نہی کی گئی ہے، یعنی **لاتقربوا مواضع الصلوٰۃ جنباً ای المساجد إلا عابری سبیلٍ** ، یعنی جنابت کی حالت میں مسجد کے قریب نہ جاؤ بجز اس کے کہ اسے بغیر ٹھہرے ہوئے پار کررہے ہو، چنانچہ بعض ائمہ کے نزدیک حالت جنابت میں مسجد میں رہنا اور ٹھہرنا تو جائز نہیں، البتہ مسجد سے ہوکر گزرنا جائز ہے، امام صاحب کے نزدیک حدیث **إنی لااحل المسجد لحائضٍ ولا جنبٍ** (ابوداؤد) میں مسجد کو حائضہ اور جنبی کے لئے حلال نہیں قرار دیتا) کی وجہ سے نہ ٹھہرنا درست ہے اور نہ گزرنا، اور آیت کا محل ان کے نزدیک مسافر ہے۔

ای أحدث : **غائط** اس جگہ کو کہتے ہیں جو قضائے حاجت کے لئے بنائی گئی ہو، غائط یعنی استنجے کی جگہ سے آنا ''حدث'' سے کنایہ ہے۔

وفی قرأۃ بلاالفٍ وکلاھمابمعنی اللمس : اَوْلٰمَسْتُمُ النِّسَاءَ میں دوقرأت ہے، ایک باب مفاعلت سے لٰمَسْتُمْ اوردوسرے مجرد سے لَمَسْتُمْ، مفسر نے فرمایا کہ دونوں ایک ہی معنی میں ہے، یعنی ہاتھ سے چھونا، یہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے، اور یہی امام شافعی علیہ الرحمہ کا مسلک ہے، یعنی اگر کسی نے عورت کو ہاتھ سے چھولیا، تو اس کا وضو جاتا رہا، اسے وضو کرنا واجب ہے، اور اسی حکم میں جسم کے اور حصے سے چھونے کا مسئلہ بھی ہے کہ اس سے وضو ٹوٹ جائے گا۔

لیکن یہ تفسیر ظاہر کے بھی خلاف ہے اور صحیح حدیث کے بھی خلاف ہے، ظاہر کے خلاف اس لئے کہ محاورۂ عرب میں عموماً **ملامسة** جماع سے کنایہ ہے، محض چھونے کا معنی اس میں نہیں ہے، لغت کے اعتبار سے اس کی وجہ یہ ہے کہ باب مفاعلت میں جانبین یعنی فاعل ومفعول بہ کی کسی ایک کام میں شرکت ہوتی ہے، جماع میں مرد وعورت دونوں کی مشارکت ہوتی ہے، صرف چھونے میں شرکت کا تصور نہیں ہے، اس لئے ظاہر یہی ہے کہ اس کے معنی جماع کے ہوں گے، اور صحیح حدیث کے خلاف اس لئے ہے کہ اس تفسیر کی رُو سے عورت کو چھونے سے وضو ٹوٹ جانا چاہئے، حالانکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ **کان رسول اللہ ﷺ یتوضأ ثم یقبل ثم یصلی ولایتوضأ** اور **عن ام سلمة أن رسول اللہ ﷺ کان یقبلها وهو صائم ثم لایفطر ولایحدث وضوءاً** (تفسیر ابن کثیر، ج:۲،ص:۲۶۷) تفصیلی بحث کے لئے تفسیر ابن کثیر ج: اَلْمَسْتُمُ النِّسَاءَ، میں کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اس کی تفسیر جماع ہی سے کرتے ہیں۔

تتطهرون به للصلوٰۃ : وہ پانی نہ ملے جس سے حسب ضرورت وضو یا غسل کرسکو، اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر پانی پینے کے لئے موجود ہے، اس سے وضو کرلیں گے تو آئندہ سفر میں پانی ملنے کا امکان نہیں ہے، تو اس پانی کے

موجود ہونے کا اعتبار نہ ہوگا۔

بعد الطلب : **فلم تجدوا** کے اشارے سے معلوم ہوتا ہے کہ مراد تلاش کے بعد نہ ملے، مطلقاً نہ پانا مراد نہیں۔

وھو راجع الی ماعدا المریض : پانی نہ پانے کا تعلق مریضوں کے علاوہ دوسرے معذورین سے ہے، مریض کے پاس اگر پانی ہو، لیکن اس کے لئے پانی مضر ہو تو وہ پانی کے ہوتے ہوئے بھی آنے والے حکم تیمّم سے خارج نہ ہوگا۔

اس استثنا کی ضرورت اس وقت ہوگی جبکہ پانی پانے سے مراد حسّاً پانا ہو، اور اگر پانے سے مراد قدرت ہو، تو مریض کے استثنا کی ضرورت نہ ہوگی۔

اقصدوا بعددخول الوقت : تیمّم کے لفظی معنی قصد کرنے کے ہیں، **بعددخول الوقت** کی قید حضرت مفسر نے اپنے مسلک شافعی کے لحاظ سے لگائی ہے۔ امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک تیمّم ایک طہارت ضروریہ ہے، جس کا جواز صرف وقت ضرورت میں ہوتا ہے، اور ضرورت نماز کے وقت ہے نہ اس سے پہلے نہ اس کے بعد۔ اس لئے نماز کا وقت جب تک نہ ہو، اس نماز کے لئے تیمّم درست نہ ہوگا۔ امام صاحب کے نزدیک تیمّم طہارت مطلقہ ہے، جب تک پانی نہ ملے اس کا جواز عام ہے۔

یغیرون ﴿الکلم﴾ : تحریف کا ترجمہ مفسر نے تغییر سے کیا ہے، اس تحریف کی دو صورتیں ہیں۔ اوّل یہ کہ جو لفظ حق تعالیٰ کی جناب سے صادر ہوا ہے اسے ختم کر کے اس کی جگہ پر دوسرا لفظ رکھ دیتے ہیں، مثلاً توریت میں رسول اللہ ﷺ کا وصف ''**اسمر ربعة**'' کے بجائے ''**آدم طوال**'' لکھ دیا، اسی طرح آیت رجم کو ختم کر کے کوڑے کی سزا لکھ دی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ لفظ تو وہی رہنے دیں مگر اس کا من مانا مطلب بیان کریں۔

حال بمعنی الدعاء ای لاسمعت : **غَیْرَ مُسْمَعٍ** حال ہے، یہ ایک طرح کی بددعا ہے کہ آپ سنئے، خدا کرے کہ آپ کی نہ سنی جائے۔ یہ کلمہ ذو وجہین ہے، یہود حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں آتے تھے، تو استہزاءً ایسی باتیں بولتے تھے جو دو معنی کی محتمل ہوتی تھیں، ایک برا معنی ہوتا، دوسرا اچھا معنی ہوتا۔ ظاہر یہ کرتے کہ ہم اچھا معنی مراد لیتے ہیں، لیکن ان کے دل میں برا معنی ہوتا۔ **غَیْرَ مُسْمَعٍ** میں بھی دونوں طرح کا احتمال ہے، برا معنی تو وہ ہے جو اوپر ذکر ہوا۔ خیر کا معنی اس طرح ہوگا کہ **اسمع منا غیر مسمع مکروھاً** ہماری بات سنیں خدا کرے کوئی ناگوار بات آپ کو سننی نہ پڑے۔ ان کے دل میں پہلا والا معنی ہوتا تھا لیکن ظاہر دوسرے معنی کو کرتے تھے۔

﴿راعنا﴾ : اس کی تفصیل سورۂ بقرہ کی تفسیر میں لکھی جا چکی ہے، وہاں ملاحظہ فرمالیں۔

﴿لَیًّا﴾ : یہ اصل میں لَوْیٌ ہے، سَیِّدٌ والے قاعدہ سے تعلیل کے بعد لَیٌّ بن گیا ہے، اس کے معنی موڑنے کے

ہیں، یہودیوں کا ایک شیوہ یہ بھی تھا کہ توریت پڑھتے وقت زبان کو اس طرح موڑتے تھے کہ الفاظ کچھ کے کچھ ہو جائیں۔

فلما نزلت اسلم عبد الله بن سلام الخ: آیت بالا میں فرمایا گیا کہ اہل کتاب اگر قرآن پر ایمان نہ لائیں گے تو ان کے چہرے مسخ ہو کر پیچھے کے حصے کی طرح سپاٹ ہو جائیں گے، یا ان پر وہ لعنت برسے گی جو اصحاب سبت پر برسی تھی، یعنی انھیں بندر بنا دیا جائے گا۔ اس وعید کا وقوع ہوا یا نہیں؟ یہ ایک سوال ہے، جواب یہ ہے کہ ہم رسول اکرم ﷺ کے زمانے میں نہیں دیکھتے کہ کسی کا چہرہ مسخ ہوا ہو یا اسے بندر بنا دیا گیا ہو، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ وعید واقع نہیں ہوئی، تو اس کی کیا وجہ ہے؟

اس کا جواب مفسر نے دیا کہ یہ وعید مشروط تھی کہ اگر کوئی بھی ایمان نہ لایا تو یہ عذاب ان پر مسلط ہوگا، لیکن حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے بعض رفقاء چونکہ مسلمان ہو گئے، اس لئے شرط نہیں پائی گئی اور عذاب اٹھا لیا گیا، اور بعض لوگوں کہا ہے کہ نہیں اس وعید کا ابھی انتظار ہے، قبل قیامت یہ عذاب ان پر مسلط ہوگا۔

﴿فتیلا﴾ **قدر قشر النواة**: کھجور کی گٹھلی کے اوپر باریک سی ایک جھلی ہوتی ہے، وہی ''قشر النواة'' ہے، مفسر نے اسی کو **فتیل** کہا ہے، لیکن یہ سبقت قلم ہے، فتیل درحقیقت دھاگہ جیسی وہ چیز ہوتی ہے، جو گٹھلی کے شق میں ہوتی ہے، اس کے باریک سے چھلکے کو **قطمیر** کہتے ہیں، اور گٹھلی کی پشت پر ایک چھوٹا سا گڈھا جیسا ہوتا ہے، اسے **نقیر** کہتے ہیں، کسی چیز کی چھوٹائی اور قلت بیان کرنے کے لئے یہ الفاظ بطور مثال کے لائے جاتے ہیں۔ قرآن کریم میں یہ تینوں لفظ مذکور ہیں۔

﴿مضامین آیات وتفسیر﴾

یہ اس وقت کی بات ہے جب شراب حرام نہ ہوئی تھی، اور بعض لوگ شراب کے نشے میں نماز پڑھنے لگتے تھے، اور قرأت میں غلطی کرتے تھے، اس پر حق تعالیٰ نے فرمایا کہ جس وقت تم نشے میں ہو تو نماز کے قریب نہ جاؤ، یعنی نماز نہ پڑھو، جب تک کہ تم اپنی کہی ہوئی بات کو سمجھنے نہ لگو، یعنی جب نشہ کا اثر ختم ہو جائے تب نماز پڑھو، اور جب جنابت کی حالت میں ہو، تب بھی نماز نہ پڑھو، الا یہ کہ تم مسافر ہو، مسافر کا حکم آگے آرہا ہے، ہاں جب غسل کر لو تو اب نماز پڑھ سکتے ہو۔ بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ حالت جنابت میں مسجد کے اندر جانے کی اس آیت میں ممانعت ہے، ہاں صرف راستہ سے گزرنا ہو تو حالت جنابت میں مسجد سے گزر سکتے ہو۔

اور اگر تمہیں کوئی مرض لاحق ہو، جس میں پانی مضر ہو، یا تم سفر میں ہو اور تمہیں حدث یا جنابت لاحق ہو جائے، یا تم میں سے کوئی بیت الخلاء سے قضائے حاجت کر کے آیا، یا تم نے عورتوں سے ملامست کی یعنی جماع کیا، اور اب تمہیں وضو یا غسل کرنا ہے، لیکن تلاش وجستجو کے باوجود تمہیں پانی نہیں ملا، یا پانی کے استعمال پر مرض کی

وجہ سے قدرت نہیں، تو پاک مٹی سے تیمّم کرلو، یعنی مٹی پر دومرتبہ ہاتھ مارو، ایک بار چہرے پر اور دوسری مرتبہ دونوں ہاتھوں پر کہنیوں سمیت مسح کرلو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ درگزر کرتے ہیں اور مغفرت فرماتے ہیں۔

یہ احکام برحق نازل ہورہے ہیں، اور ذرا ان یہودیوں کو دیکھو جنھیں کتاب کا کچھ حصہ ملا ہے، وہ اس ہدایت کے عوض گمراہی کو مول لیتے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ تم بھی انھیں کی طرح راہ حق سے بھٹک جاؤ، اور اللہ تعالیٰ تمہارے بدخواہوں کو تم سے زیادہ جانتے ہیں، اس لئے وہ تمہیں بتارہے ہیں تاکہ تم ان سے بچتے رہو، اور اللہ کی حفاظت و نصرت تم لوگوں کے لئے کافی ہے۔

ان یہودیوں میں کچھ پڑھے لکھے ایسے ہیں جو کلماتِ الٰہی کو ان کی جگہ سے ہٹا دیتے ہیں، کبھی تو لفظ ہی کو ہٹا دیتے ہیں اور کبھی لفظ تو باقی رہتا ہے مگر اس کی مراد بدل دیتے ہیں، اور جب نبی ﷺ انھیں کسی بات کا حکم دیتے ہیں تو زبان سے تو **اطعنا** کہتے ہیں کہ ہم فرمانبردار ہیں، لیکن دل سے اور عمل سے **عصینا** کہتے ہیں کہ ہم نہیں مانتے، اور کہتے ہیں **اسمع** سنئے، **غیر مسمع** آپ کی نہ سنی جائے، اور خطاب میں آپ سے **راعنا** کہتے ہیں، جو کہ ان کی زبان میں گالی ہے اور عربی میں اس کا معنی ہماری رعایت فرمایئے، یہ کہہ کر وہ خوش ہوتے ہیں کہ ہم نے اپنی زبان میں انھیں بیوقوف بنادیا، اسی لئے اس لفظ کے استعمال سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمادیا ہے۔ اور ساری گفتگو میں وہ اپنی زبان اینٹھتے ہیں اور دین اسلام کے سلسلے میں طعنہ دیتے ہیں، اور اگر وہ اس کے بجائے **سمعنا واطعنا** کہتے، اور اسی طرح **اسمع وانظرنا** (ہماری سنئے اور ہمیں دیکھئے) کہتے تو ان کے لئے بہتر ہوتا اور مناسب بات ہوتی، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان پر لعنت برسائی ہے، یعنی انھیں اپنی رحمت سے محروم کردیا ہے، اس لئے بجز قدرے قلیل کے کسی کو ایمان لانے کی توفیق نہیں ہوئی۔

اے وہ لوگو! جن کو کتاب دی گئی ہے، جو کچھ ہم نے اتارا ہے، وہ تمہارے پاس جو کتاب ہے اس کی موافقت کرتا ہے، یعنی قرآن تصدیق کرتا ہے کہ توریت بھی اللہ کی کتاب ہے، اس کو مان لو، اس وقت سے پہلے مان لو جبکہ ہم تمہارے چہروں کو مسخ کردیں اور کان ناک اور منہ اور آنکھ کو مٹا کر پیچھے کی طرح سپاٹ بنادیں، یا جیسے ہم نے اصحاب سبت پر لعنت کی تھی اور انھیں بندر بنادیا تھا، ایسے ہی تم پر بھی لعنت برسادیں، اور اللہ کا امر یقیناً ہوکر رہنے والا ہے، اس آیت کے نزول کے بعد بعض علماء یہود مثلاً عبد اللہ بن سلام وغیرہ ایمان لائے، اور یہ عذاب اس کی برکت سے اٹھا لیا گیا، اس وقت طمس و مسخ نہیں ہوا، ہوسکتا ہے کہ قیامت کے قریب اس کا وقوع بڑے پیمانے پر ہو۔

اللہ تعالیٰ کے یہاں یہ بات قابل درگزر نہیں ہے کہ ان کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے، اس کے علاوہ جس گناہ کو جس کے لئے چاہیں گے معاف کردیں گے، اور جنت میں بغیر عذاب کے داخلہ نصیب فرمائیں گے،

اور جس کو چاہیں گے عذاب دے کر بشرط ایمان جنت میں جگہ عنایت فرمائیں گے، اور جو کوئی اللہ کے ساتھ شریک کرتا ہے اس نے بھاری گناہ کا طوفان باندھا ہے۔

ذرا ان لوگوں کو دیکھو، جو خود کو پاکیزہ قرار دیتے ہیں، اس سے مراد یہود ہیں، چنانچہ وہ کہا کرتے تھے کہ ہم اللہ کے فرزند اور اس کے محبوب ہیں، حالانکہ ان کے پاک بننے سے کیا ہوتا، پاک تو وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ پاک کہیں، اور جس کو اللہ تعالیٰ پاک کرنا چاہیں، ان پر ایک تاگے کے برابر بھی ظلم نہ ہوگا، ذرا دیکھو کہ اللہ پر کیسا جھوٹ باندھتے ہیں، ان کے کھلے گناہ کے لئے تو یہی بات کافی ہے۔

☆☆☆☆☆

ونزل فی کعب بن اشرف ونحوه من علماء الیهود لمّا قدموا مكة وشاهدوا قتلیٰ بدرٍ وحرّضوا المشركین علی الاخذ بثارهم ومحاربة النبی ﷺ ﴿أَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْباً مِنَ الْكِتٰبِ یُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ﴾ صنمان لقریش ﴿وَیَقُوْلُوْنَ لِلَّذِیْنَ كَفَرُوْا﴾ أبی سفیان وأصحابه حین قالوا لهم أنحن أهدیٰ سبیلاً ونحن وُلاة البیت ونسقی الحاج ونقری الضیف ونفکّ العانی ونفعل أم محمد وقد خالف دین آبائه وقطعَ الرحم وفارق الحرم ﴿هٰؤُلَاءِ﴾ ای أنتم ﴿اَهْدیٰ مِنَ الَّذِیْنَ آمَنُوْا سَبِیْلاً﴾ اقوم طریقاً ﴿اُوْلٰئِكَ الَّذِیْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَمَنْ یَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ نَصِیْراً﴾ مانعاً من عذابه ﴿اَمْ﴾ بل أ ﴿لَهُمْ نَصِیْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ﴾ ای لیس لهم شئ منه ولو كان ﴿فَإِذاً لَّایُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِیْراً﴾ ای شیئا تافها قدر النقرة فی ظهر النواة لفرط بخلهم ﴿اَمْ﴾ بل أ ﴿یَحْسُدُوْنَ النَّاسَ﴾ ای النبی ﷺ ﴿عَلیٰ مَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ﴾ من النبوة وكثرة النساء ای یتمنون زواله عنه ویقولون لو كان نبیاً لاشتغل عن النساء ﴿فَقَدْ اٰتَیْنَا اٰلَ اِبْرَاهِیْمَ﴾ جده كموسیٰ وداؤد وسلیمان ﴿الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾ النبوة ﴿وَاٰتَیْنٰهُمْ مُلْكاً عَظِیْماً﴾ فكان لداؤد تسع وتسعون إمرأةً ولسلیمان الفٌ مابین حرة وسریّة ﴿فَمِنْهُمْ مَنْ آمَنَ بِهٖ﴾ بمحمدٍ ﴿وَمِنْهُمْ مَنْ صَدَّ﴾ أعرض ﴿عَنْهُ﴾ فلم یومن ﴿وَكَفیٰ بِجَهَنَّمَ سَعِیْراً﴾ عذاباً لمن لایومن ﴿إِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِآیَاتِنَا سَوْفَ نُصْلِیْهِمْ﴾ ندخلهم ﴿نَاراً﴾ یحترقون فیها ﴿كُلَّمَا نَضِجَتْ﴾ احترقت ﴿جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْداً غَیْرَهَا﴾ بان تعاد الیٰ حالها الاول غیر محترقة ﴿لِیَذُوْقُوا الْعَذَابَ﴾ لیقاسوا شدته ﴿إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِیْزاً﴾ لایعجزه ﴿حَكِیْماً﴾ فی خلقه ﴿وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا أَبَداً لَهُمْ فِیْهَا اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ﴾ من

الحيض وكل قذر ﴿وَنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلاً﴾ ﴿إِنَّ اللهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ﴾ ما ائتمن عليه من الحقوق ﴿إِلىٰ أَهْلِهَا﴾ نزلت لما اخذ عليٌّ رضی اللہ عنہ أخذ مفتاح الكعبة من عثمان بن طلحة الحجبى سادنها قهراً لمّا قدِم النبى صلی اللہ علیہ وسلم مكة عام الفتح ومنعه وقال لو علمت أنه رسول الله لم أمنعه فأمره رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم بردّه إليه وقال هاك خالدةً تالدةً فعجب من ذٰلك فقرأ له عليٌّ رضی اللہ عنہ الآية فاسلم وأعطاه عند موته لأخيه شيبة فبقى فى ولده والآية وإن وردت على سبب خاص فعمومها معتبر بقرينة الجمع ﴿وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ﴾ يامركم ﴿أَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ﴾ ﴿إِنَّ اللهَ نِعِمَّا﴾ فيه ادغام ميم نعم فى ما النكرة الموصوفة اى نعم شيئاً ﴿يَعِظُكُمْ بِهٖ﴾ تادية الامانة والحكم بالعدل ﴿إِنَّ اللهَ كَانَ سَمِيْعاً﴾ لما يقال ﴿بَصِيْراً﴾ بما يفعل ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا أَطِيْعُوا اللهَ وَأَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَأُوْلِى﴾ اصحاب ﴿الْاَمْرِ﴾ اى الولاة ﴿مِنْكُمْ﴾ إذا أمروكم بطاعة الله ورسوله ﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ﴾ اختلفتم ﴿فِىْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللهِ﴾ إلىٰ كتابه ﴿وَالرَّسُوْلِ﴾ مدة حياته وبعده الىٰ سنته اى اكشفوا عليه منهما ﴿إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذٰلِكَ﴾ اى الردُّ إليهما ﴿خَيْرٌ﴾ لكم من التنازع والقول بالراى ﴿وَأَحْسَنُ تَاوِيْلاً﴾ مآلاً۔

﴿ ترجمہ ﴾

یہودیوں میں سے ایک بااثر عالم اور رئیس کعب بن اشرف نامی تھا، وہ اور اس کا حلقہ غزوۂ بدر کے بعد مکہ مکرمہ پہونچا، وہاں بدر کے مقتولین کے سلسلہ میں معلومات حاصل کئے، پھر مشرکین کو انتقام لینے پر ابھارا، اور یہ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پھر جنگ کرو، اسی سلسلے میں آیت نازل ہوئی (کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنھیں کتاب کا کچھ حصہ ملا ہے، وہ جبت اور طاغوت) یہ دونوں کفارِ مکہ کے بت تھے (پر ایمان لاتے ہیں اور کافروں سے) یعنی ابوسفیان اور اس کے لوگوں سے، جبکہ انھوں نے یہودیوں سے پوچھا کہ یہ بتایئے کہ ہم لوگ بیت اللہ کے متولی ہیں، حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں، مہمانوں کی میزبانی کرتے ہیں، قیدیوں کو چھڑاتے ہیں، اور بھی دوسرے اچھے کام کرتے ہیں، تو ہم ہدایت پر ہیں یا یہ محمد ہدایت پر ہیں، جنھوں نے اپنے آباء واجداد کے دین کی مخالفت کی، رشتے ناتوں کو توڑا، اور حرم کو بھی چھوڑ دیا، بتایئے کون سیدھی راہ پر ہے، تو اس کے جواب میں وہ (کہتے ہیں کہ یہی لوگ) یعنی تم اور تمہارے حلقے والے (ایمان والوں سے زیادہ سیدھی راہ پر ہیں) یعنی ان کا راستہ زیادہ درست ہے (یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت برسائی، اور جس پر اللہ تعالیٰ لعنت برسا دیں اس کے لئے کوئی مددگار نہ پاؤ گے) جو عذاب سے اسے بچاوے (بلکہ کیا ان کے لئے ملک کا کوئی حصہ ہے) یعنی ان کے لئے کوئی حصہ

نہیں ہے، اور اگر کوئی حصہ ہوتا (تب تو وہ لوگوں کو کچھ نہ دیتے) یعنی اتنی معمولی چیز بھی نہ دیتے جو گٹھلی کی پشت پر چھوٹا سا گڈھا ہوتا ہے اس کے برابر بھی نہ دیتے، کیونکہ وہ سخت بخیل ہیں (بلکہ کیا یہ لوگوں سے) یعنی نبی ﷺ سے محض (اس بات پر حسد کرتے ہیں کہ اللہ نے انھیں اپنا فضل عطا کر رکھا ہے) یعنی نبوت اور ازواج کی کثرت، مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اس فضل کے زوال کی تمنا کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اگر یہ نبی ہوتے تو عورتوں سے اعراض کرتے (تو بلا شبہ ہم نے آل ابراہیم کو) جیسے موسیٰ اور داؤد اور سلیمان علیہم السلام کو (کتاب اور حکمت) یعنی نبوت (دی، اور انھیں ملک عظیم دیا) داؤد علیہ السلام کے پاس ننانوے بیویاں تھیں، حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس آزاد اور باندی کل ملا کر ایک ہزار عورتیں تھیں (پس ان میں سے بعض ان پر) یعنی محمد ﷺ پر (ایمان لائے، اور ان میں سے بعض نے اعراض کیا) پس ایمان نہیں لائے (اور ان کے لئے) یعنی جو لوگ ایمان نہیں لائے ان کے عذاب کے لئے (جہنم کافی ہے، بے شک جن لوگوں نے ہماری آیات کا انکار کیا، انھیں ہم آگ میں ڈالیں گے) جس میں وہ جلیں گے (جب بھی ان کی کھالیں جل چکیں گی، ہم ان کے بدلے میں دوسری کھال دیدیں گے) یعنی کھال کو پہلی حالت پر لوٹا دیں گے جو بن جلی ہوگی (تاکہ عذاب) کی شدت (کو چکھیں، بے شک اللہ تعالیٰ صاحب عزت) یعنی غلبہ والے ہین، ان کو کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی، اپنی مخلوق میں (صاحب حکمت ہیں، اور وہ لوگ جو ایمان لائے، اور جنھوں نے عمل صالح کئے، ہم انھیں ایسی جنتوں میں داخلہ عطا فرمائیں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ان میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے، ان میں ان کے لئے) حیض و نجاست سے (پاک بیویاں ہیں، اور ہم انھیں گھنی چھاؤں میں داخل کریں گے) جو دائم ہوگی، اسے سورج کی شعاعیں ختم نہ کریں گی، یہ سایہ جنت کا ہے (بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتے ہیں کہ امانتیں امانت والوں کو پہونچا دو) یعنی وہ حقوق جو تم پر امانت ہیں، یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کعبہ شریف کی کنجی عثمان بن طلحہ حجبی خادم کعبہ سے جبراً لے لی تھی، یہ اس وقت کی بات ہے جب رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے موقع پر مکہ تشریف لائے تھے، اور عثمان نے کنجی دینے سے انکار کر دیا تھا اور کہا تھا کہ مجھے اگر یہ یقین ہوتا کہ وہ اللہ کے رسول ہیں تو میں انکار نہ کرتا، پھر رسول اللہ ﷺ نے انھیں واپس دینے کا حکم فرمایا، اور ارشاد فرمایا کہ لو ہمیشہ ہمیش کے لئے، تو عثمان کو اس پر حیرت ہوئی، آپ نے مذکورہ بالا آیت کی تلاوت کی، پھر وہ مسلمان ہو گئے اور انھوں نے مرتے وقت اپنے بھائی شیبہ کے حوالے یہ کنجی کی، اب تک انھیں کی اولاد میں یہ کنجی ہے، آیت اگرچہ ایک خاص سبب پر نازل ہوئی ہے، مگر جمع کے قرینے سے اس کا عموم معتبر ہے (اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو) تمہیں حکم دیتے ہیں کہ (انصاف سے فیصلہ کرو، بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں اچھی نصیحت کرتے ہیں) یعنی امانت کے ادا کرنے اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے کی، نِعِمَّا اصل میں نعم ما ہے، نعم کے میم کا ما کے میم میں ادغام کر دیا گیا ہے، یہ ما نکرہ

موصوفہ ہے، یعنی نعم شیئاً (بے شک اللہ تعالیٰ) جو کچھ کہا جاتا ہے اس کے (سننے والے) اور جو کیا جاتا ہے اس کے (دیکھنے والے ہیں، اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، اور رسول کی اطاعت کرو، اور ان لوگوں کی، جو تم میں صاحب امر) یعنی حکام ووالی (ہیں) جب کہ وہ تم کو اللہ ورسول کی فرمانبرداری کا حکم دیں (پس اگر تم باہم کسی چیز میں اختلاف کرو، تو اس کو اللہ کے پاس) یعنی اللہ کی کتاب کے پاس (اور) رسول کی مدت حیات میں (رسول کے پاس) اور ان کے بعد ان کی سنتوں کے پاس (لے جاؤ) یعنی ان دو جگہوں سے اس کی تحقیق کرو (اگر تم اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو، یہ) یعنی معاملہ کو ان دونوں کے پاس لے جانا (تمہارے لئے) تنازع اور قول بالرائے سے (بہتر ہے اور انجام کار کے لحاظ سے عمدہ ہے)

تشریحات

نزل فی کعب بن اشرف: مدینہ کے یہودیوں میں کعب بن اشرف بڑا رئیس اور عالم تھا، مگر حضور اکرم ﷺ سے سخت عناد رکھتا تھا، غزوۂ بدر میں جب مسلمانوں کو فتح مبین حاصل ہوئی، تو اس کے سینے پر سانپ لوٹ گیا، وہ اپنے جرگے کو لے کر مکہ پہونچا اور کفارِ مکہ کو للکارا، غیرت دلائی، کہ تم لوگ اتنی بڑی تعداد ہوتے ہوئے شکست کھا گئے، اپنے ستّر آدمی کھودئے، چلو پھر سے تیاری کرو اور ان لوگوں سے انتقام لو، اس وقت کفار نے اس سے پوچھا کہ آپ تو صاحب علم ہیں، یہ بتائیے کہ ہم لوگ بیت اللہ کے متولی اور ذمہ دار ہیں، حاجیوں کی خدمت کرتے ہیں، ان کی مہمان نوازی کرتے ہیں، قیدیوں اور مجبوروں کو چھڑاتے ہیں اور فلاں فلاں کام کرتے ہیں، اور محمد (ﷺ) کا حال یہ ہے کہ انھوں نے اپنے آباء واجداد کے دین کی مخالفت کی، رشتہ داریوں میں پھوٹ ڈال دی، حرم کو چھوڑ کر دور چلے گئے، تو ہم ہدایت پر ہیں یا وہ؟ اس سوال کا جواب ان عالموں نے جو حق کو خوب جانتے پہچانتے تھے، صرف چاپلوسی میں، اور دلی بغض وعناد کی وجہ سے یہ دیا کہ نہیں آپ ہی لوگوں کا راستہ ہدایت کا راستہ ہے، اس واقعہ کے سلسلے میں آیت کریمہ نازل ہوئی۔

صنمان لقریش: مفسر نے فرمایا کہ جبت اور طاغوت قریش کے دو بتوں کے نام تھے، کعب وغیرہ نے کفارِ مکہ کی خوشامد میں ان دونوں بتوں کا سجدہ کیا تھا۔ ان دونوں کے معانی مفسرین نے اور دوسرے بھی بیان کئے ہیں، صحاح میں ہے کہ جبت ایسا کلمہ ہے جس کا اطلاق بت پر بھی ہوتا ہے، کاہن اور ساحر پر بھی ہوتا ہے، چنانچہ مفسرین کے اقوال میں ان سب کا تذکرہ ہے، اور طاغوت شیطان کو کہتے ہیں، بعض لوگوں نے کاہنوں کو بھی طاغوت کہا ہے، انسانوں کی صورت میں وہ شخص بھی طاغوت ہے جو شیطانی فیصلے کرتا ہے۔

﴿ام﴾ ﴿بل أ﴾ ﴿لهم﴾: ام حروف عطف میں ہے، یہ دو امر میں سے کسی ایک کی تعیین کے سوال کے لئے آتا ہے، اس کی دو قسمیں ہیں، ام متصلہ اور ام منقطعہ، ام متصلہ کے لئے ہمزۂ استفہام لازم ہے، دو امر میں سے ایک

ہمزۂ استفہام سے متصل ہوتا ہے، اور دوسرا ام سے، اور یہ دونوں امر ابہام میں مساوی ہوتے ہیں، ان میں سے ایک کی تعیین کا سوال ہوتا ہے، جیسے أزید فی الدار أم محمود ، سائل کو یہ معلوم ہے کہ دونوں میں سے کوئی ایک گھر میں ہے، لیکن اسے تعیین کا پتہ نہیں ہے، اس کے بارے میں وہ پوچھتا ہے، اس کا جواب تعیین سے ہوگا، مثلاً جواب ہوگا، زیدٌ۔

اور ام منقطعہ اضراب کے لئے ہے، بـــل کے معنی میں، اور شک کے لئے ہے ہمزۂ استفہام کے معنی میں، مثلاً انها لابل أم شاءٌ ، اس میں پہلے تو بالیقین کہا کہ یہ اونٹ ہیں، مگر پھر احساس ہوا کہ یہ غلط ہے تو اس سے اضراب کیا ہے، لیکن پھر کیا ہے، اس کا یقین نہیں ہے بلکہ شک ہے تو کہا ام شاءٌ یعنی بل أهی شاء بلکہ کیا یہ بکریاں ہیں۔

ام لهـم نـصـيـب مـن الـمـلک میں ام منقطعہ ہے، یہود بہت پاکباز بنتے تھے، اس سے اضراب کر کے سوال اٹھایا گیا ہے، کیا انھیں ملک اور حکومت کا کوئی حصہ مل گیا، لیکن اگر ایسا ہوتا تو یہ اس درجہ بخیل ہیں لوگوں کو ذرا سی بھی کوئی چیز نہ دیتے، یہ استفہام درحقیقت انکار کے لئے یعنی انھیں ملک اور حکومت کا کوئی حصہ نصیب نہیں ہے۔

﴿ ام ﴾ بـل أ ﴿ يـحـسـدون الـنـاس ﴾ : یہ بھی ام منقطعہ ہے، یہ دوسرا اضراب ہے، بلکہ کیا یہ لوگ حسد میں مبتلا ہیں، اور یہ استفہام تقریری ہے یعنی واقعی حسد میں مبتلا ہیں، انھیں نبی ﷺ سے حسد ہے، ان کو جلن ہے کہ انھیں کیوں نبوت ملی، کیوں مختلف خصوصیات ملیں، یہ دل سے چاہتے ہیں کہ یہ انعامات ان سے چھین لئے جاتے، حق تعالیٰ نے جواب دیا کہ ان کا حسد بہت برا ہے، آخر ان کے آباء واجداد مثلاً حضرت موسیٰ، حضرت داؤد، حضرت سلیمان علیہم السلام کو ہم نے کتاب دی، نبوت عطا فرمائی، اور بڑی بڑی حکومتیں دیں۔

کفیٰ بجهنم سعیراً : کفیٰ فعل ہے، بجهنم حرف باء کے اضافہ کے ساتھ فاعل ہے، سعیر اتمیز ہے یا حال ہے۔

بان تعاد الیٰ حالها الاول غیر محترقة : اہل جہنم جب آتش جہنم میں جل چکیں گے، تو فوراً ان کی کھالیں اور ان کے جسم تازہ ہو جائیں گے، تاکہ بار بار عذاب کی شدت کا احساس ہوتا رہے۔

مــاائتـمـن عـلـيـه من الحقوق : امانات سے مراد وہ حقوق ہیں، جو بطور امانت کے کسی کے ذمے ہیں، اس عبارت میں علـيـه ، ائتمن فعل مجہول کا نائب فاعل ہے، اور مـن الحقوق ما کا بیان ہے، یہ حقوق خواہ اللہ کے ہوں یا آدمیوں کے ہوں، ان کا تعلق عمل سے ہو یا قول سے ہو یا اعتقاد سے ہو، پھر حقوق اللہ عام ہیں، خواہ واجب ہوں، خواہ مستحب، اور حقوق العباد بھی عام ہیں، خواہ وہ مضمون ہوں یعنی ایسے ہوں کہ ان کے ضائع ہونے

سے ضمان لازم ہوتا ہے، یا غیر مضمون ہوں، یعنی ان کے ضائع ہونے سے ضمان لازم نہ ہوتا ہو۔

تفسیر خازن میں امانتوں کی تفصیل بہت عمدہ انداز سے بیان کی گئی ہے، مستحضر رکھنے کے لائق ہے، فرماتے ہیں کہ:

''**امانت کی تین قسمیں** ہیں۔اول اللہ کی عبادت اور حقوقِ بندگی میں امانت کی رعایت، مثلاً واجبات کا بجالانا، ممنوعات سے باز رہنا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ امانت ہر چیز میں لازم ہے، یہاں تک کہ وضو، غسل جنابت میں، نماز، روزے، زکوٰۃ اور تمام عبادتوں میں۔

دوسری قسم امانت کی رعایت خود اپنے نفس اور اپنی ذات کے اندر، اللہ تعالیٰ نے بندوں پر ان کی ذات کے اندر بہت سے احسانات کئے، بہتری قوتیں اس کے سپرد کی ہیں، ان میں سے ہر ایک امانت ہے، اور اس کا صحیح استعمال امانت داری ہے، مثلاً زبان کی امانت یہ ہے کہ جھوٹ، غیبت، چغلی وغیرہ وغیرہ سے اسے محفوظ رکھا جائے، آنکھ کی امانت یہ ہے کہ اسے حرام پر پڑنے سے بچایا جائے، کان کی امانت یہ ہے کہ اس کی غلط چیزوں کے سننے سے حفاظت کی جائے وغیرہ وغیرہ۔

تیسری قسم حقوق العباد میں امانت کی رعایت، ودیعت، عاریت وغیرہ کو وعدے کے مطابق ادا کرنا، ان میں خیانت نہ کرنا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں **أدّ الامانة الی من ائتمنک ولا تخن من خانک (اخرجه ابو داؤد والترمذی)** جس نے تمہارے پاس امانت رکھی اس کی امانت ادا کردو، اور اگر کسی نے تمہارے ساتھ خیانت کی تو تم مت خیانت کرو۔

اس تیسری قسم میں ناپ، تول کو پورا کرنا، ڈنڈی نہ مارنا بھی داخل ہے، اسی میں امراء وحکام کا عدل وانصاف بھی شامل ہے، اسی میں عوام کے حق میں علماء کا خیر خواہ ہونا بھی داخل ہے، یہ تمام چیزیں امانت ہیں، جن کی ادائیگی کا اللہ نے حکم دیا ہے، امام بغویؒ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی خطبہ دیتے، تو اس میں یہ ضرور فرماتے **لا ایمان لمن لا امانة له ولا دین لمن لا عهد له**، جس کے پاس امانت داری نہیں اس کے اندر ایمان نہیں، اور جسے عہد کی پاسداری نہیں اس کے پاس دین نہیں۔ (جمل)

نزلت لما اخذ علیؓ: اس آیت کا ایک خاص سبب نزول ہے، جس کو اختصار کے ساتھ مفسر نے بیان کیا ہے، تفسیر خازن کے حوالے سے صاحب فتوحاتِ الٰہیہ المعروف بالجمل نے اس کی تفصیل لکھی ہے، وہ یہ ہے کہ امام بغویؒ نے فرمایا کہ عثمان بن طلحہ الحجبی جن کا تعلق بنی عبدالدار سے تھا وہ کعبہ مکرمہ کے خادم تھے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے موقع پر حرم میں تشریف فرما ہوئے، تو عثمان خانہ کعبہ میں قفل بند کر کے چھت پر چڑھ گئے، آپ نے کنجی طلب کی، معلوم ہوا کہ وہ عثمان کے پاس ہے، ان سے کنجی مانگی گئی تو وہ کہنے لگے کہ اگر مجھے یقین ہوتا کہ یہ

اللہ کے رسول ہیں تو میں انکار نہ کرتا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کا ہاتھ اینٹھ کر کنجی چھین لی اور دروازہ کھول دیا، آپ کعبہ مشرفہ میں داخل ہوئے اور اندر نمازیں پڑھیں، جب آپ باہر آئے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آپ نے درخواست کی کہ کنجی انھیں دے دی جائے، اس طرح سقیا اور سدانۃ دونوں ان کے حق میں آجائیں، اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ آپ نے حضرت علی کو حکم دیا کہ کنجی عثمان کو واپس کردو اور ان سے معذرت بھی کرو، انھوں نے تعمیل ارشاد کی، عثمان نے کہا کہ پہلے تو تم زبردستی کی اور تکلیف پہونچادی اور اب آئے ہو نرمی کرنے، حضرت علی نے فرمایا تمہارے حق میں اللہ تعالیٰ نے قرآن اتارا ہے، اس لئے یہ بات ہورہی ہے، پھر انھوں نے اس آیت کی تلاوت کی، عثمان نے بے ساختہ کلمہ پڑھا اور مسلمان ہوگئے، انتقال کے وقت انھوں نے کنجی اپنے بھائی شیبہ کو دیا، اور آج تک انھیں کی اولاد میں کنجی رہتی ہے۔

الحجبی: یہ حجابت کی طرف نسبت ہے، خانۂ کعبہ کی خدمت کو سدانۃ بھی کہتے ہیں اور حجابت بھی، **سادن** بمعنی خادم، اس کی جمع **سدنة** ہے، کسی بھی مقدس اور مذہبی مقام کے خادم کو عربی میں سادِن کہا جاتا ہے۔

لما قدم الخ: فتح مکہ رمضان ۸ھ میں ہوا۔

هاک خالدة تالدة: یعنی **خذ هٰذه الخدمة خالدةً** یہ حال ہے، یعنی **مستمرةً الىٰ آخر الزمان**، **تالدةً اى قديمة متاصلة فيكم**۔

تالدة: بمعنی قدیم اور پرانا مال، اسی معنی میں **تليد** اور **تَلاد** بالفتح بھی ہے، اس کے مقابلے میں **طارف** اور **طريف** ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ایک معجزہ ہے کہ آپ نے انھیں ہمیشہ کے لئے کنجی دی، تو اب تک انھیں کے خاندان میں کنجی ہے اور قیامت تک رہے گی، اس میں یہ بھی بشارت ہے کہ اس خاندان کا تسلسل قیامت تک رہے گا۔

والآية وإن وردت على سبب خاص: یہ آیت اگرچہ ایک خاص سبب پر نازل ہوئی ہے، لیکن الفاظ چونکہ عام ہیں اس لئے حکم بھی عام ہوگا۔

﴿نعما﴾ فيه ادغام ميم نعم فى ما النكرة الموصوفة: نعم فعل مدح ہے، ما نکرہ موصوفہ ہے، صفت مابعد کا جملہ ہے، تقدیر عبارت یوں ہے: **نعم شيئاً يعظكم به**، اور وہ بہتر شے کیا ہے؟ امانت کا ادا کرنا اور انصاف کا فیصلہ کرنا۔

﴿واولى﴾ اصحاب ﴿الامر﴾ اى الولاة: اولوالامر سے مراد وہ لوگ ہیں جو صاحب امر ہیں، جن کے ہاتھ میں حکومت کی باگ ڈور ہے، وہ حکام ہیں، اور ان کے نائبین یعنی قضاۃ و عاملین، بعض لوگوں نے کہا

ہے کہ اس میں علماء شرع بھی داخل ہیں، چنانچہ دوسری جگہ ارشاد ہے: وَلَوْ رُدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ (سورۃ النساء:۸۳) اس آیت میں اولوا الامر سے مراد علماء ہی ہیں، چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور حسن بصری اور عطاء بن ابی رباح سے یہی منقول ہے۔

إذا أمروكم بطاعة الله ورسوله: اس کا تعلق اولوا الامر سے ہے، ان کی فرمانبرداری اللہ اور رسول کی اطاعت میں ہوگی، اگر وہ کسی صریح نافرمانی کا حکم دیں تو اس میں اطاعت ضروری نہیں۔

الیٰ کتابه: تنازع کی صورت میں اللہ کے پاس لے جانے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم میں اس کا حکم تلاش کیا جائے۔ قرآن کے محکمات میں اگر حکم مل جائے، پھر کافی ہے۔

والرسول مدة حياته: رسول کی جانب اس معاملہ کو لے جانے کی صورت یہ ہے کہ اگر یہ اختلاف آپ کی حیات میں ہو، تو آپ سے براہ راست پوچھ لیں، جیسا کہ حضراتِ صحابہ کیا کرتے تھے، اور آپ کی وفات کے بعد ہو، تو آپ کی سنت میں اس کا حکم تلاش کیا جائے۔

خير لكم من التنازع والقول بالرای: اللہ ورسول کے حضور کسی معاملہ مختلف فیہ کو پیش کرنا، تنازع سے اور اپنی رائے سے فیصلہ کرنے سے بہتر ہے۔ مفسر کی اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ خیر اسم تفضیل ہے، اپنے اصل معنی میں استعمال ہوا ہے، اور اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ تنازع میں اور قول بالرائے میں بھی کچھ خیر ہو، لیکن اس کے مقابلے میں اللہ ورسول کے حضور پیش کرنے میں زیادہ خیر ہے، جبکہ یہ بات نہیں ہے، تنازع وغیرہ میں سرے سے خیر نہیں ہے، اس لئے تفضیل والا معنی مناسب نہیں ہے۔

﴿مضامین آیات وتفسیر﴾

یہود بھی عجیب قوم ہے، اپنی مطلب برآری کے لئے یہ کسی کے ساتھ بھی مل کر ساز باز کر سکتی ہے۔ کعب بن اشرف یہودیوں میں بڑا عالم اور رئیس تھا، اس نے دیکھا کہ بدر میں کفار شکست کھا گئے ہیں تو اسے بڑا رنج ہوا، وہ تعزیت کے لئے ایک قافلہ لے کر مکہ پہونچ گیا اور کفارِ مکہ سے ہمدردی ظاہر کی، انھیں انتقام لینے کے واسطے بھڑکایا اور کافروں کو خوش کرنے کی باتیں کیں، اس مسئلہ میں وہ اتنی دور نکل گیا کہ صریح کفر وشرک کو اسلام وتوحید سے اور کافروں اور مشرکوں کو مسلمانوں سے افضل بتایا، اور حد یہ کردی کہ جبت وطاغوت یعنی بتوں کے سامنے سجدہ بھی کیا، اللہ نے ان ناکردنیوں کی وجہ سے ان پر لعنت کی، اور خدا کی لعنت کے بعد کون ان کا حامی وناصر ہوسکتا ہے۔

جہالت کا تو یہ حال ہے اور بخل کا یہ عالم ہے کہ اگر انھیں حکومت وسلطنت کا کوئی حصہ مل جائے، کسی کو اس

کا ذرا سا حصہ بھی دینا گوارا نہ کریں گے، اس کے باوجود جو کفارِ مکہ کو جنگ کرنے کی ترغیب دیتے ہیں اور کامیابی پر حکومت و شوکت کا لالچ دلاتے ہیں درحقیقت یہ حسد کی کرشمہ سازی ہے، ان کا دل نبی ﷺ کے اور مسلمانوں کے حق میں حسد سے بھرا ہوا ہے، کہ اللہ نے انھیں نبوت وغیرہ کی نعمتوں سے کیوں نوازا، تو ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ اس سے پہلے بھی آل ابراہیم کو نوازا جا چکا ہے، آخر یہ لوگ بھی ان نعمتوں سے مدتوں بہرہ ور رہے ہیں، تو آج اگر آل ابراہیم کی ایک دوسری شاخ میں وہ نعمت آگئی ہے، تو اس میں حسد کی کیا بات ہے۔

تو ان میں سے کچھ تو نبی ایمان لائے، اور بہتوں نے ان سے اعراض کیا، ان اعراض کرنے والوں کے لئے جہنم کی سزا کافی ہے، اور کفار جن کا ہماری آیات پر ایمان نہیں ہے یہ جہنم کی مخلوق ہیں، وہاں ان پر مسلسل عذاب ہوگا، ایک مرتبہ بدن جل جائے گا تو دوبارہ اسی بدن اور چمڑے کا اعادہ کیا جائے گا تاکہ عذاب کی سنگینی مسلسل باقی رہے، حق تعالیٰ سب پر غلبہ بھی رکھتے ہیں اور حکمت والے بھی ہیں۔ اور جو لوگ ایمان و عمل صالح سے متصف ہیں، انھیں حق تعالیٰ ایسی جنتوں میں داخلہ نصیب فرمائیں گے جن میں عالی شان محل بھی ہوں گے، ان کے نیچے جا بجا نہریں بہہ رہی ہوں گے، ان میں ان کا قیام ابدی ہوگا، نہایت پاکیزہ اور ستھری بیویاں ہوں گی اور لازوال سایہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے کہ امانتیں امانت والوں کو ادا کردو، اور جب لوگوں کے درمیان کسی معاملہ میں فیصلہ کرو تو عدل و انصاف کا فیصلہ کرو، یہودیوں کی طرح نہیں کہ حسد اور کینہ کے جذبہ سے ناحق غلط باتیں کرنے لگ جاؤ، یہ ایک بہترین حکم ہے، جو اللہ کی طرف سے تم کو عطا ہو رہا ہے، اس کی قدر کرو۔ اللہ تعالیٰ سمیع وبصیر ہے، تو کوئی خیانت ان سے چھپی رہ سکتی ہے نہ بے انصافی کی بات ان سے اوجھل ہو سکتی ہے۔

اے ایمان والو! تمہارا کام یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت کرو، رسول کی اطاعت کرو اور جو تم لوگ تم میں صاحب امر ہیں، جب وہ اللہ و رسول کی اطاعت پر تمہیں لے چلیں تو ان کی اطاعت کرو، اور اگر کسی مسئلہ میں تمہارے درمیان نزاع ہو جائے کہ وہ حکم خدا و رسول کے مطابق ہے یا نہیں؟ تو اللہ سے پوچھو، یعنی قرآن کریم میں اسے تلاش کرو، رسول سے پوچھو، جب تک تم ان کے سامنے ہو تو ان سے براہ راست دریافت کرلو، اور اگر وہ تمہارے درمیان نہ ہوں، تو ان کی سنت اور طریقے کو حکم بناؤ۔ ان کی حدیثوں سے فیصلہ حاصل کرلو، یہی ایمان کا تقاضا ہے، یہ بات تمہارے حق میں بہتر ہے، اور اس کا انجام بہت بھلا ہے۔

☆☆☆☆☆

نزل لمّا إختصم یهودی و منافق فدعا المنافق الی کعب بن الاشرف لیحکم بینهما و دعا الیهودی الی النبی ﷺ فاتیاه فقضی للیهودی فلم یرضَ المنافق و أتیاه عمر ؓ

فذکر له الیهودی ذٰلک فقال أکذٰلک قال نعم فقتله ﴿ أَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ أَنَّهُمْ آمَنُوْا بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْکَ وَمَاأُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ يُرِيْدُوْنَ أَنْ يَّتَحَاكَمُوْا اِلَى الطَّاغُوْتِ ﴾ کثیر الطغیان وهو کعب بن الاشرف ﴿ وَقَدْ اُمِرُوْا أَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ﴾ ولایوالوه ﴿ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ أَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلَالاً بَعِيْداً ﴾ عن الحق ﴿ وَإِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَاأَنْزَلَ اللهُ ﴾ فی القرآن من الحکم ﴿ وَاِلَى الرَّسُوْلِ ﴾ لیحکم بینهم ﴿ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ ﴾ یعرضون ﴿ عَنْکَ ﴾ إلیٰ غیرک ﴿ صُدُوْداًo فَكَيْفَ ﴾ یصنعون ﴿ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ﴾ عقوبة ﴿ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيْهِمْ ﴾ من الکفر والمعاصی ای أیقدرون علی الاعراض والفرار منها؟ لا ﴿ ثُمَّ جَاءُوْکَ ﴾ معطوف علیٰ یصدون ﴿ يَحْلِفُوْنَ بِاللهِ إِنْ ﴾ ما ﴿ أَرَدْنَا ﴾ بالمحاکمة إلیٰ غیرک ﴿ إِلَّا إِحْسَاناً ﴾ صلحا ﴿ وَّتَوْفِيْقاً ﴾ تالیفا بین الخصمین بالتقریب فی الحکم دون الحمل علیٰ مُرّ الحق ﴿ اُوْلٰئِکَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللهُ مَافِيْ قُلُوْبِهِمْ ﴾ من النفاق وکذبهم فی عذرهم ﴿ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ ﴾ بالصفح ﴿ وَعِظْهُمْ ﴾ خوفهم الله ﴿ وَقُلْ لَهُمْ فِيْ ﴾ شان ﴿ اَنْفُسِهِمْ قَوْلاً بَلِيْغاً ﴾ مؤثراً فیهم ای ازجرهم لیرجعوا عن کفرهم ﴿ وَمَاأَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ إِلَّا لِيُطَاعَ ﴾ فیما یامر به ویحکم ﴿ بِإِذْنِ اللهِ ﴾ بأمره لایعصی ویخالف ﴿ وَلَوْأَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوْا أَنْفُسَهُمْ ﴾ بتحاکمهم الی الطاغوت ﴿ جَاءُوْکَ ﴾ تائبین ﴿ فَاسْتَغْفَرُوْا اللهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ ﴾ فیه التفات عن الخطاب تفخیماً لشانه ﴿ لَوَجَدُوْا اللهَ تَوَّاباً ﴾ علیهم ﴿ رَحِيْماً ﴾ بهم ﴿ فَلَاوَرَبِّکَ ﴾ لا زائدة ﴿ لَايُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْکَ فِيْمَا شَجَرَ ﴾ إختلط ﴿ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَايَجِدُوْا فِيْ أَنْفُسِهِمْ حَرَجاً ﴾ ضیقاً أو شکاً ﴿ مِّمَّاقَضَيْتَ ﴾ به ﴿ وَيُسَلِّمُوْا ﴾ ینقادوا لحکمک ﴿ تَسْلِيْماً ﴾ من غیر معارضة ﴿ وَلَوْ أَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ أَنْ ﴾ مفسرة ﴿ اقْتُلُوْا أَنْفُسَكُمْ أَوِاخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ ﴾ کما کتبنا علیٰ بنی إسرائیل ﴿ مَافَعَلُوْهُ ﴾ ای المکتوب علیهم ﴿ إِلَّا قَلِيْلٌ ﴾ بالرفع علی البدل والنصب علی الاستثناء ﴿ مِنْهُمْ وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَايُوْعَظُوْنَ بِهٖ ﴾ من طاعة الرسول ﴿ لَكَانَ خَيْراً لَّهُمْ وَأَشَدَّ تَثْبِيْتاً ﴾ تحقیقا لایمانهم ﴿ إِذاً ﴾ ای لو ثبتوا ﴿ لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِنْ لَّدُنَّا ﴾ من عندنا ﴿ أَجْراً عَظِيْماً ﴾ هو الجنة ﴿ وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطاً مُسْتَقِيْماً ﴾ قال بعض الصحابة للنبی ﷺ کیف نرٰک فی الجنة وأنت فی الدرجات العلیٰ ونحن اسفل منک فنزل ﴿ وَمَنْ يُّطِعِ اللهَ وَالرَّسُوْلَ ﴾ فیما أمرا به ﴿ فَاُوْلٰئِکَ مَعَ الَّذِيْنَ أَنْعَمَ اللهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ ﴾ افاضل اصحاب الانبیاء لمبالغتهم فی الصدق والتصدیق ﴿ وَالشُّهَدَاءِ ﴾ القتلیٰ فی سبیل

اللہ﴾ ﴿وَالصَّالِحِیْنَ﴾ غیر ماذکر ﴿وَحَسُنَ اُوْلٰئِکَ رَفِیْقاً﴾ رفقاء فی الجنة بان یستمتع فیھا برویتھم وزیارتھم والحضور معھم و إن کان مقرھم فی درجاتٍ عالیةٍ بالنسبة إلیٰ غیرھم ﴿ذٰلِکَ﴾ ای کونھم مع من ذکر مبتدأ خبرہ ﴿الْفَضْلُ مِنَ اللہِ﴾ تفضل بہ علیھم لا أنھم نالوہ بطاعتھم ﴿وَکَفیٰ بِاللہِ عَلِیْماً﴾ بثواب الآخرة فثقوا بما أخبرکم بہ ولا ینبئک مثل خبیر۔

﴿ ترجمہ ﴾

ایک یہودی اور ایک منافق کے درمیان کسی معاملہ مین نزاع ہوا، منافق نے کعب بن اشرف کے پاس چلنے کی دعوت دی کہ وہ فیصلہ کرے، یہودی نے نبی کریم ﷺ کے پاس حاضری کی دعوت دی، پھر دونوں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے یہودی کے حق میں فیصلہ صادر فرمایا، منافق اس پر راضی نہیں ہوا، پھر دونوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں گئے، یہودی نے ساری صورت حال بتائی، حضرت عمر نے منافق سے دریافت فرمایا کیا یہ صحیح ہے؟ اس نے کہا ہاں! اس پر حضرت عمر نے اس منافق کو قتل کر دیا، تب یہ آیت نازل ہوئی (کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کا خیال یہ ہے کہ ان کا ایمان اس پر بھی ہے جو تم پر اتارا گیا، اور اس پر بھی ہے جو تم سے پہلے اتارا گیا، وہ چاہتے ہیں کہ نزاع کو طاغوت کے پاس لے جائیں) جو بڑا سرکش ہے، اور وہ کعب بن اشرف ہے (حالانکہ انھیں حکم دیا گیا ہے کہ وہ اس کا انکار کریں) اور اس سے محبت و دوستی کا تعلق نہ رکھیں (اور شیطان چاہتا ہے کہ انھیں) حق سے (بہت دور بھٹکا کر لے جائے o اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو کچھ اللہ نے اتارا ہے) یعنی وہ فیصلہ جو قرآن میں اللہ نے اتارا ہے (اس کی طرف آؤ اور رسول کے پاس آؤ) تاکہ وہ تمہارے درمیان فیصلہ کریں (تو تم دیکھتے ہو کہ منافقین تم سے اعراض کرتے ہیں) اور دوسرے کے پاس جانا چاہتے ہیں o تو کیا حال ہوگا) یعنی کیا کریں گے (اگر ان کے ہاتھوں کے کرتوت کی وجہ سے) یعنی کفر و معاصی کی وجہ سے (کوئی مصیبت ان پر آن پڑی) یعنی کیا اس سے بھی اعراض اور فرار اختیار کر سکتے ہیں؟ نہیں (پھر وہ تمہارے پاس آتے ہیں) یہ جملہ یصدون پر معطوف ہے (اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم نے) آپ کے علاوہ کے پاس فیصلہ لے جا کر فریقین کے درمیان (بجز احسان) یعنی صلح (اور موافقت کے کسی اور بات کا ارادہ نہیں کیا ہے) تاکہ فریقین کو کچھ قریب کر دیا جائے، انھیں حق کے کڑوے گھونٹ پینے پر مجبور نہ کیا جائے (یہ وہ لوگ ہیں کہ جو کچھ) اس معذرت میں نفاق اور جھوٹ (ان کے دلوں میں ہے اللہ تعالیٰ اسے جانتے ہیں پس ان سے اعراض) یعنی درگزر (کرو، اور انھیں نصیحت کرو) اللہ سے ڈراؤ (اور ان سے ان کے بارے میں بلیغ بات کہو) جو ان میں موثر ہو، یعنی انھیں زجر کرو تاکہ وہ اپنے کفر سے رجوع کریں (اور ہم نے جو کوئی رسول بھیجا وہ اسی لئے کہ) جو کچھ وہ حکم دے اور جس بات کا فیصلہ کرے اس میں (اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے) نہ کہ اس کی

نافرمانی اورمخالفت کی جائے (اور اگر ایسا ہوتا کہ جب انھوں نے) طاغوت کے پاس مقدمہ لے جا کر (اپنی جان پرظلم کیا تو) توبہ کرتے ہوئے (تمہارے پاس آئے ہوتے، پس اللہ سے مغفرت چاہتے اوررسول ان کے لئے استغفار کرتے) اس میں رسول کی عظمت شان ظاہر کرنے کے لئے خطاب سے غائب کی جانب التفات ہے (تو اللہ کو) اپنے اوپر (مہربانی کرنے والا، رحم کرنے والا پاتے ٥ پس نہیں! قسم ہے تمہارے رب کی) لا زائد ہے (وہ مومن نہ ہوں گے جب تک وہ اپنے مشاجرات میں تم کو فیصل نہ بنائیں، پھر جو فیصلہ تم کرو اس کے متعلق وہ اپنے دلوں میں کوئی حرج) یعنی کوئی تنگی یا شک (محسوس نہ کریں، اور کامل طور سے) تمہارے فیصلے کو بغیر معارضہ کے (تسلیم نہ کرلیں ٥ اور اگر ہم ان کے اوپر فرض کردیتے کہ) ان مفسرہ ہے (کہ اپنے آپ کو قتل کرو، یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ) جیسا کہ ہم نے بنی اسرائیل پر فرض کیا تھا (تو یہ کام نہ کرتے) جو ان پر فرض کیا گیا ہے (بجز ان میں سے تھوڑے لوگوں کے) قلیلٌ بدلیت کے باعث مرفوع ہے اور استثنا کی بنا پر منصوب بھی ہے (اور اگر وہ اس کام کو کرلیتے جس کی نصیحت انھیں کی جاتی ہے) یعنی رسول کی فرمانبرداری کرتے (تو ان کے لئے بہتر ہوتا، اور) ان کے ایمان کو (زیادہ پختہ کرنے والا ہوتا اور تب) یعنی اگر وہ پختگی ثابت کردیں تو (ہم انھیں اپنے پاس سے اجر عظیم دیں گے) وہ جنت ہے (اور ہم ان کو سیدھی راہ کی ہدایت دیں گے)

بعض صحابہ نے عرض کیا کہ جنت میں ہم لوگ آپ کو کس طرح دیکھ پائیں گے، جبکہ آپ اونچے مقام پر ہوں گے اور ہم لوگ آپ سے نیچے ہوں گے تو یہ آیت نازل ہوئی (اور جو اللہ ورسول کی) ان احکام میں (اطاعت کرتا ہے تو یہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے، جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء، صدیقین) انبیاء علیہم السلام کے بہت خاص برگزیدہ اصحاب، بہت زیادہ سچے ہونے اور تصدیق کرنے کی وجہ سے انھیں صدیق کہا جاتا ہے (اور شہداء) جو اللہ کے راستے میں قتل ہوئے ہیں، اور ان مذکورہ لوگوں کے علاوہ (صالحین) کے ساتھ ہوں گے (اور یہ لوگ بہترین رفیق ہیں) جنت میں، کہ ان کی دید و زیارت اور ان کی خدمت میں حاضری کا فائدہ حاصل ہوتا رہے گا، اگرچہ ان کے درجات دوسروں کے مقابلے میں بلند ہوں گے (یہ) یعنی ان کا مذکورہ اصحاب کے ساتھ ہوتا۔ یہ مبتدا ہے اس کی خبر یہ ہے (اللہ کی جانب سے فضل ہے) جو ان پر حق تعالیٰ نے کیا ہے، یہ نہیں کہ انھوں نے اپنی طاعات کے ذریعے اسے حاصل کیا ہو (اور اللہ تعالیٰ) ثواب آخرت کے (جاننے والے کافی ہیں) یعنی جو کچھ خبر دی ہے اس پر اطمینان رکھو، جو باخبر ہے اس کے مثل کون اطلاع دے سکتا ہے۔

تشریحات

یعرضون: صد یصد کے معنی روکنے اور باز رکھنے کے ہیں، لیکن یہاں اس کے معنی اعراض کرنے کے ہیں۔

معطوف علیٰ یصدون: ثم جاؤک کا عطف یصدون پر ہے، یعنی اول تو رسول کے پاس معاملہ لے

جانے سے اعراض کرتے ہیں، اس کے بعد آ کر اس اعراض کی حکمت اور مصلحت بیان کرتے ہیں، اور قسمیں کھاتے ہیں کہ اصل وجہ رسول کے پاس نہ آنے کی یہ ہے کہ رسول کھرا کھرا حق کا فیصلہ کریں گے، تو ہوسکتا ہے کہ یہ غیر مذہب والا ہے، اسے گراں گزرے اور اسلام ہی سے وحشت کرے، اور فلاں کے پاس جائیں گے تو کچھ لے اور کچھ دے کے اصول پر موافقت اور مصالحت پیدا کردا ے گا۔

من النفاق و کذبهم فی عذرهم: ان کی یہ معذرت اور اعراض کی حکمت درحقیقت نفاق اور جھوٹ پر مبنی ہے، اور اسے اللہ تعالیٰ جانتے ہیں، لیکن اس جھوٹ کے کھلنے کے بعد بھی پیغمبر کو حکم دیا گیا کہ ان کے ساتھ شریفانہ برتاؤ رکھا جائے اور ان کی شرارتوں سے قطع نظر درگزر کا ہی معاملہ کیا جائے، اور انھیں سمجھایا جائے شاید انھیں نصیحت ہو۔

التفات عن الخطاب: **واستغفر لهم الرسول** غیبت کا صیغہ ہے، جبکہ **ولو أنهم إذ جاؤک** میں خطاب کا صیغہ ہے، یہ صنعت التفات ہے، اور اس پیرایۂ بیان میں نبی کی عظمت شان ظاہر ہوتی ہے۔

﴿**فلا وربک**﴾ **لا زائدة**: مفسر نے فرمایا کہ لا زائد ہے، صاحب جمل نے لکھا ہے کہ اس مسئلے میں چار اقوال ہیں۔ (۱) پہلا قول یہ ہے کہ **فلا وربک لا یومنون** میں پہلا لا کلام مقدم کی تردید کے لئے ہے، اس کی تقدیر یوں ہوگی **فلا یفعلون وربک لا یومنون الخ** یا یہ کہ **لیس الامر کما یزعمون من انهم آمنوا بما انزل الیک**، پھر اس کے بعد **وربک لا یومنون** جملہ مستانفہ ہے اور لا پر وقف تام ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ پہلا لا اہتمام نفی کے لئے قسم پر مقدم کیا گیا ہے، پھر تاکید کے لئے اسے مکرر لایا گیا ہے، اس صورت میں پہلے لا کو ساقط کرسکتے تھے اور نفی کا معنی باقی رہتا لیکن اہتمام مذکور پر دلالت نہ ہوتی، اور دوسرے لا کو بھی ساقط کرنا صحیح ہوتا اور اہتمام کا معنی بھی باقی رہتا لیکن نفی پر دلالت نہ ہوتی، اس لئے دونوں کو اکٹھا کیا۔ تیسرا قول یہ ہے کہ دوسرا لا زائد ہے اور صرف نفی اور منفی کے درمیان قسم لائی گئی ہے، تقدیر عبارت یہ ہے: **فلا یومنون وربک** ہے۔ چوتھا قول یہ ہے کہ پہلا لا زائد ہے اور دوسرا زائد نہیں ہے، اور یہ زمخشری کا قول ہے، چنانچہ انھوں نے فرمایا ہے کہ لا معنی قسم کی تاکید کے لئے زائد ہے جیسا کہ **لئلا یعلم** میں لا زائد ہے، وجوب علم کی تاکید کرتا ہے اور جواب قسم لا یومنون ہے (جمل)

إختلط: یہ تفسیر شَجَرَ کی ہے، جس طرح شجر میں شاخیں ایک دوسرے کے اندر داخل ہوجاتی ہین اسی طرح اشکال اور التباس کی حالت میں معانی اور مرادات مخلوط ہوجاتے ہیں، اس لئے اس کی تعبیر شَجَرَ سے کی گئی ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ نے حضرات صحابہ کے اختلافات کے بیان کا ادب سکھایا کہ انھیں نزاع یا تفرق نہ قرار دے کر مشاجرت سے تعبیر کیا جائے کہ جیسے ایک درخت کی چند شاخیں باہم الجھنے کے باوجود ایک ہی درخت کی رہتی ہیں،

ان کے اس الجھاؤ کو مذموم نہیں قرار دیا جاتا، اسی طرح حضراتِ صحابہ کے اختلافات کو بھی اس نظر سے نہیں دیکھنا چاہئے جو متحارب ومتضاد گروپوں کے درمیان ہوتا ہے۔

من غیر معارضة : تسلیماً کی شرح میں اس لفظ کو بڑھا کر مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ نبی کے حکم پر کسی طرح کا معارضہ ایمان کامل کے خلاف ہے۔

ای المکتوب علیهم : یہ لفظ مافعلوہ کی ضمیر مفعولی کا مرجع ہے جو " **ولو انا کتبنا علیهم ان اقتلو انفسکم او اخرجو من دیارکم** " سے سمجھا جاتا ہے، اور یہ دو چیزیں قتل نفس اور خروج من الدیار، بنی اسرائیل پر مقرر کی گئی تھیں، اگر یہ چیزیں منافقین پر مسلط کی جاتیں تو اس کی تعمیل میں انھیں سرگرانی ہوتی۔

بالرفع علی البدل و النصب علی الاستثناء : قلیلٌ میں دو قرأت ہے، اول یہ کہ مرفوع ہو، اسی صورت میں فعلوا کی ضمیر فاعلی سے بدل ہے، دوسرے یہ کہ نصب ہو تب یہ مستثنیٰ ہے۔

افاضل اصحاب الانبیاء لمبالغتهم فی الصدق و التصدیق : یہ صدیقین کی شرح ہے، یہ انبیاء کے مخصوص اصحاب ہیں اور ان کا سینہ مشکوٰۃ نبوت کا آئینہ ہوتا ہے جو بات انبیاء کے قلب صافی پر آتی ہے اس کا ٹھیک عکس ان کے سینوں میں آتا ہے، یہ حضرات قوتِ علمیہ اور قوتِ یقینیہ میں عین انبیاء کے زیر قدم ہوتے ہیں، ان کو صدیق اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ صدق اور تصدیق میں اعلیٰ مقام پر فائز ہوتے ہیں۔

﴿والشهداء﴾ القتلیٰ فی سبیل الله : انبیاء کے مخصوص حضرات میں انبیاء کے بعد شہداء ہیں، شہید وہ ہوتا ہے جو قوتِ عملیہ میں نبی کے زیر قدم ہوتا ہے، اور اس کی آخری انتہا یہ ہے کہ اپنی متاعِ زندگی نبی کے قدموں پر نثار کردے، گویا اس نے اپنی جان کے ذریعے نبی کی صداقت کی شہادت دے دی۔

﴿والصالحین﴾ غیر ماذکر : صالحین کا لفظ پچھلے تینوں گروہوں کو شامل ہے، چنانچہ قرآن میں انبیاء کو بھی صالحین میں شمار کیا گیا ہے، لیکن خاص اس مقام میں صالحین سے مراد انبیاء وصدیقین وشہداء کے علاوہ دوسرے اہل ایمان مراد ہیں جو ایمان کے اور تقاضوں میں درجۂ کمال رکھتے ہیں۔

تفضل به علیهم : یہ **ذٰلک الفضل من الله** کی تفسیر ہے یعنی جو لوگ اللہ ورسول کی اطاعت کرتے ہیں ان کا ان اکابر وافاضل کی معیت میں ہونا ان کا اپنا ذاتی کمال نہیں ہے بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا احسان ہے اور اللہ ہی کو یہ خوب معلوم ہے کہ ثوابِ آخرت کس کے حق میں کیا ہے، اس لئے علمی یا عملی کسی طاعت پر آدمی کو اعتماد کرنے کے بجائے اللہ کے فضل کا امیدوار رہنا چاہئے۔

﴿مضامین آیات وتفسیر﴾

اللہ کا حکم ہے کہ اپنے تمام معاملاتِ دینی یا دنیوی میں اللہ اور اس کے رسول کو فیصل بنائیں۔ رسول اللہ

ﷺ کے زمانے میں ایک یہودی کے درمیان اور ایک نام نہاد مسلمان کے درمیان کسی مسئلے پر نزاع ہوا۔ یہودی جانتا تھا کہ حق میرے ساتھ ہے اور انصاف رسول اللہ ﷺ کے پاس ملے گا، اور یہ بات منافق کو بھی معلوم تھی، وہ بھی سمجھتا تھا کہ انصاف بارگاہِ نبوت میں ملے گا، منافق نے یہ چاہا کہ معاملہ کعب بن اشرف یہودی کے پاس لے جایا جائے تاکہ کھرے انصاف کے بجائے لیپا پوتی سے کام چلے۔ یہودی نے مجبور کیا کہ حضور ﷺ کے پاس مقدمہ پیش کیا جائے، منافق نے شرما حضوری میں قبول تو کر لیا مگر بارگاہِ نبوت کے فیصلے کے بعد اس نے ایک پیچ یہ لگایا کہ عمر فاروقؓ کے پاس چلا جائے، اس کو شاید یہ خیال ہوا کہ عمر فاروق پارٹی کا پاس رکھیں گے۔ یہودی نے یہ بات حضرت عمر سے کہہ سنائی، انھوں نے اس منافق سے اس کی تصدیق چاہی اس نے ہاں کہہ دی، حضرت عمر گھر میں گئے اور تلوار لا کر اس کی گردن قلم کر دی اور فرمایا جو حضور کے فیصلے پر راضی نہ ہو اس کا فیصلہ میں یہی کرتا ہوں، اس پر منافقین نے بہت واویلا مچایا تب اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر کی تائید نازل فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ ذرا ان لوگوں کو دیکھو جن کا دعویٰ تو یہ ہے کہ وہ اللہ کے اتارے ہوئے احکامات پر ایمان رکھتے ہیں مگر دل کا حال یہ ہے کہ طاغوت کے پاس مقدمہ لے جانا چاہتے ہیں، حالانکہ انھیں حکم ہے کہ اس سے بچتے رہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ شیطان ان کو لمبی گمراہی میں ڈالنا چاہتا ہے، جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو کچھ اللہ نے اتارا ہے اس پر آؤ اور رسول کے پاس چلو تو تم دیکھتے ہو کہ منافقین کو بڑی رکاوٹ ہوتی ہے، اچھا تو اس وقت کیا کریں گے جب ان پر ان کے کرتوتوں کی وجہ سے کوئی عذاب اور مصیبت آن پڑے گی، کیا تب بھی بھاگیں گے؟ پھر یہ تمہارے پاس آتے ہیں اور قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں ہم جو فلاں کے پاس گئے تو اس لئے گئے کہ آپس میں مصالحت ہو جائے اور نرے حق کی تلخی پر مجبور نہ ہونا پڑے، ان کی یہ بات محض فریب ہے ان کے دلوں میں جو نفاق اور جھوٹ چھپا ہوا ہے اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتے ہیں۔ ان سے چشم پوشی کرو اور انھیں نصیحت کرو، اور انھیں ایسی باتیں سناؤ جن سے متاثر ہوں، اور ہم نے جو کوئی رسول بھیجا تو اسی لئے بھیجا کہ اللہ کے حکم سے اس کے اوامر و احکام کی اطاعت کی جائے، اس لئے نہیں بھیجا ہے کہ اس کی مخالفت اور نافرمانی کی جائے، اور اگر کبھی کسی سے ایسی غلطی ہو جائے پھر وہ تائب ہو کر تمہارے پاس آئیں اور اللہ سے معافی مانگیں اور رسول بھی ان کے لئے معافی مانگیں تو یقیناً وہ اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا اور مہربان پائیں گے، لہٰذا وہ بات نہیں جو یہ سمجھتے ہیں، تمہارے پروردگار کی قسم ان کا ایمان اس وقت تک کامل نہ ہوگا جب تک ایسا نہ ہو کہ اپنے مشاجرات میں تم کو یہ حَکَم بنائیں اور تمہارے فیصلے پر دل و جان سے راضی ہوں اور کسی طرح کی کوئی تنگی اور بے اطمینانی نہ پائیں، لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ اگر ہم ان پر یہ بات فرض کر دیتے کہ اپنے آپ کو قتل کر و یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ جیسا کہ بنی اسرائیل پر ایک وقت میں فرض کیا تھا تو اکثر لوگ اس کی بجا آوری نہ کرتے، ہاں تھوڑے سے لوگ اس کی تعمیل کرتے، اور جس بات کی

انھیں نصیحت کی جاتی ہے یعنی رسولِ خدا کی اطاعت کرتے تو ان کے لئے بہتر ہوتا اوران کا ایمان پختہ ہوتا اور تب ہم اپنے پاس سے انھیں اجر عظیم عطا فرماتے یعنی جنت، اور انھیں سیدھے راستے کی ہدایت دیتے۔

بعض صحابہ نے دربارِ نبوت میں عرض کیا کہ یہاں تو ہم آپ سے جب چاہتے ہیں مل لیتے ہیں اور آپ کی زیارت کرلیتے ہیں، جنت میں آپ درجاتِ عالیہ پر فائز ہوں گے اور ہم نیچے درجات میں ہوں گے وہاں آپ سے ملاقات کیونکر ہوگی۔ اس پر حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ اللہ ورسول کی اطاعت کرتے ہیں وہ اللہ کے ان بندوں کے ساتھ ہوں گے جن پر خدا نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء وصدیقین وشہداء وصالحین کے ساتھ، اور یہ لوگ جنت کے بہترین رفیق ہیں، یہ اللہ کا ایک فضل ہے جو خدا نے اپنے بندوں پر کیا ہے اور اللہ ہی خوب جاننے والا ہے۔

☆☆☆☆☆

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ﴾ من عدوكم اى احترزوا منه وتيقظوا له ﴿فَانْفِرُوْا﴾ انهضوا الىٰ قتاله ﴿ثُبَاتٍ﴾ متفرقين سرية بعد اخرىٰ ﴿أَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعاً﴾ مجتمعين ﴿وَإِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ﴾ ليتاخرن عن القتال كعبد الله بن اُبى المنافق وأصحابه وجعله منهم من حيث الظاهر واللام فى الفعل للقسم ﴿فَإِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ﴾ كقتل وهزيمة ﴿قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ إِذْ لَمْ أَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْداً﴾ حاضراً فأصاب ﴿وَلَئِنْ أَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِنَ اللّٰهِ﴾ كفتح وغنيمة ﴿لَيَقُوْلَنَّ﴾ نادماً ﴿كَأَنْ﴾ مخففة واسمها محذوف اى كأنه ﴿لَمْ تَكُنْ﴾ بالياء والتاء ﴿بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُ مَوَدَّةٌ﴾ معرفة وصداقة وهٰذا راجع الىٰ قوله قد انعم الله على اعتراض به بين القول ومقوله وهو ﴿يَا﴾ للتنبيه ﴿لَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَأَفُوْزَ فَوْزاً عَظِيْماً﴾ آخذ حظاً وافراً من الغنيمة ﴿قَالَ﴾ تعالىٰ ﴿فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ لإعلاء دينه ﴿الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ﴾ يبيعون ﴿الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ﴾ يستشهد ﴿أَوْيَغْلِبْ﴾ يظفر بعدوه ﴿فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْراً عَظِيْماً﴾ ثوابا جزيلا ﴿وَمَالَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ﴾ استفهام توبيخ اى لامانع لكم من القتال ﴿فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ﴾ فى تخليص ﴿الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ﴾ الذين حبسهم الكفار عن الهجرة وآذوهم قال ابن عباسؓ كنتُ أنا وأمى منهم ﴿الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ﴾ داعين ﴿يَا رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ﴾ مكة ﴿الظَّالِمِ أَهْلُهَا﴾ بالكفر ﴿وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَدُنْكَ﴾ من عندك ﴿وَلِيًّا﴾ يتولى امورنا ﴿وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيْراً﴾ يمنعنا منهم وقد استجاب الله دعاء هم فَيَسَّرَ لبعضهم الخروجَ وبقى

بعضهم الیٰ أن فتحت مكة وولّی ﷺ علیهم عَتّاب بن اَسِید فانصف مظلومهم من ظالمهم ﴿اَلَّذِیْنَ آمَنُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللهِ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ الطَّاغُوْتِ﴾ الشیطان ﴿فَقَاتِلُوْا أَوْلِیَاءَ الشَّیْطَانِ﴾ انصار دینه تغلبوهم لقوتكم بالله ﴿إِنَّ كَیْدَ الشَّیْطٰنِ﴾ بالمومنین ﴿كَانَ ضَعِیْفاً﴾ واهیاً لایقاوم كید الله بالكافرین۔

﴿ تـــرجمـــہ ﴾

(اے ایمان والو!) اپنے دشمن سے (اپنی احتیاط کا سامان لے لو) یعنی ان سے بچاؤ رکھو اور ان کے لئے ہوشیار رہو (پس نکلو) یعنی ان سے لڑنے کے لئے تیار ہو کر اٹھو (ٹکڑے ہو کر) یعنی متفرق ہو کر یکے بعد دیگرے سریہ کی شکل میں (یا سب مل کر نکلو، اور بے شک تم میں سے بعض وہ ہیں جو) جنگ سے (سستی کرتے ہیں) جیسے عبداللہ بن اُبی منافق اور اس کے اصحاب، اور ان کو اہل ایمان میں سے قرار دینا ظاہر کے اعتبار سے ہے، اور لیبطـئـن میں لام قسم کے لئے ہے (پس اگر تم کو کوئی مصیبت پہونچتی ہے) جیسے قتل و ہزیمت (تو کہتے ہیں کہ اللہ نے میرے اوپر انعام فرمایا کہ میں ان کے ساتھ حاضر نہ تھا) ورنہ میں بھی مصیبت میں پڑتا (اور اگر تم کو اللہ کا کوئی فضل پہونچتا ہے) جیسے فتح اور غنیمت، اور لــئـــن میں لام قسم کا ہے (تو یہ شخص) شرمندہ ہو کر (کہتا ہے گویا تمہارے اور اس کے درمیان کوئی دوستی اور تعلق نہیں ہے) کأن مخففہ ہے اس کا اسم محذوف ہے یعنی کـانـه، لم یکن میں دو قرأت ہے تاء اور یاء کے ساتھ، اور کـان لـم یکن بینکم و بینه کا تعلق قـد انعم الله عَلَیَّ سے ہے، جس کو قول اور اس مقولے کے درمیان لائے ہیں، اور وہ مقولہ یہ ہے: یـالیتـنـی، یاء تنبیہ کے لئے ہے (اے کاش! میں ان کے ساتھ ہوتا تو بڑی کامیابی حاصل کرتا) یعنی مال غنیمت کا بڑا حصہ حاصل کرتا، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا (پس چاہئے کہ اللہ کے راستے میں) اس کے دین کو بلند کرنے کیلئے (وہ لوگ لڑیں جو دنیاوی زندگی کو آخرت کے عوض میں بیچتے ہیں اور جو کوئی اللہ کے راستے میں لڑتا ہے پس شہید ہوتا ہے یا غالب آتا ہے) یعنی دشمن پر قابو پاتا ہے (تو ہم عنقریب اسے اجر عظیم عطا کریں گے، اور تمہیں کیا ہوا کہ تم اللہ کے راستے میں اور ان کمزور مردوں اور عورتوں اور بچوں کے) نجات دلانے کے سلسلے میں (نہیں لڑتے) یہ استفہام توبیخ کے لئے ہے یعنی تمہارے لئے لڑنے سے کوئی رُکاوٹ نہیں ہونی چاہئے، جن کو کفار نے ہجرت سے روک رکھا ہے اور ان کو ایذا دیتے ہیں، حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں میں اور میری ماں انھیں مستضعفین میں سے تھے (جو) دعا کرتے ہوئے (کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار! ہم کو اس آبادی سے) یعنی مکہ سے (نجات دیجئے جس کے رہنے والے ظالم ہیں) یعنی کفر کے ارتکاب کی وجہ سے (اور ہمارے لئے اپنے پاس سے ایک کارساز مقرر کر دیجئے) جو ہمارے کاموں کا ذمہ دار ہو (اور ہمارے لئے اپنے پاس سے ایک مددگار متعین کر دیجئے) جو ہم کو ان سے بچائے،

اور اللہ نے ان کی یہ دعا قبول فرمائی، چنانچہ بعض کے لئے نکلنا آسان فرمایا اور بعض فتح مکہ تک وہیں رہے اور رسول اللہ ﷺ نے عتاب بن اسید کو مکہ کا والی مقرر کیا انھوں نے ظالموں اور مظلوموں کے درمیان انصاف قائم کیا (وہ لوگ جو ایمان لائے وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا وہ طاغوت) یعنی شیطان (کی راہ میں لڑتے ہیں تو تم شیطان کے حامیوں سے) یعنی اس کے دین کے مددگاروں سے (لڑو، تم ان پر غالب ہوگے) کیونکہ اللہ کی طاقت تم کو حاصل ہے (بے شک) اہل ایمان کے ساتھ (شیطان کی سازش کمزور ہے) جو کافروں کے حق میں اللہ کی خفیہ تدبیر کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔

﴿تشریحات﴾

خذوا حذرکم: حِذْر اور حَذَر ایک معنی میں ہے، یہ مصدر ہے اور کلام میں مبالغہ کیلئے ہے، گویا مصدر ہی کو سامانِ حفاظت قرار دیا اور بعض لوگوں نے کہا کہ حِذْر سامانِ حفاظت کو کہتے ہیں۔

انھضوا الیٰ قتالہ: یہ انفروا کی تفسیر ہے، نفر کے معنی گھبرا کر نکلنے کے ہیں، اس سے مراد جنگ کے لئے تیار ہوکر نکلنا ہے۔

متفرقین سریۃ بعد اخریٰ: یہ ثُبات کی تفسیر ہے۔ ثُبات، ثبت کی جمع ہے جس کے معنی جماعت کے ہیں جو دس آدمی سے زائد ہوں، اور سریہ وہ جماعت ہے جو کم سے کم سو ہوں اور زیادہ سے زیادہ چار سو۔ یہاں ثُبات کی تفسیر میں سریہ کا لفظ لاکر مفسر نے اشارہ کیا کہ اس سے مطلق جماعت مراد ہے بلا لحاظ تعداد کے۔

لیتاخرن عن القتال: لمن لیبطئن کی تفسیر میں اس لفظ کا لانا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ فعل لازم ہے۔

وھٰذا راجع الیٰ قولہ قد انعم اللہ علی الخ: اس سے مراد کأن لم یکن بینکم و بینہ مودۃ ہے، اس کا تعلق جیسا کہ مفسر نے فرمایا قد انعم اللہ علی سے ہے، گویا عبارت یوں ہے: فان اصابتکم مصیبۃ قال کأن لم یکن بینکم و بینہ مودۃ قد انعم اللہ علی إذ لم أکن معھم شھیداً، لیکن اس کو اس جگہ سے ہٹا کر بعد والے قول اور مقولہ کے درمیان میں جملہ معترضہ بنایا گیا ہے اور یوں کہا گیا: ولئن أصابکم فضل من اللہ لیقولن کأن لم یکن بینکم و بینہ مودۃ یالیتنی کنت معھم فافوز فوراً عظیماً، اس ہٹانے کا غالباً منشا یہ ہے کہ اس جملہ معترضہ کا معنوی تعلق دونوں قول سے رہے یعنی جب مسلمانوں پر کوئی مصیبت آتی ہے تب بھی یہ اپنے آپ کو بے تعلق ثابت کرنا چاہتے ہیں اور جب ان پر اللہ کا فضل ہوتا ہے تب بھی یہ اپنے آپ کو بے تعلق محسوس کرتے ہیں، گویا ان کو خوشی اور رنج کسی حال میں مسلمانوں سے قلبی تعلق نہیں ہوتا اور یہ ان کے کمالِ شقاوت کی دلیل ہے۔

﴿الذین یشرون﴾ یبیعون: مفسر نے شراء کو بیع کے معنی میں مراد لیا ہے، یعنی وہ لوگ جو آخرت کی قیمت پر

دنیا کی زندگی فروخت کردیتے ہیں اس سے مراد اہل ایمان ہیں۔

﴿مضامین آیات وتفسیر﴾

اس رکوع میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو جہاد کی ترغیب دی ہے اور احتیاط کی تدابیر بتائی ہیں، نیز کمزور مسلمانوں کی خبر گیری اور نصرت کا حکم دیا ہے، چنانچہ فرمایا ہے کہ اے ایمان والو! اپنی حفاظت کا سامان ہمیشہ کئے رہو اور جیسی ضرورت ہو خواہ متفرق طور سے خواہ اجتماعی طور سے دشمنانِ دین سے جنگ کرنے کیلئے نکلتے رہو، اور تم میں سے کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو اس باب میں سستی کرتے ہیں، ان کا حال یہ ہے کہ اگر تم پر کوئی مصیبت آتی ہے یا تم پر اللہ کا کوئی فضل ہوتا ہے تو دونوں حالتوں میں وہ اپنی بے تعلقی برقرار رکھنا چاہتے ہیں، کوئی مصیبت آتی ہے تو کہتے ہیں کہ اللہ کا انعام ہوا کہ ہم ساتھ نہ تھے ورنہ ہم بھی مصیبت میں گرفتار ہوتے، اور جب کوئی فضل ہوتا ہے تو کہتے ہیں کاش ہم بھی ساتھ ہوتے تو ہم کو بھی اس فضل میں حصہ ملتا، گویا مسلمانوں کے رنج سے انھیں کوئی رنج نہیں بلکہ خوشی ہوئی ہے اور مسلمانوں کے خوشی سے انھیں کوئی خوشی نہیں بلکہ اپنی محرومی پر افسوس ہونے لگتا ہے، پھر فرمایا کہ اللہ کے راستے میں اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے ان لوگوں کو جہاد کرنا چاہئے جو آخرت کے عوض میں دنیاوی زندگی کو فروخت کرنا چاہتے ہیں، پھر جو کوئی اللہ کے راہ میں لڑتا ہے پھر خواہ شہید ہو جائے یا غالب آجائے اسے ہم اجر عظیم عطا فرمائیں گے، اور تمہیں اس میں کیا رکاوٹ ہے کہ اللہ کے راستے میں اور کمزور مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کے نجات دلانے میں جنگ کرو، جو کمزور لوگ مسلسل دعا کرتے رہتے ہیں اے ہمارے رب! ہم کو اس ظلم وستم کی بستی سے نجات عطا فرمایئے اور ہمارا کوئی حامی وناصر کھڑا کر دیجئے جو ہم کو ان کے ظلم وستم سے بچائے، پھر اللہ نے یہ دعا قبول فرمائی اور مکہ فتح ہو گیا، خوب سمجھ لینا چاہئے کہ یہ دو جماعتیں ہیں، ایک ایمان والے وہ اللہ کے لئے لڑتے ہیں، دوسرے کفار ہیں جو شیطان کے لئے لڑتے ہیں تو حکم ہے کہ شیطان کے حامیوں سے تم لڑو، شیطان کی تدبیر اللہ کی تدبیر کے مقابلے میں کچھ نہیں ہے پس غلبہ تمہیں کو ہوگا۔

☆☆☆☆☆

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْا اَيْدِيَكُمْ﴾ عن قتال الكفار لما طلبوه بمكة لأذى الكفار لهم وهم جماعة من الصحابة ﴿وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ فَلَمَّا كُتِبَ﴾ فرض ﴿عَلَيْهِمُ الْقِتَالَ إِذَا فَرِيْقٌ مِنْهُمْ يَخْشَوْنَ﴾ يخافون ﴿النَّاسَ﴾ الكفار أى عذابهم بالقتل ﴿كَخَشْيَةِ﴾ هم عذاب ﴿اللهِ أَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً﴾ من خشيتهم له ونصب أشد على الحال وجواب لما دل عليه إذا ومابعدها اى فاجأتهم الخشية ﴿وَقَالُوْا﴾ جزعاً من الموت ﴿رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ لَوْلَا﴾ هلا ﴿أَخَّرْتَنَا إِلٰى أَجَلٍ قَرِيْبٍ قُلْ﴾ لهم ﴿مَتَاعُ الدُّنْيَا﴾

مایتمتع به فیها اوالاستمتاع بها ﴿ قَلِیۡلٌ ﴾ آئل الی الفنا﴿ والۡآخِرَةُ ﴾ ای الجنة ﴿خَیۡرٌ لِمَنِ اتَّقٰی﴾ عذاب الله بترک معصیته﴿وَلاتُظۡلَمُوۡنَ﴾بالیاء والتاء تنقصون من اعمالهم ﴿فَتِیۡلاً ﴾ قدر قشرة النواة ﴿ أَیۡنَما تَکُوۡنُوۡا یُدۡرِکۡکُمُ الۡمَوۡتُ وَلَوۡکُنۡتُمۡ فِیۡ بُرُوۡجٍ ﴾ حصون ﴿مُشَیَّدَةٍ﴾ مرتفعة فلا تخشوا القتال خوف الموت ﴿ وَإِنۡ تُصِبۡهُمۡ ﴾ ای الیهود﴿ حَسَنَةٌ﴾ خصب وسعَة ﴿ یَقُوۡلُوۡا هٰذِهٖ مِنۡ عِنۡدِ اللهِ وَإِنۡ تُصِبۡهُمۡ سَیِّئَةٌ ﴾جدب وبلاء کماحصل عند قدوم النبی ﷺ المدینة ﴿ یَقُوۡلُوۡا هٰذِهٖ مِنۡ عِنۡدِکَ﴾ یا محمد ای بشومک ﴿ قُلۡ﴾ لهم ﴿ کُلٌّ﴾ من الحسنة والسیئة ﴿ مِنۡ عِنۡدِ اللهِ﴾ من قِبَلِهٖ ﴿ فَمَالِ هٰؤُلَاءِ الۡقَوۡمِ لَایَکَادُوۡنَ یَفۡقَهُوۡنَ﴾ ای لایقاربون أن یفهموا﴿حَدِیۡثاً ﴾ یُلقیٰ إلیهم وما استفهام تعجیب من فرط جهلهم ﴿مَاأَصَابَکَ﴾ ایها الانسان﴿ مِنۡ حَسَنَةٍ ﴾ خیرٍ ﴿فَمِنَ اللهِ﴾ أتتک فضلاً منه ﴿وَمَاأَصَابَکَ مِنۡ سَیِّئَةٍ ﴾ بلیة ﴿فَمِنۡ نَفۡسِکَ﴾ أتتک حیث ارتکبت مایستوجبهامن الذنوب﴿ وَأَرۡسَلۡنٰکَ﴾ یا محمد ﴿ لِلنَّاسِ رَسُوۡلاً ﴾ حال مؤکدة ﴿وَکَفیٰ بِاللهِ شَهِیۡداً﴾ علیٰ رسالتک ﴿مَنۡ یُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ أَطَاعَ اللهَ وَمَنۡ تَوَلّٰی﴾ أعرض عن طاعته فلایهمنک ﴿ فَمَا أَرۡسَلۡنٰکَ عَلَیۡهِمۡ حَفِیۡظاً ﴾ حافظاً لاعمالهم بل نذیراً وإلینا أمرهم فنجازیهم وهٰذا قبل الامر بالقتال ﴿ وَیَقُوۡلُوۡنَ﴾ ای المنافقون إذا جاء وک أمرنا ﴿طَاعَةٌ ﴾ لک ﴿ فَإِذَا بَرَزُوۡا﴾ خرجوا﴿ مِنۡ عِنۡدِکَ بَیَّتَ طَائِفَةٌ مِنۡهُمۡ ﴾ بادغام التاء فی الطاء وترکه ای أضمرت ﴿ غَیۡرَ الَّذِیۡ تَقُوۡلُ﴾ لک فی حضورک من الطاعة ای عصیانک ﴿ وَاللهُ یَکۡتُبُ﴾ یامر بکتب ﴿ مَایُبَیِّتُوۡنَ ﴾ فی صحائفهم لیجازوا علیه ﴿فَأَعۡرِضۡ عَنۡهُمۡ﴾ بالصفح ﴿ وَتَوَکَّلۡ عَلَی اللهِ ﴾ ثِق به فانه کافیک ﴿وَکَفیٰ بِاللهِ وَکِیۡلاً ﴾ مفوضاالیه ﴿ أَفَلا یَتَدَبَّرُوۡنَ﴾ یتاملون ﴿الۡقُرۡآنَ﴾ ومافیه من المعانی البدیعة ﴿ وَلَوۡکَانَ مِنۡ عِنۡدِ غَیۡرِ اللهِ لَوَجَدُوۡا فِیۡهِ اخۡتِلَافاً کَثِیۡراً﴾ تناقضا فی معانیه وتباینا فی نظمه ﴿ وَإِذَاجَاءَ هُمۡ اَمۡرٌ ﴾ عن سرایا النبی ﷺ بما حصل لهم ﴿ مِنَ الۡاَمۡنِ ﴾ بالنصر ﴿ أَوِ الۡخَوۡفِ ﴾ بالهزیمة ﴿ أَذَاعُوۡا بِهٖ ﴾ أفشوه نزل فی جماعةٍ من المنافقین أو ضعفاء المومنین کانوا یفعلون ذٰلک فتضعف قلوب المومنین ویتاذی النبی ﷺ ﴿ وَلَوۡ رَدُّوۡهُ ﴾ ای الخبر ﴿ اِلَی الرَّسُوۡلِ وَاِلیٰ اُوۡلِی الۡاَمۡرِ مِنۡهُمۡ ﴾ ای ذوی الرای من اکابر الصحابة ای لو سکتوا عنه حتیٰ یخبروا به﴿ لَعَلِمَهُ ﴾ هل هو ممایبنغی أن یذاع أو لا ﴿ الَّذِیۡنَ یَسۡتَنۡبِطُوۡنَهٗ﴾ یتتبعونه ویطلبون علمه وهم المذیعون﴿ مِنۡهُمۡ﴾ من

الرسول واولی الامر ﴿ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْكُمْ ﴾ بالاسلام ﴿ وَرَحْمَتُهٗ ﴾ لكم بالقرآن ﴿ لَا تَّبَعْتُمُ الشَّیْطٰنَ ﴾ فیما یامركم به الفواحش ﴿ إِلَّا قَلِیْلاً o فَقَاتِلْ ﴾ یامحمد ﴿ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ لَا تُكَلَّفُ إِلَّا نَفْسَكَ ﴾ فلا تهتم بتخلفهم عنك المعنی قاتِلْ ولو وحدك فإنك موعود بالنصر ﴿ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴾ حثهم علی القتال ورغّبهم فیه ﴿ عَسَی اللّٰہُ أَنْ یَّكُفَّ بَاسَ ﴾ حرب ﴿ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَاللّٰہُ أَشَدُّ بَأْساً ﴾ منهم ﴿ وَأَشَدُّ تَنْكِیْلاً ﴾ تعذیبا منهم فقال النبی ﷺ والذی نفسی بیده الاخرجن ولووحدی فخرج بسعین راكباً الیٰ بدر الصغری فكف اللّٰہ باس الكفار بإلقاء الرعب فی قلوبهم ومَنْعِ ابی سفیان عن الخروج كما تقدم فی آل عمران ﴿ مَنْ یَّشْفَعْ ﴾ بین الناس ﴿ شَفَاعَةً حَسَنَةً ﴾ موافقة للشرع ﴿ یَكُنْ لَّهٗ نَصِیْبٌ ﴾ من الاجر ﴿ مِنْهَا ﴾ بسببها ﴿ وَ مَنْ یَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَیِّئَةً ﴾ مخالفة له ﴿ یَكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ ﴾ نَصِیْبٌ مِنَ الْوِزْرِ ﴿ مِنْهَا ﴾ بسببها ﴿ وَكَانَ اللّٰہُ عَلیٰ كُلِّ شَیْءٍ مُّقِیْتاً ﴾ مقتدراً فیجازی كل أحد بما عمل ﴿ وَإِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّةٍ ﴾ كان قیل لكم سلام علیكم ﴿ فَحَیُّوْا ﴾ المحییَ ﴿ بِاَحْسَنَ مِنْهَا ﴾ بان تقولوا له وعلیك السلام ورحمة اللّٰہ وبركاته ﴿ أَوْ رُدُّوْهَا ﴾ بان تقولوا كما قال ای الواجب أحدهما والاوّل أفضل ﴿ اِنَّ اللّٰہَ عَلیٰ كُلِّ شَیْءٍ حَسِیْباً ﴾ محاسباً فیجازی علیه ومنه ردّالسلام وخصت السنةُ الكافرَ والمبتدعةَ و الفاسق والمسلم علیٰ قاضی الحاجة ومن فی الحمام والآكل فلایجب الردّ علیهم بل یكره فی غیر الاخیر ویقال للكافر وعلیك ﴿ اَللّٰہُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ﴾ واللّٰہ ﴿ لَیَجْمَعَنَّكُمْ ﴾ من قبوركم ﴿ إِلیٰ ﴾ فی ﴿ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ لَارَیْبَ ﴾ شك ﴿ فِیْهِ وَمَنْ ﴾ ای لاأحد ﴿ أَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ حَدِیْثاً ﴾ قولا۔

﴿ ترجمہ ﴾

(کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن سے کہا گیا) کہ کفار کی جنگ سے (اپنے ہاتھوں کو روکو) یہ اس وقت ہوا تھا جب انھوں نے مکہ میں اس کا مطالبہ کیا تھا، کیونکہ کفار انھیں تکلیف پہونچاتے تھے اور یہ حضرات صحابہ کی ایک جماعت تھی (اور نماز کو قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو، پھر جب ان پر لڑائی لکھ دی گئی) یعنی فرض کر دی گئی (تو ایسا ہوا کہ ان میں سے ایک فریق لوگوں سے) یعنی کفار سے یعنی ان کے قتل کے عذاب سے (اس طرح ڈرنے لگا جیسے کہ اللہ) کے عذاب (سے ڈرا جاتا ہے یا اس سے بھی زیادہ ڈرنا) اَشَدَّ کا نصب حال کی بنا پر ہے، اور لَمَّا کے جواب پر إذا اور اس کا مابعد دلالت کرتا ہے یعنی اچانک ان پر خوف طاری ہوگیا (اور انھوں نے) موت سے گھبرا کر (کہا اے ہمارے پروردگار! آپ نے ہم پر لڑائی کیوں فرض کر دی، آپ نے ہم کو ایک قریبی

مدت تک مہلت کیوں نہ دی تم) ان سے (کہو کہ دنیا کی متاع) یعنی وہ سامان جس سے دنیا میں فائدہ اٹھایا جاتا ہے یا یہ کہ دنیا سے فائدہ اٹھانا (قلیل ہے) یعنی فنا ہونے والا ہے (اور آخرت) یعنی جنت (ان لوگوں کے لئے جو) اللہ کے عذاب سے (ڈرتے ہیں) اور معصیت ترک کر دیتے ہیں (بہتر ہے، اور تم پر گٹھلی کے چھلکے کے بقدر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا) یعنی تمہارے اعمال میں کمی نہیں کی جائے گی، **لاتظلمون** میں دو قرأت ہے تاء کے ساتھ بھی اور یاء کے ساتھ بھی، پس تم جہاد کرو (جہاں بھی تم ہوگے موت تم کو آلے گی اگرچہ تم اونچے قلعوں میں ہو) اس لئے موت کے خوف کی وجہ سے جنگ کرنے سے نہ ڈرو (اور اگر ان کو) یعنی یہود کو (کوئی بھلائی) یعنی شادابی اور وسعتِ مال (ملتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر ان کو کوئی برائی) یعنی قحط سالی اور مصیبت (پہونچتی ہے) جیسا کہ نبی کریم ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کے وقت ہوا تھا (تو کہتے ہیں کہ) اے محمد! (یہ تمہاری طرف سے ہے) تمہاری نحوست سے ہے (تم) ان سے (کہہ دو کہ) بھلائی اور برائی میں سے (ہر ایک اللہ ہی کی طرف سے ہے، پس ان لوگوں کو کیا ہوا کہ بات سمجھنے کے قریب تک نہیں آتے ہیں) جو ان سے کہی جاتی ہے، اور **ما** ان کے فرطِ جہل کی وجہ سے استفہام تعجب ہے اور مقاربت فعل کی نفی نفس فعل کی نفی سے بلیغ تر ہے، اے انسان! (جو بھی بھلائی تم کو پہونچتی ہے وہ اللہ کی طرف سے) اس کے فضل سے آتی (ہے اور جو تکلیف تم کو پہونچتی ہے وہ تمہاری ذات کی طرف سے) آتی (ہے) کیونکہ تم نے ان گناہوں کا ارتکاب کیا ہے جو تکلیف کا موجب ہیں، اور اے محمد! (ہم نے تم کو لوگوں کے لئے رسول بنا کر بھیجا ہے) **رسولاً** حال موکدہ ہے (اور) تمہاری رسالت پر (اللہ کافی گواہ ہے، جو کوئی رسول کی اطاعت کرتا ہے بلاشبہ اس نے اللہ کی اطاعت کی، اور جو کوئی) اس کی طاعت سے (روگردانی کرتا ہے) تو تم اس کی فکر میں نہ پڑو (ہم نے تم کو ان کے اوپر) ان کے اعمال کا نگراں بنا کر نہیں بھیجا ہے) بلکہ نذیر بنا کر بھیجا ہے، ان کا معاملہ ہمارے ذمہ ہے ہم انھیں بدلہ دیں گے، اور یہ امر بالقتال سے پہلے ہے (اور) منافقین جب تمہارے پاس آتے ہیں، تو (کہتے ہیں کہ) ہمارا کام آپ کی (اطاعت ہے پھر جب تمہارے سے باہر نکلتے ہیں تو ان میں سے ایک گروہ اس کے علاوہ اپنے دل میں بات چھپائے ہوتا ہے جو) تم سے تمہارے سامنے (کہی ہوتی ہے) یعنی طاعت کے خلاف نافرمانی، **بَيَّتَ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ** میں دو قرأت ہے، اول تاء کا ادغام طاء میں یعنی **بَيَّتْ طَّائِفَةٌ مِنْهُمْ**، اور دوسرے بغیر ادغام کے یعنی **بَيَّتَ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ** (اور اللہ لکھتا ہے) یعنی لکھنے کا حکم دیتا ہے (اس چیز کو جو وہ چھپاتے ہیں) ان کے نامۂ اعمال میں تاکہ اس پر بدلہ دیا جائے (پس ان سے اعراض کرو) درگزر کر کے (اور اللہ ہی پر بھروسہ کرو) وہ تم کو کافی ہے (اور اللہ کافی ہے وکیل ہونے کے لحاظ سے) یعنی اس لحاظ سے کہ سب کام اسی کے سپرد کر دئے جائیں (کیا یہ لوگ قرآن پر) اور ان معانی بدیعہ پر جو قرآن میں ہیں (غور نہیں کرتے، اور اگر یہ غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو اس میں

بڑا اختلاف پاتے) یعنی معانی میں تناقض اور عبارتوں میں تباین ہوتا (اور جب ان کے پاس) نبی کریم ﷺ کے سریّوں کے سلسلہ میں کوئی خبر آتی ہے جس سے وہ دوچار ہوئے (امن کی ہو) یعنی فتح کی (یا خوف کی ہو) یعنی شکست کی (تو اس کو پھیلاتے ہیں) یہ آیت منافقین کی ایک جماعت کے بارے میں نازل ہوئی ہے یا بعض ضعفاء مسلمین کے بارے میں جو ایسا کیا کرتے تھے، اس سے اہل ایمان کے قلوب میں کمزوری آتی تھی اور نبی ﷺ کو ایذا پہونچتی تھی (اور اگر یہ لوگ اس) خبر (کو رسول کی جانب یا ان میں سے اولوالامر کی جانب) یعنی اکابر صحابہ میں اصحاب الرائے کی جانب (پہونچادیتے) اور خود اس سے خاموش رہتے یہاں تک کہ وہ اس کی خبر دیتے (تو وہ لوگ جو اس کا علم چاہتے ہیں) اور اس کے پیچھے پڑتے ہیں (جان لیتے) کہ اس کا پھیلانا مناسب ہے یا نہیں، اور یہ وہی لوگ ہیں جو افواہیں اڑاتے ہیں (ان کے واسطے سے) یعنی رسول اور اولوالامر کے واسطے سے (اور اگر تم پر) اسلام کے ذریعے سے (اللہ کا فضل اور) قرآن کے ذریعہ سے (اللہ کی رحمت نہ ہوتی تو تم) ان فواحش میں (شیطان کی ضرور پیروی کر لیتے) جن کا وہ تم کو حکم دیتے ہیں (بجز چند لوگوں کے، پس) اے محمد! (اللہ کے راستے میں لڑو، تم کو تمہاری ذات کے علاوہ کسی کا مکلّف نہیں بنایا گیا ہے) لہٰذا اپنے سے ان کے ہٹ جانے کی کوئی فکر نہ کرو، مطلب یہ ہے کہ تم لڑو اگرچہ تنہا ہو، اس لئے کہ تم سے فتح و نصرت کا وعدہ ہے (اور مومنین کو بھی لڑائی پر آمادہ کرو) اور انھیں ترغیب دو (قریب ہے کہ اللہ ان لوگوں کی جنگ کو روک دے جنھوں نے کفر کیا اور اللہ) ان سے (زیادہ پکڑ کرنے والا اور سزا دینے والا ہے) پھر نبی ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے میں ضرور نکلوں گا اگرچہ تنہا نکلوں، پھر آپ کے ساتھ ستّر سوار بدر صغریٰ کی جانب نکلے اور اللہ نے کفار کے قلوب میں رعب ڈال کر اور ابوسفیان کو نکلنے سے روک کر جنگ نہیں ہونے دی) جیسا کہ آل عمران میں گزر چکا (جو کوئی) لوگوں کے درمیان (اچھی سفارش کرے) یعنی شریعت کے مطابق (اس کیلئے) اس کی وجہ سے اجر کا (حصہ ہے، اور جو کوئی بری سفارش کرے) شریعت کے خلاف (اس کے لئے) اس کی وجہ سے گناہ کا (ایک حصہ ہے اور اللہ ہر چیز پر قدرت والا ہے o) پس ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ دے گا (اور جب تم سے کسی لفظ سے سلام کیا جائے) مثلاً تم سے کہا جائے **سلامٌ علیکم** (تو تم) اس سلام کرنے والے کو (اس سے بہتر لفظ سے سلام کرو) مثلاً اس سے کہو **علیک السلام ورحمة اللّٰه وبرکاته** (یا اسی کو لوٹا دو) یعنی جو کچھ اس نے کہا ہے وہی کہہ دو، دونوں باتوں میں سے ایک واجب ہے اور اوّل افضل ہے (بے شک اللہ ہر چیز پر محاسب ہیں o) یعنی اس پر بدلہ دیں گے، اور اسی میں سلام کا جواب بھی ہے، اور سنت نے کافر کو، بدعتی کو، فاسق کو اور قضائے حاجت کرنے والے کے سلام کرنے والے کو اور اس شخص کو جو حمام میں ہے اور جو کھانا کھا رہا ہے خاص کیا ہے، ان کے سلام کا جواب دینا واجب نہیں ہے بلکہ اخیر کے علاوہ کو جواب دینا مکروہ ہے، اور کافر سے

کہا جائے گا وعلیک (اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں) اور اللہ کی قسم (وہ تم کو) تمہاری قبروں سے (قیامت کے دن ضرور جمع کریں گے اس میں کوئی شبہ نہیں، اور اللہ سے بڑھ کر بات کا سچا کون ہے؟) یعنی کوئی نہیں ہے۔

﴿تشریحات﴾

وھم جماعۃ من الصحابۃ: مکہ مکرمہ میں جب کفار کی ایذا رسانی حدِ برداشت سے باہر ہوگئی تو بعض حضراتِ صحابہ نے رسول اللہ ﷺ سے ان کے خلاف لڑنے اور مرنے کی اجازت چاہی، اس موقع پر آپ نے فرمایا کہ ابھی اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو، مکہ زندگی کے تیرہ سال میں حضراتِ صحابہ کو صبر و برداشت کا حکم تھا اور یہ کہ نماز، روزہ اور زکوٰۃ کا اہتمام کرتے رہیں، جنگ کی اجازت نہ تھی، کفار ہر طرح کی ظالمانہ کارروائیاں کرتے تھے مگر مسلمانوں کو جواب اور دفاع کی اجازت نہ تھی، ان کے ظلم و ستم سے اپنا بچاؤ کرنے کی اجازت تھی، خواہ وہ ہجرت کی صورت میں ہو یا خاموش رہنے کی صورت میں، مدینے کی ہجرت کے بعد ان کو جہاد کی اجازت ملی اور لڑنے کا حکم دیا گیا، اس وقت جن لوگوں کے قلوب میں کمزوری یا ایمان میں نفاق تھا وہ گھبرانے اور تھرانے لگے، یہ آیت اسی سلسلے میں نازل ہوئی، پھر کمزور دلوں کو اللہ نے قوت بخشی اور وہ تائب ہوئے اور منافقین میں سے کم ہی تائب ہوئے۔

کخشیۃ اللہ: اس میں اللہ جو کہ مضاف الیہ ہے وہ خشیۃ کا مفعول ہے اور مفسر نے اس سے پہلے عذاب کو مقدر مانا ہے جو کہ مضاف ہے اور خشیۃ کا فاعل ضمیر جمع غائب ہے، چنانچہ مفسر نے اس کی تقدیر اس طرح ظاہر کی ہے: کخشیتھم عذاب اللہ یعنی جیسا کہ اللہ کے عذاب سے ڈرنا چاہئے اسی طرح یہ کفار کے مقابلے سے ڈرتے ہیں یا اس سے بھی زیادہ ڈرتے ہیں، اور أشد خشیۃ میں أشد حال ہونے کی بنا پر منصوب ہے، اور ذوالحال خشیۃ ہے جو کہ موخر ہے، مشہور قاعدہ ہے کہ جب ذوالحال نکرہ ہو تو حال کو مقدم کر دیا جاتا ہے تاکہ صفت سے التباس نہ ہو۔

وجواب لما دل علیہ إذا ومابعدھا الخ: فرماتے ہیں لفظوں میں فلما کتب علیھم القتال کا جواب جو کہ بصورت فعل ماضی ہونا چاہئے موجود نہیں ہے، اس کے بجائے إذا فریق منھم ہے، مفسر فرماتے ہیں کہ اس کے جواب پر إذا اور اس کا مابعد دلالت کرتا ہے، اور إذا مفاجاتیہ ہے تو جواب یہ ہوگا کہ فاجأتھم الخشیۃ یعنی جب ان پر قتال فرض کیا گیا تو فوری طور پر انھیں خوف و گھبراہٹ نے آ گھیرا، اور وہ موت سے گھبرا کر یہ کہنے لگے کہ ہمیں کچھ اور مہلت ملی ہوتی تو اچھا ہوتا، اگر یہ قول بعض صحابہ کی طرف سے صادر ہوا تو اس کا منشاء ایمان کی کمزوری نہیں بلکہ بشری طبیعت کی کمزوری ہے، اور فوری طور پر اس کا ظہور ہوا، پھر اس تنبیہ کے بعد وہ ختم ہوگیا۔

مایتمتع بہ فیھا او الاستمتاع بھا: یہ لفظ متاع کی تفسیر ہے، متاع اس سامان کو بھی کہتے ہیں جس کو برتا جاتا

ہے، اور متاع مصدر بھی ہے جس کے معنی برتنا اور فائدہ اٹھانا ہے، یہاں دونوں بات درست ہو سکتی ہے، سامان قلیل ہے، کیونکہ دونوں فنا ہو جانے والے ہیں، نہ سامان رہے گا اور نہ اس سے فائدہ اٹھانا باقی رہے گا، اور فنا ہونے والی چیز بہر حال قلیل ہے خواہ بظاہر نظر وہ کثیر دکھائی دے، اسی لئے مفسر نے قلیل کی تفسیر آئـــل الـــی الفنا سے کی ہے۔

﴿فتیــلاً﴾ قدر قشرة النواة: قلیل کی اس تفسیر میں تسامح ہے، کیونکہ گٹھلی کے چھلکے کو فتیل نہیں قطمیر کہتے ہیں، فتیل اس دھاگے کو کہتے ہیں جو گٹھلی کے درمیان ہوتا ہے۔

ومـا استـفـهـام تـعـجـيـب من فـرط جهلهم: یہاں اللہ تعالیٰ نے یہود کا ایک قول نقل کیا ہے جو وہ ازراہ شرارت رسول اللہ ﷺ کے حق میں کہتے تھے، انھیں جب کوئی نعمت ملتی تو اس کے بارے میں کہتے کہ اللہ کی طرف سے ہے اور جب کوئی پریشانی ہوتی تو اسے حضور کی طرف منسوب کرتے، اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نعمت ہو یا پریشانی سب اللہ کی جانب سے ہے، ان کی حماقت و جہالت دیکھو کہ یہ اتنی موٹی بات بھی نہیں سمجھ پا رہے ہیں، فـمـال هؤلاء القوم لایکادون یفقهون حدیثاً مفسر فرماتے ہیں یہ ما استفہامیہ ہے لیکن مقصود استفہام نہیں ہے بلکہ جہالت پر اظہار تعجب ہے، اور لایـکـادون یفقهون میں جو مقاربت فعل کی نفی ہے وہ نفی فعل سے زیادہ بلیغ ہے، یعنی یہ نہیں فرمایا کہ وہ سمجھتے نہیں، بلکہ یہ فرمایا کہ سمجھنے کے قریب نہیں ہیں، اور یہ زیادہ بلیغ ہے۔

مــا أصــابـک مـن حسنةٍ الخ: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک قاعدے کے تحت راحت اور مصیبت کے حصول کی علت بیان کی ہے، وہ یہ کہ انسان کو جو نعمت نصیب ہوتی ہے اس کی علت خود انسان کے اندر نہیں ہے بلکہ وہ محض اللہ کا فضل اور اس کا کرم ہے، اور اسے جو تکلیف پہونچتی ہے اس کی علت انسان کا اپنا گناہ ہے، اس تقریر سے وہ تعارض دور ہو جاتا ہے جو بظاہر کـل من عند الله اور مـا أصـابـک مـن سیئةٍ فمن نفسک کے درمیان معلوم ہوتا ہے، وہ اس طرح کہ پہلی آیت میں اس بات کا بیان ہے کہ راحت یا مصیبت سب کا تعلق ارادۂ الٰہی اور خلق سے ہے، اور دوسری آیت میں مـــن نـفـسـک کا تعلق سببیت سے ہے یعنی انسان کے گناہوں اور کمزوریوں کے سبب سے اس پر مصائب آتے ہیں۔

﴿ومـن تولیٰ﴾ ای عن طاعته فلایهمنک: اس جملے میں ومن تولیٰ شرط ہے اور جوابِ شرط محذوف ہے، جس کو مفسر نے فلایهمنک کے لفظ سے ظاہر کیا ہے، یعنی جو شخص تمہاری اطاعت سے روگردانی کرے اس کی فکر مت کرو، اور فما أرسلنک علیهم حفیظاً اس جواب شرط کی تعلیل ہے۔

أمـرنـا ﴿طاعة﴾ لک: اللہ نے فرمایا ویـقـولـون طاعةٌ یہ منافقین کا قول ہے، طاعةٌ کا لفظ خبر ہے، اس کا مبتدا محذوف ہے، اور وہ ہے أمرنا۔

﴿فإذا برزوا﴾ ای خرجوا ﴿من عندک بیت طائفة منهم﴾ ای أضمرت ﴿غیر الذی تقول﴾: مفسر نے اس عبارت میں بیّت کی تفسیر أضمر سے کی ہے، یعنی منافقین نبی کے سامنے طاعت کا اقرار کرتے ہیں لیکن جب ان کے پاس سے باہر نکلتے ہیں تو جو کچھ نبی کے سامنے کہے ہوتے ہیں اس کے خلاف یعنی نافرمانی کی بات دل میں چھپاتے ہیں۔ صاحب جمل نے لکھا ہے کہ یہ تفسیر اس جگہ مناسب نہیں ہے کیونکہ دل میں نافرمانی کا چھپانا کچھ باہر نکلنے پر موقوف نہیں ہے، بلکہ خود آپ ﷺ کے سامنے بھی ان کے دلوں میں نافرمانی کا جذبہ چھپا ہوتا تھا، بیّت کا تعلق چونکہ فإذا برزوا سے ہے اس لئے اس کا وہ معنی چاہئے جو بروز اور خروج پر موقوف ہو، اور تبییت کا وہ معنی رات میں سازش کرنے کا ہے، مطلب یہ ہے کہ دن میں نبی کے پاس آکر اظہارِ طاعت کرتے ہیں اور رات میں یہاں سے نکل کر آپ کے خلاف سازشیں کرتے ہیں، تو ان کی سازشیں اللہ تعالیٰ ان کے نامۂ اعمال میں فرشتوں کے ذریعہ درج کروا دیتے ہیں تاکہ اس کی سزا دی جا سکے۔

﴿وإذا جاء هم امر﴾ عن سرایا النبی ﷺ بما حصل لهم ﴿من الامن أو الخوف﴾:
اس آیت میں منافقین کی شرانگیزی پر تنبیہ ہے، اور زمانۂ جنگ کے سلسلے میں تمام مسلمانوں کے لئے ایک قانونی ہدایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے مدنی دور میں مختلف علاقوں میں سریوں کے بھیجنے کا سلسلہ جاری رہتا تھا، تو جب کوئی سریہ بھیجا جاتا تو فطری بات ہے کہ تجسس اور تحقیق کی نگاہیں ادھر لگی رہتی تھیں، ایسے حالات میں مختلف قسم کی خبریں مختلف لوگوں کے ذریعے سے ملتی رہتی تھیں، کبھی اچھی کبھی بری، تو منافقین بغیر کسی تحقیق کے ان خبروں کو ادھر ادھر بیان کرتے اور پھیلاتے، ان افواہوں سے مسلمانوں میں بسا اوقات ہیجانی کیفیت پیدا ہوتی، اس حرکت میں کمزور دل کے بعض مسلمان بھی شامل ہو جاتے جس سے حضور ﷺ کو تکلیف پہونچتی۔ اس سلسلے میں اللہ نے تنبیہ فرمائی کہ یہ لوگ افواہیں نہ پھیلائیں بلکہ جو بھی خبر آئے اس کو رسول کے اور اکابر صحابہ میں جو اصحاب رائے ہیں ان کے حوالے کرکے خود خاموشی اختیار کریں، یہاں تک کہ یہ حضرات انھیں تحقیقی بات کی خبر دیں، ان کے ذریعے سے ان افواہ پھیلانے والوں کو سچی بات معلوم ہو جائے گی اور یہ بھی سمجھ میں آجائے گا کہ اس خبر کو پھیلانا چاہئے یا نہیں! پھر جیسا انھیں بتایا جائے ویسا کریں۔

وهم المذیعون: یعنی افواہیں پھیلانے والے، یہ الذین یستنبطونه منهم کا بیان ہے، منهم سے مراد رسول اور اولوالامر ہیں، اور یستنبطونه کا ترجمہ مفسر نے یتبعونه ویطلبون علمه سے کیا ہے، اور اسی بنیاد پر اس کا مصداق افواہیں پھیلانے والوں کو قرار دیا ہے کہ یہ لوگ بغیر علم و تحقیق کے ہر آنے والی خبر کے پیچھے لگ جاتے ہیں، اگر یہ لوگ ایسا نہ کرتے بلکہ اس خبر کو رسول کے اور اولوالامر کے حوالے کرکے ان سے تحقیق چاہتے تو اچھا ہوتا، اور انھیں معلوم ہو جاتا کہ یہ خبر کیسی ہے؟ اس کو پھیلانا چاہئے یا نہیں؟

تنبیہ صاحب جلالین نے یہی تشریح کی ہے لیکن دوسرے مفسرین دوسرا ترجمہ اور تشریح کرتے ہیں، وہ حضرات الذین یستنبطونہ کا مصداق افواہ پھیلانے والوں کو نہیں بلکہ رسول اور اولوالامر میں سے اہل تحقیق کو قرار دیتے ہیں، اس بنیاد پر اس آیت کا ترجمہ یوں ہوگا، ''کہ اگر اس کو یہ لوگ رسول اور اولوالامر کے حوالے کرتے تو جو لوگ ان میں حقیقت حال کی تحقیق کرنے والے ہیں وہ اس کو جان لیتے کہ خبر کیسی ہے، قابل اشاعت ہے یا نہیں؟ حضرت مولانا تھانوی علیہ الرحمہ نے اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے:

''اور اگر بجائے خود مشہور کرنے کے یہ لوگ اس خبر کو رسول اللہ ﷺ کے اور جو حضرات اکابر صحابہ ان میں سے امور کو سمجھتے ہیں ان کی رائے کے اوپر حوالہ رکھتے اور خود کچھ دخل نہ دیتے تو اس خبر کی صحت وغلط اور قابل تشہیر ہونے، نہ ہونے کو وہ حضرات تو پہچان ہی لیتے جو ان میں اس کی تحقیق کرلیا کرتے ہیں جیسا کہ ہمیشہ ہی پہچان لیتے ہیں، پھر جیسا یہ حضرات عمل درآمد کرتے ویسا ہی ان خبر اڑانے والوں کو کرنا چاہئے تھا۔''

یہ صاحب جلالین کی تفسیر کے مقابلے میں زیادہ مناسب معلوم ہوتی ہے، اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جسے امام بخاری اور امام مسلم دونوں نے بیان کیا ہے اور جو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، مشہور واقعہ ہے کہ ایک بار یہ خبر مشہور ہوئی کہ رسول اکرم ﷺ نے ازواجِ مطہرات کو طلاق دیدی ہے، حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں اجازت لے کر خدمت نبوی میں حاضر ہوا، اور حضرت سے اس کے متعلق تحقیق کی تو آپ نے طلاق دینے کی نفی فرمائی، میں نے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے پکارا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج کو طلاق نہیں دی ہے اور یہ آیت نازل ہوئی: **وإذا جاء هم أمر من الامن أو الخوف أذاعوا به ولو ردوه الى الرسول والىٰ اولى الامر منهم لعلمه الذين يستنبطونه منهم** ۔''تو میں وہ شخص ہوں جس نے اس امر کا استنباط اور تحقیق کی'' (مسلم شریف: کتاب الطلاق)

اس سے معلوم ہوا کہ استنباط کرنے والے وہ نہیں ہیں جو بے تحقیق خبریں پھیلاتے ہیں بلکہ اولوالامر حضرات ہیں۔

﴿ولولا فضل الله عليكم﴾ بالاسلام ﴿ورحمته﴾ لكم بالقرآن ﴿لاتبعتم الشيطان﴾ **فيما يامركم به الفواحش** ﴿إلا قليلا﴾: اس آیت پر بظاہر اشکال ہوتا ہے کہ اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو سبھی لوگ شیطان کی پیروی کرلیتے، پھر اس میں **قلیلاً** کے استثناء کے کیا معنی؟ کیا اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تب بھی کچھ لوگ شیطان کی پیروی سے بچ جاتے، مفسر نے تفسیری الفاظ کا اضافہ کرکے اس ظاہری اشکال کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے، چنانچہ **فضل الله** کی تفسیر میں لفظ اسلام سے اس کی مراد متعین کی، اور **رحمة** سے مراد قرآن کو لیا، یعنی اگر اللہ نے تم لوگوں پر اسلام کے واسطے سے فضل نہ فرمایا ہوتا اور

قرآن کے واسطے سے اپنی رحمت نہ عطا فرمائی ہوتی تو کم لوگ اپنی عقل سے کام لے کر امن یا خوف کی خبر کے سلسلے میں شیطان کی پیروی سے بچ کر سیدھی راہ پر قائم رہتے، لیکن اولاً تو اللہ نے اسلام کی توفیق بخشی جو اتباع شیطان سے کلی طور پر بذاتِ خود مانع ہے کہ موقع موقع پر قرآن کے نزول سے جزئیات کی رہنمائی رہتی ہے، اس کی وجہ سے اتباع شیطان سے مزید بچاؤ ہوتا ہے، اگر یہ دونوں چیزیں نہ ہوتیں تو عقل صحیح کا استعمال نادر ہی ہوتا ہے، اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ فضل اور رحمت سے مطلق فضل ورحمت مراد نہیں ہے بلکہ اسلام اور قرآن ہے، اور نہ اتباع شیطان سے مطلق اتباع مراد ہے بلکہ مذکورہ بالا حالات میں اتباع مراد ہے، اس صورت میں کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔

فخرج بسعین راکباً الیٰ بدر الصغریٰ الخ: حق تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو جب حکم دیا کہ اللہ کے راستے میں آپ قتال کیجئے، اس کے آپ تن تنہا مکلّف ہیں البتہ مومنین کو اس کی ترغیب دیجئے، اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **والذی نفسی بیدہ لَاَخْرُجَنَّ ولو وحدی**، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے میں ضرور نکلوں گا اگرچہ تنہا نکلنا پڑے۔ مفسر فرماتے ہیں کہ تب آپ سترّ سواروں کے ساتھ میدان بدر میں تشریف لے گئے، اور یہ تشریف لے جانا غزوۂ احد کے ایک سال بعد ہوا تھا، غزوۂ احد میں ابوسفیان نے وقت متعین کیا تھا کہ اگلے سال میدانِ بدر میں پچھلی جنگ کا بدلہ چکانے کیلئے ہم حملہ آور ہوں گے، مگر اللہ تعالیٰ نے کفار کے دل میں مسلمانوں کا رعب ڈال دیا اور وہ **مَرِّ ظَھْرَان** سے آگے نہیں بڑھے، اللہ تعالیٰ نے **عسی اللہ أن یکف باس الذین کفروا** کا وعدہ پورا کیا۔

تنبیہ علامہ جلال الدین کا یہاں خلط ہو گیا ہے، ستر سواروں کو لے کر نکلنے کا واقعہ غزوۂ بدر صغریٰ کا نہیں ہے، بلکہ یہ واقعہ غزوۂ احد کے فوراً بعد کا ہے، غزوۂ احد میں کفار نے بظاہر فتح پائی تھی، اس فتح یابی کے بعد وہ مکہ لوٹ رہے تھے تو انھیں خیال آیا کہ کیوں نہ اسی حالت میں جبکہ اہل سلام شکست خوردہ اور زخموں سے چور ہیں اُن کا استیصال کامل کر دیا جائے، اس خیال سے انھوں نے پلٹ کر دوبارہ حملہ کرنے کا ارادہ کیا، آپ نے فوری طور پر جوابی کارروائی کی اور انھیں زخم خوردہ صحابہ میں سے ستر اصحاب کو لے کر آگے بڑھے، کفار کو معلوم ہوا کہ آپ آرہے ہیں تو انھوں نے اپنی عافیت واپسی کا سفر جاری رکھنے ہی میں سمجھی، اس مختصر سرگزشت کو اصحاب سیر غزوۂ حمراء الاسد کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

غزوۂ بدر صغریٰ کا واقعہ ۴ھ میں پیش آیا، اس میں رسول اللہ ﷺ ۱۵۰۰ صحابہ کو لے کر نکلے تھے جیسا کہ مواہب لدنیہ اور سیرت ابن ہشام میں ہے۔

اور حقیقت تو یہ ہے کہ آیت زیر تفسیر کا تعلق نہ غزوۂ حمراء الاسد سے ہے اور نہ غزوۂ بدر صغریٰ سے، ان

دونوں غزووں کا ذکر سورۂ آل عمران کی آیت اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰہِ وَالرَّسُوْلِ مِنْ بَعْدِ مَا اَصَابَھُمُ الْقَرْحُ میں گذر چکا ہے، اور حضرت مفسر سے وہاں بھی کچھ تسامح ہوا ہے۔

﴿ وإذا حييتم بتحيةٍ ﴾ كان قيل لكم سلام عليكم الخ : تحية کے بمعنی سلام کرنے کے ہیں جیسا کہ مفسر نے اپنی تفسیر سے ظاہر کیا ہے، امام راغب نے فرمایا ہے کہ تحية کا اصل معنی دعاءِ حیات ہے پھر اسے مطلق دعا کے معنی میں استعمال کیا جانے لگا، اور اب شریعت کے عرف میں سلام کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر السلام علیک کہا تو آپ نے جواب میں وعلیک السلام ورحمة الله فرمایا، ایک اور شخص نے السلام علیک ورحمة الله کہا تو آپ نے جواب میں وعلیک السلام ورحمة الله وبرکاته فرمایا، یک اور شخص نے السلام علیک ورحمة الله وبرکاته کہا تو آپ نے واجب میں وعلیک السلام ورحمة الله وبرکاته فرمایا، اس کو اشکال ہوا کہ میرے سلام پر تو آپ نے اضافہ نہیں فرمایا، تو آپ نے فرمایا کہ اضافے کی مقدار پوری ہو چکی، اس لئے میں نے اتنا ہی دہرایا، اس سے معلوم ہوا کہ سلام کے جواب میں اضافے کی حد وبرکاته تک ہے، اس پر اضافہ نہیں کرنا چاہئے۔

وخصت السنةُ الكافرَ والمبتدعةَ : سلام کا جواب دینا واجب ہے، سوائے چند اشخاص کے کہ ان کے سلام کا جواب دینا واجب نہیں ہے، کافر، مبتدع، فاسق اور وہ جو قضائے حاجت کرنے والے کو سلام کرے یا اس کو سلام کرے جو حمام میں ہے، یا کھانا کھانے والے کو سلام کرے، اخیر کے تینوں کو سلام کرنے والے کا جواب ان پر واجب نہیں ہے بلکہ اگر کوئی شخص قضائے حاجت کرنے والے کو یا حمام کے اندر کسی کو سلام کرے تو اس شخص کو جواب دینا مکروہ ہے، اور کھانے والے شخص کے منہ میں اگر لقمہ ہو تو اس کے ذمے سلام کا جواب دینا واجب نہیں ہے، اور منہ میں لقمہ نہیں ہو تو واجب ہے، اور اگر کوئی کافر سلام کرے تو جواب میں صرف وعلیک یا علیکم کہے۔

﴿ مضامین آیات وتفسیر ﴾

اس رکوع میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جن کے دلوں میں نفاق ہے، یا ان کے قلوب کمزور ہیں اور اس کی وجہ سے بزدلی کے آثار ان پر ظاہر ہوتے ہیں، ایسے لوگوں کو تنبیہ فرمائی ہے اور بزدلی اور نفاق کے انسداد کا حکم بھی دیا ہے، اور اس کا طریقہ یہ بتایا ہے، فرماتے ہیں کہ کچھ لوگوں کا حال یہ تھا کہ وہ کفار سے جنگ کی اجازت کے آرزومند تھے تو ان سے کہا جاتا تھا کہ اپنے ہاتھوں کو روک رکھو اور نماز وزکوٰۃ کی پابندی کرو، اس وقت وہ چاہتے تھے کہ جنگ کی اجازت مل جائے، لیکن جب ان پر لڑائی فرض کر دی گئی تو ان کے دلوں میں خوف بھر گیا، وہ

کفار سے اس طرح ڈرنے لگے جیسے اللہ سے ڈرنا چاہئے، اور گھبراہٹ میں وہ یہ کہنے لگے کہ اے پروردگار! آپ نے ابھی لڑائی کیوں فرض کردی کچھ اور دنوں مہلت دئے ہوتے، انھیں معلوم ہونا چاہئے کہ متاعِ دنیا قلیل ہے، فنا ہو جانے والی ہے اور اہل تقویٰ کے لئے آخرت ہی بہتر ہے، اور ان پر آخرت میں کسی طرح کا ظلم نہیں ہوگا، نہ ان کے اعمال میں کمی کی جائے گی اور نہ انھیں بغیر گناہ کے سزادی جائے گی۔ اس لئے جہاد کرنا ہی مناسب ہے، اور موت تو ایسی ناگزیر حقیقت ہے کہ آدمی کتنے ہی محفوظ قلعے میں ہو موت سے بچ نہیں سکتا، اس لئے موت کے خوف سے جان چرانا بے معنی ہے۔

ان یہود ونصاریٰ کا حال یہ ہے کہ اگر اللہ کی طرف سے انھیں نعمت اور وسعت ملتی ہے تو اسے اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور اگر کوئی مصیبت آتی ہے تو اسے نعوذ باللہ اللہ کے رسول کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ انھیں کی نحوست سے یہ مصیبت آتی ہے، تم انھیں بتادو کہ نعمت ہو یا مصیبت سب اللہ کی طرف سے ہے، مگر یہ ان لوگوں کی بے وقوفی ہے کہ بات سمجھنا ہی نہیں چاہتے، یہ خود جان لینا چاہئے کہ انسان کو جو کچھ بھلائی پہونچتی ہے وہ محض اللہ کا فضل ہے اور جو کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ خود آدمی کے کرتوت کی وجہ سے آتی ہے، وہ اس کی اپنی نحوست سے ہے، اور محمد ﷺ تو اللہ کے رسول ہیں، یہ نحوست رسول کی نہیں ہوسکتی، بلکہ جو کوئی رسول کی نافرمانی کرتا ہے وہ اپنی نحوست میں گرفتار ہوتا ہے۔ آپ کی رسالت پر اللہ گواہ ہے، جو رسول کی اطاعت کرتا ہے وہ درحقیقت اللہ کی اطاعت کرتا ہے، اور جو رسول سے روگردانی کرتا ہے تو اس کے ذمہ دار رسول نہیں ہیں، وہ خدا کے حوالے ہے، لیکن منافقین کا حال یہ ہے کہ سامنے تو رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا اقرار کرتے ہیں لیکن پیٹھ پیچھے ان کے خلاف سازشیں کرتے ہیں، تو ان کی ان بداعمالیوں کو اللہ تعالیٰ لکھ کر محفوظ کر لیتے ہیں، وہی انھیں سزادیں گے، آپ تو ان کی طرف التفات مت کیجئے بس اللہ کے بھروسہ پر رہئے، خدا ہی کارساز ہے، اگر یہ قرآن پر غور کرتے تو انھیں صاف معلوم ہوجاتا کہ اللہ کی کتاب ہے اگر یہ اللہ کی کتاب نہ ہوتی تو اس میں الفاظ ومعانی کے اندر انھیں بڑا تضاد اور اختلاف ملتا، لیکن جب کہیں تضاد اور تناقض نہیں ہے تو انھیں مان لینا چاہئے کہ اللہ کی کتاب ہے، مگر یہ تو افواہیں اڑانے والے اور افواہوں کے پیچھے دوڑنے والے ہیں انھیں غور وفکر کی دولت کہاں نصیب! ان کا حال تو یہ ہے کہ کسی معاملے میں کیسی ہی کوئی بات ان کے کان میں پڑتی ہے خواہ وہ امن واطمینان کی ہو یا خوف وہراس کی، بے سوچے سمجھے اسے پھیلانے لگتے ہیں، حالانکہ اگر وہ اس سلسلے میں رسول یا اولی الامر کی ہدایت کا انتظار کرتے اور اس کے مطابق عمل درآمد کرتے تو خبروں کی حقیقتیں انھیں اچھی طرح معلوم ہوجاتیں، اور اہل ایمان پر اللہ کا خاص فضل اور اس کی رحمت ہے کہ انھیں صحیح صحیح توفیق ملی ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ بھی شیطان کی پیروی میں جا پڑتے، پس اے رسول! اللہ کے راستے میں جنگ کرو، تم اپنی ذات کے مکلّف ہو اور اہل ایمان کو بھی جنگ پر

آمادہ کرو، کفار کی شوکت وقوت کو توڑنا تو اللہ کا کام ہے پس اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ بہت قوت والے، سخت سزا دینے والے ہیں، جو کوئی اچھی سفارش کرتا ہے اس کو اس کی وجہ سے ثواب ملتا ہے، اور جو کوئی خلاف شرع بری سفارش کرتا ہے اسے گناہ ہوتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے، اور جب تم کو سلام کیا جائے تو تم بھی اس سے اچھی دعا دو یا اسی کو جواب میں دہرا دو، اور اللہ ہر چیز کا حساب کرنے والا ہے، اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، بلاشبہ وہ تم سب کو قیامت کے دن اکٹھا کریں گے، اور اللہ سے بڑھ کر سچا کون ہو سکتا ہے؟

☆☆☆☆☆

ولما رجع الناس من أحد اختلف الناس فيهم فقال فريق أقتلهم وقال فريق لا، فنزل ﴿فَمَالَكُمْ﴾ اى ماشانكم صرتم ﴿فِي الْمُنَافِقِيْنَ فِئَتَيْنِ﴾ فرقتين ﴿والله أركسهم﴾ ردهم ﴿بِمَا كَسَبُوْا﴾ من الكفر والمعاصى ﴿اَتُرِيْدُوْنَ أَنْ تَهْدُوْا مَنْ أَضَلَّ اللهُ﴾ أى تعدوهم من جملة المهتدين والاستفهام فى الموضعين للانكار ﴿وَمَنْ يُّضْلِلِ اللهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ سَبِيْلاً ٥﴾ طريقاً الى الهدىٰ ﴿وَدُّوْا﴾ تمنوا ﴿لَوْتَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ﴾ انتم وهم ﴿سَوَاءٌ﴾ فى الكفر ﴿فَلاَ تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَاءَ﴾ توالونهم وإن أظهروا الايمان ﴿حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ﴾ هجرة صحيحة تحقق ايمانهم ﴿فَإِنْ تَوَلَّوْا﴾ وأقاموا علىٰ ماهم فيه ﴿فَخُذُوْهُمْ﴾ بالاسر ﴿وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وُجَدْتُّمُوْهُمْ وَلاَ تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا﴾ توالونه ﴿وَلاَ نَصِيْراً ٥﴾ تنتصرون به علىٰ عدوكم ﴿إِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ﴾ يلجأون ﴿اِلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيْثَاقٌ﴾ عهد بالامان لهم ولمن وصل اليهم كما عاهد النبى ﷺ هلال ابن عويمر الاسلمى ﴿أَوْ﴾ الذين ﴿جَاءُوْكُمْ﴾ وقد ﴿حَصِرَتْ﴾ ضاقت ﴿صُدُوْرُهُمْ﴾ عَنْ ﴿أَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ﴾ مع قومهم ﴿أَوْيُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ﴾ معلم اى ممسكين عن قتالكم وقتالهم فلا تتعرضوا إليهم بأخذ ولاقتل هٰذا ومابعده منسوخ بآية السيف ﴿وَلَوْ شَاءَ اللهُ﴾ تسليطهم عليكم ﴿لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ﴾ بأن يقوى قلوبهم ﴿فَلَقٰتَلُوْكُمْ﴾ ولكنه لم يشأه فالقىٰ فى قلوبهم الرعب ﴿فَاِنْ لَمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَأَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ﴾ اى الصلح اى انقادوا ﴿فَمَا جَعَلَ اللهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلاً ٥﴾ طريقا بالاخذ والقتل ﴿سَتَجِدُوْنَ آخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ أَنْ يَّامَنُوْكُمْ﴾ باظهار الايمان عندكم ﴿وَيَامَنُوْا قَوْمَهُمْ﴾ بالكفر إذا رجعوا وهم اسد وغطفان ﴿كُلَّمَا رُدُّوْا اِلَى الْفِتْنَةِ﴾ دُعوا الى الشرك ﴿اُرْكِسُوْا فِيْهَا﴾ وقعوا أشد وقوع ﴿فَاِنْ لَمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ﴾ بترك قتالكم ﴿وَ﴾ لم ﴿يُلْقُوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ﴾ ولم ﴿يَكُفُّوْا اَيْدِيَهُمْ﴾ عنكم ﴿فَخُذُوْهُمْ﴾

بالاسر ﴿ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ ﴾ وجدتموهم ﴿ وَأُولٰئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰناً مُبِيناً ٥ ﴾ برهانا بيناً ظاهراً علىٰ قتلهم وسَبْيِهم لغدرهم ـ

﴿ترجمہ﴾

جب بعض لوگ غزوۂ احد سے واپس چلے آئے، تو ان کے بارے میں حضرات صحابۂ کرام میں اختلاف ہوا، بعض لوگوں نے کہا کہ انھیں قتل کر دیجئے، دوسرے لوگوں نے کہا کہ نہیں، اس پر یہ آیت اتری (تمھیں کیا ہوا) یعنی یہ تمہاری کیا حالت ہے (کہ تم منافقین کے باب میں دو گروہ) ہو گئے (ہو، اور اللہ نے ان کے کرتوت) یعنی کفر و معاصی (کی وجہ سے انھیں لوٹا دیا ہے، کیا تم یہ چاہتے ہو کہ جسے اللہ نے گمراہ کر دیا ہے اسے ہدایت دیدو) یعنی اسے ہدایت یافتہ شمار کرو، اور استفہام دونوں جگہوں میں انکار کے لئے ہے (اور جس کو اللہ گمراہ کرے اس کیلئے تم کوئی راستہ) ہدایت کے لئے (نہیں پاؤ گے، انھوں نے چاہا کہ تم بھی کافر ہو جاؤ جیسا کہ وہ کافر ہوئے پس تم) اور وہ کفر میں (برابر ہو جائیں اس لئے ان میں سے کسی کو دوست نہ بناؤ) کہ ان سے تمھیں قلبی محبت ہو اگر چہ وہ ایمان ظاہر کریں (جب تک کہ وہ اللہ کے راستے میں) صحیح (ہجرت نہ کرلیں) جس سے ان کا ایمان ثابت ہو جائے (پس اگر وہ روگردانی کریں) اور اسی حالت پر جمے رہیں جس پر وہ ہیں (تو انھیں) گرفتار کر کے (پکڑو اور انھیں قتل کرو جہاں پاؤ، اور ان میں سے کسی کو نہ دوست بناؤ اور نہ مددگار بناؤ) کہ ان سے دشمن کے خلاف مدد حاصل کرو (سوائے ان لوگوں کے جو کسی ایسی قوم کے پاس پہونچتے ہیں) یعنی پناہ لیتے ہیں (جس کے اور تمہارے درمیان) امن و امان کا (معاہدہ ہے) خود ان کے لئے بھی اور جو ان کے پاس پناہ لیتے ہیں ان کے لئے بھی جیسا کہ نبی ﷺ نے ہلال بن عویمر اسلمی کے ساتھ معاہدہ کیا تھا (یا وہ لوگ جو تمہارے پاس اس حال میں آتے ہیں کہ ان کے سینے تنگ ہیں اس بات سے کہ) اپنی قوم میں شامل ہو کر (تم لوگوں سے لڑیں یا) تمہارے ساتھ شامل ہو کر (اپنی قوم سے لڑیں) یعنی وہ تم سے بھی اور ان سے بھی لڑنے سے ہاتھ روکے ہوئے ہیں تو تم ان کے ساتھ کوئی تعرض نہ کرو، یعنی نہ گرفتار کرو اور نہ قتل کرو، اور یہ حکم اور اس کے مابعد کا حکم آیت سیف سے منسوخ ہے (اور اگر اللہ) انھیں تم پر مسلط کرنا چاہتے تو ان کو تم پر مسلط کر دیتے) کہ ان کے قلوب کو تم پر جری بنا دیتے (پس وہ تم سے ضرور لڑتے) لیکن اللہ نے اس کو نہیں چاہا پس ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا (تو اگر وہ تم سے کنارہ کش رہیں اور تم سے جنگ نہ کریں اور تمہاری جانب صلح و سلامتی کی پیشکش کریں) یعنی فرمانبرداری کریں (تو تمہارے لئے اللہ نے ان پر اخذ و قتل کا (کوئی راستہ نہیں بنایا ہے ٥ عنقریب تم کچھ دوسرے لوگوں کو پاؤ گے جن کا ارادہ یہ ہو گا کہ) تمہارے پاس ایمان کو ظاہر کر کے (اپنی قوم سے مطمئن رہیں) اور جب اپنی قوم کے پاس پہونچیں تو کفر کو ظاہر کر کے (اپنی قوم سے مطمئن رہیں) یہ بنی اسد و غطفان دو قبیلے ہیں (جب بھی انھیں

فتنے کی طرف لوٹایا جاتا ہے) یعنی شرک کی جانب دعوت دی جاتی ہے (تو اس میں بری طرح گرتے ہیں، پس اگر وہ تم سے کنارہ کش نہ رہیں) یعنی تم سے لڑنے کو نہ چھوڑیں (اور تمہارے سامنے صلح کی پیشکش نہ کریں اور اپنے ہاتھوں کو) تم سے (نہ روکیں تو تم انھیں پکڑو) یعنی گرفتار کرو (اور قتل کرو جہاں بھی انھیں پاؤ، اور یہی لوگ ہیں جن پر ہم نے تمہارے لئے مکمل کھلی دلیل بنادی ہے) کہ ان کی غداری کی وجہ سے انھیں قتل وقید کرنے پر واضح ثبوت موجود ہے۔

﴿تشریحات﴾

ولما رجع الناس من أحد: مفسر نے فَمَالَكُمْ فِي الْمُنَافِقِيْنَ فِئَتَيْنِ کا سبب نزول بتایا ہے، وہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ غزوۂ احد کے لئے ایک ہزار آدمیوں کی فوج لے کر چلے تھے، اثنائے راہ میں رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے دھوکا دیا اور تین سو آدمیوں کو لے کر لشکر سے علیحدہ ہوگیا، ان لوگوں کے بارے میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رایوں میں اختلاف ہوا، بعض حضرات کی رائے تھی کہ انھیں سزا ملنی چاہئے اور بعض لوگ درگذر کی رائے رکھتے تھے، اسی سلسلے میں یہ آیت نازل ہوئی کہ تمہیں ان منافقین کے بارے میں اختلاف نہیں کرنا چاہئے، ان کا کفر اور ان کی معصیت ثابت ہے اور اسی کفر و معصیت کی وجہ سے اللہ نے انھیں جہاد فی سبیل اللہ کی توفیق سے محروم کردیا۔

أی تعدوهم من جملة المتهدين: یہ أن تهدوا من أضل اللہ کی تفسیر ہے، اس کا ظاہری معنی یہ ہے کہ جس کو اللہ نے گمراہ کیا، کیا تم اس کو ہدایت پر لانا چاہتے ہو؟ مگر یہ ظاہری معنیٰ مراد نہیں، درحقیقت اختلاف رائے کرنے والوں میں بعض حضرات نے کہا تھا کہ یہ لوگ کلمۂ شہادت پڑھتے ہیں لہٰذا مومن ہیں، اس لئے انھیں قتل نہیں کرنا چاہئے، اللہ تعالیٰ نے ان کی باتوں کا جواب دیا ہے کہ یہ لوگ کفر و معصیت میں مبتلا ہیں، تو کیا تم انھیں ہدایت یافتہ سمجھتے ہو، اور انھیں اہل ایمان میں شمار کرتے ہو۔

الاستفهام فی الموضعین للانکار: پہلا موقع فَمَالَكُمْ فِي الْمُنَافِقِيْنَ ہے، اور دوسرا موقع اَتُرِيْدُوْنَ ہے، مطلب یہ ہے کہ تمہیں نہ ان کے قتل کئے جانے کے معاملے میں اختلاف نہیں کرنا چاہئے تھا اور نہ انھیں ہدایت یافتہ سمجھنا چاہئے۔

هجرة صحيحة تحقق ايمانهم: ان منافقین کے بارے میں ارشاد ہوا ہے کہ جب تک یہ ہجرت نہ کریں انھیں اپنا دوست نہ سمجھو، اس پر سوال یہ ہے کہ منافقین تو مدینے میں رہتے تھے یہ ہجرت کر کے کہاں جائیں گے؟ مفسر نے فرمایا کہ ہجرت صحیحہ ہونی چاہئے جس سے ان کا مومن ہونا متحقق ہو، تو سوال یہ ہے کہ وہ ہجرت صحیحہ کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہجرت کی تین قسمیں ہیں۔ اوّل وہ جو معروف ہے یعنی مکہ چھوڑ کے مدینہ چلا جانا، اس

کا تذکرہ للفقراء المهاجرين میں ہے۔ دوسرے یہ کہ جہاد فی سبیل اللہ کے لئے محض اللہ کے واسطے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلنا، یہاں یہی ہجرت مراد ہے۔ تیسرے معاصی کا ترک کرنا جیسا کہ حدیث میں آیا ہے: المهاجر من هجر مانهى الله عنه، حاصل یہ ہے کہ اس آیت میں ہجرت صحیحہ سے مراد صبر واستقلال اور محض اللہ کے واسطے جہاد میں نکلنا ہے، اس سے ان کے ایمان کی صداقت ظاہر ہوگی۔

﴿إلا الذين يصلون ﴾ يلجأون ﴿ الىٰ قوم بينكم وبينهم ميثاق﴾: یہ اخذ اور قتل سے استثناء ہے یعنی جو لوگ ہجرتِ صحیحہ سے روگردانی کریں ان کو حالت جنگ میں گرفتار کرنے اور قتل کرنے کا حکم ہے، مگر ان میں سے وہ لوگ جو کسی ایسی قوم کے پاس پہونچ جائیں جن سے تمہارا امن وامان کا معاہدہ ہے وہ اس سے مستثنیٰ ہیں یعنی انھیں قتل نہیں کیا جائے گا۔ پہونچنے کا مطلب ان کی پناہ لینا ہے اور ان پناہ لینے والوں کو امان اسی وقت ملے گی جبکہ معاہدے میں یہ بات شامل ہو کہ اس قوم کی پناہ لینے والے بھی عہد امان کے اندر داخل ہیں، ایسا معاہدہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے وقت ہلال بن عویمر اسلمی کے ساتھ کیا تھا۔

﴿ أو﴾ الذين ﴿ جاؤكم ﴾: مفسر نے الذين کا اضافہ کر کے اشارہ کیا کہ جاؤكم کا عطف يصلون پر ہے، یعنی ایک گروہ اخذ اور قتل سے مستثنیٰ ہے، اور یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی قوم کے طرفدار ہو کر نہ حضور سے لڑنا چاہتے اور نہ حضور کے طرفدار ہو کر اپنی قوم سے لڑنا چاہتے، ان سے بھی قتل وقید کے ساتھ تعرض نہیں کیا جائے گا۔

هٰذا ومابعده منسوخ بآية السيف: هٰذا سے مراد إلا الذين يصلون الىٰ قوم بينكم وبينهم ميثاق ہے اور أو جاؤكم ہے، اور مابعد سے مراد وہ لوگ ہیں جن کا تذکرہ فإن لم يعتزلوكم میں ہے ان سب گروہوں کے بارے میں فرماتے ہیں کہ قتل وقید سے استثناء کا حکم آیت سیف کی وجہ سے منسوخ ہو گیا اور آیت سیف سے مراد وقاتلوا المشركين كافة كمايقاتلونكم كافة ہے، مطلب یہ ہے کہ حالت جنگ میں یہ سارے لوگ جو کفار کی طرفداری میں شامل ہیں اخذ وقتل کے مستحق ہیں۔

سوال: یہاں قرآن نے تین گروہ ایسے ذکر کئے جو قتل اور قید سے مستثنیٰ ہیں۔ ایک وہ جو کسی ایسی قوم کی پناہ لے جس کا مسلمانوں سے عہد امان ہو۔ دوسرے وہ ناطرفدار لوگ جو دونوں فریق سے الگ ہو کر رہنا چاہتے ہیں۔ تیسرے وہ لوگ جو براہ راست صلح کی پیشکش کرتے ہیں اور مسلمانوں سے لڑنا نہیں چاہتے، مفسر نے فرمایا کہ تینوں فریق کا یہ استثناء منسوخ ہے تو سوال یہ ہے کہ امن یا صلح کے معاہدہ ہو جانے کے بعد ان کو قتل یا قید کرنے کی اجازت کیسے ہوسکتی ہے؟

جواب: یہ قتل وقید کا حکم اور پھر اس سے چند گروہوں کا استثناء اور استثناء کے بعد اس کا منسوخ ہونا یہ سارے احکام عام نہیں ہیں بلکہ ان کا تعلق خاص حجاز کے ساتھ ہے اور رسول اللہ ﷺ کے دور کے ساتھ مخصوص ہے، یعنی ان تینوں

گروہوں کا استثناء سرزمین حجاز میں اس وقت تھا جبکہ ابھی اسلام کو غلبہ نصیب نہیں ہوا تھا اور کفار و مشرکین بھی اس پاک سرزمین پر مقیم تھے، پھر جب اسلام کو غلبہ حاصل ہوگیا اور اہل شرک سے اس سرزمین کو پاک کرنے کا ارادہ کرلیا گیا تو یہ استثنائی حکم خود بخود کالعدم ہوگیا، اب کسی مشرک کو اس پاک سرزمین میں رہنے کی اجازت نہیں ہے ، یا تو وہ مسلمان ہوجائے یا اس خطے سے راہ فرار اختیار کرے یا قتل کردیا جائے، اب مصالحت ہو یا ناطرفداری ہو یا پناہ جوئی ہو کفر و شرک کے ساتھ ان میں سے کسی بات کی اجازت نہیں ہے، یہی مطلب ہے ان آیات کے منسوخ ہونے کا، چنانچہ فتح مکہ کے بعد اسی پر عمل درآمد ہوا۔

وهم اسد وغطفان : ستجدون آخرين الخ میں منافقین کی ایک اور قوم کا تذکرہ ہے، یہ لوگ مدینے کے قریبی باشندے تھے، یہ دو قبیلے تھے، بنو اسد اور بنو غطفان، تفسیر خازن میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا ارشاد نقل کیا ہے، کہ ان لوگوں نے صرف دکھاوے کے لئے کلمۂ اسلام کا اقرار کیا تھا، حقیقۃً وہ مسلمان نہ تھے، آپس میں ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ ہم بندر اور بچھو وغیرہ پر ایمان لائے ہیں، اور جب مسلمانوں سے ملتے تو کہتے کہ ہم تمہارے دین و ملت پر ہیں۔ اس دورخے پن سے ان کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ دونوں کے نزدیک اچھے بنے رہیں اور محفوظ و مطمئن رہیں، لیکن ان کا حال یہ تھا کہ کفر و شرک کی طرف ان کا سارا رُجحان رہتا تھا اور تمام تر لپک اسی کی طرف ہوتی تھی۔

﴿فان لم يعتزلوكم﴾ بترك قتالكم ﴿و﴾ لم ﴿يلقوا اليكم السلم﴾: اگر تم سے وہ کنارہ کش نہ ہو، یعنی تم سے لڑنے کو ترک نہ کریں اور نہ صلح کی پیشکش کریں، تو یہ مستحق قتل و قید ہیں۔ آیت کریمہ میں **یلقوا** کا عطف **یعتزلوکم** پر ہے، اور وہ بھی لم جازمہ کے تحت ہے۔

﴿مضامین آیات و تفسیر﴾

منافقین کا شیوہ تھا کہ وہ عین موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اور رسول اللہ ﷺ کو دھوکہ دیتے تھے، غزوۂ احد میں جب رسول اللہ ﷺ ایک ہزار کا لشکر لے کر نکلے تو اس میں سے تین سو منافقین علیحدہ ہوگئے، ان ہنگامی حالات میں دھوکہ دینا شدید جرم ہے، اس کی سزا جتنی سخت دی جائے مناسب ہے، لیکن اس سلسلے میں حضرات صحابہ مختلف ہوگئے تھے، اس پر اللہ تعالیٰ نے متنبہ فرمایا کہ منافقین کے سلسلے میں دو رائے نہیں ہونی چاہئے، ان کے باب میں سخت رویہ ہی مناسب ہے، ان کے اندر ایمان نہیں ہے، یہ جنگ سے فرار ہوئے، تو درحقیقت ان کے کفر و شرک ہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انھیں ہٹا دیا، یہ گمراہ ہیں، انھیں ہدایت یافتہ نہ سمجھو، یہ تو دل سے چاہتے ہیں کہ تم بھی انھیں کی طرح کفر کی وادی میں جا گرو، تا کہ تم اور وہ برابر ہوجائیں، پس یہ کسی طرح دوستی اور محبت کے لائق نہیں ہیں، جب تک کہ ان کی جانب سے ہجرت صحیحہ کا تحقق نہ ہوجائے۔ یہ بھی جب خلوص کے ساتھ جہاد میں شریک

ہونے لگیں تب کہیں یہ مسلمانوں میں شمار ہونے کے قابل ہوں گے، اور اگر یہ اس سے روگردانی کریں، تو پھر یہ ہر جگہ مستحق قتل وضرب ہیں، اور یہ ہرگز اس لائق نہیں ہیں کہ ان سے جنگوں میں کوئی مدد لی جائے۔

ہاں اگر ان میں سے کوئی کسی ایسی قوم کی پناہ لے لے، جس سے تمہارا معاہدۂ امن، یا کوئی ایسا ہو کہ وہ نہ تم سے لڑنا چاہتا ہو اور نہ اپنی قوم سے جنگ کرنا چاہتا ہو، بلکہ وہ ناطرفدار بن کر رہنا چاہتا ہو، تو انھیں ان کے حال پر رہنے دو، انھیں نہ گرفتار کرو اور نہ قتل کرو۔ اللہ کا یہی بڑا انعام ہے کہ ان کے دلوں میں تمہارا رعب ڈال دیا ہے کہ وہ لڑنے کی ہمت نہیں کرتے اور یکسو ہو کر رہنا چاہتے ہیں، تو اگر وہ اس بات پر قائم رہیں اور تم سے صلح کی پیشکش کریں تو ان سے لڑنے کا جواز نہیں ہے۔

اور کچھ ایسے بھی لوگ ہیں جو ہیں تو کافر، مگر اہل ایمان سے خوفزدہ ہو کر اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے ہیں، تو اگر یہ لوگ تم سے لڑنے سے ہاتھ نہ روکیں اور نہ صلح کی پیشکش کریں، تو ان سے البتہ لڑنے اور انھیں قتل کرنے اور گرفتار کرنے کا جواز بلکہ امر ہے۔

☆☆☆☆☆

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِناً﴾ اى ماينبغى له أن يصدر منه قتل له ﴿إِلَّا خَطَأً﴾ مخطئاً فى قتله من غير قصد ﴿وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِناً خَطَأً﴾ بان قصد إلىٰ غيره كصيد أو شجر فأصابه أو ضربه بمالايقتل غالباً ﴿فَتَحْرِيْرُ﴾ عتق ﴿رَقَبَةٍ﴾ نسمة ﴿مُؤْمِنَةٍ﴾ عليه ﴿وَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ﴾ مؤداة ﴿إِلىٰ أَهْلِهِ﴾ اى ورثة المقتول ﴿إِلَّا أَنْ يَّصَّدَّقُوْا﴾ يتصدقوا عليه بها بان يعفو عنها وبينت السنة أنها مائة من الابل، عشرون بنت مخاض وكذا بنات لبون وبنو لبون وحقاق وجذاع وانها علىٰ عاقلة القاتل وهم عصبته إلا الاصل والفرع موزَّعةً عليهم علىٰ ثلث سنين على الغنى منهم نصف دينار والمتوسط ربع كل سنة فان لم يفوا فمن بيت المال فان تعذر فعلى الجانى ﴿فَإِنْ كَانَ﴾ المقتول ﴿مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ﴾ حربٍ ﴿لَكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ﴾ علىٰ قاتله كفارة ولادِيَةَ تسلم إلىٰ اهله لحرابتهم ﴿وَإِنْ كَانَ﴾ المقتول ﴿مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيْثَاقٌ﴾ عهد كاهل الذمة ﴿فَدِيَةٌ﴾ له ﴿مُّسَلَّمَةٌ إِلىٰ أَهْلِهِ﴾ وهى ثلث دية المومن إن كان يهودياً أو نصرانياً وثلثاعشرها إن كان مجوسياً ﴿وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ﴾ علىٰ قاتله ﴿فمن لم يجد﴾ الرقبة بان فقدها وما يحصلها به ﴿فصيام شهرين متتابعين﴾ عليه كفارة ولم يذكر تعالىٰ الانتقال الى الطعام كالظهارة وبه أخذ الشافعى فى اصح قوليه ﴿توبةً من الله﴾ مصدر منصوب بفعله المقدر ﴿كَانَ اللهُ عَلِيْماً﴾

بخلقه﴿ حَكِيْماً ﴾ فيما دبره لهم ﴿وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤمِناً مُتَعَمِّداً ﴾ بأن يقصد قتله بما يقتل غالبا عـالما بايمانه ﴿فَجَزَاؤُ هٗ جَهَنَّمُ خَالِداً فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ ﴾أبعده من رحمته ﴿وَأَعَدَّ لَهٗ عَـذَاباً عَـظِيْماً﴾ فى النار وهٰذا مؤول بمن يستحله أو بأن هٰذا جزاؤه إن جوزى ولا بدع فـى خـلف الـوعيـد لـقـوله تعالىٰ (وَيَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ)وعن ابن عباسؓ أنها علىٰ ظـاهـرها وأنها ناسخة لغيرها من آيات المغفرة وبينت آية البقرة أن قاتل العمد يقتل به وأن عـليـه الـدية إن عـفـى عنه وسبق قدرها وبينت السنة أن بين العمد والخطاء قتلاً يسمىٰ شبه الـعـمـد وهـو أن يـقتله بما لايقتل غالباً فلا قصاص فيه بل دية كالعمد فى الصفة والخطأ فى التاجيل والحمل على العاقلة وهو والعمد اولىٰ بالكفارة من الخطأ

ونـزل لـمـا مـر نـفر من الصحابة برجلٍ من بنى سليم وهو يسوق غنماً فسلّم عليهم فـقـالـوا ماسلّم علينا إلا تقية فقتلوه واستاقو غنمه ﴿يـاَيُّهَـا الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِذَا ضَرَبْتُمْ﴾ سافرتم لـلـجهـاد﴿ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا﴾ وفى قرأةٍ بالمثلثلة فى الموضعين ﴿ وَلَا تَـقُوْلُوْا لِمَنْ اَلقىٰ اِلَيْـكُـمُ السَّلَامَ﴾بالف ودونها اى التحية أو الانقياد بقول كلمة الشهادة التى هى أمارةٌ علىٰ اسـلامه ﴿ لَسْتَ مُؤْمِناً﴾ وإنما قلت هٰذا تقية لنفسک ومالک فتقتلوه ﴿ تَبْتَغُوْنَ﴾ تطلبون بذٰلک ﴿عَـرَضَ الْـحَيٰوةَ الدُّنْيَا﴾ متاعها من الغنيمة ﴿ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ﴾ تغنيكم عن قتل مثـلـه لـمـالـه ﴿كَـذٰلِكَ كُـنْتُمْ مِنْ قَبْلُ ﴾ تعصم دماء كم وأموالكم بمجرد قولكم الشهادة ﴿فَـمَـنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ ﴾ بالاشتهـار بالايمان والاستقامة ﴿فَتَبَيَّنُـوْا﴾ أن تقتلوا مومناً، وافعلوا بـالـداخـل فـى الاسـلام كـمـا فُـعِـلَ بـكـم ﴿ إِنَّ اللّٰهَ كَـانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْراً﴾ فيجازيكم به ﴿لَايَسْتَوِىْ الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ عن الجهاد﴿غَيْرُ اُوْلِى الضَّرَرِ﴾ بالرفع صفة والنصب استثناء من زِمَانَةٍ أو عَمًى أو نحوه﴿ وَ الْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِـاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللّٰهُ الْـمُـجٰهِـدِيْـنَ بِـاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ ﴾ لضرر﴿دَرَجَةً ﴾ فضيلةً لاستـوائهما فى النية وزيـادة المجاهدين بالمباشرة﴿ وَكُلًّا﴾ من الفريقين﴿ وَّعَدَاللّٰهُ الْحَسَنىٰ﴾ الجنة ﴿وَ فَضَّلَ اللّٰهُ الْـمُـجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ ﴾ لغير ضرر﴿ أَجراًعَظِيْماً﴾ ويبدل منه ﴿دَرَجَـاتٍ مِنْهُ﴾ منازلَ بعضها فـوق بـعضٍ من الكرامة﴿ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ﴾ مـنـصوبان بفعلهما المقدر ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْراً﴾ لاوليائه﴿ رَحِيْماً﴾ باهل طاعته۔

﴿ترجمـــــــه﴾

(اور کسی مومن کے لئے درست نہیں ہے کہ کسی مومن کو قتل کرے) یعنی مناسب نہیں ہے کہ کسی مومن سے کسی مومن کا قتل صادر ہو (مگر یہ کہ غلطی سے ہو جائے) یعنی قتل کا ارادہ نہ ہو، بے ارادہ خطا ہو گئی (اور جس نے کسی صاحب ایمان کو غلطی سے قتل کر دیا) یعنی ارادہ کیا کسی اور چیز کو مارنے کا، مثلاً شکار یا کسی درخت کو نشانہ بنایا لیکن لگ گیا کسی مومن کو، یا کسی ایسی چیز سے مارا جس سے عموماً قتل نہیں کیا جاتا (تو) اس کے ذمے (ایک مومن غلام کا آزاد کرنا ہے، اور دیت ہے جو اس کے اہل کو) یعنی مقتول کے ورثہ کو (دی جائے گی، مگر یہ کہ وہ صدقہ کر دیں یعنی اسے معاف کر دیں) اور سنت نے بیان کیا ہے کہ دیت ۱۰۰/اونٹ ہیں، جن میں ۲۰/بنت مخاض اور اتنے ہی بنت لبون اور اتنے ہی بنو لبون اور اتنے ہی حِقّے اور اتنے ہی جذعے، اور یہ کہ وہ قاتل کے عاقلہ پر ہے، اور وہ اس کے عصبہ ہیں اصل وفرع کے علاوہ، ان پر تین سال کی مدت پر تقسیم کر دی جائے گی، ان میں جو مالدار ہیں ان پر سالانہ نصف دینار اور جو متوسط ہیں ان پر چوتھائی دینار، پس اگر اس مدت میں پورا نہ ہو سکے تو بیت المال سے، اور اگر اس سے بھی نہ ہو سکے تو جنایت کرنے والے کے ذمے ہے (پس اگر وہ) مقتول (تمہاری دشمن قوم کا ہو) یعنی تم سے لڑنے والی قوم کا آدمی ہو (اس حال میں کہ وہ مومن ہو تو) اس کے قاتل پر بطور کفارہ کے (ایک مومن غلام کو آزاد کرنا ہے) اور اس پر کوئی دیت نہیں ہے جو اس کے اہل کے حوالے کی جائے کیونکہ وہ حربی ہیں (اور اگر وہ) مقتول (ایسی قوم کا ہے کہ تمہارے اور ان کے درمیان عہد ہے) جیسے کہ اہل ذمہ (تو) اس کے لئے (دیت ہے جو اس کے اہل کے حوالے کی جائے گی) اور وہ مومن کی دیت کا تہائی حصہ ہے، اگر مقتول یہودی یا عیسائی ہو، اور اس کا پندرہواں حصہ ہے اگر مقتول مجوسی ہے (اور ایک مومن غلام کا آزاد کرنا ہے) جو اس کے قاتل پر ضروری ہے (پس جو کوئی غلام نہ پائے) خواہ وہ ملتا ہی نہ ہو یا اس کے پاس غلام خریدنے کی سکت نہ ہو (تو) اس کے ذمے بطور کفارہ کے (دو مہینے کا مسلسل روزہ ہے) اور اللہ تعالیٰ نے کھلانے کی طرف منتقل ہونے کا ذکر نہیں کیا ہے جیسا کہ ظہار میں ہے، اور اسی کو امام شافعیؒ نے اپنے اصح قول میں اختیار کیا ہے (بطور توبہ کے اللہ کی طرف سے) تـوبـةً مصدر منصوب ہے اس کا فعل مقدر ہے (اور اللہ) اپنی مخلوق کا (علم رکھنے والے ہیں) اور جو کچھ ان کے لئے تدبیر کرتے ہیں اس میں (حکمت والے ہیں ۝ اور جو کوئی کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے) یعنی کسی ایسی چیز سے جس سے عموماً قتل کیا جاتا ہے اس کے ایمان کو جانتے ہوئے بالارادہ قتل کرے (تو اس کا بدلہ جہنم ہے اس میں ہمیشہ ہمیش رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب ہوا، اور اللہ نے اس پر لعنت کی) یعنی اپنی رحمت سے دور کر دیا (اور اس کیلئے جہنم میں بڑا عذاب تیار کیا) یہ سزا اس شخص کے حق میں ہے جو اس کو حلال سمجھتا ہے، یا اس کی تاویل یہ ہے کہ اگر اس کو سزا دی جائے تو یہی اس کی سزا ہے اور خُلفِ وعید میں حرج نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **ویغفر مادون ذٰلک لمن یشاء**، اور حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہ آیت اپنے ظاہر پر

ہے اوراس کے علاوہ جو آیات مغفرت ہیں ان کے لئے ناسخ ہے، اور سورۂ بقرہ کی آیت نے واضح کیا کہ قاتل عمد کو اس کے بدلے میں قتل کیا جائے گا اور یہ کہ اگر اس کو معافی مل گئی تو اس کے ذمے دِیت ہے، اور اس کی مقدار کا بیان گزر چکا ہے اور سنت نے بیان کیا کہ قتل عمد اور قتل خطا کے درمیان ایک اور قتل ہے جس کا نام ''شبہ عمد'' ہے اور وہ یہ ہے کہ کوئی شخص کسی ایسے ہتھیار سے قتل کرے جس سے عموماً قتل نہیں کیا جاتا تو اس میں قصاص نہیں ہے بلکہ دیت ہے صفت میں قتل عمد جیسی اور تاجیل اور حمل علی العاقلۃ میں قتل خطا جیسی، اور وہ اور قتل عمد قتل خطا کے مقابلے میں کفارہ کے زیادہ مستحق ہیں۔

ایک مرتبہ صحابہ کی ایک جماعت بنی سلیم کے ایک آدمی کے پاس سے گذری، وہ اپنی بکریاں ہانکے جا رہا تھا، اس نے ان لوگوں کو سلام کیا، انھوں نے کہا کہ صرف جان بچانے کے لئے اس نے سلام کیا ہے اور اس کو قتل کر دیا اور اس کی بکریوں کو ہانک لے گئے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی (اے ایمان والو! جب تم اللہ کے راستے میں) جہاد کے لئے (چلو تو تحقیق کر لیا کرو) اور ایک قرأت میں دونوں جگہوں میں ثائے مثلثہ کے ساتھ ہے یعنی فتثبّتوا (اور جو تم کو سلام کرے) سلامٌ الف کے ساتھ بھی ہے اور بغیر الف کے بھی یعنی سلمٌ، اس کے معنی طاعت کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ کلمۂ شہادت بولے جو اسلام کی علامت ہے (تو تم اس سے یہ مت کہو کہ تم مومن نہیں ہو) اور تم نے یہ صرف اپنی جان اور مال بچانے کیلئے کہا ہے کہ تم اسے قتل کر سکو (تم اس سے دُنیوی زندگی کا سامان چاہتے ہو) یعنی مالِ غنیمت (تو اللہ کے پاس بہت مال غنیمت ہے) جو تم کو اس جیسے آدمی کے اس مال سے بے نیاز کر دے گا (اس سے پہلے تم لوگ بھی ایسے ہی تھے) پھر تمہاری جان اور تمہارے مال کی حفاظت صرف تمہارے کلمۂ شہادت بولنے کی وجہ سے کی گئی (پس اللہ نے) تمہارے ایمان کو اور استقامت کو مشہور کر کے (تم پر احسان فرمایا، پس تحقیق کر لو) کہ کہیں مومن کو نہ قتل کر دو، اور جو کوئی اسلام میں داخل ہوتا ہے اس کے ساتھ وہی معاملہ کرو جیسا تمہارے ساتھ کیا گیا (بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کی خبر رکھتے ہیں) پس وہ تم کو اس کا بدلہ دیں گے (مومنین میں سے وہ لوگ جو جہاد سے بیٹھ رہنے والے ہیں اس حال میں کہ انھیں کوئی عذر نہیں ہے) لفظ غیــــر رفع کے ساتھ ہے تب صفت ہے، اور نصب کے ساتھ ہے تب استثناء ہے، یہ عذر اپاہج ہونے کا ہو یا نابینائی کا ہو یا اس کے علاوہ ہو (اور وہ جو اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جان سے جہاد کرنے والے ہیں دونوں برابر نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جو اپنے مال اور جان سے جہاد کرنے والے ہیں) کسی عذر کی وجہ سے (بیٹھ رہنے والوں پر ایک درجہ فضیلت بخشی ہے) کیونکہ نیت میں دونوں برابر ہیں اور عمل میں مجاہدین زائد ہیں (اور) فریقین میں سے (ہر ایک سے اللہ نے حسنیٰ) یعنی جنت (کا وعدہ کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے جہاد کرنے والوں کو) بغیر عذر کے (بیٹھ رہنے والوں پر اجر عظیم کی فضیلت بخشی ہے جو کہ اس کی طرف سے درجات ہیں) یعنی

ایک دوسرے کے اوپر عزت واکرام کی منزلیں ہیں درجاتٍ منه، اجراً عظیماً سے بدل ہے (اور مغفرت اور رحمت بخشی ہے) یہ دونوں اپنے اپنے فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہیں (اور اللہ تعالیٰ) اپنے اولیاء کی (مغفرت کرنے والے) اور اہل طاعت پر (رحم فرمانے والے ہیں)

﴿تشریحات﴾

مخطئاً فی قتله: آیت کریمہ میں إلاَّ خطئاً حال ہے، اور اسم فاعل کے معنی میں ہے، مفسر نے مخطئاً کہہ کر اسی بات کو ظاہر کیا ہے۔

بان قصد إلیٰ غیره: قتل خطا کی دو صورتیں مفسر علام نے ذکر کی ہیں۔ ایک یہ کہ مارنے کا ارادہ کسی اور کو تھا، مثلاً شکار کے جانور کو مارنا تھا، یا درخت وغیرہ کو نشانہ لگانا تھا، مگر وہ ہتھیار کسی آدمی کو لگ گیا اور وہ ہلاک ہوگیا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مارا تو قصداً ہی، مگر کسی ایسے ہتھیار سے نہیں مارا جس سے آدمی مر جائے، مگر تقدیر کی بات کہ وہ مر گیا، یہ دوسری صورت تو قتل خطا کی ہے کہ مگر اصطلاح میں اسے "قتل شبہ عمد" کہتے ہیں، آیت زیر بحث میں قتل خطا کی ان دونوں صورتوں کی جزا بیان ہو رہی ہے۔

نسمة ﴿مومنة﴾ علیه: مفسر نے علیه کا اضافہ کر کے واضح کیا ہے کہ فتحریر رقبةٍ مومنةٍ مبتدا ہے، اور علیہ اس کی خبر محذوف ہے۔

یتصدقوا علیه بها بان یعفو عنها: یَصَّدَّقُوا کی اصل یتصدقوا ہے، دِیت کا صدقہ یہ ہے کہ مقتول کے ورثہ دیت کو معاف کر دیں۔

وبینت السنة الخ: حدیث میں دیت کی جو تفصیل ہے وہ یہ ہے کہ دیت میں کل سو اونٹ ہوتے ہیں۔ بیس بنت مخاض، بیس بنت لبون، بیس بنو لبون، بیس حقہ، اور بیس جذعہ، یعنی ایک سال کی اونٹنی، دو سال کی اونٹنی، دو سال کے اونٹ، تین سال کی اونٹنی اور چار سال کی اونٹنی، ہر ایک بیس بیس، یہ دیت کی تفصیل ہے۔ یہ تفصیل امام شافعی علیہ الرحمہ کے مسلک کے مطابق ہے، امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک بنت مخاض کے ساتھ بیس ابن مخاض ہوں گے، ابن لبون نہیں ہوں گے۔

وأنها علی عاقلة القاتل: دوسری بات یہ ہے کہ دیت قاتل کے عاقلہ پر ہوگی قاتل پر نہ ہوگی جو تین سال میں بالاقساط ادا کی جائے گی، ان میں جو مالدار ہوں گے ان کے ذمہ سالانہ نصف دینار، اور جو متوسط ہوں گے ان کے ذمے چوتھائی دینار۔ اگر تین سال میں تکمیل نہ ہو سکے تو بیت المال سے پورا کیا جائے گا، اگر وہاں سے بھی تکمیل نہ ہو سکے تو قاتل کے ذمے باقی کا ادا کرنا ہے۔

وهم عصبته إلا الاصل والفرع: **عاقلہ کون ہیں** ؟ امام شافعی علیہ الرحمہ کا جواب یہ ہے کہ عاقلہ خاندان

کے وہ لوگ ہیں جو وراثت میں عصبہ ہوتے ہیں، یعنی قاتل کے وہ رشتہ دار جن کی قرابت عورت کے واسطے سے نہ ہو، جیسے بھائی، بھتیجے، چچا وغیرہ، باپ اور بیٹے بھی عصبہ ہوتے ہیں مگر ان کا شمار عاقلہ میں نہیں ہے، اسی کو مفسر نے **وهم عصبته** کہنے کے بعد **إلاَّ الاصل والفرع** کہہ کر مستثنیٰ کیا ہے۔

(**تنبیه**) جلالین شریف کے ہندوستان مطبوعہ نسخوں میں عبارت اس طرح ہے: **وهم عصبته الاصل والفرع**، اس میں إلا چھوٹ گیا ہے جس کی وجہ سے مطلب خبط ہوگیا ہے۔

فقہ شافعی کی معتبر کتاب ''اَلْمَجْمُوْعُ شَرْحُ الْمُهَذَّبُ'' میں ہے: **والعاقلة هم العصبات الذین یرثون بالنسب أو الولاء غیر الاب والجد والابن وابن الابن** (ج:۱۹،ص:۱۵۳) عاقلہ وہ عصبات ہیں جو نسب یا وِلاء کے واسطے سے وارث ہوتے ہیں، بجز باپ اور دادا کے، اور بجز بیٹا اور پوتا کے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اصل اور فرع عاقلہ میں داخل نہیں ہیں۔

امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک عاقلہ ''اہل دیوان'' ہیں، فی زمانہ اس کا ترجمہ ہم پیشہ یا محکمہ کے ملازمین سے کیا جاسکتا ہے، اصل میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں پہلی بار فوجیوں اور دیگر عہدیداروں کے رجسٹر تیار کرائے، (یہی لوگ اہل دیوان کہلائے) اہل دیوان میں سے کسی نے قابل دیت جرم کا ارتکاب کیا تو اہل دیوان کو عاقلہ قرار دے کر ان پر دیت عائد کی .... اگر کسی شخص کے اہل دیوان نہ ہوں تو اہل خاندان عاقلہ ہوں، ان میں قرابت معیار ہوگی۔ (قاموس الفقہ، ج:۴،ص:۳۶۷)

عاقلہ کے ذیل میں خود قاتل بھی امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک داخل ہوگا، اس پر بھی دیت عائد ہوگی۔

وهی ثلث دیة المومن الخ: امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک اگر مقتول اہل ذمہ ہے، تو اگر وہ یہودی ہے یا عیسائی ہے، تو اس کی دیت مومن کی دیت کا ایک تہائی ہے، اور اگر مجوسی یا بت پرست ہے تو اس کی دیت، کل دیت کے دسویں حصہ کی دو تہائی ہوگی (پندرہواں حصہ ۱/۱۵) امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک کافر ذمی اور مسلم کی دیت برابر ہے۔

وبه أخذ الشافعی فی اصح قولیه: قتل کے کفارے میں روزے کے بعد کھانا کھلانے کا ذکر نہیں ہے، پس کفارے میں کھانا کھلانا نہیں ہے، امام شافعی علیہ الرحمہ کے اس باب میں دو قول ہیں، اصح قول یہی ہے جو مذکور ہوا۔

مصدر منصوب بفعله المقدر: توبةً من الله، مفعول مطلق ہے، اور اس کا فعل مقدر ہے، اور وہ تاب ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے توبہ قبول ہے، اگر کوئی شخص ان کفارات کی تعمیل اور دیت دے۔

بان یقصد قتله الخ :مفسر نے اس عبارت سے قتل عمد کی تعریف کی ہے، کہ قاتل کسی شخص کو مومن جانتا ہے، اس کے باوجود اس کو بالارادہ کسی ایسے ہتھیار سے قتل کرتا ہے جس سے عموماً قتل کیا جاتا ہے، تو یہ "قتل عمد" ہے۔

وھٰذا مؤول بمن یستحله :اس عبارت سے مفسر ایک اشکال کا جواب دے رہے ہیں۔ اشکال یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے قرآن پاک میں صرف کفر وشرک کی سزا یہ بیان کی ہے کہ وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا، مرنے کے بعد کفر وشرک کی معافی نہیں ہے، اس کے علاوہ ہر گناہ کے معاف ہونے کی گنجائش ہے، پھر قتل عمد کی سزا میں **خالداً فیھا** کیوں ارشاد فرمایا گیا؟

مفسر نے اس اشکال کے تین جواب دئے ہیں:

(۱) پہلا جواب یہ ہے کہ یہ سزا مطلق قتل عمد کی نہیں ہے بلکہ اس قاتل عمد کی ہے، جو اس کو حلال سمجھتا ہو۔ خاکسار راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ قاتل عمد سے یہ کچھ بعید نہیں ہے کہ اس کے خیال میں یہ قتل جائز ہو، اس لئے قاتل جب کسی کو قتل کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا ایمان ضرور روکتا ہے، پھر اس کا نفس اس قتل کے جواز بلکہ ضروری ہونے کے حیلے پیش کرتا ہے اور غالباً اچھی خاصی کشمکش کے بعد اس کے قتل پر وہ آمادہ ہوتا ہے، تو ہوسکتا ہے کہ نفس کی بہانہ بازیوں اور اس حیلۂ وتزویر کے باعث وہ اس قتل کے جواز کی حد تک پہونچ گیا ہو، اور اس غلط اعتقاد کی وجہ سے اس کا ایمان رخصت ہوگیا ہو، اور اس کے سبب جہنم میں دوام کا مستحق قرار دیا گیا ہو۔

(۲) دوسرا جواب مفسر نے یہ دیا کہ قتل عمد ہے ہی اتنا شدید اور کفر کا ہم پلہ گناہ کہ اگر اس کی قرار واقعی سزا دی جائے تو یہی اس کی سزا ہوگی، لیکن وعید کے خلاف کرنا تو عین کرم ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: **ویغفر مادون ذٰلک لمن یشاء۔**

(۳) تیسرا جواب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے دیا ہے کہ یہ آیت اپنے ظاہر پر ہے، اور جن آیتوں میں کفر وشرک کے علاوہ دوسرے گناہوں کی مغفرت کا ذکر ہے، اس کے لئے یہ ناسخ ہے یعنی قتل عمد کا گناہ معاف نہیں ہوگا۔

لیکن یہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا آخری قول نہیں ہے، ان کا آخری قول جمہور امت کے مطابق ہے کہ قتل عمد کا گناہ بھی معاف ہوسکتا ہے، ان کا مذکورہ بالا قول تشدید وتغلیظ پر محمول ہے۔

وبینت السنة :قرآن کریم میں قتل کی دو قسموں کا ذکر ہے، قتل عمد اور قتل خطا، لیکن اگر غور کیا جائے تو قتل خطا کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں۔ ایک تو وہی جو اوپر گذری، یعنی مارنے کا ارادہ کسی اور کو تھا مگر نشانہ کسی اور پر لگ گیا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کسی کو ایسے اوزار سے مارا جس سے قتل کا وقوع نہیں ہوتا، مگر ہوا یہ کہ اسی ضرب سے وہ مر گیا، مثلاً لاٹھی سے مارا، اور مضروب مر گیا تو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس نے قتل کا ارادہ کیا تھا ورنہ وہ لاٹھی سے نہ مارتا، اور یہ بھی

نہیں کہا جاسکتا کہ اس نے غلطی سے مار دیا، کیونکہ لاٹھی تو بقصد ضرب ہی چلائی تھی، اور اسی شخص پر چلائی تھی، یہ بھی قتل خطا ہی ہے، لیکن حدیث میں اسے ''شبہ عمد'' کا نام دیا گیا ہے، اس میں بھی قتل خطا کی طرح قصاص نہیں ہے بلکہ دیت ہے۔

کالعمد فی الصفة: قتل شبہ عمد کی دیت صفت میں وہی ہے جو قتل عمد کی دیت ہے، اور وہ یہ کہ دیت میں تو سو اونٹ متعین ہیں، لیکن قتل شبہ عمد میں تین طرح کے اونٹ دئے جائیں گے۔ تیس حقے، تیس جذعے اور چالیس گابھن اونٹنیاں۔ یہ تفصیل امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک ہے، اور احناف میں امام محمد علیہ الرحمہ کا بھی یہی قول ہے۔ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک چار طرح کے اونٹ دیت میں متعین ہیں، ۲۵/۲۵/ بنت مخاض، بنت لبون، حقہ اور جذعہ۔

والخطأ في التاجيل والحمل: شبہ عمد کی دیت قتل خطا کی دیت کی طرح ہی تین سال میں ادا کی جائے گی، اور یہ کہ اس کا تحمل بھی عاقلہ ہی کریں گے۔

وهو والعمد اولىٰ بالكفارة من الخطأ: فرماتے ہیں کہ قتل شبہ عمد اور قتل عمد میں کفارہ کا لزوم قتل خطا کے مقابلے میں اولیٰ ہے، کیونکہ کفارہ گناہ کو مٹانے کے لئے ہوتا ہے، تو قتل خطا میں جبکہ معمولی گناہ ہے، صرف بے احتیاطی کا گناہ! تو قتل عمد اور شبہ عمد میں تو قصد وارادہ کا بھی گناہ ہے، اس کے ختم کرنے کا اہتمام اور زیادہ ہونا چاہئے، اس لئے بطور دلالۃ النص کے اس میں کفارہ کا وجوب بدرجۂ اولیٰ ہونا چاہئے، یہ قیاس اولوی اور یہ دلالۃ النص کا ادعاء حضرات شوافع کا ہے، حنفیہ کی نگاہ اس مسئلے میں ذرا دقیق وعمیق ہے، وہ یہ کہ قتل شبہ عمد، عمد تو ہے نہیں، پس لامحالہ قتل خطا میں داخل ہے، کیونکہ قرآن کریم نے قتل کی دو ہی صورتیں بیان کی ہیں، قتل عمد اور قتل خطا، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ قتل شبہ عمد میں، قتل عمد کی طرح قصاص کا حکم نہیں ہے بلکہ قتل خطا کی طرح دیت کا حکم ہے، اس لئے اسے قتل خطا ہی کے ذیل میں شمار کرنا ہوگا، پس اس میں جس طرح دیت اور کفارہ ہے، شبہ عمد میں بھی دیت اور کفارہ ہوگا۔

رہا قتل عمد، تو وہ قتل خطا سے علیحدہ ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کی دنیوی اور اخروی دونوں سزائیں بیان کی ہیں، دنیوی سزا قصاص اور اخروی سزا دخول جہنم، اگر اس کی سزا میں کفارہ بھی مطلوب ہوتا، تو بیان کرنے سے کوئی مانع نہ تھا، تو جس حکم سے موقع بیان میں سکوت ہوا ہو وہ حکم نہیں متعین کیا جاسکتا۔

ونزل لما مر نفر من الصحابة برجلٍ من بني سليم الخ: حضرت مفسر علیہ الرحمہ نے یاایھا الذین آمنوا إذا ضربتم فی سبیل اللہ الخ کی شانِ نزول بیان کی ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت جہاد کے لئے باہر نکلی تھی، قبیلہ بنی سلیم کا ایک آدمی ان کے پاس بکریوں کا

ریوڑ لے کر گزرا، اس نے انھیں سلام کیا، ان لوگوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اس نے سلام محض اپنی جان اور اپنے مال کے بچاؤ کے لئے کیا ہے، یہ مشورہ کر کے سب نے مل کر اسے قتل کر دیا اور بکریاں قبضے میں لے لیں، جب وہ رسول اللہ ﷺ کے خدمت میں حاضر ہوئے تو یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے ایک اور ذرا مفصل روایت ہے، فرماتے ہیں کہ ایک شخص مرداس بن نہیک قبیلہ مرۃ بن عون سے تعلق رکھنے والا تھا، وہ فدک کا رہنے والا تھا، اس کی قوم میں بس وہی ایک مسلمان ہوا تھا، اس قوم کو معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کا ایک لشکر آ رہا ہے، اس سریہ کے سردار غالب بن فضالہ لیثی تھے، قوم کے سارے افراد اس خبر کو سن کر بھاگ گئے، صرف مرداس رہ گئے، وہ نہیں بھاگے کہ وہ مسلمان تھے، انھوں نے دور سے لشکر کو آتے دیکھا تو اندیشہ ہوا کہ خدانخواستہ شاید یہ مسلمان نہ ہوں دوسرے لوگ ہوں، تو انھوں نے بکریوں کو پہاڑ کی ایک گھاٹی میں ہانک دیا اور خود پہاڑ پر چڑھ گئے، جب لشکر قریب پہونچا تو انھیں اللہ اکبر اللہ اکبر کی گونج سنائی دی، وہ سمجھ گئے کہ یہ صحابۂ کرام ہی ہیں، اس پر انھوں نے بھی اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور پہاڑ سے نیچے **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** اور **السلام علیکم** کہتے اتر آئے، جیسے ہی وہ اترے حضرت اسامہ بن زید نے انھیں جھپٹ لیا اور قتل کر دیا، اور بکریاں ہانک لیں، جب رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے تو آپ کو صورت واقعہ کی اطلاع دی، آپ کو کمالِ رنج ہوا، فرمایا کہ اس کے مال کی فکر میں تم نے اسے قتل کر دیا؟ پھر آپ نے مذکورہ بالا آیت پڑھ کر سنائی، حضرت اسامہ نے عرض کیا، حضرت! میرے لئے استغفار کر دیجئے، آپ فرما رہے تھے تم **لا الہ الا اللہ** کو کیا کرو گے؟ اسامہ فرماتے ہیں کہ حضرت بار بار اسی کو دہراتے رہے، میں سوچنے لگا کہ کاش میں آج ہی اسلام لایا ہوتا، پھر آپ نے میرے لئے استغفار فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ ایک غلام آزاد کر دو۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اس نے تلوار کے خوف سے کلمہ پڑھا تھا، آپ نے فرمایا، تو تم نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھ لیا کہ اس نے خوف سے پڑھا تھا کہ نہیں۔ (جمل)

وفی قرأة بالمثلثة فی الموضعین: فَتَبَيَّنُوْا میں دو قرأت ہے، ایک تو یہی بیان سے مشتق ہے، یعنی تَبَيَّنُوْا، مطلب یہ ہے کہ معاملہ کو اچھی طرح تحقیق کر کے واضح کر لو، اس کے بعد کوئی اقدام کرو۔ دوسری قرأت میں ثبت سے مشتق ہے، یعنی فتثبتوا، تثبت کا مطلب ہے اطمینان اور ٹھہراؤ، خلاف عجلت، یعنی ٹھہر کر تحقیق کر لو، پھر اقدام کرو۔ اس آیت میں یہ لفظ دو جگہ آیا ہے، ایک ابتدا کے قریب اور انتہا کے قریب۔

﴿السلام﴾ **بالف ودونها**: **ولا تقولوا لمن القیٰ الیکم السلام** میں بھی دو قرأت ہے، ایک **السلام** اور ایک **السَّلَم**، سلام کا مطلب سلام کرنا ہے، اور **السَّلَم** کے معنی اطاعت و انقیاد ہے۔

تبتغون: یہ ولا تقولوا لمن القیٰ الیکم السلام سے حال ہے، فعل نہی کے فاعل سے جب کوئی جملہ حال بنتا ہے تو عموماً نہی اس فعل سے مقصود نہیں ہوتی جس پر لائے نہی داخل ہے بلکہ اس کی قید سے نہی مقصود ہوتی ہے، مثلاً اگر کسی سے کہا جائے کہ **لا تطلب العلم تبتغی به الجاہ**، علم مت طلب کرو اس حال میں کہ تم طالب جاہ ہو، اس جملہ میں طلب علم سے نہی مراد نہیں ہے، صرف طلب جاہ سے نہی مقصود ہے، لیکن قرآن کریم کی اس آیت میں ایسا نہیں ہے بلکہ دونوں سے نہی مقصود ہے، یعنی تم یہ بھی مت کہو کہ تم مومن نہیں ہو، اور دنیاوی سامان کی چاہت بھی نہ رکھو۔

کذٰلک کنتم من قبل تعصم دماء کم الخ: حق تعالیٰ نے یہ جو فرمایا کہ تم بھی پہلے ایسے ہی تھے، اس کا مطلب مفسر نے یہ بتایا ہے کہ ابتداءً جب تم مسلمان ہوئے تھے، تو تمہارا بھی یہی حال تھا کہ محض کلمۂ ایمان کے زبان سے ادا کرنے کی وجہ سے تم کو مسلمان تسلیم کرلیا گیا تھا، پھر بعد میں اللہ نے احسان فرمایا کہ تمہارے ایمان اور تمہاری استقامت کو شہرت عطا فرمائی، اور تمہارا مسلم و مومن ہونا شک وشبہ سے بالاتر ہوگیا، لہٰذا کسی کو قتل کرنے سے پہلے اس کے ایمان کی تحقیق کرلو، اور جو اپنے کو مسلمان کہتا ہے اس کے ساتھ وہی معاملہ کرو جو تمہارے ساتھ کیا گیا تھا۔

عن الجهاد: اس حرفِ جر کا تعلق القاعدون سے ہے، یعنی وہ لوگ جو جہاد میں شرکت نہیں کرتے۔

غیر اولی الضرر بالرفع صفة والنصب استثناء: لایستوی القاعدون من المومنین غیر اولی الضرر میں مفسر نے فرمایا، غیر اولی الضرر میں دو قرأت ہے۔ ایک غیر کے رفع کے ساتھ، اس صورت میں غیر اولی الضرر، القاعدون کی صفت ہے، اس صورت میں صاحب جمل نے لکھا ہے کہ اس میں ایک اِشکال ہے، وہ یہ کہ لفظ القاعدون معرفہ ہے، اور لفظ غیر باوجود اضافت کے بعد بھی معرفہ نہیں ہو پاتا۔ نکرہ ہی رہتا ہے، پس موصوف اور صفت میں مطابقت نہیں رہی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ القاعدون سے چونکہ کوئی متعین شخصیت مراد نہیں ہے، بلکہ وہ لوگ مراد ہیں جو جہاد سے غیر حاضر رہے، اس لئے وہ مثل اسم جنس کے ہے، جو معرفہ نہیں ہوا، بلکہ نکرہ ہی کے حکم میں ہے، یا یہ کہا جائے کہ لفظ غیر جب دو متضاد چیزوں کے درمیان آئے تو معرفہ ہوجاتا ہے، اور یہاں مجاہدین اور قاعدین دو متضاد جماعتوں کے درمیان آیا ہے، اور وہ معرفہ ہے، اس لئے کہ معرفہ کی صفت بن سکتا ہے۔

صاحب فتوحات الٰہیہ (جمل) نے اسے القاعدون سے بدل قرار دیا ہے۔

غیر کو اگر منصوب پڑھا جائے تو یہ القاعدون سے استثناء ہے۔

من زمانة أو عمی أو نحوه الخ: یہ الضرر کا بیان ہے، یعنی لُولا ہونا، اندھا یا لنگڑا ہونا۔

لـضـرر: یہاں جو اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کی فضیلت قاعدین پر بیان فرمائی ہے، اس سے مراد وہ قاعدین ہیں جن کو کوئی معذوری لاحق ہے، ان پر مجاہدین کو ایک درجہ فضیلت حاصل ہے کیونکہ نیت میں دونوں اگرچہ برابر ہیں کہ جہاد میں شرکت سے کسی کو گریز نہیں ہے، مگر مجاہد بالفعل شریک ہے اور معذور عملاً شریک نہیں، اس لئے مجاہد کو ایک درجہ فضیلت ضرور حاصل ہوگی۔

لغیر ضرر: دوبارہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ أَجْراً عَظِيْماً**، اس جگہ قاعدین سے مراد وہ لوگ ہیں جو بغیر کسی عذر کے جہاد میں شرکت نہیں کرتے، ان پر مجاہدین کو اجر عظیم کی فضیلت حاصل ہے، اور اس **اجراً عظیما** کا بدل **درجات منه** ہے، یعنی ایک دوسرے کے نیچے اوپر بہت سے مرتبے ہیں۔

ومغفرة ورحمة منصوبان بفعلهما المقدر: یہ دونوں اپنے اپنے فعل مقدر کے مفعول مطلق ہیں، یعنی **غفر الله مغفرةً ورحم رحمةً**۔

﴿مضامین آیات وتفسیر﴾

اہل ایمان کو اللہ کی جانب سے ایمان وعمل کی جو دولت ملتی ہے اور جیسی تربیت ہوتی ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ کوئی مومن کسی مومن کے قتل کا گنہگار نہ ہو، الاّ یہ کہ غلطی سے یا نادانستہ اس سے یہ حرکت سرزد ہو جائے، غلطی کا مطلب یہ ہے کہ نہ قتل کرنے کا ارادہ تھا اور نہ قتل کردینے والا کوئی ہتھیار تھا، کسی اور وجہ سے اس پر ہاتھ اٹھایا تھا مگر اسے ایسی چوٹ لگی کہ وہ مر گیا۔ اور نادانستہ کا مطلب یہ ہے کہ اسے میدان جنگ میں کافر سمجھ کر مارا مگر وہ مسلمان تھا، یا شکار کا جانور سمجھ کر گولی چلادی مگر وہ جانور نہ تھا، آدمی تھا، یہ عمل اصلاً گناہ نہیں ہے مگر انسانی جان اتنی قیمتی ہے کہ غلطی سے مارنے والا بھی گناہ سے بچ نہیں سکتا، کم از کم بے احتیاطی کا گناہ ہوا، تو اس گناہ کی بخشش کی صورت یہ ہے کہ ایک غلام جو مومن ہو آزاد کرے، اور اس کے ساتھ مقتول کے ورثہ کو دیت ادا کرے، الاّ یہ کہ ورثہ دیت کو معاف کردیں، اور دیت ۱۰۰/ اونٹ یا اس کی قیمت ہے، دیت کی یہ بھاری رقم صرف قاتل پر نہ ہوگی بلکہ اس کے اہل دیوان اور خاندان پر ہوگی، خاندان سے کیا مراد ہے؟ کتب فقہ میں اس کی تفصیل دیکھی جاسکتی ہے، اگر اہل خاندان سے ان کی غربت کی وجہ سے نہ ہو سکے تو حکومت بیت المال سے پورا کرے، اگر بیت المال میں بھی گنجائش نہ ہو تو پھر جنایت کرنے والا تن تنہا ذمے دار ہے۔

اور اگر مقتول بقتل خطا مومن تو ہے، مگر دار الحرب میں رہتا ہے اور حربیوں کی قوم سے ہے، تو اس کا کفارہ محض مومن غلام کا آزاد کرنا ہے، دیت انھیں نہیں دی جائے گی، اور اگر وہ ان لوگوں کی قوم سے ہے جن سے مصالحت ہے، جیسے اہل ذمہ، تو اس کی دیت بھی لازم ہوگی، اور مومن غلام کا آزاد کرنا بھی، لیکن گر غلام نہ میسر ہو تو قاتل دو ماہ مسلسل روزہ رکھے۔

اور جو کوئی کسی مومن کو جان بوجھ کر قصداً قتل کر دے، تو اس کا بدلہ جہنم ہے کہ اس میں ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ کا غصہ ہوا، اور خدا نے اپنی رحمت سے اسے دور کر دیا، اور اس کے لئے دردناک عذاب تیار کیا ہے، اگر قاتل عمد نے حلال اور جائز سمجھ کر قتل کیا ہے تب تو یہ سزا بالکل ظاہر ہے، کیونکہ حرام قطعی کو حلال سمجھنے والا کافر ہے، اور کفر کے ساتھ قتل کا گناہ جڑ گیا ہے، اس لئے دردناک ترین عذاب کا اس پر مسلط ہو جانا بالکل ظاہر ہے۔

اور اگر وہ حلال نہیں حرام سمجھتا ہے، اس کے باوجود اس گناہِ عظیم کا مرتکب ہوتا ہے تو اس کی واقعی سزا جو ہونی چاہئے، وہ تو یہی ہے جسے حق تعالیٰ نے بیان کیا، مگر ایمان کی طاقت گناہ کی اور سزا کی سختی کو کم کر دیتی ہے، اس کی وجہ سے جہنم میں دوام و خلود سے بچ جائے گا، مگر سخت عذاب سے نہیں بچ پائے گا۔

قتل خطا اور قتل عمد کے درمیان میں ایک قتل شبہ عمد ہے، وہ یہ کہ قتل کرنے کا ہتھیار تو اس نے استعمال نہیں کیا، مگر بالقصد مارا ہے گو کہ قتل کا ارادہ نہ تھا، اس میں قصاص تو نہیں ہے، البتہ کفارہ اور دیت ہے۔

قتل کی ان صورتوں اور ان کے احکام کے بیان کے بعد حق تعالیٰ نے اس مسئلے میں احتیاط کی تاکید فرمائی ہے کہ عام حالات تو خیر عام حالات ہیں، ایمان والے اگر جہاد کے لئے نکلیں تو بھی جو سامنے آئے اسے قتل نہ کر دیں، بالخصوص اگر کوئی مسلمانوں جیسا سلام کرتا ہو، یا اپنی اطاعت و انقیاد کا اظہار کرتا ہے تو کسی بدگمانی میں مبتلا ہو کر اسے قتل نہ کرو، اور نہ یہ کہو کہ تم مومن نہیں ہو، اگر مالِ غنیمت حاصل کرنے کی نیت ہے تو اللہ کے پاس بہت کچھ مالِ غنیمت ہے، آخر تم لوگ بھی تو پہلے ایسے ہی تھے کہ کلمۂ شہادت کے اعتراف و اقرار سے مسلمان مان لئے گئے تھے، یہ تو بعد میں اللہ کا احسان ہوا کہ بحیثیت مسلمان ہونے کے شہرت عام حاصل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کو سب علم و خبر ہے۔

پھر فرمایا: جہاد کے باب میں تین طرح کے لوگ ہیں، بعض تو جہاد میں شریک ہیں، بعض شریک ہونا چاہتے ہیں مگر کسی مجبوری اور عذر کی بنا پر شریک نہیں ہو پاتے ہیں، اور اس کا انھیں افسوس ہوتا ہے، بعض لوگ بغیر کسی عذر کے جہاد سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو لوگ جہاد میں شریک ہوتے ہیں، اور جو لوگ بلا اعذار اس سے فرار اختیار کرتے ہیں، دونوں کے درجات میں بہت فرق ہے، ہاں جو لوگ کسی معذوری کی وجہ سے شریک نہیں ہوتے وہ اور مجاہدین گو کہ ایک درجہ میں نہیں ہیں، لیکن صرف ایک درجہ کا فرق ہے، معذور لوگ چونکہ بذاتِ خود شریک جہاد نہیں ہیں، اس لئے ایک درجہ کا فرق ہو گیا، ورنہ نیت میں دونوں برابر ہیں، اللہ نے ہر ایک سے بہتری اور جنت کا وعدہ کیا ہے۔

☆☆☆☆☆

ونزل في جماعةٍ أسلموا ولم يهاجروا فقتلوا يوم بدرٍ مع الكفار ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰهُمُ

الْمَلٰئِكَةُ ظَالِمِيْ أَنْفُسِهِمْ ﴾ بالمقام مع الكفار وترك الهجرة ﴿ قَالُوْا ﴾ لهم موبخين ﴿ فِيْمَ كُنْتُمْ ﴾ أي في أي شئ كنتم في امر دينكم ﴿ قَالُوْا ﴾ معتذرين ﴿ كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ ﴾ عاجزين عن إقامة الدين ﴿ فِي الْاَرْضِ ﴾ أرض مكة ﴿ قَالُوْا ﴾ لهم توبيخاً ﴿ أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ﴾ من أرض الكفر الى بلد آخر كما فعل غيركم ، قال الله تعالىٰ ﴿ فَأُوْلٰئِكَ مَأْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَسَاءَتْ مَصِيْراً ﴾ هي ﴿ إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ ﴾ الذين ﴿ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً ﴾ لا قوة لهم على الهجرة ولا نفقة ﴿ وَلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلاً ﴾ طريقا الىٰ أرض الهجرة ﴿ فَأُوْلٰئِكَ عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوّاً غَفُوْراً ○ وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرَاغَماً ﴾ مهاجراً ﴿ كَثِيْراً وَسَعَةً ﴾ في الرزق ﴿ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِراً اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ ﴾ في الطريق كما وقع لجندع بن ضمره الليثي ﴿ فَقَدْ وَقَعَ ﴾ ثبت ﴿ اَجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْراً رَحِيْماً ﴾

﴿ ترجمــــــہ ﴾

کچھ لوگ مکہ میں اسلام لا چکے تھے، مگر انھوں نے ہجرت نہ کی تھی، اور جبراً وکرہاً غزوۂ بدر میں کفار کے ساتھ وہ شریک جنگ تھے اور اس میں قتل کر دئے گئے، ان کے سلسلے میں یہ آیتیں نازل ہوئیں (بلاشبہ وہ لوگ جن کی روحیں فرشتوں نے اس حال میں قبض کیں، کہ وہ اپنے اوپر ظلم کرنے والے تھے) کیونکہ وہ کفار کے ساتھ رہے اور ہجرت کا فریضہ ترک کیا (فرشتوں نے) ان سے بطور توبیخ کے (کہا کہ تم لوگ) اپنے دین کے باب میں (کس حال پر تھے) انھوں نے معذرت کرتے ہوئے (کہا، ہم لوگ کمزور تھے) یعنی دین کو قائم کرنے سے عاجز اور بے بس تھے (اپنی سرزمین میں) یعنی مکہ میں (انھوں نے) ان سے بطور توبیخ کے (کہا کیا اللہ کی زمین وسعت نہیں رکھتی تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے) یعنی زمین کفر سے دوسرے شہر میں چلے جاتے، جیسا کہ دوسروں نے کیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا (تو یہی لوگ ہیں کہ ان کا ٹھکانا جہنم ہے، اور وہ پلٹ کر جانے کی بری جگہ ہے، مگر وہ لوگ جو کمزور بنا کر رکھے گئے، خواہ مرد ہوں یا عورت یا بچے، جو کسی حیلہ اور تدبیر کی استطاعت نہیں رکھتے) یعنی انھیں نہ ہجرت کی قوت ہے اور نہ ان کے پاس اس کے مصارف ہیں (اور نہ وہ) سرزمین ہجرت کے (راستے کی واقفیت رکھتے تو یہی لوگ ہیں کہ امید ہے کہ اللہ ان سے درگزر کرے اور اللہ عفو وغفور ہیں ○ اور جو کوئی اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا، وہ زمین میں بہت سی ہجرت کی جگہیں پائے گا، اور) رزق میں (وسعت بھی، اور جو کوئی اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی جانب ہجرت کے ارادے سے نکلتا ہے، پھر) راستے میں (اسے موت آجاتی ہے) جیسا کہ حضرت جندع بن ضمرہ لیثی کے ساتھ ایسا واقعہ پیش آیا تھا (تو اس کا اجر اللہ کے اوپر

ہوگیا، اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہیں)

﴿تشریحات﴾

ونزل فی جماعۃٍ أسلموا الخ: فتح مکہ سے پہلے اسلام کے معتبر ہونے کے لئے بشرطِ استطاعت ہجرت لازم تھی، اس کے بغیر مسلمان ہونا قابل اعتبار نہ تھا، تو جو لوگ مسلمان تو ہوگئے تھے، لیکن انھوں نے باوجود قدرت واستطاعت کے ہجرت کے فریضے سے غفلت کی، پھر مزید یہ کہ کفار کے دباؤ میں آکر مسلمانوں کے خلاف جنگ بدر میں شریک بھی ہوگئے اور مارے گئے، ان سے وہ پوچھ گچھ ہورہی ہے، جس کا تذکرہ زیر تفسیر آیت میں ہے۔

بالمقام مع الکفار وترک الھجرۃ: یہ **ظالمی انفسھم** کا بیان ہے، کہ ان کا اپنی جان پر ظلم کرنا یہ تھا کہ وہ کفار کے ساتھ رہتے رہے، اور انھوں نے ہجرت نہیں کی، چونکہ ہجرت شرطِ ایمان تھی اس لئے فرشتے انھیں زجر وتوبیخ کرتے ہیں اور پوچھتے ہیں **فیم کنتم** یعنی

فی أی شئ کنتم فی امر دینکم: دینی معاملے میں تم کس حال میں تھے، کیا تمہیں طاقت نہ تھی، یا نکلنے کی گنجائش نہ تھی، انھوں نے جواب میں کہا: **کنا مستضعفین**، ہم دین کی اقامت سے عاجز اور بے بس تھے، فرشتوں نے ان کے جواب کی تکذیب کی اور فرمایا کہ ایک اور راستہ تھا، وہ یہ کہ تم اس سرزمین کفر سے نکل جاتے۔

إلا المستضعفین: یہ استثناء منقطع ہے، مستثنیٰ منہ وہ لوگ ہیں جو دعوئ ایمان کے ساتھ ساتھ ہجرت کی قدرت رکھتے تھے، لیکن ہجرت نہ کرنے کی وجہ سے ان کا ایمان غیر معتبر رہا۔ یہ لوگ جن کا استثناء کیا گیا ہے، وہ واقعی کمزور تھے، نہ انھیں ہجرت کی طاقت تھی اور نہ یہاں اقامت دین کی گنجائش تھی، اس لئے یہ لوگ سابقہ گروہ میں شامل نہ تھے، ان میں کمزور مرد بھی تھے جیسے عباس بن ربیعہ اور سلمہ بن ہشام، اور بچے بھی تھے، جیسے حضرت عبداللہ بن عباس، اور عورتیں بھی جیسے ان کی ماں ام الفضل بنت الحارث، ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی بہن۔

﴿مراغماً﴾ مهاجراً: مراغم ظرف مکان کا اسم ہے، یعنی ہجرت کرنے کی جگہ، ہجرت گاہ کی تعبیر مراغم سے کی گئی ہے، بات یہ ہے کہ یہ لفظ رغم سے مشتق ہے، کہا جاتا ہے **رغم انفه**، معنی یہ ہے کہ **لصق انفه بالرغام**، رغام کے معنی گرد وغبار اور مٹی کے ہیں، مطلب یہ ہوا کہ اس کی ناک خاک آلود ہوئی، یہ ذلت اور بے عزتی سے کنایہ ہے، تو ہجرت کرنے والا چونکہ اپنی قوم کی ناک مٹی میں رگڑ کر اور اسے ذلیل کرکے دوسری طرف نکل جاتا ہے اس لئے ہجرت گاہ کو مراغم کہا جاتا ہے۔

کما وقع لجندع بن ضمرہ اللیثی: تفسیر خازن کے حوالے سے فتوحاتِ الٰہیہ (جمل) میں نقل کیا ہے کہ جب آیت **إن الذین توفّٰھم الملٰئکۃ** الخ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ میں رہ جانے والے مسلمانوں کے پاس یہ آیت بھیجی، وہاں ان لوگوں کو پڑھ کر سنائی گئی، بنی لیث کے ایک بوڑھے ضعیف مریض

حضرت جندع بن ضمرہ لیثی نے اس آیت کریمہ کو جب سنا تو فرمانے لگے کہ جن لوگوں کو اللہ نے اس وعید سے مستثنیٰ قرار دیا ہے ان میں مَیں نہیں ہوں کہ میرے پاس کوئی حیلہ نہ ہو، کیونکہ میں اتنا مال رکھتا ہوں کہ مدینہ تو کیا اس سے آگے تک جا سکتا ہوں، اللہ کی قسم ہے جو یہ رات میں مکہ میں گزاروں؟ مجھے یہاں سے لے چلو، گھر والے انھیں چارپائی پر لاد کر مکہ کے باہر تنعیم (مسجد عائشہ) تک لے گئے، وہاں ان پر نزع کے آثار ظاہر ہونے شروع ہو گئے، تب انھوں نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر مارا اور کہا اے اللہ! یہ آپ کے لئے ہے اور آپ کے رسول کے لئے میں آپ سے اس بات پر بیعت کرتا ہوں جس پر آپ کے رسول نے آپ سے بیعت کی ہے، پھر ان کی روح پرواز کر گئی، یہ خبر جب حضرات صحابہ کو پہونچی تو ان لوگوں نے کہا کہ اگر موت مدینے میں آئی ہوتی تو بات مکمل ہوتی اور اجر پورا ہوتا، اور مشرکین نے ہنسی اڑائی کہ جو کچھ چاہا تھا وہ نہیں پا سکے، تب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :ومن یخرج من بیته مهاجراً الی الله ورسوله ثم یدرکه الموت فقد وقع اجره علی الله۔

فقد وقع ثبت الاجر الخ :یعنی ہجرت کا اجر اللہ پر واجب ہو گیا، یہ وجوب خود اللہ نے اپنے فضل سے ایفاء وعدہ کے لئے اپنے اوپر مقرر فرمایا ہے۔ یہ وجوب اس معنی میں نہیں جو بندوں پر بڑے کی طرف سے لازم کیا جاتا ہے، بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اس حکم میں وہ شخص بھی ہے جس نے کسی خیر و طاعت کا قصد کیا مگر کسی واقعی مجبوری کی وجہ سے اسے پورا نہ کر سکا، اسے بھی پورا ثواب ملے گا۔

﴿مضامین آیات وتفسیر﴾

مومن کے لئے خلوص اور یکسوئی ضروری ہے، ایمان کے ساتھ کفار و مشرکین کے ساتھ، ان کے طور طریقوں کے ساتھ، ان کی معاشرت کے ساتھ خلا ملا رکھنا مخلوط رہنا درست نہیں، اس سے حق و باطل میں التباس واشتباہ ہوتا ہے، اسی یکسوئی کے لئے ہجرت دورِ ابتداء میں فرض تھی، کہ کفار کے درمیان اہل ایمان نہ رہیں، کیونکہ اس صورت میں نہ تو آزادانہ اسلام پر عمل کر سکیں گے اور نہ اپنے دین و ایمان کو محفوظ رکھ سکیں گے، اور مداہنت ومنافقت سے تو چھٹکارا نہ ملے گا، پھر جو لوگ بغیر عذر کے ہجرت نہ کر سکے، انھیں مجبوراً مسلمانوں کے خلاف جنگوں میں شریک ہونا پڑا، ان میں سے بعض مارے بھی گئے، تو ان کی موت پر فرشتے انھیں زجر و توبیخ کرتے ہیں کہ اگر تم کفار کے درمیان مجبور و مقہور تھے، تو اللہ کی زمین تو تنگ نہ تھی، جہاں رسول موجود تھے وہاں چلے گئے ہوتے، تمہارا کوئی عذر قبول نہیں، ہاں جو لوگ واقعی مجبور تھے، نہ انھیں راستہ معلوم، نہ ان کے پاس ہجرت کے اسباب اور ترکِ وطن کی وسعت، وہ البتہ عند اللہ معذور ہیں، اور کسی تنگی اور پریشانی کے خوف سے ہجرت ترک کرنی روا نہیں ہے، اللہ کا وعدہ ہے کہ جو کوئی اللہ کے لئے اپنے دین کو بچانے کی غرض سے گھر بار اور وطن چھوڑے گا، اللہ تعالیٰ اسے ہجرت کی اچھی جگہیں بھی عطا فرمائیں گے اور بہت کچھ وسعت بھی دیں گے، اور یہ تو ایسی چیز ہے کہ آدمی

ہجرت کی نیت سے نکلا، تو اگر چہ اس کے اس عمل کی تکمیل نہ ہو سکی ہو اور وہ راستے ہی میں وطن کے ساتھ ساتھ دنیا بھی چھوڑ دے تو بھی اس کا پورا ثواب اسے ملے گا، اور حق تعالیٰ کی رحمت و مغفرت کا کیا پوچھنا؟

☆☆☆☆☆

﴿ وَإِذَا ضَرَبْتُمْ ﴾ سافرتم ﴿ فِيْ الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُم جُنَاحٌ ﴾ فی ﴿ أَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الْصَّلٰوةِ ﴾ بأن تردوها من أربعٍ إلیٰ إثنتين ﴿ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَّفْتِنَكُمْ ﴾ ای ينالكم بمكروه ﴿الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾بيان للواقع اذ ذاک فلا مفهوم له، وبينت السنة أن المرادَ بالسفر الطويلُ، وهو أربعةُ بُرُدٍ ، هی مرحلتان ، ويوخذ من قوله (فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ) أنه رخصة لاواجب ، وعليه الشافعیؒ ﴿ إِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوّاً مُبِيْناً ﴾ بيّن العداوة ﴿ وَإِذَا كُنْتَ ﴾ يا محمد حاضراً ﴿فِيْهِمْ ﴾ وأنتم تخافون العدو ﴿ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ ﴾وهٰذا جرىٰ علىٰ عادة القرآن فی الخطاب فلا مفهوم له ﴿ فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ مَعَکَ ﴾ تتاخر طائفة ﴿ وَلْيَأْخُذُوْا﴾ ای الطائفة التی قامت معک ﴿ أَسْلِحَتَهُمْ﴾ معهم ﴿ فَإِذَا سَجَدُوْا﴾ اے صلوا ﴿فَلْيَكُوْنُوْا﴾ اے الطائفة الاخرىٰ ﴿ مِنْ وَّرَائِكُمْ ﴾ يحرسون إلىٰ أن تقضوا الصلوٰة وتذهب هٰذه الطائفة تحرس ﴿ وَلْتَاْتِ طَائِفَةٌ أُخْرىٰ لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَکَ وَلْيَأْخُذُوْاحِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ ﴾ معهم إلىٰ أن يقضوا الصلوٰة وقد فعل النبی ﷺ كذٰلک ببطن نخل ، رواه الشيخان ﴿ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ ﴾ إذا قمتم الى الصلوٰة ﴿ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَيْلَةً وَّاحِدَةً ﴾ بأن يحملوا عليكم فيأخذوكم ، وهٰذا علة الامر بأخذ السلاح ﴿ وَلَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ كَانَ بِكُمْ أَذىً مِنْ مَطَرٍ أَوْ كُنْتُمْ مَرْضٰى أَنْ تَضَعُوْا أَسْلِحَتَكُمْ ﴾ فلا تحملوها، هٰذا يفيد ايجاب حملها عند عدم العذر وهو أحد قولی الشافعی ، والثانی: أنه سنّةٌ و رُجّحَ ﴿ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ ﴾ من العدو، ای: احترزوا منه ماستطعتم ﴿ إِنَّ اللّٰهَ أَعَدَّ لِلْكَافِرِيْنَ عَذَاباً مُهِيْناً﴾ ذاإهانة ﴿ فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ ﴾ فرغتم منها ﴿ فَاذْكُرُوْا اللّٰهَ ﴾ بالتهليل والتسبيح ﴿قِيَاماً وَّقُعُوْداً وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ ﴾ مضطجعين ، ای فی كل حال ﴿ فَإِذَا اطْمَأْنَنْتُمْ﴾ أمنتم ﴿فَأَقِيْمُوْاالصَّلٰوةَ ﴾أدُّوهابحقوقها ﴿ إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا﴾ مكتوباً ای مفروضا ﴿ مَّوْقُوْتًا﴾ ای مقدّراً وقتُها فلا تأخر عنه. ونزل لما بعث ﷺ طائفة فی طلب ابی سفيان وأصحابه لما رجعوا من أحد فشكوا الجراحات ﴿ وَلَا تَهِنُوْا﴾ تضعفوا ﴿ فِی ابْتِغَاءِ﴾ طلب ﴿الْقَوْمِ ﴾الكفار لتقاتلوهم ﴿ إِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ ﴾ تجدون ألم الجراح ﴿ فَإِنَّهُمْ

یَأْلَمُوْنَ كَمَا تَأْلَمُوْنَ﴾ ای مثلکم ، ولا یجبنون عن قتالکم ﴿ وَتَرْجُوْنَ﴾ أنتم ﴿ مِنَ اللّٰهِ﴾ من النصر والثواب علیه ﴿ مَالَا یَرْجُوْنَ ﴾ هم ، فأنتم تزیدون علیهم بذٰلک فینبغی أن تکونوا أرغب منهم فیه ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِیْماً﴾ بکل شئ ﴿ حَكِیْماً﴾ فی صنعه.

﴿ترجمہ﴾

(اور جب تم زمین میں سفر کرو، تو تم پر) اس میں (کوئی حرج نہیں ہے کہ نماز میں سے کچھ گھٹا دو) یعنی چار رکعت سے کم کر کے دو رکعت کر دو (اگر تم کو کافروں کی طرف سے اندیشہ ہو کہ وہ تمہیں آزمائش میں ڈال دیں گے) یعنی تمہیں تکلیف میں مبتلا کر دیں گے، أن یفتنکم الذین کفروا اُس وقت کے حال کے اعتبار سے بیانِ واقع ہے، کیونکہ اس دور میں کفار پریشان کیا ہی کرتے تھے، اس لئے اس کا مفہوم مخالف معتبر نہیں، سنت نے بیان کیا کہ سفر سے مراد سفر طویل ہے، اور وہ چار برید ہے جو کہ دو مرحلے ہیں، فلیس علیکم جناح سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ یہ رخصت یعنی قصر کرنا جائز ہے، واجب نہیں ہے، امام شافعی علیہ الرحمہ کا مسلک یہی ہے (بے شک کفار تمہارے کھلے ہوئے دشمن ہیں ○ اور) اے محمد! (جب تم ان کے درمیان موجود ہو) اور تمہیں دشمن سے اندیشہ ہو (پھر تم ان کے لئے نماز قائم کرو) حضور اکرم ﷺ کے ساتھ یہ تخاطب قرآن کریم کے عام دستور کے مطابق ہے، پس اس کا مفہوم مخالف معتبر نہیں (پس چاہئے کہ ان میں ایک گروہ تمہارے ساتھ کھڑا ہو) اور ایک گروہ پیچھے رہے (اور چاہئے کہ) وہ گروہ جو تمہارے ساتھ کھڑا ہے (اپنے ہتھیاروں کو) اپنے ساتھ (لئے رہے، پس جب وہ سجدہ کریں) یعنی نماز پڑھیں (تو وہ) یعنی دوسرے گروہ کے لوگ (تمہارے پیچھے رہیں) اور نماز کے ادا ہو جانے تک پہرہ دیتے رہیں، اور پھر یہ نماز پڑھنے والا گروہ جا کر پہرہ دے (اور دوسرے گروہ والے جنھوں نے ابھی نماز نہیں ادا کی ہے، آ کر تمہارے ساتھ نماز ادا کریں، اور چاہئے کہ وہ بھی اپنے بچاؤ کا سامان اور ہتھیار لئے رہیں) یہاں تک کہ نماز پوری ہو جائے، یہ عمل رسول اللہ ﷺ نے بطن نخل میں کیا تھا، رواہ الشیخان (کفار چاہتے ہیں کہ) جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو (اپنے ہتھیاروں سے اور اپنے سامانوں سے غافل ہو جاؤ کہ وہ یکبارگی تم پر حملہ کر دیں) یعنی دفعۃً حملہ کر کے تمہیں اپنی گرفت میں لے لیں، ہتھیار ساتھ میں لینے کی علت یہی ہے (اور تم پر کوئی حرج نہیں اگر تمہیں بارش کی وجہ سے کچھ دقت ہو، یا تم مریض ہو، اس بات میں کہ تم ہتھیار تو اتار دو) یعنی اسے ساتھ نہ رکھو، اس سے معلوم ہوا کہ عذر نہ ہونے کی حالت میں ہتھیار کا لئے رہنا واجب ہے، یہ امام شافعی علیہ الرحمہ کا ایک قول ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ عدم عذر کی حالت میں ہتھیار کا لئے رہنا سنت ہے، اور یہی قولِ اخیر راجح قرار دیا گیا ہے (اور) دشمن سے (بچاؤ کا سامان کئے رہو) یعنی جتنا ہو سکے دشمن سے بچاؤ کا انتظام رکھو (بلا شبہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لئے رُسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے ○ پھر جب نماز ادا کر چکو)

یعنی اس سے فارغ ہو جاؤ (تو اللہ کو) تسبیح و تہلیل کے ذریعے (یاد کرو کھڑے ہو کر بھی اور بیٹھ کر بھی اور لیٹنے کی حالت میں بھی) یعنی ہر حال میں (پھر جب تم مطمئن ہو جاؤ) یعنی حالت امن میں ہو (تو نماز کو قائم کرو) یعنی اس کے حقوق کے ساتھ ادا کرو (یقیناً نماز اہل ایمان کے اوپر اوقات کے لحاظ سے لکھی ہوئی) یعنی فرض (ہے) یعنی ان کے اوقات متعین ہیں، ان اوقات سے انھیں موخر نہیں کیا جا سکتا۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک گروہ کو ابوسفیان اور اس کے لشکر کی تلاش میں اس وقت بھیجا جب وہ غزوۂ احد سے واپس ہو رہے تھے، تو ان حضرات نے زخموں کی شکایت آپ کے حضور پیش کی، اس پر یہ آیت نازل ہوئی (اور قوم) کفار (کی طلب میں) ان سے لڑنے کے لئے (کمزور نہ بنو، اگر تم تکلیف محسوس کرتے ہو) یعنی زخموں کی تکلیف پاتے ہو (تو وہ بھی ایسی تکلیف محسوس کرتے ہیں جیسی تم محسوس کرتے ہو) لیکن وہ تم سے لڑنے میں کمزوری نہیں دکھاتے (اور تم تو اللہ کی جانب سے) مدد اور اس کے ثواب کی (امید رکھتے ہو، جبکہ وہ لوگ ایسی کوئی امید نہیں رکھتے) تو تم لوگوں کو ان پر یہ مزید خصوصیت حاصل ہے، تو مناسب یہ ہے کہ تمھیں جہاد و قتال کی ان سے زیادہ رغبت حاصل ہو (اور اللہ تعالیٰ) ہر چیز کو (جانتے ہیں) اور جو کچھ کرتے ہیں اس میں (صاحب حکمت ہیں)

﴿تشریحات﴾

﴿وإذا ضربتم﴾ سافرتم: ضرب فی الارض کے معنی مطلقاً زمین پر چلنے پھرنے کے ہیں، لیکن یہ ایک محاورہ ہے، جس کے معنی دور دراز سفر کرنے کے ہیں، چند قدم اور تھوڑی دور چلنے کو **ضرب فی الارض** سے تعبیر نہیں کرتے، اسے مشی کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **یضربون مشارق الارض ومغاربها**، زمین کے مشرق و مغرب میں وہ سفر کرتے ہیں، اور مطلقاً چلنے کو اس طرح فرمایا ہے: **وعباد الرحمٰن الذین یمشون علی الارض هوناً**، اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر تواضع سے چلتے ہیں۔

بان تردوها من أربع الیٰ اثنتین : من الصلوٰة میں من حرفِ جر کا تعلق **أن تقصروا** سے ہے، یعنی پوری نماز میں سے کچھ کم کر دیا جائے، یہ حکم صرف چار رکعت والی نمازوں سے متعلق ہے، یعنی چار رکعت کے بجائے انھیں دو رکعت پڑھا جائے گا۔

بیـــان للواقع : حالت سفر میں نماز کے قصر کی جو شرط حق تعالیٰ نے ذکر کی ہے کہ: **أن یفتنکم الذین کفروا**، یعنی جب تمھیں کفار کی ایذا رسانی اور فتنہ پردازی کا اندیشہ ہو تب قصر کرنے میں حرج نہیں، اس شرط کے بارے میں مفسر فرماتے ہیں کہ یہ صورۃً شرط ہے حقیقۃً نہیں، یہ واقعہ کا بیان ہے، جس زمانے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے اس وقت اہل ایمان کا کوئی سفر ایسا نہ ہوتا تھا جو کفار کی ایذا رسانی اور ان کی خلش سے خالی رہتا ہو، تاہم قصر کا یہ حکم اس وقت بھی باقی رہا جب کفار کا اندیشہ کیا، خود کفار سرزمین عرب سے ناپید ہو چکے تھے، چنانچہ بخاری

ومسلم میں ہے: أنه ﷺ سافر بین مكة والمدينة لايخاف إلا الله عزوجل فكان يصلي ركعتين ، رسول اللہ ﷺ نے مکہ اور مدینہ کے درمیان اس حال میں سفر کیا کہ اللہ کے سوا کسی کا خوف نہ تھا، لیکن نمازیں دو ہی رکعت پڑھتے تھے۔

وبينت السنة: گزر چکا ہے کہ ضرب في الارض سے سفر مراد ہے، لیکن سفر میں کیا مقدارِ مسافت ہوگی؟ اس باب میں یہ آیت مجمل ہے، حدیث وسنت میں اس کا بیان وارد ہوا ہے، وہ یہ کہ سفر سے مراد سفر طویل ہے جس کی مقدار قدیم اصطلاح میں ۴/ برید ہے، جس کے دو مرحلے ہوتے ہیں، ایک برید چار فرسخ کا ہوتا ہے، اور ایک فرسخ تین میل کا ہوتا ہے، گویا ۱۶/ فرسخ مسافت سفر ہے، جس کی مقدار ۴۸/ میل ہوگی۔ آج کل کی اصطلاح کے مطابق ۷۸/ کلومیٹر مسافتِ سفر ہے۔

ويؤخذ من قوله فليس عليكم جناح الخ: فرماتے ہیں کہ جب اللہ نے فرمایا کہ سفر میں قصر کرنے میں کوئی تنگی اور گناہ نہیں ہے، اس طرزِ خطاب کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ قصر کرنا رخصت ہے، واجب نہیں ہے، اگر کوئی قصر نہ کرے بلکہ پوری نماز پڑھے تو درست ہے بلکہ بہتر ہے، یہ امام شافعی علیہ الرحمہ کا مذہب ہے۔

امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک قصر اس معنی کر کے رخصت ضرور ہے، کہ چار رکعت کے بجائے دو رکعت میں ظاہر ہے کہ آسانی ہے، لیکن اس رخصت پر عمل ضروری ہے، اس لحاظ سے یہ عزیمت ہے، اور رہا طرزِ کلام! تو اسی طرح کا کلام حج کی سعی کے متعلق بھی وارد ہوا ہے، فرماتے ہیں: فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَاجُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا (سورة البقرة) جو شخص بیت اللہ کے حج کا ارادہ کرے، تو اس پر کچھ حرج نہیں کہ وہ صفا ومروہ کے درمیان طواف کرے۔ یہاں بھی فلاجناح کی تعبیر ہے، لیکن اس میں امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک یہ طواف بین الصفا والمروہ، رخصت نہیں بلکہ رُکن ہے۔

﴿إن الكافرين كانوا لكم عدواً مبيناً﴾: اس عبارت کے اوپر ایک اشکال ہے، وہ یہ کہ کافرین جمع اور عدواً واحد ہے، تو اسم اور خبر میں مطابقت نہیں ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ عدو کا اطلاق واحد، جمع، مذکر ومونث سب پر ہوتا ہے۔

وهٰذا جرىٰ علىٰ عادة القرآن: آیت زیر تفسیر میں نمازِ خوف کا بیان ہے، اس حکم کو اللہ تعالیٰ نے باسلوب خطاب بیان کیا ہے، اور خطاب ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے ہے، اس سے بظاہر شبہ ہوتا ہے کہ یہ حکم رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس کے ساتھ مختص ہے، اس شبہ سے تعرض کرتے ہوئے مفسر نے فرمایا کہ یہ خطاب آپ کی خصوصیت کے طور پر نہیں ہے، قرآن کریم میں اس طرح کے خطابات ہیں، اسی دستور کے مطابق یہاں آپ سے خطاب کیا گیا ہے، اس کا مفہوم مخالف معتبر نہیں ہے، اس لئے اگر آپ موجود نہ ہوں تو جو کوئی امام عسکر ہوگا، وہ بھی

یہی عمل کرے گا۔

تتاخر طائفة: فوج کا ایک حصہ امام کے پیچھے نماز ادا کرے گا، اور دوسرا حصہ پیچھے رہ کر دشمنوں کے بالمقابل کھڑا ہوگا۔ قرآن کریم میں صرف پہلے حصہ کا تذکرہ ہے، اسی سے دوسرے حصے کا حال معلوم ہوگیا، پس اس کا ذکر نہیں کیا۔

فإذا سجدوا اے صلوا: سجدہ کریں کی تفسیر نماز پڑھنے سے مفسر نے کی ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ جب نماز شروع ہوجائے۔

فلیکونوا اے الطایفة الاخریٰ: مفسر فرماتے ہیں کہ فلیکونوا میں جو ضمیر فاعلی ہے، اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو نماز میں شریک نہیں ہیں، جب نماز شروع ہوجائے تو یہ گروہ جو نماز میں ابھی شریک نہیں ہوا ہے، وہ نماز کے پورا ہونے تک نگرانی اور پہرے داری کرتا رہے، جب نماز پوری ہوجائے گی، تو یہ فارغ شدہ گروہ حفاظت کے فریضہ میں مشغول ہوگا، اور دوسرا گروہ جس نے نماز نہیں ادا کی ہے، وہ امام کے ساتھ آجائے گا، یہ امام کی دوسری مرتبہ نماز ہوگی اور اس حصۂ فوج کی اصل نماز ہوگی۔ امام کے حق میں وہ نماز نفل ہوگی اور مقتدی کے حق میں وہ فرض ہوگی۔

یہ تشریح امام شافعی علیہ الرحمہ کے مذہب کے مطابق ہے، ان کے نزدیک امام نفل پڑھ رہا ہو تو فرض پڑھنے والا اس کی اقتداء کرسکتا ہے۔

احناف کے نزدیک اس آیت کی تفسیر وتشریح تھوڑی سی مختلف ہے، اور وہ الفاظِ قرآنی سے اقرب ہے، اس کی تفسیر ہم حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی تفسیر ''بیان القرآن'' سے نقل کرتے ہیں:

> ''اور جب آپ ان میں تشریف رکھتے ہوں (اور اسی طرح آپ کے بعد اور جو امام ہو) پھر آپ ان کو نماز پڑھانا چاہیں (اور اندیشہ ہو کہ اگر سب نماز میں لگ جائیں گے تو دشمن موقع پا کر حملہ کر بیٹھے گا) تو (ایسی حالت میں) یوں چاہئے کہ (جماعت کے دو گروہ ہوجائیں پھر) ان میں سے ایک گروہ تو آپ کے ساتھ (نماز میں) کھڑے ہوجائیں (اور دوسرا گروہ نگہبانی کے لئے دشمن کے بالمقابل کھڑا ہوجائے، تاکہ دشمن کو دیکھتے رہیں) اور وہ لوگ (جو آپ کے ساتھ نماز میں شامل ہیں، وہ بھی مختصر مختصر) ہتھیار لے لیں (یعنی نماز سے پہلے لے کر ہمراہ رکھیں، شاید مقابلہ کی ضرورت پڑجائے تو ہتھیار لینے میں دیر نہ لگے، فوراً قتال کرنے لگیں، گو نماز ٹوٹ جائے گی لیکن گناہ نہیں) پھر جب یہ لوگ (آپ کے ساتھ) سجدہ کرچکیں (یعنی ایک رکعت پوری کرلیں) تو یہ لوگ (نگہبانی کے ارادے سے) تمہارے پیچھے ہوجائیں (یعنی رسول اللہ ﷺ کے، اور دوسرے گروہ کے جو کہ اب نماز میں شامل ہوں گے، جن کا بیان آگے آتا ہے، اور پہلا گروہ ان سب کے پیچھے ہوجائے) اور دوسرا گروہ جس نے ابھی نماز نہیں پڑھی (یعنی شروع

بھی نہیں کی وہ بجائے پہلے گروہ کے امام کے قریب) آجاوے اور آپ کے ساتھ نماز کی (ایک رکعت جو باقی رہی ہے اس کو) پڑھ لیں۔

مفسر کی تفسیر سے یہ تفسیر جہاں مختلف ہوئی ہے، اس پر ہم نے خط کھینچ دیا ہے، ذرا غور کرنے سے بات واضح ہوجائے گی کہ مفسر کی تفسیر کے مطابق امام دونوں گروہوں کو ایک ایک رکعت پڑھائے، پہلا گروہ امام کے پیچھے ایک رکعت پڑھ کر پیچھے ہٹ جائے گا، وہ نماز ہی میں ہوگا، پھر دوسرا گروہ امام کے پیچھے ایک رکعت پڑھے گا، یہ دوسرا گروہ مسبوق ہوگا۔ امام کے سلام پھیرنے کے بعد یہ ایک رکعت پوری کر کے نماز سے فارغ ہوجائے گا، اس کے بعد پہلا گروہ جو لاحق ہے ایک رکعت پڑھ کر فارغ ہوگا۔

(**نوٹ**) صلوٰۃِ خوف کے بارے میں حدیثیں مختلف ہیں، اور نوعیتیں علیحدہ علیحدہ ہیں، فقہ شافعیہ وحنفیہ کی کتابوں میں تفصیل مذکور ہے۔

ببطن نخل رواہ الشیخان: امام نووی الـمجموع میں فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ مذکورہ طریقہ کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گروہ کو دو دو رکعت نماز پڑھائی، تو ان کی دو دو رکعتیں ہوئیں اور آپ کی چار رکعتیں، یہ روایت ابوداؤد شریف کی ہے۔ (حدیث: ۱۲۴۸) امام نووی فرماتے ہیں کہ بخاری ومسلم میں بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اسی معنی میں روایت ہے۔ مسلم میں صلوٰۃ الخوف (حدیث: ۱۹۴۹) میں، اور بخاری میں کتاب المغازی (حدیث: ۴۱۳۶) میں بطن نخل غطفان کے علاقہ میں ارض نجد میں ایک مقام ہے۔

(المجموع شرح المهذب، ج:۴، ص:۴۰۶)

ونزل لما بعث صلی اللہ علیہ وسلم طائفة الخ: یہ تذکرہ غزوۂ حمراء الاسد کا ہے، مشرکین مکہ جب غزوۂ احد سے پلٹ کر جا رہے تھے، تو انھیں خیال آیا کہ موقع اچھا ہے، مسلمان اس وقت شکست خوردہ بھی ہیں اور دل شکستہ بھی! زخموں سے چور بھی ہیں، اس وقت اگر ان پر دوبارہ حملہ کر دیا جائے، تو بالکل ہی ٹوٹ جائیں گے، پھر ایک جگہ رک کر اس کے لئے تجویزیں سوچنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی، تو آپ نے اپنے فدائیوں میں اعلان کر دیا کہ کل ہم دشمنوں کی طرف خود پیش قدمی کریں گے، جو لوگ کل ہمارے ساتھ جنگ میں تھے صرف وہی ہمارے ساتھ چلیں، کل کے غازی زخموں سے چور تھے، انھوں نے اپنے زخموں کا تذکرہ کیا، خود رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم بھی کم زخمی نہ تھے، فرقِ اقدس اور چہرۂ انور دونوں زخمی تھے، لیکن آپ کا حوصلہ تھا اور اسی کے سہارے سب کا حوصلہ تھا، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی، کہ تمہیں دشمنوں کے تعاقب میں کوئی سستی نہیں کرنی ہے، اگر تم زخمی ہو تو وہ بھی زخم خوردہ ہیں، تم تکلیف میں ہو تو وہ بھی تکلیف میں ہیں، اور تم کو امیدِ ثواب ہے، اور انھیں کیا ہے؟ پھر وہ لڑنے کے لئے تیار ہوں اور تم جہاد کے لئے تیار نہ ہو، ایسا کیونکر ہے؟ تمہارا حوصلہ تو ان سے بدرجہا بلند ہونا چاہئے، چنانچہ آپ نے ان کا

تعاقب کیا، اور وہ بھاگ گئے، مقام حمراء الاسد تک آپ پہونچے تھے، جب ان کے بھاگنے کی اطلاع ملی تو آپ واپس تشریف لے آئے۔

﴿مضامین آیات و تفسیر﴾

سفر کی حالت میں قصر کرنے، اور جنگ کی حالت میں خاص طریقے پر نماز ادا کرنے کا حکم ان آیات میں ہے، اسے صلوٰۃ خوف کہتے ہیں، اس کا طریقہ آیات کی تشریح میں لکھا جاچکا ہے، نیز اس بات کا حکم ہے کہ نماز اوقات کی تقسیم اور پابندی کے ساتھ فرض کی گئی ہے، نماز میں قصر یہ ہے کہ چار رکعت والی فرض نماز میں دو رکعت ہوجاتی ہے، دو اور تین رکعت میں قصر نہیں ہے۔ نمازوں کا قصر اس دور میں مشروع ہوا تھا جب جنگ کی حالت تھی، مگر اس حال کے خاتمہ پر بھی سفر کی سہولت کے لئے اسے باقی رکھا گیا، حضور ﷺ فرمایا کہ یہ اللہ کی جانب سے صدقہ ہے، اسے قبول کرو۔ ہاں سفر کی ایک مقدار و مسافت ہے، اس سے کم سفر نہیں ہے، اور نہ نمازوں میں قصر ہے، اور اگر سفر کے ساتھ جنگ کی حالت ہو اور قصر اطمینان سے نہیں پڑھ سکتے، تو اس کا بھی ایک آسان طریقہ حق تعالیٰ نے بیان فرمادیا ہے، مگر نماز نہیں چھوڑنی ہے، بلکہ جماعت بھی نہیں چھوڑنی ہے، عین جنگ کی حالت میں جو طریقہ نماز کا بتایا گیا ہے وہ جماعت کی نماز ہے، اس سے معلوم ہوا کہ نماز مسلمانوں کے لئے ایک ایسا عمل ہے جس سے کسی حال میں غفلت جائز نہیں، حتیٰ کہ عین جنگ کی حالت میں بھی۔

آخر میں فرمایا کتاباً موقوتاً، یعنی نماز بقید وقت فرض کی گئی ہے، وقت سے ادھر اُدھر کرنا اسے ضائع کرنا ہے، وقت کے بعد قضا ہے، اور وقت سے پہلے ہوگی ہی نہیں، امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک بعض شرائط کے ساتھ جمع بین الصلوٰتین تقدیماً اور تاخیراً جائز ہے، مگر امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک جائز نہیں ہے، کتاباً موقوتاً کا تقاضا یہی ہے، اس کو منسوخ کرنے کے لئے خبر واحد کافی نہیں۔

مقاصد کی راہ میں تکلیفیں اور محنتیں مومن کو بھی پیش آتی ہیں اور کافر کو بھی، لیکن مومن کے لئے ان کا جھیلنا سہل ہوتا ہے، کیونکہ وہ اپنے سامنے ایسی امیدیں رکھتا ہے جو کافر کو میسر نہیں، وہ یقین رکھتا ہے کہ میں جو کچھ جھیل رہا ہوں، حق کی راہ میں ہے اور میرے لئے دنیا میں بھی کامیابی ہے اور آخرت میں بھی، پھر افسوس اس مومن پر ہے جو مقاصد کی راہ میں اتنا بھی نہ کر سکے جتنا ایک کافر ظلم و فساد کی راہ میں کرتا ہے۔

☆☆☆☆☆

وسرق طُعْمَةُ بْنُ اُبَيْرِق درعاً خبأها عند يهودى فوجدت عنده، فرماه طعمة بها وحلف أنه ماسرقها، فسال قومُه النبيَّ ﷺ أن يجادل عنه ويبرئه، فنزل: ﴿إِنَّآ أَنْزَلْنَآ إِلَيْكَ الْكِتٰبَ﴾ القرآن ﴿بِالْحَقِّ﴾ متعلق بأنزلنا ﴿لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ أَرٰكَ﴾ أعلمك

﴿اللهُ﴾ فيه ﴿ وَلا تَكُنْ لِّلْخَائِنِيْنَ ﴾ كطُعْمَةُ ﴿ خَصِيْماً ﴾ مخاصماً عنهم. ﴿ وَاسْتَغْفِرِ اللهَ ﴾ مما هممت به ﴿ وَكَانَ اللهُ غَفُوْراً رَحِيْماً Oوَلا تُجَادِلُ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ أَنْفُسَهُمْ﴾ يخونونها بالمعاصى لأن وبال خيانتهم عليهم﴿ إِنَّ اللهَ لَايُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّاناً﴾ كثير الخيانة ﴿ اَثِيْماً﴾اے يعاقبه ﴿ يَسْتَخْفُوْنَ ﴾ أى طُعْمَةُ وقومه حياءً ﴿ مِنَ النَّاسِ وَلا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللهِ وَهُوَ مَعَهُمْ ﴾ بعلمه ﴿ إِذْ يُبَيِّتُوْنَ﴾ يضمرون ﴿ مَالَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ﴾ من عزمهم على الحلف على نفى السرقة ورمى اليهودى بها ﴿ وَكَانَ اللهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطاً﴾ علماً ﴿ هَا أَنْتُمْ ﴾ يا﴿ هٰؤُلَاءِ﴾ خطاب لقوم طُعْمَةَ ﴿ جَادَلْتُمْ ﴾ خاصمتم ﴿ عَنْهُمْ ﴾ أى عن طُعْمَةَ وذويه وقرئ "عنه" ﴿ فِيْ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فَمَنْ يُّجَادِلِ اللهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ إذا عذّبهم ﴿ أَمْ مَنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلاً ﴾ تولى أمرهم ويذب عنهم ؟أى لاأحد يفعل ذٰلک ﴿ وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْءاً﴾ذنباً يسوء به غيره كرمى طعمة اليهودى﴿ أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ ﴾ بعمل ذنب قاصر عليه ﴿ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللهَ﴾ منه اى: يَتُبْ ﴿ يَجِدِ اللهَ غَفُوْراً﴾ له﴿ رَحِيْماً﴾به ﴿ وَمَنْ يَّكْسِبْ إِثْماً﴾ ذنبا﴿ فَإِنَّمَا يَكْسِبُهُ عَلٰى نَفْسِهِ ﴾ لأن وباله عليها لايضر غيره ﴿ وَكَانَ اللهُ عَلِيْماًحَكِيْماً﴾ فى صنعه. ﴿ وَمَنْ يَّكْسِب خَطِيْئَةً﴾ ذنباً صغيراً﴿أَوْ إِثْماً﴾ذنباً كبيراً﴿ثُمَّ يَرْمِ بِهِ بَرِيْئاً ﴾ منه ﴿فَقَدِ احْتَمَلَ ﴾ تحمل ﴿ بُهْتَاناً﴾ برميه ﴿ وَإِثْماً مُبِيْناً ﴾ بيّنا بكسبه

﴿ترجمـــــــه﴾

طعمہ بن ابیرق نامی ایک آدمی نے ایک زرہ چرائی اور اسے ایک یہودی کے پاس چھپا دیا، تلاش کے بعد وہ یہودی کے پاس جب ملی تو طعمہ نے اس پر چوری کی تہمت لگائی، اور اپنے بارے میں قسم کھائی کہ میں نے چوری نہیں کی ہے، اس پر اس کی قوم نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ طعمہ کی طرف سے دفاع کریں، اور اس کی برأت ظاہر فرمائیں، اس پر یہ آیتیں اتریں۔

(بے شک ہم نے تمہارے اوپر کتاب کو حق کے ساتھ نازل کیا ہے) یعنی قرآن کو، بالحق کا تعلق أنزلنا سے ہے (تاکہ تم لوگوں کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کرو، جو اللہ نے تمہیں) اس میں (دکھایا) یعنی سکھایا (ہے، اور خیانت کرنے والوں) جیسے طعمہ (کے لئے خصم) یعنی اس کی طرف سے دفاع کرنے والے (مت بنو، اور اللہ سے مغفرت چاہو) اس بات کی جس کا تم نے ارادہ کرلیا تھا (بلاشبہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہیں o اور ان لوگوں کی طرف سے دفاع نہ کرو جو اپنے آپ سے خیانت کرتے ہیں) یہ خیانت گناہ کرکے ہوتی ہے، کیونکہ ان کی خیانت کا وبال انھیں پر پڑتا ہے، پس وہ گویا اپنے ہی ساتھ خیانت کرتے ہیں (بے شک اللہ تعالیٰ کسی خائن گنہگار

سے محبت نہیں کرتے) خَوّان کے معنی کثیر الخیانة ہے، لایحب کا مطلب یہ ہے کہ اسے عذاب میں مبتلا کرتے ہیں (وہ لوگوں سے تو چھپتے ہیں) یعنی طعمہ اور اس کی قوم حیاء کی وجہ سے چھپتے ہیں (اور اللہ سے نہیں چھپتے، اور وہ تو ان کے ساتھ ہیں) یعنی اللہ کو خوب علم ہے (جب وہ اس بات کو چھپاتے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ راضی نہیں ہیں) انھوں نے عزم کیا تھا کہ طعمہ سے چوری کی نفی پر قسم کھالیں گے، اور تہمت یہودی پر ڈال دیں گے (اور جو کچھ یہ لوگ کرتے ہیں) علم کے اعتبار سے (اللہ تعالیٰ اس کو محیط ہیں ٥ سنو! تم لوگ ......اے لوگو......) طعمہ کی قوم کو خطاب ہے (تم نے ان ......خائنوں......کی طرف سے دفاع کیا) یعنی اور اس کے شرکاء کی طرف سے، اور ایک شاذ قرأت میں عـنـه کی قرأت ہے (دنیوی زندگی میں، تو کون اللہ کے حضور میں قیامت کے دن ان سے دفاع کرے گا) جب وہ عذاب میں مبتلا ہوں گے (یا کون ان کے اوپر وکیل ہوگا) جو ان کے کام کا ذمہ دار ہو، اور ان سے دفاع کرے، یعنی کوئی ایسا نہ ہوگا (اور جو کوئی برائی کرے) یعنی ایسا گناہ کرے جس سے دوسرے کو تکلیف ہو جیسے کہ طعمہ نے یہودی کو تہمت لگائی (یا اپنے اوپر ظلم کرے) یعنی ایسا گناہ کرے جس کا اثر اسی تک محدود رہے (پھر) اس کی (اللہ سے معافی چاہے) یعنی توبہ کرلے (تو وہ اللہ کو) اس کے لئے (غفور) اور اس پر (رحیم پائے گا ٥ اور جو کوئی گناہ کا کسب کرے، تو وہ اسے اپنے اوپر کسب کرتا ہے) کیونکہ اس کا وبال اسی پر ہوگا، دوسرے کا اس سے کچھ نقصان نہ ہوگا (اور اللہ تعالیٰ علم و حکمت والے ہیں ٥ اور جو کوئی غلطی کرے) یعنی چھوٹا گناہ کرے (یا) بڑا (گناہ کرے، پھر اس کی تہمت دوسرے بے قصور کو لگا دے، تو اس نے بہتان اور بڑا گناہ اپنے اوپر لادا)

تشریحات

وسرق طعمة الخ: طعمہ میں طاء پر تینوں حرکتیں منقول ہیں، لیکن کسرہ مشہور تر ہے، یعنی طِعْمَه، اور اُبَیْرَق، ابرق کی تصغیر ہے، ہمزہ پر ضمہ، باء پر فتحہ، یا ساکن، راء مکسور، یہ دونوں الفاظ غیر منصرف ہیں۔ یہ انصار کے قبیلہ بنی ظفر کا ایک فرد تھا، اس نے اپنے پڑوسی حضرت قتادہؓ کے گھر سے ایک زرہ چوری کی، وہ زرہ آٹے کی ایک بوری میں تھی، اس میں آٹا تھا یا بھوسی تھی، وہ بوری کچھ پھٹی ہوئی تھی، اس کی وجہ سے آٹا راستہ میں بکھرتا رہا، صبح کو جب اس کی تلاش ہوئی تو طعمہ نے ایک یہودی پر الزام رکھ دیا، اس نے چوری کر کے اسی یہودی کے پاس بطور امانت کے وہ زرہ رکھ دی تھی، خود اپنے لاعلم ہونے کی اس نے قسم کھالی، آٹا راستے میں گرا ہوا تھا، اس کے واسطے سے لوگ اس یہودی کے گھر جا پہونچے، اس نے بتایا کہ طعمہ نے اس کے پاس بطور امانت کے رکھی ہے، طعمہ کی قوم نے طعمہ کی تائید کی، پھر طعمہ کے قبیلہ کے کچھ لوگوں نے سوچا کہ چل کر رسول اللہ ﷺ کے یہاں ہم لوگ گواہی دیدیں کہ چور یہی یہودی ہے، تاکہ ہم لوگوں کی رُسوائی نہ ہو، چنانچہ ان لوگوں نے ایسا کر ڈالا، اس گواہی کو حضورؐ نے مان لیا اور ارادہ کیا کہ یہودی کا ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ کردیں، تب اللہ تعالیٰ نے بذریعۂ وحی صحیح صورت حال سے مطلع

فرمایا، اب آپ کا فیصلہ طعمہ کے خلاف ہوا، تو وہ مرتد ہو کر مکہ بھاگ گیا، وہاں اس نے ایک گھر میں نقب لگائی اور ابھی گھسا ہی تھا کہ گھر والے اس پر پل پڑے اور اسے مار ڈالا۔ **نعوذ باللہ من غضبه و غضب رسوله۔**

خبأها عنه یهودی: ضمیر مونث **درع** کی جانب راجع ہے، **درع** بمعنی لوہے کی زرہ مونث معنوی ہے، اور **درع** بمعنی عورت کا کرتا مذکر ہے، یہودی کو بطور ودیعت کے دیا تھا۔

یخونونها بالمعاصی: اپنے آپ سے خیانت کا مطلب یہ ہے کہ جب آدمی گناہ کرتا ہے، تو اس کا وبال چونکہ اسی پر پڑتا ہے، اس لئے اسے خیانت سے تعبیر کیا۔

ای یعاقبه: **إن اللہ لایحب من کان خوّاناً اثیماً** کی تشریح مفسر نے یہ کی ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے سزا دیتے ہیں، بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اعتبار سے بندوں کی دو ہی حالتیں ہیں، تیسری کوئی حالت نہیں ہے، یا تو وہ فرمانبردار ہوگا یا نافرمان! تابع فرمان ہوگا تو اللہ کی محبت کا مستحق ہوگا، نافرمانی کی صورت میں غضب کا مستحق ہوگا۔ تیسری صورت یہ ہوسکتی تھی کہ نہ فرمانبردار ہو اور نہ نافرمان! یعنی اس سے بے تعلق ہو، لیکن حق تعالیٰ کی جناب میں بندوں کا یہ حال محال ہے، لہٰذا جب اللہ کو کسی بندے سے محبت نہ ہوگی تو لازم ہے کہ اس سے بغض ہوگا، اس پر ان کا غضب ہوگا، پس وہ مستحق عقاب ہوگا۔

ذنباً یسوء به غیره الخ: سوء ایسا گناہ ہے، جس سے دوسروں کو ضرر ہو، اور ظلم ایسا گناہ ہے جو اپنی ذات تک محدود ہو۔

ای یتب: **یستغفر اللہ** کی تشریح میں توبہ کا ذکر کیا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ استغفار کے لئے توبہ لازم ہے، پس استغفار کا مفہوم یہ ہے کہ سچی توبہ کی جائے، اور سچی توبہ اس وقت ہوگی جب دل میں ندامت ہو، آئندہ نہ کرنے کا عزم ہو، اور اگر اس کا تعلق حقوق العباد سے ہو، تو اس کی تلافی کا طریقہ اختیار کرے، خواہ اس حق کو ادا کر کے، خواہ معافی مانگ کر، اور اگر حقوق اللہ میں ہو تو اس کی تلافی کرے، جیسے نماز چھوڑی ہو، یا روزہ نہ رکھا ہو، تو قضا کرے، اور اللہ سے معافی بھی مانگے، اس سے معلوم ہوا کہ گناہ خواہ کوئی بھی ہو توبہ کرنے سے معاف ہو جاتا ہے۔

مضامین آیات و تفسیر

اللہ نے کتاب اتاری، اور اس میں زندگی کے دستور و قانون بیان کئے، تاکہ ان کی روشنی میں معاملات و نزاعات کا فیصلہ ہو، اس کتاب کے مخاطب اوّل حضور اکرم ﷺ ہیں، پھر آپ کے نائبین اور امت کے افراد! کسی بھی معاملہ کو قانونِ الٰہی کی روشنی میں دیکھنے اور اس کا فیصلہ کرنے میں اجتہاد و تفقہ کی ضرورت ہوتی ہے، اور یہ اجتہاد بھی عطیۂ الٰہی ہوتا ہے۔ پیغمبر سے فرمایا گیا ہے کہ حق تعالیٰ نے فہم و اجتہاد کی جو قوت آپ کو عطا فرمائی ہے، اس کے واسطے سے کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کریں، اور ایسا نہ ہو کہ خیانت کرنے والے خواہ وہ کسی جماعت

کے ہوں آپ سے مدد حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں، آج اگر خائنوں کی مدد کردی بھی گئی تو کل جب وہ اللہ کے یہاں گرفتارِ مواخذہ ہوں گے، تو کون ان کی مدد کو آسکے گا، یہ حکم قاضی کے لئے بھی ہے، خائن کے طرفداروں اور جانبداروں کے لئے بھی! ہونا تو یہ چاہئے کہ غلطی ہو جائے تو اللہ سے معافی مانگے، توبہ کرے، حق تعالیٰ معاف کرتے ہی ہیں، آدمی کا گناہ خود اس پر وبال ہے، اگر کسی بے گناہ کے ذمے وہ گناہ لگائے گا، تو یہ دوسرا بڑا گناہ، بہتان کا ہوگا۔

☆☆☆☆☆

﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللهِ عَلَيْکَ﴾ یامحمد ﴿وَرَحْمَتُهُ﴾ بالعصمة ﴿لَهَمَّتْ﴾ أضمرت ﴿طَّائِفَةٌ مِنْهُمْ﴾ من قوم طعمة ﴿اَنْ يُّضِلُّوْکَ﴾ عن القضاء بالحق بتلبيسهم عليک ﴿وَمَا يُضِلُّوْنَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يُضِرُّوْنَکَ مِنْ﴾ زائدة ﴿شَيْءٍ﴾ لان وبال إضلالهم عليهم ﴿وَأَنْزَلَ اللهُ عَلَيْکَ الْكِتٰبَ﴾ القرآن ﴿وَالْحِکْمَةَ﴾ مافيه من الاحكام ﴿وَعَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ﴾ من احكام الغيب ﴿وَكَانَ فَضْلُ اللهِ عَلَيْکَ﴾ بذلک وغيره ﴿عَظِيْماً ٥ لَاخَيْرَ فِيْ کَثِيْرٍ مِنْ نَجْوَاهُمْ﴾ أى الناس أى مايتناجون فيه ويتحدثون ﴿إِلَّا﴾ نجوىٰ ﴿مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوْفٍ﴾ عمل برّ ﴿أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِکَ﴾ المذكور ﴿ابْتِغَاءَ﴾ طلب ﴿مَرْضَاتِ اللهِ﴾ لا غيره من أمور الدنيا ﴿فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ﴾ بالنون والياء اى الله ﴿أَجْراً عَظِيْماً ٥ وَمَنْ يُّشَاقِقِ﴾ يخالف ﴿الرَّسُوْلَ﴾ فيما جاء به من الحق ﴿مِنْ بَعْدِ مَاتَبَيَّنَ لَهُ الْهُدىٰ﴾ ظهر له الحق بالمعجزات ﴿وَيَتَّبِعْ﴾ طريقا ﴿غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ أى طريقهم الذى هم عليه من الدين بأن يكفر ﴿نُوَلِّهِ مَاتَوَلّٰى﴾ نجعله واليا لما تولاه من الضلال بأن يخلى بينه وبينه فى الدنيا ﴿وَنُصْلِهٖ﴾ ندخله فى الآخرة ﴿جَهَنَّمَ﴾ فيحترق فيها ﴿وَسَاءَتْ مَصِيْراً﴾ مرجعاً هى

﴿ترجمـــــه﴾

اے محمد! (اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی) کہ تمہاری حفاظت کا انتظام موجود ہے (تو ان میں) یعنی طعمہ کی قوم میں (سے ایک گروہ نے ارادہ کرلیا تھا) یہ بات ٹھان لی تھی (کہ تم کو) اپنی تلبیس اور دھاندلی کے ذریعے حق کے فیصلے سے (بھٹکا دیں گے، اور وہ اپنے ہی کو بھٹکائیں گے اور تمہیں کچھ نقصان نہیں پہونچا سکیں گے) من شیٔ میں من زائد ہے، کیونکہ ان کے گمراہ کرنے کا وبال خود انھیں پر ہے (اور اللہ نے تم پر کتاب) قرآن (نازل کی، اور حکمت) یعنی جو اس میں احکام ہیں (اور تم کو وہ باتیں) احکام کی اور غیب کی خبروں

کی (بتائیں جن کا تمہیں علم نہ تھا، اور اللہ کا فضل) یہ بھی اور اس کے علاوہ بھی (تم پر بڑا ہے o لوگوں کی بکثرت سرگوشیوں میں) یعنی ان باتوں میں جو وہ باہم چپکے چپکے بطور کانا پھوسی کے کرتے ہیں (کوئی خیر نہیں ہے، مگر ہاں وہ شخص) یعنی اس شخص کی سرگوشی (جو صدقہ کا یا بھلے کام کا یا لوگوں کے درمیان اصلاح کا حکم دے، اور جو کوئی) یہ کام جو ذکر کیا گیا (اللہ کی رضا مندی کی غرض سے کرتا ہے) اس کے علاوہ اور کوئی دنیاوی مقصد نہیں ہوتا (تو ہم اسے اجر عظیم دیں گے) نوتیہ میں ایک قرأت یاء سے بھی ہے، یعنی یوتیہ، اس کا فاعل اللہ کی ضمیر ہے (اور جو کوئی رسول سے کشمکش کرتا ہے) یعنی جو کچھ وہ لائے ہیں اس میں وہ مخالفت کرتا ہے (بعد اس کے کہ اس کے سامنے ہدایت ظاہر ہو چکی ہے) یعنی معجزات کے ذریعے حق ظاہر ہو چکا ہے (اور اہل ایمان کے راستے کے علاوہ) دوسرا راستہ (اختیار کرتا ہے) یعنی دین کے اس راستے کے علاوہ جس پر وہ ہیں، اور ظاہر ہے کہ وہ کفر کا راستہ ہے (تو ہم اس کو اسی راہ کے حوالے کر دیتے ہیں جس کو اس نے اختیار کیا ہے) یعنی ہم اس کو اس گمراہی کا ذمہ دار بنا دیتے ہیں، جس پر وہ چلا ہے، اور دنیا میں اسی پر چھوڑ دیتے ہیں (اور) آخرت میں (اسے ہم جہنم میں داخل کریں گے) جہاں وہ آگ میں جلے گا (اور وہ برا ٹھکانہ ہے) یعنی لوٹنے کی بری جگہ ہے۔

﴿تشریحات﴾

ولولا فضل اللہ علیک الخ :لولا کا جواب لھمت ہے، مگر اس پر اشکال ہوتا ہے کہ اگر لھمت اس کا جواب ہے، تو معنی یہ ہوگا کہ اگر اللہ کا فضل و کرم نہ ہوتا تو یہ لوگ تمہیں گمراہ کر لینے کا ارادہ کر لیتے، اس سے معلوم ہوا کہ چونکہ حق تعالیٰ کا فضل شامل حال تھا، اس لئے انھوں نے ارادہ ہی نہیں کیا، حالانکہ انھوں نے فیصلۂ حق سے ہٹانے کا نہ صرف ارادہ کیا، بلکہ اس کی کوشش بھی کر ڈالی تھی۔ جواب یہ ہے کہ یہاں ارادۂ اضلال منفی نہیں ہے بلکہ اس ارادہ کا اثر منفی ہے، یعنی اگر اللہ کا فضل نہ ہوتا تو وہ گمراہ کر دیتے، مگر فضل الٰہی کی موجودگی میں وہ گمراہ نہ کر سکے۔

بالعصمة :عصمت کے معنی بچاؤ اور حفاظت کے ہیں، نبوت کے مرتبہ کو اللہ نے نافرمانی اور گمرہی سے بچا رکھا ہے، اس کا خدائی انتظام موجود ہے۔

من قوم طعمة :طعمہ کی طرفداری کرنے والے قوم کے بعض افراد تھے، پوری قوم نہیں۔

من زائدة : شیئاً مفعول مطلق ہے، یعنی شیئاً من الضرر لاقلیلاً ولا کثیراً، اسی مفعول مطلق پر من داخل ہے، اور وہ زائد ہے۔

الناس : نجواھم میں ضمیر جمع کی تفسیر الناس سے کر کے واضح کر دیا کہ یہ آیت محض طعمہ کی قوم سے متعلق نہیں ہے بلکہ سب لوگوں کیلئے عام ہے۔

مایتناجون فیه ویتحدثون : یہ عطف تفسیری ہے۔

﴿إلا ﴾ نجویٰ ﴿ من امر ﴾الخ : من امر سے پہلے نجویٰ مضاف ہے، مفسر نے اسے اس لئے مقدر مانا ہے، تا کہ یہ استثنا متصل ہو، اگر اسے مقدر نہ مانا جائے تو استثنا منقطع ہوگا، کیونکہ نجویٰ مصدر ہے، اور من افراد ہیں، ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ استثنا منقطع ہے، لیکن مفسر نے اسے استثنا متصل قرار دیا ہے۔

نجعله والیاً : والی بمعنی متولی ہے، یعنی اس گمراہی کے ارتکاب کی ذمہ داری اسی پر ہے، اللہ کی مدد اس کے شامل حال نہ ہوگی۔

مرجعاً ھی : ھی مخصوص بالذم ہے، اور مصیراً تمیز ہے۔

﴿مضامین آیات وتفسیر﴾

حق وصداقت کی حکومت کے ساتھ اس دنیائے اسباب وعمل میں مخالفت کی آزمائش بھی ناگزیر ہے، لیکن جو اللہ کے مخلص بندے ہیں، حق تعالیٰ ان کی حفاظت فرماتے ہیں، کوشش کرنے والے انھیں لاکھ راستے سے ہٹانا چاہیں، مگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت انھیں محفوظ رکھتی ہے، پیغمبر تو معصوم ہیں، لیکن جو ان کے مخلصین ہوتے ہیں ان پر بھی یہ برکت ظاہر ہوتی ہے، اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام پر تو خصوصی اور بڑا فضل وکرم ہوتا ہے۔

لوگ جو آپس میں کانا پھوسیاں اور باتیں کرتے ہیں، ان کا بڑا حصہ خیر سے خالی ہوتا ہے، البتہ اگر کوئی بھلائی کا حکم کرتا ہے، صدقہ دینے کی ترغیب دیتا ہے، یا لوگوں کے درمیان ہو جانے والی کدورتوں اور ناچاقیوں کا تصفیہ کراتا ہے، اس کی بات سراسر خیر ہے، اور جو کوئی یہ کارِ خیر کرے گا، اللہ کی طرف سے اسے بہت بڑا اجر ملے گا۔

حق وصداقت کے نمایاں ہو جانے کے بعد اگر کوئی رسول سے کشمکش کرے کہ ان کی بات مانوں یا نہ مانوں، اور اہل ایمان، اطاعت رسول اور عقائد واعمال کی جس راہ پر چل رہے ہیں، اگر اس سے انحراف کر کے دوسرا کوئی راستہ اختیار کرتا ہے، تو حق تعالیٰ اسے اس کی اختیار کی ہوئی راہ کے حوالے کر دیتے ہیں، کہ اسی میں پڑا رہے، پھر اسے آخرت میں جہنم کے حوالے کر دیں گے، اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔

اس آیت سے مسلمانوں کے کسی مسئلہ پر اجماع کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے، کہ اہل ایمان کا اجماع حق ہے، اس کے خلاف راستہ اختیار کرنا باطل ہے۔

☆☆☆☆☆

﴿ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيْدًا﴾ عن الحق ﴿إِنْ﴾ ما ﴿ يَّدْعُوْنَ ﴾يعبد المشركون﴿ مِنْ دُوْنِهٖ﴾أى الله،أى غيره ﴿ إِلَّا إِنَاثًا﴾ أصناماً مونثةً كاللات والعزى ومناة﴿وَ إِنْ﴾ ما﴿ يَّدْعُوْنَ ﴾

يعبدون بعبادتها﴿إِلَّا شَيْطَاناً مَرِيْداً﴾ خارجاً عن الطاعة لطاعتهم له فيهاوهو ابليس ﴿ لَّعَنهُ اللّٰهُ ﴾ أبعده عن رحمته ﴿وَ قَالَ ﴾ اى الشيطان ﴿ لَأَتَّخِذَنَّ﴾ لاجعلن لى ﴿ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْباً﴾ حظاً ﴿ مَفْرُوْضاً﴾ مقطوعا أدعوهم إلى طاعتى ﴿ وَلَأُضِلَّنَّهُمْ﴾عن الحق بالوسوسة ﴿وَلَأُمَنِّيَنَّهُمْ﴾أُلقىٰ فى قلوبهم طول الحياة وأن لابعث وحساب ﴿ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ ﴾ يقطعن ﴿ آذَانَ الْاَنعَامِ﴾قد فعل ذٰلك بالبحائر﴿وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ﴾دينه ، بالكفر، وإحلال ماحرم الله وتحريم ماأحل ﴿ وَمَنْ يَّتَخِذِ الشَّيْطَانَ وَلِيًّا﴾ يتولاه ويطيعه ﴿ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ أى غيره ﴿ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَاناً مُبِيْناً﴾ بيّنا، لمصيره الى النار المؤبدة عليه ﴿ يَعِدُهُمْ﴾ طول العمر ﴿ وَيُمَنِّيْهِمْ ﴾نيلَ الآمال فى الدنيا وأن لابعث ولا جزاء ﴿وَ مَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ﴾ بذٰلك﴿ إِلَّا غُرُوْراً﴾ باطلا ﴿ أُوْلٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَلَايَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصاً﴾معدلا ﴿وَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَ عَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاأَبَداً وَعَدَ اللّٰهُ حَقّاً﴾ أى وعدهم الله ذٰلك وعداً وحَقَّهُ حَقّاً ﴿ وَمَنْ﴾اى لاأحد﴿ أَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلاً﴾ قولاً۔

ونزل لما افتخر المسلمون وأهل الكتاب ﴿لَيْسَ﴾ الامر منوطاً ﴿بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَا اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتَابِ﴾ بل بالعمل الصالح ﴿ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْءً يُّجْزَ بِهٖ﴾ إمافى الآخرة أو فى الدنيا بالبلاء والمحن كما ورد فى الحديث﴿ وَلَايَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ أى غيره ﴿ وَلِيًّا﴾ يحفظه ﴿ وَّلَانَصِيْراً﴾ يمنعه منه ﴿ وَمَنْ يَّعْمَلْ﴾ شيئاً ﴿ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثىٰ وَهُوَ مُؤمِنٌ فَاُوْلٰئِكَ يَدْخُلُوْنَ ﴾ بالبناء للمفعول والفاعل ﴿ الْجَنَّةَ وَلَايُظْلَمُوْنَ نَقِيْراً﴾ قدر نُقْرَةِالنواة ﴿وَمَنْ ﴾أى لاأحد ﴿ أَحْسَنُ دِيْناً مِّمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهٗ﴾ أى انقاد وأخلص عمله ﴿لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ ﴾ موحد ﴿ وَاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ ﴾ الموافقة لملة الاسلام ﴿ حَنِيْفاً﴾ حال اے مائلاً عن الاديان كلها الى الدين القيم ﴿ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلاً ﴾ صفيا خالص المحبة له ﴿ وَلِلّٰهِ مَا فِىْ السَّمٰوَاتِ وَمَا فِىْ الْاَرْضِ﴾ ملكاً و خلقاً و عبيداً﴿ وَكَانَ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْئٍ مُّحِيْطاً﴾ علماً وقدرةً أى لم يزل متصفاً بذٰلك

﴿ترجمہ﴾

(اللہ یہ بات بخشنے والا نہیں کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے ، اس کے علاوہ جتنے گناہ ہیں وہ جسے چاہے بخش دے ، اور جس کسی نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا، تو وہ بھٹک کر) حق سے (بہت دور جا پڑا

ہے، یہ) مشرکین (اللہ کے ماسوانہیں پکارتے مگر عورتوں کو) یعنی ان بتوں کی عبادت کرتے ہیں، جو عورت کے مجسمے ہیں، جیسے لات ومنات اور عزیٰ (اور نہیں پکارتے مگر شیطان مردود کو) یعنی دیویوں کی عبادت جو کرتے ہیں، تو اس کے واسطے سے درحقیقت شیطان مردود کی عبادت کرتے ہیں، جو کہ طاعت سے برکنار ہے، کیونکہ اس بارے میں وہ اسی کی طاعت کرتے ہیں، اور شیطان مرید ابلیس ہے (جس پر اللہ نے لعنت کی ہے) یعنی اس کو اپنی رحمت سے دور کردیا ہے (اور) شیطان نے (کہا میں تیرے بندوں سے ایک مقررہ حصہ لے کر رہوں گا) جنھیں میں اپنی طاعت کی جانب دعوت دوں گا (اور ضرور انھیں بہکاؤں گا) یعنی حق سے انھیں وسوسہ میں مبتلا کرکے ہٹاؤں گا (اور ضرور انھیں جھوٹی آرزوؤں میں مبتلا کروں گا) یعنی ان کے دلوں میں لمبی زندگی کی توقع ڈالوں گا، اور یہ کہ نہ دوبارہ زندہ ہونا ہے اور نہ حساب کا کوئی مسئلہ ہے (اور میں البتہ انھیں ضرور حکم دوں گا، پس وہ جانوروں کے کان ضرور چیریں گے) چنانچہ بحائر کے ساتھ یہ حرکت کی گئی (اور میں انھیں حکم دوں گا، پس وہ خدا کی خلقت میں ضرور ردّوبدل کریں گے) یعنی اللہ کے دین میں کفر کرکے، اور حرام کو حلال اور حلال کو حرام کرکے تبدیلی وترمیم کریں گے (اور جو کوئی اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا رفیق ومددگار بناتا ہے) اس کی دوستی اور اطاعت کا دم بھرتا ہے (تو یقیناً وہ تباہی میں پڑ گیا، ایسی تباہی میں جو کھلی تباہی ہے) کیونکہ اس کا انجام جہنم ہے، جو ہمیشہ اس پر مسلط رہے گی (وہ ان سے) طولِ عمر کا (وعدہ کرتا ہے اور انھیں آرزوؤں میں ڈالتا ہے) کہ دنیا میں ان کی تمنائیں پوری ہوں گی، اور دوبارہ زندہ ہونا اور آخرت میں بدلہ پانا کچھ نہیں ہے (اور شیطان ان سے جو یہ سب وعدے کرتا ہے وہ محض فریب ہے) باطل ہے (یہی وہ لوگ ہیں جن کا بالآخر ٹھکانا دوزخ ہوا اور وہ لوگ اس سے نکلنے کی کوئی راہ نہ پائیں گے ٥ اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام انجام دئے، ہم انھیں ایسے باغوں میں داخل کریں گے، جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی، وہ ہمیشہ انھیں باغوں میں رہیں گے، یہ اللہ کا وعدہ حق ہے) یعنی اللہ نے اس کا وعدہ کر رکھا ہے اور سچا وعدہ کیا ہے (اور اللہ سے بڑھ کر بات کہنے میں سچا اور کون ہوسکتا ہے) یعنی کوئی نہیں ہوسکتا۔

اور اگلی آیت اس وقت نازل ہوئی جب مسلمانوں اور اہل کتاب نے باہم مفاخرت کی (معاملہ نہ تمہاری آرزوؤں پر موقوف ہے اور نہ اہل کتاب کی آرزوؤں پر) وہ تو عمل صالح پر موقوف ہے (جو کوئی برائی کرے گا وہ اس کا بدلہ پائے گا) یا تو آخرت میں یا دنیا میں بلاء ومصیبت کی صورت میں، جیسا کہ حدیث میں ہے (اور اللہ کے سوا نہ تو کوئی دوست اسے ملے گا) جو اس کی حفاظت کرے (اور نہ مددگار) جو اسے اس بدلہ سے بچالے (اور جو کوئی اچھے کام کرے گا، خواہ مرد ہو خواہ عورت، اور وہ ایمان بھی رکھتا ہو گا، تو ایسے ہی لوگ ہیں جو جنت میں داخل ہوں گے) یدخلون میں فعل معروف اور مجہول دونوں طرح قرأت ہے (اور رائی کے دانے کے برابر بھی ان

کے ساتھ بے انصافی نہ ہوگی) کھجور کی گٹھلی کی پشت پر ایک بہت مختصر سا گڈھا ہوتا اسے نقیر کہتے ہیں (اور اس آدمی سے بہتر دین رکھنے والا کون ہوسکتا ہے) یعنی کوئی نہیں (جس نے اللہ کے آگے سر اطاعت جھکا دیا) یعنی اطاعت کی اور عمل میں اخلاص اختیار کیا (اور وہ حسن عمل والا بھی ہے) یعنی توحید پر قائم ہے (اور اس نے ابراہیم کی ملت کی پیروی کی ہے جو) تمام مذہبی گروہ بندیوں سے الگ ہوکر دین قیم کے لئے (یکسو ہو رہا تھا، اور اللہ نے ابراہیم کو خلیل بنالیا تھا) یعنی مخلص دوست جو محبت میں بالکل خالص تھا (اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، سب) ملکیت، خلقت اور غلامی کے اعتبار سے (اللہ ہی کے لئے ہے، اور اللہ) اپنے علم وقدرت سے (ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہیں) اور اس کے ساتھ وہ دائماً متصف ہیں۔

تشریحات

یعبد المشرکون: إن یدعون میں إن نافیہ ہے، یدعون بمعنی یعبدون ہے، قرآن کریم میں جہاں غیر اللہ کو پکارنے کا ذکر ہے، اس سے مراد عبادت ہے۔

أصناماً مونثۃ: اہل عرب بلکہ تمام دنیا کے مشرکین پوجا کرنے کے لئے جو بت بناتے ہیں، زیادہ تر وہ عورت ہی کے بت ہیں، اہل عرب کا خیال واعتقاد ان کے بارے میں یہ تھا کہ وہ اللہ کی بیٹیاں ہیں...... نعوذ باللہ...... جیسے لات ومنات اور عزیٰ وغیرہ۔

لطاعتهم له فيها: یہ إن یدعون إلا شیطاناً مریداً کی تعلیل ہے۔ حاصل یہ ہے کہ یہاں بظاہر اشکال ہوتا ہے کہ یہ کفار ومشرکین مونث بتوں کی پوجا کرتے ہیں، یہ تو ایک واقعہ ہے، مگر یہ کہ وہ شیطان مردود کی پوجا کرتے ہیں، تو نظر بہ ظاہر خلاف واقعہ ہے، کیونکہ شیطان کی پوجا کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا، جواب یہ ہے کہ وہ بتوں کی جو عبادت کرتے تھے، وہ درحقیقت شیطان ہی حکم کی تعمیل کرتے تھے، پس وہ انھیں کے پجاری تھے، بت تو پوجا کے صرف نشان تھے۔

بالوسوسۃ: شیطان، جو انسانوں کو گمراہ کرتا ہے، اس کا کام صرف اتنا ہے کہ وہ دل میں ایک خیال ڈالتا ہے جسے وسوسہ کہتے ہیں، پھر اس کو انسان اپنے دل میں پختہ کرتا ہے اور غلط راہ پر ہو لیتا ہے، وہ کوئی زور زبردستی سے گمراہ نہیں کرتا، چنانچہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے اس کا قول نقل کیا ہے، جب قیامت کے دن سب فیصلے جہنم اور جنت کے ہو چکے ہوں گے، اور اہل جہنم اس کے سامنے اپنی مصیبت کی فریاد لے جائیں تو وہ کہے گا: إِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَأَخْلَفْتُكُمْ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطَانٍ إِلَّا أَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْا أَنْفُسَكُمْ (سورہ ابراہیم: ۲۲) بلاشبہ اللہ نے تم سے وعدہ کیا تھا، سچا وعدہ (اور وہ پورا ہو کر رہا) اور میں نے بھی تم سے وعدہ کیا تھا، مگر اسے پورا نہ کیا، مجھے تم پر کسی طرح تسلط نہ

تھا (کہ تم میری پیروی پر مجبور ہو گئے ہو) جو کچھ پیش آیا، وہ صرف یہ ہے کہ میں نے تمہیں بلایا اور تم نے میرا بلاوا قبول کر لیا۔

اس کا بلانا کیا ہے؟ وہ یہی دل میں خیال ڈالنا، وسوسہ پیدا کرنا! باقی آگے سب کام آدمی کا ہے۔

ألقیٰ فی قلوبھم طول الحیاۃ: حق سے گمراہ کرنے کے لئے جن وسوسوں کو وہ استعمال کرتا ہے، اس کی تفصیل وہ خود بیان کر رہا ہے، وہ یہ کہ انسانوں کو بہت دن تک جینے کا فریب دیتا ہے، اور یہ بھی سمجھاتا ہے، کہ زندگی بس یہی زندگی ہے، جب یہ ختم ہو جائے گی تو پھر اور کوئی زندگی نہیں، اور نہ کوئی حساب ہے نہ کتاب! بس جو کچھ ہے یہیں ہے، انسان کی گمراہی کا آغاز یہیں سے ہوتا ہے، زندگی بس اتنی ہی ہے آگے کچھ نہیں ہے، تو پھر کیوں کوئی پابندی قبول کی جائے، نفس کو جو ہوس ہو اسے پورا کیا جائے، اور اگر فطری تقاضے سے کسی کی عبادت کرنی ہی ہو تو بس ایسے معبود کی، جس کا نہ کوئی امر ہو، نہ نہی، ہم اس کے تابع نہ ہوں وہ خود ہمارا تابع ہو۔ بس مشرکین کی عبادت یہی ہے۔

عبادت کے نام پر اپنے بنائے ہوئے بتوں کی پوجا کرتے ہیں، جانور کے کان چیر کر ان بتوں کے نام پر آزاد کرتے ہیں، جسے چاہتے ہیں حلال اور جسے چاہتے ہیں حرام کرتے ہیں۔

بالبحائر: بحائر جمع ہے بحیرۃ کی، بحیرۃ وہ اونٹنی ہے جو چار مرتبہ بچہ جننے کے بعد پانچویں مرتبہ میں مادہ بچہ جنتی ہے، اس کا کان بطور علامت کے چیر کر بتوں کے نام آزاد کر دیتے تھے، پھر نہ اس پر سوار ہوتے اور نہ اس کا دودھ استعمال کرتے، وہ بتوں کے نام پر چڑھاوا ہوتی۔

دینہ: خلق اللہ کی تفسیر مفسر نے دین سے کی ہے، یعنی شیطان انھیں حکم دیتا ہے کہ اللہ کے دین کو اس کی اپنی حالت پر نہ رکھیں، اس میں حسب منشا ضرورت کے مطابق ترمیم و تبدیل کرتے رہو، چنانچہ بدعات و رسومات یہ سب اغوائے شیطان ہی کے نتائج بد ہیں۔

یتولاہ ویطیعہ: حق تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی کہ جو شیطان کو اپنا دوست اور رفیق و مددگار بنائے گا، وہ پوری تباہی میں پڑے گا، اس سے خیال ہوتا ہے کہ ایسا کون ہوگا، جو شیطان کو اپنا دوست اور رفیق و مددگار بنائے، اسے تو سب برا جانتے اور کہتے ہیں۔ مفسر نے فرمایا کہ شیطان کی دوستی اس کے وسوسوں کی تعمیل اور حکم الٰہی سے رُوگردانی کا نام ہے۔

وعدھم اللہ ذٰلک وعداً وحقہ حقاً: یہ تفسیری عبارت بتا رہی ہے کہ حق تعالیٰ کا ارشاد وعد اللہ مفعول مطلق ہے، تاکید کے لئے، تقدیر یہ ہے: وعد اللہ وعداً، فعل کو حذف کر کے اسے فاعل کی طرف مضاف کر دیا گیا ہے، اور حقاً کا فعل حق محذوف ہے۔

قولاً: قیلاً کی تفسیر قولاً سے کرنے کا مطلب یہ ہے کہ قیلاً بھی مصدر ہے، جیسے کہ قول اور قال مصدر ہیں، ابن السکیت کا قول ہے کہ قال اور قیل اسم مصدر ہیں، اور تمیز ہونے کی بنا پر یہاں منصوب ہیں۔

ونزل لما افتخر المسلمون الخ: مفسر آیت لیس بامانیکم و لا امانی اهل الکتاب الخ کا سبب نزول بتا رہے ہیں، بعض اہل اسلام اور بعض اہل کتاب میں مکالمہ ہوا، اہل کتاب نے کہا کہ ہماری کتاب تمہاری کتاب سے پہلے ہے، اور ہمارے نبی تمہارے نبی سے پہلے ہیں، تو ہم اللہ کے زیادہ نزدیکی ہیں، ہم تم سے افضل ہیں، اور مسلمانوں نے کہا کہ ہمارے نبی خاتم النبیین ہیں، اور ہماری کتاب تمام کتابوں کے لئے ناسخ ہے، نیز ہم تمہاری کتاب پر ایمان رکھتے ہیں، اور تمہارا ایمان ہماری کتاب پر نہیں ہے، اس لئے ہم تم سے زیادہ اللہ کے نزدیکی ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اهل کتاب: یہود و نصاریٰ۔

الامر منوطاً: ثواب اور اللہ کے قرب کا معاملہ، کسی کی آرزو اور گمان و خیال پر مبنی نہیں۔ **بامانیکم** کا تعلق منوطاً سے ہے، یعنی ان آرزوؤں پر مدار کار نہیں ہے، بلکہ ایمان اور عمل صالح پر ہے۔

أمانی: جمع ہے أمنية کی، یہ تمنا سے ماخوذ ہے، آدمی اپنے دل میں آرزو باندھتا ہے، امید کرتا ہے کہ مجھے فلاں فلاں چیز حاصل ہوگی، مثلاً آدمی کوئی عمل کرتا ہے اور خیال باندھتا ہے کہ اس کے عوض میں مجھے اتنا اتنا ثواب ملے گا، اس خیال پر جب اللہ کی طرف سے کوئی دلیل نہ ہو تو اسے امنية کہتے ہیں، اور اگر کی طرف سے وعدہ ہو، اور اس کی دلیل موجود ہو تو اسے رجاء کہتے ہیں۔

من یعمل سوءً یجزبه إمافی الآخرة الخ: جو کوئی عمل بد کرے گا، خواہ وہ اہل کتاب ہو یا اہل ایمان، اسے اس کی سزا ملے گی، یعنی سزا کا مستحق ہوگا، یا تو آخرت میں، کافر ہو تو یقیناً، اور مومن ہو تو اس وقت جب اس نے توبہ نہ کی ہو، یا مغفرت کا اور کوئی سبب نہ ہوا ہو، یا دنیا میں آفات اور بلاؤں کی صورت میں، جیسا کہ حدیث میں وارد ہے، چنانچہ ترمذی شریف میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی، تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ کون ایسا ہوگا جس سے کوئی عمل بد نہ ہوا ہو، تو کیا ہر برے عمل پر ہمیں سزا ملے گی؟ آپ نے فرمایا: تم لوگ جو اصحاب ایمان ہو تمہیں اس کا بدلہ دنیا میں دیا جائے گا، یہاں تک کہ تم اللہ کے حضور اس حالت میں پہونچو گے کہ تم پر کوئی گناہ نہ ہوگا، اور دوسرے لوگوں کی ساری معصیتیں اکٹھا رہیں گی، انھیں قیامت کے دن سب کا بدلہ مل جائے گا۔

تفسیر ابی السعود میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، تب کس کو نجات ہوگی؟ یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا کیا تم بیمار نہیں ہوتے، کیا تم پر کوئی مصیبت نہیں آتی، عرض کیا کیوں نہیں؟ فرمایا

بس یہ بدلہ ہی ہے۔

شیئاً: اس لفظ سے اشارہ ہے کہ من الصالحات میں من تبعیضیہ ہے، کیونکہ تمام اعمال صالحہ بجالانے کی کسی میں طاقت نہیں ہے۔

وھو مومن: عمل صالح آخرت میں اسی وقت نافع ہوگا جب اس کی منشا و مصدر ایمان ہو۔

قدر نقرۃ النواۃ: کھجور کی گٹھلی کی پشت پر ایک ذرا سا گڑھا جیسا ہوتا ہے، اسی کو نقیر کہتے ہیں، نقر (ن) کے معنی کھودنے کے ہیں۔

أسلم وجھہ انقاد: وجہ کے معنی چہرے کے ہیں، وجہ بول کر ذات مراد لیا ہے، کیونکہ ذاتِ انسانی میں اشرف حصہ چہرہ ہے، مطلب یہ ہے کہ مطیع و فرمانبردار ہو۔

حال ای مائلاً عن الادیان: حنیفاً ترکیب میں حال ہے، ذوالحال میں تین احتمال ہے، اتبع کی ضمیر فاعل ذوالحال ہو، یا ملۃ ابراھیم ذوالحال ہو، یا خود ابراھیم، حنیف کے معنی ہر طرف سے یکسو ہو کر ایک خدا کا ہو رہنے والا۔

لم یزل متصفاً بذلک: اللہ تعالیٰ کا ارشاد و کان اللہ بکل شئ محیطاً (اللہ تعالیٰ ہر چیز کو احاطہ میں لئے ہوئے تھا) سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ زمانۂ ماضی میں محیط تھا، اب یہ احاطہ ختم ہو گیا ہے، اس کا جواب مفسر نے دیا کہ یہ کان انقطاع کے لئے نہیں ہے، بلکہ دوام کے لئے ہے، تو جیسے پہلے محیط تھا اب بھی محیط ہے، اور آئندہ بھی محیط رہے گا۔

﴿مضامین آیات وتفسیر﴾

اوپر ذکر تھا کہ رسول کی مخالفت کرنے والا، اور اہل ایمان کی راہ سے الگ راہ اختیار کرنے والا، اسی طرف جائے گا، جو راہ اس نے اختیار کی ہے، اس کی مزید توضیح فرماتے ہیں کہ راستہ صحیح ہو تو غلطیاں قابل درگزر ہیں، لیکن اگر پوری راہ ہی بدل گئی یعنی آدمی نے ایمان کو چھوڑ کر شرک کی راہ اختیار کر لی، تو اس نے معافی اور درگزر کی گنجائش ختم کر لی، اب وہ گمراہی میں دور سے دور تر ہوتا چلا جائے گا، لیکن سوچنا چاہئے کہ یہ مشرکین خدا کو چھوڑ کر کس کے سامنے ماتھا ٹیکتے ہیں، عورتوں کے سامنے! اور عورت بھی واقعی عورت نہیں، عورت کے مجسمے اور بت کے سامنے! بلکہ عورت بھی نہیں وہ شیطان کو پوجتے ہیں، کیونکہ عورتوں کو پوجنا شیطان ہی کے حکم سے ہے، پس درحقیقت وہ شیطان ہی کی عبادت کرتے ہیں، انسان گمراہ ہوتا ہے تو کن گہرائیوں میں گرتا ہے، شیطان تو اللہ کی رحمت سے دور بھاگا ہوا ہے، جو کوئی اس کا حکم مانے گا، وہ بھی رحمت الٰہی سے دور ہوگا، شیطان تو روزِ اول کہہ رہا تھا کہ خدایا! میں آپ کے بندوں میں اپنا حصہ بھی نکالوں گا، انہیں راہ سے ہٹاؤں گا، انھیں جھوٹی

آرزوؤں میں مبتلا کروں گا، ان سے کہوں گا کہ وہ جانوروں کے کان چیریں اور دین الٰہی کو بدل ڈالیں، اب ظاہر ہے کہ جو کوئی اس ظالم کی بات مانے گا وہ پورا تباہ ہو کر رہے گا، اور جہنم کی قید میں ہمیشہ کے لئے بند ہو جائے گا، اس کے برخلاف جو ایمان اور عمل وصالح کی راہ پر ہوں گے، ان کے لئے جنت ہے، یہ خدا کا وعدۂ برحق ہے اور خدا سے زیادہ سچی بات کس کی ہوگی؟ جنت کا حصول اور جہنم سے نجات کسی کی ذاتی اور نفسانی خواہشات اور تمناؤں پر مبنی نہیں ہے، برا کام جو بھی کرے گا اس کی سزا کا مستحق ہوگا، اور کوئی چاہے کہ اللہ کے سوا اسے کوئی حامی وناصر مل جائے تو ایسا نہ ہوگا۔ اور جو کوئی ایمان پر ثابت قدم رہ کر اچھے اعمال کرے گا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، وہ ضرور جنت میں پہونچے گا، اور بندوں پر کسی طرح کی بے انصافی کا کام نہ ہوگا۔

اچھا دین تو بس یہ ہے کہ آدمی اللہ کے سامنے سر اطاعت جھکا دے، اور توحید پر وہ قائم ہو، اور طریقہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اختیار کرے، جیسے وہ سب سے یکسو ہو کر اللہ کے ہو رہے تھے ایسا ہی کرے، اور ابراہیم کو تو اللہ نے اپنا خلیل بنالیا تھا، پھر جو ان کے طریقے پر ہوگا وہ بھی انھیں کے زمرے میں ہوگا، اور زمین وآسمان کی ہر چیز بس خدا ہی کی ملکیت میں ہے، وہی خالق ومعبود ہے، اور سب کچھ اسی کے احاطۂ علم وقدرت میں ہے، بس انھیں کا ہو رہنا ضروری ہے۔

☆☆☆☆☆

﴿يَسْتَفْتُوْنَكَ﴾ يطلبون منك الفتوىٰ ﴿فِيْ﴾ شأن ﴿النِّسَاءِ﴾ وميراثهن ﴿قُلْ﴾ لهم ﴿اللهُ يُفْتِيْكُمْ﴾ فيهن ﴿وَمَايُتْلىٰ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ﴾ القرآن، من آية الميراث ويفتيكم ايضاً ﴿فِيْ يَتٰمَى النِّسَاءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَاكُتِبَ﴾ فرض ﴿لَهُنَّ﴾ من الميراث ﴿وَتَرْغَبُوْنَ﴾ أيها الاولياء عن ﴿أَنْ تَنكِحُوْهُنَّ﴾ لدمامتهن، وتعضلوهن أن يتزوجن طمعاً فى ميراثهن اى يفتيكم أن لاتفعلوا ذٰلك ﴿وَ﴾ فى ﴿الْمُسْتَضْعَفِيْنَ﴾ الصغار ﴿مِنَ الْوِلْدَانِ﴾ أن تعطوهم حقوقهم ﴿وَ﴾ يأمركم ﴿أَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ﴾ بالعدل فى الميراث والمهر ﴿وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْماً﴾ فيجازيكم به ﴿وَإِنِ امْرَأَةٌ﴾ مرفوع بفعلٍ يفسره ﴿خَافَتْ﴾ توقعت ﴿مِنْ بَعْلِهَا﴾ زوجها ﴿نُشُوْزاً﴾ ترفعاً عليها بترك مضاجعتها والتقصير فى نفقتها لبغضها وطموح عينه إلىٰ أجمل منها ﴿أَوْ إِعْرَاضاً﴾ عنها بوجهه ﴿فَلَاجُنَاحَ عَلَيْهِمَاأَنْ يَّصَّلَحَا﴾ فيه إدغام التاء فى الصل فى الصاد وفى قرأةٍ يُصْلِحَا من أصلح ﴿بَيْنَهُمَا صُلْحاً﴾ فى القسم والنفقة بان تترك له شيئاً طلباً لبقاء الصحبة فإن رضيت بذٰلك وإلا فعلى الزوج أن يوفيها حقها أو يفارقها ﴿وَالصُّلْحُ خَيْرٌ﴾ من الفرقة

والنشوز والإعراض. قال تعالیٰ فی بیان ما جُبِلَ علیه الانسان ﴿ وَأُحۡضِرَتِ الۡاَنۡفُسُ الشُّحَّ ﴾ شدة البخل أی جبلت علیه فکأنها حاضرته لا تغیب عنه،المعنی أن المرأة لاتکادتسمح بنصیبها من زوجها والرجل لایکادیسمح علیها بنفسه إذا أحب غیرها﴿ وَإِنۡ تُحۡسِنُوۡا ﴾ عشرة النساء ﴿ وَتَتَّقُوۡا ﴾الجور علیهن﴿ فَإِنَّ اللّٰهَ کَانَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡراً ﴾ فیجازیکم به ﴿ وَلَنۡ تَسۡتَطِیۡعُوۡا أَنۡ تَعۡدِلُوۡا ﴾ تُسَوُّوا ﴿ بَیۡنَ النِّسَاءِ ﴾ فی المحبة ﴿ وَلَوۡحَرَصۡتُمۡ ﴾ علیٰ ذٰلک ﴿ فَلَا تَمِیۡلُوۡا کُلَّ الۡمَیۡلِ ﴾إلی التی تحبونها فی القسم والنفقة ﴿ فَتَذَرُوۡهَا ﴾ أی تترکوا المُمَالَ علیها ﴿ کَالۡمُعَلَّقَةِ ﴾ التی لاهی أیِّمٌ ولا هی ذاتُ بعلٍ ﴿ وَإِنۡ تُصۡلِحُوۡا ﴾ بالعدل بِالقَسۡم ﴿وَتَتَّقُوۡا ﴾الجور﴿ فَإِنَّ اللّٰهَ کَانَ غَفُوۡراً ﴾ لما فی قلوبکم من المیل ﴿رَحِیۡماً ﴾ بکم فی ذٰلک ﴿ وَإِنۡ یَّتَفَرَّقَا ﴾ أی الزوجان بالطلاق﴿ یُغۡنِ اللّٰهُ کُلًّا ﴾ عن صاحبه ﴿ مِنۡ سَعَتِهِ ﴾ أی فضله بأن یرزقها زوجاً غیره ویرزقه غیرها﴿ وَکَانَ اللّٰهُ وَاسِعاً ﴾ لخلقه فی الفضل﴿حَکِیۡماً ﴾ فیما دبره لهم. ﴿ وَلِلّٰهِ مَا فِیۡ السَّمٰوَاتِ وَمَا فِیۡ الۡاَرۡضِ وَلَقَدۡ وَصَّیۡنَا الَّذِیۡنَ أُوۡتُوۡا الۡکِتٰبَ ﴾ بمعنی الۡکُتُبُ﴿ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ ﴾ ای الیهود والنصاریٰ﴿وَ إِیَّاکُمۡ ﴾ یا أهل القرآن ﴿ أَنِ ﴾ أی بأن ﴿ اتَّقُوۡا اللّٰهَ ﴾ خافوا عقابه بأن تطیعوه ﴿ وَ ﴾ قلنا لهم ولکم ﴿ إِنۡ تَکۡفُرُوۡا ﴾ بما وصیتم﴿ فَإِنَّ لِلّٰهِ مَا فِیۡ السَّمٰوَاتِ وَمَا فِیۡ الۡاَرۡض ﴾ملکاً و خلقاً و عبیداً فلایضره کفرکم ﴿ وَکَانَ اللّٰهُ غَنِیّاً ﴾ عن خلقه وعبادتهم ﴿ حَمِیۡداً ﴾ محموداً فی صنعه بهم ﴿وَلِلّٰهِ مَا فِیۡ السَّمٰوَاتِ وَمَا فِیۡ الۡاَرۡض ﴾ کرره تاکیداً لتقریر موجب التقویٰ﴿ وَکَفیٰ بِاللّٰهِ وَکِیۡلاً ﴾ شهیداً بأن مافیهما له ﴿ إِنۡ یَّشَأۡ یُذۡهِبۡکُمۡ ﴾ یا ﴿أَیُّهَا النَّاسُ وَیَأۡتِ بِآخَرِیۡنَ ﴾ بدلکم﴿ وَکَانَ اللّٰهُ عَلٰی ذٰلِکَ قَدِیۡراً O مَنۡ کَانَ یُرِیۡدُ ﴾ بعمله ﴿ ثَوَابَ الدُّنۡیَا فَعِنۡدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنۡیَا وَالۡآخِرَةِ ﴾ لمن أراده لاعند غیره فَلِمَ یطلب أحدَهما الۡاَ خس وهلا طلب الاعلیٰ بإخلاصه له حیث کان مطلبه لایوجد إلا عنده ﴿ وَکَانَ اللّٰهُ سَمِیۡعاً بَصِیۡراً ﴾

﴿ترجمـــــہ﴾

(اورتم سے عورتوں)اوران کی میراث (کے بارے میں پوچھتے ہیں،تم)ان سے (کہو کہ اللہ بھی اور جو کچھ کتاب)یعنی قرآن (میں تم کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے وہ بھی ان کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے،ان یتیم عورتوں کے بارے میں جنھیں تم ان کا)میراث میں (واجبی حصہ نہیں دیتے اور)اے اولیاء (تم ان کے ساتھ نکاح کرنے سے)ان کی بدصورتی کی وجہ سے (بے رغبت ہوتے ہو)اوران کی میراث میں حرص کی وجہ سے ان کے نکاح میں

رکاوٹ ڈالتے ہو، اس کے متعلق اللہ کا بھی اور کتاب اللہ کا بھی فتویٰ ہے کہ ایسا نہ کرو (اور) نیز (ان کمزور لڑکوں کی نسبت بھی) فتویٰ دیتے ہیں کہ ان کے حقوق تم انھیں ادا کر دیا کرو (اور) حکم دیتے ہیں کہ (یتیموں کی نگہداشت) میراث اور مہر کے بارے میں (انصاف سے کیا کرو، اور جو کچھ بھی تم بھلا کام کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کا علم رکھتے ہیں ○ اور اگر کسی عورت کو) إمرأةٌ مرفوع ہے، اس سے پہلے اس کا فعل محذوف ہے، جس کی تفسیر بعد والا فعل کرتا ہے (اپنے شوہر کی طرف سے سرکشی کا یعنی ترک مضاجعت اور نفقہ میں کوتاہی کا (اندیشہ ہو) اس لئے کہ وہ عورت اسے ناپسند ہے، اور اس سے خوبصورت کسی اور عورت پر اس کی نگاہ لگی ہوئی ہے (یا اس سے کنارہ کشی کا) اندیشہ ہو، تو (ان دونوں پر کچھ گناہ نہ ہوگا کہ وہ باہم مصالحت کرلیں) أَنْ يَصَّالَحَا میں تاءِ تفاعل کا صاد میں ادغام ہے، اور ایک قرأت میں يُصلحا ہے باب افعال سے، یہ مصالحت باری مقرر کرنے اور نفقہ میں ہوسکتی ہے، اس طرح کہ اپنا کچھ حصہ چھوڑ دے تاکہ باہمی تعلق برقرار رہے، پس اگر وہ اس پر راضی ہو جاتی ہے تب تو ٹھیک ہے، ورنہ شوہر کی ذمہ داری ہے کہ اس کا حق پورا کرے، یا اس سے جدائی اختیار کرے (اور صلح) تفریق، سرکشی اور کنارہ کشی سے (بہتر ہے) پھر اللہ نے انسان کی وہ فطرت بیان کی جو اس کی جبلت ہے (اور نفس انسانی تو ''شح'') شدت بخل وحرص (پر جما ہوا ہے) یعنی اس پر اس کی تخلیق ہوئی ہے، گویا اس پر ہمہ وقت حاضر رہتا ہے کبھی اس سے غائب نہیں ہوتا، مطلب یہ ہے کہ عورت اپنے حصہ اور حق کو چھوڑنے کے لئے تیار ہو، ایسا لگتا نہیں، اور شوہر بھی جب دوسرے کو چاہتا ہے تو لگتا نہیں کہ اسے اپنی ذات پر گوارا کرے گا (اور اگر تم) عورتوں کے معاملہ میں (اچھا سلوک کرو اور) ان پر سخت گیری سے (بچو تو تم جو کچھ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کی خبر رکھنے والے ہیں) وہ تمہیں اس کی جزا دیں گے (اور یہ بات تمہاری طاقت سے باہر ہے کہ عورتوں کے درمیان تم) محبت کرنے میں (برابری کرسکو، اگرچہ تم اس کے خواہش مند ہو، پس ایسا نہ کرو کہ تم) اس عورت کی طرف جس سے تمہیں زیادہ محبت ہے، باری مقرر کرنے اور نفقہ دینے میں (پوری طرح جھک پڑو، پس اس کو) یعنی جس پر دوسرے کو ترجیح دی جاتی ہے (اس طرح چھوڑ بیٹھو جیسے معلقہ ہے) یعنی ایسی ہے کہ نہ تو وہ بے شوہر کی ہے اور نہ شوہر والی ہے (اور اگر تم) عورتوں کی باری میں انصاف سے کام لے کر (معاملہ درست رکھو، اور) بے انصافی سے (بچو تو اللہ تعالیٰ) جو کچھ تمہارے دلوں میں ایک طرف میلان ہے اسے (بخشنے والے) تم پر اس مسئلے میں (رحم فرمانے والے ہیں، اور اگر وہ دونوں (یعنی زوجین طلاق کو اختیار کرکے (جدا ہو جائیں، تو اللہ تعالیٰ اپنی) روزی کی (کشائش سے ہر ایک کو) دوسرے سے (بے نیاز کر دیں گے) عورت کو دوسرا شوہر عطا فرما دیں گے، اور شوہر کو دوسری بیوی دیدیں گے (اور اللہ تعالیٰ) اپنی مخلوق کے لئے فضل کرنے میں (بہت وسعت والے) اور ان کے لئے تدبیر وانتظام میں (حکمت والے ہیں ○ اور آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے، سب اللہ ہی کے لئے ہے اور ہم نے

یقیناً ان لوگوں کو جنھیں تم سے پہلے کتاب) مراد کتابیں ہیں (دی گئی) یعنی یہود و نصاریٰ کو (اور خود تم کو بھی) اے اہل قرآن (تاکید ہے کہ اللہ) کے عقاب (سے ڈرو) اور ان کی اطاعت کرو (اور) ہم نے ان سے یہ بھی کہا کہ (اگر تم) ان کا حکم (نہ مانو گے تو آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے سب) ملکیت اور خلقت اور بندگی کے لحاظ سے (اللہ ہی کے لئے ہے) پس تمہارے کفر سے ان کو تو کچھ نقصان ہونے والا نہیں ہے (اور اللہ تعالیٰ) اپنی مخلوق سے اور ان کی عبادتوں سے (بے نیاز قابل حمد ہیں) یعنی مخلوق میں جو بھی تصرف کریں ہر حال میں محمود ہیں (اور اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے، اور جو کچھ زمین میں ہے) یہ مضمون دوبارہ اس لئے ذکر کیا تاکہ تقویٰ کے سبب اور داعیہ کی تاکید ہو (اور اللہ تعالیٰ) اس بات پر (وکیل) یعنی گواہ (ہونے کے لئے کافی ہیں) کہ جو کچھ ان دونوں میں ہے ان سب کے مالک وہی ہیں) اگر وہ چاہیں تو اے لوگو! تمہیں ہٹا دیں اور) تمہاری جگہ پر (دوسروں کو لے آئیں، اور اللہ ایسا کرنے پر قادر ہیں o جو کوئی) اپنے عمل سے (دنیا کا ثواب چاہتا ہے) تو اسے معلوم ہونا چاہئے کہ (اللہ ہی کے پاس دنیا و آخرت دونوں کا ثواب ہے) جس کو وہ دینا چاہے، دوسرے کسی کے پاس نہیں ہے، پس ادنیٰ درجے کا ثواب کیوں چاہتا ہے، اللہ کے لئے اخلاص اختیار کر کے اعلیٰ درجے کے ثواب کا امیدوار کیوں نہیں ہوتا، جب کہ اس کا مقصد ان کے علاوہ اور کہیں نہیں حاصل ہوسکتا (اور وہ سب کچھ سننے والے دیکھنے والے ہیں)

﴿تشریحات﴾

و میراثھن: یہ سوال عورتوں کے عام حقوق کے متعلق ہے، مگر خصوصیت سے انھیں میراث دینے کی بات پوچھنی تھی۔

آیة المیراث: اس سے مراد یوصیکم اللہ فی اولادکم والی آیت ہے (سورۃ النساء:۱۱/۱۲)

و ترغبون أیها الاولیاء عن الخ: حضرت مفسر نے وترغبون کا صلہ عن مقدر مانا ہے، مطلب یہ ہے کہ یتیم بچی ہے مگر وہ بدصورت ہے، اس کی بدصورتی کی وجہ سے اس کا سرپرست، جس کی پرورش میں وہ باپ کے مرنے کے بعد رہی ہے، اور وہ اس کا محرم نہیں ہے، مثلاً چچازاد بھائی، وہ اس کو اپنے نکاح میں لانا نہیں چاہتا، مگر دوسری جگہ نکاح کرے گا تو وہ اپنا مالِ وراثت لے کر چلی جائے گی، اس ڈر سے وہ اس کے نکاح میں رکاوٹ ڈالتا ہے، اور خود اپنے نکاح میں بھی نہیں لاتا، اس طرح وہ اس یتیم بچی کو تنگ کرتا ہے، یہ مفسر کی تفسیر کا حاصل ہوا۔

ایک اور طرح سے بھی اس کی تفسیر ہے، وہ یہ کہ ترغبون کا صلہ فی ہو، یعنی تم اے سرپرستو! ان کو اپنے نکاح میں اس لئے لانا چاہتے ہو کہ ان کا مال میراث تمہاری ہی طرف آ جائے، اور چونکہ وہ تمہارے اختیار میں ہیں، اس لئے مہر بہت کم دینا چاہتے ہو، ان دونوں تفسیروں کی تائید حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت

سے ہوتی ہے، جسے امام مسلم نے نقل کیا ہے، انھوں نے فرمایا کہ:

''یہ آیت اس یتیم خاتون کے بارے میں نازل ہوئی، جو اپنے ولی کی سرپرستی میں ہے، اور وہ اس کے مال اور جمال کی وجہ سے اس سے نکاح کی رغبت رکھتا ہے، اور چاہتا ہے کہ مہر گھٹا کر دے، تو انھیں اس طرح کے نکاح سے منع کیا گیا، کہ یا تو مہر پوری دو ورنہ دوسری جگہ نکاح کر دو، فرماتی ہیں کہ لوگوں نے اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا، تب یہ آیت اتری، اور وہ یہ بھی فرماتی ہیں کہ یتیم عورت کبھی مال و جمال میں کم ہوتی تھی تو اس سے ولی نہ نکاح کرتا تھا اور نہ دوسرے سے نکاح کرنے دیتا تھا۔ (مسلم شریف: کتاب التفسیر)

ان دونوں تفسیروں سے مجموعی طور پر معلوم ہوا کہ مال کی خواہش میں اپنے زیر سرپرستی یتیم عورتوں سے اس لئے نکاح کرنا کہ مہر میں کمی کر دی جائے، یا اگر وہ بدصورت ہیں تو اس سے خود نکاح نہ کرنا، اور دوسروں سے بھی نکاح نہ کرنے دینا کہ وہ مال لے کر چلی جائے گی، یہ دونوں باتیں درست نہیں ہیں۔

لدمامتهن: دَم باب ضرب اور سمع سے ہے، اور ایک لغت میں باب کرم سے بھی ہے، **دمامة** بالفتح بدصورت ہونا اور قد اور جسامت کا کم ہونا، غالبًا یہ **دِمَّةٌ** سے ماخوذ ہے جس کے معنی چیونٹی کے ہیں۔

ای یفتیکم أن لاتفعلوا ذٰلک: یعنی وہ سب کام جو پہلے ذکر کئے گئے، یعنی میراث کا نہ دینا، نکاح سے اعراض کرنا، نکاح میں رکاوٹ ڈالنا، انھیں مت کرو۔

مرفوع بفعلٍ یفسره خافت: **وإن امرأةٌ** میں **إمرأة** فاعل ہے، اس کا فعل محذوف واجب الحذف ہے، کیونکہ اس کی تفسیر کے لئے بعد میں **خافت** موجود ہے، **إمرأةٌ** کو مبتدا نہیں قرار دے سکتے، کیونکہ **إن** حرف شرط ہے، وہ بہر حال فعل پر داخل ہوتا ہے اسم پر نہیں، پس وہاں **خافت** مقدر ہے، اور **إن** کا مدخول وہی ہے۔

ترفعاً علیها: یہ **نشوزا** کی تفسیر ہے، یعنی عورت پر سرکشی کرنا۔

بترک مضاجعتها: یہ نشوز اور اعراض کی صورت بتائی ہے، کہ عورت کے ساتھ سونا چھوڑ دے، اس کے نفقے میں تنگی کرے، اسے ناپسند کرے، کوئی اور عورت نگاہ میں چڑھی ہوئی ہو۔

فیه إدغام التاء: یہ لفظ باب تفاعل سے ہے، کبھی تفاعل کی تا کا فا کلمہ میں ادغام کر دیا جاتا ہے جبکہ فاء کلمہ صاد، ضاد، طاء، ظاء ہو، صاحب منشعب نے اسے ایک مستقل باب شمار کیا ہے، اِفّاعُلٌ۔ مفسر کی قرأت **یَصّالَحا** ہے، دوسری قرأت **یُصْلِحَا** ہے، باب افعال ہے۔

فی القسم والنفقة بان تترک له شیئاً: شوہر اور بیوی میں مصالحت کی صورت یہ ہے کہ عورت اپنے کسی حق سے دستبرداری اختیار کرلے، اس میں کچھ کمی کر دے، مثلاً اس کے پاس شوہر کے رہنے کی جو باری از روئے شرع انصاف کی ہے، اسے چھوڑ دے یا اس میں کمی کر دے، اور یہ حق پورا یا کچھ دوسری بیوی کے لئے

چھوڑ دے، یا نفقہ میں کمی کر دے، یا بالکل ہی مطالبہ نہ کرے تا کہ نکاح کا تعلق باقی رہے، اس پر شوہر راضی ہو تو ٹھیک ہے، اور اگر وہ اپنا حق نہ چھوڑے تو شوہر کی ذمہ داری ہے کہ اس کا حق ادا کرے یا طلاق دے کر جدائی اختیار کر لے۔

الشح: انسانی طبیعت کا وہ رذیلہ ہے جو شدت حرص اور شدت بخل دونوں کا مجموعہ ہے، **شحیح** وہ آدمی ہے جو بے حد حریص اور نہایت بخیل ہو، انسانی طبیعت میں یہ مادہ گویا گندھا ہوا ہے، اور نفس اس پر ہمہ وقت جما ہوا اور ڈٹا ہوا رہتا ہے، کبھی اس سے غائب نہیں ہوتا، تاہم نفس انسانی اصلاح کو قبول کرتا ہے، اس لئے اس جذبہ کی بھی اصلاح ہو سکتی ہے۔

المعنی أن المرأة لاتکاد الخ: ''شح'' کے اس مادہ کی وجہ سے عورت شاید اپنا حق چھوڑنا گوارا نہ کرے، اور شوہر بھی اس کا حق دینے پر راضی نہ ہو۔

لمافی قلوبکم من المیل: کئی بیویاں ہوں تو شوہر کی ذمہ داری ہے کہ ان کے درمیان خرچ دینے میں اور ان کے ساتھ وقت گزارنے میں مساوات کا برتاؤ کرے، اس میں کوتاہی کرے گا تو گناہگار ہوگا، الا یہ کہ کوئی عورت اپنے کسی حق سے یا اس کے کسی جز سے دستبردار ہو جائے، لیکن دل کی محبت اور لگاؤ میں برابری آدمی کی استطاعت سے باہر ہے، اس لئے اس میں کمی بیشی قابل درگزر ہے۔

بمعنی الکتب: کتاب اسم جنس ہے، اس سے تمام اہل کتاب مراد ہیں، اور آسمان سے چونکہ متعدد کتابیں نازل ہوئی ہیں، اس لئے فرمایا کہ کتاب بمعنی کتب ہے۔

﴿مضامین آیات وتفسیر﴾

عورتوں سے متعلق مسائل شروع میں بیان کئے جا چکے، بعض چیزیں رسول اللہ ﷺ سے اور پوچھی گئیں، جن میں یتیم لڑکیوں اور ان کی میراث کے مسئلے سے متعلق سوال تھا، وہ یہ کہ بسا اوقات یتیم لڑکیاں جن اولیاء کی سرپرستی میں پرورش پا رہی ہوتی ہیں، جب ان کے نکاح کا مسئلہ آتا تو ولی کبھی یہ چاہتا ہے کہ اس کی وراثت کا مال کہیں اور نہ جائے، اس لئے وہ نکاح میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے، یا اگر خود اس ولی کا نکاح اس یتیم سے درست ہوتا ہے، تو کم مہر پر نکاح کرنا چاہتا ہے، کہ گھر کی پلی ہوئی لڑکی ہے، یا خود نہیں پسند کرتا، تو دوسرے سے نکاح نہیں کرنے دینا چاہتا کہ یہ اپنا مال وراثت سمیٹ کر شوہر کے یہاں چلی جائے گی۔ اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا تو آپ کی طرف سے حق تعالیٰ نے خود جواب مرحمت فرمایا، اور عدل وانصاف کا رہتی دنیا تک کے لئے قانون بنا دیا۔

وہ یہ کہ یتیموں کی نگہداشت میں خواہ میراث کا مسئلہ ہو یا مہر کا، عدل وانصاف اور حسن نیت اور خیر خواہی

کا جذبہ اس میں کارفرما ہونا چاہئے، کوئی معاملہ زیادتی کا نہیں ہونا چاہئے، جو کچھ بھی ہوگا، اچھا یا برا سلوک وہ حق تعالیٰ کے علم وآگہی سے باہر نہ ہوگا، اس لئے جواب دہی کے احساس کو دھیان میں رکھتے ہوئے معاملہ کرو۔

پھر اگر بیوی کو اندیشہ ہو کہ شوہر اس کی حق تلفی کرے گا، یا اس سے کنارہ کش ہی ہو جائے گا، اور عورت چاہتی ہے کہ اسی شوہر کے ساتھ نباہ ہو تو آپس میں کوئی مناسب راستہ ٹھہرا کر مصالحت کرلیں، تو نہ شوہر پر کچھ گناہ ہوگا نہ بیوی پر، مثلاً یہ کہ عورت اپنے حق اور مطالبہ میں کچھ کمی کردے، یا کسی حق کو بالکل ہی ساقط کردے، اگر مصالحت ہو جائے، تو حق تلفی یا مفارقت سے بہتر ہے، لیکن اگر عورت اپنے کسی حق سے دستبردار ہونے یا کمی کرنے پر راضی نہیں ہے، تب دو ہی راستہ ہے، یا تو شوہر اس کا حق پورا ادا کرے یا اس سے کامل جدائی اختیار کرلے۔

نفس انسانی اپنی جبلت کے اعتبار سے حریص اور بخیل واقع ہوا ہے، اس لئے خلاف طبع اس طرح کی مصالحت گراں تو ہوگی لیکن اگر شوہر عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کا اہتمام کرے، اور عورتوں پر زیادتی کرنے سے باز رہے، تو بہت اچھی بات ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اس کا بہترین بدلہ دیں گے، حق تعالیٰ کو سب کچھ خبر ہے۔

دو بیویوں کے درمیان جہاں تک عدل ومساوات کا مسئلہ ہے، تو خوب سمجھ لینا چاہئے کہ معاملات، نفقہ اور باری میں یہ مساوات ضروری ہے، لیکن دل کی محبت اور اس کے میلان میں اگر آدمی چاہے تب بھی برابری نہیں کرسکے گا، اس لئے یہ قابل درگزر رہے۔

اور اگر بمجبوری دونوں کو علیٰحدگی ہی اختیار کرنی پڑی تو کچھ پریشانی کی بات نہیں، اللہ تعالیٰ اپنے فضل کی وسعت سے ہر ایک کو دوسرے سے بے نیاز کردیں گے، مرد کا الگ انتظام ہو جائے گا، عورت کا الگ! اللہ تعالیٰ کے یہاں بیحد وسعت ہے، اور وہ بڑے صاحب حکمت ہیں، مخلوق کے حق میں ہر تدبیر حکمت سے معمور ہوتی ہے۔

بیان احکام کے بعد تذکیر وموعظت کے پہلو پر زور دیا گیا کہ اصل شئے احکام حق کی تعمیل اور استقامت واخلاص ہے، تم سے پہلے کتنی ہی امتیں بدعملی ونافرمانی کی وجہ سے مٹ گئیں، اگر اللہ چاہے تو تمہیں بھی زندگی کے میدان سے ہٹا دے، اور تمہاری جگہ دوسروں کو کردے، پس نافرمانی اور بدعملی سے بچو اور راہِ حق میں مستقیم ہو جاؤ، دنیا وآخرت کی کامیابی اور ثواب اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے، جو کچھ چاہئے اسی کی رضا وخوشنودی میں تلاش کرو، اور ادنیٰ چیز کی خواہش کیوں کرو، جو اعلیٰ ہے اس کی طلب میں کوشش کرو۔

☆☆☆☆☆

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُوْنُوْا قَوَّامِيْنَ﴾ قائمين ﴿بِالْقِسْطِ﴾ بالعدل ﴿شُهَدَاءَ﴾ بالحق ﴿لِلّٰهِ﴾ ولو كانت الشهادة ﴿عَلىٰ أَنْفُسِكُمْ﴾ فاشهدوا عليها بأن تقروا

بـالـحـق ولاتـكـتـموه ﴿ أَوْ ﴾ على ﴿ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ إِنْ يَّكُنْ ﴾المشهود عليه ﴿ غَنِياًّ أَوْ فَـقِيْـراً فـاللهُ أَوْلـىٰ بِهِـمَا ﴾ منكم وأعلم بمصالحهما ﴿ فَلَا تَتَّبِعُوْا الْهَوىٰ﴾ فى شهادتكم بأن تـحـابـوا الـغـنـى لـرضـاه أو الفقيرَ رحمةً له ل﴿ أَنْ﴾ لا ﴿تَعْدِلُوْا﴾ تميلوا عن الحق ﴿وَإِنْ تَـلْـوُٓا﴾ تـحـرفـوا الشهادة وفى قرأةٍ بحذف الواو الاولىٰ تخفيفاً ﴿ أَوْ تُعْرِضُوْا﴾ عن أدائها ﴿فَـإِنَّ اللهَ كَـانَ بِـمَـاتَـعْـمَلُوْنَ خَبِيْراً﴾فيجازيكم به ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا آمِنُوْا﴾ داوِموا على الايـمـان﴿ بِـاللهِ وَرَسُـوْلِـهٖ وَالْـكِتٰبِ الَّذِىْ نَزَّلَ عَلىٰ رَسُوْلِهٖ ﴾ محمد وهو القرآن ﴿وَالْكِتٰبِ الَّـذِىْ أُنْـزِلَ مِنْ قَبْلُ﴾ على الرسل بمعنى الكتب وفى قرأةٍ بالبناء للفاعل فى الفعلين ﴿ وَمَنْ يَّـكْـفُرْ بِاللهِ وَمَلٰئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالاً بَعِيْداً﴾ عن الحق ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ آمَـنُـوْا﴾بـمـوسـىٰ وهم اليهود﴿ ثُمَّ كَفَرُوْا﴾ بعبادة العجل﴿ ثُمَّ آمَنُوْا﴾ بعده﴿ ثُمَّ كَفَرُوْا﴾ بعيسىٰ﴿ ثُـمَّ ازْدَادُوْ كُـفْـراً﴾ بـمـحـمـدﷺ ﴿ لَّـمْ يَـكُـنِ اللهُ لِيَـغْفِرَ لَهُمْ ﴾ ماأقاموا عليـه ﴿وَلَالِيَهْـدِيَهُـمْ سَبِيْلاً ﴾ طـريـقـا إلـى الـجـنـة ﴿بَشِّـرِ﴾أخـبـريـامـحـمـد ﴿ الْمُنٰفِقِيْنَ بِأَنَّ لَهُمْ عَذَاباً أَلِيْماً﴾ مؤلَما هو عذاب النار ﴿ نِ الَّذِيْنَ ﴾ بدل أو نعت للمنافقين ﴿ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَـاءَ مِـنْ دُوْنِ الْـمُـوْمِـنِيْـنَ ﴾ لـما يتوهمون فيهم من القوة ﴿ أَيَبْتَغُوْنَ ﴾ يطلبون ﴿ عِنْدَهُمُ الْـعِـزَّةَ﴾ استـفـهـام انـكـار أى لايجدونها عندهم ﴿ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعاً﴾فى الدنيا والآخرة ولاينالها إلا أولياؤه ﴿ وَقَدْ نَزَّلَ﴾ بالبناء للفاعل والمفعول﴿ عَلَيْكُمْ فِى الْكِتٰبِ﴾ القرآن فى سـورـة الانـعـام ﴿أَنْ﴾ مـخـفـفـة واسـمها محذوف أى أنه ﴿إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللهِ﴾ القرآن ﴿يُـكْـفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْامَعَهُمْ ﴾أى الكافرين والمستهزئين ﴿ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِىْ حَـدِيْـثٍ غَيْـرِهٖ إِنَّـكُـمْ إِذاً﴾إن قـعـدتـم مـعـهـم﴿مِّثْـلُهُمْ ﴾ فى الاثم ﴿ إِنَّ اللهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْـكٰـفِـرِيْـنَ فِىْ جَهَنَّمَ جَمِيْعاً ﴾ كما اجتمعوا فى الدنيا على الكفر والإستهزاء﴿ نِ الَّذِيْنَ ﴾ بـدل مـن "الذين" قبله ﴿يَتَرَبَّصُوْنَ ﴾ ينتظرون ﴿بِكُمْ ﴾الدوائر﴿ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ ﴾ ظفر وغـنـيـمة ﴿ مِنَ اللهِ قَـالُـوْا﴾ لكم ﴿ أَلَمْ نَكُنْ مَعَكُمْ ﴾ فى الدين والجهاد فأعطُونا من الغنيمة ﴿وَإِنْ كَـانَ لِـلْـكٰـفِـرِيْـنَ نَصِيْبٌ ﴾من الظفر عليكم ﴿ قَالُوْا﴾ لهم ﴿ أَلَمْ نَسْتَحْوِذْ ﴾ نستول ﴿عَـلَيْـكُمْ ﴾ ونقدر علىٰ أخذكم وقتلكم فأبقينا عليكم ﴿وَ﴾ ألم ﴿نَمْنَعْكُمْ مِنَ الْمُوْمِنِيْنَ ﴾ أن يـظـفـروا بكم بتخذيلهم ومراسلتكم بأخبارهم فلنا عليكم المنة قال تعالىٰ ﴿ فَاللهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ﴾ وبينهم ﴿ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ بأن يُدخلكم الجنة ويُدخلهم النارَ﴿ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللهُ لِلْكَافِرِيْنَ

عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلاً ﴾ طريقاً بالاستيصال۔

﴿ترجمہ﴾

(اے مسلمانو! ایسے ہو جاؤ کہ انصاف پر پوری طرح قائم رہنے والے، اللہ کے لئے) سچی (گواہی دینے والے ہو، گو کہ) وہ گواہی (خود تمہارے خلاف ہو) تب بھی سچی گواہی دو، یعنی اعترافِ حق کرلو، اور اسے مت چھپاؤ (یا والدین کے خلاف ہو یا قرابت داروں کے خلاف، اگر وہ) شخص جس کے خلاف تمہیں گواہی دینی ہے (مال دار ہے یا محتاج ہے تو اللہ) تم سے زیادہ (ان پر مہربانی فرمانے والے ہیں) اور تم سے زیادہ ان کی مصلحتوں کی خبر رکھتے ہیں (پس) شہادت دینے میں (ہوائے نفس کی پیروی مت کرو) کہ مالدار کی رضامندی کے خیال سے اس کی جانب داری کرنے لگو، یا غریب کی غربت پر ترس کھا کر اس کی رعایت کرنے لگو ایسا نہ ہو (کہ حق سے منحرف ہو جاؤ، اور اگر تم گواہی دینے میں گول مول بات کرو گے) یعنی تحریف کرو گے، ایک قرأت میں تلوا پہلے واو کے حذف کے ساتھ ہے (یا) اس کی ادائیگی سے (پہلو تہی کرو گے، تو جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کی خبر رکھنے والے ہیں ہ مسلمانو! اللہ پر ایمان لاؤ) یعنی ایمان پر ثابت قدم رہو (اور اس کے رسول پر) ایمان لاؤ (اور ان کی کتاب پر) ایمان لاؤ (جو ان کے رسول) محمد ﷺ (پر نازل کی گئی) جو کہ قرآن ہے (نیز ان کتابوں پر جو اس سے پہلے) دوسرے رسولوں پر (نازل کی گئیں) کتاب بمعنی کتب ہے، اور ایک قرأت میں دونوں فعل، فعل معروف ہیں (اور جس کسی نے انکار کیا، اور ان کے فرشتوں اور ان کی کتابوں اور ان کے رسولوں اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھا، تو وہ بھٹک کر حق کی راہ سے (بہت دور جا پڑا ہ بے شک وہ لوگ جو) موسیٰ علیہ السلام پر (ایمان لائے) اور وہ یہود ہیں (پھر) بچھڑے کی عبادت کر کے (کافر ہوئے، پھر) اس کے بعد (ایمان لائے، پھر) عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ (کفر کیا، پھر) حضرت محمد ﷺ کا انکار کر کے (کفر میں بڑھتے گئے، تو) جب وہ اس پر قائم ہیں (اللہ تعالیٰ انھیں بخشنے والے نہیں، اور نہ انھیں کوئی راستہ دکھائیں گے) مراد حق کا راستہ ہے، اے محمد! (تم منافقوں کو خوش خبری سنا دو) یعنی خبر دے دو (کہ بلاشبہ ان کے لئے دردناک عذاب ہے) الیم بمعنی مولم، وہ آگ کا عذاب ہے (وہ جو) الذین یا تو منافقین سے بدل ہے یا اس کی صفت ہے (مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا رفیق اور مددگار بناتے ہیں) اس خیال سے کہ انھیں طاقت و شوکت حاصل ہے (کیا وہ چاہتے ہیں کہ ان کے پاس عزت ملے) یہ استفہام انکاری ہے، یعنی عزت ان کے پاس نہیں پائیں گے، وہ اگر ایسا سوچتے ہیں (تو) سن لیں کہ (جتنی بھی عزت ہے سب اللہ ہی کے لئے ہے) دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، اور وہ انھیں کو ملے گی جو اللہ کے اولیاء ہیں (اور اللہ تم پر کتاب میں) یعنی قرآن میں سورۂ انعام کے اندر (نازل کر چکے ہیں کہ جب تم سنو) أن إذا سمعتم میں أن مخفف ہے، اور اس کا اسم محذوف ہے یعنی أنه (کہ

اللہ کی آیات) یعنی قرآن (کے ساتھ کفر کیا جارہا ہے اور ان کی ہنسی اڑائی جارہی ہے، تو تم ان کے ساتھ) یعنی کافروں اور ہنسی اڑانے والوں کے ساتھ (مت بیٹھو، جب تک وہ اس کے علاوہ دوسری باتوں میں نہ لگ جائیں) اگر تم ان کے ساتھ بیٹھا کرو گے (تو تم بھی) گنہگاری میں (انھیں کی طرح ہو جاؤ گے ٥ بلاشبہ اللہ تعالیٰ منافقوں کو اور کافروں کو سب کو جہنم میں اکٹھا کریں گے) جیسا کہ وہ دنیا میں کفر پر اور استہزاء پر مجتمع ہیں (وہ لوگ) یہ الـذین ماقبل کے الـذیـن سے بدل ہے (جو تمہارے اوپر) گردش زمانہ کا (انتظار کرتے رہتے ہیں، پھر اگر تمہارے حق میں اللہ کی طرف سے فتح) کامیابی (ہوتی ہے) اور مالِ غنیمت ملتا ہے (تو کہتے ہیں کہ کیا ہم) دین میں اور جہاد میں (تمہارے ساتھ نہ تھے) تو ہمیں مالِ غنیمت میں حصہ ملنا چاہئے (اور اگر کافروں کے لئے) تم پر فتح وظفر کا (کوئی حصہ ہوتا ہے، تو) ان سے (کہتے ہیں کہ کیا ہم تم پر غالب نہیں آچکے تھے) اور ہم تم کو پکڑنے اور قتل کرنے پر کیا قدرت نہیں پا چکے تھے، مگر کیا ہم نے تم پر رحم نہیں کیا (اور کیا تم کو مسلمانوں سے بچا نہیں لیا) یعنی ان کی مدد ترک کر کے، اور تمہارے پاس ان کی خبریں پہونچا کر انھیں کامیاب ہونے نہ دیا، اور تمہیں بچالیا، پس ہمارا تم پر احسان ہے، حق تعالیٰ فرماتے ہیں (بس اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان) اور ان کے درمیان (قیامت کے دن فیصلہ فرمائیں گے) کہ تم کو جنت میں اور ان کو جہنم میں داخل کریں گے (اللہ تعالیٰ کافروں کو اہل ایمان کے خلاف) انھیں بالکل ہی ختم کر دینے کا (کوئی راستہ نہ دیں گے)

﴿ تشریحات ﴾

قـائـمین :قَوّاماً مبالغہ کا صیغہ ہے، یعنی انصاف کا ہمیشہ اہتمام رکھو، جو ایک یا دو مرتبہ انصاف کا معاملہ کر دے، اسے قَوّام نہیں کہا جائے گا، قَوّام بالقسط وہ ہے جو اس صفت کے ساتھ مسلسل متصف ہے۔

ولـو کـانـت الشهادة : ولـو عـلـىٰ أنفسكم میں مصنف نے ذکر کیا ہے کہ کان فعل ناقص اور اس کا اسم محذوف ہے، کیونکہ حرف شرط ہے، اور حرفِ شرط کے لئے فعل درکار ہے، اور اس شرط کا جواب محذوف ہے جسے مفسر نے اپنی عبارت میں بیان کیا ہے، **فاشهدوا عليها** ۔

بـأن تقروا :اپنے خلاف گواہی دینے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے اوپر جو دوسرے کا حق ہے اس کا اعتراف کرے، اور اسے نہ چھپائے۔

بأن تحابوا الغنی :کبھی آدمی سرمایہ دار کے خلاف گواہی دینے سے اس لئے ہچکچاتا ہے کہ وہ ناراض ہو جائے گا، اس کی خوشامد میں آدمی سچی گواہی سے پہلو تہی کرتا ہے، اور کبھی غریب آدمی کے خلاف گواہی دینے سے اس کی غربت و بے چارگی پر ترس کھا کر ہچکچاتا ہے، حق تعالیٰ نے فرمایا کہ کوئی بھی ہو، اللہ اس پر تم سے زیادہ مہربان ہے، بس جو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اسے پورا کرو۔

تحرفوا : وإن تلووا،لوی یلوی لیّاً کے معنی مروڑنے اور موڑنے کے ہیں،یعنی شہادت ادا کرنے میں اگر زبان کو مروڑوگے، یہ کنایہ ہے بات بدلنے سے،اسی کو مفسر نے تحرفوا کہا ہے،یعنی شہادت دینے میں صحیح بات کو بگاڑوگے۔

داوموا :مسلمانوں کو ایمان لانے کا حکم دیا جانا بظاہر یہ تحصیل حاصل ہے؟مفسر نے فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ ایمان پر دوام اختیار کرو،اس میں رخنہ اور فتور نہ آئے۔

بموسیٰ وهم الیهود :آیت میں جن لوگوں کا تذکرہ ہے،وہ یہود ہیں،اولاً وہ ایمان لائے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر، پھر بچھڑے کی پوجا کر کے کفر میں جا گرے، پھر توبہ کر کے ایمان میں داخل ہوئے، پھر عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت ہوئی،تو ان کے منکر ہو کر کافر ہوئے،اور اب جب کہ حضرت رسول اللہ ﷺ کا دور آیا تو کفر میں مزید آگے بڑھ گئے،تو جب تک اس کفر پر جمے رہیں گے،حق تعالیٰ کی مغفرت اور ہدایت سے محروم رہیں گے،مفسر نے اس آیت کا مصداق یہود کو قرار دیا ہے،لیکن دوسرے مفسرین نے اس کا مصداق منافقین کو بتایا ہے کہ یہ اولاً اپنی قوم کو ایمان لاتا دیکھ کر اسلام میں داخل ہوئے، پھر کافر ہوگئے، پھر مسلمانوں کا غلبہ دیکھ کر ایمان ظاہر کیا،اس کے بعد کفر پر خاتمہ ہوا،تو اس حال میں ان کی بخشش نہیں ہے،مرنے سے پہلے یہ لوگ دین کو کھیل تماشا بنائے ہوئے تھے ،اس لئے حق کی راہ سے محرومی ہی ان کا نصیبہ ہے۔

أخبر : بشّر میں خوش خبری کا مفہوم ہے،مفسر نے أخبر سے اس کی تفسیر کر کے بتایا ہے یہ مطلق خبر کے معنی میں ہے، بلکہ اس میں انذار کا معنی ہے،اسے بشارت بطور تہکم کے کہا گیا ہے۔

فی سورة الانعام :وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوضُوْنَ فِيْ آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ وَإِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ (آیت:۶۸)

الدوائر :دائرة کی جمع ہے،وہ مصائب وتکالیف جو زمانہ میں پیدا ہوتے رہتے ہیں،شارح کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ منافقین مسلمانوں کے اوپر حوادث وآفات کا انتظار کرتے رہتے ہیں، یہ مضمون فی الجملہ درست ہے،مگر قرآن کریم نے جو تفصیل بیان کی ہے کہ اگر مسلمانوں کو کامیابی ہوتی ہے،تو ادھر آجاتے ہیں،اگر کسی قدر کفار کے حق میں پانسہ پلٹتا ہے تو اس طرف ڈھلک جاتے ہیں،اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مطلق حالات کے منتظر رہتے تھے کہ دیکھیں کیا ہوتا ہے، فتح مند ہوتے ہیں یا ناکام!

من الظفر علیکم :کافروں کی مراد حاصل ہوتی ہے،تو اسے اللہ تعالیٰ نے ''نصیب'' سے تعبیر کیا ہے،جس کی تفسیر میں من الظفر علیکم کہا گیا،یعنی کامیابی کا کچھ حصہ،من تبعیضیہ ہے،اور مسلمانوں کے لئے ''فتح'' فرمایا، کیونکہ فتح وظفر مطلقاً دنیا وآخرت میں اہل ایمان ہی کا حصہ ہے،اور کفار کی کامیابی ایک جزوی اور عارضی

ہوتی ہے، جس کے لئے بقاء نہیں ہے۔

ألم ﴿نمنعكم﴾: نمنعکم کا عطف نستحوذ پر ہے، اسی لئے وہ بھی مجزوم ہے، مفسر نے (ألم) کا اضافہ کر کے اس کی صراحت کر دی ہے۔

طریقاً بالاستیصال: یہ عبارت ایک اشکال کا جواب ہے، جو بظاہر آیت پر وارد ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ نے کفار کے غلبہ کی مطلقاً نفی فرما دی ہے، حالانکہ بسا اوقات کفار کا مسلمانوں پر تسلط ہوتا ہے، مفسر نے فرمایا کہ **سبیلاً** کی جو نفی کی ہے، اس سے مراد بالکلیہ ختم کر دینے کی سبیل ہے، یعنی ایسا نہیں ہوسکتا کہ کفار کو ایسا غلبہ مومنین پر حاصل ہو جائے کہ ان کا بالکلیہ خاتمہ ہو جائے۔

اس سلسلے میں ایک قول حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا ہے، وہ یہ کہ اس سے مراد قیامت کے دن کا غلبہ ہے، اور اس کا قرینہ سیاق آیت ہے: فرمایا: **فاللہ یحکم بینکم یوم القیمة** اس کے بعد فرمایا: **لن یجعل اللہ للکافرین علی المومنین سبیلاً**، یعنی قیامت کے دن ایسا ہرگز نہ ہوگا کہ کفار کو مسلمانوں پر ذرا بھی فوقیت اور ترجیح حاصل ہو جائے۔

أبقینا علیکم: ترس کھانا، رحم کرنا۔

﴿مضامین آیات وتفسیر﴾

اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے رہے ہیں کہ تم قوام بالقسط رہو، یعنی حق وانصاف پر مضبوطی سے قائم رہو اور گواہی محض اللہ ہی کی خوشنودی کے لئے، اللہ کی ہدایت کے مطابق ادا کرو، دنیا کی کوئی چیز تمہیں سچی گواہی سے روک نہ سکے خواہ کسی معاملے میں خود اپنے خلاف یا والدین کے خلاف، یا قریبی رشتہ داروں کے خلاف گواہی دینی پڑے، کسی کے نفع کا خیال کر کے غلط گواہی نہ دو، خواہ صاحب معاملہ صاحب ثروت ہو یا تنگدست فقیر ہو، اللہ سب کے حال پر مہربان ہیں، مگر جو قانون ہے سچی گواہی کا، اس میں کسی کی کوئی حالت مانع نہیں ہونی چاہئے، نہ امیر کی دولت نہ فقیر کی غربت!

اور جب گواہی دینی ہو تو صاف صاف سچائی کو ظاہر کرو، بات کو توڑ مروڑ کر نہ بیان کرو کہ حقیقت مشتبہ ہو جائے، اور نہ گواہی دینے میں پہلوتہی اور سستی کرو۔

ایمانی اخلاق واعمال پر زور دینے کے بعد حق تعالیٰ نے یہ حقیقت واضح کی کہ ان اخلاق واعمال کی بنیاد اور ان کا سرچشمہ ایمان پر استقامت ہو، آدمی اس پر مضبوطی سے جما رہے، غیبی حقائق پر ایمان، اللہ پر، فرشتوں پر، رسولوں پر، قرآن کریم پر، اس سے پہلے کی آسمانی کتابوں پر! ان کا انکار کرنے والا کبھی راہ یاب نہیں ہوسکتا، وہ اِدھر اُدھر بھٹکتا ہی رہے گا۔

اور جن لوگوں کا حال یہ ہے کہ ایک بار ایمان لائے، پھر پلٹ گئے، پھر ایمان کا اظہار کیا، اور پھر پلٹ گئے، اور کفر میں آگے ہی بڑھتے گئے، وہ اللہ کی مغفرت اور ہدایت سے محروم ہیں، ان سے مراد یا تو یہود ہیں یا منافقین ہیں، انھوں نے دین وایمان کو کھیل بنالیا، اس لئے محرومی ان کی قسمت ہوگئی۔

منافقین کے دلوں میں چونکہ ایمان نہیں ہے، اس لئے انھیں مسلمانوں کی کامیابی پر اعتماد نہیں ہے، پس وہ کفار کو اپنا دوست بناتے ہیں کہ جب ان کا غلبہ ہوگا، تو یہ منافقین بھی غلبہ وعزت میں شریک ہوں گے، انھیں بتادو کہ ان کے لئے دردناک عذاب تیار ہے۔

پھر مسلمانوں کو متنبہ کررہے ہیں کہ ہم پہلے بھی بتا چکے ہیں کہ اس قسم کے لوگ اللہ کے احکام کا انکار کرتے ہیں، اور اللہ کی دی ہوئی تعلیم اور وعدہ ووعید کا مذاق اڑاتے ہیں، تو جب اس طرح کی باتیں سنو، تو ان کے پاس نہ بیٹھو، اور اگر پہلے سے اس مجلس میں موجود ہو تو اٹھ جاؤ، اگر اس طرح کی مجلسوں میں تم بھی شریک رہے تو گناہگاری میں انھیں کے شریک حال ہوجاؤ گے، ہاں جب وہ دوسری باتوں میں لگیں تو بیٹھ سکتے ہو، ان نام کے مسلمانوں اور دل کے کافروں کو اور کھلم کھلا کافروں کو حق تعالیٰ جہنم میں یکجا کردیں گے۔

وہ الگ تھلگ رہ کر واقعات کی رفتار دیکھتے ہیں، اگر مسلمانوں کو فتح ہوتی ہے، تو فتح کے فائدوں میں حصہ دار بن جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بھی تمہارے ساتھ ہیں، اور کفار کو کسی قدر کامیابی میں حصہ مل جاتا ہے تو ان سے جاملتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اگر لڑائی میں ہم تمہارے ساتھ نہ ہوتے اور تمہیں نہ بچاتے تو مسلمان تمہارا خاتمہ ہی کردیتے۔

خیر جو چاہیں کریں، قیامت کے دن سب فیصلہ ہوجائے گا، اور یہ کفار مسلمانوں پر بالکل ہی غالب آجائیں، اللہ تعالیٰ ایسا موقع نہ دیں گے، نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں!

☆☆☆☆☆

﴿إِنَّ الْـمُـنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ﴾ باظهارهم خلاف ما ابطنوه من الكفر ليدفعوا عنهم احكامه الدنيوية ﴿وَهُوَ خَادِعُهُمْ﴾ مجازيهم علىٰ خداعهم فيفتضحون فى الدنيا باطلاع الله نبيه على ما ابطنوه و يعاقبون فى الآخرة ﴿وَإِذَا قَامُوْا إِلَى الصَّلٰوةِ﴾ مع المؤمنين ﴿قَامُوْا كُسَالىٰ﴾ متثاقلين ﴿يُرَآؤُنَ النَّاسَ﴾ بصلاتهم ﴿وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ﴾ يصلون ﴿إِلَّا قَلِيْلًا﴾ رياءً ﴿مُذَبْذَبِيْنَ﴾ مترددين ﴿بَيْنَ ذٰلِكَ﴾ الكفر والايمان ﴿لَا﴾ منسوبين ﴿إِلٰى هٰؤُلَآءِ﴾ أى الكفار ﴿وَلَا إِلٰى هٰؤُلَآءِ﴾ أى المومنين ﴿وَمَنْ يُّضْلِلِ﴾ ه ﴿اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا﴾ طريقاً إلى الحق ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَاءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا

لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ ﴾ بموالاتهم ﴿ سُلْطَانًا مُّبِينًا ﴾ برهاناً بيّناً علىٰ نفاقكم ﴿إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ ﴾ المكان ﴿ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ﴾ وهو قعرها ﴿ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴾ مانعا من العذاب ﴿ إِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا ﴾ من النفاق ﴿ وَأَصْلَحُوْا ﴾ عملهم ﴿ وَاعْتَصَمُوْا ﴾ وثقوا ﴿ بِاللّٰهِ وَأَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ ﴾ من الرياء ﴿ فَاُولٰئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ فيما يوتؤنه ﴿ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ أَجْرًا عَظِيْمًا ﴾ فى الآخرة وهو الجنة ﴿ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ ﴾ نعمه ﴿ وَآمَنْتُمْ ﴾ به والاستفهام بمعنى النفى ، أى لايعذبكم ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا ﴾ لاعمال المومنين بالإثابة ﴿ عَلِيْمًا ﴾ بخلقه

﴿ **لَا يُحِبُّ اللّٰهُ** الْجَهْرَ بِالسُّوْءِ مِنَ الْقَوْلِ ﴾ من أحدٍ أى يعاقبه عليه ﴿ إِلَّا مَنْ ظُلِمَ ﴾ فلا يؤاخذه بالجهر به بأن يخبر عن ظلم ظالمه ويدعوعليه ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا ﴾ لما يقال ﴿ عَلِيْمًا ﴾ بما يُفعل ﴿ إِنْ تُبْدُوْا ﴾ تظهروا ﴿ خَيْرًا ﴾ من أعمال البر ﴿ أَوْ تُخْفُوْهُ ﴾ تعملوه سرًّا ﴿ أَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْءٍ ﴾ ظلم ﴿ فَإِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ۝ إِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ أَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ﴾ بأن يومنوا به دونهم ﴿ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ ﴾ من الرسل ﴿ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ﴾ منهم ﴿ وَيُرِيْدُوْنَ أَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ ﴾ الكفر والايمان ﴿ سَبِيْلًا ﴾ طريقاً يذهبون إليه ﴿ اُولٰئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ﴾ مصدر مؤكد لمضمون الجملة قبله ﴿ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴾ ذا إهانة ، وهو عذاب النار ﴿ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ﴾ كلهم ﴿ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ ﴾ بالياء والنون ﴿ أُجُوْرَهُمْ ﴾ ثواب اعمالهم ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا ﴾ لاولياء ﴿ رَحِيْمًا ﴾ بأهل طاعته

﴿ترجمہ﴾

(بلاشبہ منافقین) اپنے دل میں کفر کو چھپا کر، جو اس مقصد سے ایمان ظاہر کرتے ہیں کہ ان پر کفر کے دنیوی احکام لاگو نہ ہوں، تو ایسا کر کے وہ (اللہ کو دھوکہ دے رہے ہیں، اور واقعہ یہ ہے کہ اللہ انھیں دھوکہ میں مبتلا کئے ہوئے ہے) یعنی ان کی فریب دہی کے عوض میں انھیں اس کی سزا دے رہے ہیں، تو ان کی اس وقت دنیا میں ہی رسوائی ہوگی، جب کہ ان کے دل کے چھپے ہوئے چور پر اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو اطلاع بخش دیں گے، اور اس وقت بھی رسوائی ہوگی، جب آخرت میں مبتلائے عذاب ہوں گے (اور جب وہ) اہل ایمان کے ساتھ (نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو کاہلی) اور سستی (کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں اور محض لوگوں کو) اپنی نماز کا (دکھاوا کرتے ہیں، اور اللہ کا ذکر نہیں کرتے مگر برائے نام) یعنی بہت تھوڑی نماز پڑھتے ہیں اور وہ بھی ریاکاری کی (یہ

اس) کفر اور ایمان (کے درمیان تردد میں پڑے ہوئے ہیں، نہ ان) کفار (کی طرف ہیں اور نہ ان) مومنین (کی طرف، اور جو کوئی ایسا ہو کہ اللہ ہی اسے گمراہی میں ڈال دے، اس کے لئے تم ہرگز) ہدایت کا (راستہ نہ پاؤگے ٥ اے ایمان والو! مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا رفیق و مددگار نہ بناؤ، کیا تم چاہتے ہو کہ) ان کے ساتھ دلی تعلق رکھ کر (اللہ کا صریح الزام اپنے اوپر لے لو) یعنی اپنے نفاق پر صریح دلیل پیش کر دینا چاہتے ہو (بلا شبہ! منافقوں کا ٹولہ جہنم کے سب سے نچلے درجے میں ہوگا) وہ جہنم کا سب سے نچلا حصہ ہے (اور ان کا مددگار کسی کو بھی نہ پاؤگے) یعنی عذاب سے بچانے والا (مگر ہاں جن لوگوں نے) نفاق سے (توبہ کر لی، اور) اپنے عمل کو (درست کر لیا، اور اللہ پر مضبوط اعتماد کر لیا اور اپنے دین کو) ریا اور دکھاوا سے (خالص کر لیا، تو) جو کچھ ملے گا، اس میں (وہ اہل ایمان کے ساتھ ہوں گے ٥ اور قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کو بہت بڑا اجر عطا فرمائیں) آخرت میں اور وہ جنت ہے (اگر تم) اللہ کی نعمتوں کا (شکر کرو اور ان پر ایمان رکھو تو اللہ کو تمہیں عذاب دے کر کیا کرنا ہے) یہ استفہام نفی کے معنی میں ہے، یعنی تمہیں عذاب نہیں دیں گے (اللہ تعالیٰ) اہل ایمان کو ثواب عطا فرما کر ان کے کاموں کی (قدر کرنے والے) اپنی مخلوق کا (علم رکھنے والے ہیں ٥ اللہ کو پسند نہیں کہ) کسی کی طرف سے (برائی کو پکار کر کہا جائے، مگر یہ کہ کسی پر ظلم کیا جائے) تو اس کو پکار کر کہنے کا مضائقہ نہیں، کہ ظالم کے ظلم کو بتائے، اور اس کو بددعا کرے (اور) جو کچھ کہا اور کیا جاتا ہے اسے (اللہ تعالیٰ سننے والے، جاننے والے ہیں ٥ اگر تم) نیک اعمال میں سے (کسی خیر کو ظاہر کرو یا اسے چھپاؤ) یعنی پوشیدہ طور پر کرو (یا کسی برائی) ظلم سے (درگزر کرو، تو اللہ تعالیٰ معاف کر دینے والے قدرت والے ہیں ٥ بے شک وہ جو اللہ کا اور ان کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور ان کے رسولوں کے درمیان تفرقہ کریں) کہ اللہ پر ایمان لائیں، اور رسولوں کا نکار کریں (اور کہتے ہیں کہ ہم) ان میں سے (بعض کو مانتے ہین اور بعض کو نہیں مانتے، اور چاہتے ہیں کہ اس کے) یعنی کفر اور ایمان کے (درمیان کوئی راہ اختیار کریں) جس پر چلیں (تو ایسے ہی لوگ یقیناً کافر ہیں) حقاً ماقبل کے مضمون جملہ کی تاکید کے لئے مصدر یعنی مفعول مطلق ہے (اور ہم نے کافروں کے واسطے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے) وہ آگ کا عذاب ہے (اور جو لوگ اللہ پر اور ان کے) تمام (رسولوں پر) ایمان لائے، اور ان میں سے کسی کے درمیان تفریق نہیں کی، تو یہی لوگ ہیں کہ عنقریب ہم انھیں ان کا اجر) یعنی ان کے اعمال کا ثواب (عطا فرمائیں گے، اور اللہ تعالیٰ) اپنے اولیاء کی (مغفرت کرنے والے) اپنے اہل طاعت پر (رحم کرنے والے ہیں)

﴿تشریحات﴾

بإظهارهم خلاف ما أبطنوه : **سوال**: کیا کوئی اللہ کو دھوکہ دے سکتا ہے کہ یہاں یخادعون اللہ فرما دیا گیا؟

جواب: اللہ کو کوئی دھوکہ دے، یہ تو ممکن نہیں، لیکن ایسی کوئی حرکت کی جائے جیسے دھوکہ دینے میں کی جاتی ہے، تو اس کو دھوکہ دینے سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، منافقین کی حرکت ایسی ہے، جیسے وہ دھوکہ دینا چاہتے ہوں، اسی کو مفسر نے فرمایا **باظهارهم الخ** یعنی جو کچھ انھوں نے دل میں چھپا رکھا ہے زبان سے اس کے خلاف ظاہر کرتے ہیں، اور آدمی دھوکہ کسی کو اسی طرح دیتا ہے کہ اس سے کہتا کچھ ہے اور دل میں کچھ اور رکھ کر دوسرا ہی معاملہ کرتا ہے۔

ليدفعوا عنهم احكامه الدنيوية : منافقین ظاہر میں کچھ اور باطن میں کچھ کا معاملہ کرتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے ماحول اور معاشرہ میں رہتے ہین، اگر یہاں وہ کھلم کھلا کفر ظاہر کریں تو قانونِ اسلام کی رو سے ان کے ساتھ کافروں جیسا معاملہ کیا جائے گا، اس طرح وہ اپنے ماحول و معاشرہ سے کٹ کر رہ جائیں گے، اور اگر کل مسلمانوں کا غلبہ ہوگیا، جس کے آثار نظر آرہے ہیں، تو پھر یہ کہیں کے نہ رہیں گے، اس لئے مسلمانوں میں ملے جلے رہنا چاہتے ہیں۔

مجازيهم علىٰ خداعهم : بظاہر **خادعهم** پر بھی اشکال ہوتا ہے، کہ دھوکے کی نسبت اللہ کی طرف کیوں کی گئی؟ مفسر نے فرمایا یہ درحقیقت ان کے دھوکے کی سزا ہے، اسے بھی بطور مشاکلت کے وہی نام دے دیا گیا، جو جرم کا نام تھا، جیسے فرمایا گیا ہے: **وجزاء سيئةٍ سيئةٌ مثلها**، برائی کا بدلہ برائی ہے، اسی جیسی! ظاہر ہے کہ برائی کے بدلہ میں جو سزا دی جاتی ہے، وہ برائی نہیں ہوتی، لیکن برائی کی ہم شکل ضرور ہوتی ہے، اسی لئے اس کو برائی سے تعبیر کر دیتے ہیں، اسی طرح ان کے دھوکے کے بدلے میں جو سزا دی گئی ہے، وہ خود دھوکہ نہیں ہے، مگر اس کے ہم شکل ضرور ہے، کیونکہ انھیں ابھی مہلت دی جارہی ہے، اس سے وہ سمجھتے ہیں کہ ہم کامیاب ہیں، لیکن جب نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ ان کی اندرونی حالت کی اطلاع بخشیں گے تو ان کی بڑی رسوائی ہوگی، اور آخرت میں جب درکِ اسفل میں گریں گے تو اس وقت بھی ہوگی اور جسمانی و روحانی عذاب بھی ہوگا۔ تو بظاہر ان کے حق میں دھوکہ ہی کی شکل ہے کہ آج مطمئن ہیں مگر کل معلوم ہوگا کہ ان کا مطمئن ہونا دھوکا تھا۔

فائدہ: صاحب فتوحاتِ الٰہیہ نے منافق کی وجہ تسمیہ لکھی ہے، وہ قابل ملاحظہ ہے، لکھتے ہیں:

"منافق کو منافق اس لئے کہتے ہیں کہ یہ لفظ **نافقاء اليربوع** سے ماخوذ ہے، جنگلی چوہے کی بل، یہ چوہا اپنی بل میں دو سوراخ رکھتا ہے، ایک سے داخل ہوتا ہے، تو دوسرے سے نکل جاتا ہے، اسی طرح منافق بھی اہل ایمان میں یہ کہہ کر گھس جاتا ہے کہ میں بھی صاحب ایمان ہوں، اور کفار کی طرف نکل جاتا ہے یہ کہہ کر کہ میں بھی تمہیں لوگوں کے ساتھ ہوں۔

جنگلی چوہے کے بل کے نام تین ہیں۔ نافقاء۔ سامیاء۔ دامیاء۔ سامیاء وہ بل ہے جس میں چوہیا بچے دیتی ہے۔ دامیاء وہ ہے جس میں چوہا رہتا ہے۔ اور نافقاء وہ ہے جس میں دونوں رہتے ہیں۔

متثاقلین: کسالیٰ، کسل سے ماخوذ ہے، جس کے معنی سستی اور کاہلی کے ہیں، کَسِلٌ کی جمع کسالیٰ ہے، **متثاقل**، ثقل سے مشتق ہے، بوجھل ہونا کہ زمین سے اٹھ نہ سکے، وہی سستی کا مفہوم ہے۔

یصلون: لایذکرون اللہ کی تفسیر میں لایصلون لاکر اشارہ کیا ہے کہ یہاں ذکر سے مراد نماز ہے، نماز ذکر کا فردِ اعظم ہے۔

وھو قعرھا: درکِ اسفل جہنم کا سب سے نچلا طبقہ ہے، جہنم کے سات طبقات ہے۔ پہلا طبقہ جہنم کے نام سے موسوم ہے، یہ گنہگار اہل ایمان کیلئے ہے۔ دوسرا ''لظیٰ'' ہے، نصاریٰ کا ٹھکانا۔ تیسرا ''حطمه'' ہے، یہود کے لئے۔ چوتھا ''سعیر'' صائبین کے لئے۔ پانچواں ''سقر'' ہے، مجوس کے لئے چھٹا ''جحیم'' مشرکین کے لئے۔ ساتواں ''ھاویة'' منافقین کے لئے۔ (من الخازن فی سورة الحجر)

من أحد: لایحب اللہ الجھر بالسوء من القول، جھر مصدر ہے، اس کے لئے ایک فاعل چاہئے، مفسر نے اسی فاعل کو ''من أحد'' کہہ کر بیان کیا ہے، اور بالسوء، جھر کا مفعول ہے، اور من القول اس کا حال ہے، یعنی اگر کوئی شخص کسی کی برائی علی الاعلان پکارے، تو یہ اللہ کو پسند نہیں ہے، ہاں البتہ مظلوم، اپنے اوپر کئے گئے ظلم کو پکار کر کہہ سکتا ہے، منافقین کے مظالم جو مسلمانوں کے حق میں ہوتے تھے، عام قانون تو یہی ہے کہ لوگوں کی برائی کا چرچا نہ کیا جائے، لیکن مسلمان مظلوم تھے، انھیں حق تھا کہ ان کے ظلم وستم کو بیان کرتے، لیکن اس پر بھی ترغیب یہی ہے کہ درگزر کر جائیں، تو بہتر ہے، کہ اللہ تعالیٰ بھی درگزر کو پسند کرتے ہیں۔

یدعو علیه: مظلوم آدمی ظالم کی شکایت برملا کر سکتا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کی ناپسندیدگی وارد نہیں ہے، اسی طرح اگر وہ ظالم پر بددعا کرے تو یہ بھی روا ہے، لیکن بددعا اتنی ہی روا ہے جیسا ظلم ہے، ایسا جائز نہیں کہ ظلم تو ہلکا ہو اور بددعا بہت سخت ہو، مثلاً اگر کسی نے کچھ مال چھین لیا ہے، تو اس پر یہ بددعا کرنا کہ اس کا گھر بار ہلاک ہو جائے، صحیح نہیں ہے۔

مصدر مؤکد: یہ مفعول مطلق، ماقبل کے مضمون جملہ یعنی مذکورہ لوگوں کے کافر ہونے کو موکد کرنے کے لئے ہے، اس کا عامل واجب الحذف ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اُحِقُّ ذٰلِکَ حَقًّا۔

مضامین آیات وتفسیر

حق تعالیٰ منافقین کی دورَنگی بیان کر کے فرما رہے ہیں کہ یہ اپنے اس منافقانہ طرزِ عمل سے اللہ کو دھوکا دینا چاہ رہے ہیں، یعنی دل میں کفر کو چھپا کر اور زبان سے اسلام ظاہر کر کے اپنے اوپر سے اللہ تعالیٰ کے اس قانون کو ہٹا رہے ہیں، جو کافروں پر نافذ ہوتا ہے، اس طرح وہ قانونِ الٰہی کو اور جو اس کو نافذ کرنے والے ہیں، یعنی رسول اور اہل ایمان! انھیں دھوکہ میں رکھنا چاہتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اور خود دھوکے میں ہیں، اللہ نے ان کے

ظاہر کی رعایت کرتے ہوئے، اہل اسلام کے ہاتھوں سے اور ان کی طاقت سے انھیں محفوظ رکھا ہے لیکن بالآخر ان کی رُسوائی ہو کر رہے گی دنیا میں بھی، جب ان کا راز کھول دیا جائے گا، اور آخرت میں بھی، جب وہ جہنم کے عذاب میں گرفتار ہوں گے۔

ان کا حال یہ ہے کہ نماز میں آتے تو ہیں مگر مارے باندھے، سستی اور بے دلی کے ساتھ، اور پڑھتے بھی ہیں تو بہت کم، نہ ذکر نہ قرأت نہ خشوع وخضوع! ان کے تمام احوال اسی رنگ میں ہیں کہ گویا ایک قدم کفر میں ہے ایک ایمان میں، دونوں کے درمیان متردد کھڑے ہیں، نہ پوری طرح کفر کا ساتھ دیتے اور نہ پوری طرح ایمان کا، درمیان درمیان میں رہنا چاہتے ہیں۔

تو ایمان والوں کو حکم ہے کہ وہ منافقوں والا طریقہ نہ اختیار کریں، یکسو ہو کر، کافروں سے الگ ہو کر صرف اہل ایمان سے قلبی لگاؤ رکھیں، اگر ایسا نہ کریں گے تو حق تعالیٰ کے قانون کی گرفت میں صراحۃً آجائیں گے۔

منافقین جو چالاکی سے دونوں طرف اپنی ہوا جمائے رکھنا چاہتے ہیں، جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے، وہاں انھیں کوئی بھی نہیں بچا سکے گا، البتہ جن لوگوں نے ان حرکات سے توبہ کر لی اور اپنے احوال درست کر لئے، اور اللہ پر بھروسہ کر لیا، اور خلوص کے ساتھ دین حق کو اختیار کر لیا، تو یہ اہل ایمان کے ساتھ ہوں گے، اور عنقریب اللہ تعالیٰ انھیں اجر عظیم عطا فرمائیں گے۔

دیکھو! اگر تم لوگ اللہ کے شکر گزار رہے اور ایمان پر قائم رہے، تو اللہ کو تمہیں عذاب دینے سے کیا لینا ہے، اللہ تعالیٰ تو اعمال کے قدر شناس اور سب کچھ خبر رکھنے والے ہیں۔

خیر منافقین برے سہی، لیکن برائی اور عیبوں کی تشہیر بغیر ضرورت کے پسندیدۂ حق تعالیٰ نہیں ہے، ہاں اگر کوئی مظلوم ہو تو وہ ظالم کے ظلم کے خلاف انسدادِ ظلم کے لئے آواز بلند کر سکتا ہے۔

بھلی بات ظاہر طور پر ہو یا پوشیدہ طور پر، یا کسی کی برائی سے درگزر کرنا ہو، یہ باتیں اللہ کو پسند ہیں، خود اللہ تعالیٰ بھی قدرت کے باوجود معاف ہی کر دیا کرتے ہیں۔

جو لوگ اللہ اور رسول کے درمیان تفریق کرتے ہیں کہ اللہ کو تو مانتے ہیں اور رسولوں کا انکار کرتے ہیں، اور بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم فلاں رسول کو مانتے ہیں اور فلاں کو نہیں، اور چاہتے ہیں کہ کفر و ایمان کے درمیان کوئی تیسرا راستہ اختیار کریں، حالانکہ ایسا کوئی راستہ نہیں ہے، یہ لوگ یقیناً کافر ہیں، اور کافروں کے لئے بڑی رسوائی کا عذاب ہے، اور جو اللہ پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور رسولوں پر بھی، اور ایمان لانے میں رسولوں کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے، ان کا پورا اجر انھیں ملے گا، اللہ تعالیٰ مغفرت و رحمت فرمانے والے ہیں۔

☆☆☆☆☆

﴿يَسْئَلُكَ﴾ يا محمد ﴿أَهْلُ الْكِتَابِ﴾ اليهود ﴿أَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتَاباً مِنَ السَّمَاءِ﴾ جملةً كما أنزل علىٰ موسىٰ تعنتاً فإن استكبرت ذٰلك ﴿فَقَدْ سَأَلُوْا﴾ اى آ با ؤهم ﴿مُوْسىٰ أَكْبَرَ﴾أعظم ﴿مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْا أَرِنَا اللهَ جَهْرَةً﴾ عياناً ﴿فَاَخَذَتْهُمُ الصَّاعِقَةُ﴾ الموت عقاباً لهم ﴿بِظُلْمِهِمْ﴾حيث تعنّتوا فى السوال ﴿ثُمَّ اتَّخَذُوْا الْعِجْلَ﴾ إلٰهاً ﴿مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَ تْهُمُ الْبَيِّنَاتُ﴾ المعجزات علىٰ وحدانية الله ﴿فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ﴾ ولم نستأصلهم ﴿وَآتَيْنَا مُوْسىٰ سُلْطَاناً مُبِيْناً﴾تسلطاً بيّناًظاهراًعليهم حيث أمرهم بقتل أنفسهم توبةً فأطاعوه ﴿وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ﴾ الجبل ﴿بِمِيْثَاقِهِمْ﴾ بسبب أخذ الميثاق عليهم ليخافوا فيقبلوا ﴿وَقُلْنَا لَهُمْ﴾وهو مُظِلٌّ عليهم ﴿ادْخُلُوْا الْبَابَ﴾باب القرية﴿سُجَّداً﴾سجود انحناء ﴿وَقُلْنَا لَهُمْ لَاتَعْدُوْا﴾ وفى قرأةٍ بفتح العين وتشديد الدال(تَعَدُّوْا) وفيه ادغام التاء فى الاصل فى الدال أى لاتعتدوا ﴿فِيْ السَّبْتِ﴾باصطياد الحيتان فيه ﴿وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِيْثَاقاً غَلِيْظاً﴾ علىٰ ذٰلك فنقضوه ﴿فَبِمَا نَقْضِهِمْ﴾ مَا زائدة والباء للسببية، متعلقة بمحذوف ، أى لعناهم بسبب نقضهم ﴿مِيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بَآيٰتِ اللهِ وَقَتْلِهِمِ الْاَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ﴾ للنبى ﷺ ﴿قُلُوْبُنَا غُلْفٌ﴾لا تَعِى كلامك ﴿بَلْ طَبَعَ﴾ ختم ﴿اللهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ﴾ فلا تعى وعظاً ﴿فَلَايُوْمِنُوْنَ إِلَّا قَلِيْلاً﴾منهم كعبد الله بن سلام وأصحابه﴿وَبِكُفْرِهِمْ﴾ ثانياً بعيسىٰ وكَرَّرَ الباء للفصل بينه وبين ماعطف عليه﴿وَقَوْلِهِمْ عَلىٰ مَرْيَمَ بُهْتَاناً عَظِيْماً﴾ حيث رَمَوها بالزنا ﴿وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللهِ﴾ فى زعمهم أى بمجموع ذٰلك عذبناهم قال تعالىٰ تكذيباً لهم فى قتله ﴿وَمَاقَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ﴾المقتول والمصلوب وهو صاحبهم،بعيسى، ألقى الله عليه شبهَه فظنوه إياه ﴿وَإِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ﴾ فى عيسىٰ﴿لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ﴾ من قتله حيث قال بعضهم لمّا رأوا المقتول: الوجهُ وجهُ عيسىٰ والجسد ليس بجسده فليس به وقال آخرون:بل هُوَ هُوَ ﴿مَالَهُمْ بِهٖ﴾ بقتله ﴿مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ﴾استثناء منقطع أى لكن يتبعون فيه الظن الذى تخيلوه ﴿وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْناً﴾حال موكدة لنفى القتل ﴿بَلْ رَّفَعَهُ اللهُ إِلَيْهِ وَكَانَ اللهُ عَزِيْزاً﴾ فى ملكه ﴿حَكِيْماً﴾ فى صنعه ﴿وَإِنْ﴾ ما ﴿مِّنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ﴾ أحد ﴿إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ﴾ بعيسىٰ ﴿قَبْلَ مَوْتِهٖ﴾ أى الكتابى حين يعاين ملائكة الموت فلا ينفعه إيمانه ، أو قبل موت عيسىٰ لما ينزل قربَ الساعة كما ورد فى حديث﴿وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ﴾عيسىٰ ﴿عَلَيْهِمْ شَهِيْداً﴾بما فعلوه لما

بعث إليهم ﴿فَبِظُلْمٍ﴾ أى بسبب ظلمٍ ﴿مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا﴾ هم اليهود ﴿حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ﴾ هى التى فى قوله تعالىٰ (حرمنا كل ذى ظفر الخ) ﴿وَبِصَدِّهِمْ﴾ الناس ﴿عَنْ سَبِيْلِ اللهِ﴾ صداً ﴿كَثِيْراً ۝ وَأَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ﴾ فى التوراة ﴿وَأَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ﴾ بالرُّشا فى الحكم ﴿وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَاباً اَلِيْماً﴾ مؤلما ﴿لٰكِنِ الرَّاسِخُوْنَ﴾ الثابتون ﴿فِى الْعِلْمِ مِنْهُمْ﴾ كعبدالله بن سلام ﴿وَالْمُؤْمِنُوْنَ﴾ المهاجرون والانصار ﴿يُؤْمِنُوْنَ بِمَا أُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ﴾ من الكتب ﴿وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ﴾ نصب على المدح وقرئ بالرفع ﴿وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ اُوْلٰئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ﴾ بالنون والياء ﴿اَجْراً عَظِيْماً﴾ هو الجنة

﴿ترجمـــــه﴾

اے محمد! (تم سے اہل کتاب) یہود (درخواست کرتے ہیں کہ تم ان پر آسمان سے کوئی کتاب) پوری (اتروادو) جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی، ان کا یہ سوال از راہ سرکشی ہے، اگر تم اس درخواست کو بھاری چیز سمجھ رہے ہو (تو یہ) یعنی ان کے آباء واجداد (موسیٰ سے اس سے بڑا سوال کر چکے ہیں، چنانچہ انھوں نے کہا کہ ہمیں اللہ کا دیدار آنکھوں سے کرا دیجئے، تب ان کو موت کی بجلی نے ان کے ظلم کی وجہ سے) بطور سزا کے (آن پکڑا) کیونکہ انھوں نے سوال میں زیادتی کی تھی (پھر انھوں نے بچھڑے کو) معبود (بنالیا، یہ ان کے پاس واضح دلائل آجانے کے بعد ہوا) یعنی اللہ کی وحدانیت پر معجزات کے آجانے کے بعد (پھر ہم نے اس سے درگزر کیا) اور ہم نے انھیں جڑ بنیاد سے ختم نہیں کیا (اور ہم نے موسیٰ کو) ان کے اوپر (کھلا ہوا تسلط اور غلبہ عطا فرمایا) چنانچہ انھیں توبہ میں ایک دوسرے کو آپس میں قتل کرنے کا حکم دیا، اور وہ سرتابی نہ کر سکے (اور ہم نے ان کے اوپر طور) پہاڑ (کو) ان سے عہد و پیمان کے لئے (اٹھایا) تاکہ وہ ڈریں اور عہد و پیمان قبول کریں (اور ہم نے ان سے کہا) اس حال میں کہ پہاڑ اوپر سے سایہ فگن تھا (کہ) آبادی کے (دروازے میں سجدے کی حالت میں) یعنی سر جھکا کر (داخل ہوؤ، اور ہم نے ان سے یہ بھی کہا کہ سنیچر کے دن) مچھلیوں کا شکار کر کے (زیادتی نہ کرو) ایک قرأت میں لاتعدوا میں عین کو فتحہ اور دال کو تشدید ہے یعنی لَا تَعَدُّوْا، یہ اصل میں لاتعتدوا ہے، تاء افتعال کو دال سے بدل کر دال میں ادغام کر دیا ہے (اور) اس پر (ہم نے ان سے پختہ عہد لیا تھا) لیکن انھوں نے اسے توڑ دیا (پس ان کے عہد توڑنے کی وجہ سے ان پر لعنت ہوئی) فبما میں ما زائد ہے، اور باء سببیت کے لئے ہے، جو ایک فعل محذوف کے متعلق ہے، یعنی لعنّاهم بسبب نقضهم (اور اللہ کی آیات کے انکار اور انبیاء کے ناحق قتل اور ان کے اس قول کی وجہ سے) نبی ﷺ سے (کہ ہمارے قلوب غلاف میں بند ہیں) آپ کی بات ہمارے دل میں

جاگزیں نہیں ہوتی (بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان پر، ان کے کفر کی وجہ سے مہر لگادی ہے) اس لئے کوئی نصیحت دل میں نہیں اترتی (اس لئے بہت تھوڑے سے لوگ ایمان لاتے ہیں) جیسے عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی (اور نیز ان کے انکار کی وجہ سے) معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان فصل کی وجہ سے باء کو مکرر ذکر کیا (اور ان کے مریم کے اوپر بہتان عظیم باندھنے کی وجہ سے) کیونکہ انھوں نے ان پر زنا کی تہمت لگائی (اور ان کے) بطور فخر کے (یہ کہنے کی وجہ سے کہ ہم نے عیسیٰ بن مریم اللہ کے رسول کو قتل کر دیا ہے) ان کا یہ قول ان کے خیال کے مطابق ہے، یعنی ان سب مجموعی جرائم کی وجہ سے ہم نے انھیں مبتلائے عذاب کیا، اللہ تعالیٰ نے دعویٰ قتل کے سلسلے میں ان کی تکذیب کرتے ہوئے فرمایا کہ (انھوں نے نہ انھیں قتل کیا ہے، نہ پھانسی دی ہے، لیکن معاملہ ان پر مشتبہ ہو گیا) کہ مقتول و مصلوب جو کہ ان کا ساتھی تھا، اس کا اشتباہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شکل سے ہو گیا، یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھی پر حضرت عیسیٰ کی مشابہت ڈال دی، پس انھوں نے اسے عیسیٰ سمجھ لیا (اور بلاشبہ جن لوگوں نے ان کے بارے میں) یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں (اختلاف کیا وہ اس کے بارے میں) یعنی ان کے قتل کئے جانے کے بارے میں (شک میں ہیں) چنانچہ بعضوں نے جب مقتول کو دیکھا تو بولے چہرہ تو حضرت عیسیٰ کا ہے ،لیکن بدن ان کا نہیں ہے، پس وہ نہیں ہیں، اور دوسرے بعضوں نے کہا کہ نہیں! وہی ہیں (انھیں اس کا) یعنی ان کے قتل کا (بجز ایک پیروئ گمان کے کوئی علم نہیں) **إلا اتباع الظن** استثنائے منقطع ہے، یعنی لیکن یہ اس سلسلے میں اس گمان کی پیروی کر رہے ہیں جس کا انھوں نے خیال جما لیا ہے (اور یہ یقینی بات ہے کہ انھوں نے انھیں قتل نہیں کیا) **یقیناً**، نفی قتل کے لئے حالِ موکدہ ہے (بلکہ اللہ نے انھیں اپنے پاس اٹھا لیا، اور اللہ تعالیٰ) اپنی حکومت میں (غلبہ رکھتے ہیں) اور اپنے کام میں (حکمت والے ہیں ٥ اور اہل کتاب میں سے کوئی بھی نہیں ہے جو اپنی موت سے پہلے ان پر) یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر (ایمان نہ لائے) **قبل موته** میں ضمیر غائب اہل کتاب کے لئے ہے، اور یہ اس وقت ہوگا جب وہ موت کے فرشتوں کو روبرو دیکھ لے گا، لیکن اس وقت کا ایمان اسے نافع نہ ہوگا، یا یہ کہ **قبل موته** کی ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے ہے، تب اس کا مطلب یہ ہوگا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قرب قیامت میں زمین پر اتریں گے جیسا کہ حدیث میں ہے، اس وقت حضرت کی وفات سے پہلے سب اہل کتاب ان پر ایمان لا کر ملت واحدہ بن جائیں گے (اور قیامت کے دن وہ) یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام (ان کے اوپر) ان کے کاموں کی (شہادت دینے والے ہوں گے) جو انھوں نے ان کی بعثت کے وقت ان کے ساتھ کیا (الغرض ہم نے یہودیوں کے ظلم کی وجہ سے کئی ایک اچھی ان پر حرام کر دیں جو ان کے لئے حلال تھیں) ان چیزوں کا تذکرہ آیت **وعلی الذین هادوا حرمنا کل ذی ظفر** (سورہ انعام:۱۴۶) میں ہے (اور اس وجہ سے بھی کہ وہ) لوگوں کو (اللہ کے راستے) یعنی دین (سے بہت زیادہ روکتے تھے، اور اس وجہ سے بھی کہ وہ سود لیتے تھے، حالانکہ

انھیں) توریت میں (اس سے منع کیا گیا تھا، اور اس وجہ سے بھی کہ وہ لوگوں کے مال کو غلط طریقے) رشوت وغیرہ (سے کھاتے تھے، اور ہم نے ان لوگوں کے لئے جو ان میں کافر ہوئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے ٥ لیکن وہ لوگ جو ان میں علم میں پختہ ہیں) جیسے عبداللہ بن سلام (اور مسلمان) یعنی مہاجرین وانصار (وہ اس) کتاب (پر بھی ایمان رکھتے ہیں، جو تمہارے اوپر نازل ہوئی، اور ان) کتابوں (پر بھی جو تم سے پہلے نازل کی گئیں، اور جو نماز قائم کرنے والے ہیں)المقیمین کا نصب بر بنائے مدح ہے، اور اسے رفع کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے (اور جو زکوٰۃ دینے والے ہیں، اور جو اللہ پر اور یوم آخر پر ایمان رکھنے والے ہیں، یہی لوگ ہیں جنھیں ہم عنقریب اجر عظیم عطا کریں گے)وہ جنت ہے۔

تشریحات

جملۃً کما انزل موسیٰ : رسول اللہ ﷺ پر قرآن کریم کا نزول ضرورت کے مطابق بار بار ہوتا رہتا تھا، اس پر یہود کے احبار نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام پر لکھی لکھائی کتاب اتری، آپ پر بھی اترے تو قبول کریں گے (ابن کثیر) ان کا یہ سوال ازراہِ ہدایت طلبی نہ تھا، بلکہ ازراہِ تعنت تھا یعنی مشکل میں مبتلا کرنے کی غرض سے تھا، فرمایا کہ اگر تم نے اس کو بڑا اور گستاخانہ سمجھا ہے تو یہ وہ لوگ ہیں جو اس سے بھی زیادہ گستاخانہ سوال حضرت موسیٰ سے کر چکے ہیں، یعنی ان کے آباء واجداد۔

عیاناً : جھرۃً بمعنیٰ عیاناً ، یعنی انھوں نے مطالبہ کیا تھا کہ اللہ کو ہماری آنکھوں سے دکھایئے، چنانچہ سورۃ البقرۃ میں ہے: **وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسیٰ لَنْ نُّؤْمِنَ لَکَ حَتّٰی نَرَی اللّٰہَ جَھْرَۃً فَاَخَذَتْکُمُ الصَّاعِقَۃُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ** ، اور وہ بھی ایک وقت تھا، جب تم نے موسیٰ سے کہا تھا کہ ہم تمہاری بات نہ مانیں گے جب تک ہمیں اللہ کو آنکھوں سے نہ دکھا دو، اس پر موت کی کڑک نے تمہیں پکڑ لیا اور تم دیکھ رہے تھے۔ مزید تفصیل سورہ اعراف میں آ رہی ہے۔

تعنتاً : عنت کے معنی مشقت میں پڑنا، تعنّت دشواری میں ڈالنا، مشکل میں پھنسانا۔

ای آباؤھم : قرآن کہتا ہے کہ ان اہل کتاب نے موسیٰ سے اس سے بڑھ کر سوال کیا تھا۔ سوال یہ ہے کہ یہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور میں تھے کب کہ سوال کرتے، مفسر نے جواب دیا کہ سوال کرنے والے ان کے باپ دادا تھے، امت ایک ہی ہے، اس لئے یہ سوال مجموعی اعتبار سے پوری امت یہود کی طرف منسوب ہے، بس یہ لوگ بھی اس میں شامل ہیں۔

الٰھاً : اتخذ متعدی بدو مفعول ہے، ایک مفعول العجل ہے، دوسرا مفعول الٰھاً ہے جو کہ محذوف ہے۔

تسلطاً ظاھراً : سلطاناً مصدر ہے، اس لئے اس کا ترجمہ تسلط سے کیا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قوم پر

زبردست پکڑ حاصل تھی، اسی لئے جب بچھڑے کی پوجا کی پاداش میں انھیں خود باہم ایک دوسرے کے قتل کا انھوں نے حکم دیا کہ ان کے اس جرم عظیم کی تلافی اسی سے ہوسکتی ہے، تو وہ کچھ چون و چرا نہ کرسکے، حالانکہ اس سے پہلے حضرت ہارون علیہ السلام پر غرار رہے تھے، موسیٰ علیہ السلام کے رعب و دبدبہ کے آگے دم نہ مار سکے۔

بسبب أخذ الميثاق عليهم: **بميثاقهم** میں باء سبب کے لئے ہے، ہم نے طور پہاڑ کو جڑ سے اکھاڑ کر بنی اسرائیل کے سروں پر معلق کیا تھا، وہ ان سے ایمان واطاعت کے قول وقرار کے لئے کیا، اس وقت ان کی سرکشی کا حال یہ تھا، کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے توریت عطا فرمائی، اور وہ اسے لے کر قوم کے پاس آئے، اور اس کے احکام سنائے تو انھوں نے ماننے سے انکار کر دیا تھا، پھر کسی طرح وہ اسے تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ ہوئے، کئی حیلے بہانے کئے، بالآخر ان کے سر پر جب پہاڑ لٹکایا گیا تو خوف کے مارے مجبوراً اقرار کیا۔

وهو مظل: جس وقت پہاڑ ان کے سروں پر سایہ فگن تھا، اسی وقت ہم نے کہا، علامہ جمل فرماتے ہیں **وهو مظل** کی قید سبقت قلم کا نتیجہ ہے، ورنہ سر پر پہاڑ لٹکانا نزول توریت کے بعد ہوا ہے، اور قریہ میں داخلہ کا حکم ایک مدت کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد ہوا ہے۔

باب القرية : **القرية** سے مراد یا تو بیت المقدس ہے، یا شہر اریحاء ہے جو بیت المقدس کے قریب تھا۔

سجود انحناء: سجدہ سے مراد وہ سجدہ نہیں ہے جو نماز میں ادا کیا جاتا ہے، ورنہ سجدہ کرتے ہوئے کیسے داخلہ ہوتا، اس سے مراد جھک کر سر جھکا کر ادب وتواضع سے داخل ہونا ہے، **انحناء** کے معنی جھکنا۔

باصطياد الحيتان: یوم سبت (سنیچر کے روز) زیادتی کرنے کا کیا مطلب ہے؟ اس سوال کا مفسر نے **باصطياد الحيتان** سے دیا کہ اس روز مچھلیوں کا شکار کرنا زیادتی کی بات تھی، کیونکہ وہ ممنوع تھا۔

لعناهم : **فبما نقضهم** میں باء حرف جر کسی نہ کسی فعل سے متعلق ہوگا، مفسر نے فرمایا وہ **لعناهم** محذوف سے متعلق ہے، اور قرینہ اس کا یہ ہے کہ سورہ مائدہ میں اسی مضمون کے بیان میں صراحۃً یہی لفظ وارد ہوا ہے، فرمایا: **فبما نقضهم ميثاقهم لعناهم**۔

غلف لا تعي كلامك : **وعى يعي** کے معنی محفوظ کرنا، جمع کرنا۔ **غلف**، **أغلف** کی جمع ہے، جس پر غلاف چڑھا ہوا ہو، وہ کہتے تھے کہ ہمارے قلوب غلاف میں بند ہیں، تمہاری بات نہ ان میں گھستی نہ محفوظ رہتی ہے۔

ثانياً بعيسىٰ وكررا لباء : ان کا پہلا کفر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور توریت سے متعلق تھا۔ دوسرا کفر اس وقت ظاہر ہوا جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے، **وبكفرهم** کا عطف **فبما نقضهم** پر ہے، چونکہ معطوف علیہ اور معطوف کے درمیان اجنبی سے فصل ہو گیا ہے، اس لئے اس پر باء کو مکرر لائے۔

فی زعمهم: اس کا تعلق **قتلنا** سے ہے، یعنی وہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کردیا ہے، انھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جو رسول اللہ کہا، وہ اپنے ایمان واعتقاد کے اعتبار سے نہیں کہا، بلکہ بطور طنز واستہزاء کے کہا ہے کہ نعوذ باللہ وہ تو ایک گرے پڑے آدمی ہیں، لیکن خود کو رسول کہتے ہیں، تو اس رسول کو ہم نے مار ڈالا، ان کا یہ قول فخر کے طور پر تھا۔

ای لمجموع ذٰلک عذبناهم: اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ اب تک باء حرف جر برائے سببیت کے تحت سات مجرور آچکے ہیں۔(۱) **فبما نقضهم** (۲) **وکفرهم** (۳) **قتلهم** (۴) **وقولهم** (۵) **وبکفرهم** (۶) **وقولهم** (۷) **وقولهم**۔ ان سب کے مجموعے کی وجہ سے ہم نے انھیں گرفتار عذاب اور مبتلائے لعنت کیا، شروع میں **لعنا** کہا تھا، یہاں **عذبنا** کہا، دونوں کا حاصل ایک ہے۔

المقتول والمصلوب: شُبِّہَ میں ضمیر مستتر نائب فاعل ہے، **المقتول والمصلوب** اسی سے بدل ہے، شُبِّہَ کی ضمیر ''مقتول'' کی جانب راجع ہے، جو **قتلنا** کے ضمن میں مفہوم ہوتا ہے، یہ ضمیر **المسیح** کی طرف راجع نہیں ہوسکتی، کیونکہ حضرت مسیح مشبہ نہیں بلکہ مشبہ بہ ہیں، یعنی اس مقتول پر حضرت مسیح کی شبیہ ڈال دی گئی، وہ ان کے مشابہ ہوگیا، یہ نہیں ہوا کہ حضرت مسیح اسی مقتول کے مشابہ ہوگئے ہوں، پس ناگزیر ہے کہ شُبِّہَ کی ضمیر ''مقتول'' کی طرف راجع ہو، اور اس سے **المقتول والمصلوب** بدل ہو۔

بعیسیٰ: یہ شُبِّہَ سے متعلق ہے۔

ألقی الله علیه شبهه: **علیه** کی ضمیر صاحب کے لئے ہے۔

﴿**لفی شکٍ منه**﴾ **من قتله**: **إن الذین اختلفوا فیه** سے کون لوگ مراد ہیں؟ یہودی یا عیسائی؟ کسی نے یہود کو کہا، اور کسی نے عیسائیوں کو، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس سے دونوں فریق مراد ہیں، کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے، یہ دونوں فریق مختلف الرائے ہیں، یہودی انھیں رسول تو کیا، ایک عام بشر جیسا بھی ماننے کے لئے تیار نہیں، اور عیسائی انھیں خدا یا خدا کا بیٹا قرار دے رہے ہیں، دونوں فریق غلط راہوں پر جارہے ہیں، اور ان دونوں کو ان قتل کے بارے میں تردد ہے، یہودیوں کو یہ تردد تھا کہ مقتول کا چہرہ تو حضرت عیسیٰ ہی کا ہے، مگر بدن ان کا نہیں ہے، پس عیسیٰ نہیں ہیں، اور کوئی کہہ رہا تھا کہ عیسیٰ ہی ہیں، اور عیسائی تو انھیں خدا مان رہے ہیں، کیا خدا بھی مقتول ہوسکتا ہے؟ پھر دور از کار تاویلیں کرتے ہیں، ان کا شک بہت دور تک گیا ہے۔

﴿**إلا اتباع الظن**﴾ **استثناء منقطع**: اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کئے جانے کے سلسلے میں یہود ونصاریٰ کے علم کی نفی کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ان کے پاس کوئی یقین اور کوئی دلیل نہیں ہے، محض وہم وگمان ہے، اور وہم وگمان ہی کو انھوں نے اپنا عقیدہ بنالیا ہے۔ **إلا اتباع الظن** استثنا منقطع ہے، کیونکہ ظن، علم......

جو کہ مستثنیٰ منہ ہے...... کے افراد میں شامل نہیں ہے، اسی لئے الا کا ترجمہ مفسر نے لکن سے کیا ہے،

حال موکدة لنفی القتل : وما قتلوه یقیناً میں یقیناً حال ہے، جو نفی قتل کی تاکید کے لئے آیا ہے، یعنی انتفیٰ قتلھم له نفیاً یقیناً۔

الکتابی حین یعاین الخ : قبل موته کی ضمیر غائب اہل کتاب کی طرف راجع ہے، ان کا ایمان اس وقت ہوگا جب موت کے فرشتے روبرو آجائیں گے، لیکن اس وقت کا ایمان نافع نہ ہوگا۔

اور ایک قول یہ ہے کہ ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے، جب قرب قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے زمین پر نزول فرمائیں گے، تو ضرب وقتل کے بعد جو بچ جائیں گے وہ تمام اہل کتاب ان پر ایمان لائیں گے۔

ای فبسبب ظلم : فبظلمٍ میں باء سبب کے لئے ہے، اور یہ باء، آگے آنے والے لفظ حرمنا سے متعلق ہے، متعلق کو مقدم اس لئے کیا تا کہ اس کی شناعت ابتداء ہی سے نظر میں آجائے۔

﴿صداً﴾ کثیراً : وبصدھم عن سبیل الله کثیراً میں کثیراً مفعول مطلق ہے، اصل میں مفعول مطلق صداً ہے، اور کثیراً اس کی صفت ہے، موصوف کو حذف کر کے صفت کو اس کے قائم مقام بنا دیا ہے۔

نصب علی المدح : والمقیمین الصلوٰة میں سیاق وسباق کی عبارت کا تقاضا ہے کہ اسے بھی مرفوع پڑھا جائے، چنانچہ قرأت شاذہ اس پر وارد بھی ہے، مگر اسے نصب بر بنائے مدح پڑھا گیا ہے، یعنی وأمــــــدح المقیمین الصلوٰة۔

﴿مضامین آیات وتفسیر﴾

بیان کا رخ اب یہودیوں کی طرف پھر رہا ہے، کیونکہ مدینے کے منافقوں میں زیادہ تر یہودی ہی تھے، یہودی کہتے تھے کہ اگر پیغمبر اسلام سچے ہیں، تو کیوں ان پر آسمان سے ایک کتاب اس طرح نازل نہیں ہوجاتی کہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ فرمایا: اس سے بھی بڑی فرمائش یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کر چکے ہیں، کہ خدا کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں، پھر اس کا نتیجہ کیا نکلا، کہ آسمان سے موت کا کڑکا آیا اور یہ مطالبہ کرنے والے فنا کے گھاٹ اتر گئے، پھر مزید گستاخی اس وقت کی جب تمام دلائل ومعجزات دیکھنے کے باوجود بچھڑا بنا کر پوجنے لگے، مگر ہم نے پھر بھی درگزر کیا، پھر اتنے پر بس نہیں، حضرت موسیٰ جب توریت لے کر آئے تو ان کی سرکشی اور تمرد نے پھر سر اٹھایا اور اس کے تسلیم کرنے سے آمادۂ انکار ہوگئے، تب ان کے اوپر اللہ تعالیٰ نے طور پہاڑ کو جڑ سے اکھاڑ کر ان پر سائبان کی طرح لٹکا دیا کہ مانتے ہو یا تم پر اسے گرا دیا جائے؟ پھر ایک وقت آیا کہ تمہیں بیت المقدس میں داخل ہونے کا حق تعالیٰ نے موقع دیا، اور ان سے فرمایا کہ سر جھکا کر تواضع سے دروازۂ شہر میں داخل ہو، انھیں یہ بھی حکم

دیا گیا تھا کہ سنیچر کے مقدس دن میں حدود سے تجاوز نہ کرو، ان سب باتوں کا بہت تاکیدی حکم تھا، مگر انھوں نے کچھ پروانہ کی، عہد و پیمان توڑا، احکام و آیات کا انکار کیا، انبیاء کو ناحق قتل کیا، مزید سرکشی یہ کہ اب وہ کہتے پھر رہے ہیں کہ ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں، تمہاری بات اس کے اندر جا ہی نہیں سکتی، حالانکہ یہ بات نہیں ہے، بلکہ ان کے دلوں پر ان کے کفر و انکار کی وجہ سے مہر لگی ہوئی ہے، اس لئے ان میں ایمان لانے والے کم ہی ہیں، پھر انھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کیا، اور حضرت مریم پر بہتان عظیم باندھا، مزید ظلم یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کرنے کا دعویٰ کیا، اور اس پر انھوں نے فخر کیا، ان سب سرکشیوں اور طغیانیوں کی وجہ سے ہماری لعنت ان پر برسی۔

حقیقت یہ ہے کہ ان کا دعویٔ قتل قطعاً غلط ہے، انھیں نہ وہ قتل کر سکے ہیں، نہ پھانسی دے سکے ہیں بلکہ حقیقت حال ان پر مشتبہ ہوگئی، اب وہ اس باب میں بھی اختلاف کر رہے ہیں، مگر یہ یقینی ہے کہ وہ انھیں قتل نہیں کر سکے ہیں، وہ محض شک اور اشتباہ میں پڑے ہوئے ہیں، اور گمان و خیال کو عقیدہ بنائے ہوئے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں زندہ سلامت آسمان پر اٹھالیا ہے، اللہ تعالیٰ عزیز و حکیم ہیں، اور یہ اہل کتاب کی بدنصیبی ہے کہ ان کے مرنے سے پہلے، ان پر حقیقت کھلے گی، اور وہ عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائیں گے، مگر بے فائدہ! کیونکہ موت کے فرشتوں کے ظاہر ہونے کے بعد ایمان معتبر نہیں ہوتا، یا یہ کہئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات جب ہوگی تو اس سے پہلے تمام موجود اہل کتاب ایمان لا چکے ہوں گے، ابھی ان کی وفات نہیں ہوئی ہے، اس وقت وفات ہوگی جب تمام اہل کتاب ایمان لا چکے ہوں گے، اور وہ قیامت کے دن ان پر گواہ ہوں گے۔

یہود کے ظلم اور ان کی سرکشی و تمرد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے کئی ایسی چیزیں جو حلال تھیں، ان پر حرام کر دی تھیں، چنانچہ ان کے مظالم یہ تھے کہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے بکثرت روکتے تھے، اور باوجود حرام کئے جانے کے وہ سود لیتے اور لوگوں کے مال ناجائز طور پر کھاتے تھے، ان کافروں کے لئے دردناک عذاب تیار ہے۔

لیکن وہ جو علم میں پختہ ہیں اور مومن ہیں، ان کا ایمان قرآن پر بھی ہے، اور اگلی آسمانی کتابوں پر بھی، وہ نمازوں کا بھی اہتمام کرتے ہیں، زکوٰۃ بھی دیتے ہیں، اور اللہ اور یوم آخر پر ایمان بھی رکھتے ہیں، ان کو بڑا اجر ملے گا، یعنی جنت ملے گی۔

☆☆☆☆☆

﴿إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَىٰ نُوحٍ وَّالنَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهٖ وَ﴾ كما ﴿أَوْحَيْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ﴾ إبنيه ﴿وَيَعْقُوبَ﴾ ابن اسحاق ﴿وَالْأَسْبَاطِ﴾ اولاده ﴿وَعِيسَىٰ وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهَارُونَ وَسُلَيْمَانَ وَآتَيْنَا﴾ أباه ﴿دَاوُدَ زَبُورًا﴾ بالفتح اسم للكتاب المُؤتىٰ والضم مصدر بمعنى مزبورا أي مكتوبا ﴿وَ﴾ أرسلنا ﴿رُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ

عَـلَيْکَ مِـنْ قَبْلُ وَرُسُلاً لَمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْکَ﴾روى أنه تعالى بعث ثمانية آلاف نبى ، أربعة آلاف مـن اسـرائيـل وأربـعة آلاف مـن سـائـر الناس قاله الشيخ فى سورة غافر ﴿ وَكَلَّمَ اللهُ مُوْسىٰ﴾ بلاواسطة ﴿ تَكْلِيْماً ٥رُسُلاً ﴾ بدل من ”رسلاً“ قبله ﴿مُبَشِّرِيْنَ ﴾ بالثواب من آمن ﴿ وَمُنْذِرِيْنَ﴾ بالعقاب من كفر أرسلناهم ﴿ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللهِ حُجَّةٌ ﴾ تقال﴿ بَعْدَ ﴾ إرسـال ﴿الـرُّسُـلِ﴾ اليهـم فيـقـولـوا: رَبَّنَا لَوِلَا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُوْلاً فَنَتَّبِعَ آيَاتِکَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْـمُـؤْمِنِيْنَ فبعثناهم لقطع عذرهم﴿وَكَانَ اللهُ عَزِيْزاً﴾ فى ملكه ﴿ حَكِيْماً﴾ فى صنعه ، ونزل لما سئل اليهود عن نبوته ﷺ فأنكروه﴿ لٰكِنِ اللهُ يَشْهَدُ﴾ يبين نبوتک﴿ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْکَ ﴾ مـن الـقـرآن الـمـعـجـز ﴿ أَنْـزَلَـهُ ﴾ متلبساً ﴿بِعِلْمِهٖ ﴾ اے عالماً به اوفيه علمه ﴿وَالْمَلٰئِكَةُ يَشْهَـدُوْنَ﴾ لک ايـضـاً﴿ وَكَـفٰـى بِـاللهِ شَهِيْداً﴾ علىٰ ذٰلک ﴿إِنَّ الَّـذِيْـنَ كَـفَرُوْا﴾ بـالله ﴿وَصَـدُّوْا﴾ الـنـاس ﴿ عَـنْ سَبِيْـلِ اللهِ﴾ديـن الاسـلام، بـكـتـمـهـم نـعـتَ محمدٍ ﷺ وهم اليهود﴿قَدْ ضَلُّوا ضَلالاً بَعِيْداً﴾ عن الحق ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ بالله﴿ وَظَلَمُوْا﴾ نبيه بكتمان نعته﴿ لَّمْ يَكُنِ اللهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَالِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقاً ﴾ من الطرق ﴿إِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ ﴾ أى الطريق الـمـؤدّى إليهـا﴿خٰلِدِيْنَ﴾ مقدرين الخلود﴿ فِيْهَا﴾ إذا دخلوها﴿ أَبَداً وَكَانَ ذٰلِکَ عَلَى اللهِ يَسِيْـراً﴾هيّـنـاً ﴿يٰا اَيُّهَـا الـنَّاسُ﴾ أى اهل مكة ﴿قَدْ جَاءَ كُمُ الرَّسُوْلُ﴾ محمد ﴿ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّـكُـمْ فَـآمِـنُوْا﴾به واقصدوا ﴿ خَيْراً لَكُمْ﴾مماأنتم فيه ﴿ وَإِنْ تَكْفُرُوْا﴾ به ﴿ فَإِنَّ لِلّٰهِ مَا فِىْ السَّـمٰـوَاتِ والْاَرْض ﴾مـلـكـاً و خلقاً و عبيداً فلايضره كفركم ﴿ وَكَانَ اللهُ عَلِيْماً﴾ بخلقه ﴿حَكِيْماً﴾ فى صنعه بهم﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ﴾ الانجيل ﴿لا تَغْلُوْا﴾ تتجاوز الحد﴿ فِىْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَـقُـوْلُـوْا عَـلَـى اللهِ إِلَّا﴾ القول﴿ الْحَقِّ﴾من تنزيهه عن الشريک والولد﴿ إِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَـى بْـنُ مَـرْيَـمَ رَسُـوْلُ اللهِ وَكَـلِـمَـتُـهٗ أَلْقَـاهَـا﴾ أوصلهـا﴿ إِلـىٰ مَـرْيَمَ وَرُوْحٌ﴾ذو روح ﴿مِّـنْـهُ﴾أضيف اليـه تعالىٰ تشريفاً له وليس كما زعمتم: ابن الله أو إلٰهاً معه أو ثالث ثلٰثة لأن ذاالـروح مركب والإلٰه منزه عن التركيب وعن نسبة المركب إليه ﴿ فَآمِنُوْا بِاللهِ وَرُسُلِهٖ وَلَا تَـقُوْلُوْا﴾الآلهة ﴿ ثَلٰثَةٌ﴾ الله وعيسىٰ وأمه﴿ اِنْتَهُوْا﴾ عن ذٰلک وأتوا﴿ خَيْراً لَّكُمْ﴾ منه وهو التـوحيـد﴿ إِنَّـمَـا اللهُ إِلٰـهٌ وَّاحِـدٌ سُبْـحٰنَهٗ﴾ تنزيهاً له عن﴿ أَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ لَهٗ مَافِى السَّمٰوٰتِ وَمَـافِـى الْاَرْضِ﴾ خـلـقـاً ومـلـكـاً والملكية تنافى البُنُوَّة ﴿ وَكَفىٰ بِاللهِ وَكِيْلاً ﴾شهيداً علىٰ ذٰلک ﴿ لَـنْ يَّسْتَـنْـكِفَ﴾ يتـكـبـر ويـأنف ﴿ الْمَسِيْحُ﴾ الذى زعمتم أنه إلٰه عن ﴿ أَنْ يَّكُوْنَ

عَبْداً لِلّٰهِ وَلَاالْمَلٰئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ﴾ عند الله لايستنكفون أن يكونوا عبيداً وهٰذا من أحسن الاستطراد، ذكر للرد علىٰ من زعم أنها آلهة أو بنات الله كما رد بما قبله على النصارىٰ الزاعمين ذٰلك، المقصود خطابهم ﴿وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ إِلَيْهِ جَمِيْعاً﴾ فى الآخرة ﴿فَأَمَّا الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ أُجُوْرَهُمْ﴾ ثواب أعمالهم ﴿وَيَزِيْدُهُمْ مِنْ فَضْلِهٖ﴾ مالا عينٌ رأت ولاأذنٌ سمعت ولاخطر علىٰ قلب بشر ﴿وَأَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا﴾ عن عبادته ﴿فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَاباً أَلِيْماً﴾ مولما هو عذاب النار ﴿وَلَايَجِدُوْنَ لَهُمْ مِنْ دُوْنِ اللهِ﴾ أى غيره ﴿وَلِيًّا﴾ يدفعه عنهم ﴿وَّلَانَصِيْراً﴾ يمنعهم منه﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَ كُمْ بُرْهَانٌ﴾ حجة﴿مِنْ رَّبِّكُمْ﴾ عليكم وهو النبى ﷺ ﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُوْراً مُّبِيْناً﴾ بيّناً وهو القرآن ﴿فَأَمَّا الَّذِيْنَ آمَنُوْا بِاللهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِنْهُ وَفَضْلٍ وَّيَهْدِيْهِمْ إِلَيْهِ صِرَاطاً﴾ طريقاً﴿مُسْتَقِيْماً﴾ هو دين الاسلام

﴿ترجمـــــــه﴾

(بے شک ہم نے تمہارے پاس اسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح نوح اوران کے بعد دوسرے انبیاء کے پاس وحی بھیجی تھی، اور) جیسا کہ (ہم نے ابراہیم، اسماعیل، اسحاق) یہ دونوں ابراہیم کے بیٹے تھے (یعقوب اور) ان کی (اولاد، عیسیٰ اورایوب، یونس، ہارون اورسلیمان کے پاس بھیجی تھی، اورہم نے) ان کے والد (داؤدکو زبورعطا کی) زبور فتحے کے ساتھ، اس کتاب کا نام ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام کو دی گئی تھی، اورضمہ کے ساتھ مصدر ہے، جواسم مفعول مزبور یعنی مکتوب کے معنی میں ہے (اور) ہم نے (کئی رسول ایسے) بھیجے (ہیں، جن کے حالات ہم نے اس سے پہلے تم سے بیان کئے، اورکئی رسول ایسے ہیں جن کے حالات ہم نے تم سے نہیں بیان کئے) مروی ہے کہ آٹھ ہزارانبیاء مبعوث ہوئے ہیں، جن میں چار ہزارصرف بنی اسرائیل میں تھے اور باقی لوگوں میں چار ہزار، شیخ نے سورہ غافر میں یہی لکھا ہے (اوراللہ نے موسیٰ سے) بلاواسطہ (کلام فرمایا، ایسے رسول) ماقبل کے رسلاً سے بدل ہے (جو بشارت دینے والے تھے) ایمان والوں کوثواب کی (اور ڈرانے والے تھے) کافروں کوعذاب سے، ہم نے ان کواس لئے بھیجا تھا (تا کہ لوگوں کے لئے) ان کے پاس (رسولوں کے) بھیجے جانے کے (بعداللہ پرکچھ معذرت کی گنجائش نہ رہے) کہ وہ یہ عذرکریں کہ رَبَّنَا لَوْلَا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُوْلاً فَنَتَّبِعَ آيَاتِكَ فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (اے ہمارے رب آپ نے ہمارے پاس کوئی رسول کیوں نہ بھیجا کہ ہم آپ کی آیات کی پیروی کرتے، اورمومنین میں ہوتے) ہم نے پیغمبروں کوبھیجا تا کہ ان کا عذر منقطع ہوجائے (اوراللہ) اپنے ملک میں (غالب) اوراپنے کاموں میں (صاحب حکمت ہیں)

یہود سے نبی اکرم ﷺ کی نبوت کے بارے میں سوال کیا گیا، تو انھوں نے انکار کیا، اس پر یہ آیت اتری (لیکن اللہ اس) قرآن معجز (کی گواہی دیتے ہیں جو تمہارے پاس اترا ہے) یعنی تمہاری نبوت کو بیان کرتے ہیں (اللہ نے اس کو اپنے علم کے ساتھ اتارا ہے) یعنی اس حال میں کہ اللہ اسے جانتے ہیں، یا یہ کہ اس میں اللہ کا علم ہے (اور فرشتے بھی) تمہارے حق میں (گواہی دیتے ہیں اور) اس بات پر (اللہ کی گواہی کافی ہے ○ بے شک جن لوگوں نے) اللہ کے ساتھ (کفر کیا اور) لوگوں کو (اللہ کے راستے سے) یعنی دین اسلام سے محمد ﷺ کے احوال واوصاف کو پوشیدہ رکھ کر (روکا) اور یہ یہود ہیں (وہ بہت دور کی گمراہی میں جا پڑے) یعنی حق سے دور ہو گئے (جنھوں نے) اللہ کے ساتھ (کفر کیا اور) اپنے نبی پر ان کے اوصاف کو چھپا کر (ظلم کیا، اللہ ان کی مغفرت کرنے والا نہیں، اور نہ انھیں کوئی راہ دکھانے والا ہے سوائے جہنم کی راہ کے) یعنی وہ راستہ جو جہنم میں لے جانے والا ہے، اس میں جب وہ داخل ہوں گے تو (وہ اس میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے) **خالدین** حال مقدرہ ہے یعنی **مقدرین الخلود** (اور اللہ کے اوپر یہ بات آسان ہے ○ اے لوگو!) اے اہل مکہ (تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق وصداقت لے کر رسول آ گیا ہے) یعنی محمد ﷺ (پس) اس پر (ایمان لاؤ اور) اپنے لئے اس سے (بہتر کا قصد کرو) جس پر تم ہو (اور اگر تم) اس کا (انکار کرو گے تو جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے سب) ملکیت، مخلوقیت اور بندہ ہونے کے اعتبار سے (اللہ ہی کا ہے) تو تمہارا کفر انھیں کچھ ضرر نہیں پہونچا سکتا (اور اللہ) اپنی مخلوق کو (جاننے والے) اور ان کے اندر تصرف کرنے میں (حکمت والے ہیں ○ اے اہل کتاب) یعنی اہل انجیل (اپنے دین میں غلو نہ کرو) یعنی حد سے تجاوز نہ کرو (اور اللہ پر بجز قول حق کے اور کچھ نہ کہو) یعنی یہ کہ اللہ شریک سے بھی اور اولاد سے بھی منزہ ہیں (مسیح عیسیٰ بن مریم، اس کے سوا کچھ نہیں ہیں کہ اللہ کے رسول ہیں، اور اس کے کلمہ ہیں، جسے اللہ نے مریم کے پاس القاء کیا) یعنی پہونچایا (اور اللہ کی طرف سے ایک روح ہیں) یعنی ذی روح ہیں، اللہ کی طرف ان کی نسبت ان کے شرف کے اظہار کے لئے ہے، وہ بات نہیں ہے جس کا تم نے گمان کر رکھا ہے وہ اللہ کے بیٹے ہیں، یا اللہ کے ساتھ معبود ہیں، یا تین میں سے تیسرے ہیں، کیونکہ روح والا مرکب ہے اور الٰہ ترکیب سے بھی اور مرکب کی نسبت سے پاک ہے (پس اللہ پر، ان کے رسولوں پر ایمان لے آؤ، اور مت کہو کہ) معبود (تین ہیں) اللہ اور عیسیٰ اور ان کی ماں، اس سے (باز آؤ، اور اپنے لئے) اس سے (بہتر کو اختیار کرو) اور وہ توحید ہے (حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اللہ ہی ایک معبود ہے، وہ ذات پاک ہے) اس بات سے (کہ ان کے لئے کوئی بیٹا ہو، جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے) مخلوق ومملوک اور غلام ہونے میں (سب ان کے ہیں) اور ملکیت بیٹا ہونے کے منافی ہے (اور وکیل) یعنی گواہ (ہونے کے لئے اللہ کافی ہیں ○ مسیح کو) جن کو تم نے معبود سمجھ رکھا ہے، ہرگز اس سے عار نہیں) یعنی وہ ہرگز تکبر نہیں کرتے (کہ وہ اللہ کے بندے

ہوں، اور نہ فرشتوں کو جو) اللہ کے نزدیک (مقرب ہیں) کوئی عار ہے کہ وہ اللہ کے بندے ہوں، یہ ایک بہتر استطراد ہے، جسے ان مشرکین کی تردید کے لئے ذکر کیا گیا ہے، جو یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ فرشتے بھی معبود ہیں، یا اللہ کی بیٹیاں ہیں، جیسا کہ اس سے پہلے ان نصاریٰ کی تردید ہے جن کا خیال حضرت عیسیٰ کے بارے میں اسی طرح کا ہے، اور مقصود انھیں سے خطاب ہے (اور جو کوئی اللہ کی عبادت سے عار محسوس کرتا ہے اور تکبر کرتا ہے، تو عنقریب وہ سب کو اپنے پاس جمع کرلائیں گے) آخرت میں (تو جو لوگ ایمان لائے، اور نیک عمل کئے، ان کو ان کے اجر) یعنی ان کے اعمال کے ثواب (عطا فرمائیں گے، اور اپنے فضل سے مزید) اتنا (عطا فرمائیں گے) جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا، اور نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی بشر کے قلب میں اس کا خیال گزرا (اور رہے وہ لوگ جنھوں نے) ان کی عبادت سے (عار محسوس کی اور تکبر کیا، تو انھیں حق تعالیٰ دردناک عذاب میں مبتلا کریں گے) **الیم** بمعنی **مولم**، وہ آگ کا عذاب ہے (اور وہ اپنے واسطے اللہ کے ماسوا نہ کسی کو حمایتی پائیں گے) جو عذاب کو ان سے دفع کرے (اور نہ مددگار) جو اس سے انھیں بچالے (اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے) تم پر (برہان) یعنی حجت (آگئی) اور وہ نبی ﷺ ہیں (اور ہم نے تمہاری جانب ایک واضح نور اُتارا ہے) **مبین** بمعنی **بین** ہے، اور وہ قرآن کریم ہے (تو جو لوگ اللہ پر ایمان لائے، اور اس کا سہارا مضبوط پکڑ لیا، تو عنقریب انھیں اپنی رحمت اور فضل میں داخل کریں گے، اور اپنی جانب سیدھی راہ کی ہدایت دیں گے) جو کہ دین اسلام ہے۔

﴿تشریحات﴾

إبنيه: حضرت اسمٰعیل و اسحٰق علیہما السلام، یہ دونوں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صاحبزادگان تھے۔

اولاده: **اسباط سبط** کی جمع ہے، اس کے معنی اولاد کے ہیں، اس کا اطلاق بیٹوں پر بھی ہے، پوتوں اور نواسوں پر بھی، اور اس کا استعمال قبیلہ کے مترادف بھی ہے، حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی نسل میں جو معنی قبیلہ کا ہے، حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل میں وہی ''اسباط'' کا معنی ہے، حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل میں بہت انبیاء ہوئے۔

روی أنه تعالیٰ الخ: علامہ سیوطی نے شیخ محلّی کے حوالے سے یہ بات ذکر کی ہے کہ کل انبیاء آٹھ ہزار ہیں، چار ہزار بنی اسرائیل میں اور چار ہزار باقی لوگوں میں، لیکن یہ بات مشہور قول کے خلاف ہے، مشہور قول میں ایک لاکھ چوبیس ہزار کی تعداد ہے، جن میں تین سو تیرہ رسول ہیں، باقی حضرات نبی! علامہ طیبی نے فرمایا: صحیح وہ ہے جسے امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے، انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ حضرات انبیاء کی تعداد کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار، ان میں ۳۱۵ رسول ہیں، یہ حضرات ایک جم غفیر ہیں (جمل: سورہ غافر)

بلا واسطة: یعنی فرشتے کے واسطے کے بغیر۔

ونـزل لـمـا سـئـل اليهـود عن نبوتـه الخ : آیت کریمہ کا آغاز **لٰکن** سے ہوا ہے، اور معلوم ہے کہ **لٰکن** استدراک کے لئے آتا ہے، تو اس سے پہلے کوئی ایسا جملہ ہونا چاہئے جس سے کسی غلط فہمی کا احتمال ہو، جس سے استدراک اس آیت میں کیا گیا ہو۔

اسی اِشکال کو مفسر نے **نزل لما سئل اليهود الخ** کے ذریعے حل کیا ہے، بات یہ ہے کہ یہود کی ایک جماعت رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی، آپ نے ان سے فرمایا کہ تم لوگ جانتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں، انھوں نے کہا کہ ہم نہیں جانتے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، وہ جملہ جس سے استدراک کیا گیا ہے، اس طرح ہوگا: **ان اليهـود وإن لـم يشهـدوا أن الـقـرآن أنزل الله عليک لکن الله يشهد الخ**، یہ یہود اگر چہ تمہارے بارے میں لاعلمی کا اظہار کرتے ہیں اور قرآن کے کتاب اللہ ہونے کی گواہی سے گریز کرتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ تو گواہی دیتے ہیں اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں۔

متلبسـاً ﴿بعلمه﴾ اے عالماً به او فيه علمه : **أنـزله بعلمه** کا کیا مطلب ہے؟ اور ماقبل کے جملے سے اس کا کیا تعلق ہے؟ ان دونوں سوالوں کا جواب مفسر نے اختصار وایجاز کے ساتھ دیا ہے، پہلے سوال کا جواب **عـالـمـاً به** کہہ کر دیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے کتاب کو اپنے علم خاص سے اتارا ہے جو کسی دوسرے کے بس میں نہیں، چنانچہ اس کی معجزانہ فصاحت و بلاغت، اُسلوب اور غیبی علوم، یہ سب علم الٰہی کا خاصہ ہے، مفسر کا ارشاد **عـالـمـاً به** کی ایک وضاحت یہ ہے جو مذکور ہوئی، اس کی وضاحت اس طرح بھی ہوسکتی ہے کہ حق تعالیٰ یہ جانتے ہیں کہ کس پر یہ کتاب اتر رہی ہے، اس کی استعداد اور صلاحیت کیسی ہونی چاہئے، اور کیا وہ اتارے جانے کے معیار پر پورا اترتا ہے؟ اس علم کے ساتھ حق تعالیٰ نے یہ کتاب اتاری ہے۔

أو فيـه عـلـمه کہہ کہ پہلے سوال کا دوسرا جواب دے رہے ہیں، یعنی **بـعـلـمه** کا معنی **فيـه عـلـمه** ہے، مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم اللہ نے اتارا ہے، اس طرح کی اس میں علوم الٰہیہ ہیں، علم بمعنی معلوم ہے۔

دوسرے سوال کا جواب مفسر نے بالتصریح نہیں دیا ہے، مگر وہ ان کے کلام سے ظاہر ہے کہ **أنــزلـــه بعلمه** کا جملہ **يشهد بما أنزله** کی تفسیر وتوضیح ہے یعنی یہ جملہ مفسرہ ہے۔

سوال: اللہ کی گواہی کیا ہے؟ اور اس کا قائل منکرین کو کیسے کیا جائے؟

جواب: اللہ کی گواہی خود قرآن کریم ہے، قولاً بھی کہ اللہ خود اپنی گواہی کا ذکر کرتے ہیں اور عملاً بھی کہ ایک امی پر ایسا معجزانہ، حکیمانہ، عالمانہ اور حقائق و دلائل سے لبریز کلام اتر رہا ہے، جس کے مثل لانے سے ساری انسانیت عاجز ہے، یہ عملی گواہی ہے کہ یہ کلام انسان کا نہیں ہے، بلکہ خالق انسان کا ہے، یہ گواہی بڑے سے بڑے

منکر پر ناطق ہے۔

دین الاسلام بکتمهم الخ: یہود اللہ کے راستے سے روکتے تھے، یہ راستہ دین اسلام ہے، اور ان کا روکنا یہ تھا، کہ رسول اللہ ﷺ کے متعلق جو پیشین گوئیاں اور آپ کی علامتیں جو اگلی آسمانی کتابوں میں تفصیل سے بیان کی گئی تھیں، انھیں وہ اپنے عوام سے پوشیدہ رکھتے تھے، اور کھل جانے کے بعد بھی تاویلوں سے انھیں چھپانے کی کوشش کرتے تھے، اس طرح عوام کو بلکہ بے پڑھے لکھے خواص کو بھی آپ کی طرف سے اندھیرے میں رکھتے تھے۔

بکتمان نعته : اس آیت میں مراد یہودی ہیں۔

مقدرین الخلود :خالدین فیها ،حال مقدرہ ہے، حال مقدرہ وہ حال ہے جس میں بذات خود حال بننے کی صلاحیت نہ ہو، کیونکہ حال کے لئے شرط ہے کہ اس کے عامل اور خود حال دونوں کا زمانہ ایک ہو، اگر زمانہ میں تقدم وتاخر ہوا، تو اس میں حال بننے کی گنجائش نہیں ہے، اب اس عبارت میں ملاحظہ فرمایئے کہ **خالدین** کو اگر حال قرار دیا جائے تو اس کا ذوالحال **یهدیهم** کی ضمیر جمع ہوگی، جو کہ مفعول بہ ہے، اور ان دونوں کا عامل **یهدی** ہے، اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ ہدایت کا تعلق دنیا سے ہے، اور خلود کا تعلق آخرت سے ہے، اور دونوں کے زمانے میں بونِ بعید ہے۔

ایسے موقع پر **خالدین** مثلاً اصل حال نہیں ہے بلکہ یوں ہے کہ ہدایت ہی کے زمانے میں **خلود فی النار** مانا جاتا ہے، مان لینا بمعنی تقدیر ہے، یعنی **مقدرین الخلود فیها** یہ اصل حال ہے، چونکہ خلود تقدیراً مانا گیا ہے، اس لئے اسے ''حال مقدرہ'' کہتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ حال کا زمانہ، عامل کے زمانہ کے بعد ہو تو اسے حال مقدرہ کہتے ہیں، وہاں ''**تقدیر**'' کے کسی مشتق کو مقدر ماننا پڑتا ہے۔

﴿فاٰمنوا﴾ به واقصدوا : آیت شریفہ میں **آمنوا** کا صلہ **به** ہے، یعنی رسول پر ایمان لاؤ، اور **خیراً** ایک فعل محذوف کا مفعول ہے، کیونکہ **خیراً** کا عامل **آمنوا** نہیں ہوسکتا، پس یہاں **اقصدوا** عامل محذوف ہے، جیسے کہا جاتا ہے: **علفتها تبناً وماءً** ،**علفتها** کا مفعول تبناً تو ہے مگر ماءً اس کا مفعول نہیں ہوسکتا، اس لئے وہاں **سقیتها** مقدر ماننا ہوگا۔

مما أنتم فیه : اس عبارت کو ذکر کر کے مفسر نے بتایا کہ **خیراً** اسم تفضیل ہے، وہ رسول اللہ ﷺ کے منکر تھے، انھیں کہا گیا کہ اس حالت سے بہتر حالت کا قصد کرو، اور وہ ایمان ہے۔

تتجاوز الحد : غلو کے معنی حد سے تجاوز کرنا، دین کی جو حدیں متعین ہیں، ان سے آگے بڑھ جانا۔ اہل کتاب کی ایک بڑی گمراہی دین میں غلو ہے، یعنی حقیقت واعتدال سے متجاوز ہو کر بہت دور تک چلے گئے، اگر کسی کی تعظیم پر اتر آئے تو اسے خدا کے درجے تک پہونچا دیا، مخالفت پر آئے تو اس کی صداقت ہی سے انکار کر دیا، اگر زہد

وعبادت کی راہ اختیار کی تو رہبانیت میں جا پڑے، اگر دنیا کے پیچھے پڑے تو اتنے چھوٹ گئے کہ نیک و بد کی تمیز اٹھادی، یہود و نصاریٰ اسی گمراہی کے شکار ہوئے۔ یہاں خطاب عیسائیوں سے ہے کہ انھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعظیم میں اس قدر غلو کیا کہ انھیں خدا کا بیٹا بنا دیا، اور ایک خدا کی جگہ تین خداؤں کا اعتقاد پیدا کرلیا، یعنی باپ، بیٹا اور روح القدس۔

من تنزیهه عن الشریک والولد: اللہ کے متعلق قول حق وہی ہے جسے خود اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان فرمایا ہے، یا اپنے نبی کی زبان سے ظاہر فرمایا۔ عیسائیوں نے اللہ کی الوہیت میں حضرت مسیح علیہ السلام کو شریک کیا، اور انھیں اللہ کا بیٹا قرار دیا، یہ قول حق کے قطعاً منافی ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حقیقت وہ ہے، جو اگلی آیت میں بیان کی گئی ہے، یعنی وہ مریم کے بیٹے ہیں، اللہ کے رسول ہیں، ان کے کلمہ ہیں، ان کی طرف سے ایک روح ہیں۔

أوصلها الله: حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے کلمہ ہیں، یہ کلمہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعے حضرت مریم تک پہونچا، چنانچہ حضرت جبرئیل نے ان سے کہا إِنَّمَا أَنَا رَسُوْلُ رَبِّکِ لِأَهَبَ لَکِ غَلَاماً زَکِیّاً (سورۂ مریم) میں صرف تمہارے رب کا بھیجا ہوا ہوں، تاکہ تمہیں ایک صاف ستھرا بچہ بخش دوں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے کلمہ ''کُن'' سے پیدا ہوئے ہیں، اس لئے وہ کلمة الله ہیں۔

ذو روح منه: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دوسری صفت روح ہے، مفسر نے فرمایا کہ وہ روح ہیں کا مطلب یہ ہے کہ وہ روح والے ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں چونکہ والد کی جسمانیت نہیں ہے، بلکہ فرشتے کی طرف سے ڈالی ہوئی روحانیت ہے، اس لئے ان کی جسمانیت مغلوب کالعدم ہے، اور ان کی روحانیت بہت زیادہ غالب ہے، اسی روحانیت کے غلبہ کی وجہ سے انھیں آسمان پر اٹھایا گیا، اور وہیں ایک طویل مدت کے لئے روک لئے گئے، اور زمانۂ آخر میں اتارے جائیں گے۔ جب روحانیت کا یہ غلبہ ہے، تو انھیں مطلق ''روح'' کہا گیا ورنہ وہ حقیقت میں ذی روح ہیں۔

الآلهة ﴿ثلٰثة﴾: آیت کریمہ میں ''ثلٰثةٌ'' خبر ہے، اس کا مبتدا محذوف الآلهة ہے۔ عیسائی تین معبود قرار دیتے ہیں، اللہ، عیسیٰ اور ان کی والدہ مریم۔

وأتوا خیراً لکم: انتهوا کے بعد خیراً لکم! ظاہر ہے کہ وہ انتهوا کا مفعول نہیں ہے، بلکہ ایتوا فعل امر کا مفعول ہے۔

شهیداً علیٰ ذٰلک: وکیل بمعنی ''ذمہ دار'' اور کاموں کا ''نگراں'' ہوتا ہے، یعنی جس کے سپرد کوئی کام کر دیا جائے، اور وہ اس کی ذمہ داری کو نبا ہے، اور شہید کے معنی بھی نگراں کے ہیں، اس کے معنی گواہ اور موجود و حاضر

کے بھی ہیں، مفسر نے وکیل کا ترجمہ ''شہید'' سے کیا، اس کا مطلب یہ ہے کہ پچھلی تمام باتیں اللہ کی نگرانی میں ہیں، اور اس کے لئے وہی کافی ہیں، اس کے لئے انھیں معاون کی ضرورت نہیں ہے کہ بیٹے اور شریک کی گنجائش نکل سکے۔

لایستنکفون أن یکونوا عبیداً: یہ عبارت لاکر اشارہ کیا ہے کہ الملائکة کی خبر محذوف ہے، اور ماقبل کا جملہ اس پر دلالت کرتا ہے، اور الملائکة، المسیح کا معطوف نہیں ہے، کیونکہ عبداً واحد ہے وہ الملائکة کی خبر نہیں بن سکتا، پس عبارت یوں ہوگی، ولا الملائکة المقربون یستنکفون أن یکونوا عبیداًلله۔

وھٰذا من أحسن الاستطراد: استطراد کے معنی ہیں، کسی مناسبت سے کلام کے اندر ایک معنی سے دوسرے معنی کی طرف منتقل ہونا جو کہ مقصود نہ تھا، لیکن اس کو سابق معنی مقصود سے مناسبت ہے، یہاں مقصد تو عیسائیوں کے اس عقیدہ کی تردید ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ کو خدا یا خدا کا بیٹا مانتے ہیں، اور ظاہر ہے کہ جو خود خدا ہوگا، یا خدا کا بیٹا ہوگا، اس کے لئے یہ سخت عیب اور باعث ننگ و عار ہے کہ اسے بندہ اور غلام کہا جائے، تو اللہ نے فرمایا کہ عیسیٰ مسیح کو بندہ ہونے میں کوئی عار نہیں ہے، معلوم ہوا کہ وہ خدا نہیں، پھر اسی تذکرے میں مشرکین مکہ کی تردید فرمائی، کہ وہ فرشتوں کو اللہ کی اولاد قرار دیتے ہیں، فرمایا کہ جو مقرب سے مقرب فرشتہ ہے، وہ بھی بندگی میں کوئی عار نہیں محسوس کرتا، پھر وہ اولاد کیسے ہوسکتا ہے۔

بَیِّناً: مُبین، أَبان یُبین سے مشتق ہے، اس کے معنی ظاہر ہونا ہے، اسی لئے اس کی تفسیر بیّن سے کی ہے۔

مضامین آیات وتفسیر

وحدتِ دین ساری انسانیت کے لئے ایک اصل عظیم ہے، حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضور جناب نبی کریم ﷺ تک تمام پیغمبرانِ دین، ایک ہی دین ومذہب کے داعی ہیں، اور سب کو دین ومذہب کی تعلیمات بذریعہ وحی ملی ہیں، قرآن کریم نے بعض پیغمبروں کا ذکر کیا ہے اور بعض کا نہیں کیا ہے، لیکن اس کا حکم ہے کہ سب کی تصدیق کرو اور سب پر ایمان لاؤ، یہ پیغمبر اس لئے بھیجے گئے کہ سب کے سامنے سچی بات آجائے، اور کسی کو مجالِ گفتگو نہ رہے کہ ہمیں معلوم ہی نہ تھا کہ ہمیں کس راہ پر چلنا ہے۔

یہود آپ کی صداقت وحقانیت کو خوب جانتے تھے، صرف عناد اور حسد کی وجہ سے سچائی کی شہادت دینے سے انکار کرتے تھے، حق تعالیٰ فرماتے ہیں، یہ گواہی نہ دیں مگر اللہ تعالیٰ تو گواہی دیتے ہیں کہ انھوں نے اسے اپنے علم سے نازل کیا ہے، اور فرشتے بھی اس کے گواہ ہیں، اور اللہ کی گواہی بہت کافی ہے، واقعہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے کفر کا ارتکاب کیا، اور اپنی غلط حرکتوں سے نبی ﷺ کے اوصاف واحوال کو چھپا کر لوگوں کو اللہ کے راستے سے باز رکھا، وہ خود راستے سے بہت دور جا پڑے ہیں، ان کافروں اور ظالموں کی نہ حق تعالیٰ مغفرت فرمائیں گے

اور نہ سوائے جہنم کی راہ کے اور کوئی راستہ دکھائیں گے، اس میں یہ ہمیشہ پڑے رہیں گے۔

پھر فرمایا، اے لوگو! تمہارے رب کی جانب سے حق آچکا ہے، اس پر ایمان لاؤ، تمہارے حق میں یہی بہتر ہے، اور اگر نہ مانو گے تو اللہ تعالیٰ کی وسیع حکومت میں کچھ نقصان نہ پہونچا سکو گے۔

اے اہل کتاب! اپنے دین میں حدود سے تجاوز نہ کرو، اور اللہ پر جو کہنا ہو، حق کے سوا نہ کہو، عیسیٰ مسیح جو مریم کے بیٹے ہیں، وہ اس کے سوا اور کیا ہیں کہ اللہ کے ایک رسول ہیں، اللہ کے کلمہ ہیں، اور اللہ کی طرف سے ایک روح ہیں، جو حضرت مریم کے واسطے سے عالم شہود میں آئے، نہ خدا ہیں، نہ خدا کے بیٹے ہیں، تو تم اللہ پر اور ان کے رسولوں پر ایمان لاؤ، اور یہ بالکل نہ کہو کہ معبود تین ہیں، اس عقیدے سے توبہ کرو، تاکہ تمہارے لئے خیر ہو، معبود تو صرف ایک اللہ ہے، وہ ان سب کمزوریوں سے پاک ہیں کہ ان کے کوئی بیٹا ہو، دنیا کی ہر چیز ان کی ملکیت ہے، وہ اکیلے سب کے وکیل ہیں اور کافی ہیں۔

حضرت عیسیٰ مسیح بایں جلالت شان ذرا بھی انھیں عار نہیں ہے کہ وہ اللہ کے بندے کہلائیں، اور نہ مقرب فرشتوں کو بندہ کہلانے میں کوئی عار واستنکاف ہے، اور اگر کوئی اللہ کی بندگی سے عار محسوس کرے گا، وہ بالآخر خدا کے پاس حاضر کیا جائے گا، تو وہاں ایمان اور عمل صالح سے جو لوگ آراستہ ہوں گے، انھیں اجر بھی ہوگا، اور مزید فضل بھی، اور جن کو تکبر اور عار ہوا ہوگا، انھیں دردناک عذاب ہوگا اور انھیں کوئی مددگار نہ ملے گا۔ اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے ایک حجت اور دلیل محمد ﷺ کی شکل میں آچکی ہے اور ہدایت کی روشنی قرآن کریم کی صورت میں نازل ہو چکی ہے، تو جو لوگ اللہ کو مان لیں گے اور اس پر پختگی سے جم جائیں گے وہ رحمت اور فضل اور ہدایت سے سرفراز ہوں گے۔

☆☆☆☆☆

﴿يَسْتَفْتُوْنَكَ﴾ فِي الْكَلَالَةِ ﴿قُلْ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلَالَةِ إِنِ امْرُؤٌ﴾ مرفوع بفعلٍ يفسره ﴿هَلَكَ﴾ مات ﴿لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ﴾ أي ولا والد وهو الكلالة ﴿وَلَهُ أُخْتٌ﴾ من أبوين أو أب ﴿فَلَهَا نِصْفُ مَاتَرَكَ وَهُوَ﴾ أي الاخ كذٰلك ﴿يَرِثُهَا﴾ جميع ماتركت ﴿إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَهَا وَلَدٌ﴾ فإن كان له ولد ذكر فلا شئ له، أو انثىٰ فله مافضَلَ عن نصيبها، ولو كانت الاخت أو الأخ من أمّ فَفَرْضُهُ السدسُ كما تقدم اول السورة ﴿فَإِنْ كَانَتَا﴾ أي الاختان ﴿اثْنَتَيْنِ﴾ أي فصاعداً لأنها نزلت في جابرٍ ؓ وقد مات عن أخواتٍ ﴿فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّاتَرَكَ﴾ الأخ ﴿وَإِنْ كَانُوْا﴾ أي الورثة ﴿إِخْوَةً رِّجَالاً وَّنِسَاءً فَلِلذَّكَرِ﴾ منهم ﴿مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ﴾ شرائع دينكم ل ﴿أَنْ﴾ لا ﴿تَضِلُّوْا وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْئٍ عَلِيْمٌ﴾ ومنه الميراث، روى

الشيخان عن البراءؓ أنها آخر آيةٍ نزلت ، أى من الفرائض۔

﴿ترجمـــــہ﴾

(تم سے) کلالہ کے متعلق (فتویٰ پوچھتے ہیں، تم کہہ دو کہ اللہ تم کو کلالہ کے بارے میں فتویٰ دیتے ہیں، اگر کوئی شخص) إمرؤٌ ایک ایسے فعل کا فاعل ہے جس کی تفسیر بعد میں آنے والا فعل کر رہا ہے یعنی هلک (فوت ہو جس کی اولاد نہ ہو) اور اس کا باپ بھی نہ ہو، یہی آدمی کلالہ ہے (اور اس کی) سگی یا علاتی (بہن ہو، تو اس کے لئے ترکہ کا نصف ہے، اور وہ) یعنی ایسا بھائی (اس کا) یعنی کلالہ بہن کے تمام ترکہ کا (وارث ہوگا، اگر اس کے اولاد نہ ہو) اور اگر اس کی اولاد ذکور وانا ث ہو، تو بھائی کے لئے کچھ نہیں ہے، اور اگر اولاد اناث ہو تو اس کے حصے سے جو بچ رہے گا، وہ اسے مل جائے گا، اور اگر اخیافی بہن یا بھائی ہو، تو اس کا حصہ سدس ہے، جیسا کہ ابتداءِ سورہ میں گزرا (پس اگر دو) بہنیں (ہوں) یا زیادہ، کیونکہ یہ آیت حضرت جابرؓ کے بارے میں اتری ہے، جن کی وفات کے بعد کئی بہنیں وارث تھیں (تو ان دونوں کے لئے) بھائی کے (ترکہ کا دو تہائی ہے، اور اگر) ورثہ (کئی بھائی اور بہن ہوں تو) ان میں سے (مرد کے لئے دو عورتوں کے برابر حصہ ہے، اللہ تمہارے لئے) اپنے دین کے احکام (بیان کرتے ہیں کہ کہیں تم بھٹک) نہ (جاؤ، اور اللہ ہر چیز کو جانتے ہیں) اور انھیں چیزوں میں میراث بھی ہے، شیخین نے روایت کی ہے کہ یہ آخری آیت ہے جو نازل ہوئی، یعنی فرائض (میراث) کے متعلق۔

﴿تشریحات﴾

الكلالة: وہ مرد یا عورت جس کے نہ کوئی اولاد ہو، اور نہ ماں باپ موجود ہوں۔

مرفوع بفعلٍ يفسره هلک : إمرؤ، ما اضمر عامله علیٰ شريطة التفسير ہے، اس کا عامل هلک محذوف ہے، بعد والا هلک اس کا قرینہ اور تفسیر ہے۔

من أبوين : یہاں بہن سے مراد سگی بہن، یا علاتی یعنی والد ایک ہو، والدہ مختلف ہو۔

الاخ كذٰلک : اور ایسا ہی بھائی جیسی بہن تھی، یعنی سگا بھائی یا علاتی بھائی۔

أو انثىٰ فله مافضل : اگر اس کے بیٹی ہو، تو پہلے بیٹی اپنا حصہ لے گی، اگر ایک ہے تو نصف اور ایک سے زائد ہوں تو دو ثلث، پھر باقی بھائی کے حصہ میں بطور عصبہ کے ہوگا۔

وقد مات عن أخواتٍ : بظاہر عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جابر کا انتقال ہوا، اور ان کی بہنیں ہی صرف وارث تھیں، اور اسی پر یہ آیت اتری، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کا انتقال دورِ نبوی میں ہی میں ہوا، لیکن یہ صحیح نہیں ہے، ان کا انتقال تو وفاتِ نبوی کے بعد بہت بعد ہوا، البتہ زمانۂ نبوت میں ان کی صورت حال یہی تھی،

ان کے والد غزوۂ احد میں شہید ہوئے، ان کے بعد سب ان کی بہنیں ہی تھیں، ابھی نکاح بھی نہ ہوا تھا کہ اولاد ہوتی۔

﴿أن﴾ **لاتضلوا** : یہ مفعول لہ ہے، اور لاء محذوف ہے، اور کشاف میں ہے کہ اس کا معنی کراھة أن تضلوا ہے، اور یہی راجح ہے، کیونکہ اس طرح کے مواقع پر لا کے مقابلے میں مضاف کا حذف زیادہ عام اور شائع ہے۔

﴿مضامین آیات وتفسیر﴾

سورت کی ابتداء قرابت داروں کے حقوق واحکام سے ہوئی تھی، پھر درمیان میں بھی سلسلۂ بیان اسی طرف پھر گیا تھا، اب سورہ کا خاتمہ بھی اسی پر ہے، کلالہ کے بھائی بہنوں کی تین صورتیں ہیں، سگے ہوں، اخیافی یعنی ماں شریک ہوں، علاتی یعنی باپ شریک ہوں، آیت: ۱۲ میں اخیافی بھائی بہن کا تذکرہ ہے، اور یہاں سگے اور علاتی بھائی بہن کا ذکر ہے، مطلب یہ ہے کہ اگر کلالہ کے ایک بہن ہو تو نصف ترکہ پائے گی، اور اگر ایک سے زیادہ بہن ہو تو دو تہائی کی سب مل کر حصہ دار ہوں گی، اور اگر بھائی بہن دونوں ہوں، تو سب میراث للذکر مثل حظ الانثیین کے اصول پر تقسیم ہوگی، اور اگر کلالہ کا صرف ایک بھائی ہو تو وہ کل میراث لے لے گا۔

تمت تمت تمت تمت تمت

جلد اول تمام ہوئی

الحمد لله الذی بنعمته تتم الصالحات

اعجاز احمد اعظمی

۹ رصفر ۱۴۳۰ھ مطابق ۵ رفروری ۲۰۰۹ء یوم الخمیس (جمعرات)

❁❁❁❁❁